سُنّی بہشتی زیور (کامل)

تصنیف

خلیلِ ملت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی قدس سرہ العزیز









فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

تو کیوں نہ ہوا کہ ان کی ہر بڑی جماعت سے ایک چھوٹی جماعت نکلے جو دین کی سمجھ حاصل کرے

(سورۃ یونس ۱۰/۱۲۲)

سُنّی بہشتی زیور (کامل)

(حصہ اوّل تا نہم)

خواتین کیلئے اسلامی نظام کے مطابق زندگی گزارنے کا نصاب

جو خواتین کامیاب ترین زندگی گزارنے کی خواہش رکھتی ہیں وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں

— تصنیف —

خلیلِ ملت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ العزیز

— ناشر —

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور



نام کتاب: سُنی بہشتی زیور (کامل)

تصنیف: خلیل ملت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہروی علیہ الرحمہ
بانی وشیخ الحدیث دارالعلوم احسن البرکات، حیدر آباد

زیر نگرانی: عالمی مبلغ اسلام مفتی اعظم اہل سنت مفتی احمد میاں برکاتی مدظلہ
شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات، حیدر آباد

تصحیح ونظر ثانی: مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی

مطبع: رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور

طبع باراوّل: 1981ء

الطبع الثالث: فروری 2001ء

قیمت: -/450 روپے

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اُردو بازار لاہور



Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فہرست

سُنی بہشتی زیور (کامل)

حصہ اوّل

حصہ دوم

حصہ سوم

حصہ چہارم

حصہ پنجم

حصّہ ششم

حصّہ ہفتم

حصّہ ہشتم

عرضِ مؤلف

اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان کہ اس نے مجھ جیسے بے مایہ و بے بضاعت کو یہ توفیق خیر رفیق عطا فرمائی کہ اس فقیر نے مایۂ علم و حسن سے کورا ہونے کے باوجود ہماری نماز کی تالیف کے بعد مسلمان بچوں اور بچیوں کے لیے چند سال قبل "ہمارا اسلام" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی جو پانچ حصوں پر مشتمل ہے اور ہر حصہ شعبۂ عقائد و شعبۂ اعمال پر منتظم۔

جس وقت یہ کتاب شائع ہوئی اس وقت اس ہیچمدان کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ کتاب عوام و خواص میں اس قدر مقبول و پسندیدہ ہوگی جس کا اندازہ اساطینِ دین و ملت و علمائے اہلِ سُنّت و جماعت کی اس قدر افزائی سے ہوتا ہے جو ان کی زبانِ حق ترجمان اور قلمِ حق رقم سے وقتاً فوقتاً ظہور میں آیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

انہیں ایام میں اس سرتاپا بے بضاعت سے بعض احباب نے تقاضا کیا کہ فقہی مسائل پر مشتمل میں ایک ایسی کتاب بھی ترتیب دوں جس سے عام مسلمان عورتیں استفادہ کر سکیں اور جس میں طہارت و نماز کے مسائل خصوصاً ایسے نہج پر لکھے جائیں کہ عام حالات میں یہ کتاب ان کی صحیح رہنمائی کر سکے اور بہترین رفیق ثابت ہو۔

یہ ہیچمدان کہ حقیقتاً علمائے کرام کی خاک پا کے برابر بھی نہیں اپنی اہم مصروفیتوں کے باوجود، اپنے اساتذہ کرام و مشائخ عظام کی عنایاتِ بے غایات کی بدولت جو اس فقیر پر مبذول رہی ہیں اور آج بھی رہتی ہیں۔ اپنی سی کوششوں میں کامیاب ہوا اور "بہارِ

نسواں" المعروف "سنی بہشتی زیور" کے نام سے یہ کتاب ترتیب دے کر آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔ اس فقیر کو اس مقصد میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا فیصلہ اہلِ علم فرمائیں گے۔

فروری ۱۹۷۴ء کو یہ کتاب پہلی مرتبہ، سنی باب الاشاعت کراچی ۳۱ سے شائع ہوئی اور صرف تین ماہ کی قلیل مدت میں ہاتھوں ہاتھ گئی۔ احباب کے تقاضے بڑھے کہ اس میں اور اضافہ کیجئے۔ قارئین نے اصرار کیا کہ اس کی ضخامت بڑھائیے۔ ادھر درس و تدریس کی مصروفیات میں تنہا اور کار بسیار۔ ابھی اسی تردد و کشمکش میں تھا کہ ایک موذی مرض کے حملہ کا شکار ہو گیا اور مہینوں اس کی زد میں رہا۔

بزرگوں کی دعاؤں نے دوبارہ طاقتور کیا۔ زندگی بخشی۔ چراغ سحری جھلملا رہا تھا کہ پھر روشن ہو گیا۔ غرض "بہارِ نسواں" میں اضافے کی نیت سے قلم اٹھایا اور پھر میرے اساتذہ و مشائخ کرام کا کرم اور ان کا التفاتِ تام تھا کہ توفیقِ الٰہی سے کام سنورا اور سنورتا ہی چلا گیا۔

ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

قارئین سے پھر التماس ہے کہ فقیر گناہ گار کے حق میں دعائے خیر فرمائیں کہ مولائے کریم خاتمہ بالخیر فرمائے۔

ناظرین سے التماس ہے کہ کسی غلطی پر مطلع ہوں تو اس فقیر کو آگاہ فرمائیں۔

والسلام!

العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی المارہروی

۸ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ



پیش لفظ

فاضل مؤلف حضرت مولانا مفتی محمد خلیل خاں صاحب برکاتی مدظلہ العالی صدر المدرسین شیخ الحدیث دارالعلوم احسن البرکات حیدر آباد سندھ، سندھ کے علمائے اہلِ سُنّت میں ممتاز ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ آپ تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہیں جس سے اکثر علماء غافل ہیں۔ حضرت مولانا زید لطفہ نے پہلے "ہمارا اسلام" اور اس کے بعد "بہارِ نسواں" لکھ کر مسلمان عورتوں، بچوں اور مردوں کے لیے اپنی معلومات کا ایک وافر ذخیرہ فراہم کیا اور وقت کی اہم ضرورت کو پورا فرمایا۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے کوئی جماعتی غرض مقصود نہیں جیسا کہ بعض علمائے نے عورتوں اور بچوں کے لیے انہی موضوعات پر کتابیں لکھ کر چوری چھپے اپنے عقائد کی اشاعت کی ہے اور معصوم بچوں، بے گناہ عورتوں کو گناہ گار بنایا ہے۔

آج کل نہ صرف عورتوں بلکہ مردوں کو بھی دینی مسائل سے واقفیت کی اشد ضرورت ہے۔ حال یہ ہے کہ علماء و صوفیاء کے گھرانوں میں بھی تہذیب جدید نے اپنا پڑاؤ ڈالا ہوا ہے۔ اور نئی پود کے جوان مرد اور عورتیں دینی مسائل سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں اوروں کا تو ذکر ہی کیا۔ ایسے نازک وقت میں حضرت مؤلف مدظلہ نے عورتوں پر احسان عظیم فرمایا اور یہ مختصر رسالہ تالیف فرمایا جس کو وہ عورتیں بھی پڑھ سکتی ہیں جو امور خانہ داری میں مصروف رہتی ہیں اور وہ عورتیں بھی جو غم روزگار میں گرفتار مردوں کے دوش بدوش چلنے کی آرزومند ہیں۔ اتنی فرصت دونوں کو میسر آسکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہمارا ظاہر و باطن پاک رکھنا چاہتا ہے اور یہ نوع انسانی پر اس کا زبردست احسان ہے۔ پاکی و طہارت دراصل حسن و جمال کا دوسرا نام ہے جو طاہر نہیں، جمیل ہو نہیں سکتا۔ اسلام مرد سے زیادہ عورت کے حسن کی حفاظت چاہتا ہے اس لیے اس کو پوشیدہ رہنے پر زور دیا گیا ہے کہ ہر قیمتی اور حسین شے پوشیدہ ہی رہے تو مناسب ہے اس لیے اسلام نے معاش کا سارا بوجھ مرد پر ڈالا ہے اور عورت کو مستثنیٰ رکھا تاکہ وہ دل رُبا و دل پذیر رہے۔ مرد کے ذوق و شوق اور قوت عمل کی محرک بنے۔ عورت و مرد چھکڑے کے دو بیل نہ ہوں بلکہ اسلام چاہتا ہے کہ وہ ایک گلشن کے گل و بلبل ہوں۔ ایک محفل کے شمع و پروانہ ہوں۔ اور ایک آسمان کے آفتاب و ماہتاب ہوں۔ تو یہ کتاب جمال ظاہری کے ساتھ ساتھ جمال باطنی کو برقرار رکھنے کے لیے لکھی گئی ہے اور جب تک یہ حاصل نہ ہو ظاہری جمال باقی رہ نہیں سکتا۔ مولیٰ تعالیٰ حضرت مؤلف دامت برکاتہم العالیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا مبارک سایہ قائم و دائم رکھے۔ تاکہ علم و دانش کا یہ چشمہ جاری رہے اور بھولے بھٹکے ہدایت پاتے رہیں۔
(آمین اللھم آمین)

محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ کالج سکرنڈ (ضلع نواب شاہ سندھ)
۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۷۸ء



کچھ مؤلف کے بارے میں

نام

محمد خلیل خاں بن عبدالجلیل خاں بن اسمٰعیل خاں بن سردار خاں بن فیض اللہ خاں لودھی۔

ابتدائی زندگی

جولائی ۱۹۲۰ء میں ضلع علی گڑھ کی مشہور ریاست دادوں سے ملحق موضع کھریری میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے۔ عمر شریف چھ روز ہی ہوئی کہ والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ دادا صاحب نے پرورش میں لیا۔ لیکن وہ بھی جلد ہی رخصت ہو گئے، جس کے بعد آپ والدہ ماجدہ کے ہمراہ اپنی ننھیال مارہرہ شریف تشریف لے آئے، یہاں آ کر والدہ ماجدہ بھی رحلت فرما گئیں۔ ابھی آپ عمر کے اس حصّہ کو نہ پہنچے تھے کہ جہاں نیک و بد کا شعور ہو۔ چنانچہ چچا صاحب نے اپنی تربیت میں لیا۔ "مارہرہ شریف" ضلع ایٹہ کا ایک مشہور قصبہ ہے۔ جہاں سلسلہ قادریہ کے مشائخ کرام کا فیض صدیوں سے جاری ہے۔ مفتی صاحب موصوف مارہرہ شریف کے محلّہ کمبوہ میں "افغان روڈ" پر اقامت پذیر ہوئے۔ وہاں کے دستور کے مطابق آپ نے بھی انگریزی تعلیم حاصل کی اور اوائل ۱۹۳۴ء میں انگریزی مڈل اچھی پوزیشن میں پاس کیا

اسی دوران آپ نے ڈیڑھ سال کا عرصہ اپنے چچا صاحب کے ہمراہ حیدر آباد سندھ میں بھی گزارا۔ وسائل کی کمی کی وجہ سے قصبہ سے باہر حصول علم کے لیے نہ جاسکے۔ لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ چنانچہ ریاست مینڈو کے مدرسہ یوسفیہ عربیہ میں چھ ماہ تک گلستان بوستان پڑھی، جس کے بعد تقدیر کشاں کشاں آپ کو پھر ریاست دادوں لے آئی۔

آپ کے نانا کرم خاں صاحب مولانا عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم کے برادر حقیقی تھے، اور مولانا مرحوم مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی رحمتہ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ گویا علم دین آپ کو انہیں حضرت کی وراثت ہاتھ آیا۔

۹ مارچ ۱۹۳۵ء ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ آپ مدرسہ حافظیہ سعیدیہ میں عربی کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ نواب ابوبکر خاں صاحب نے قائم کیا تھا۔ پہلے ہی امتحان میں آپ اپنی جماعت میں اول رہے اور بعد میں ہر امتحان میں یہی پوزیشن حاصل کرتے رہے۔[1] دو سال کے عرصہ بعد ہی حضرت صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مدرسہ کی تعلیمی سرپرستی قبول فرمالی اور یہ دور مدرسہ کا شاندار دور تھا۔ ۱۳۵۹ھ میں درجہ مولوی اور ۱۳۶۱ھ میں عالم کی سند اسی مدرسہ سے حاصل کی۔ آپ مدرسہ کے ممتاز طلبہ کی صف میں شامل تھے۔ شعبان ۱۳۶۳ھ میں آپ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی اور اسی سال رسم دستار بندی عمل میں آئی۔ حضرت مفتیٔ اعظم ہند نے سند حدیث عنایت فرمائی۔

بیعت وخلافت

زمانۂ طالب علمی ہی میں آپ کا خیال تھا کہ حضرت حجتہ الاسلام مولانا الشاہ حامد رضا خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کریں۔ لیکن وقتاً فوقتاً تین مرتبہ یہ خواب دیکھا کہ جامع مسجد برکات مارہرہ شریف میں حضرت تاج العلماء وارث

[1] زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ مدرسین کی کمی کی وجہ سے صدر الشریعہ رحمتہ اللہ علیہ نے چند کتب تدریس کے لیے موصوف کے سپرد کیں۔

الاکابر الاسیاد بالاستحقاق والانفراد مولانا الشاہ محمد میاں صاحب قدس سرہ کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ اسی زمانہ میں مارہرہ شریف حاضر ہو کر اپنا نام غلامانِ برکات میں شامل کرالیا۔ حضرت اقدس کے خلیفہ و جانشین حضرت سید شاہ حسن میاں صاحب نے حضرت اقدس کے ایماء پر ان کے وصال کے بعد سندِ خلافت عطا فرمائی۔ بعدہٗ، صاحبزادہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قادری برکاتی نوری دامت برکاتہم العالیہ نے قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ اذکار و اوراد و اشغال و اوفاق و اعمال اور "النور والبہاء" کے تمام مذکورات کی اجازت کے ساتھ سلسلہ قادریہ رضویہ کی خصوصاً اور دیگر سلاسل کی عموماً سندِ خلافت عطا فرمائی۔ حضرت مفتی صاحب موصوف مدظلہ العالی حضرت صدر الشریعہ رحمتہ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں شامل تھے حتیٰ کہ خود حضرت نے اپنی کتاب "بہار شریعت" میں مفتی صاحب کا ذکر کیا ہے۔

پاکستان میں آمد

فراغت کے بعد آپ مارہرہ شریف میں رہے اور حالات کی کشاکش کی بناء پر ترک وطن کر کے ۲۳ شعبان ۱۳۷۱ھ میں پاکستان تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ میرپور خاص اور پھر کراچی میں ایک سال تک رہے۔ بعدازاں حاجی محمد عمر صاحب برکاتی کے مشورے پر حیدر آباد منتقل ہوگئے، جہاں حاجی صاحب موصوف نے مفتی صاحب کے لیے ایک مکان حاصل کرلیا تھا۔ اسی زمانہ جولائی ۱۹۵۲ء میں سید جعفر حسین شاہ صاحب مرحوم کی نگرانی و سرپرستی میں دارالعلوم احسن البرکات کی بنیاد رکھی۔ اس وقت دارالعلوم سندھ میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ مفتی صاحب موصوف کے دست مبارک سے اب تک تقریباً ترانوے طلبہ درجۂ حدیث سے سند فراغ حاصل کرچکے ہیں۔

مفتی صاحب موصوف کے دست مبارکہ سے ہزاروں طلبہ سند حدیث حاصل کر چکے ہیں۔ مفتی محمد خلیل خان صاحب قادری کا وصال ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ (۱۸ جون ۱۹۸۵ء) کو افطار کے وقت حیدر آباد میں ہوا۔ نماز جنازہ میں کم وبیش بیس ہزار افراد

نے شرکت کی، خانوادۂ غوثیہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک
بزرگ حضرت سخی عبدالوہاب شاہ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ شریف جیلانیہ کے احاطہ
میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی اور آپ کا مزار پُرانوار مرجع عوام وخواص ہے۔ زائرین
ہر لمحہ فاتحہ خوانی کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح قادری سلسلہ کے یہ فقیہ، قادری درگاہ میں
قادریوں کے ساتھ جا ملے۔ مفتی صاحب موصوف ''مفتیٔ اعظم سندھ، بلوچستان'' کے
لقب سے مشہور و معروف ہوئے۔ علماء واحباب نے آپ کو ''خلیل ملت'' کا خطاب دیا۔
خانقاہ برکاتیہ اور خانقاہ رضویہ سے آپ کو ''خلیل العلماء'' کا لقب عطا ہوا۔ مفتی صاحب
نے اپنے وصال تک آخری سانس کو بھی دین متین کی خدمت کے لیے وقف رکھا۔
آپ نے جو فتاویٰ جاری فرمائے ان کی تعداد تقریباً پانچ ہزار ہے جو بارہ جلدوں پر مشتمل
ہیں۔ آپ نے تقریباً ساٹھ کتب تصنیف و ترجمہ فرمائیں۔ قرآن کریم کے سترہ (۱۷)
پاروں کی تفسیر ''خلاصہ التفاسیر'' کے نام سے لکھی۔ آپ کی ایک تصنیف ''ہمارا اسلام''
نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی جو ملک و بیرون ملک، بہت سے اسکولوں میں نصاب
میں شامل ہے، اس کتاب کے ہزاروں ایڈیشن ملکی و غیر ملکی ناشرین، انجمنوں اور
اداروں نے شائع کیے اور کئی بار مفت تقسیم ہوئے۔ اس کتاب کا ترجمہ سندھی، ڈچ اور
انگریزی میں بھی شائع ہو رہا ہے۔ آپ کی چند مزید مشہور کتب میں زیر نظر کتاب سنی
بہشتی زیور، عقائد الاسلام، ترجمہ سبع سنابل، نور علیٰ نور (ترجمہ سراج العوارف)، الصلوۃ،
چادر اور چاردیواری، شرح فیصلہ ہفت مسئلہ، حکایات رضویہ، ہماری نماز، روشنی کی
طرف شامل ہیں۔ آپ کی آخری تصنیف ''موت کا سفر'' بھی نہایت عمدہ کتاب ہے جو
موت کی تیاری سے متعلق آداب وغیرہ پر مشتمل ہے۔

مفتی صاحب اپنی رائے میں بڑے صائب تھے، ایک بار جو قول فرما دیا کبھی اس
سے رجوع کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اہلِ حیدر آباد پر آپ کا یہ احسان ہمیشہ رہے گا کہ
آپ نے ان کی اصلاح کے لیے ہمیشہ، حق کا اظہار، برملا فرمایا، امام اہلسنت اعلیٰ حضرت
فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ سے آپ کو والہانہ انسیت و محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ
آپ کی تحریر میں جگہ جگہ رضویت کی تازگی، بہار دکھاتی نظر آتی ہے۔

مفتی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایک سچے نعت گو شاعر بھی تھے، آپ کا ایک دیوان
پاکستان آتے ہوئے راستہ میں ضائع ہوگیا۔ دوسرا دیوان موجود ہے جس کی اکثر نعتیں
مختلف رسائل کی زینت بن چکی ہیں۔

پیش کردہ

ابو حماد مفتی احمد میاں برکاتی

مہتمم دارالعلوم احسن البرکات، حیدر آباد

شاہراہ مفتی محمد خلیل خاں، ۲؍جنوری ۱۹۹۰ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کابیان

(۱) **عقیدہ:** اللہ ایک ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں، نہ افعال میں، نہ احکام میں اور نہ اسماء میں۔ وہی معبود برحق اور اس کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت و بندگی کی جائے۔ قدیم و ازلی اور ابدی ہے، یعنی ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اور جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی، ابدی ہے۔ صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں۔ ذات و صفات کے سوا ساری چیزیں حادث ہیں، یعنی پہلے نہ تھیں، پھر موجود ہوئیں۔ جو عالم میں سے کسی شے کو قدیم مانے یا اس کے حادث و نوپید ہونے میں شک کرے، وہ کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

(۲) **عقیدہ:** وہ حی ہے، یعنی خود زندہ ہے اور سب کی زندگی اس کے ہاتھ میں ہے جسے جب چاہے زندگی بخشے، زندہ کرے اور جب چاہے موت دے۔

(۳) **عقیدہ:** نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا، نہ اس کے لیے بی بی ہے جو اسے باپ یا بیٹا بتائے یا اس کے لیے بی بی ثابت کرے کافر ہے، بلکہ جو ممکن بھی کہے وہ بددین اور گمراہ ہے۔ ہم سب اس کے بندے ہیں اور وہ ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ مہربان۔

(۴) **عقیدہ:** وہ بے پرواہ ہے، غنی و بے نیاز ہے، کسی آن، کسی بات میں، کسی کا محتاج نہیں، بلکہ تمام جہان اس کا محتاج ہے۔

(۵) **عقیدہ:** وہ قدیر ہے، یعنی ہر ممکن پر قادر۔ کوئی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ بڑی طاقت و قدرت والا ہے جو چاہے اور جیسا چاہے کرے۔ کسی کو اس پر قابو نہیں، وہی سب کا مالک ہے، کوئی بھی اس کے حکم میں دم نہیں مار سکتا۔

(۶) **عقیدہ:** وہ سمیع ہے، ہر پکارنے والے کی پکار اور آواز سنتا ہے۔ زمین پر چیونٹی کے چلنے کی آہٹ اور مچھر کے پروں کی آواز تک سنتا ہے۔

(۷) **عقیدہ:** وہ بصیر ہے، یعنی ہر چیز کو دیکھتا ہے، کوئی چیز اندھیرے میں ہو، خواہ اجالے میں، دور ہو یا نزدیک، بڑی ہو یا چھوٹی، اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ ہر باریک سے باریک کو کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو، وہ دیکھتا ہے۔

(۸) **عقیدہ:** وہ علیم ہے، یعنی ہر چیز کی اسے خبر ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے، سب اس کے علم میں ہے۔ ہماری گفتگو، ہماری نیتیں، ہمارے ارادے، جو ہمارے سینوں میں پوشیدہ ہیں، چھپے ہوئے ہیں، سب اسے معلوم ہیں۔ ایک ذرہ بھی اس سے مخفی و پوشیدہ نہیں۔ سب کو ازل میں جانتا تھا اور اب جانتا ہے اور ابد تک جانے گا۔ اشیاء بدلتی ہیں، اس کا علم نہیں بدلتا۔ دلوں کے خطروں اور وسوسوں سے وہ واقف ہے۔ غرض اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔

(۹) **عقیدہ:** تمام چیزیں اسی کے ارادہ و اختیار سے ہیں۔ جس کو چاہتا ہے وہی چیز ہوتی ہے اور وہ جسے نہ چاہے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اس کی مشیّت (ارادے) کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ کوئی ذرہ بغیر اس کے حکم کے حرکت نہیں کر سکتا۔ جہاں میں جو کچھ ہوتا ہے سب کچھ اسی کی مشیّت سے ہوتا ہے، کسی کو اس پر قابو نہیں اور نہ ہی کوئی اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے والا۔

(۱۰) **عقیدہ:** وہی ہر چیز کا خالق ہے، آسمان، زمین، چاند، سورج، ستارے، آدمی، جانور، پہاڑ، دریا اور سمندر، غرض تمام حیوانات، نباتات اور جمادات، ساری کائنات، تمام جہان کا پیدا کرنے والا وہی ایک اکیلا ہے۔ ہمیں اور جو کچھ ہم کرتے ہیں اسی نے

پیدا کیا۔ سوائے اللہ کے اور کوئی کسی چیز کا مالک و خالق نہیں۔ ہر چھوٹی اور بڑی چیز اسی کی مخلوق، اسی کی پیدا کی ہوئی ہے جس چیز کو اللہ پیدا کرنا چاہتا ہے "کن" کہہ کر پیدا کر دیتا ہے۔

(۱۱) **عقیدہ:** وہی رزاق ہے، چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق کو روزی دیتا ہے۔ وہی ہر چیز کی پرورش کرتا ہے، وہی رب العالمین ہے، وہی حقیقتاً روزی پہنچانے والا ہے۔ ماں، باپ، حاکم، بادشاہ بلکہ فرشتے وغیرہم سب وسیلے اور واسطے ہیں۔

(۱۲) **عقیدہ:** وہ متکلم ہے، یعنی کلام بھی کرتا ہے مگر اس کا کلام آواز سے پاک ہے جس طرح اس کا کلام کرنا، زبان سے نہیں۔ یوں ہی اس کا دیکھنا، سننا، آنکھ اور کان سے نہیں۔ مثل دیگر صفات کے کلام بھی قدیم ہے تمام آسمانی کتابیں، صحیفے اور قرآن کریم سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادث و نوپید ہے مگر جو ہم نے پڑھا، لکھا اور سنا اور حفظ کیا وہ قدیم ہے اس کی صفات بھی اس کی شان کے مطابق ہیں۔

(۱۳) **عقیدہ:** وہ ہر کمال کا ہر خوبی کا جامع ہے اور ہر عیب و نقصان اور برائی سے پاک ہے، یعنی کسی عیب کسی نقصان کا اس میں ہونا محال ہے۔ بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اس کے لیے محال ہے۔ مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، نادانی اور بے حیائی وغیرہا عیوب اس پر قطعاً محال ہیں۔

(۱۴) **عقیدہ:** اس کو نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ تمام جہان کا نگاہ رکھنے والا، نہ تھکے نہ اونگھے۔ اسی کی رحمت، ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا ہے۔ اس کے وعدہ وعید بدلتے نہیں۔ اس نے وعدہ فرمالیا ہے کہ کفر کے سوا ہر چھوٹے بڑے گناہ کو جسے چاہے معاف کر دے گا۔ وہ بڑے حلم والا ہے۔ اسی کے لیے بڑائی اور عظمت ہے مگر اس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔ جس سے بے اس کی مرضی کے کوئی چھوٹ نہیں سکتا۔ وہ جو کچھ کرتا ہے یا کرے گا، عدل و انصاف ہے۔ ظلم سے وہ پاک و صاف ہے۔ مخلوق کا نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مظلوم کی فریاد کو پہنچتا اور ظالم سے بدلہ لیتا ہے، اس کی

مشیّت و ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا مگر اچھے پر خوش ہوتا ہے اور برے سے ناراض۔

(۱۵) **عقیدہ:** اس کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہیں، خواہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور اس کے فعل کے لیے غرض و غایت نہیں اور نہ اس کے افعال، علت و سبب کے محتاج ہیں۔ اس کی سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقل پہنچتی ہے وہ خدا نہیں، اور جو خدا ہے اس تک عقل رسا نہیں۔

(۱۶) **عقیدہ:** اس کا دیدار، آخرت میں ہر مسلمان کے لیے ممکن بلکہ واقع ہے، البتہ اس کا دیدار بلا کیف ہے یعنی دیکھیں گے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے۔

(۲) نبوت کا بیان

مسلمان کے لیے جس طرح ذات و صفاتِ الٰہی کا جاننا ماننا اور ان پر ایمان لانا ضروری اور فرض عظیم ہے اسی طرح یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ نبی کون ہو سکتا ہے۔ نبی کے لیے کیا جائز ہے اور کیا واجب اور کیا محال؟ کہ کسی واجب کا انکار اور محال کا اقرار، موجب کفر ہے، کہیں اسے کافر نہ کر دے اور بہت ممکن ہے کہ آدمی نادانی سے اسلامی عقائد کے برخلاف کوئی عقیدہ رکھے یا خلافِ عقیدہ کوئی بات زبان سے نکالے اور ہلاک ہو جائے کہ نبوت بڑا عظیم، بہت بلند اور بڑا درجہ ہے۔

(۱۷) **عقیدہ:** اللہ عزوجل نے اپنے خاص فضل و کرم سے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جن پاک بندوں کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے مبعوث فرمایا اور بھیجا انہیں نبی کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے، جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

(۱۸) **عقیدہ:** نبی و رسول، اللہ تعالیٰ کے خاص اور معصوم بندے ہوتے ہیں۔ بڑی عزت و وجاہت والے، ان کی نگرانی اور تربیت خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ عالی حسب، عالی نسب، انسانیت کے اعلیٰ مرتبہ پر

پہنچے ہوئے، خوبصورت، نیک سیرت، عبادت گزار، پرہیزگار، تمام اخلاق حسنہ، نیک خصلتوں سے آراستہ اور ہر قسم کی برائی، بے حیائی، اور بے غیرتی کے کاموں سے دور رہنے والے، انہیں عقل کامل عطا کی جاتی ہے۔ اوروں کی عقل سے ہزار درجے زائد، کسی دانشور، کسی فلسفی، کسی سائنس دان کی فہم و فراست، زیرکی و ذہانت ان کے لاکھویں حصے تک نہیں پہنچ سکتی۔

(۱۹) **عقیدہ:** اللہ کے نبی، تمام مخلوق الٰہی سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہوتے ہیں۔ فرشتوں میں بھی کوئی ان کا ہم مرتبہ نہیں بڑے سے بڑا ولی، ان کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(۲۰) **عقیدہ:** نبی کی تعظیم کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے بلکہ یہ فرض دوسرے تمام فرضوں سے بڑھ کر ہے۔ جو شخص کسی نبی کی شان میں کوئی ایسی بات کہے جس سے ان کی توہین ہوتی ہو، وہ مسلمان نہیں ہو سکتا، کافر ہے اگرچہ اسلام کا نام لیتا ہو۔

(۲۱) **عقیدہ:** نبوت بہت بڑا مرتبہ ہے، کوئی بھی شخص عبادت کے ذریعے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ نبوت خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے جسے چاہتا ہے، اپنے فضل سے دیتا ہے۔ ہاں دیتا اسی کو ہے جسے اس کے قابل بناتا ہے۔

(۲۲) **عقیدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام غیب کی باتوں کا خود بھی علم رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی ان کی خبر دیتے ہیں۔ حساب، کتاب، جنت، دوزخ، ثواب، عذاب، حشر، نشر اور فرشتے وغیرہ غیب نہیں تو اور کیا ہیں؟ یہ وہ کچھ بتاتے ہیں جس تک عقل کی رسائی نہیں مگر یہ علم غیب کہ ان کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کا عطیہ، اللہ تعالیٰ کے دیئے سے ہے۔ لہٰذا ان کا علم عطائی ہے۔ (خدا تعالیٰ کا عطا کیا ہوا) اور خدائے تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔ (اپنی صفات سے)

(۲۳) **عقیدہ:** اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو ہر ایسی بات سے دور اور پاک صاف رکھتا ہے جو لوگوں کے لیے نفرت کا باعث ہو۔ اسی لیے انبیاء کرام کے جسموں کا برص

(سفید داغ) جذام (کوڑھ) وغیرہ ایسی بیماریوں سے پاک ہونا ضروری ہے جن سے لوگ گھن کریں اور دور بھاگیں۔

(۲۴) **عقیدہ:** انبیاء کرام کی کوئی خاص تعداد مقرر کر لینا جائز نہیں۔ اللہ اور رسول نے جنہیں تفصیلاً نام بنام نبی بتایا اور قرآن و حدیث میں ان کا تذکرہ آیا، ہم ان پر تفصیلاً ایمان لائے ہیں اور باقی تمام انبیاء کرام پر ہم اجمالا ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ خدا کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے اور رام کرشن وغیرہ جنہیں ہندو مانتے ہیں، ان کے وجود پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ یہ واقعی کچھ اشخاص تھے، اور ہندوؤں کی کتابوں میں جہاں ان کا ذکر ملتا ہے، وہیں ان کی بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کا پتا بھی چلتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے بدکردار، بداطوار لوگ ہرگز ہرگز نبی نہیں ہو سکتے۔

(۲۵) **عقیدہ:** اللہ تعالیٰ کا ہر نبی زندہ ہے، ان پر ایک آن کو محض قرآنی وعدہ کی تصدیق کے لیے موت طاری ہوتی ہے۔ اس کے بعد پھر ان کو حقیقی زندگی عطا ہوتی ہے۔

(۲۶) **عقیدہ:** اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام پر، بندوں کے لیے جتنے احکام نازل فرمائے، انہوں نے وہ سب بندوں کو پہنچا دیئے۔ جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے چھپائے رکھا، یعنی خوف و تقیہ یا کسی اور وجہ سے نہ پہنچایا، وہ کافر ہے۔

(۲۷) **عقیدہ:** دنیا میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ سے پہلے زمین پر انسان کا وجود نہ تھا۔ سب انسان آپ ہی کی اولاد ہیں، اسی لیے بنی آدم یا آدمی کہلاتے ہیں، یعنی اولادِ آدم۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو ابوالبشر کہتے ہیں، یعنی سب انسانوں کے باپ، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قدرت کاملہ سے بے ماں باپ کے پیدا کیا اور اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ انہیں سجدہ کریں۔

(۲۸) **عقیدہ:** انبیاء اللہ کے مختلف درجے ہیں۔ بعضوں کے رتبے بعضوں سے

اعلیٰ ہیں اور سب میں اکمل و افضل، رتبے میں سب سے برتر و بالا، ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اسی لیے آپ کو سید الانبیاء کہا جاتا ہے، یعنی سارے نبیوں کے سرور و سردار، سب کے سر کے تاج صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲۹) **عقیدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا۔ حضور کے زمانہ میں یا بعد میں کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا، اور جو اس کے خلاف ہے، وہ یقیناً کافر و مرتد ہے۔ حضور ہی پیشوائے مرسلین ہیں اور حضور ہی خاتم النبیین ہیں کہ آپ کی ذات پاک پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔

(۳۰) **عقیدہ:** نبی صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں اور ان میں بھی یہ مرتبہ صرف مرد کے لیے ہے۔ نہ کوئی جن و فرشتہ نبی ہوا اور نہ ہی یہ مرتبہ کسی عورت کو ملا۔

(۳۱) **عقیدہ:** نبی کے دعویٰ نبوت میں سچے ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے صدق کا علانیہ دعویٰ فرما کر ایسی باتوں کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا ہے جو عادتاً محال و ناممکن ہوتی ہیں اور منکروں کو اس کی مثال لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ عزوجل اس کے دعویٰ کے مطابق، امرِ محالِ عادی کو ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں، اسی کو معجزہ کہتے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ ہو جانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو جِلا دینا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا۔ اور ہمارے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو بہت ہیں، جن کے ذکر سے بڑی بڑی کتابیں مالا مال ہیں جیسے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دینا، ڈوبے ہوئے سورج کو پھیر لینا، آپ کے حکم سے کنکریوں کا کلمہ پڑھنا۔ آپ کے حکم ہی سے درخت کا چل کر حاضر خدمت ہو جانا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمہ فیض کا جاری ہو جانا۔ رات کے تھوڑے سے حصے میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تشریف لے جانا، وہاں انبیاء کرام کی امامت فرمانا۔ بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف فرما ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا قُربِ خاص پانا اور اسی مختصر سے وقت میں واپس مکہ معظمہ آ جانا وغیرہا۔

(۳۲) **عقیدہ:** جو شخص نبی نہ ہو وہ نبوت کا دعویٰ کر کے کوئی محالِ عادی اپنے

دعوے کے مطابق ظاہر نہیں کر سکتا۔ اور کوئی جھوٹا نبی، نبوت کا دعویٰ کر کے ہرگز کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ ورنہ سچے جھوٹے میں فرق نہ رہے گا۔ دراصل جن لوگوں کی طبیعت میں کچھ کجی ہوتی ہے وہ نبوت کی سچائی پر ایک ایسی علامت دیکھنا چاہتے ہیں جو اوروں کے ہاتھوں انجام نہ پا سکے، جیسا کہ بعض بیمار دوا کو بغیر شیرینی ملائے نہیں پی سکتے۔ اور شفیق و مہربان طبیب اس میں شیرینی ملا دیتے ہیں۔ اسی طرح دونوں جہانوں کا پروردگار، نبی کے ہاتھوں ایسی محال و ناممکن باتوں کو ظاہر فرما دیتا ہے، جس سے بہت سوں کو تسکین ہو جاتی ہے۔ جھوٹے بھی ایسا کر گزریں تو پھر سچے اور جھوٹے میں کیا امتیاز رہے گا۔

(۳) سیّد الانبیاء ﷺ کے فضائل مبارکہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں دو قسم کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جن میں اور نبی و رسول آپ کے ساتھ شریک ہیں، مثلاً ایمان، اسلام، رسالت اور نبوت۔ اور دوسری قسم کے وہ اوصاف ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں۔ ان میں کوئی دوسرا آپ کا شریک نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ان میں شریک ہونا محال ہے۔ یہ وہ صفات ہیں جنہیں "خصائص" کہا جاتا ہے۔ یہ اوصاف آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصائص اور فضائل و کمالات یہ ہیں:

(۱) سب سے پہلے جس کو نبوت ملی، وہ آپ ہیں۔

(۲) قیامت کے روز جو سب سے پہلے قبر سے اٹھے گا، وہ آپ ہی ہوں گے۔

(۳) شفاعت کی اجازت سب سے پہلے آپ ہی کو دی جائے گی۔

(۴) پل صراط سے سب سے پہلے حضور، اپنی امت کو لے کر گزریں گے۔

(۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل مقامِ محمود عطا فرمائے گا کہ تمام اولین و آخرین حضور کی حمد و ستائش کریں گے۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جھنڈا مرحمت ہو گا جس کو لواء الحمد کہتے ہیں۔ تمام مومنین حضرت آدم علیہ السلام سے آخر تک سب اسی کے نیچے ہوں گے۔

(۷) حضور ہی کے لیے ساری زمین پاک کرنے والی اور مسجد ٹھہری۔

(۸) حضور ہی کے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا۔

(۹) حضور ہی پیشوائے مرسلین اور خاتم النبیین ہیں۔

(۱۰) روزِ محشر حضور آگے آگے ہوں گے اور ساری مخلوق پیچھے پیچھے۔

(۱۱) اور انبیاء کرام کسی ایک قوم کی طرف بھیجے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمائے گئے رسول بنا کر۔ اور آپ ہی ساری کائنات کے نبی ہیں۔

(۱۲) آپ کو جسم اقدس کے ساتھ معراج ہوئی اور وہ قرب خاص حاصل ہوا کہ کسی بشر و ملک کو کبھی نہ حاصل ہوا اور نہ کبھی حاصل ہو گا۔ جمالِ الٰہی بچشمِ سر دیکھا اور کلامِ الٰہی بلاواسطہ سنا اور تمام آسمانوں، زمینوں کو بالتفصیل ذرہ ذرہ ملاحظہ فرمایا۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی مدد کرنے کا وعدہ لیا۔

(۱۴) آپ کو اللہ تعالیٰ نے محبوبیتِ کبریٰ کے مرتبہ پر سرفراز فرمایا۔ حبیب اللہ کا خطاب دیا۔ تمام جہان اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کی رضا کا طالب ہے۔

(۱۵) حضور کی اطاعت و فرمانبرداری، عین طاعتِ الٰہی ہے اور طاعتِ الٰہی حضور کی طاعت کے بغیر ناممکن ہے۔

(۱۶) احکام شریعت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قبضہ میں کر دیئے گئے ہیں کہ جس کے لیے چاہیں حلال فرما دیں اور جو فرض چاہیں جس سے چاہیں معاف فرما دیں۔

(۱۷) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں۔ تمام جہان حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ماتحت ہے۔ سارا عالم

ان کا محکوم ہے۔ جو چاہیں کریں اور جو چاہیں حکم دیں۔ تمام جہان میں ان کے حکم کو پھیرنے والا کوئی نہیں۔

(۱۸) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ خدائی نعمتوں کی تقسیم انہیں کے مبارک ہاتھوں سے ہوتی ہے اور بارگاہِ الٰہی سے جو کچھ ملتا ہے، انہیں کے واسطہ سے ملتا ہے۔

(۱۹) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس طرح اپنے تمام کمالات میں جملہ انبیاء و مرسلین سے افضل و اعلیٰ برتر و بالا ہیں اسی طرح آپ کمالاتِ علمی میں بھی سب سے فائق، سب کے صدر نشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے علوم آپ کو عطا فرمائے۔ علوم غیبیہ کے دروازے کھولے۔ ہر چیز حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر روشن فرما دی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گزشتہ و آئندہ، تمام امور کی معرفت حاصل کر لی۔ امت کا ہر حال، ان کی نیتیں، ان کے ارادے اور دلوں کے خطرے سب حضور پر روشن ہیں۔

(۲۰) اللہ عزوجل نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات کا مظہر و آئینہ بنایا اور حضور پُر نور کے نُور سے تمام عالم کو منور فرمایا۔ ہر شے میں حضور پُر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نُور جلوہ فرما ہے۔ ہر چیز میں ان کے نور کا ظہور ہے۔ بایں معنی ہر جگہ حضور نبی کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم تشریف فرما ہیں۔ حاضر و ناظر ہیں۔ مگر کورِ باطن کا کیا علاج؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم!
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

آنکھ والا تیرے جوبن کا نظارہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

(۴) آسمانی کتابیں اور صحیفے

عقیدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے لوگوں کی ہدایت کے لیے چھوٹی یا بڑی جتنی کتابیں، اپنے نبیوں پر اُتاریں، سب کلام اللہ ہیں، سب حق ہیں اور ان میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے، سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان میں چار کتابیں بہت مشہور ہیں:

(۱) **توراۃ:** حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

(۲) **زبور:** حضرت داوٗد علیہ السلام پر اتاری گئی۔

(۳) **انجیل:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی۔

(۴) **قرآن کریم:** جو سب سے افضل کتاب ہے، سب سے افضل رسول، حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی گئی۔

توراۃ و زبور عبرانی زبان میں، انجیل سُریانی زبان میں، قرآن کریم لسان عربی مبین میں نازل ہوا۔

عقیدہ: اگلی کتابوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ان امتوں کے سپرد کی تھی مگر ان سے ان کتابوں کی حفاظت نہ ہو سکی۔ اور کلام الٰہی جیسا اُترا تھا ان کے ہاتھوں میں ویسا باقی نہ رہا، بلکہ ان کے شریروں نے تو ان میں تحریفیں کر دیں، یعنی اپنی خواہش کے مطابق کہیں گھٹا دیا، کہیں بڑھا دیا۔

عقیدہ: چونکہ یہ دین ہمیشہ رہنے والا ہے، لہٰذا قرآن عظیم کی حفاظت اللہ عزوجل نے اپنے ذمے لے رکھی ہے کہ تحریف و تبدیل اور کمی بیشی سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ تمام جن وانس اور ساری مخلوق کے مقدور میں نہیں ہے کہ اس میں ایک حرف کی کمی بیشی یا تغیر و تبدیل کر سکے۔ پھر قرآن کریم کی حفاظت کئی طرح پر ہے۔ ایک یہ کہ قرآن شریف کو معجزہ بنایا کہ بشر کا کلام اس میں شامل ہی نہ ہو سکے۔ ایک

یہ کہ اس کو معارضہ اور مقابلہ سے محفوظ کیا کہ کوئی اس کے مثل بنانے پر قادر نہ ہو۔ ایک یہ کہ ساری خلقت کو اس کے نیست و نابود اور معدوم کر دینے سے عاجز کر دیا کہ کفار باوجود کمال عداوت کے اس کتابِ مقدس کو معدوم کرنے سے عاجز ہیں، لہٰذا اس میں کسی حرف یا نقطہ کی کمی بیشی محال ہے۔ اگرچہ تمام دنیا اس کے بدلنے پر جمع ہو جائے، تو جو یہ کہے کہ اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں بلکہ ایک حرف بھی کسی نے کم کر دیا یا بڑھا دیا یا بدل دیا، وہ قطعاً کافر ہے۔

عقیدہ: اگلی کتابیں انبیاء کرام ہی کو زبانی یاد ہوتیں۔ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اسے مسلمانوں کا بچہ بچہ یاد کر لیتا ہے۔

عقیدہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جتنے نبی و رسول تشریف لائے ان کی رسالت کسی خاص قوم اور ایک مقررہ وقت تک کے لیے تھی۔ اس لیے وہ فرمان اور قانون یا ہدایتیں جو پیغمبروں کے ذریعے ان کی امتوں کو بھیجی گئیں، ان میں اصلاح کی قوت ایک معین زمانے اور ایک خاص قوم کے لیے تھی، لہٰذا اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کر لیا جائے کہ ان آسمانی کتابوں کا وجود اس وقت بھی بعینہٖ موجود ہے، تب بھی وہ تمام عالمِ انسانی کے لیے کامل دستور العمل نہ سمجھی جائیں گی۔ ایسا کامل دستور العمل یا ضابطۂ حیات جو زندگی کے تمام شعبوں اور انسانی ترقی کے تمام مرحلوں میں صحیح رہنمائی فرمائے۔ وہ صرف ایک ہی صحیفۂ آسمانی ہے جس کا نام قرآن مجید ہے۔ اسی لیے ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید نے اگلی کتابوں کے بہت سے احکام منسوخ کر دیئے۔

عقیدہ: کسی حکم کے منسوخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعض احکام کسی خاص وقت کے لیے ہوتے ہیں جو علمِ الٰہی میں ہوتا ہے، مگر امت پر یہ ظاہر نہیں کیا جاتا کہ یہ حکم فلاں وقت تک کے لیے ہے۔ جب وہ میعاد پوری ہو جاتی ہے تو دوسرا حکم نازل ہوتا ہے۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلا حکم اٹھا دیا گیا اور حقیقتاً دیکھا جائے تو اس کے وقت کا ختم ہونا بتایا جاتا ہے۔ منسوخ کے معنی، بعض لوگ باطل ہونا کہتے ہیں۔

یہ بہت سخت بات ہے۔ احکامِ الٰہیہ سب حق ہیں، وہاں باطل کی رسائی کہاں؟

عقیدہ: قرآن مجید تیئس برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا، حسبِ حاجت نازل ہوا، جس حکم کی حاجت ہوتی، اسی کے مطابق سورت یا کوئی آیت نازل ہوتی، تو جبریل علیہ السلام اس کا مقام بھی بتادیتے اور اس طرح قرآنِ عظیم کی سورتیں اپنی اپنی آیتوں کے ساتھ جمع ہو جاتیں۔ اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب سے اسے نمازوں میں پڑھتے اور تلاوت فرماتے۔ پھر حضور سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یاد کر لیتے۔ غرض قرآنِ عظیم کی ترتیب اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل علیہ السلام کے بیان کے مطابق اور لوحِ محفوظ کی ترتیب کے موافق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس ہی میں واقع ہوئی تھی۔ یہی ترتیب آج بھی باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

عقیدہ: خلق اللہ کی اصلاح و فلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی مختصر مختصر سی چھوٹی چھوٹی کتابیں یا ورق، جو قرآن شریف سے پہلے اتارے گئے، انہیں صحیفے کہتے ہیں۔ ان میں اچھی اچھی، مفید نصیحتیں اور کارآمد باتیں ہوتی تھیں۔ قرآن کریم میں صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی کا ذکر ہے۔ یہ اور ان کے سوا، باقی تمام آسمانی صحیفے حق ہیں اور سب پر ایمان ضروری۔

(۵) ملائکہ کابیان

عقیدہ: ملائکہ یعنی فرشتے اجسام نوری ہیں، یعنی وہ نور سے پیدا کیے گئے۔ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے ایمان دار، عبادت گزار، اطاعت شعار اور خدا تعالیٰ کے پورے پورے مطیع و فرمانبردار، بڑی عزت و کرامت والے اور اللہ کے مقرب بندے ہیں، معصوم ہیں۔ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ نہیں کرتے۔ وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، خدا تعالیٰ کی عبادت و بندگی ان کی غذا

ہے۔ ہر قسم کے صغائر و کبائر سے پاک ہیں۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے نہ قصداً نہ سہواً، اور نہ خطاءً۔

عقیدہ: اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں۔ کبھی وہ انسان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی دوسری شکل میں۔ صورت اور بدن ان کے حق میں ایسا ہے جیسا ہمارے لیے ہمارا لباس۔ ہاں قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے بازو ہیں۔ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوت عطا فرمائی ہے۔ وہ ایسے کام کر سکتے ہیں جسے لاکھوں اور کروڑوں آدمی مل کر بھی انجام نہیں دے سکتے۔

عقیدہ: اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتے مختلف کاموں میں مصروف رہتے ہیں، یا یوں کہہ لو کہ ان کو مختلف خدمتیں سپرد ہیں۔ بعض کے ذمے انبیائے کرام کی خدمت میں وحی لانا، کسی کے متعلق پانی برسانا، کسی کے متعلق ہوا چلانا، کسی کے متعلق روزی پہنچانا، کسی کے ذمے ماں کے پیٹ میں بچہ کی صورت بنانا کسی کے متعلق بدن انسانی میں تصرف کرنا، کسی کے متعلق خدا اور رسول کا ذکر کرنے والوں کی محفلیں تلاش کرنا، اور ان میں حاضر ہونا۔ کسی کے متعلق سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کا نام بنام صلوٰۃ و سلام پہنچانا۔ بعض فرشتے بندوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں جن کو کراماً کاتبین بھی کہتے ہیں۔ آدمی جو کچھ زبان سے بولتا یا جو کام کرتا ہے وہ اس کو قلم بند کرتے جاتے ہیں۔ اور یہی نامۂ اعمال کی صورت میں کل بروز قیامت پیش کیے جائیں گے۔ بعض فرشتے اس کام پر متعین ہیں کہ وہ بندگانِ خدا کو تمام گناہوں سے آگاہ کریں اور گناہ و نافرمانی میں مبتلا ہونے سے روکیں اور صرف وہ گناہوں سے بچاتے ہی نہیں، بلکہ نیک کاموں کی طرف ترغیب بھی دلاتے ہیں۔ بعض فرشتے قبر میں مردوں سے سوال کرنے پر متعین ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر اور دونوں کو نکیرین کہتے ہیں۔ ان کی شکل بڑی ہیبت ناک ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے کام ہیں جو ملائکہ انجام دیتے ہیں۔ ہر ایک فرشتے کا جداگانہ کام متعین ہے اور وہ جس کام کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اس سے سرِ مُو (بال برابر) تجاوز نہیں کر سکتا ہے۔

عقیدہ: فرشتے بے شمار ہیں۔ ان کی تعداد وہی جانے جس نے انہیں پیدا کیا یا اس کے بتانے سے اس کا پیارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانے۔ البتہ احادیثِ کریمہ سے یہ بات روشن ہے کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے۔ ہر روز بے شمار فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ نیک کلام، اچھا کلام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے۔

عقیدہ: ان کے مرتبوں کے لحاظ سے، ان کے منصب بھی ہیں، البتہ چار فرشتے بڑی عظمت والے اور بہت مشہور ہیں اور یہ سب فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں:

(۱) حضرت جبرئیل علیہ السلام، ان کے ذمے پیغمبروں کی خدمت میں وحی لانا ہے۔

(۲) حضرت میکائیل علیہ السلام، پانی برسانے اور روزی پہنچانے پر مقرر ہیں۔

(۳) حضرت اسرافیل علیہ السلام، جو قیامت کو صور پھونکیں گے۔

(۴) حضرت عزرائیل علیہ السلام، جنہیں رُوح قبض کرنے، یعنی لوگوں کی جان نکالنے کی خدمت سپرد کی گئی ہے۔ بے شمار فرشتے ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں۔

عقیدہ: فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں۔ جیسے خدا تعالیٰ کے پیغمبر انہیں دیکھتے اور ان سے کلام بھی فرماتے ہیں۔ ہاں! موت کے وقت رحمت کے فرشتے مسلمان کو، اور عذاب کے فرشتے کافر کو نظر آجاتے ہیں۔

عقیدہ: کسی فرشتے کے ساتھ ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن وغیرہ کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آگیا۔ یہ قریب قریب کلمۂ کفر ہے۔

عقیدہ: فرشتوں کے وجود کا انکار، یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں، یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

(۶) جنّ کا بیان

عقیدہ: جنّ ایک قسم کی مخلوق ہے، جو آگ سے پیدا کی گئی ہے۔ بنی آدم یعنی نوعِ انسانی کی طرح ذی عقل اور ارواح و اجسام (رُوح و جسم) والی ہے۔ ان میں توالد و تناسل بھی ہوتا ہے، یعنی انسانوں کی طرح، ان کی بھی نسل بڑھتی اور پھولتی پھیلتی ہے، کھاتے پیتے، جیتے مرتے ہیں، مگر ان کی عمریں بہت طویل ہوتی ہیں۔

عقیدہ: فرشتوں کی طرح جنوں میں بھی بعض کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ جو شکل چاہیں بن جائیں۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ ان میں کسی کسی کے پر بھی ہوتے ہیں اور وہ ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ اور بعض سانپوں، اور کتوں کی شکل میں گشت لگاتے پھرتے ہیں اور بعض انسانوں کی طرح رہتے سہتے ہیں، لیکن اکثر ان کی رہائش گاہ بیابان یا ویران مکان اور جنگل، پہاڑ ہیں۔

عقیدہ: ان میں مسلمان بھی ہیں کافر بھی، مگر ان کے کفار، انسان کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں۔ ان کے مسلمان نیک بھی ہیں اور فاسق بھی۔ سنی بھی ہیں، بدمذہب بھی۔ البتہ ان میں فاسقوں، بدکاروں کی تعداد بہ نسبت انسان کے زائد ہے۔ شریر جنوں کو شیطان کہتے ہیں، ان سب کا سرگروہ ابلیس ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو غرور میں آکر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور حکمِ خداوندی کی نافرمانی کی تھی جس کی وجہ سے وہ راندۂ بارگاہِ الٰہی ہوا اور ہمیشہ ہمیش کے لیے مردود کیا گیا۔ قیامت تک کے لیے اسے مہلت دی گئی۔ شیطان کے مُردہ رہنے کی مدت نفخۂ اولیٰ سے نفخۂ ثانیہ تک چالیس برس ہے اور اسے اس قدر مہلت دینا اس کے اکرام کے لیے نہیں، بلکہ اس کی بلا و شقاوت اور عذاب کی زیادتی کے لیے ہے۔

عقیدہ: ابلیس کی طرح اس کی ذریّت بھی مردود ہے۔ یہ سب شیاطین ہیں اور انسانوں کو بہکانا ان کا کام ہے۔ طرح طرح کی ترکیبوں کے ذریعے نیک کام سے باز رکھتے

اور برے کاموں کی طرف ترغیب دلاتے ہیں- خدا کے نیک بندے ان کے مکرو اغوا میں نہیں آتے، بلکہ لاحول بھیج کر نیک کاموں میں مصروف رہتے ہیں، لیکن جو ان کے بہکائے میں آجاتے ہیں، وہ آخر کار گمراہ ہو جاتے ہیں- اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے اور ان کے مکرو اغوا سے بچائے- آمین!

عقیدہ: جن و شیطان کے وجود کا انکار، یا بدی کی قوت، جو ہر انسان میں پوشیدہ ہے، اس کا نام جن و شیطان رکھنا اور یہ سمجھنا کہ شیطان کا کوئی خارجی وجود نہیں، یہ سب باتیں کفر ہیں اور ایمان و اسلام کے منافی و برخلاف-

(۷) تقدیر کا بیان

عقیدہ: اللہ تعالیٰ کے بندے جو کچھ نیکی یا بدی کے کام کرتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علمِ ازلی کے مطابق ہوتا ہے، یعنی جیسا ہونے والا تھا، اور جو جیسا کرنے والا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علمِ ازلی سے جانا اور وہی لکھ لیا- تو وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اس کے پاس لکھا ہوا، اسی کا نام تقدیر ہے-

عقیدہ: یہ بات کہنا بڑی بے ادبی و محرومی ہے کہ جیسا اس نے لکھ دیا، ویسا ہی ہم کو کرنا پڑتا ہے، یعنی ہم ویسا ہی کرنے پر مجبور ہیں- بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ جیسا ہم کرنے والے تھے، وہ اس نے اپنے علمِ ذاتی ازلی سے جانا اور لکھ دیا- کسی کے ذمے برائی لکھی، اس لیے کہ وہ برائی کرنے والا تھا- اگر وہ بھلائی کرنے والا ہوتا تو وہ اس کے لیے بھلائی لکھتا- تو اس کے علم یا اس کے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا-

عقیدہ: آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا، نہ اپنے لیے کان، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ بنا سکتا تھا یونہی وہ اپنے لیے طاقت، قوت، ارادہ، اختیار بھی نہیں بنا سکتا- سب کچھ اسی نے دیا اور اسی نے بنایا- ارادہ و اختیار بھی انسان کو بخشا کہ ایک کام چاہے کرے چاہے نہ کرے- تو اس ارادہ و اختیار کے پیدا ہونے سے آدمی صاحب

ارادہ اور صاحب اختیار ہوا نہ کہ بے اختیار اور مجبور و ناچار- اسے یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پتھر اور دیگر جمادات کی طرح بے حس و حرکت نہیں پیدا کیا- بلکہ ایک نوع اختیار دیا ہے اور اس کے ساتھ عقل بھی دی ہے کہ بھلے برے، نفع و نقصان کو پہچان سکے- پھر ہر قسم کے سامان اور اسباب پیدا کر دیئے ہیں کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور اسی بناء پر مواخذہ اور حساب و کتاب ہے- اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہیں-

عقیدہ: تدبیر، تقدیر کے منافی نہیں، بلکہ تقدیرِ الٰہی کے موافق ہے، جس طرح تقدیر کو بھول کر، تدبیر پر پھولنا، اور اسی پر اعتمادِ کلی کر بیٹھنا کفار کی خصلت ہے- یوں ہی تدبیر کو محض عبث و فضول اور لاحاصل و مہمل بتانا کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے-

عقیدہ: بُرا کام کر کے مشیّت الٰہی کے سپرد کرنا یا اسے تقدیر کی طرف منسوب کرنا کہ تقدیر میں لکھی تھی بہت بُری بات ہے اور خلافِ ادب- حکم یہ ہے کہ جو اچھا کام کرے اسے منجانب اللہ کہے کہ فضلِ خداوندی سے اور اس کی توفیق سے ایسا ہوا، اور جو بُرائی سرزد ہو، اسے شامتِ نفس تصور کرے کہ ہمارے بداعمال کا نتیجہ ہے جو سامنے آیا-

عقیدہ: تقدیری امور، یعنی قضاء و قدر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے- ان میں زیادہ غور و فکر کرنا، یا انہیں اپنی محفلوں میں ذریعۂ بحث بنالینا، ہلاکت و نامرادی کا باعث ہے- صدیق اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما جیسی عظیم شخصیتوں کو اس مسئلہ پر بحث کرنے سے منع فرمادیا گیا- ماوشما کس گنتی میں ہیں- عقیدۂ اہلسنّت کا خلاصہ بس یہی ہے کہ انسان نہ پتھر کی طرح مجبور محض ہے اور اپنے ارادہ و اختیار سے کوئی حرکت کر سکے اور نہ خود مختار و شترِ بے مہار ہے کہ جو چاہے کرتا پھرے اور اس سے کوئی بازپُرس نہ ہو- تقدیر ان دونوں کے درمیان ایک حالت ہے-

(۸) موت و قبر کا بیان

عقیدہ: ہر شخص کی زندگی مقرر ہے۔ اس میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ جب وقت پورا ہو جاتا ہے، تو ملک الموت (موت کا فرشتہ) یعنی عزرائیل علیہ السلام قبضِ رُوح کے لیے آتے اور اس کی جان نکال لیتے ہیں، اسی کا نام موت ہے۔

عقیدہ: مرنے کے بعد بھی رُوح کا تعلق بدنِ انسان کے ساتھ باقی رہتا ہے، اسی لیے بدن پر جو گزرے گی، رُوح اس سے ضرور آگاہ و متاثر ہوگی۔ جس طرح دنیاوی زندگی میں ہوتی ہے، بلکہ اس سے زائد۔ اور رُوح کے لیے خاص اپنی راحت و کلفت کے الگ اسباب ہیں، جن سے سرور یا غم پیدا ہوتا ہے۔

عقیدہ: روحوں کے رہنے کے لیے مقامات مقرر ہیں، نیکوں کے لیے علیحدہ، بدوں کے لیے علیحدہ مگر کہیں ہوں، اپنے جسم سے ان کو تعلق بدستور باقی رہتا ہے۔ قبر پر آنے جانے والوں کو دیکھتے پہچانتے اور ان کی بات سنتے ہیں۔ البتہ جب مسلمان مرتا ہے، تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے، جہاں چاہے جائے۔ اس کی مثال حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ ایک طائر ہے، پہلے قفس میں بند تھا اب آزاد کر دیا گیا اور کافروں کی ارواح کو کہیں جانے آنے کا اختیار نہیں کہ قید ہیں۔

عقیدہ: یہ خیال کہ وہ رُوح کسی دوسرے بدن میں چلی جاتی ہے۔ خواہ وہ آدمی کا بدن ہو یا کسی اور جانور کا، جسے تناسخ اور آواگون کہتے ہیں۔ محض باطل اور ہنود کا عقیدہ ہے اور اس کا ماننا کفر ہے۔

عقیدہ: موت کے معنی ہیں "رُوح کا جسم سے جُدا ہو جانا۔" نہ یہ کہ رُوح مر جاتی ہے۔ جو رُوح کو فنا مانے، وہ بدمذہب و گمراہ ہے۔

عقیدہ: جب مُردہ کو قبر میں دفن کرتے ہیں، اس وقت اس کو قبر دباتی ہے۔ اگر

وہ مسلمان ہے تو اس کا دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے ماں پیار میں اپنے بچے کو زور سے چپٹا لیتی ہے اور اگر کافر ہے تو اس کو اس زور سے دباتی ہے کہ اِدھر کی پسلیاں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر ہو جاتی ہیں۔

عقیدہ: جب دفن کرنے والے دفن کر کے واپس ہوتے ہیں، تو مُردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس وقت اس کے پاس دو فرشتے اپنے بڑے بڑے دانتوں سے زمین کو چیرتے ہوئے آتے ہیں۔ ان کی شکلیں ڈراونی، آنکھیں دیگ کے برابر، سیاہ اور نیلی، بدن کا رنگ سیاہ اور بال سر سے پاؤں تک۔ غرض ہیبت ناک صورت کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ مُردے کو جھڑک کر اٹھاتے ہیں اور نہایت سختی کے ساتھ اس سے تین سوال کرتے ہیں:

(۱) تیرا رب کون ہے؟

(۲) تیرا دین کیا ہے؟

(۳) اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں کہ ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

مُردہ مسلمان ہو، تو جواب دیتا ہے:

(۱) میرا رب اللہ ہے۔ (۲) میرا دین اسلام ہے۔ (۳) اور وہ تو میرے آقا و مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ "ہم جانتے تھے کہ تو یہی جواب دے گا۔" پھر اس کی قبر جہاں تک نگاہ پہنچے گی، کشادہ کر دی جائے گی۔ جنّت کی خوشبو اس کے پاس آتی رہے گی اور جنّت کا بستر، جنّت کا لباس اسے مہیا کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ تو سو جیسے دولھا سوتا ہے۔

اور مردہ کافر یا منافق ہے تو کسی سوال کا جواب نہ دے سکے گا، بلکہ ہر بار یہی کہے گا کہ "مجھے تو کچھ نہیں معلوم، میں لوگوں کو کہتے سنتا تھا، خود بھی کہتا تھا۔" اس وقت ایک پکارنے والا آسمان سے ندا کرتا ہے کہ "یہ جھوٹا ہے، اس کے لیے آگ کا بچھونا بچھا دو، آگ کا لباس پہنا دو، اور جہنم کی طرف دروازہ کھول دو۔" دوزخ کی گرمی اور تپش اس کو پہنچے گی اور اس پر عذاب دینے کے لیے دو فرشتے مقرر ہوں گے جو اندھے اور بہرے

ہوں گے، وہ لوہے کے بڑے بڑے گرزوں سے اسے مارتے رہیں گے، نیز سانپ اور بچھو وغیرہ اسے عذاب پہنچاتے رہیں گے اور اس کے بُرے اعمال کتے، بھیڑیئے وغیرہ موذی جانوروں کی شکل بن کر اسے ایذا پہنچاتے رہیں گے، جبکہ نیکوں کے نیک اعمال، مقبول، پسندیدہ اور محبوب صورت وشکل میں اسے سکون واُنس دیں گے۔

عقیدہ: بعض گنہگار مسلمانوں پر بھی قبر میں عذاب ہوگا۔ ان کی معصیت اور نافرمانی کے لائق۔ پھر مسلمانوں کے صدقات، خیرات، دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کے دوسرے طریقوں سے اس عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ یونہی اس کے پیرانِ عظام یا مذہب کے امام یا اولیائے کرام کی شفاعت سے یا محض رحمتِ خداوندی سے جب وہ چاہے گا، نجات پائیں گے۔

عقیدہ: زندوں کے نیک اعمال سے مُردہ مسلمانوں کو ثواب ملتا اور فائدہ پہنچتا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت، درود شریف کی قرأت، اور کلمہ طیبہ وغیرہ پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخشنا چاہیے، اسے ایصالِ ثواب کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں اس کا جائز اور مُردوں کے حق میں نافع وفائدہ بخش ہونا ثابت ہے۔

عقیدہ: مُردہ اگر قبر میں دفن نہ کیا گیا تو جہاں پڑا رہ گیا، یا پھینک دیا گیا، غرض کہیں ہو تو اس سے وہیں سوالات ہوں گے اور وہیں ثواب یا عذاب اسے پہنچے گا۔ یہاں تک کہ جسے شیر وغیرہ کوئی درندہ کھا گیا، تو اسی کے پیٹ میں سوال ہوں گے اور ثواب جو کچھ ہوا، اسے پہنچے گا۔

عقیدہ: جسم اگرچہ گل سڑ جائے، خاک ہو جائے، گوشت اور ہڈیاں راکھ ہو جائیں اور ان کے ذرے کہیں بھی منتشر ہو جائیں، مگر اس کے اجزاء اصلیہ قیامت تک باقی رہیں گے اور عذاب و ثواب انہیں پر وارد ہوگا اور انہیں پر روزِ قیامت دوبارہ ترکیبِ جسم فرمائی جائے گی اور رُوحوں کا اعادہ اسی جسم میں ہوگا نہ کہ جسمِ دیگر میں۔ اسی کا نام حشر ہے۔ عذاب و تنعیمِ قبر حق ہے اور ان کا انکار وہی کرے گا، جو گمراہ ہوگا۔

(۹) علاماتِ قیامت کا بیان

عقیدہ: جس طرح دنیا میں ہر پیدا ہونے والی چیز ایک میعاد پر فنا ہوتی ہے اور مٹتی رہتی ہے، یونہی ساری کائنات کی بھی ایک عمر و میعاد اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے۔ اس کے پورا ہونے کے بعد ایک دن ایسا آئے گا کہ ساری کائنات، زمین و آسمان، دریا، پہاڑ، جمادات، نباتات، حیوانات سب فنا ہو جائیں گے، اسی کا نام قیامت ہے، مگر جس طرح عموماً آدمی کے مرنے سے پہلے بیماری کی شدت، موت کے سکرات، جان کنی کے آثار اور نزع کی حالتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح قیامِ قیامت، یعنی دنیا کے فنا ہونے سے پہلے چند نشانیاں ظاہر ہوں گی، جنہیں علاماتِ قیامت کہا جاتا ہے۔ ان علامات یا آثارِ قیامت میں سے چند یہ ہیں:

(۱) تین خسف ہوں گے، یعنی آدمی زمین میں دھنس جائیں گے، ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرۂ عرب میں۔

(۲) علمائے حقانی اٹھا لیے جائیں گے، ان کی جگہ لوگ جاہلوں کو اپنا امام و پیش رو بنائیں گے۔

(۳) شراب خوری، حرام کاری، بے حیائی اور زناکاری کی زیادتی ہوگی۔

(۴) مرد کم ہوں گے اور عورتیں زیادہ۔ یہاں تک کہ ایک مرد کی سرپرستی میں پچاس عورتیں ہوں گی۔

(۵) علاوہ اس بڑے دجال کے تیس دجال اور ہوں گے کہ وہ سب نبوت کا دعویٰ کریں گے، حالانکہ نبوت ختم ہو چکی۔ ان میں سے بعض گزر چکے اور جو باقی ہیں وہ ضرور ہوں گے۔

(۶) مال کی کثرت ہوگی، زمین اپنے دفینے اور خزانے اُگل دے گی۔

(۷) دین پر قائم رہنا اتنا مشکل ہوگا جیسے مٹھی میں انگارا۔

(۸) وقت میں برکت نہ ہوگی، یعنی بہت جلد وقت گزرے گا۔

(۹) زکوٰۃ دینا لوگوں پر گراں ہوگا، اسے ایک قسم کا تاوان سمجھیں گے۔

(۱۰) عورتیں مردانہ وضع اختیار کریں گی اور مرد زنانی وضع پسند کریں گے۔

(۱۱) گانے بجانے کی کثرت ہوگی، حیاء و شرم جاتی رہے گی۔

(۱۲) بوقتِ ملاقات سلام کی بجائے لوگ گالی گلوچ سے گفتگو شروع کریں گے۔

(۱۳) لوگ علمِ دین پڑھیں گے، مگر دین کی خاطر نہیں، دنیا کمانے اور جمع کر لینے کے لیے۔

(۱۴) مسجد کے اندر شور و غل ہوگا۔ لوگ بے دھڑک وہاں دنیا کی باتیں کریں گے۔

(۱۵) نماز کی شرائط و ارکان کا لحاظ کیے بغیر لوگ نماز پڑھیں گے، یہاں تک پچاس میں سے ایک نماز بھی قبول نہ ہوگی۔

(۱۶) اگلے لوگوں پر لوگ لعنت کریں گے، ان کو برا کہیں گے۔

(۱۷) ذلیل آدمی جنہیں تن کا کپڑا، پاؤں کی جوتیاں نصیب نہ تھیں، بڑے بڑے محلوں، عالی شان کوٹھیوں میں فخر کریں گے۔

یہ وہ علامات ہیں جو کچھ وقوع میں آ چکیں اور جو باقی ہیں، وہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ظہور تک وقوع میں آتی رہیں گی، انہیں علاماتِ صغریٰ کہا جاتا ہے۔

دوسری قسم کی علامات وہ ہیں، جو ظہور امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد نفخ صور یعنی صور پھونکے جانے تک ظاہر ہوں گی۔ یہ علامات یکے بعد دیگرے، پے در پے ظاہر ہوں گی جیسے سلک مروارید سے موتی گرتے ہیں۔ ان کے ختم ہوتے ہی قیامت برپا ہوگی، انہیں علاماتِ کبریٰ کہتے ہیں جو یہ ہیں:

(۱۰) امام مہدی کا ظاہر ہونا

حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ائمہ اثناء عشریہ (بارہ اماموں) میں آخری امام اور خلیفتہ اللہ ہیں۔ آپ کا اسم گرامی محمد، والد کا نام عبداللہ اور ماں کا نام آمنہ ہوگا۔ وہ نسباً سید حسنی، حضرت فاطمتہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔

چالیس سال کی عمر میں آپ کا ظہور ہوگا۔ آپ کی خلافت تقریباً ۸ سال کی ہوگی۔ اس کے بعد آپ کا وصال ہوگا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔

آپ کے ظہور کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جب قیامت کی علاماتِ صغریٰ واقع ہو چکیں گی، نصاریٰ کا غلبہ ہوگا اور دنیا میں سب جگہ حرمین شریفین (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) کے علاوہ کفر کا تسلط ہوگا، اس وقت تمام ابدال بلکہ تمام اولیاء کرام سب جگہ سے سمٹ کر حرمین شریفین کو ہجرت کر جائیں گے کہ صرف وہیں اسلام رہے گا اور ساری دنیا کفرستان ہو جائے گی۔ رمضان شریف کا مہینہ ہوگا۔ ابدال طواف کعبہ میں مصروف ہوں گے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں موجود ہوں گے۔ اولیاء انہیں پہچان کر درخواستِ بیعت کریں گے۔ وہ انکار فرمائیں گے۔ دفعتاً غیب سے ایک آواز آئے گی:

هٰذا خليفة الله المهدي — یہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہے، اس کی بات

فاسمعوا له واطيعوه۔ — سنو اور اس کا حکم مانو۔

اب تمام لوگ آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کریں گے اور آپ وہاں سے سب کو ہمراہ لے کر ملکِ شام کو تشریف لے جائیں گے۔ افواجِ اسلام کی خبر سن کر نصاریٰ بھی لشکرِ جرار لے کر شام میں جمع ہو جائیں گے۔ دونوں میں جنگِ عظیم ہوگی اور چوتھے روز مسلمانوں کو نصاریٰ پر فتح حاصل ہوگی۔ قسطنطنیہ بھی فتح ہوگا کہ ناگاہ شیطان پکارے گا کہ تمہارے گھروں میں دجال آ گیا۔ مسلمان پلٹیں گے۔ پھر جب لشکرِ اسلام قسطنطنیہ سے روانہ ہوگا، اور شام میں آئے گا، تو اس جنگِ عظیم سے ساتویں سال دجال ظاہر ہوگا۔

(۱۱) دجال کا ظاہر ہونا

دجال قوم یہود کا ایک مرد ہے جو اس وقت بحکم الٰہی قید ہے۔ جب آزاد ہوگا، تو ایک عظیم لشکر کے ساتھ ملکِ خدا میں فتور پیدا کرنے کو شام و عراق کے میدان کے

درمیان سے نکلے گا۔ اس کی ایک آنکھ اور ایک ابرو بالکل نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے اسے مسیح (چوپٹ) کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہودی فوجیں ہوں گی۔ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا: ک ف ر (یعنی کافر) جس کو ہر مسلمان پڑھے گا اور کافر کو نظر نہ آئے گا۔ اس کا فتنہ بہت شدید ہوگا۔ چالیس دن میں حرمین طیبین کے سوا تمام رُوئے زمین کا گشت کرے گا اور بہت تیزی کے ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر میں پہنچے گا، جیسے بادل ہوا اڑاتی ہو۔ ایک باغ اور ایک آگ اس کے ہمراہ ہوں گے، جن کا نام جنّت و دوزخ رکھے گا، مگر وہ دیکھنے میں جو جنّت معلوم ہوگی وہ حقیقتاً آگ ہوگی اور جو جہنم دکھائی دے گا، وہ آرام کی جگہ ہوگی۔ خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ جو اس پر ایمان لائے گا، اسے اپنی جنّت میں ڈالے گا اور جو انکار کرے گا، اسے اپنی جہنم میں جھونک دے گا۔ بادلوں کو حکم دے گا، وہ برسنے لگیں گے، زمین کو حکم دے گا، تو کھیتی جم اٹھے گی۔ ویرانے میں جائے گا تو وہاں کے دفینے شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے ہولیں گے۔ غرض اس قسم کے بہت سے شعبدے دکھائے گا اور حقیقت میں یہ سب جادو کے کرشمے ہوں گے۔ اسی لیے اس کے ہاتھوں یہ منظر دیکھ کر اس کے وہاں سے جاتے ہی لوگوں کے پاس کچھ نہ رہے گا۔ اس وقت مسلمانوں کی روٹی پانی کا کام، ان کی تسبیح و تہلیل دے گی، یعنی وہ ذکرِ خدا میں مصروف و مشغول رہیں گے اور اس سے بھوک و پیاس رفع ہوگی۔ جب وہ ساری دنیا میں پھر پھرا کر ملکِ شام کو جائے گا تو اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے۔

(۱۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول فرمانا

جب دجال کا فتنہ انتہا کو پہنچ چکے گا تو وہ ملعون ملکِ شام میں پہنچ کر مسلمانوں کا محاصرہ کرے گا کہ ناگاہ اسی حالت میں قلعہ بند مسلمانوں کو غیب سے آواز آئے گی، "گھبراؤ نہیں، فریاد رس آ پہنچا۔" اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے، زرد رنگ کا جوڑا زیب تن فرمائے ہوئے، نہایت نُورانی شکل میں دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر دینِ محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے حاکم اور امام عادل و مجددِ ملت ہو کر نزول فرمائیں گے۔ صبح کا وقت ہوگا، نماز فجر کے لیے اقامت ہو چکی ہوگی۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اس جماعت میں موجود ہوں گے، امامت کا حکم دیں گے۔ حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھائیں گے۔ بعد فراغت حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہر کا دروازہ کھلوائیں گے۔ اس طرف دجال ہوگا جس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہتھیار بند ہوں گے۔ لشکرِ اسلام اس لشکرِ دجال پر حملہ کرے گا، گھمسان کا معرکہ ہوگا۔ جب دجال کی نظر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پڑے گی تو وہ لعین آپ کی سانس سے پگھلنا شروع ہوگا جیسے پانی میں نمک گھلتا ہے۔ وہ بھاگے گا، یہ تعاقب فرمائیں گے اور بیت المقدس کے قریب موضع لُد کے دروازے پر جالیں گے اور اس کی پشت میں نیزہ ماریں گے، وہ واصلِ جہنم ہوگا۔ آپ مسلمانوں کو اس کا خون اپنے نیزے پر دکھائیں گے۔

دجال کا فتنہ فرو ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصلاحات میں مشغول ہوں گے۔ کافروں سے جہاد کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے، یعنی کافر سے سوائے اسلام کے کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ صلیب توڑیں گے، خنزیر کو نیست و نابود کریں گے۔ تمام اہلِ کتاب جو قتل سے بچیں گے، سب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ تمام جہان میں دین ایک دینِ اسلام ہوگا اور مذہب، ایک مذہب اہلِ سُنّت ہوگا۔ آپ کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوگی، ساری دنیا عدل سے بھر جائے گی۔ یہاں تک کہ بھیڑیئے کے پہلو میں بکری بیٹھے گی اور وہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے گا، بچے سانپ سے کھیلیں گے اور شیر بکری ایک ساتھ چریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال زمین میں امامتِ دین و حکومتِ عدل آئین فرمائیں گے۔ نکاح بھی کریں گے اور آپ کی اولاد بھی ہوگی۔ مزارِ اقدس سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہو کر سلام عرض کریں گے۔ قبرِ انور سے جواب آئے گا۔ ان سب وقائع کے بعد جن کا ذکر گزرا، آپ وفات پائیں گے۔ مسلمان ان کی تجہیز و تکفین کریں گے۔ نماز پڑھیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور میں آپ کے پہلو میں دفن کیے جائیں گے۔

(۱۳) یاجوج ماجوج کا خروج

دجال لعین کے قتل کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہو گا کہ مسلمانوں کو کوہِ طور پر لے جاؤ، اس لیے کہ کچھ ایسے لوگ ظاہر کیے جائیں گے جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہوگی، چنانچہ مسلمانوں کے کوہ طور پر جانے کے بعد یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے۔ یہ اس قدر کثیر ہوں گے کہ پہلی جماعت بحیرہ طبریہ پر (جس کا طول دس میل ہو گا) جب گزرے گی تو اس کا پانی پی کر اس طرح سکھا دے گی کہ دوسری جماعت جب آئے گی تو کہے گی کہ یہاں کبھی پانی نہ تھا۔ غرض یہ لوگ مور و ملخ کی طرح ہر طرف پھیل کر فتنہ و فساد کریں گے۔ جب اس سے فرصت پائیں گے تو کہیں گے کہ زمین والوں کو قتل کر لیا، آؤ اب آسمان والوں کو قتل کریں۔ یہ کہہ کر اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان کے تیرے اوپر سے خُون آلود گریں گے۔

یہ اپنی انہی حرکتوں میں مشغول ہوں گے اور وہاں پہاڑ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے محصور اور قلعۂ طور میں قلعہ بند ہوں گے۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے ہمراہیوں کے دعا فرمائیں گے۔ دعا قبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک قسم کا کیڑا پیدا کر دے گا کہ ایک رات میں سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کی ہلاکت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب پہاڑ پر سے اُتریں گے اور دیکھیں گے کہ تمام زمین ان کی لاشوں اور بدبو سے بھری پڑی ہے۔ آپ مع اپنے ہمراہیوں کے ایک بار پھر دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ایک سخت آندھی اور ایک قسم کا پرندہ بھیجے گا کہ وہ ان لاشوں کو جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا، پھینک آئیں گے اور ان کے تیر و کمان و ترکش مسلمان سات برس تک جلائیں گے۔

پھر اس کے بعد بارش ہوگی، جس سے زمین ہموار ہو جائے گی۔ اب زمین کو حکم ہو گا کہ اپنے پھلوں کو اُگا اور آسمان کو حکم ہو گا کہ اپنی برکتیں انڈیل دے۔ پھر تو یہ عالم ہو گا کہ ایک انار سے ایک جماعت کا پیٹ بھر جائے گا اور وہ اتنے بڑے بڑے ہوں گے

کہ اس کے چھلکے کے سائے میں ایک جماعت آ جائے گی اور دودھ میں یہ برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ آدمیوں کے گروہوں کو کافی ہو گا۔ ایک گائے کا دودھ قبیلے بھر کو اور ایک بکری کا دودھ خاندان بھر کو کفایت کرے گا۔

(۱۴) دھوئیں کا پیدا ہونا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد آہستہ آہستہ کفر و جہل کی رسوم شائع ہوں گی۔ اسی اثناء میں ایک مکان مغرب میں اور ایک مشرق میں، جہاں منکرِ تقدیر رہتے ہوں گے، زمین میں دھنس جائے گا۔ اس کے بعد آسمان سے دھواں نمودار ہو گا جس سے آسمان سے زمین تک اندھیرا چھا جائے گا اور متواتر چالیس روز تک رہے گا۔ اس سے مسلمان زکام میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کافروں اور منافقوں پر بے ہوشی طاری رہے گی۔ بعضے ایک دن، بعضے دو دن، اور بعضے تین دن کے بعد ہوش میں آئیں گے، پھر مغرب سے آفتاب طلوع ہو گا۔

(۱۵) مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا

روزانہ آفتاب، بارگاہ الٰہی میں سجدہ کر کے طلوع کی اجازت چاہتا ہے، تب طلوع ہوتا ہے۔ قُربِ قیامت جب آفتاب حسب معمول طلوع کی اجازت چاہے گا تو اجازت نہ ملے گی، بلکہ حکم ہو گا کہ واپس جا، وہ واپس ہو جائے گا، اور رات اس قدر طویل ہو جائے گی کہ بچے چلا اٹھیں گے، مسافر تنگ دل اور مویشی چراگاہ کے لیے بے قرار ہوں گے۔ یہاں تک کہ لوگ بے چینی کی وجہ سے نالہ و زاری کریں گے اور توبہ توبہ پکاریں گے۔ آخر تین چار رات کی مقدار دراز ہونے کے بعد، اضطراب کی حالت میں مغرب سے، چاند گرہن کی مانند، تھوڑی روشنی کے نکلے گا اور نصف آسمان تک آ کر لوٹ جائے گا، اور جانبِ مغرب غروب ہو گا۔ اس کے بعد بدستور سابق، مشرق سے طلوع کیا کرے گا۔

اس نشانی کے ظاہر ہوتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ کافر اپنے کفر سے، گنہگار اپنے گناہوں سے توبہ کرے گا، توبہ قبول نہ ہوگی اور اس وقت کسی کافر کا اسلام لانا معتبر نہ ہوگا۔

(۱۶) دآبّۃ الارض کا نکلنا

آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد دوسرے روز لوگ اسی چرچے میں مصروف ہوں گے کہ کوہِ صفا زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور دآبتہ الارض نکلے گا۔ یہ عجیب شکل کا ایک جانور ہوگا، جس کے ہاتھ میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور سلیمان علیہ السلام کی انگشتری ہوگی۔ عصا سے ہر مسلمان کی پیشانی پر ایک نورانی نشان بنائے گا اور انگشتری سے ہر کافر کی پیشانی پر ایک سیاہ دھبہ۔ اس وقت تمام مسلم کافر علانیہ ظاہر ہوں گے۔ مسلمان کا چہرہ نورانی ہوگا اور کافر کا چہرہ سیاہ، بے رونق۔ یہ علامت کبھی نہ بدلے گی۔ جو کافر ہے، ہرگز ایمان نہ لائے گا اور جو مسلمان ہے، ہمیشہ ایمان پر ثابت قدم رہے گا۔

یہ جانور کوہِ صفا سے برآمد ہوگا کہ تمام شہروں میں بہت جلد پھرے گا اور ایسی تیزی سے دورہ کرے گا کہ کوئی بھاگنے والا اس سے نہ بچ سکے گا۔ دآبتہ الارض پہلے یمن میں، پھر نجد میں ظاہر ہو کر غائب ہو جائے گا اور تیسری بار مکّہ معظمہ میں ظاہر ہوگا۔

(۱۷) قیامِ قیامت کا بیان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ایک زمانہ کے بعد جب قیامِ قیامت کو صرف چالیس سال رہ جائیں گے تو ایک خُوشبودار ہوا چلے گی جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے سے گزرے گی، جس کا اثر یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی وفات ہو جائے گی اور دنیا میں کافر ہی کافر رہ جائیں گے۔ اس کے بعد پھر چالیس برس کا زمانہ ایسا گزرے گا کہ اس میں کسی کے اولاد نہ ہوگی، یعنی چالیس برس سے کم عمر کا کوئی نہ رہے گا۔ دنیا میں کافر ہی کافر ہوں

گے۔ اللہ کہنے والا کوئی نہ ہوگا اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے کہ دفعتاً حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا۔ شروع شروع میں اس کی آواز بہت باریک ہوگی لیکن رفتہ رفتہ بلند ہوتی جائے گی، لوگ کان لگا کر اس آواز کو سنیں گے اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے اور مرجائیں گے اور جن پر موت طاری ہو چکی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات عطا کی اور وہ قبروں میں زندہ ہیں جیسے کہ انبیاء و شہداء، ان پر اس سے بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو جائے گی اور جو عام لوگ قبروں میں مرے پڑے ہیں، انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔

پھر تو زمین و آسمان میں ہلچل پڑ جائے گی۔ زمین اپنے بوجھ اور خزانے باہر نکال دے گی۔ پہاڑ بل بل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور دھنی ہوئی روئی یا اون کے گالوں کی طرح اڑنے لگیں گے۔ آسمان کے تمام ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرا ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہو جائیں گے۔ غرض آسمان و زمین اور پہاڑ جیسی عظیم الشان چیزیں یہاں تک کہ صور اور اسرافیل اور تمام ملائکہ فنا ہو جائیں گے۔ اس وقت سوا اس واحدِ حقیقی کے کوئی نہ ہوگا۔ وہ فرمائے گا: "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" آج کس کی بادشاہت ہے؟ کہاں ہیں جبارین؟ کہاں ہی متکبرین؟ مگر کون ہے جو جواب دے گا، پھر خود ہی فرمائے گا: "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔" صرف اللہ واحد قہار کی سلطنت ہے۔

عقیدہ: قیامت بے شک قائم ہوگی، اس کا انکار کرنے والا کافر ہے، جو شخص قیامت کو تو حق کہے، مگر اس کے نئے معنی گھڑے، اور ان معنی کا انکار کردے جو مسلمانوں میں مشہور ہیں، وہ بھی درحقیقت قیامت کا منکر اور کافر ہے۔

(۱۸) حشرونشر کا بیان

کائنات کے فنا ہو جانے کے بعد، پھر جب اللہ تعالیٰ چاہے گا، حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زندہ فرمائے گا اور صور کو پیدا کرکے دوبارہ پھونکنے کا حکم دے گا، دوبارہ صور

پھونکتے ہی تمام اولین و آخرین، ملائکہ، انس و جن و حیوانات موجود ہو جائیں گے۔ پھر از سر نو زمین و آسمان، چاند و سورج موجود ہوں گے۔ پھر ایک مینہ برسے گا، جس سے سبزہ کے مثل، زمین کا ہر ذی روح، اپنے جسم کے ساتھ زندہ ہو گا۔ سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم قبر انور سے برآمد ہوں گے کہ دائیں ہاتھ میں حضرت صدیق اکبر کا ہاتھ ہو گا اور بائیں ہاتھ میں حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا ہاتھ۔ پھر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقابر میں جتنے بھی مسلمان دفن ہیں، سب کو اپنے ہمراہ لے کر میدان حشر میں تشریف لے جائیں گے۔

عقیدہ: حشر صرف رُوح کا نہیں، بلکہ رُوح و جسم دونوں کا ہے۔ جو کہے صرف روحیں ہی اٹھیں گی، جسم زندہ نہ ہوں گے، وہ بھی کافر ہے اور دنیا میں جو رُوح جس جسم کے ساتھ متعلق ہوگی، اس رُوح کا حشر اسی جسم میں ہوگا۔ یہ نہیں کہ کوئی نیا جسم پیدا کر کے اس کے ساتھ رُوح متعلق کر دی جائے۔

عقیدہ: جسم کے اجزاء اگرچہ مرنے کے بعد متفرق ہو گئے اور مختلف جانوروں کی غذا بن گئے، یا ریزہ ریزہ ہو کر ہوا کے ساتھ اڑ گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو جمع فرما کر پہلی ہیئت پر لا کر، انہیں اجزائے اصلیہ پر کہ محفوظ ہیں، دوبارہ ترتیب دے گا اور قیامت کے دن اٹھائے گا۔

عقیدہ: جسم کے اجزائے اصلیہ، ریڑھ کی ہڈی میں جس کو عجب الذَّنب کہتے ہیں، کچھ ایسے باریک اجزاء ہیں، جو نہ کسی خوردبین سے نظر آ سکتے ہیں، نہ انہیں آگ جلا سکتی ہے، نہ انہیں زمین گلا سکتی ہے۔ وہی تخم جسم ہیں، ولہٰذا روز قیامت روحوں کا اعادہ اسی جسم میں ہو گا، نہ کہ جسم دیگر میں۔ بالائی زائد اجزاء کا گھٹنا، بڑھنا جسم کو نہیں بدلتا۔ جیسے بچہ کتنا چھوٹا پیدا ہوتا ہے، پھر کتنا بڑا ہو جاتا ہے۔ قوی ہیکل جوان، بیماری میں گھل کر کتنا حقیر رہ جاتا ہے، پھر نیا گوشت پوست آ کر مثلِ سابق ہو جاتا ہے۔ ان تبدیلیوں میں سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شخص بدل گیا۔ یونہی روزِ قیامت کا عود ہے کہ وہی گوشت، وہی ہڈیاں، پہلی ہیئت میں لا کر اسی جسمِ سابق سے رُوح کو متعلق کر کے،

بروز قیامت اٹھایا جائے گا۔

عقیدہ: قیامت کے دن، عام لوگ اپنی اپنی قبروں سے ننگے بدن، ننگے پاؤں، ناختنہ شدہ اٹھیں گے اور اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے، کسی کو اپنے پرائے کا ہوش نہ ہو گا۔ مومنین کی قبروں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سواریاں حاضر کی جائیں گی۔ ان میں بعض تنہا سوار ہوں گے اور کسی سواری پر دو، کسی پر تین، کسی پر چار، کسی پر دس ہوں گے۔ مراتب اور درجاتِ ایمان و اعمال کا لحاظ رکھا جائے گا، جبکہ کافر منہ کے بل چلتا ہوا میدانِ حشر کو جائے گا، کسی کو ملائکہ گھسیٹ کر لے جائیں گے، اور کسی کو آگ جمع کرے گی۔

یہ میدانِ حشر، شام کی زمین پر قائم ہو گا اور زمین ایسی ہموار ہو گی کہ اس کنارے پر رائی کا دانہ گر جائے تو دوسرے کنارے پر دکھائی دے۔ اس دن زمین تانبے کی طرح ہو گی، آفتاب سروں سے بہت قریب بقدر ایک میل ہو گا، تپش اور گرمی سے بھیجے کھولتے ہوں گے اور اس کثرت سے پسینہ نکلے گا کہ ستر گز زمین میں جذب ہو جائے گا، پھر اوپر چڑھے گا، کسی کے ٹخنوں تک ہو گا، کسی کے گھٹنوں تک، کسی کے کمر کمر، کسی کے سینے اور کسی کے گلے تک اور کافر کے منہ تک چڑھ کر مثل لگام کے جکڑ جائے گا، جس میں وہ ڈبکیاں کھائے گا۔ زبانیں سوکھ کر کانٹا ہو جائیں گی اور دل اُبل کر گلے تک آ جائیں گے، دہشت سے طاقت طاق ہو گی۔

پھر باوجود ان مصیبتوں کے کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہو گا۔ پھر حساب کا دفتر کھلے گا۔ سب کے اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا۔ کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہو گی۔ ان تمام مرحلوں کے بعد اب اسے ہمیشگی کے گھر جانا ہے۔ جہاں کسی کو آرام و آسائش کا گھر ملے گا۔ جس کی آسانی اور راحت کی کوئی انتہاء نہیں، اس کو جنت کہتے ہیں یا تکلیف کے گھر میں جانا پڑے گا۔ جس کی تکلیف و اذیت کی کوئی حد نہیں، اسے جہنم کہتے ہیں۔

(۱۹) آخرت کے چند احوال و شفاعت

میدانِ حشر میں جہاں بھائی بھائی سے بھاگے گا، ماں باپ اولاد سے پیچھا چھڑائیں گے، بی بی بچے الگ جان چرائیں گے اور ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں گرفتار ہوگا اور اسی حالت میں قیامت کا دن کہ پچاس ہزار برس کا ایک دن ہوگا۔ قریب قریب آدھے کے گزر جائے گا کہ تمام مومنین اولین و آخرین کے دلوں میں یہ بات قدرتاً پیدا ہوگی کہ جب انبیائے کرام دنیا میں حاجت برآری کا وسیلہ تھے، تو یہاں بھی حاجت روائی انہیں کے ذریعہ ہوگی، چنانچہ یہ بات مشورہ سے قرار پائے گی کہ ہم سب کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس چلنا چاہیے، چنانچہ افتاں و خیزاں گرتے پڑتے کس کس مشکل سے ان کے پاس حاضر ہوں گے اور ان کے فضائل بیان کرکے عرض کریں گے کہ آپ ہماری شفاعت کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان مصائبِ محشر سے ہمیں نجات دے۔ آپ فرمائیں گے "مجھے آج اپنی جان کی فکر ہے، تم لوگ نوح علیہ السلام کی خدمت میں جاؤ۔ نوح علیہ السلام فرمائیں گے تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس اور موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے۔ وہ فرمائیں گے، تم ان کے پاس جاؤ جو آج بے خوف ہیں اور تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں۔ وہ خاتم النبیین ہیں، وہ آج تمہاری شفاعت فرمائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمانے پر ٹھوکریں کھاتے، دہائیاں دیتے، بارگاہِ بے کس پناہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر حضور کے بہت سے فضائل بیان کرکے شفاعت کے لیے عرض کریں گے، تو حضور جواب میں ارشاد فرمائیں گے: "میں اس کام کے لیے ہوں، میں اس کام کو انجام دوں گا، میں ہی وہ ہوں جسے تم تمام جگہ ڈھونڈ آئے۔"

یہ فرما کر بارگاہ عزت میں حاضر ہوں گے اور سجدہ کریں گے، ارشاد ہوگا: "اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری بات سنی جائے گی اور مانگو، جو کچھ مانگو گے، ملے گا اور

شفاعت کرو، تمہاری شفاعت مقبول ہے۔" پھر تو شفاعت کا سلسلہ شروع ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کئی قسم پر ہے:

(۱) شفاعتِ کبریٰ، یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وہ شفاعت جو تمام مخلوق، مومن و کافر، فرمانبردار و نافرمان، موافق و مخالف اور دوست و دشمن سب کے لیے ہوگی اور وہ انتظارِ حساب جو سخت جاں گزا ہوگا، جس کے لیے لوگ تمنائیں کریں گے کہ کاش جہنم میں پھینک دیئے جاتے اور اس انتظار سے نجات پاتے۔ اس بلا سے چھٹکارا، کافروں کو بھی حضور کی بدولت ملے گا، جس پر اولین و آخرین، مومنین و کافرین، موافقین و مخالفین سب حضور کی حمد کریں گے۔ اس کا نام مقامِ محمود ہے اور یہ مرتبہ شفاعتِ کبریٰ حضور کے خصائص سے ہے۔

(۲) بہتوں کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(۳) بہتیرے وہ ہوں گے، جو مستحق جہنم ہو چکے ہوں گے، ان کو جہنم میں جانے سے روکیں گے۔

(۴) بعضوں کی شفاعت فرما کر جہنم سے نکالیں گے۔

(۵) بعضوں کے درجات بلند فرمائیں گے۔

(۶) بعضوں سے تخفیف عذاب فرمائیں گے۔

(۷) جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، انہیں بہشت میں داخل فرمائیں گے۔

(۸) یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ سے بھی کم ایمان ہوگا، اس کے لیے شفاعت فرما کر جہنم سے نکالیں گے۔

(۹) یہاں تک کہ جو سچے دل سے مسلمان ہوا، اگرچہ اس کے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے، اسے بھی دوزخ سے نکالیں گے۔

عقیدہ: ہر قسم کی شفاعت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ثابت ہے، بکثرت آیات و احادیث اس میں وارد ہیں، کسی بھی قسم کی شفاعت کا انکار وہی کرے گا جو بدمذہب و گمراہ ہے اور قرآن کریم میں جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ بتوں اور کافروں کی شفاعت ہے کیونکہ شفاعت مقربین کی ہو سکتی ہے، نہ کہ مغضوبین کی

کہ وہ تو خود ہی عذابِ الٰہی میں گرفتار ہیں اور رہیں گے تو دوسروں کے کیا کام آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم کافروں اور بتوں پر صادر فرمایا ہے، وہ اس کے محبوبوں اور مقرب بندوں پر لگانا اور یہ کہہ دینا کہ کوئی کسی کا وکیل و سفارشی نہیں، خدا اور رسول پر بہتان اور نئی شریعت گھڑنا ہے۔

عقیدہ: شفاعت کے باب میں عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک و شہنشاہ حقیقی ہے۔ اس کو نہ کسی قسم کا لالچ ہے نہ ڈر۔ نہ وہ کسی کے دباؤ میں ہے، نہ اس پر کسی کی دھونس یا زور چلتا ہے۔ اسی نے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے اپنے بندوں میں سے اپنے محبوبوں کو چن لیا اور اپنے تمام محبوبوں کا سردار، مدنی تاجدار، احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کیا، وہ بکمالِ بے نیازی، اپنے کرم سے اپنے محبوبانِ کرام کی ناز برداری فرماتا ہے، اسی نے اپنے محبوبوں کی عظمت و جلالت اور شانِ محبوبیت دکھانے اور ان کی شوکت و وجاہت ظاہر فرمانے کے لیے، ان کو اپنے گنہگار بندوں کا شفیع بنایا اور انہیں منصبِ شفاعت عطا فرمایا اور وہی اپنے کرم سے انبیاء و اولیاء، علماء و شہداء و اہلِ شفاعت کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ ہمیشہ یاد رکھیں کہ شفاعت کے معنی ہیں "کسی شخص کو اپنے بڑے کے حضور میں اپنے چھوٹے کے لیے سفارش کرنا۔" شفاعت دھمکی اور دباؤ سے کسی بات کے منوانے کو نہیں کہتے اور نہ ہی شفاعت ڈر کر یا دب کر مانی جاتی ہے۔

عقیدہ: تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اولیائے کرام، حفاظ، حجاج اور ہر وہ شخص جسے کوئی منصبِ دینی ملا ہے، کل بروزِ قیامت اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کریں گے، بلکہ نابالغ بچے جو مر گئے، اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے بلکہ آتشِ دوزخ سے نجات پانے والے مسلمان، اپنے ان بھائیوں کی رہائی کے لیے جو آتشِ دوزخ میں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت و سوال میں مبالغہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اذن پاکر مسلمانوں کی کثیر تعداد کو پہچان پہچان کر دوزخ سے نکالیں گے، یہاں تک کہ علماء کے پاس کچھ لوگ آکر عرض کریں گے: ہم نے آپ

کے وضو کے لیے فلاں وقت میں پانی بھر دیا تھا۔ کوئی کہے گا کہ میں نے آپ کو استنجے کے لیے ڈھیلا دیا تھا۔ اور علمائے کرام ان تک کی شفاعت کریں گے۔

اللہ اللہ یہ ہے کرمِ خداوندی کی ناز برداری اور شفاعتِ محبوبانِ الٰہی کی جلوہ طرازی۔

(۲۰) اعمال نامہ

عقیدہ: اعمال نامہ ہمارے تمام اچھے بُرے اعمال کا مکمل ریکارڈ ہے۔ قیامت کے دن ہر شخص کا اعمال نامہ اسے دیا جائے گا۔ نیکوں کے دائیں ہاتھ میں، بروں کے بائیں ہاتھ میں، اور کافر کا سینہ توڑ کر، اس کا بایاں ہاتھ اس کے پسِ پشت نکال کر پیٹھ کے پیچھے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کرلے کہ جو کام عمر بھر کیے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا۔ ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ بلا کم و کاست اس میں موجود ہے۔ اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے، اور کافروں کا تو خوف کے مارے برا حال ہوگا۔ پھر میزان پر ان لوگوں کے نیک و بد اعمال تولے جائیں گے۔

(۲۱) میزان

عقیدہ: میزان، ترازو کو کہتے ہیں اور اعمال کے تولنے کے لیے قیامت میں جو میزان نصب کی جائے گی، اس کا کچھ اجمالی مفہوم شریعت نے بیان فرمایا ہے کہ وزنِ اعمال ایسی میزان سے کیا جائے گا، جس میں کفتین (یعنی پلے) اور لسان یعنی چوٹی وغیرہ موجود ہیں اور اس کا ہر پلہ اتنی وسعت رکھے گا، جیسی وسعت مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ اس سے زائد تفصیلات پر مطلع ہونا کہ وہ میزان کس نوعیت کی ہوگی اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا، یہ ہماری عقل و ادراک کی رسائی سے باہر

ہے، خدا اور رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ ہمیں تو اس پر عقیدہ رکھنا ہے کہ میزان حق ہے اور اس پر لوگوں کے تمام نیک و بد اعمال تولے جائیں گے، جن کے اعمال کا پلہ وزنی ہوگا، وہ کامیاب ہیں اور جن کا وزن ہلکا ہوگا، وہ خسارے میں رہیں گے۔ نیکی کا پلہ بھاری ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوپر اٹھے۔ دنیا کا سا معاملہ نہیں کہ جو بھاری ہوتا ہے، نیچے کو جھکتا ہے۔

(۲۲) حساب

دنیا کے اکثر بڑے بڑے عقلاء و دانشور، باوجود اختلافِ مذہب کے اس بات پر متفق ہیں کہ اس زندگی کے بعد، کوئی دوسری زندگی بھی آنے والی ہے اور معاملہ اسی دنیا میں موت تک ختم نہیں ہوجاتا اور اس دوسری زندگی میں ہماری سعادت و شقاوت، نیک بختی و بد بختی کا مدارِ کار ہماری اس دنیاوی زندگی کے اعمال و افعال پر ہے اور ہمارے تمام نیک و بد اعمال کی جزا و سزا کا ایک دن مقرر ہے۔ یہی روزِ حساب و روزِ قیامت ہے اور اسی روز ہمارے تمام اعمال کی بازپُرس ہوگی۔

عقیدہ: حساب حق ہے، اعمال کا حساب ہونے والا ہے۔ حساب کا منکر کافر ہے۔

عقیدہ: اعمال کے حساب کی نوعیتیں جُدا گانہ ہوں گی۔ کسی سے خفیتاً پوچھا جائے گا کہ تُونے یہ کیا؟ وہ اقرار کرے گا اور اپنے دل میں سمجھے گا کہ اب کم بختی آئی، مگر وہ ربِ کریم، غفور رحیم فرمائے گا کہ ہم نے دنیا میں تیرے عیب چھپائے اور اب بخشتے ہیں۔ کسی کو نعمتیں یاد دلا کر یہ پوچھا جائے گا کہ "کیا تیرا خیال تھا کہ مجھ سے ملے گا؟" عرض کرے گا "نہیں۔" پھر وہ عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

بعض کافر ایسے ہوں گے کہ جب انہیں نعمتیں یاد دلا دلا کر پوچھا جائے گا کہ تُونے کیا کیا؟ تو وہ ایمان، نماز، روزے، خیرات و صدقات وغیرہ نیک کاموں کا ذکر کر جائے گا۔ اس وقت بحکمِ الٰہی اس کے بدن کے تمام اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے کہ یہ تو

ایسا ایسا تھا اور وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اس امتِ مرحومہ میں وہ شخص بھی ہوگا، جس کے گناہوں کے دفتر کے دفتر بھرے ہوں گے، وہ ان میں سے کسی امر کا انکار نہ کرسکے گا، اور نہ کوئی عذر اس کے پاس ہوگا۔ اس وقت ایک پرچہ جس میں کلمہ شہادت لکھا ہوگا، اسے دیا جائے گا کہ جا تلوا۔ پھر ایک پلے میں وہ سب دفتر رکھے جائیں گے اور ایک میں وہ پرچہ۔ قدرتِ الٰہی سے وہ پرچہ دفتروں سے بھاری ہو جائے گا اور وہ ہشاش بشاش داخل جنت ہوگا۔ حق ہے کہ اس غفور و رحیم کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں جس پر رحم فرمائے، تھوڑی چیز بھی بہت کثیر ہے۔ اس کی رحمت چاہے تو کروڑوں برس کے گناہ ایک نیکی سے معاف فرمادے، بلکہ ان گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے۔ بس غلامی ہونی چاہیے سرکارِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی۔

اور کسی سے سختی کے ساتھ ایک ایک بات کی بازپُرس ہوگی اور وہ ہلاک ہوگا۔ جبکہ اس امت سے اللہ عزوجل کے بے شمار کروڑ در کروڑ بندے، بلا حساب جنت میں جائیں گے، جیسے تہجد گزار۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اہلِ محشر کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی، جن میں چالیس پہلی امتوں کی اور اسّی اس امت مرحومہ کی۔ حساب و کتاب سے فراغت کے بعد سب کو پل صراط سے گزرنے کا حکم ہوگا۔

(۲۳) صراط

عقیدہ: صراط حق ہے۔ یہ ایک پل ہے کہ پشتِ جہنم پر (دوزخ کے اوپر) نصب کیا جائے گا۔ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ جنت میں جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔ سب کو اس پر سے گزرنا ہے۔ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پل صراط سے گزرنے میں لوگوں کی حالتیں جُدا گانہ ہوں گی، جس مرتبہ و مقام کا آدمی ہوگا، اس کے لیے ایسی ہی آسانی یا دشواری ہوگی، نیکوکاروں میں بعض تو ایسی تیزی سے گزر جائیں گے جیسے بجلی کا کوندا کہ ابھی چمکا، ابھی غائب ہوگیا۔ ابھی اِدھر تھے، ابھی اُدھر پہنچے۔

بعض تیز ہوا کی طرح، کوئی ایسے جیسے پرندہ اڑتا ہے، بعض تیز گھوڑے کی طرح اور بعض ایسے جیسے آدمی دوڑتا ہے۔ بعض آہستہ آہستہ یہاں تک کہ بعض سرین پر گھسٹتے ہوئے اور بعض گرتے پڑتے، لنگڑاتے ہوئے اس پل پر سے گزر جائیں گے اور بعض چیونٹی کی چال چل کر پار ہو جائیں گے۔ غرض نیک سلامت رہیں گے اور اپنے اپنے درجے کے موافق وہاں سے صحیح سلامت گزر جائیں گے اور کافروں کے لیے بڑی حسرت کا عالم ہوگا، جبکہ وہ پل سے نہ گزر سکیں گے اور جہنم میں گر پڑیں گے۔

عقیدہ: پل صراط کے دونوں جانب بڑے بڑے آنکڑے لٹکتے ہوں گے۔ جس شخص کے بارے میں حکم ہوگا، اسے پکڑلیں گے، مگر بعض تو زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے اور بعض کو جہنم میں گرادیں گے اور یہ ہلاک ہوا۔

عقیدہ: سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پل صراط سے گزر فرمائیں گے۔ پھر باقی انبیاء و مرسلین گزریں گے۔ ان کے بعد حضور کی امت مسلمہ مرحومہ، پھر اور امتیں گزریں گی۔

(۲۴) حوضِ کوثر

عقیدہ: حشر کے دن، اس جانکاہ پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت، حوضِ کوثر ہے، جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مرحمت ہوا ہے۔ حوضِ کوثر حق ہے۔ اس حوض کی مسافت ایک مہینے کی راہ ہے۔ اس کے کناروں پر موتی کے قبے ہیں۔ اس کی مٹی نہایت خوشبودار اور مشک کی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اس پر پانی پینے کے برتن گنتی میں ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔ جو ایک بار پیے گا، کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس سے اپنی امت کو سیراب فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں ہمیں بھی نصیب فرمائے۔ آمین!

(۲۵) دیدارِ الٰہی

عقیدہ: سب سے برتر و بالاتر، سب نعمتوں سے اعظم و اعلیٰ جو نعمت اس روز مسلمانوں کو ملے گی، وہ اللہ عزوجل کا دیدار ہے کہ اس نعمت کے برابر کوئی نعمت نہیں، جسے ایک بار دیدار میسر ہوگا، ہمیشہ ہمیشہ اس کے ذوق میں ڈوبا رہے گا، کبھی نہ بھولے گا۔ سب سے پہلے دیدارِ الٰہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہوگا۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ انبیاء و مرسلین کو اور پھر تمام اولین و آخرین یعنی عامۃ المسلمین کو۔ مولائے کریم ہمیں بھی دیدار نصیب فرمائے۔ آمین!

عقیدہ: اللہ عزوجل کا دیدار بلاکیف ہے، یعنی مسلمان اسے دیکھیں گے، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیسے دیکھیں گے۔ عالمِ آخرت چونکہ اس عالم سے بالکل علیحدہ ایک عالم ہے اس لیے اس عالم پر اسے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس دنیا میں کسی چیز کو دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ چیز آنکھوں کے سامنے ہو، کسی ایک خاص جگہ ہو، اس کے لیے کوئی مکان ہو، اور وہ واجب الوجود ان تمام امور سے پاک و منزہ ہے کہ یہ سب چیزیں جسمیت کے لیے لازم ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ تعین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دیدارِ الٰہی کس نوعیت پر ہوگا، کیونکر ہوگا، اور کس شان سے ہوگا۔ بہرحال قرآن کریم، احادیثِ کریمہ اور اجماعِ امت اس بات پر گواہ ہیں کہ عالمِ آخرت میں خداوند تعالیٰ کی بہترین نعمت یہ ہوگی کہ وہ اپنی مخلوق کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائے، اگرچہ اس کی کوئی صورت مقرر نہ ہو۔ ہاں وقتِ دیدار، نگاہ اس کا احاطہ کرے، یہ محال ہے۔ رافضی کہ دیدارِ الٰہی سے مایوس ہیں، مایوس ہی رہیں گے۔

عقیدہ: قیامت، بعث، حشر و نشر، ثواب و عذاب، جنت و دوزخ اور ملائکہ و شیاطین سب کے وہی معنی ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہیں۔ جو شخص ان چیزوں کو تو حق

کہے، مگر ان کے نئے معنی اپنے جی میں گھڑے، مثلاً کہے کہ جنّت صرف ایک اعلیٰ درجہ کی راحت کا نام ہے، یا کہے کہ رُوحانی اذیّت کے اعلیٰ درجہ پر محسوس ہونے کا نام دوزخ ہے یا ثواب کے معنی اپنی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہونا اور عذاب کے معنی بُرے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا بتائے یا کہے کہ حشر صرف رُوحوں کا ہوگا، وہ حقیقتاً ان چیزوں کا منکر ہے، اور ایسا شخص قطعاً دائرۂ اسلام سے خارج اور اسلامی برادری سے باہر ہے، اگرچہ کلمہ پڑھتا اور اسلام کا اقرار کرتا ہو۔

یونہی فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا، یا بدی کی قوت کا نام جن یا شیطان رکھنا کفر ہے۔ غرض ان تمام امور کے متعلق جو عقیدے مسلمانوں میں مشہور ہیں اور ان کے جو معنی اہلِ اسلام میں مراد لیے جاتے ہیں، یہی معنی قرآن پاک و احادیثِ شریفہ میں صاف صاف روشن الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں اور یہ امور اسی طور پر تواتر کے ساتھ منقول ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں تو جو شخص ان الفاظ کا تو اقرار کرے، لیکن یوں کہے کہ ان کے ایسے معنی مراد ہیں، جو ان کے ظاہر الفاظ سے سمجھ میں نہیں آتے، ایسا شخص یقیناً ضروریاتِ دین کا منکر اور قطعی طور پر دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور کلمہ پڑھتا ہو تو مرتد ہے۔

(۲۶) جنّت کا بیان

عقیدہ: اہلِ ایمان کے ثواب اور انعامات کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک مکان بنایا ہے جس میں تمام قسم کی جسمانی و رُوحانی لذتوں کے وہ سامان مہیا فرمائے ہیں جو شاہانِ ہفت اقلیم، ساری کائنات کے فرمانرواؤں اور حکمرانوں کے خیال میں نہیں آسکتے۔ اسی کا نام جنّت و بہشت ہے۔

جنّت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان دار بندوں کے لیے انواع و اقسام کی ایسی نعمتیں جمع فرمائی ہیں، جنہیں نہ آنکھوں نے دیکھا، نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا خطرہ گزرا تو ان کا وصف پوری طرح بیان میں نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ عطا

فرمائے تو وہیں ان کی قدر معلوم ہوگی۔ جو کوئی مثال اس کی تعریف میں دی جائے، سمجھانے کے لیے ہے، ورنہ دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ شے کو جنّت کی کسی چیز کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں۔

جنّت میں سو درجے ہیں اور ہر درجے کی وسعت اتنی ہے کہ اگر تمام عالم ایک درجہ میں جمع ہو تو سب کے لیے وسیع ہو، اور جگہ باقی رہے۔

جنّت میں قسم قسم کے جواہر کے محل ہیں، ایسے صاف و شفاف کہ اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا اندر سے دکھائی دے۔ جنّت کی دیواریں، سونے چاندی کی اینٹوں اور مشک کے گارے سے بنی ہوئی ہیں۔ زمین زعفران کی اور کنکریوں کی جگہ موتی اور یاقوت ہیں۔

جنّت میں چار دریا ہیں، ایک پانی کا، دوسرا دودھ کا، تیسرا شہد کا اور چوتھا پاکیزہ شراب کا۔ پھر ان میں سے نہریں نکل کر ہر ایک جنتی کے مکان میں جاری ہیں۔

جنّت میں جنتیوں کو ہر قسم کے لذیذ سے لذیذ کھانے ملیں گے اور جو چاہیں گے، فوراً ان کے سامنے ہو جائے گا۔

جنّت میں نجاست، گندگی، پاخانہ، پیشاب، تھوک وغیرہ حتیٰ کہ کان کا میل، بدن کا میل اصلاً نہ ہوں گے۔ ایک خوشبودار فرحت بخش پسینہ نکلے گا اور ایک خوشبودار اور فرحت بخش ڈکار آئے گی اور سب کھانا ہضم ہو جائے گا۔ ہر وقت زبان سے تسبیح و تکبیر بالقصد اور بلاقصد مثل سانس کے جاری ہوگی۔ باہم ملنا چاہیں گے، تو ایک کا تخت دوسرے کے پاس چلا جائے گا۔

جنّت میں کم از کم ہر شخص کے سرہانے میں دس ہزار خادم کھڑے ہوں گے، جنتیوں کے نہ لباس پرانے پڑیں گے اور نہ ان کی جوانی فنا ہوگی اور اگر مسلمان اولاد کی خواہش کرے گا، تو اس کا حمل اور وضع اور پوری عمر یعنی تیس سال کی خواہش کرتے ہی ایک ساعت میں ہو جائے گی۔ جنّت میں نیند نہیں کہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور جنّت میں موت نہیں۔

جنتی جب جنّت میں جائیں گے، ہر ایک اپنے اعمال کی مقدار سے مرتبہ پائے گا

اور اس کے فضل کی حد نہیں۔ پھر انہیں دنیا کے ایک ہفتہ کی مقدار کے بعد اجازت دی جائے گی کہ اپنے پروردگار عزوجل کی زیارت کریں۔ عرشِ الٰہی ظاہر ہوگا اور رب عزوجل جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تجلّی فرمائے گا اور خدا تعالیٰ کا دیدار ایسا صاف ہوگا، جیسے آفتاب اور چودھویں رات کے چاند کو، ہر ایک اپنی اپنی جگہ سے دیکھتا ہے کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے لیے مانع نہیں۔ ان میں اللہ عزوجل کے نزدیک سب میں معزز وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے وجہِ کریم کے دیدار سے ہر صبح و شام مشرف ہوگا۔

(۲۷) دوزخ کا بیان

اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں، نافرمانوں اور سرکشوں کے عذاب و سزا کے لیے بھی ایک جگہ بنائی ہے جس کا نام جہنم یا دوزخ ہے۔ یہ ایک مکان ہے کہ اس قہار و جبار کے جلال و قہر کا مظہر ہے۔ جس طرح اس کی رحمت و نعمت کی انتہا نہیں کہ انسانی خیالات و تصوّرات جہاں تک پہنچیں، وہ ایک شمہ ہے اس کی بے شمار نعمتوں سے۔ اسی طرح اس کے غضب و قہر کی کوئی حد نہیں کہ ہر وہ تکلیف و اذیت کہ ادراک کی جائے، ایک ادنیٰ حصّہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا۔ چنانچہ جہنم میں تمام قسم کے اذیّت دہ، طرح طرح کے ایسے ایسے عذاب مہیا کیے گئے ہیں، جن کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے اور حواس گم ہوتے ہیں۔

قرآن مجید و احادیث میں جو اس کی سختیاں مذکور ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

جہنم کے شرارے (پھول) اونچے اونچے محلوں کے برابر اُڑیں گے۔ گویا زرد اونٹوں کی قطار کہ پیہم آتے رہیں گے۔ آدمی اور پتھر اس کا ایندھن ہے یہ جو دنیا کی آگ ہے، اس آگ کے ستّر جزوں میں سے ایک جز ہے اور یہ آگ بھی خدا تعالیٰ سے دعا کرتی ہے کہ اسے جہنم میں پھر نہ لے جائے۔

جہنم میں جس کو سب سے کم درجہ کا عذاب ہوگا، اسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی، جس سے اس کا دماغ ایسا کھولے گا جیسے تانبے کی پتیلی کھولتی ہے، وہ سمجھے گا کہ

سب سے ہلکا ہے۔ سب سے ہلکے درجے کا جس پر عذاب ہوگا اس سے اللہ عزوجل پوچھے گا "اگر ساری زمین تیری ہو جائے، تو کیا اس عذاب سے بچنے کے لیے تو سب فدیے میں دے دے گا؟" عرض کرے گا "ہاں!" فرمائے گا: "جب تو پشتِ آدم میں تھا، تو ہم نے اس سے بہت ہلکی چیز کا حکم دیا تھا کہ کفر نہ کرنا، مگر تُو نے نہ مانا۔"

جہنم کی آگ ہزار برس تک دہکائی گئی ہے، یہاں تک کہ سرخ ہوگئی۔ پھر ہزار برس اور جلائی گئی یہاں تک کہ سفید ہوگئی۔ پھر ہزار برس اور، یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ نری سیاہ ہے جس میں روشنی کا نام نہیں۔ دوزخ کی گہرائی کو خدا ہی جانے کہ کتنی گہری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر پتھر کی چٹان جہنم کے کنارے سے اس میں پھینکی جائے تو ستّر برس میں بھی تہہ تک نہ پہنچے گی۔ غرض کہ کافر اس میں جھونک دیئے جائیں گے۔

کفار کی سرزنش کے لیے طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ لوہے کے بھاری بھاری گرزوں سے ان پر مار پڑے گی، بڑے بڑے اونٹوں کی گردن کے برابر بچھو اور اللہ جانے کس قدر بڑے بڑے سانپ ان پر مسلط کیے جائیں گے۔

خود جہنمیوں کی شکلیں ایسی کریہہ ہوں گی کہ اگر دنیا میں کوئی جہنمی اس صورت پر لایا جائے تو تمام لوگ اس کی بدصورتی اور بدبُو سے مرجائیں۔ جسم ان کا اتنا بڑا کر دیا جائے گا کہ ایک شانے سے دوسرے تک تیز سوار کے لیے تین دن کی راہ ہے۔

پھر آخر میں ان کافروں کے لیے یہ ہوگا کہ ان کے قد کے برابر آگ کے صندوق میں اسے بند کریں گے، پھر اس میں آگ بھڑکائیں گے اور آگ کا قفل لگایا جائے گا، پھر یہ صندوق آگ کے دوسرے صندوق میں رکھا جائے گا اور دونوں کے درمیان آگ جلائی جائے گی۔ اسی طرح یہ صندوق ایک اور صندوق میں رکھ دیا جائے گا اور آگ جلا کر لوہے کا قفل اس میں لگا دیا جائے گا تو اب ہر کافر یہ سمجھے گا کہ اس کے سوا اب کوئی عذاب میں نہ رہا اور یہ عذاب بالائے عذاب ہے اور اب ہمیشہ کے لیے ہے، مولا کریم اپنی پناہ میں رکھے۔۔۔ آمین۔

(۲۸) اَعراف کابیان

جنّت اور دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ کی دیوار ہے۔ یہ دیوار جنّت کی نعمتوں کو دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنّت تک پہنچنے سے مانع ہوگی۔ اسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہے، اس کو اَعراف کہتے ہیں۔

اور اکثر سلف و خلف سے یہ بات منقول ہے کہ اَعراف میں وہ لوگ رکھے جائیں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ یہ لوگ جب اہلِ جنّت کو دیکھیں گے، تو انہیں سلام کریں گے جو بطورِ مبارک باد ہوگا اور جب جہنمیوں کی طرف دیکھیں گے تو کہیں گے "یارب ہمیں ظالم قوم کے ساتھ نہ کر۔" اور چونکہ اَعراف والے ابھی تک جنّت میں نہ گئے ہوں گے اس لیے جنّت کی طمع اور آرزو کریں گے اور انجام کار اَعراف والے جنّت میں چلے جائیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اَعراف میں ہر درجہ کے لوگ ٹھہرائے جائیں اور ہر ایک کے ٹھہرانے کی حکمت جداگانہ ہو، مثلاً ان فضیلت اور رتبۂ عالیہ کا اظہار تاکہ سب جنتی اور دوزخی ان کو دیکھیں اور وہ سب کے احوال کا معائنہ کریں۔

(۲۹) ذِبحِ موت کابیان

جب سب جنتی، جنّت میں پہنچ جائیں گے اور جہنم میں صرف وہی لوگ رہ جائیں گے جن کو ہمیشہ کے لیے اس میں رہنا ہے، اس وقت جنّت اور دوزخ کے درمیان موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لاکر کھڑا کریں گے۔ پھر ایک منادی والا جنّت والوں کو پکارے گا۔ وہ ڈرتے ہوئے جھانکیں گے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنّت سے نکلنے کا حکم ہو، پھر جہنمیوں کو پکارے گا، وہ خوش ہوتے ہوئے جھانکیں گے کہ شاید ان مصیبتوں سے رہائی ہو جائے۔ پھر وہ منادی والا ان سب کو دکھا کر پوچھے گا کہ "اسے پہچانتے ہو؟" سب کہیں

گے کہ "ہاں! یہ موت ہے۔" پھر ان سب کو دکھا کر ذبح کردی جائے گی اور اسے جنّت و دوزخ کے درمیان یحییٰ علیہ السلام اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائیں گے اور یہ فرمایا جائے گا کہ "اے اہلِ جنّت! ہمیشگی ہے اب مرنا نہیں اور اے اہلِ نار! ہمیشگی ہے اب مرنا نہیں۔"

اس وقت اہلِ جنّت کے لیے فرحت و سرور کی انتہا نہ ہوگی۔ ان کے لیے خوشی پر خوشی ہے۔ اسی طرح دوزخیوں کے رنج و غم کی نہایت نہ ہوگی، ان کے لیے غم بالائے غم ہے۔

عقیدہ: جنّت دوزخ حق ہیں، ان کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

عقیدہ: جنّت و دوزخ کو بنے ہوئے ہزارہا سال ہوئے اور وہ اب بھی موجود ہیں، یہ نہیں کہ اس وقت تک مخلوق نہ ہوئیں قیامت کے دن بنائی جائیں گی۔

(۳۰) ایمان و کفر کابیان

سچے دل سے ان تمام باتوں کی تصدیق کرنا جو ضروریاتِ دین سے ہیں، اسے ایمان کہتے ہیں، یا یوں سمجھو کہ جو حکم یا خبر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے پاس سے لائے، ان سب کو حق جاننا، سچے دل سے ماننا اور ان پر ایسا یقین رکھنا کہ ذرہ برابر اس میں شک نہ رہے، ایمان کہلاتا ہے اور ان میں سے کسی ایک بات کو بھی نہ ماننا کفر ہے۔ اگرچہ ایسا شخص باقی تمام ضروریات کی تصدیق کرتا ہو اور ضروریاتِ دین، وہ مسائلِ دین ہیں جن کو ہر خاص و عام، دین کا مسئلہ جانتے ہوں، جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت، جنّت و دوزخ، حشر و نشر وغیرہا۔ مثلاً جیسے یہ اعتقاد کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ نبوت آپ پر ختم ہوگئی اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔

وہ مسلمان کہ دور دراز دیہاتوں اور جنگلوں اور پہاڑوں کے رہنے والے ہوں، جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، ان کے مسلمان ہونے کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ

ضروریاتِ دین میں سے کسی دینی ضرورت کے منکر نہ ہوں اور یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ اسلام میں جو کچھ ہے، حق ہے یا بالفاظ دیگر اس بات پر اجمالاً ایمان لائے ہوں کہ اسلام سچا دین ہے، اور اس کا ہر حکم سچا، اس کی ہر بات، ہر خبر سچی اور اس کے تمام فرمان سچے۔

مسلمان بھائی اور بہنیں، چھوٹے اور بڑے خوب یاد رکھیں کہ نجات اس بات پر منحصر ہے کہ ایک ایک عقیدہ اہلِ سنت و جماعت کا ایسا پختہ ہو کہ آسمان و زمین ٹل جائیں، مگر وہ نہ ٹلے۔ یہی دینی تصلب ہے اور یہ تصلّب دین میں محمود۔ پھر اس کے ساتھ ہر وقت خوف لگا ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں جس کو سلبِ ایمان کا خوف نہ ہو، مرتے وقت اس کا ایمان سلب ہو جائے گا۔ ہر مسلمان کو اتنا تو ہونا ہی چاہیے کہ صحت و تندرستی کے وقت خوف غالب ہو اور مرتے وقت رجا و امید کہ وہ ربِ کریم اپنے فضلِ عمیم سے مغفرت و نجات بخشے گا۔

عقیدہ: مسلمان ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ زبان سے کسی ایسی چیز کا انکار نہ کرے، جو ضروریاتِ دین سے ہیں۔ اگرچہ باقی باتوں کا اقرار کرتا ہو، اگرچہ وہ یہ کہے کہ صرف زبان سے انکار ہے دل میں انکار نہیں۔ ہاں شرعاً ایسی مجبوری آڑے آجائے جس میں جان جانے کا غالب گمان ہے، یعنی اسے مار ڈالنے یا اس کا عضو کاٹ ڈالنے کی صحیح دھمکی دی گئی ہے تو اسے معاذ اللہ کلمۂ کفر زبان سے جاری کرنے کی اجازت ہے، مگر شرط اب بھی یہی ہے کہ دل میں وہی اطمینانِ ایمانی اور قلبی اور جزم قطعی ہو جو پیشتر تھا، مگر افضل اب بھی یہی ہے کہ جان دے دے، مگر کلمۂ کفر زبان سے نکال کر اسلام سے نہ ہٹے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا اکراہ شرعی مسلمان کلمۂ کفر صادر نہیں کر سکتا۔ ایسی بات وہی شخص زبان پر لائے گا جس کے دل میں اسلام کی اتنی ہی وقعت ہے کہ جب چاہا، اس کا انکار کر دیا اور کلمۂ کفر زبان سے نکال دیا۔ جبکہ ایمان تو ایسی تصدیقِ قلبی اور یقینِ محکم کا نام ہے جس کے خلاف کی اصلاً گنجائش نہیں۔

عقیدہ: جب تک دل میں تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق جاگزیں اور اسلام کی حقانیت پر یقینِ کامل باقی ہے، کبیرہ گناہوں میں گرفتار مسلمان، مسلمان ہی ہے اور جنّت

میں جائے گا، خواہ اللہ عزوجل اپنے محض فضل سے اس کی مغفرت فرما دے یا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کے بعد، یا اپنے کیے کی کچھ سزا پا کر بخشا جائے۔ اس کے بعد کبھی جنّت سے نہ نکلے گا، یا یوں کہہ لو کہ گناہِ کبیرہ کرنے سے اگرچہ قصداً کیا ہو، آدمی کافر اور ایمان و اسلام سے خارج نہیں ہوتا، اور مسلمان برادری سے نہیں نکلتا۔

عقیدہ: شرک کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو واجب الوجود یا مستحقِ عبادت جاننا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں دوسرے کو شریک کرنا اور یہ کفر کی سب سے بدتر قسم ہے۔ اس کے سوا کوئی بات اگرچہ کیسی ہی شدید کفر ہو، حقیقتاً شرک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے اہلِ کتاب کفار، یعنی یہودیوں اور نصرانیوں کے احکام مشرکین کے احکام سے جدا فرمائے، مثلاً کتابی کا ذبیحہ حلال ہے اور مشرک کا مردار۔ کتابیہ سے نکاح ہو سکتا ہے، مشرکہ سے نہیں۔ ہاں کبھی شرک بول کر مطلق کفر مراد لیا جاتا ہے۔ یہ جو قرآن شریف میں فرمایا کہ شرک نہ بخشا جائے گا، وہ اسی معنی پر ہے۔ یعنی اصلاً کسی کفر کی مغفرت نہ ہوگی۔ باقی سب گناہ اللہ عزوجل کی مشیت پر ہیں، جسے چاہے بخش دے۔

بعض اعمال جو قطعاً ایمان و اسلام کے منافی ہوں، ان کے مرتکب کو کافر کہا جائے گا، جیسے بت یا چاند سورج کو سجدہ کرنا، قرآن کریم، کعبۂ معظمہ یا کسی نبی اللہ کی توہین کرنا۔ اس کی شان و وقعت کو گھٹانا، یہ باتیں یقیناً کفر ہیں۔ یونہی بعض اعمال کفر کی علامت ہیں جیسے زنار باندھنا، قشقہ لگانا، سر پر ہندوؤں کی طرح چٹیا رکھنا۔ معاذاللہ جو ایسی باتوں کا مرتکب ہو، اسے از سرِ نو اسلام لانے، کلمہ پڑھنے اور اس کے بعد اپنی عورت سے تجدیدِ نکاح کا حکم دیا جائے گا، یعنی اس پر لازم ہوگا کہ اس فعل سے توبہ کر کے کلمۂ اسلام پڑھے اور اپنی بیوی سے دوبارہ نکاح پڑھائے۔

عقیدہ: ایمان و کفر میں واسطہ نہیں، یعنی آدمی یا مسلمان ہوگا یا کافر۔ تیسری صورت کوئی نہیں کہ نہ مسلمان ہو نہ کافر۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ہم بوجہ شبہ کے کسی کو نہ

مسلمان کہیں نہ کافر، جیسے یزید پلید۔

عقیدہ: مسلمان کو مسلمان، کافر کو کافر جاننا ضروریاتِ دین سے ہے۔ اگرچہ کسی خاص شخص کی نسبت یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا خاتمہ ایمان، یا معاذاللہ کفر پر ہوا، تاوقتیکہ اس کے خاتمہ کا حال دلیلِ شرعی سے ثابت نہ ہو، مگر اس سے یہ نہ ہوگا کہ جس شخص نے قطعاً کفر کیا ہو، اس کے کفر میں شک کیا جائے کہ قطعی کافر کے کفر میں شک بھی آدمی کو کافر بنا دیتا ہے، خاتمہ پر بنا، روزِ قیامت اور ظاہر پر حکمِ شرع کا مدار ہے تو جس نے کفر کیا، فرض ہے کہ ہم اسے کافر ہی جانیں اور خاتمہ کا حال علمِ الٰہی پر چھوڑ دیں۔ جس طرح ظاہراً جو مسلمان ہو، اور اس سے کوئی قول و فعل، خلافِ ایمان صادر نہ ہو۔ فرض ہے کہ ہم اسے مسلمان ہی مانیں۔ اگرچہ ہمیں اس کے خاتمہ کا بھی حال معلوم نہیں۔ اس زمانہ میں لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہاں جتنی دیر اسے کافر کہو گے، اتنی دیر اللہ اللہ کرو کہ یہ ثواب کی بات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کب کہتے ہیں کہ کافر کافر کا وظیفہ کر لو۔ مقصود یہ ہے کہ اسے کافر جانو اور پوچھا جائے تو قطعاً کافر کہو۔ نہ یہ کہ اپنی "صلح کل" پالیسی سے اس کے کفر پر پردہ ڈالو۔

خوب یاد رکھنا چاہیے

جب اصلاً کسی کفر کی مغفرت نہ ہوگی جیسا کہ قرآن کریم کی گواہی ہے تو جو کسی کافر کے لیے اس کے مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کرے یا کسی مردہ مرتد یعنی ایسے شخص کو جو کلمہ گو ہو کر کفر کرے، جنتی، مرحوم یا مغفور یا رحمۃ اللہ علیہ یا نور اللہ مرقدہ یا اس کے ہم معنی دوسرے الفاظ کہے، یا کسی مردہ ہندو کو کہ علانیہ، اسلام سے دور اور کفر پر اڑا رہا۔ بیکنٹھ باشی کہے، خود کافر ہے کہ درحقیقت انکار کرتا ہے حکمِ قرآنی اور فرمانِ ربانی کا۔

قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے کہ مغفرت اور بخشش کی دولت، صرف ان خوش نصیبوں کے لیے ہے جو مرتے دم تک ایمان و اسلام پر قائم رہے تو جو بدنصیب عمر بھر کفر

و شرک میں گرفتار رہے اور اسی حالت میں موت نے انہیں آلیا، ان کے لیے بخشش و نجات کی تمام راہیں اور مغفرت کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔

اور ان سے بدتر ہیں وہ بدبخت جو کلمۂ اسلام پڑھ کر کفر پر مریں، اسلام کا نام لیں اور کفر کی بستی آباد کریں۔ یہ کب اس قابل ہیں کہ رحمتِ الٰہی ان کی طرف متوجہ ہو۔ اسی لیے قرآن و حدیث کے احکام کے بموجب ایسوں کی نمازِ جنازہ پڑھنا بھی حرام اور شدید گناہ ہے کہ آخر نمازِ جنازہ کا مقصود بھی مرنے والے کے لیے دعائے مغفرت اور عام مسلمانوں کی جانب سے اس کی شفاعت ہے، جبکہ وہ بدنصیب اس دولت کا اہل ہی نہیں، بلکہ اس کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر بغرضِ زیارت، بطورِ اکرام جانا بھی شرعاً ایک بہت بڑا گناہ اور حرام و ناجائز ہے۔ یونہی ان کے کفن و دفن میں شرکت بھی شرعاً درست نہیں اور ان احکامِ شرعیہ کی علت وہی کہ جب وہ ایمان سے خالی ہیں، تو اس کی اہلیت ہی نہیں کہ ان پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے، اور جب وہ مبغوض و مردود اور لعنتِ الٰہی میں گرفتار ہیں، تو ان پر یہ نعمتیں کیسی اور ان کے لیے عزت و تکریم کا اہتمام کیسا؟

مسلمان مرد اور عورتوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے منافقوں کو اپنی جماعت میں کسی طرح نہ پنپنے دیں اور ہرگز کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ایسے بدنصیبوں کی ہمت افزائی ہو اور ایسے بدنصیب، مسلمانوں میں شمار کیے جائیں اور یوں غیروں کی نگاہوں میں ان کی کجروی و گمراہی، بددینی ولا مذہبی اسلام قرار پائے۔ مولائے کریم سب مسلمانوں کو ایسے فتنہ پردازوں کے فتنوں سے بچائے۔ آمین!

نفاق کا بیان

قرآن کریم نے ذکر تین قسم کے لوگوں کا کیا ہے: ایک مومن، قانونِ الٰہی کے مطیع و فرمانبردار، دوسرے کافر، قانونِ الٰہی کے منکر اور اسلام کے منکر و باغی اور علانیہ اسلام کے مخالف و معاند، تیسرے منافق، ہوتے یہ بھی کافر و منکر اور اسلام کے باغی ہیں، لیکن یہ اپنے کفر و انکار پر، پردہ مکر و فریب کا ڈالے رکھتے ہیں، یعنی زبان پر دعوئ اسلام

رکھتے ہیں، دل میں کفرِ خالص۔ اعلان بھلائی کا کرتے ہیں، مگر شر کو اندر ہی اندر چھپائے
رکھتے ہیں۔ دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتے ہیں، مگر
درپردہ مسلمانوں میں شامل رہ کر سازشوں کا جال پھلاتے ہیں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں، یعنی ہجرت نبوی کے بعد کچھ لوگ ان احوال وعادات
کے حامل مدینہ منورہ میں مشہور ہوئے۔ اسلام سے عداوت اور حضورِ اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے عناد میں یہ لوگ کھلے ہوئے کافروں سے کچھ کم نہ تھے، مگر زبانی
اقرارِ اسلام کے باعث سمجھتے تھے کہ ان کی یہ منافقانہ روش ان کے لیے مفید ہوگی، مگر
ان کی منافقت کا راز فاش ہو کر رہا اور ان کے کفرِ باطنی پر قرآن ناطق ہوا۔ نیز نبی کریم
علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے وسیع علم سے ایک ایک کو پہچانا اور فرمایا کہ فلاں منافق ہے
اور فلاں منافق ہے اور ایک ایک منافق کا نام لے کر اسے مسجدِ کریمہ سے نکال دیا۔ اب
کہ وحیِ الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو چکا اور یقین وجزم سے کسی کے دل کی حالت ونیت کے
علم کا راستہ مسدود ہو گیا؛ اس لیے اس زمانہ میں کسی خاص شخص کی نسبت قطع ویقین
کامل کے ساتھ منافق نہیں کہا جا سکتا۔ ہمارے سامنے جو دعویٰ اسلام کرے، اسلام کا
کلمہ پڑھے اور خود کو مسلمان کہے، ہم اس کو مسلمان ہی سمجھیں گے، مسلمان ہی جانیں
گے اور مسلمان ہی کہیں گے۔ جب تک اس سے کوئی قول وفعل ایسا سرزد نہ ہو جو
ایمان کے منافی اور دعویٰ اسلام کے قطعاً برخلاف ہے۔

البتہ نفاق کی ایک شاخ اس زمانے میں پائی جاتی ہے کہ بہت سے بدمذہب اپنے
آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور دیکھا جائے تو دعویٰ اسلام کے ساتھ ضروریاتِ دین کا انکار
بھی کر بیٹھتے ہیں۔ کافروں میں سب سے بدتر مسلمانوں کے حق میں یہی منافق ہیں اور ان
کی صحبت ہزار کافروں کی صحبت سے بدتر اور مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتے
ہیں اور مسلمان ان کی ظاہری روش اور وضع قطع، طور طریق کو دیکھ کر ان کے بہکائے
میں آجاتے ہیں۔

مسلمان خبردار رہیں اور اس ارشادِ قرآنی کو مدِنظر رکھیں کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْہُمْ فِیْ شَیْءٍ۔

وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین میں جُدا جُدا راہیں نکالیں اور گروہ در گروہ بن گئے۔ اے محبوب! تمھیں ان سے کچھ علاقہ نہیں، ان سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔

ارشادِ قرآنی کا مدعا یہ ہے کہ خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ
وسلم کے فرمودات اور دینِ اسلام کے وسیع اصول وکلیات کو چھوڑ کر اپنی نفسانی
خواہشات کے اتباع اور اپنی خود پسندی کی پیروی میں جو لوگ کفر وشرک یا بدعت کے
طریقوں کو اختیار کر کے ٹکڑیوں میں بٹ گئے اور بے شمار مذاہب اور فرقے بنتے چلے
گئے، اور دین کی وحدت ویک جہتی کو پارہ پارہ کر دیا۔ ان سے اللہ کا رسولِ برحق، لاتعلق
اور بری الذمہ ہے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
کا کوئی تعلق، کوئی واسطہ نہیں اور ظاہر ہے کہ جس فرد یا جماعت یا گروہ وفرقہ کے ساتھ
اللہ جل جلالہٗ کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی تعلق نہ ہو اس کا
اسلام سے کیا تعلق رہ سکتا ہے، اور اسلام کے سچے پیروکاروں سے اسے کون سا واسطہ
باقی رہ سکتا ہے اور امتِ مسلمہ مرحومہ کو فرقوں اور گروہوں کی تقسیم در تقسیم کی لعنت
میں ڈالنے والے، کب خدا اور رسول کی رحمت ورافت کے حقدار ہو سکتے ہیں اور اللہ
کی زمین میں ان کے اطاعت گزار بندوں کے مابین فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا کر اور فسق و
فجور کا بازار گرم کر کے عنایتِ ربانی کب ان کی جانب مبذول ہو سکتی ہے۔ ولہٰذا سلامتی
کی راہ یہی ہے کہ ان ساری ناپاک گروہ بندیوں اور ان تمام باطل فرقوں سے آدمی دور و
نفور رہے۔ یہی فرمانِ خداوندی ہے اور یہی ارشادِ رسالت پناہی۔

(۳۲) گمراہ فرقے

صحیح حدیث شریف میں ہے کہ یہود اکہتر (۷۱) فرقے ہو گئے۔ ان میں سے صرف
ایک ناجی، باقی سب ناری اور نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقے ہوئے، ان میں سے ایک ناجی، باقی
سب ناری۔ اور میری امت تہتر (۷۳) فرقے ہو جائے گی۔ ایک فرقہ جنتی ہوگا، باقی سب

جہنمی۔ صحابہ کرام نے عرض کی: "یارسول اللہ! وہ ناجی (جنتی) فرقہ کون ہے؟" ارشاد فرمایا: وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ یعنی سنت کے پیرو۔ دوسری روایت میں ہے، فرمایا: "وہ جماعت ہے۔" یعنی مسلمانوں کا بڑا گروہ جسے سوادِ اعظم فرمایا اور فرمایا: "جو اس سے الگ ہوا جہنم میں الگ ہوا۔" اسی وجہ سے اس ناجی و نجات پانے والے فرقہ کا نام ہوا: اہلِ سنت و جماعت۔" لہٰذا سوادا عظم اہلِ سنت و جماعت سے جو لوگ کٹ گئے اور انہوں نے ایک نئی راہ اپنے دماغ کی اپج یا بزرگانِ دین میں سے کسی کے ساتھ عقیدت میں غلو اور کسی کے ساتھ بغض و عداوت سے نکالی، وہ یقیناً انہیں بہتر فرقوں میں ہیں، جو فرمانِ نبوی کے مطابق جہنمی ہیں۔ انہیں کے متعلق ارشاد فرمایا: "یہ تمام جہان سے بدتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدمذہب کی نہ نماز قبول کرے، نہ روزہ، نہ زکوٰۃ نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ فرض نہ نفل اور بدمذہب اسلام سے یوں نکل جاتا ہے۔ جیسے آٹے سے بال۔"

(بیہقی)

ایسوں ہی کے بارے میں نصیحت فرمائی کہ نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ، نہ پانی پیو، نہ ان کے جنازے کی نماز پڑھو، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ (ابن حبان)

اور مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ۔

اپنے کو ان سے دُور رکھو، اور انہیں اپنے سے دُور رکھو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

مسلمانو! ان گمراہ فرقوں میں بعض ایسے بھی فرقے ہیں جو ظاہراً لباسِ شریعت سے آراستہ نماز روزے حج زکوٰۃ پر فریفتہ نظر آتے ہیں۔ بات بات پر قرآن و حدیث کا نام لیتے ہیں اور بہت سی باتوں میں دوسرے کلمہ گویوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ خبردار! ان کے فریب میں نہ آنا۔ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے علمِ وسیع سے انہیں جانا پہچانا اور ہمارے لیے ان کی شناخت کو آسان کر دانا ہے۔

بخاری و مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک شخص ذوالخویصرہ نامی نے کہا "یارسول اللہ! عدل کیجئے۔" حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تجھے خرابی ہو، میں نہ عدل کروں گا، تو کون عدل کرے گا؟" حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: "مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔" حضور نے فرمایا: "اسے چھوڑ دو، اس کے اور بھی ہمراہی ہیں (جو اس کی صلب سے پیدا ہوں گے) کہ تم ان کی نمازوں اور روزوں کے سامنے اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے اور ان کے گلوں سے نہ اترے گا۔ (یعنی ان کی حقانیت کی برکات سے ان کے سینے اور دل و دماغ محروم رہیں گے) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔"

غرض کہنا یہ ہے کہ ان گمراہ فرقوں میں بہت سے پیدا ہو کر ختم ہو گئے اور امت میں فتنوں کے دروازے کھول گئے۔ کچھ ادھر برصغیر پاک و ہند میں موجود ہی نہیں مگر آمد و رفت کے ذرائع کی آسانیوں نے ان کے لیے بہت سے ممالک کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اسلام کے منکر، مگر کلمۂ اسلام پڑھ کر، اقراری مسلمان بن کر ادھر اُدھر جاتے اور ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ انہیں بہتر فرقوں میں شمار کیے جانے والے ہیں۔

۱۔ **قادیانی:** یہ فرقہ مرزا غلام احمد قادیانی کا پیرو ہے جو اپنے آپ کو نبی و رسول بتاتا، اپنے کلام کو کلام الٰہی بتاتا، اور انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں نہایت بے باکی کے ساتھ گستاخیاں کرتا رہا۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ روح اللہ و کلمۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ صدیقہ حضرت مریم کی شانِ جلیل میں تو اس نے وہ بے ہودہ کلمات استعمال کیے جن کے ذکر سے مسلمانوں کے دل دہل جاتے ہیں۔

خود مدعی نبوت بننا اور ابد الآباد تک جہنم میں رہنے کے لیے کافی تھا کہ قرآن مجید کا انکار اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین نہ ماننا، مگر اس نے اتنی ہی بات پر اکتفا نہ کیا، بلکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی تکذیب و توہین کا وبال بھی اپنے سر لے لیا اور یہ صدہا کفر کا مجموعہ ہے کہ ہر نبی کی تکذیب مستقلاً کفر ہے۔

اور اس نے تو صدہا کی تکذیب کی اور اپنے کو نبی سے بہتر بنایا۔ ایسے شخص اور اس کے متبعین کے کافر ہونے میں کسی مسلمان کو ہرگز شک نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسے کی

تکفیر میں اس کے اقوال پر مطلع ہو کر، جو شک کرے، وہ خود کافر ہے۔ خواہ وہ ان لوگوں کے چیلے ہوں، جو معاذاللہ قادیانی کو شریعتِ مستقلہ کا صاحب رسول مانتے ہیں یا مرزا محمود قادیانی کے گرگے ہوں، جو قادیانی کو فنافی الرسول بتا کر اسے بروزی نبی اور امتی نبی ٹھہراتے ہیں، یا کسی ایسے کے پیرو ہوں جو قادیانی کے کفریات پر مطلع ہو کر بھی اس کو مجدد و مسیح و مہدی مانتے ہیں، یا بے دین زندیق نام نہاد صدیق دین دار کے متبع ہوں، جو قادیانی کو بھی، نبی و رسول مانتا ہے اور اپنے نفس ناپاک کو بھی قادیانیوں کے لیے بھی نبی و رسول اور ہندوؤں کے لیے بھی اپنے آپ کو چن بسویشور اوتار، اور مسلمانوں کے لیے امام مہدی اور نصاریٰ کے لیے اپنے آپ کو مسیح موعود ٹھہراتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

تعجب ہے ان سادہ لوحوں پر کہ ایسے فتنہ پرور، شرانگیز کے متبع ہو رہے ہیں، جنہیں احادیث کریمہ میں ملعون اور دجال فرمایا گیا یا کم از کم انہیں مسلمان ہی جانتے مانتے ہیں اور سب سے زیادہ تعجب ان پڑھے لکھے کٹ بگڑوں پر ہے کہ جان بوجھ کر، اس کے کفریات پر اطلاع پانے کے باوجود اسے مصلح قوم یا چنین وچناں کہہ کر اس کے ساتھ خود بھی جہنم کے گڑھوں میں گر رہے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے کافر و مرتد بے دین ہونے میں کسی مسلمان کو شک ہو سکتا ہے۔ حاشا اللہ جو ان خباثتوں پر مطلع ہو کر اس کے عذاب و کفر میں شک کرے، خود کافر ہے۔

۲۔ **بابی:** یہ فرقہ اپنے عقائدِ کفریہ میں قادیانیوں سے بھی چار قدم آگے ہے۔ ان کا پیشوا علی محمد شیرازی ہے جس نے امام مہدی آخر الزماں ہونے کا دعویٰ کیا اور ساتھ اپنے مسیح و نبی اور رسول ہونے کا مدعی بھی بن گیا۔ اسی علی محمد شیرازی نے اس بات کا بھی دعویٰ کیا تھا کہ وہ باب الوصول الی اللہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا دروازہ۔ اسی لیے اختصاراً وہ باب کہلایا جانے لگا اور جن لوگوں نے اس کے ان دعووں کو قبول کیا، وہ بابی کہلائے، جو ان اطراف و جوانب میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔

اسی مدعی بابیت علی محمد شیرازی نے اپنی امتِ بابیہ کو ایک کتاب (البیان) لکھ کر دی اور بتایا کہ یہ آسمانی و ربانی کتاب ہے اور اپنی اس کتاب کو تمام آسمانی کتابوں سے حتیٰ

کہ قرآنِ کریم سے بھی افضل بتایا۔ علی محمد شیرازی کی یہ کتاب صدہا کفریات کا پلندہ ہے۔ علی محمد باب شیراز میں ۲۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء کو پیدا ہوا۔ ۲۰ مئی ۱۸۴۴ء کو دعویٰ کیا کہ میں ایلیا اور مہدی موعود ہوں۔ ۱۸۴۴ء سے ۱۸۵۰ء تک چھ سال متواتر اپنے کفریات کی تبلیغ کرتا رہا اور اسی سال یعنی ۱۸۵۰ء میں ۳۱ سال کی عمر میں قتل کر دیا گیا۔

مرزا حسین علی جو طہران میں ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس نے ۱۸۴۴ء میں باب سے تعلق پیدا کیا اور اپنے شیخ شیرازی کے قتل ہو جانے کے کچھ سال بعد یعنی ۱۸۶۳ء میں اعلان کر دیا کہ میں ظہورِ اعظم ہوں، جس کی بشارت تمام انبیاء نے دی تھی اور اپنا نام بہاء اللہ رکھا۔ اب بابیوں میں سے جو لوگ بہاء اللہ کے پیرو ہو گئے وہ بہائی کہلائے، اور یہ بھی برصغیر پاک و ہند میں جگہ جگہ موجود اور اپنے شیطانی کام میں مصروف ہیں۔

بہاء اللہ نے تمام مذاہب کو دعوتِ اتحاد دی اور تین کتابیں لکھ کر اپنی امت بہائیہ کو دیں۔ ایک کا نام کتاب "الاقدس" ہے۔ دوسری کا نام کتاب "مبین" اور تیسری کا نام کتاب "الایقان" ہے۔ بہائی مذہب کو ماننے والے، معاذ اللہ قرآن عظیم کو منسوخ سمجھتے اور اس کی جگہ کتاب "الاقدس" کو بہاء اللہ پر نازل شدہ جانتے ہیں۔ اس کتاب میں ضروریاتِ دین کی تحریف کی۔ دین کے اصول و احکام کو الٹ پلٹ دیا اور قسم قسم کی مکاریوں اور طرح طرح کی فریب کاریوں سے ضروری دینی ایمانی یقینی عقائد و احکام کو ہیر پھیر میں ڈال کر ایک نئے اور جھوٹے دین کی بنیاد ڈالی اور بحکمِ شریعتِ مطہرہ کافروں، مرتدوں اور ابدی دوزخیوں میں اپنا نام لکھایا اور اپنے پیروؤں کو حدودِ اسلامیہ سے بے پرواہ اور قیودِ شرعیہ سے آزاد کر دیا اور چودہ سو سالہ اسلامی روایات کو معاذ اللہ قطعاً غلط و باطل ٹھہرایا۔

اور انہیں قادیانیوں، بابیوں، بہائیوں کے بھائی بندوں میں شامل ہیں، وہ لوگ جو اپنے آپ کو دینِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا پیرو بتائیں، اپنا الگ کلمہ گھڑیں۔ اپنے پیش رو کو خدا کا اوتار کہیں۔ ان کی کسی طور پر پوجا پاٹ کریں۔ آیاتِ قرآنیہ میں تحریف کریں اور قواعدِ شرع میں سے کسی قاعدے کو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ

وسلم کے ان افعال کو جھٹلائیں اور انکار کریں جو نقل متواتر کے ساتھ یقینی طور پر معلوم ہوئے ہیں اور زمانہ اقدس سے لے کر اب تک ہر زمانے میں برابر ان پر اجماع رہا ہے۔ ایسے لوگ بھی بحکمِ شریعتِ مطہرہ قطعاً کافرو مرتد ہیں۔

۳- چکڑالوی: اس فرقہ کا موجد عبد اللہ چکڑالوی ہے۔ یہ ایک نیا فرقہ ملعونہ حادث ہوا ہے کہ ائمہ مجتہدین اور فقہائے کرام درکنار، خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے منکر ہے اور تمام احادیثِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صراحتاً باطل اور ناقابل بتاتا ہے اور صرف قرآنِ عظیم کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان فتنہ پروروں نے اپنی نماز بھی مسلمانوں سے علیحدہ گھڑلی ہے جس میں ہر وقت صرف دو ہی رکعتیں ہیں۔ اس فرقے کی ناپاک کتابوں میں مذکور ہے کہ صرف قرآن پاک ہی پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرلینا نجات وہدایت کے لیے کافی ہے اور تمام تر حدیثیں یکسر باطل اور ردی کے ٹوکرے میں پھینک دینے کے قابل ہیں اور ایسے اقوال قطعاً کفر ملعون ہیں اور ان کا اعتقاد رکھنے والے قطعی یقینی کافرو مرتد اور اسلام سے خارج ہیں اور اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ مسلمانوں پر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور آپ کا اتباع فرض ہے، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی اللہ عزوجل کی اطاعت ہے تو جو اسے کفرو شرک بتائے، وہ خود عذابِ جہنم کا سزاوار ہے۔ اس فرقۂ ملعونہ نے پہلے اپنا نام اہلِ قرآن رکھا تھا، پھر اپنا نام اہل الذکر مقرر کیا اور اب امتِ مسلمہ اپنا نام رکھ کر مسلمانوں کو دھوکے دے رہے ہیں بحکمِ شریعتِ مطہرہ ایسے عقیدے والے اور ان کا اتباع کرنے والے کفار و مرتدین ہیں اور اگر بے توبہ مریں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذابِ جہنم کے مستحق ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

۴- نیچری: یہ باطل طائفہ ضروریاتِ دین کا منکر ہے۔ قرآنِ عظیم کے قطعی ضروری اور صاف صریح احکام میں درپردہ تاویل و تحریف اور تبدیل کرتا ہے۔ ملائکہ و جن و شیاطین، حشرو نشر، جنت و دوزخ اور انبیائے کرام کے عظیم معجزوں سے اپنی ناپاک

تاویلوں کی آڑ میں انکار کرتا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کو انسانی خیالات کا مجموعہ بتاتا اور وحیِ الٰہی کو کسی مجنون کی بڑ ٹھہراتا ہے۔

طوافِ خانہ کعبہ کو جو نماز ہی کی طرح اللہ عزوجل کی عبادت ہے، اسے وحشی قوموں کی ایجاد کی ہوئی غیر مہذب نماز بتاتا ہے اور احرام کو وحشیانہ لباس کہتا ہے اور حاجیوں کو جن میں انبیاء و مرسلین شامل ہیں، دو پیروں کا جانور بتاتا ہے۔ جنت کی نعمتوں کو اعلیٰ درجہ کی روحانی راحت اور دوزخ کی اذیتوں کلفتوں کو روحانی اذیت کہتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جنت کو بدکاریوں کا اڈہ کہہ کر اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ نیچریوں کے عقیدہ کا لب لباب یہ ہے کہ تمام مذہبوں میں سے ان تمام باتوں کو نکال ڈالا جائے جو نیچر کے خلاف ہیں اور ان تمام امور کو بھی علیحدہ کر دیا جائے، جن میں کسی ایک مذہب کا بھی اختلاف ہے، ان میں نہ کوئی معجزہ رکھا جائے اور نہ عقلوں کو حیران کر دینے والا قدرت الٰہیہ کا کوئی نشان باقی رہے، نہ کوئی ایسی بات دین میں شمار کی جائے جو عقل انسانی کے لیے قابل قبول نہ ہو۔ اب تمام مذہبوں میں جو مشترک باتیں باقی رہ جائیں گی، بس وہی مذہب نیچریہ ہے اور یہی ان کے نزدیک ٹھیٹھ اسلام ہے۔ غرض یہ کہ یہ فرقہ دراصل اسلامی تعلیم کی بیخ کنی اور مسلمانوں کی دینی ضرر رسانی میں دوسروں سے آگے، بہت بڑھ چڑھ کر ہے۔ مولائے کریم اپنی پناہ میں رکھے۔

رافضی: یہ بھی بالعموم اسلامی تعلیمات اور دین کے مسلمہ معتقدات اور دینی ضروریات کا منکر ایک فرقہ ہے۔ علاوہ اور کفریات کے دو کفر تو ان کے عالم، جاہل، مرد و عورت سب کو شامل ہیں: ایک مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو تمام انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم سے افضل ماننا اور جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل کہے، وہ یقیناً قطعاً اجماعاً کافر۔ دوم قرآن عظیم سے معاذ اللہ صحابہ کرام وغیرہم اہلِ سنت کا چند پارے یا سورتیں یا آیتیں گھٹانا اور کچھ الفاظ میں تغیر و تبدیل کر دینا اور جو قرآن کریم کے ایک حرف ایک نقطہ کی نسبت ایسا گمان کرے، وہ کافر ہے کہ قرآن مجید کا انکار ہے۔ اس کی حفاظت اس کے نازل فرمانے والے مولائے کریم قادر و قدیر نے اپنے ذمۂ قدرت پر لے لی ہے۔

روافض جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن پاک معاذ اللہ ناقص ہے، انہیں دو قطعی یقینی ملعون کفروں میں سے ہرگز مفر نہیں۔ یا تو کہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا جھوٹا وعدہ فرمایا تھا اور سینوں کے خوف سے ۔۔۔ اہلِ بیت کی طرح اس نے بھی تقیہ کر لیا تھا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ یا یہ کہ اس نے حفاظت تو فرمائی مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دستبرد سے اپنے کلام عظیم کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ والعیاذ باللہ۔ بہرحال جو شخص کسی رافضی کے ایسے ملعون عقیدوں پر مطلع ہونے کے بعد بھی اس کے کافر ہونے میں شک رکھے، یا اس کو کافر و مرتد کہنے سے اپنی زبان روکے، وہ بھی بحکمِ شریعتِ مطہرہ قطعاً یقیناً اجماعاً کافر و مرتد اور خارج از اسلام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں یہ فرقہ نہایت ہی گستاخ ہے۔ یہاں تک کہ ان پر سب و شتم (گالی گلوچ اور تبرا) ان کا عام شیوہ ہے، بلکہ باستثنائے چند سب کو معاذ اللہ کافر و منافق قرار دیتا ہے اور حضرات خلفائے ثلاثہ یعنی سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اعظم اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کو، جو خلافتِ راشدہ اور منہاجِ نبوت کے مطابق ہے، خلافتِ غاصبہ کہتا ہے اور اپنے اس عقیدہ و خیالِ باطل میں اسے اس قدر غلو ہے کہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جو ان حضرات کی خلافتیں تسلیم کیں اور ان کے اوصافِ جلیلہ و فضائل جمیلہ بیان کیے، اس کو تقیہ و بزدلی پر محمول کرتا ہے۔

کیا معاذ اللہ! منافقین و کافرین کے ہاتھوں پر بیعت کرنا، ان کے مشوروں میں شریک رہنا، ان کے فرامین کو نافذ کرنا اور عمر بھر ان کی مدح و ستائش میں رطب اللسان رہنا شیر خدا، مشکل کشا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شان ہو سکتی ہے۔ پھر صحابہ بھی کون؟ جنہیں قرآن مجید جلیل و مقدس خطابات سے یاد فرماتا ہے، جن کی صاحبزادیاں شرفِ زوجیت سے مشرف ہوئیں اور حضور کی صاحبزادیاں جن کے نکاح میں آئیں۔ کیا ایک لمحے کے لیے بھی ان کی شان میں وہ ملعون الفاظ جائز قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ لا واللہ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ مولائے کریم ان کے فتنوں سے ہمیں پناہ میں رکھے۔ آمین!

خارجی: یہ ایک گمراہ اور گم کردۂ راہِ ہدایت فرقہ ہے۔ جو جنگ صفین کے بعد حضرت

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی نصرت و حمایت سے دستبردار اور آپ کے خلاف بغاوت پر کمربستہ ہو کر آپ کی حق پسند، حق پذیر، حق جو، جماعت سے خارج ہو گیا اور خارجی کہلایا۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے ہزارہا صحابہ کرام کو خارج از اسلام اور کافر و مشرک ٹھہرایا۔ یہی وہ گروہ ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بدترین خلق جانتے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں اتریں، اٹھا کر مسلمانوں پر رکھ دیں۔ یہی وہ فرقہ ہے جس سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے فہمائش کی اجازت چاہی تھی اور بحکم امیر المومنین تشریف لے گئے اور ان سے پوچھا: کیا بات امیر المومنین کی تم کو ناپسند آئی کہ ان کے خلاف ہو گئے؟ انہوں نے کہا: واقعہ صفین میں ابو موسیٰ کو حکم بنایا، یہ شرک ہوا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ان الحکم الا للہ۔" (حکم نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے لیے) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اسی قرآن کریم میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔ (زن و شو میں خصومت ہو) تو ایک حَکَم اس کی طرف سے بھیجو اور ایک حَکَم اس کی طرف سے۔ (اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان میں میل کر دے گا۔)

اس جواب کو سن کر وہ لوگ لاجواب ہو گئے اور ان میں سے پانچ ہزار نے اپنی اس حرکت سے توبہ کر لی۔ پانچ ہزار کے سر پر موت سوار تھی، وہ اپنی شیطنت پر قائم رہے اور امیر المومنین نے ان کے قتل کا حکم فرمادیا۔

امام حسن و حسین و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کے قتل میں تامل ہوا کہ یہ قوم رات بھر تہجد اور دن بھر تلاوت کرتی رہتی ہے، ہم کیونکر ان پر تلوار اٹھائیں؟ مگر امیر المومنین کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم: عالم ما کان وما یکون۔ (جو کچھ ہو چکا اور آئندہ ہوگا، اس کے واقف کار) نے خبر دے رکھی تھی کہ نماز روزہ وغیرہ ظاہری اعمال کے بہ شدت پابند ہوں گے۔ بایں ہمہ دین سے ایسا نکل جائیں گے جیسے تیر نشانے سے۔ قرآن کریم پڑھیں گے، مگر ان کے گلوں سے نیچے نہیں اترے گا۔

غرض امیرالمؤمنین کے حکم سے لشکر ان کے قتل پر مجبور ہوا۔ عین معرکہ میں خبر آئی کہ وہ نہر کے پاس اتر گئے۔ امیرالمومنین نے فرمایا: "واللہ! ان میں سے دس بھی پار نہ جانے پائیں گے، سب اسی طرف قتل ہوں گے۔" چنانچہ سب قتل ہو چکے۔ امیرالمومنین نے لوگوں کے دلوں سے ان کے تقویٰ و طہارت اور تہجد و تلاوت کا وہ خدشہ دفع کرنے کے لیے فرمایا: "تلاش کرو، اگر ان میں ذوالثدیہ (پستان جیسے ہاتھ والا) پایا جائے، تو تم نے بدترین اہلِ زمین کو قتل کیا، تلاش کیا گیا تو لاشوں کے نیچے سے نکلا جس کا ایک ہاتھ پستان زن کے مشابہ تھا۔ امیرالمومنین نے تکبیر کہی اور حمدِ الٰہی بجالائے اور لشکر کے دل کا شبہ اس غیب کی خبر بتانے اور مطابق آنے سے زائل ہو گیا۔

کسی نے کہا: "حمد ہے اسے جس نے ان کی نجاست سے زمین کو پاک کیا۔" امیر المومنین نے فرمایا: "کیا سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ختم ہو گئے، ہرگز نہیں، ان میں سے کچھ ماں کے پیٹ میں ہیں، کچھ باپ کی پیٹھ میں۔ جب ان میں سے ایک گروہ ہلاک ہو گا تو دوسرا سر اٹھائے گا، یہاں تک کہ ان کا پچھلا گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔"

یہی وہ فرقہ ہے کہ ہر زمانے میں نئے نام سے ظاہر ہوتا رہا اور آج بھی نئے رنگ، نئے لباس، نئے جامہ اور نئی سج دھج سے موجود ہے۔ ان کا ظاہری و معنوی باپ وہ منافق تھا، جس نے بارگاہ رسالت کی مجلسِ اقدس کے کنارے پر کھڑے ہو کر ایک نگاہ تمام حاضرین پر ڈالی اور دل میں یہ کہتا چلا گیا تھا کہ مجھ سا ان میں ایک بھی نہیں۔

یہ غرور تھا، اس خبیث کو اپنی نماز اور اپنے ظاہری تقدس و پاک دامنی پر اور یہ نہ جانا کہ نماز ہو یا کوئی اور عمل صالح، وہ سب اس سرکار کی غلامی کی فرع ہے۔ جب تک ان کا غلام نہ ہو لے، کوئی بندگی کام نہیں دے سکتی۔ کہنا یہ ہے کہ اسی بدباطن، خبیث النفس کی ظاہری اور معنوی نسل آج دنیا کو گندہ کر رہی ہے۔ ان میں بہت سے "خطیب العصر" ہیں جو بزورِ بیان اہلِ بیت کرام کے فضائل پر خاک اڑاتے اور یزید پلید اور اس کے ساتھیوں کی عظمت و امارت، بلکہ خلافت کے ترانے گاتے اور ان کے نام کی جے پکارتے ہیں اور مسلمان ان کی زور بیانی پر ریجھ کر، ان کے وعظ و تقریر میں جاتے اور ان کی محفلوں کی رونقیں بڑھا کر اپنے دین و ایمان کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

انہی خارجیوں کی معنوی اولاد میں وہ بدزبان، بدطینت و بدکردار ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا نام مبارک اور حضرت مولا علی مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کا نام مبارک بغیر کسی کلمۂ تعظیم کے اس طرح لیتے ہیں، جیسے معاذ اللہ کوئی شخص اپنے کسی چھوٹے کا نام لیا کرتا ہے، چنانچہ انہی میں سے ایک سرپھرے نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں لکھا: "جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔"

اس عبارت میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے اختیار کی مطلقاً نفی کر دی کہ کسی چیز کا مختار نہیں اور یہ صراحتاً بہت سی آیات کریمہ کے خلاف ہے اور احادیثِ مبارکہ تو اس ذکر سے مالا مال ہیں کہ خزانوں کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، دنیا کی کنجیاں، جنت کی کنجیاں، دوزخ کی کنجیاں، غرض ہر شے کی کنجیاں حضور کو عطا ہوئیں اور ظاہر ہے کہ جس کے ہاتھ میں کنجیاں ہوتی ہیں، وہ اختیارِ عام اور تصرفِ تام رکھتا ہے۔

اسی بدگو نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں لکھا: "ہر مخلوق، بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" اسی کتاب میں لکھا: "سب انبیاء اس کے روبرو ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ یعنی چوہڑے اور چمار سے بھی بدتر کہ وہ پھر انسان ہیں۔" حالانکہ اس بے ادب گستاخ نے یہ نہ جانا کہ انبیاء کی شان اللہ ہی کی شان ہے۔ انبیاء کی عزت اللہ ہی کی عزت ہے، انبیاء کرام کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہے۔ تو انبیائے کرام و اولیائے عظام کی شان میں ایسے ملعون الفاظ استعمال کرنا کیا کسی مسلمان کا کام ہو سکتا ہے؟ غرض ان بدگویانِ رسولِ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے مذہب نامہذب کا رکن اعظم اللہ تعالیٰ کی توہین اور محبوبانِ خدا کی تذلیل ہے۔ ہر امر میں وہی پہلو اختیار کریں گے، جس سے توہین و تذلیل نکلتی ہو۔ اس ناپاک گروہ کا ایک بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ جو ان کے مذہب پر نہ ہو، وہ کافر مشرک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بات بات پر محض بلاوجہ مسلمانوں پر حکمِ شرک و کفر لگایا کرتے ہیں اور تمام دنیا کو مشرک بتاتے ہیں، چنانچہ اسی کتاب یعنی "تقویۃ الایمان" میں (جس کی کچھ عبارتیں ہم نے اوپر نقل کیں) وہ حدیث لکھ کر کہ آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھا لے گی۔" اس کے بعد صاف لکھ دیا کہ "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا۔"

یعنی وہ ہوا چل گئی اور کوئی مسلمان روئے زمین پر باقی نہ رہا، مگر یہ نہ سمجھا کہ اس صورت میں خود بھی تو کافر ہو گیا۔

اسی طرح یہ فرقہ صریح واضح حدیثوں میں بھی معنوی تحریفیں کرتا، بے پر کی اڑاتا، جھوٹے مطلب دل سے بناتا اور انہیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ٹھہراتا ہے، پھر دعویٰ ہے کہ ہم تو خَیْرُ الْبَرِیَّۃ یعنی قرآن اور قول خَیْرُ الْبَرِیّہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعنی حدیث پر چلتے ہیں۔

واقعی یہ لوگ ان پرانے خارجیوں کی ٹھیک ٹھاک یادگار ہیں۔ وہی مسئلے، وہی دعوے، وہی انداز، وہی وطیرے ہیں۔ خارجیوں کا معمول تھا کہ اپنا ظاہر اس قدر مطابق شرع بناتے کہ عوامِ مسلمین انہیں نہایت پابندِ شرع جانتے، پھر بات بات پر عمل بالقرآن کا دعویٰ عجب دام در سبزہ تھا اور مسلک وہی کہ ہمیں مسلمان ہیں، باقی سب مشرک۔ یہی رنگ ان حضرات کے ہیں کہ آپ موحد ہیں اور سب مشرکین۔ آپ محمدی ہیں اور سب بددین۔ ان میں جو اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو جو ان کے طور و طریق کے پابند نہیں، مشرک سمجھتے ہیں، جبکہ مسلمانوں کو تو خدا تعالیٰ کی امان ہے، ان کے لیے ان کے سچے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بشارت آئی ہے کہ یہ امتِ مرحومہ ہرگز شرک اور غیرِ خدا تعالیٰ کی پرستش نہ کرے گی۔ اسی لیے جب قیامت آنے کو ہوگی اور شرک محض کا وقت آئے گا، ہوا بھیج کر مسلمانوں کو اٹھالیں گے۔

ہر مسلمان اور یہ حضرات خود بھی جانتے ہیں کہ تمام اسلامی شہروں اور ملکوں میں امتِ مرحومہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے کروڑوں، اربوں آدمی اس نئے مذہب سے منزہ و بری ہیں اور ان کے کرتوتوں سے دور و نفور۔

خارجیوں کی انہیں معنوی اولاد میں ایک گروہ اور بھی ہے جو مسلمانوں میں سنی حنفی شافعی مالکی اور حنبلی بن کر آتا ہے۔ قادریوں، چشتیوں، نقشبندیوں اور سہروردیوں کے پردہ میں اپنی چال دکھاتا ہے۔ انہیں کے ایک سرگروہ نے اپنی کتاب "حفظ الایمان" میں ہر پاگل اور چوپائے کے لیے علم غیب مان کر، صاف لکھ دیا کہ "جیسا علم رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے، ایسا تو ہر پاگل اور جانور کو ہوتا ہے۔"

اسی شیطانی گروہ کے نزدیک "ابلیس لعین کا علم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم سے زیادہ بلکہ بے شمار بار زیادہ ہے۔"

انہی کا ایک پیشوا اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں ابلیس کے علم کو نص قطعی سے ثابت کہتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وسعت علم کو باطل بے ثبوت مانتا ہے۔ ان کے لیے وسعتِ علم ماننے کو خاص شرک بتاتا مگر ابلیس کو وسعتِ علم میں خدا تعالیٰ کا شریک جانتا ہے۔

اسی گروہ کا ایک شقی اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر نبوت ختم ہونے کا صاف منکر ہے۔ خاتم النبیین کے معنی میں تحریف کرتا اور بہ معنی آخر النبیین لینے کو جاہلوں کا خیال بتاتا ہے۔

ان نام نہاد علماء و فضلا اور چنین و چناں گمراہوں کے اقوال بد تر از ابوال پر احکام شرعیہ کے لیے حسام الحرمین اور اپنے علمائے اہلِ سنت و جماعت کی کتابیں مطالعہ کریں تاکہ ان "بزرگواروں" کی حقیقت عیاں ہو اور ان کی اس نمود و نمائش اور "مشیخیت" سے پردہ اٹھے، جس کے پیچھے یہ چھپے بیٹھے ہیں۔

اسی گروہ کا ایک عام طریقہ یہ ہے کہ جس کو اللہ و رسول نے منع نہیں کیا، بلکہ قرآن و حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے، اور جسے سینکڑوں برسوں سے امتِ مرحومہ کے عوام و خواص، حامیانِ سُنّت، قاطعانِ بدعت ہمیشہ خود کرتے چلے آئے اور اپنے متبعین میں اس کی تلقین و ترویج فرماتے آئے۔ یہ کور باطن ایسے امور کو ممنوع کہنا تو درکنار، اس پر شرک و بدعت کا حکم لگا دیتے ہیں۔ مثلاً مجلسِ میلاد شریف اور قیام و ایصالِ ثواب و زیارتِ قبور و حاضری بارگاہ بے کس پناہ سرکارِ مدینہ طیبہ و عرس بزرگانِ دین و فاتحہ سوم و چہلم اور انبیاء و اولیاء کی ارواح طیبہ سے استمداد اور مصیبت کے وقت انبیاء و اولیاء کو پکارنا وغیرہا۔

بلکہ میلاد شریف کی نسبت تو اس گروہ کے ایک چابک دست نے اپنی کتاب "براہینِ قاطعہ" میں یہ الفاظ لکھے: "پس ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے کہ سانگ

کنہیا کے ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے کہ نقل شہادتِ اہلِ بیت ہر
سال بلاتے ہیں۔ معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور خود حرکتِ قبیحہ قابلِ لوم و
حرام و فسق ہے۔ بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے۔ وہ تو تاریخ معین پر کرتے ہیں
اور ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں، جب چاہیں یہ خرافات فرضی سناتے ہیں۔“

صاف ظاہر ہے کہ ان گستاخوں کے نزدیک میلاد شریف مثل کنہیا کے جنم کے
ہے اور فسق اور حرام ہے اور اس کے کرنے والے، ان بدگویوں کے نزدیک قوم ہنود
سے بدتر ہیں۔ مسلمانو! کیا تم بھی اپنے نبی کے میلاد مبارک کو جنم کنہیا سمجھتے ہو اور ائمہ
دین کو کہ اس مجلس کے عامل رہے۔ ہندوؤں سے بڑھ کر خرافاتی مانتے ہو۔ والعیاذ
باللہ تعالیٰ۔

مسلمانو! یہ ایک نہایت مختصر ترین خاکہ ہے ان خارجیوں اور ان کے ان معنوی
پسرووں کا۔ حیرت ہے کہ پھر بھی مغربی تہذیب کا دلدادہ، صلح کلیت کا شیدائی ایسوں کو
پیشوا اور ممدوح دینی ماننے سے باز نہیں آتا اور اللہ و رسول کے مقابل ان کی حمایت پر
تلا ہوا ہے۔ محبوبانِ خدا کی توہین و تنقیص کوئی چیز نہیں، مگر ان کے ایسے اقوال پر حکم
شرعی بیان کیا جائے تو اسے گالیاں دینا کہتا ہے۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔
الٰہی ہمیں حق کہنے، حق بولنے، حق کو قبول کرنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ صدقہ
اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔

(۳۳) بدعتِ سیئہ وحسنہ

خارجیوں کی معنوی نسل سے تعلق رکھنے والے خواہ وہ تقلید ائمہ کے منکر ہوں،
خواہ اہلِ سُنّت و جماعت کے چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک کے امام مجتہد کے مقلد
اور تقلیدِ ائمہ بالخصوص ہمارے ان اطراف و اکناف میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ
کی تقلید کے مدعی، ان سب میں ایک باطنی بیماری مشترک ہے اور وہ مسلمانانِ اہلِ سُنّت
و جماعت کو بدعت کا پیرو، بدعتی، جہنمی، مشرک، شرک پسند اور قبر پرست وغیرہ کے

القاب اور خطابات سے نوازنا، اور بات بات پر انہیں قرآن و حدیث کا مخالف بتانا،
حالانکہ جو مسلمانانِ اہلِ سُنّت و جماعت کو بدعتی و گمراہ کہے، وہ بدعتی و گمراہ اور ناحق
پرست ہے کہ بہ حکم حدیث ناجی و جنتی اور نجات پانے والا گروہ اہلِ سُنّت و جماعت آج
چار مذہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی میں جمع ہوگیا ہے۔ اب جو ان چار سے باہر ہے، وہ
اسلامی برادری سے گویا کہ باہر اور بدمذہب ہے۔

تو کہنا یہ ہے کہ ان بدمذہبوں میں بدعت کا بڑا خرچ ہے۔ جس چیز کو دیکھئے بدعت و
گمراہی کہہ کر مسلمانوں کو ورغلاتے اور فریب کھلاتے ہیں۔ اس لیے مسلمان یاد رکھیں:

بدعت اس نوپید نئی چیز کو کہتے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم
کے بعد دین میں نکلی اور مسلمانوں میں رواج پاچکی، اس کی دو قسمیں ہیں:

۱- **بدعتِ ضلالت:** جس کو بدعتِ سیئہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ نوپید بات ہے جو
قرآن و حدیث اور اجماع امت کے مخالف ہو۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ جو نوپید بات کسی
ایسی چیز کے تحت داخل ہو، جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری اور بدعتِ سیئہ
ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں، مکروہ و حرام جیسے داڑھی منڈانا، اور اس کی نئی تراش
خراش ایجاد کرنا، یونہی محض اپنی نام و نمود کے لیے مسجدوں کی زیبائش وغیرہ۔

۲- **بدعتِ حَسَنَہ:** جس کو بدعتِ محمودہ بھی کہتے ہیں۔ یہ وہ نوپید بات ہے جو
کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ اور اجماعِ امت کے مخالف نہ ہو یا یوں کہہ لو کہ
بدعتِ حسنہ وہ ہے جو کسی سُنّت کے مخالفت و مزاحم نہ ہو، بلکہ وہ کسی ایسی چیز کے نیچے
داخل ہو، جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے اور یہ بدعت کبھی مباح ہوتی ہے، جیسے عمدہ
ولذیذ کھانے پینے کی چیزیں، بیش قیمت اور دیدہ زیب لباس، کبھی سُنّت ہوتی ہے، جیساکہ
حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی نسبت فرماتے ہیں:

نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ یہ اچھی بدعت ہے۔

حالانکہ تراویح سنّتِ موکدہ ہے اور کبھی واجب ہوتی ہے جیسے اہلِ ضلالت اور
گمراہ فرقوں کے رد میں تصنیف و تالیف اور ایسی کتابوں کی اشاعت تاکہ مسلمان گمراہی

سے بچیں یا قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علم صرف و نحو وغیرہ علوم کا پڑھنا جو فہم و
ادراکِ احکام شرع میں مفید و معاون ہوں۔ مسلمان خوب یاد رکھیں کہ جس امر کی
اصل شرع شریف سے ثابت ہو، وہ ہرگز بدعتِ قبیحہ نہیں ہو سکتا، مگر خود ان منکرین
کے مدارس اور ان کے وعظ کے جلسے، دستار بندی کے اجتماعات، کتابوں کی اشاعت و
طباعت اور ایسے ہی دوسرے مشاغل اپنی اپنی ہیئاتِ خاصہ کے ساتھ ضرور بدعت ہوں
گے، مگر ان کے یہاں تو یہ ٹھہری ہے کہ محبوبانِ خدا کی عظمت کے جتنے امور ہیں، سب
حرام و بدعت ہیں اور جس میں ان کا مطلب ہو، وہ حلال و سُنّت ہیں۔ ولاحول ولاقوۃ
الا باللہ العلی العظیم۔

ضروری تنبیہہ

نجدی قماش کے لوگ عام طور پر یہ باتیں جو تقویۃ الایمان جیسی کتابوں میں
بھری پڑی ہیں، مسلمانانِ اہلِ سُنّت و جماعت سے چھپاتے اور فرعی مسائل مثلاً میلاد
شریف، قیام، گیارہویں شریف، فاتحہ، تیجا، دسواں، چالیسواں، عرس، یارسول اللہ، یاعلی،
یا غوث کہنا مزارات پر غلاف ڈالنا، روشنی وغیرہ کرنا اور ان میں جو غیر مقلد ہیں، وہ
مقتدی کے فاتحہ نہ پڑھنے، آمین بالجہر نہ کہنے، رفع یدین نہ کرنے، وتر کی تین،
تراویح کی بیس رکعتیں ہونے اور ایسے ہی دوسرے امور کو چھیڑتے ہیں اور بھولے
بھالے مسلمان ان کے دھوکے میں آکر ان میں بحث کرنے لگتے ہیں۔

بھائیو! بہنو! ماؤں! بیٹیو! جو لوگ اللہ و رسول جل و علا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اور ان کے ذوی الاحترام کی عزت پر حملے کر رہے ہیں، ان کو کسی فرعی مسئلے میں بحث کا
کیا حق؟ یہاں تو ایک بات ان کے جواب کو کافی ہے کہ تم لوگ پہلے اللہ و رسول پر اپنا
ایمان تو ٹھیک کرلو، پھر بات کرنا۔

اور اگر وہ چپٹ ہی جائیں اور اپنی بات بنانے کے لیے بات بڑھانے پر اتر آئیں،
اور کہنے لگیں کہ فلاں کام مثلاً اذان سے پہلے پست آواز میں درود شریف پڑھنا یا دعا کے

بعد آیۂ کریمہ پڑھنا، بدعت ہے حادث ہے، اگلوں سے ثابت نہیں۔ اس کا ثبوت لاؤ، تو
سب کا جواب یہی ہے کہ تم اندھے ہو، اوندھے ہو۔ دو باتوں میں سے ایک کا ثبوت
تمہارے ذمہ ہے۔ یا تو یہ کہ فی نفسہ اس کام میں شر ہے، برائی ہے اور دین میں رخنہ
اندازی ہے۔ کسی سنت کے مخالف و مزاحم ہے یا یہ کہ شرعِ مطہر نے اسے منع فرمایا اور
مسلمان کو اس کام سے روکا ہے۔ جب نہ شرع میں منع، نہ کسی سنت کے مخالف و مزاحم،
نہ اس کام میں فی نفسہ کوئی شر کوئی خرابی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بلکہ
قرآنِ عظیم کے ارشاد سے جائز کہ قرآن عظیم اتر چکا، دین کامل ہو لیا، اب کوئی نیا حکم
آنے کو نہ رہا۔ جتنی باتوں کا شریعت نے نہ حکم دیا، نہ منع کیا، بموجب حدیث شریف
اس کی معافی مقرر ہو چکی ہے جس کی اب تبدیلی نہ ہوگی۔ تو جو اس پر اعتراض کرتا ہے،
اللہ کی معافی پر اعتراض کرتا ہے اور مردود ہے۔ بھلا جس بات سے نہ خدا تعالیٰ نے منع
کیا، نہ اس کے رسول نے ممانعت فرمائی، نہ صحابہ کرام نے روکا، نہ تابعین نے اس سے
باز رکھا، تو کیا تم خدا اور رسول اور صحابہ و تابعین سے بڑھ کر ہو کہ انہوں نے منع نہ کیا
تم خواہی نخواہی آڑے آتے ہو، فیصلہ وہ ہے جو سنن ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "جسے اللہ و رسول نے حلال کہا، وہ حلال
ہے، جسے حرام کہا وہ حرام ہے اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ معاف۔" معلوم ہوا کہ جس کا
نہ حکم دیا، نہ منع کیا وہ نہ واجب نہ گناہ، بلکہ معافی میں ہے اور مسلمانوں کے لیے اس
میں راہیں کشادہ:

گر بر تو حرام است حرامت بادہ

(۳۴) گناہِ کبیرہ اور صغیرہ کا بیان

خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی یعنی احکام شریعت پر عمل نہ کرنا گناہ
اور معصیت ہے اور نافرمانی۔ یہ نافرمانی جس قدر ناخدا ترسی اور ڈھٹائی اور جسارت کی
کیفیت اپنے اندر لیے ہوئے ہوگی، اسی قدر گناہ بھی شدید ہوگا۔ اسی لحاظ سے گناہ کی دو

قسمیں ہیں:

ایک گناہِ صغیرہ

یہ وہ گناہ ہے جس کے کرنے والے کے لیے کوئی وعید نہیں آئی، یعنی اسے کوئی وعدۂ عذاب نہیں دیا گیا اور کوئی خاص سزا اس کے لیے شریعت میں نہیں رکھی گئی۔ آدمی کوئی نیکی، عبادت، صدقہ، ماں باپ کی فرمانبرداری وغیرہ کرتا ہے تو اس کی برکت سے یہ گناہ زائل ہو جاتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا کہ ”جو بندہ وضوئے کامل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔“ غرض یہ گناہ بلا توبہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے معاف ہو جاتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس پر اصرار نہ ہو کہ گناہِ صغیرہ اصرار سے گناہِ کبیرہ بن جاتا ہے اور بلا توبہ کیے اس کی معافی نہیں ہوتی۔

دوسرا گناہِ کبیرہ

یہ وہ گناہ ہے جس کے لیے شریعت میں کوئی حد مقرر فرمائی یا جس پر وعید آئی، یا وعدۂ عذاب دیا گیا۔ اور یہ وہی گناہ ہیں جن کی ممانعت صراحت اور تاکید کے ساتھ آچکی ہو، جیسے زناکاری، شراب نوشی اور چوری وغیرہ۔

علمائے کرام فرماتے ہیں: ”جب انسان کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، تو اس سے اس کی پاکیزہ اور معصوم فطرت متاثر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ گناہوں سے مانوس ہو جاتا ہے۔“ حدیث شریف میں ہے: ”سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے، اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس گناہ سے باز آتا ہے اور توبہ و استغفار کرتا ہے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر پھر گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے جو اس نافرمانی پر دلیر اور جری کر دیتا ہے اور یہ بے باکی و جسارت اسے لے ڈوبتی ہے۔ گناہِ کبیرہ سے آدمی خالص توبہ و استغفار کیے بغیر پاک نہیں ہوتا۔“

قرآن و حدیث میں جن کبیرہ گناہوں کا ذکر آیا ہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

ناحق خون کرنا، چوری ڈکیتی کرنا، یتیم کا مال ناحق کھانا اڑانا، ماں باپ کو ایذا دینا،

سود کھانا، شراب پینا، زنا کرنا، جھوٹی گواہی دینا، نماز نہ پڑھنا، فرض روزے نہ رکھنا، استطاعتِ حج کے باوجود حج نہ کرنا۔ صاحب نصاب ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسم کھ ماپ تول میں کمی بیشی کرنا، مسلمانوں سے ناحق لڑائی لڑنا اور ان میں فتنے پھیلانا، اور دین کے نام پر ہو تو اور برا۔ حکام کے روبرو چغلی کھانا، کسی مسلمان کی غیبت کرنا، قرآن شریف پڑھ کر بھول جانا۔ علمائے دین کی بے عزتی کرنا، خدا تعالیٰ کی مغفرت سے ناامید ہونا، خدا تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا، فضول خرچی کرنا، کھیل تماشہ میں اپنا پیسہ اور وقت برباد کرنا۔ خودکشی کرنا، ڈاڑھی منڈانا، آتش بازی کرنا، شادی بیاہ اور خوشی کی دوسری تقریبات کے مواقع پر بے حیائی اور ڈھٹائی کے ساتھ ناچ گانے کی محفلیں سجانا، اور احکام شریعت کی پرواہ کیے بغیر ہلڑ مچانا، پاک دامن پارسا اور نیک مردوں اور عورتوں پر تہمتیں تراشنا وغیرہ۔

مسلمان مرد اور بیبیاں یاد رکھیں کہ

گناہ کی دو صورتیں ہیں: ایک بندہ کا وہ گناہ جو خالص اس کے اور اس کے پروردگار کے معاملہ میں ہو کہ کوئی فرض نماز چھوڑ دی، کسی دن کا فرض روزہ چھوڑ دیا یا اور کوئی ایسا کام کر لیا جس کا تعلق بندوں سے نہیں، بلکہ وہ خالص اپنے رب جل و علا کے حکم کی خلاف ورزی ہے تو اس قسم کے گناہوں میں اتنا ہی کافی ہے کہ آدمی توبۃ النصوح یعنی سچے دل سے توبہ کرے، یعنی جو کر چکا، اس پر نادم ہو، بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر اس کی معافی چاہے اور آئندہ کے لیے اس گناہ و نافرمانی سے باز رہنے کا عزم بالجزم، قطعی پختہ ارادہ کر لے اور بقدرِ قدرت جہاں تک اس کے مقدور میں ہے، ان حقوق کا تدارک بھی کرے، یعنی نماز روزے کی قضا، زکوٰۃ نہ دی تھی، تو اس کی ادا کہ توبہ میں فرائض و واجبات کی قضا بھی لازم ہے جبکہ ان کی قضا ہو۔ دوسرے قسم کے وہ گناہ ہیں جو بندوں کے باہمی معاملات میں ہوں کہ شرعاً اس کے ذمہ کسی کے لیے ثابت ہو اور ہر وہ نقصان و آزار جو شرعی اجازت کے بغیر کسی قول و فعل یا ان کے ترک سے،

کسی کے دین، آبرو، جان، جسم، مال یا صرف قلب کو پہنچایا جائے۔ مثلاً خریدی ہوئی چیز کی قیمت، مزدور کی اجرت، عورت کا مہر وغیرہ کہ اس کے ذمہ لازم ہوئے اور یہ خواہ مخواہ اسے ٹالتا رہا۔ یا اس کے حق میں اس کی مرضی کے بغیر کمی کر دی یا کسی کا مال چرایا، چھینا، یا لوٹا یا رشوت، سود، جوئے میں لیا یا امانت میں خیانت کی اور ایسے ہی دوسرے امور جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے، تو ایسی صورت میں جب تک وہ بندہ جس کی حق تلفی ہوئی، حق تلف کرنے والے کو معاف نہ کرے، معاف نہیں ہوتا۔

یہ معاملہ حقوق العباد کا ہے اور حقوق العباد بغیر ان کی معافی کے معاف نہ ہوں گے۔ اگرچہ مولیٰ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے جان و مال و حقوق سب کا مالک ہے۔ اگر وہ ہمارے حقوق، بغیر ہماری مرضی کے جسے چاہے معاف فرمادے، تو بھی عین حق و عدل ہے کہ ہم بھی اسی کے اور ہمارے حق بھی اسی کے مقرر فرمائے ہوئے، مگر اس کریم و رحیم جل و علا کی رحمت کہ ہمارے حقوق کا اختیار، ہمارے ہاتھ میں رکھا ہے۔ بغیر ہمارے بخشے معاف ہو جانے کی شکل نہ رکھی کہ کوئی ستم رسیدہ یہ نہ کہے کہ اے مالک میرے، میں اپنی داد کو نہ پہنچا۔

پھر یہاں معاف کرالینا سہل ہے۔ قیامت کے دن اس کی امید مشکل ہے کہ وہاں ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار، نیکیوں کا طلب گار، برائیوں سے بے زار ہوگا۔ پرائی نیکیاں اپنے ہاتھ آتیں، اپنی برائیاں اس کے سر جاتیں کسے بری معلوم ہوتی ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں آیا "میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزے، زکوۃ لے کر آئے اور یوں آئے کہ کسی کو گالی دی، کسی پر زنا کی تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون گرایا اور کسی کو مارا تو اس کی نیکیاں اسے دی گئیں۔ پھر اگر نیکیاں ختم ہو گئیں اور حقوق باقی ہیں، تو اس کے گناہ لے کر اس پر ڈالے گئے۔ پھر جہنم میں پھینک دیا گیا۔" والعیاذ باللہ تعالی تو بندوں کے باہمی حقوق کی اسی دنیا میں معافی تلافی ہو جائے، تو آخرت میں کام آسان ہوگا۔

(۳۵) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

وہ مسلمان جس نے ایمان کی حالت میں اسی دنیاوی زندگی میں اپنی جسمانی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، اپنے ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہا، اور ایمان ہی پر اس کی وفات ہوئی، اسے صحابی یا صحابہ یا اصحابِ رسول کہتے ہیں۔ یا یوں کہہ لو کہ صحابی ہر وہ مسلمان ہے جو حالتِ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ خدا نما کی زیارت سے مشرف ہوا اور اسلام ہی پر دنیا سے گیا۔

ان صحابہ کرام کی دو قسمیں ہیں: مہاجرین و انصار۔

مہاجرین وہ صحابہ کرام ہیں جو مکہ معظمہ سے اپنا وطن، اپنا گھر بار، اپنا مال و متاع، سب کچھ چھوڑ کر حضور کی نصرت و رفاقت میں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور انصار وہ صحابہ کرام ہیں جنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و حمایت میں تمام مہاجرین کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ہر آزمائش میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا۔

عقیدہ: تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل خیر و صلاح ہیں اور عادل۔ عدل گزیں، عدل گستر۔ ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے۔

عقیدہ: تمام صحابہ کرام اعلیٰ و ادنیٰ (اور ان میں ادنیٰ کوئی بھی نہیں) سب جنتی ہیں۔ سب سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا۔ وہ سب جہنم سے دور رکھے گئے ہیں، وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے۔ قیامت کی وہ بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی، فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے اور کتب احادیث تو ان کے فضائل سے مالامال ہیں۔ ان کی قدر و منزلت وہی خوب جانتا

ہے جو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و رفعت سے آگاہ ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، میرے اصحاب کے حق میں، میرے بعد انہیں نشانہ نہ بنالینا، جو انہیں دوست رکھتا ہے، میری محبت سے انہیں دوست رکھتا ہے اور جو ان کا دشمن ہے، میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انہیں ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گرفتار کرے۔ (ترمذی)

عقیدہ: کسی صحابی کے ساتھ سوء عقیدت یعنی بدعقیدگی، بدمذہبی و گمراہی اور جہنم کی روسیاہی ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بغض ہے۔ ایسے کا شمار رافضیوں ہی میں ہوگا، اگرچہ چاروں خلفاء کو مانے اور اپنے آپ کو سنی کہے۔

عقیدہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین جو واقعات رونما ہوئے، ان میں پڑنا حرام، حرام، سخت حرام ہے۔ مسلمانوں کو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ سب حضرات آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار اور سچے غلام ہیں، ہم ان کا فیصلہ کرنے والے کون ہیں؟

عقیدہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیاء نہ تھے، معصوم نہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ ان سے کوئی خطا سرزد نہ ہو۔ ان میں سے بعض سے لغزشیں بھی صادر ہوئیں، مگر کسی نہ کسی غلط فہمی کے تحت نہ عناداً نہ مقصداً۔ لہٰذا ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول کے خلاف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ "ان سب سے ہم جنتِ بے عذاب و ثواب و کرامتِ بے حساب کا وعدہ فرما چکے۔" تو دوسرے کو کیا حق رہا۔ اب بھی جو کوئی ان میں سے کسی کے حق میں واہی تباہی بکے، اپنا سر کھائے اور جہنم کو جائے۔

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے۔ ان کا حضرت سیدنا

امیرالمومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے خلاف، خطائے اجتہادی کی قسم سے تھا کہ اس میں مجتہد سے کوئی مواخذہ نہیں اور فیصلہ وہ جو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مولا علی کی ڈگری اور امیر معاویہ کی مغفرت۔ اور یہ جو بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ جب حضرت مولا علی کے ساتھ امیر معاویہ کا نام لیا جائے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ کہا جائے، یہ محض باطل و بے اصل ہے۔ قرآن کریم نے تمام صحابہ کرام کے حق میں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اطلاق کیا ہے اور علمائے کرام کے اسمائے طیبہ کے ساتھ مطلقاً رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہنے کا حکم دیا ہے تو یہ استثناء، نئی شریعت گھڑنا ہے۔

عقیدہ: کوئی ولی کتنے ہی بڑے مرتبے کا کیوں نہ ہو، کسی ادنیٰ صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچتا اور ان میں کوئی بھی ادنیٰ نہیں۔

عقیدہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا مولیٰ علی ہیں۔ پھر چھ مہینے کے لیے حضرت امام حسن مجتبیٰ خلیفہ برحق ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان حضرات کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سچی نیابت و جانشینی کا پورا حق ادا کردیا۔

عقیدہ: خلفائے اربعہ راشدین کے بعد عشرہ مبشرہ کے بقیہ افراد، یعنی حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت حسنین کریمین و اصحابِ بدر و اصحابِ بیعۃ الرضوان کے لیے افضلیت ہے اور یہ سب قطعی جنتی ہیں۔ چاروں خلفائے راشدین اور حضرت طلحہ وغیرہ چھ صحابہ سب مل کر عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔ یعنی وہ دس صحابہ کرام جن کو جیتے جی جنت کی بشارت ملی اور بہشتی کہلائے۔

عقیدہ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوی الاحترام عالی مقام صحابہ کرام میں شمار ہیں۔ اول ملوکِ اسلام، یعنی شاہانِ اسلام میں پہلے بادشاہ ہیں، اسی کی طرف

توراۃ مقدس میں اشارہ ہے کہ وہ نبی آخر الزماں شہنشاہ کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں ہوگا۔ مدینہ کو ہجرت فرمائے گا وملکہ بالشام اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی، تو امیر معاویہ کی اگرچہ سلطنت ہے، مگر کس کی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سلطنت ہے۔ جو سیدنا امام حسن مجتبیٰ نے ایک فوج جرار کے ساتھ، عین میدان میں بالقصد و بالاختیار ہتھیار رکھ دیئے اور خلافت امیر معاویہ کے سپرد کر دی اور ان کے ہاتھ پر بیعت فرمالی جس کی بشارت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی اور اس صلح کو پسند فرمایا تھا۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر معاذاللہ! فسق وغیرہ کا طعن کرنے والا حقیقتاً حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بلکہ حضرت حق عزوجل وعلا پر طعن کرتا ہے اور ایسا شخص حقیقتاً رافضی ہے۔

(۳۶) اہلِ بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضور اکرم سید عالم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسب مبارک اور قرابت کے وہ لوگ ہیں، جن پر صدقہ حرام ہے۔ ان اہلِ بیت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات (آپ کی پاک بیبیاں ہم مسلمانوں کی مقدس مائیں) حضرت خاتونِ جنّت سیّدہ فاطمۃ الزہرا، حضرت مولا علی مشکل کشا اور حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین سب داخل ہیں، لیکن ازواج مطہرات مرتبہ میں سب سے زیادہ ہیں اور ان کا اجر و ثواب سب سے بڑھ کر ہے۔ دنیا جہان کی عورتوں میں کوئی بھی ان کا ہمسر و ہم مرتبہ نہیں۔ اگر اوروں کو ایک نیکی پر دس گنا ثواب ملے گا، تو انہیں بیس گنا، کیونکہ ان کے عمل میں دو جہتیں ہیں ایک اللہ تعالیٰ کی بندگی و طاعت اور دوسرے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رضاجوئی و اطاعت۔

عقیدہ: اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقتدایان اہلِ سنت ہیں جو ان سے محبت نہ کرے، مردود و ملعون خارجی ہے۔ اہلِ سنت و جماعت سے اس کا کوئی علاقہ

نہیں۔

عقیدہ: ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ وام المومنین عائشہ صدیقہ اور حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن قطعی جنتی ہیں اور انہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری صاحبزادیوں (یعنی حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بقیہ ازواج مطہرات کو تمام صحابیات پر فضیلت ہے۔ ان سب کی طہارت پاکیزگی اور پاک دامنی کی بشارت قرآن عظیم نے دی۔

عقیدہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قطعی جنتی اور یقیناً آخرت میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبہ عروس ہیں جو انہیں ایذا دیتا ہے، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتا ہے اور بے توبہ مرے، تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ان پر معاذاللہ افک کی تہمت ملعونہ سے اپنی ناپاک زبان آلودہ کرنے والا یقیناً کافر و مرتد ہے اور اسلام سے خارج اور بالیقین لا تعلق۔ اگرچہ کلمہ پڑھے، اگرچہ کہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس کے علاوہ اور کوئی طعن آپ پر کرنے والا رافضی تبرائی ہے۔ بے دین جہنمی ہے اگرچہ دعویٰ کرے کہ میں سنی ہوں۔

عقیدہ: حضرات حسنین کریمین، امامین جلیلین، امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، یقیناً عالی مرتبت؛ اعلیٰ درجہ شہدائے کرام میں سے ہیں۔ ان میں سے کسی کی شہادت کا منکر، گمراہ، بددین خاسر ہے۔

عقیدہ: یزید پلید، فاسق فاجر، مرتکب کبائر تھا۔ معاذ اللہ اس سے اور ریحانۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا نسبت۔ آج کل جو بعض تقیہ باز گمراہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے معاملے میں کیا دخل ہے؟ ہمارے وہ بھی شاہزادے، وہ بھی شاہزادے، ایسا بکنے والا مردود خارجی، ناصبی مستحق جہنم ہے۔

یزید بن امیہ وہ بدنصیب شخص ہے جس کی پیشانی پر اہل بیت کرام کے بے گناہ

قتل کا سیاہ داغ ہے اور جس پر رہتی دنیا تک دنیائے اسلام ملامت کرتی رہے گی اور
تاقیام قیامت اس کا نام حقارت و نفرت کے ساتھ لیا جائے گا۔ یہ بدباطن حضرت امیر
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پیدا ہوا۔ نہایت موٹا، بدنما، بداخلاق، شرابی، بدکار، ظالم
و گستاخ تھا۔ اس کی شرارتیں اور بے ہودگیاں ایسی ہیں جن سے بدمعاشوں کو بھی شرم
آئے۔ سود وغیرہ کو اس پلید نے علانیہ رواج دیا اور مدینہ طیبہ و مکہ مکرمہ کی بے حرمتی
کرائی۔ البتہ اس پلید کو کافر کہنے اور نام لے کر اس پر لعنت کرنے میں احتیاط چاہیے۔
اس بارے میں ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک سکوت (خاموشی) ہے۔
یعنی ہم اسے فاجر و فاسق کہنے کے سوا نہ کافر کہیں نہ مسلمان۔ مگر یہ ضرور کہتے ہیں کہ
اس کی حمایت کرنے والا اور اس کے مقابل حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
پر گرفت کرنے والا ہرگز ہرگز سنی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ رضا و تسلیم کی امتحان گاہ میں
امام حسین اور ان کے متوسلین نے وہ ثابت قدمی دکھائی کہ عالم ملائکہ بھی حیرت میں آگیا
ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں فیض یاب فرمائے۔ آمین!

(۳۷) ولایت کا بیان

ولایت، اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک قرب خاص ہے کہ مولیٰ عزوجل
اپنے اطاعت گزار اور برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ جو
لوگ اس مقام قرب پر فائز کیے جاتے ہیں، انہیں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے۔ تو یہ کہنا چاہیے
کہ اولیاء اللہ وہ اہل ایمان ہیں جو خدا اور رسول کی محبت میں اپنی خواہشوں کو فنا کر
دیتے ہیں اور ہمیشہ خدا اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میں مصروف رہتے ہیں۔ اور
ان کی نظروں میں دنیا اور دنیاداروں کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ بلکہ دولتِ دنیا ان کی
لونڈی ہوتی ہے۔

ولایت، یعنی خدا تعالیٰ کا مقرب و مقبول اور بندۂ خاص ہونا، وہبی شے ہے۔ یعنی
محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ عزوجل کی عطائے خاص۔ نہ یہ کہ اعمالِ شاقہ اور مشقت میں

ڈالنے والی ریاضتوں اور عبادتوں سے آدمی خود حاصل کر لے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالبا
اعمالِ حسنہ اس عطیۂ ربانی کے حصول کے لیے ذریعہ بن جاتے ہیں۔ جبکہ بعضوں کو ابتدا
ہی میں مل جاتی ہے۔ اگرچہ بعد میں انہیں بھی ان اعمال شاقہ کی گھاٹیوں سے گزرنا
پڑے۔ البتہ یہ دولتِ بیش بہا یعنی ولایت بے علم کو نہیں ملتی۔ خواہ علم بطور ظاہر حاصل
کیا ہو، یا اس مرتبہ پر پہنچنے سے پہلے اللہ عزوجل نے اپنے کرم خاص سے اس پر علوم
منکشف کر دیئے ہوں۔ چنانچہ ایسے اولیاء اللہ گزر چکے ہیں، جنہوں نے بظاہر امی اور بے
لکھا پڑھا ہونے کے باوجود عرفان و معرفت، شریعت و طریقت کے دریا بہا دیئے ہیں۔

عقیدہ: تمام اولیائے اولین و آخرین میں، اولیائے محمدیین یعنی اس امت کے
اولیاء افضل ہیں اور تمام اولیائے محمدیین میں سب سے زیادہ معرفت و قرب الٰہی میں
خلفائے اربعہ ہیں اور ان میں بھی سب سے زیادہ معرفت و قرب صدیق اکبر کو ہے، پھر
فاروق اعظم، پھر ذوالنورین، پھر مولا علی مرتضیٰ کو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

عقیدہ: طریقت کہ انہیں حضرات اولیائے کرام کے طریق خاص کو کہتے ہیں،
منافی شریعت نہیں، نہ اس راہ کی کوئی منزل، کوئی مرحلہ، کوئی حصہ، احکام شریعت کے
مقابل و مزاحم۔ طریقت شریعت ہی کا باطنی حصہ ہے۔ شریعت نام ہے ان تمام علوم و
احکام کے مجموعہ کا جو جسم و جان، روح و قالب، جسد و قلب سے تعلق رکھتے ہیں، انہیں
میں سے ایک حصے کا نام طریقت ہے۔ صرف فرض و واجب و حلال و حرام وغیرہ کے
مجموعہ کا نام شریعت رکھ لینا محض اندھا پن ہے، بلکہ طریقت کے احوال و حقائق اگر
شریعت کے مطابق ہوں تو حق و مقبول ہیں، ورنہ مردود۔ تو جو یہ بعض صوفی نما، جاہل
کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں طریقت اور ہے شریعت اور۔ یہ ملاں مولوی طریقت کو کیا
جانیں، یہ محض ایک شیطانی فریب ہے اور خیالِ باطل۔ اور اس زعم باطل کے باعث
اپنے آپ کو شریعت سے آزاد سمجھنا صریح کفر و الحاد ہے، جبکہ احکام شرعیہ کی پابندی
سے کوئی ولی کیسا ہی عظیم ہو سبکدوش نہیں ہو سکتا، البتہ اگر مجذوبیت سے عقل تکلیفی
زائل ہو گئی ہو، جیسے غشی والا، تو اس سے قلم شریعت اٹھ جائے گا، مگر یہ بھی سمجھ لو کہ

جو اس قسم کا ہوگا، اس سے ایسی باتیں کبھی نہ ہوں گی اور وہ شریعت کا مقابلہ کبھی نہ کرے گا اور نہ ہی شریعت کی پابندی کے خلاف حکم دے گا۔

عقیدہ: کرامت اولیاء حق ہے اور اس کا منکر گمراہ ہے۔ اولیاء اللہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے نائب ہیں اور ان کو حضور کی نیابت اور جانشینی میں بڑے اختیارات، بڑے تصرفات ملتے ہیں؛ اور سیاہ و سفید کے مختار بنا دیئے جاتے ہیں۔ غیب کے علوم ان پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہت کی نگاہیں لوح محفوظ پر رہتی ہیں اور ماضی و مستقبل ان پر روشن ہوتا ہے، مگر یہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ و عطا سے ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی وساطت کے بغیر، کوئی غیر نبی، کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ اولیائے کرام کو اللہ عزوجل نے بہت بڑی طاقت دی ہوئی ہے۔ ان سے عجیب و غریب کرامتیں ظاہر ہوئیں، ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مخلوق کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ ان کی دعاؤں سے خلق خدا فائدہ اٹھاتی ہے؛ ان کی محبت دین و دنیا کی سعادت اور خدائے تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔ ان کے مزارات پر حاضری، مسلمان کے لیے بڑی سعادت اور باعثِ برکت ہے اور ان کو دور و نزدیک سے پکارنا، یاغوث، یاخواجہ، اور ایسی ہی دوسری ندائیں کرنا، ان کے نام کا نعرہ لگانا، سب سلف صالحین کا طریقہ ہے اور دیندار، پابندِ شرع اہل محبت کا وطیرہ ہے۔

مسئلہ: مردہ زندہ کرنا، مادرزاد اندھے کو بینا کر دینا، کوڑھی کو شفا دینا، مشرق سے مغرب تک ساری زمین ایک قدم میں طے کر جانا، غرض تمام خوارقِ عادات، اولیاء سے ممکن ہیں، سوا اس معجزہ کے جس کی بابت دوسروں کے لیے ممانعت ثابت ہو چکی جیسے قرآن مجید کے مثل کوئی سورت لے آنا، یا دنیا میں بیداری میں اللہ عزوجل کے دیدار یا کلام الٰہی سے مشرف ہونا، اس کا جو اپنے کسی ولی کے لیے دعویٰ کرے، کافر ہے۔ جھوٹے صوفی کبھی کبھی ایسی ہانک دیا کرتے ہیں، مسلمان ان سے دور ہی رہیں: "نادان کی دوستی، جی کا جنجال۔" مشہور کہاوت کا مصداق یہ بھی ہیں۔

مسئلہ: ان سے استمداد و استعانت، یعنی مشکلات میں ان سے مدد چاہنا، محبوب اور

بزرگانِ دین کا معمول ہے۔ یہ مدد مانگنے والے کی مدد فرماتے ہیں، چاہے وہ کسی بھی جائز لفظ کے ساتھ ہو۔ رہا ان کو فاعل مستقل جاننا یہ وہابیہ کا فریب ہے۔ مسلمان کبھی ایسا خیال نہیں کرتا۔ مسلمان کے فعل کو خواہ مخواہ، قبیح رسومات پر ڈھالنا، اور اسے بت پرستوں کا عمل ٹھہرانا، انہیں معنوی خارجیوں کا طریقہ ہے۔

مسئلہ: اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب نہایت موجب برکات و امر مستحب ہے، اسے عرفاً براہ ادب نذر و نیاز کہتے ہیں۔ یہ نذر شرعی نہیں، بلکہ معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ حاضر کیا جاتا ہے، اسے عرف میں نذر کہتے ہیں، جیسے بادشاہوں کو نذر دی جاتی ہے۔ ان میں خصوصاً سیدنا غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ، جسے عرف عام میں گیارہویں شریف کی فاتحہ کہتے ہیں، نہایت عظیم برکت کی چیز ہے اور نیاز کا کھانا خواہ کسی بھی بزرگ کے لیے ہو، غنی بھی کھا پی سکتا ہے" اگرچہ وہ سید ہو۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے: "نیاز کا کھانا تبرک ہو جاتا ہے۔"

مسئلہ: عرسِ اولیائے کرام، یعنی قرآن خوانی، فاتحہ خوانی و نعت خوانی، وعظ اور ایصالِ ثواب کے لیے مزارات پر مسلمانوں کا جمع ہونا، اور شیرینی وغیرہ تمام حاضرین میں تقسیم کرنا بے شک جائز اور باعثِ اجر و برکات ہے۔ رہے منکراتِ شرعیہ یعنی وہ امور جو شرع میں منکر ہیں، جیسے رقص و سرود اور قوالیوں کی محفلیں سجانا، ریاء و نمائش کے لیے ہو حق کے نعرے لگانا، وجد لانا، وہ تو ہر حالت میں مذموم اور قابلِ مذمت ہیں، مزاراتِ طیبہ کے پاس اور زیادہ مذموم۔ پھر عورتوں کو تو قبور پر ویسے بھی جانا نہ چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے: "اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں۔" بے شک حاضرین مزار شریف، صاحبِ مزار کے مہمان ہوتے ہیں، مگر عورتیں ناخواندہ مہمان۔ عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے، نہ یوں مردوں کے ساتھ خلط ملط کا، جیسا کہ ایسے موقعوں پر دیکھنے میں آتا ہے۔ بزرگانِ دین کے اعراس میں جو افعال ناجائز ہوتے ہیں، ان سے اُن حضرات کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے توجہ بھی کم کر دی ہے، ورنہ پہلے جس قدر فیوض ہوتے تھے، وہ اب کہاں؟

اور اولیائے کرام کے اعراس کی تعیین میں مصلحت یہ ہے کہ ان کی ارواح طیبہ کو ان کے وصال شریف کے دن، قبور کریمہ کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے، چنانچہ وہ وقت جو خاص وصال کا ہے، برکات حاصل کرنے کے لیے زیادہ مناسب ہوتا ہے اور شرعاً اس کی ممانعت نہیں، نہ لازم و ضرور ہے۔

(۳۸) پیرانِ طریقت

عموماً مسلمانوں کو بحمدہ تعالیٰ اولیاء کرام سے نیاز مندی اور مشائخِ عظام کے ساتھ انہیں ایک خاص عقیدت ہوتی ہے اور وہ جانتے ہیں کہ نیک نیتی سے ان کے سلسلہ میں منسلک ہو جانا اور محبوبانِ خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا بڑی سعادت اور دنیا و آخرت میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کی نجات و فلاح کا موجب ہے۔ انہیں یقین ہے کہ محبوبانِ خدا آیۂ رحمت و نشانِ برکت ہیں، وہ اپنا نام لینے والوں کو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں اور اگر ان کا مرید کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو مولائے کریم کی بارگاہ سے اسے توبہ کی توفیق ملتی ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ مسلمان مرد بالخصوص عورتیں کہ شعبدہ بازوں کا جلد شکار ہو جاتی ہیں، یہ چند باتیں یاد رکھیں تاکہ جب مرید ہونا چاہیں تو اچھی طرح تفتیش کر لیں، ورنہ اگر کسی بدمذہب کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تو دین و دنیا اور آخرت کا سنورنا اور سنوارنا درکنار، اصل ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے اور مقبولِ بارگاہ ہونا کجا، مردودِ بارگاہ قرار پائیں گے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نہ باید داد دست

پیری کے لیے چار شرطیں ہیں۔ قبل از بیعت ان کا لحاظ فرض ہے:

(۱) مرشدِ خاص جسے پیر و شیخ کہتے ہیں اور جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پرنور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم تک متصل ہو جائے۔ اس کا سلسلہ باتصالِ صحیح حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم

تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعے سے اتصال ناممکن۔ جو خود وہاں سے کٹ چکا، وہ دوسروں کو ان سے کیسے جوڑ سکتا ہے۔ بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جدا ہے۔ بعض لوگ بلا بیعت، محض اس زعم میں کہ ہم فلاں کے وارث ہیں اپنے باپ دادا کے سجادہ پر بیٹھ جاتے ہیں یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی تو ان کی بیعت بھی لاحاصل۔

(۲) شیخ سنی العقیدہ ہو۔ مذہب اہل سنت و جماعت کا پیرو ہو اور حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی ان چاروں میں سے کسی ایک مذہب کا مقلد، ورنہ جو بدمذہب گمراہ مثلاً وہابی ہے، اس کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم تک۔

(۳) آج کل بہت سے بددینوں، بلکہ بے دینوں، حتیٰ کہ وہابیہ نے کہ سرے سے اولیاء اللہ کے منکر اور دشمن ہیں۔ فریب دہی اور بدکاری اور مسلمانوں کو گمراہی میں ڈالنے کے لیے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ مسلمان ان کے فریب کا شکار نہ ہوں۔ ہوشیار! خبردار! احتیاط، احتیاط!

(۳) شیخ عالم ہو، یعنی علمِ فقہ کم از کم اتنا رکھتا ہو کہ اپنی ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکے اور لازم ہے کہ عقائد اہلِ سُنّت و جماعت سے پورا پورا واقف ہو۔ کفر و اسلام اور ہدایت و گمراہی کی خوب پرکھ رکھتا ہو۔ ورنہ آج بدمذہب نہیں تو کل ہو جائے گا۔ سینکڑوں کلمات اور حرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے اور جاہل براہِ جہالت ان میں پڑ جاتا ہے۔ اول تو ان کی ناواقفی کے سبب انہیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان سے ایسی باتیں یا حرکتیں صادر ہوئی ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے اور ایمان ہاتھ سے جاتا ہے اور جب تک اطلاع نہ ہو تو یہ ناممکن ہے۔ تو اس وبال کفر میں گرفتار ہی رہے، اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے توبہ بھی کر لے مگر وہ جو سجادۂ اہل طریقت پر ہادی و مرشد بنے بیٹھے ہیں، ان کی عظمت کہ خود ان کے دلوں میں رچی بسی ہے، وہ کب قبول کرنے دے گی، تو بے توبہ اسی کفر کی اندھیری میں ہاتھ پیر مارتے رہیں گے۔ خود تو گمراہی میں بھٹک رہے ہیں، اوروں کو بھی لے ڈوبیں گے اور وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا ہے، اسے جاری رکھیں گے، لہٰذا شیخ پر لازم ہے کہ عقائد اہل

سنت و جماعت کا عالم ہو۔

(۴) فاسقِ معلن نہ ہو۔ یعنی علانیہ نہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور نہ کسی گناہ صغیرہ پر مصر کہ باوجود علم و تنبیہہ اسی گناہ پر اڑا رہے۔ ہاں جو شخص گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہِ صغیرہ کا مرتکب ہو یا گناہ صغیرہ کا متعدد بار اس سے صدور ہو، یا نماز روزہ وغیرہ عبادتوں کو جو وقت معین میں فرض ہیں کہ وقت نکلنے پر قضا ہو جاتی ہیں، بغیر عذر شرعی ان کو وقت سے موخر کرے یا محض کاہلی اور سستی سے نماز یا جماعت ترک کرے یا جو شخص حقیر و ذلیل افعال اس سے صادر ہوں جیسے راستہ پر پیشاب کرنا، چلتے پھرتے لوگوں کے سامنے یا بازاروں میں کھانا پینا، یا صرف پاجامہ یا تہہ بند پہن کر بغیر کرتا پہنے یا بغیر چادر اوڑھے گزر گاہ عام پر چلنا یا لوگوں کے سامنے خواہ مخواہ پاؤں دراز کر کے بیٹھنا وغیرہا۔ ایسا شخص بھی بیعت کے قابل نہیں۔

اور ایسے پیروں سے بد تر ہیں وہ نام نہاد پیر

کہ ناواقف و بے علم ہونے کے باوجود علماء کی طرف رجوع ہی نہ لائیں جو جی میں آئے کر گزریں اور ان سے بد تر ہیں وہ کہ جہالت کے باوجود صاحب العلم، صائب الرائے بنے۔ احکام علماء میں اپنی رائے کو دخل دے یا کسی حکمِ شرعی کے خلاف اپنے یہاں کے باطل رواج پر اڑے۔ اور اسے حدیث و فقہ سے بتا دیا جائے کہ یہ رواج بے اصل ہے۔ اس کی شریعت مطہرہ میں کوئی سند نہیں۔ جب بھی اسی کو حق کہے۔ اور ان سے ہزار درجے بد تر ہیں وہ ابلیسی مسخرے کہ علمائے دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں اور انہیں میں ہیں، وہ جھوٹے مدعیانِ فقر جو کہتے ہیں عالموں، فقیروں میں سدا سے ہوتی آئی ہے، یا کہیں کہ شریعت راستہ ہے اور ہم تو منزل پر پہنچ لیے، اب ہمیں شریعت کی ضرورت نہیں۔ شریعت راستہ ہے اور اب ہمیں اس راستے سے کیا کام۔ نماز روزہ کی بھی حاجت نہیں۔

اور ان سے بد تر بلکہ بد ترین ہیں وہ نام نہاد پیرانِ بد اطوار و بد کردار جو اگرچہ بزعم

خود وہابی، دیو بندی، رافضی وغیرہم بد دینوں، بدمذہبوں سے نہیں بلکہ ان سے دور رہتے ہیں، بلکہ گاہ بگاہ ان کی کسی ناگفتنی یا ناکردنی سے براءت کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ مگر انہیں صوفی باصفا، عالم باعمل، راہبر و رہنما مانتے جانتے ہیں اور جب ان کی کفری عبارتیں اور ان عبارتوں پر احکام شریعت بیان کیے جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ہم اپنی زبان سے کسی کو برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ یہ عالموں کی باتیں ہیں، عالم ہی جانیں، ہم اپنی زبان کیوں آلودہ کریں وغیرہا"۔

یہ سب باتیں باغوائے شیطانی ہیں اور ان سب کا پیر شیطان ہے، اگرچہ بظاہر کسی کی بیعت کا نام لیں اور خود پیر و ولی و قطب بنیں۔ ارشادِ قرآنی کے مطابق "شیطان نے انہیں اپنے گھیرے میں لے کر اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی۔ وہی شیطانی گروہ ہیں۔ سنتا ہے شیطان ہی کے گروہ زیاں کار ہیں" اور ظاہر ہے کہ جو ایسے کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے گا، جو ایسے کا دامن تھام کر آگے بڑھے گا، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم و بارک کی راہ سے دور جا پڑے گا، مشہور ہے ؎

ہر کہ پسِ کور شد
در چہ و در گور شد

(۳۹) آداب المریدین

مسلمان مرد خواہ عورت نے دنیاوی اغراض فاسدہ کے لیے نہیں، بلکہ نیک نیتی سے صرف تبرک کے لیے جب کسی عالم، سنی صحیح العقیدہ، صحیح الاعمال، (یعنی وہ جس کے اعمال، احکام شرع کے برخلاف نہ ہوں، یعنی وہ فاسقِ معلن نہ ہو) بلکہ جامعِ شرائط بیعت ہو کہ بیعت لینے کا شرع و طریقت میں اہل ہو، اس کے ہاتھ میں دے دیا، تو اب مرید پر لازم ہے۔

(۱) اپنے ارادہ و اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد، ہادی برحق، واصلِ بحق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کر دے کہ شیخ ہادی نائب و خلیفہ ہے محبوبانِ خدا بلکہ محبوبِ

خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کا۔

(۲) اسے مطلقاً ہر حال میں اپنا حاکم و مالک اور متصرف (تصرف کرنے والا) جانے۔

(۳) اس کے چلانے پر راہِ سلوک پر چلے، کوئی قدم بغیر اس کی مرضی کے نہ رکھے۔

(۴) اس کے لیے اس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام، اگر اس کے نزدیک صحیح معلوم نہ ہوں، تو انہیں افعالِ خضر علیہ الصلوۃ والسلام کے مثل سمجھے۔ اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، ورنہ فلاح نہ پائے گا۔

(۵) اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے۔

(۶) زنہار زنہار اس کی مرضی کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے۔

(۷) ہر آسانی و دشواری، ہر خوشی و ناگواری میں اس کا حکم سنے اور اطاعت کرے۔

(۸) یقین رکھے کہ شیخ کا جو فعل مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ شیخ کے پاس اس کی صحت پر دلیلِ قطعی ہے۔

(۹) شیخ کے روبرو لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، درکنار بلند آواز سے بات بھی نہ کرے کہ ہادیانِ برحق اور واصلانِ بحق کی عزت و تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و تعظیم ہے۔

(۱۰) ہرگز ہرگز کوئی ایسا کام نہ کرے جو ان کی اذیتِ قلبی اور کلفتِ روحانی کا سبب بنے۔

غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے، یہی بیعت سالکین ہے اور یہی مقصودِ مرشدین ہے۔ یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے اور یہی بندہ کو واصل بحق بناتی ہے۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

(۴۰) دُعائے خیر

درد دل کر مجھے عطا یارب — دے میرے درد کی دوا یارب
لاج رکھ لے گناہگاروں کی — نام رحمٰن ہے تیرا یارب
مجھے ایسے عمل کی دے توفیق — کہ ہو راضی تیری رضا یارب
ہر بھلے کی بھلائی کا صدقہ — اس برے کو بھی کر بھلا یارب
مجھے دونوں جہاں کے غم سے بچا — شاد رکھ شاد، دائما یارب
اس نکمّے سے کام لے ایسے — یہ نکما ہو کام کا یارب

کر دے فضل و نعم سے مالا مال
ہو مع الخیر خاتما یارب

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ ومظہر لطفہ وزینۃ فرشہ ومالک ملکہ وقاسم رزقہ سیدنا و مولانا وملجانا وماوانا سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وابنہ سیدنا الغوث الاعظم وحزبہ اجمعین وعلینا بھم ولھم ومعھم وفیھم برحمتک یاارحم الراحمین یااله العالمین٥

العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی

دار العلوم احسن البرکات، حیدر آباد
پاکستان

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ
مطابق ۱۶ اپریل ۱۹۸۱ء
دوشنبہ



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللہ الواحد الاحد الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد والصلوۃ والسلام علی حبیبہ سیدنا محمد الممجد وعلی آلہ واصحابہ والتابعین لھم باحسان وعلینا بھم ولھم ومعھم وفیھم برحمتک یا حنّان یا منّان۔

طہارت کابیان

نماز کے لیے طہارت (پاکی) ایسی ضروری چیز ہے کہ بغیر اس کے نماز ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ جان بوجھ کر بغیر طہارت نماز ادا کرنے کو علمائے کرام کفر لکھتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت۔ (امام احمد)

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں سورۂ روم پڑھتے تھے کہ متشابہ لگا۔ یعنی قراءت میں شبہ پڑا۔ بعد نماز ارشاد فرمایا "کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اچھی طرح طہارت نہیں کرتے۔ انہیں کی وجہ سے امام کو قراءت میں شبہ پڑتا ہے"۔ (نسائی شریف)

تو جب بغیر کامل طہارت نماز پڑھنے کا وبال یہ ہے تو بے طہارت نماز پڑھنے کی

نحوست کا کیا پوچھنا۔ یہ تو عبادت کی بے ادبی و توہین ہے اور اس کا نتیجہ معلوم۔ مولیٰ عزوجل اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہر مسلمان کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔

طہارت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) طہارت صغریٰ۔ (۲) طہارت کبریٰ۔

طہارتِ صغریٰ وضو ہے اور طہارتِ کبریٰ غسل۔

جن چیزوں سے صرف وضو لازم آتا ہے، ان کو حَدَثِ اصغر کہتے ہیں اور جن چیزوں سے غسل فرض ہو ان کو حَدَثِ اکبر کہا جاتا ہے۔ (عامہ کتب)

چند ضروری اصطلاحیں

(۱) **فرض:** وہ بات کہ بے اس کے کیے آدمی بری الذمہ نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی عبادت میں ہے تو وہ عبادت بے اس کے باطل و معدوم ہوگی۔ اس کا چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) **واجب:** وہ کہ بے اس کے کیے بھی بری الذمہ ہونے (چھٹکارا پانے) کا احتمال ہے۔ مگر غالب گمان اس کی ضرورت پر ہے اور اگر کسی عبادت میں اس کا بجالانا درکار ہو تو عبادت بے اس کے ناقص رہے۔ کسی واجب کا ایک بار بھی قصداً چھوڑنا گناہ صغیرہ ہے اور چند بار چھوڑنا گناہ کبیرہ۔

(۳) **سنّت مؤکدہ:** وہ جس کو حضور ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو البتہ کبھی ترک بھی فرما دیا ہو (نہ کیا ہو) یا وہ کہ اس کے کرنے کی تاکید فرمائی اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنا بہت برا۔ یہاں تک کہ جو اس کے چھوڑنے کی عادت ڈال لے، وہ عذاب کا مستحق ہے۔

(۴) **سنّت غیر مؤکدہ:** وہ کہ اس کا چھوڑنا شریعت کو پسند نہیں۔ اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنا اگرچہ بطور عادت ہو عتاب کا موجب نہیں۔

(۵) **مستحب:** وہ جس کا کرنا شریعت کو پسند ہے مگر نہ کرنے پر کچھ ناپسندی نہ ہو۔ اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنے پر مطلقاً کچھ نہیں۔

(۶) **حرام قطعی:** یہ فرض کا مقابل ہے۔ اس کا ایک بار بھی قصداً کرنا گناہ کبیرہ و فسق ہے اور بچنا فرض و ثواب۔

(۷) **مکروہ تحریمی:** وہ کہ اس کے کرنے سے عبادت ناقص ہو جاتی ہے اور کرنے والا گناہ گار ہوتا ہے اور چند بار اس کا کرنا گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔

(۸) **مکروہ تنزیہی:** وہ جس کا کرنا شریعت کو پسند نہیں مگر نہ اس حد تک کہ اس کے کرنے پر عذاب آئے۔

وضو کا بیان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ

یعنی اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھوؤ۔

چند احادیثِ کریمہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) قیامت کے دن میری امت اس حالت میں بلائی جائے گی کہ ان کے منہ اور ہاتھ آثارِ وضو سے چمکتے ہوں گے تو جس سے ہو سکے چمک زیادہ کرے۔ (بخاری و مسلم)

(۲) مسلمان بندہ جب وضو کرتا ہے تو کلی کرنے سے منہ کے گناہ گر جاتے ہیں اور جب ناک میں پانی ڈال کر صاف کیا تو ناک کے گناہ نکل گئے اور جب منہ دھویا تو اس کے چہرے کے گناہ نکلے یہاں تک کہ پلکوں کے نکلے اور جب ہاتھ دھوئے تو ہاتھوں کے گناہ نکلے یہاں تک کہ ہاتھوں کے ناخنوں سے نکلے اور جب سر کا مسح کیا تو سر کے گناہ نکلے یہاں تک کہ کانوں سے نکلے اور جب پاؤں دھوئے تو پاؤں کی خطائیں نکلیں یہاں تک کہ ناخنوں سے۔ پھر اس کا مسجد کو جانا اور نماز پڑھنا اس کے علاوہ ہے۔ (مالک و نسائی)

(۳) جو شخص ایک ایک بار وضو کرے تو یہ ضروری بات ہے اور جو دو دو بار کرے اس کو دونا ثواب ہے اور جو تین تین بار دھوئے تو یہ میرا اور اگلے نبیوں کا وضو ہے۔ (امام احمد)

(۴) جو شخص سخت سردی میں کامل وضو کرے اس کے لیے دونا ثواب ہے۔ (طبرانی)

(۵) جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (ترمذی)

فقہی احکام

آیۂ کریمہ جو اوپر لکھی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ وضو میں چار باتیں فرض ہیں:

(۱) منہ دھونا۔

(۲) کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں کا دھونا۔

(۳) سر کا مسح کرنا۔

(۴) ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں کا دھونا۔

فائدہ: (۱) کسی عضو کے دھونے کے یہ معنی ہیں کہ اس عضو کے ہر حصّہ پر کم سے کم دو بوند پانی بہہ جائے۔ بھیگ جانے یا تیل کی طرح چپڑ لینے یا ایک آدھ بوند بہہ جانے کو دھونا نہیں کہیں گے۔ نہ اس سے وضو یا غسل ادا ہوگا۔ اس بات کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ لوگ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور نمازیں برباد جاتی ہیں۔ بدن میں

بعض جگہیں ایسی ہیں کہ جب تک ان کا خاص خیال نہ رکھا جائے ان پر پانی نہ بہے گا۔ جس کی تشریح ہر عضو میں بیان کی جائے گی۔

(۲) کسی عضو پر تر ہاتھ پھیرنے یا تری پہنچنے کو مسح کہتے ہیں۔ (در مختار وغیرہ)

(۱) منہ دھونا: شروع پیشانی سے (یعنی جہاں تک عموماً سر کے بال ہوتے ہیں) ٹھوڑی یعنی نیچے کے دانت جمنے کی جگہ تک لمبائی میں اور ایک کان سے دوسرے کان تک چوڑائی میں اس حد کے اندر جلد کے ہر حصے پر ایک مرتبہ پانی بہانا فرض ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: لبوں کا وہ حصہ جو عموماً اور عادتاً لب بند کرنے کے بعد ظاہر رہتا ہے۔ اس کا دھونا فرض ہے۔ یوں ہی رخسار اور کان کے بیچ میں جو جگہ ہے جسے کنپٹی کہتے ہیں، اس کا دھونا بھی فرض ہے۔

مسئلہ: نتھ کا سوراخ اگر بند نہ ہو تو اس میں پانی بہانا فرض ہے۔ اگر تنگ ہو تو پانی ڈالنے میں نتھ کو حرکت دے ورنہ حرکت دینا ضروری نہیں۔ (در مختار، ردالمحتار)

(۲) ہاتھ دھونا: اس حکم میں کہنیاں بھی داخل ہیں۔ اگر کہنیوں سے ناخنوں تک کوئی جگہ ذرہ برابر دھلنے سے رہ جائے گی، وضو نہ ہوگا۔

مسئلہ: ہر قسم کے جائز و ناجائز گہنے، چھلے، انگوٹھیاں، پہنچیاں، کنگن، کانچ لاکھ وغیرہ کی چوڑیاں، ریشم کے لچھے وغیرہ اگر اتنے تنگ ہوں کہ نیچے پانی نہ بہے تو اتار کر دھونا فرض ہے اور اگر صرف ہلا کر دھونے سے پانی بہہ جاتا ہو تو حرکت دینا ضروری ہے اور اگر ڈھیلے ہوں کہ بے ہلائے بھی نیچے پانی بہہ جائے گا تو کچھ ضروری نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ہاتھوں کی آٹھوں گھائیاں، انگلیوں کی کروٹیں، ناخنوں کے اندر جو جگہ خالی ہے، کلائی کے بال جڑ سے نوک تک، ان سب پر پانی بہہ جانا ضروری ہے۔ اگر کچھ بھی رہ گیا یا بالوں کی جڑوں پر پانی بہہ گیا مگر کسی ایک بال کی نوک پر نہ بہا تو وضو نہ ہوا مگر ناخنوں کے اندر کا میل معاف ہے۔ (در مختار)

مسئلہ: عورتوں کو پھنسی چوڑیوں کا شوق ہوتا ہے۔ انہیں ہٹا ہٹا کر پانی بہائیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۳) سر کا مسح: سر پر بال نہ ہوں تو جلد کی چوتھائی اور جو بال ہوں تو خاص سر کے بالوں کی چوتھائی کا مسح فرض ہے۔ (ردالمحتار) سر سے نیچے جو بال لٹکتے ہیں، ان کا مسح کافی نہیں۔

مسئلہ: مسح کرنے کے لیے ہاتھ تر ہونا چاہیے۔ خواہ کسی عضو کو دھونے کے بعد ہاتھ میں تری رہ گئی یا نئے پانی سے ہاتھ تر کرلیا ہو۔ ہاں کسی عضو کے مسح کے بعد ہاتھ میں جو تری رہ جائے گی وہ دوسرے عضو کے مسح کے لیے کافی نہ ہوگی۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: دوپٹہ پر مسح ہرگز کافی نہیں۔ مگر جبکہ دوپٹہ اتنا باریک اور تری اتنی زیادہ ہو کہ کپڑے سے پھوٹ کر چوتھائی سر یا بالوں کو تر کردے تو مسح ہوجائے گا۔ (بحر وغیرہ)

(۴) پاؤں دھونا: اس حکم میں گٹے بھی داخل ہیں۔ گھائیاں، انگلیوں کی کروٹیں، تلوے، ایڑیاں اور کونچیں سب کا دھونا فرض ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: چھلے اور سب گہنے کہ گٹوں پر یا ان سے نیچے ہوں ان کا حکم وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

متفرق مسائل

(۱) آنکھوں کے ڈھیلے اور پپوٹوں کی اندرونی سطح کا دھونا کچھ درکار نہیں بلکہ نہ چاہیے کہ نقصان دیتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲) جن اعضا کا دھونا فرض ہے ان پر پانی بہہ جانا شرط ہے۔ اگرچہ بلا ارادہ اپنے فعل سے نہ ہو۔ مثلاً مینہ برسا اور اعضاء وضو کے ہر حصے سے دو دو قطرے پانی کے بہہ گئے وہ اعضاء دھل گئے یا پھوار برسی اور چوتھائی سر کو تری پہنچ گئی تو مسح سر کا فرض اتر گیا۔ (در مختار وغیرہ)

(۳) جس چیز کی انسان کو ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس کی دیکھ بھال اور احتیاط میں حرج ہو، اس کا ناخنوں کے اندر یا اوپر یا اور کہیں لگا رہ جانا، وضو ہونے سے نہیں روکتا۔ اگرچہ وہ چیز جرم دار ہو، اگرچہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچے، اگرچہ سخت چیز ہو، جیسے پکانے گوندھنے والیوں کے لیے آٹا، عورت کے لیے مہندی یا کوئے پلک میں سرمہ، کاجل، اسی طرح بدن کا میل، مٹی، غبار، مکھی، مچھر کی بیٹ۔ (درمختار)

(۴) عورت کے ہاتھ پاؤں پر مہندی کا جِرم (تہہ) لگا رہ گیا اور خبر نہ ہوئی تو وضو و غسل ہو جائے گا۔ ہاں جب معلوم ہو جائے تو چھڑا کر وہاں پانی بہا دے۔ یونہی سرمہ آنکھ کے کوئے یا پلک میں رہ گیا اور خبر نہ ہوئی تو کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۵) کسی کے ماتھے پر افشاں چنی ہو اور اوپر سے پانی بہا دیا یا ہاتھ پاؤں کے ناخنوں پر سرخی کا جِرم (تہہ) موجود ہے اور وضو کر لیا تو وضو نہ ہو گا کہ یہ نہ ضرورت کی چیزیں ہیں اور نہ ان کی نگہداشت اور احتیاط میں کوئی حرج ہے۔ لہٰذا ماتھے کا گوند اور سرخی کا جرم دُور کر کے وضو و غسل کرنا چاہیے۔

وضو کی سنتیں

(۱) نیت کرنا۔

(۲) بسم اللہ سے شروع کرنا۔

(۳) پہلے ہاتھوں کو گٹوں تک تین تین بار دھونا۔

(۴) مسواک کرنا (یہ عورتوں کے لیے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سنت ہے) لیکن اگر وہ نہ کریں تو حرج نہیں۔ ان کے لیے مسی کافی ہے۔ ان کے دانت اور مسوڑھے بہ نسبت مردوں کے کمزور ہوتے ہیں۔ (الملفوظ)

(۵) تین چلو پانی سے تین کلیاں کرنا۔

(۶) تین چلو سے تین بار ناک میں پانی چڑھانا۔

(۷) بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

(۸) ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا۔

(۹) جو اعضاء دھونے کے ہیں ان کو تین تین بار دھونا۔

(۱۰) پورے سر کا ایک بار مسح کرنا۔

(۱۱) ساتھ ہی دونوں کانوں کا اسی پانی سے مسح کرنا۔

(۱۲) ترتیب سے وضو کرنا کہ پہلے منہ پھر ہاتھ دھوئیں، پھر سر کا مسح کریں پھر پاؤں دھوئیں۔

(۱۳) اعضاء کو اس طرح دھونا کہ پہلے والا عضو سوکھنے نہ پائے۔ (عامہ کتب)

وضو کے مستحبات

(۱) قبلہ رو اونچی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا۔

(۲) وضو کا پانی پاک جگہ پر گرانا۔

(۳) پانی بہاتے وقت ہر حصہ پر تر ہاتھ پھیرنا۔

(۴) اپنے ہاتھ سے پانی بھرنا۔

(۵) وضو کرنے میں بغیر ضرورت دوسرے سے مدد نہ لینا۔

(۶) وقت سے پہلے وضو کر لینا۔

(۷) انگوٹھی وغیرہ کو حرکت دینا۔ اگر تنگ ہو تو ہلانا ضروری ہے۔

(۸) اطمینان سے وضو کرنا۔

(۹) دونوں ہاتھوں سے منہ دھونا۔

(۱۰) ہر عضو کو دھوتے وقت نیت وضو حاضر رہنا۔

(۱۱) بسم اللہ اور درود شریف وغیرہ دعائیں پڑھنا۔

(۱۲) گردن کا مسح کرنا۔

(۱۳) وضو سے فارغ ہوتے ہی آسمان کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو کر کلمۂ شہادت اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ پڑھنا۔

(۱۴) وضو کا بچا ہوا تھوڑا پانی پی لینا۔

(۱۵) بغیر ضرورت بدن کو کپڑے سے بالکل خشک نہ کرنا۔ (عامہ کتب)

وضو کرنے کا مسنون طریقہ

پہلے نیت کر کے وضو کرنے، قبلہ رو اونچی جگہ بیٹھیں۔ وضو کا پانی پاک جگہ گرائیں اور وضو کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ پڑھ لیں۔ پھر دونوں ہاتھ پہنچوں تک تین بار دھوئیں اور اس کا خیال رکھیں کہ انگلیوں کی گھائیاں اور کروٹیں پانی بہنے سے نہ رہ جائیں ورنہ وضو نہ ہوگا۔ پھر تین مرتبہ مسواک کریں، پھر تین بار اس طرح کلی کریں کہ منہ کی تمام جڑوں اور دانتوں کی سب کھڑکیوں میں غرض ہر بار منہ کے اندر اور ہر پرزہ پر پانی بہہ جائے اور روزہ نہ ہو تو غرغرہ کریں اور کلی یا غرغرہ داہنے ہاتھ سے پانی لے کر کریں۔ پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی ناک میں ڈال کر ناک صاف کریں اور تین چلو سے تین بار ناک میں پانی چڑھائیں کہ جہاں تک نرم گوشت ہوتا ہے ہر بار اس پر پانی بہہ جائے۔ اور روزہ نہ ہو تو ناک کی جڑ تک پانی پہنچائیں۔ یہ کام داہنے ہاتھ سے کریں۔ پھر منہ دھونے کے لیے دونوں ہاتھوں سے ماتھے کے سرے پر ایسا پھیلا کر پانی ڈالیں کہ اوپر کا بھی کچھ حصہ دھل جائے اور دونوں رُخسار ساتھ ہی ساتھ دھوئیں اور منہ پر پانی لمبائی میں پیشانی کے بالوں کی جڑوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک بہائیں۔ پھر پہلے داہنا پھر بایاں، دونوں ہاتھ کہنیوں تک اس طرح دھوئیں کہ پانی کی دھار ناخنوں سے کہنیوں تک برابر پڑتی چلی جائے اور اس کا خیال رکھیں کہ ایک رونگٹا بھی خشک نہ رہے۔ اگر پانی کسی بال کی جڑ کو تر کرتا ہوا بہہ گیا اور اوپری حصہ خشک رہ گیا تو وضو نہ ہوگا۔ پھر پورے سر کا مسح کریں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کا انگوٹھا اور کلمہ کی انگلی چھوڑ کر ایک ہاتھ کی باقی انگلیوں کا سرا دوسرے ہاتھ کی تینوں انگلیوں کے سرے سے ملائیں اور پیشانی کے بال پر رکھ کر گدی تک اس طرح کھینچتے ہوئے لے جائیں کہ

ہتھیلیاں سر سے جُدا رہیں۔ وہاں سے ہتھیلیوں سے مسح کرتے ہوئے پیشانی تک واپس لائیں اور کلمہ کی انگلی کے پیٹ سے کانوں کے پیٹ کا اور انگوٹھوں کے پیٹ سے کانوں کی پشت کا اور انگلیوں کی پشت سے گردن کا مسح کریں۔ گلے پر ہاتھ نہ لگائیں کہ بدعت ہے۔

پھر تین تین بار پہلے دایاں، پھر بایاں، دونوں پاؤں ٹخنے کے اوپر نصف پنڈلی تک دھوئیں اور دھونے میں ہر بار پانی پاؤں کے ناخنوں کی طرف سے گٹوں کے اوپر تک لائیں کہ سنت یہی ہے اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے کریں۔ وضو کے بعد میانی پر کچھ پانی چھڑک لیں کہ شیطانی وسوسہ کو دور کرتا ہے۔ پھر بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر تھوڑا سا پی لیں کہ شفا بخشتا ہے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کلمۂ شہادت اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ پڑھ لیں۔ (عامہ کتب)

وضو کے مکروہات

(۱) وضو کے لیے ناپاک جگہ بیٹھنا یا ناپاک جگہ وضو کا پانی گرانا۔

(۲) اعضائے وضو سے لوٹے وغیرہ میں پانی ٹپکانا۔

(۳) مسجد کے اندر وضو کرنا۔

(۴) پانی میں تھوکنا، ناک سنکنا اگرچہ دریا یا حوض ہو۔

(۵) قبلہ کی طرف تھوکنا یا کلی کرنا۔

(۶) بے ضرورت دنیا کی بات کرنا۔

(۷) زیادہ پانی خرچ کرنا۔

(۸) اتنا کم پانی خرچ کرنا کہ سنت ادا نہ ہو۔

(۹) چہرہ پر زور سے پانی مارنا۔

(۱۰) ایک ہاتھ سے منہ دھونا کہ یہ ہندوؤں (کافروں) کا طریقہ ہے۔

(۱۱) گلے کا مسح کرنا۔

(۱۲) بائیں ہاتھ سے کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا۔

(۱۳) دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنا۔

(۱۴) تین نئے پانیوں سے تین بار سر کا مسح کرنا۔

(۱۵) دھوپ کے گرم پانی سے وضو کرنا کہ وہ برص (سفید داغ) پیدا کرتا ہے۔

(۱۶) ہونٹ یا آنکھیں زور سے بند کرلینا۔

(۱۷) کسی سنت کو چھوڑ دینا۔

وضو توڑنے والی چیزوں کا بیان

کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ انہیں شریعت مطہرہ نے نواقض وضو قرار دیا ہے۔ یعنی ان میں سے اگر ایک بھی پائی جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ان میں بعض یہ ہیں:

(۱) آگے یا پیچھے کے مقام سے پیشاب پاخانہ وغیرہ کسی نجاست یا کیڑے یا پتھری کا نکلنا یا پیچھے سے ہوا کا خارج ہونا۔

(۲) خون، پیپ یا زرد پانی جب کہ کہیں سے نکل کر ایسی جگہ بہہ کر چلا جائے کہ جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے۔

(۳) آنکھ، کان، ناف، پستان وغیرہا میں دانہ یا ناسور یا کوئی بیماری ہو اور اس وجہ سے جو آنسو یا پانی بہے گا وضو توڑ دے گا۔ دکھتی ہوئی آنکھ سے جو آنسو بہتا ہے اس کا یہی حکم ہے کہ یہ پانی خود بھی نجس ہے۔

(۴) کھانے یا پانی یا صفرا کی منہ بھر قے، یوں ہی جمے ہوئے خون کی منہ بھر قے، اور بہتے ہوئے خون کی قے جب کہ تھوک اس پر غالب نہ ہو، وضو توڑ دیتی ہے۔

(۵) بے ہوشی، غشی، پاگل پن اور اتنا نشہ کہ چلنے میں پاؤں لڑکھڑائیں، وضو توڑ دیتا ہے۔

(۶) بالغ کا قہقہہ یعنی اتنی آواز سے ہنسی کہ آس پاس والے سنیں جب کہ جاگتے میں اور رکوع و سجود والی نماز میں ہو وضو توڑ دیتا ہے۔

(۷) سو جانے سے بھی وضو جاتا رہتا ہے۔ مثلاً لیٹے لیٹے آنکھ لگ گئی یا کسی چیز کے سہارے بیٹھے بیٹھے نیند آگئی کہ اگر وہ چیز نہ ہوتی تو گر پڑتے تو وضو جاتا رہا۔ اور اگر نماز میں بیٹھے بیٹھے یا سجدے میں قصداً سو گئے تو بھی وضو گیا اور نماز بھی گئی۔

(۸) منہ سے خون کا نکلنا بھی جب کہ تھوک پر غالب ہو ناقض وضو ہے۔

(عامہ کتب، بہار شریعت)

وہ صورتیں جن میں وضو نہیں جاتا

(۱) خون یا پیپ یا زرد پانی ابھرا اور بہا نہیں جیسے سوئی کی نوک یا چاقو کا کنارہ لگ جاتا ہے اور خون ابھر آتا ہے۔

(۲) یا اپنی یا پرائی شرمگاہ۔ (پیشاب پاخانہ کی جگہ پر ہاتھ لگایا)

(۳) یا خلال کیا یا مسواک کی یا انگلی سے دانت مانجھے یا دانت سے کوئی چیز کاٹی اس پر خون کا اثر پایا یا ناک میں انگلی ڈالی اس پر خون کی سرخی آگئی مگر وہ خون بہنے کے قابل نہیں۔

(۴) یا ناک صاف کی اس میں سے جما ہوا خون نکلا۔

(۵) کان میں تیل ڈالا تھا اور ایک دن بعد کان یا ناک سے نکلا۔

(۶) جوں، کھٹمل، مچھر یا پسو نے خون چوسا۔

(۷) بلغم کی قے جتنی بھی ہو۔

(۸) بیٹھے بیٹھے جھونکے لیتے رہے یا اونگھتے رہے۔

(۹) یا نماز کے اندر سوتے میں یا نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت میں قہقہہ لگایا۔ تو ان صورتوں میں وضو نہ جائے گا اور آخری صورت میں نماز یا سجدہ فاسد ہے۔ (عامہ کتب)

فائدہ: اپنی یا پرائی شرمگاہ دیکھنے سے وضو جاتا رہتا ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ محض بے اصل بات ہے۔ ہاں عورت کا بلا ضرورت بدن کھلا رکھنا اگرچہ وہ سر ہو یا کلائی یا بازو دوسرے کے سامنے کھولنا حرام ہے۔

وضو کے متفرق مسائل

(۱) خود پانی کا بدن کے حصّوں پر بہہ جانا ضروری ہے۔ اگر ہاتھ یا پاؤں کے پنجے پر پانی ڈالا، کہنیوں اور پاؤں کے گٹوں تک نہ پہنچا تھا کہ بیچ میں ہاتھ لگا کر آخر عضو تک پھیر دیا (جیسا کہ بہت لوگ کرتے ہیں) تو وضو نہ ہوگا کہ یہ بہانا نہ ہوا چپڑنا ہوا اور فرض بہانا تھا۔

(۲) مستحب ہے کہ اعضا دھونے سے پہلے بھیگا ہاتھ پھیر لے کہ پانی جلد دوڑتا ہے اور تھوڑا بہت کا کام دیتا ہے۔ خصوصاً جاڑے میں اس کی زیادہ حاجت ہے کہ اعضا میں خشکی ہوتی ہے۔ بہتی دھار بیچ میں جگہ چھوڑ جاتی ہے جیسا کہ معلوم ہوتا ہے اس ترکیب سے وضو بھی کامل ہوگا اور پانی میں اسراف (فضول خرچی) سے بھی انسان بچا رہے گا۔

(۳) بہت سے لوگ یوں کیا کرتے ہیں کہ ناک یا آنکھ یا بھوؤں پر چلو ڈال کر سارے منہ پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ منہ دھل گیا۔ حالانکہ پانی کا اوپر چڑھنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس طرح دھونے میں منہ نہیں دھلتا اور وضو نہیں ہوتا۔ یونہی چلو میں پانی لے کر کلائی پر الٹ لینا ہرگز کافی نہیں۔

(۴) جو حصّے دھونے کے ہیں، طہارت میں ان میں سے ہر حصّہ کا پورے تین بار دھونا سنت مؤکدہ ہے۔ لہٰذا ہر مرتبہ اس طرح دھوئے کہ عضو کا کوئی حصّہ رہ نہ جائے ورنہ سنت ادا نہ ہوگی اور اس میں چلوؤں کی گنتی نہیں بلکہ پورا عضو دھونے کی گنتی ہے کہ وہ تین مرتبہ ہو اگرچہ کتنے ہی چلوؤں سے۔

(۵) کسی بیماری کی وجہ سے پاؤں کے انگوٹھوں میں اس قدر کھینچ کر تاگا باندھا جاتا ہے کہ پانی کا بہنا تو درکنار، تاگے کے نیچے تر بھی نہیں ہوتا۔ اس سے بچنا لازم ہے۔

(۶) پانی احتیاط سے خرچ کریں۔ بے سبب زیادہ خرچ کرنے سے بچیں۔ بعض لوگ چلو لینے میں پانی ایسا ڈالتے ہیں کہ ابل جاتا ہے حالانکہ جو گرا بے کار ہوگیا۔ اس سے احتیاط چاہیے۔ جس کام کے لیے لیں اس کا اندازہ کر لیں۔ مثلاً ناک میں پانی چڑھانے کے لیے آدھا چلو کافی ہے۔

(۷) لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اگل دینے یا جلدی جلدی تین بار پچ پچ کر لینے سے کلی اور ناک کی پھنک یا نوک سے پانی چھلا لینے سے وضو میں سنت ادا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کی عادت ڈالنا گناہ ہے اور غسل میں ایسا کرنے سے تو غسل ادا ہی نہیں ہوتا کہ فرض رہ جاتا ہے۔

(۸) استنجا کے بعد جو پانی برتن میں بچ رہا ہے پاک ہی ہے۔ اس سے وضو جائز ہے اور اس کا پھینک دینا گناہ و ناجائز ہے۔ یوں ہی وضو کے بعد لوٹے میں جو پانی بچ رہتا ہے وہ دوسرے وضو یا کسی اور کام میں آسکتا ہے۔ لوگ اسے پھینک دیتے ہیں۔ یہ نہ چاہیے کہ اسراف میں داخل ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

ضروری نہایت ضروری

بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہو تو جو پانی وضو یا غسل کرنے میں بدن سے گرا وہ پاک تو ہے مگر اس سے وضو یا غسل جائز نہیں۔ (درمختار)

یوں ہی اگر بے وضو شخص کا ہاتھ یا انگلی یا پورا یا ناخن یا بدن کا کوئی حصّہ جو وضو میں دھویا جاتا ہے۔ اسی طرح جس شخص پر نہانا فرض ہے اس کے جسم کا کوئی حصّہ جو دھلا نہ ہو، پانی میں پڑ جائے یا پانی سے چھو جائے تو وہ پانی مستعمل ہو گیا۔ اس سے وضو یا غسل نہیں ہو سکتا۔ اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ ہے۔ ہاں کپڑے وغیرہ دھونے کے کام آسکتا ہے عورتیں اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ دیں وہ اکثر چھنگلی یا کسی انگلی کی گانٹھ پانی میں ڈال کر دیکھتی ہیں کہ گرم ہے یا نہیں اور اس کا انہیں خیال بھی نہیں ہوتا کہ اب یہ پانی نہ وضو کے قابل رہا نہ غسل کے۔ ہاں ہاتھ دھو کر ڈالیں تو کوئی حرج نہیں۔ یوں ہی اگر ہاتھ دھلا ہوا ہے مگر پھر دھونے کی نیت سے پانی میں ڈالا اور یہ دھونا ثواب کا کام ہو۔ جیسے کھانے کے لیے، وضو کے لیے تو یہ پانی مستعمل ہو گیا۔ یعنی وضو و غسل کے کام کا نہ رہا اور اس کو پینا بھی مکروہ ہے۔ (نورالابصار، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

ایسے پانی کو جو مستعمل ہو گیا اگر وضو یا غسل کے کام میں لانا چاہیں تو اچھا پانی اس

سے زیادہ اس میں ملا دیں۔ یہ سب پانی کام کا ہو جائے گا۔ (درمختار رد المحتار وغیرہ)

وضو کی دعائیں

(۱) کلی کرتے وقت:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔

الٰہی میری مدد فرما، قرآن کی تلاوت اور اپنے ذکر و شکر اور اچھی عبادت پر۔

(۲) ناک میں پانی ڈالتے وقت:

اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَلَا تُرِحْنِیْ رَائِحَۃَ النَّارِ۔

الٰہی مجھے جنت کی خوشبو سونگھا اور جہنم کی بدبو نہ سونگھا۔

(۳) منہ دھوتے وقت:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ۔

الٰہی میرا چہرہ روشن کر جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ۔

(۴) داہنا ہاتھ دھوتے وقت:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

الٰہی میرا نامہ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دینا اور مجھ سے آسان حساب کرنا۔

(۵) بایاں ہاتھ دھوتے وقت:

اَللّٰھُمَّ لَا تُعْطِنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ وَلَا مِنْ وَّرَآءِ ظَھْرِیْ۔

الٰہی میرا نامہ اعمال نہ میرے بائیں ہاتھ میں دینا نہ میری پیٹھ کے پیچھے سے۔

(۶) سر کا مسح کرتے وقت:

اَللّٰھُمَّ اَظِلَّنِیْ تَحْتَ عَرْشِکَ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلَّ عَرْشِکَ

الٰہی تو مجھے اپنے عرش کے سائے میں رکھنا جس دن تیرے عرش کے سائے کے سوا کہیں سایہ نہ ہو گا۔

(۷) کانوں کا مسح کرتے وقت:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔

الٰہی تو مجھے ان لوگوں میں کر دے جو بات سنتے اور اچھی بات پر عمل کرتے ہیں۔

(۸) گردن کا مسح کرتے وقت:

اَللّٰھُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ۔

الٰہی میری گردن آگ سے آزاد کر دے۔

(۹) دایاں پاؤں دھوتے وقت:

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ۔

اے اللہ میرا قدم پل صراط پر ثابت رکھ جس دن اس پر قدم لغزش کریں گے۔

(۱۰) بایاں پاؤں دھوتے وقت:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ ذَنْبِیْ مَغْفُوْرًا وَّسَعْیِیْ مَشْکُوْرًا وَّتِجَارَتِیْ لَنْ تَبُوْرَ۔

اے اللہ میرے گناہوں کو بخش دے اور میری کوشش کو کامیاب بنا اور میری تجارت ہلاک نہ ہو۔

(۱۱) وضو سے فارغ ہوتے ہی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔

اے اللہ تو مجھے توبہ قبول کرنے والوں میں اور پاک لوگوں میں کر دے۔

پھر کھڑے ہو کر اور آسمان کی طرف منہ کر کے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔

تو پاک ہے اے اللہ اور میں تیری حمد کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش چاہتا اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں۔

متفرق مسائل

(۱) جو چیز انسان کے بدن سے نکلے اور وضو نہ توڑے وہ نجس نہیں۔ مثلاً خون کہ بہہ کر نہ نکلے یا تھوڑی قے کہ منہ بھر نہ ہو، پاک ہے۔

(۲) خارش یا پھنسیوں میں جبکہ بہنے والی رطوبت نہ ہو بلکہ صرف چپک ہو۔ کپڑا اس سے بار بار چھو کر اگرچہ کتنا ہی سن جائے، پاک ہے۔

(۳) سوتے میں جو رال منہ سے گرے، اگرچہ پیٹ سے آئے اور بدبودار ہو، پاک ہے۔

(۴) آنکھ دکھنے میں جو آنسو بہتا ہے ناپاک بھی ہے اور ناقض وضو بھی۔ اس سے احتیاط ضروری ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کرتے وغیرہ سے اس آنسو کو پونچھ لیا کرتے ہیں اور اپنے خیال میں اسے آنسوؤں کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ غلطی ہے اور اگر ایسا کیا تو کپڑا ناپاک ہو گیا۔

(۵) شیر خوار بچے (دودھ پیتے) نے دودھ ڈال دیا۔ اگر وہ منہ بھر ہے، نجس ہے۔ درہم سے زیادہ جگہ میں جس چیز کو لگ جائے گا، ناپاک کر دے گا۔ لیکن اگر یہ دودھ معدے سے نہیں آیا بلکہ سینے تک پہنچ کر پلٹ آیا تو پاک ہے۔

(۶) درمیان وضو میں کوئی ایسی بات ہوئی جس سے وضو جاتا رہتا ہے تو نئے سرے سے وضو کرے۔ وہ پہلے دھلے ہوئے بے دھلے ہو گئے۔

(۷) منہ سے اتنا خون نکلا کہ تھوک سرخ ہو گیا تو اگر لوٹے کٹورے یا کسی اور برتن سے منہ لگا کر کلی کے لیے پانی لیا تو لوٹا، کٹورا اور کل پانی نجس ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں چلو میں پانی لے کر کلی کرے اور پھر دھو کر کلی کے لیے پانی لے۔

(۸) اگر درمیان وضو میں کسی عضو کے دھونے میں شک واقع ہوا اور یہ زندگی کا پہلا واقعہ ہے تو اس کو دھو لے اور اگر شک پڑا کرتا ہے تو اس کی طرف دھیان نہ دے۔ یوں ہی اگر وضو کرنے کے بعد شک ہو تو اس کا کچھ خیال نہ کریں۔

(۹) جو باوضو تھا اب اسے شک ہے کہ وضو ہے یا ٹوٹ گیا تو وضو کرنا اسے ضروری نہیں۔ ہاں کر لے تو بہتر ہے اور اگر یہ شبہ بطور وسوسہ کے ہو کہ اکثر پڑتا ہی رہتا ہے تو اسے ہرگز نہ مانے۔ اس صورت میں احتیاط سمجھ کر وضو کرنا احتیاط نہیں بلکہ شیطان لعین کی پیروی ہے۔

(۱۰) میانی میں تری دیکھی مگر یہ نہیں معلوم کہ پانی ہے یا پیشاب تو اگر عمر کا یہ پہلا واقعہ ہے تو وضو کر لے اور اس جگہ کو دھو لے اور اگر بارہا ایسے شبہے پڑتے رہتے ہیں تو اس کی طرف توجہ نہ دے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔

فائدہ: ولہان ایک شیطان کا نام ہے جو وضو میں وسوسے ڈالتا ہے۔ اس کے ہر ایک وسوسے سے بچنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ اعوذ باللہ یا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یا قل اعوذ برب الناس پڑھیں اور وسوسہ کا بالکل خیال نہ کرنا۔ بلکہ اس کے خلاف عمل کرنا، وسوسہ کو دفع کرتا ہے۔

(درمختار، ردالمحتار، بہار شریعت)

غسل کا بیان

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ اگر تم جنب ہو تو خوب پاک ہو جاؤ، یعنی غسل کرو۔

اور فرماتا ہے: حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔ (اے مردو تم عورتوں کے قریب نہ جاؤ) یہاں تک کہ وہ حیض والی عورتیں پاک ہو جائیں۔

چند احادیثِ کریمہ

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

(۱) ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ تو بال دھوؤ اور جلد کو صاف کرو۔
(ابوداؤد و ترمذی)

(۲) جو شخص جنابت کے غسل میں ایک بال کی جگہ بے دھوئے چھوڑ دے گا، اس کے ساتھ آگ سے ایسا ایسا کیا جائے گا۔ (یعنی عذاب دیا جائے گا) (ابوداؤد)

(۳) ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے حیا نہیں فرماتا۔ تو کیا جب عورت کو احتلام ہو تو اس پر نہانا فرض ہے؟ فرمایا ہاں جبکہ پانی (منی) دیکھے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منہ ڈھانپ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے۔ فرمایا: ہاں! ایسا نہ ہو تو کس وجہ سے بچہ ماں کے مشابہ (ملتا جلتا) ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: امہات المومنین کو اللہ عزوجل نے حاضری خدمت سے پہلے بھی احتلام (بدخوابی) سے محفوظ رکھا تھا۔ اس لیے کہ احتلام میں شیطان کا دخل ہوتا ہے اور شیطانی مداخلتوں سے ازواجِ مطہرات (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ و ستھری بیبیاں ہماری مقدس مائیں) پاک ہیں۔ اسی لیے ان کو حضرت ام سلیم کے اس قول کا تعجب ہوا۔
(بہار شریعت)

(۴) فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں تصویر اور کتا اور جنب ہو۔ (ابوداؤد)

(۵) حیض والی اور جنب قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔ (ترمذی)

(۶) ان گھروں کا رُخ مسجد سے پھیر دو کہ میں مسجد کو حیض والی اور جُنُب کے لیے حلال نہیں کرتا۔ (ابوداؤد)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل کے بعد وضو نہ فرماتے۔ (ترمذی شریف وغیرہ)

فقہی احکام

غسل میں تین فرض ہیں:

(۱) **کلی کرنا:** کہ منہ کے ہر پرزے، گوشے، ہونٹ سے حلق کی جڑ تک ہر جگہ پانی بہہ جائے۔ آج کل بہت بے علم یہ سمجھتے ہیں کہ تھوڑا سا پانی منہ میں لے کر اگل دینے کو کلی کہتے ہیں۔ اگرچہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارے تک پانی نہ پہنچے۔ یوں غسل نہیں اترتا۔ نہ اس غسل سے نماز ہو سکے۔ بلکہ فرض ہے کہ ڈاڑھوں کے نیچے گالوں کی تہہ میں، دانتوں کی جڑ اور کھڑکیوں میں اور زبان کی ہر کروٹ میں، حلق کے کنارے تک ہر پرزے پر پانی بہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: دانتوں کی جڑوں یا کھڑکیوں میں کوئی ایسی چیز جمی ہو جو پانی بہنے سے روکے تو اس کا چھڑانا ضروری ہے جبکہ چھڑانے میں ضرر اور حرج نہ ہو۔ جیسے چھالیہ کے دانے، گوشت کے ریزے اور اگر چھڑانے میں ضرر اور حرج ہو جیسے بہت پان کھانے سے دانتوں کی جڑوں میں چونا جم جاتا ہے کہ چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں جم جاتی ہیں اور ان کے چھیلنے میں ضرر کا اندیشہ ہے تو اس قدر کی معافی ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

(۲) **ناک میں پانی ڈالنا:** دونوں نتھوں کا جہاں تک نرم حصہ ہے یعنی سخت ہڈی کے شروع تک اس کا دھونا کہ پانی کو سونگھ کر اوپر چڑھائے۔ بال برابر جگہ بھی دھلنے سے نہ رہ جائے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ ناک کے اندر کثافت (رینٹھ) جم گئی ہے تو اس کا چھُڑانا فرض ہے۔ نیز ناک کے بالوں کا بھی دھونا فرض ہے۔ بلاق کا سوراخ اگر بند نہ ہو تو اس میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔ پھر اگر تنگ ہے تو حرکت دینا ضروری ہے ورنہ نہیں۔
(ردالمحتار، درمختار وغیرہ)

(۳) **تمام ظاہری بدن:** یعنی سر کے بالوں سے پاؤں کے تلوؤں تک جسم کے ہر پرزے، ہر رونگٹے پر پانی بہہ جانا۔ جب تک ایک ایک ذرے پر پانی بہتا ہوا نہ گزرے گا، غسل ہرگز نہ ہوگا۔ (عامہ کتب، بہار شریعت)

غسل کی احتیاطیں

غسل میں دو قسم کی بے احتیاطیاں پائی جاتی ہیں جن میں غسل نہیں ہوتا اور نمازیں برباد ہو جاتی ہیں:

اوّل: پانی کو بعض جگہ تیل کی طرح چپڑ لیتے ہیں یا بھیگا ہاتھ پہنچ جانے پر قناعت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسح ہوا، غسل نہ ہوا۔ غسل میں پانی ہر جگہ بہہ جانا ضروری ہے۔

دوم: اکثر عوام، بلکہ بعض پڑھے لکھے بھی یہ کرتے ہیں کہ سر پر پانی ڈال کر بدن پر ہاتھ پھیر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ غسل ہو گیا۔ حالانکہ بعض جگہیں ایسی ہیں کہ جب تک خاص طور پر احتیاط نہ کی جائے وہ نہیں دھلیں گی اور غسل نہ ہوگا۔ لہٰذا ہم یہاں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ خوب توجہ سے پڑھیں اور ہمیشہ دھیان میں رکھیں کہ بدن کے ہر ذرے پر رونگٹے پر پانی بہانا فرض ہے ورنہ غسل نہ ہوگا۔

وضو میں جن اعضاء کی احتیاط کی جاتی ہے، ان کا لحاظ یہاں بھی ضروری ہے۔ ان کے علاوہ خاص غسل میں احتیاط کی جگہیں یہ ہیں:

(۱) سر کے بال گندھے نہ ہوں تو ہر بال پر جڑ سے نوک تک پانی بہنا ضروری ہے اور گندھے ہوں تو عورت پر صرف جڑ تر کر لینا ضروری ہے۔ کھولنا ضروری نہیں۔ ہاں اگر چوٹی اتنی سخت گندھی ہو کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی تو کھولنا ضروری ہے۔

(۲) کانوں میں بالی وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا وہی حکم ہے جو ناک میں نتھ کے سوراخ کا حکم وضو میں بیان ہوا۔ اسے پھر دیکھ لیں۔

(۳) کان کا ہر پرزہ اور اس کے سوراخ کا منہ، کانوں کے پیچھے بال ہٹا کر پانی بہائیں۔

(۴) ٹھوڑی اور گلے کا جوڑ کہ بے منہ اٹھائے نہ دھلے گا۔

(۵) دو بغلیں کہ بے ہاتھ اٹھائے نہ دھلیں گی۔

(۶) بازو کا ہر پہلو اور پیٹھ کا ہر ذرہ۔

(۷) پیٹ کی بلیٹیں اٹھا کر اور ناف میں انگلی ڈال کر دھوئیں۔

(۸) ران اور پیڑو کا جوڑ اور ران اور پنڈلی کا جوڑ۔

(۹) دونوں سرین ملنے کی جگہ۔

(۱۰) رانوں کی گولائی اور پنڈلیوں کی کروٹیں۔

(۱۱) ڈھلکی ہوئی پستان کو اٹھا کر دھوئیں۔

(۱۲) پستان اور پیٹ کے جوڑ کی جگہ۔

(۱۳) شرمگاہ کا ہر گوشہ، ہر ٹکڑا نیچے اوپر، خیال سے دھویا جائے۔ ہاں اندر انگلی ڈال کر دھونا ضروری نہیں، مستحب ہے۔ یوں ہی حیض و نفاس سے فارغ ہو کر غسل کرتی ہے تو ایک پرانے کپڑے سے اندر سے خون کا اثر صاف کر لینا مستحب ہے، لازمی نہیں۔

(۱۴) ماتھے پر افشاں چنی ہو تو اس کا چھڑانا ضروری ہے۔ یوں ہی بالوں میں اگر اتنا گوند وغیرہ لگا ہے کہ اس کے ہوتے بال اچھی طرح تر نہ ہوں گے تو اس کا چھڑانا بھی ضروری ہے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ (درمختار، ردالمحتار، فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

غسل کی سنتیں

(۱) غسل کی نیت کر کے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ دھوئیں۔

(۲) پھر استنجا کی جگہ دھوئیں خواہ ناپاکی ہو یا نہ ہو۔

(۳) پھر بدن پر جہاں کہیں نجاست ہو اسے دور کریں۔

(۴) پھر نماز کا سا وضو کریں مگر پاؤں نہ دھوئیں۔ ہاں اگر چوکی یا تختے یا پتھر یا پکے فرش پر نہائیں تو پاؤں بھی دھو لیں۔

(۵) پھر بدن پر تیل کی طرح پانی چپڑ لیں خصوصاً جاڑے میں۔

(۶) پھر تین مرتبہ داہنے مونڈھے پر پانی بہائیں۔

(۷) پھر تین مرتبہ بائیں مونڈھے پر۔

(۸) پھر تین بار سر پر اور تمام بدن پر پانی بہائیں اور یہاں سے ہٹ جائیں اور وضو

کرنے میں پاؤں نہیں دھوئے تھے تو اب دھولیں۔

(۹) نہاتے وقت قبلہ کو منہ نہ کریں۔

(۱۰) تمام بدن پر ہاتھ پھیریں اور ملیں۔

(۱۱) ایسی جگہ نہائیں کہ کوئی نہ دیکھے۔ عورتوں کو اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

(۱۲) کسی قسم کی نہ بات چیت کریں نہ کوئی دعا پڑھیں۔

(۱۳) بیٹھ کر نہائیں اور نہانے کے بعد فوراً کپڑے پہن لیں۔

(۱۴) وضو کی سنتیں اور مستحبات کا غسل میں بھی خیال رکھیں۔

(درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

غسل کن چیزوں سے فرض ہوتا ہے

پانچ چیزیں ہیں کہ ان میں سے ایک بھی پائی جائے تو غسل فرض ہو جاتا ہے:

(۱) منی کا اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ (یعنی مستی کی حالت میں) الگ ہو کر شرمگاہ سے نکلنا۔ لہٰذا اگر منی شہوت کے ساتھ اپنی جگہ سے جدا نہ ہوئی بلکہ بوجھ اٹھانے یا بلندی سے گرنے کے سبب نکلی یا پیشاب کے وقت یا ویسے ہی کچھ قطرے بلاشہوت نکل آئے تو ان دونوں صورتوں سے غسل فرض نہیں، البتہ وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۲) **احتلام:** یعنی سوتے سے اٹھے اور بدن یا کپڑے پر تری پائے تو غسل واجب ہے۔ اگرچہ خواب یاد نہ ہو۔ ہاں اگر یقین ہے کہ یہ منی یا مذی نہیں بلکہ پیشاب یا پسینہ ہے یا کچھ اور ہے تو اگرچہ احتلام یاد ہو اور خیال میں انزال (منی نکلنے) کی لذت ہو تو غسل واجب نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر منی نہ ہونے کا یقین ہے اور مذی کا شک ہے تو اگر خواب میں احتلام ہونا یاد نہیں تو غسل نہیں اور یاد ہے تو غسل فرض ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: مرد اور عورت ایک چارپائی پر سوئے اور جاگے تو بستر پر منی پائی گئی، ان میں سے ہر ایک احتلام کا انکار کرتا ہے تو دونوں غسل کریں۔ (ردالمحتار)

فائدہ: شہوت کے وقت شروع شروع میں جو چیز شرمگاہ سے سفید رنگت کی نکلتی ہے اور اس کے نکلنے سے جوش کم نہیں ہوتا بلکہ خواہش اور بڑھ جاتی ہے اسے مذی کہتے ہیں اور شہوت کے بعد جب خوب لذت آتی ہے تو ایک گاڑھی رطوبت شرمگاہ سے نکلتی ہے اسے منی کہتے ہیں۔ منی نکلنے کے بعد شہوت و خواہش ختم ہو جاتی ہے اور جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس سے غسل فرض ہو جاتا ہے۔ مذی نکلنے پر غسل فرض نہیں۔
(ہدایہ، فتح القدیر وغیرہ)

(۳) **حشفہ:** یعنی مرد کی شرمگاہ کا سر عورت کی شرمگاہ میں داخل ہونا شہوت و خواہش ہو یا نہ ہو، انزال ہو یا نہ ہو، دونوں پر غسل فرض کرتا ہے اور اگر ایک بالغ ہو دوسرا نابالغ تو بالغ پر غسل فرض ہے اور نابالغ پر اگرچہ غسل فرض نہیں مگر غسل کا حکم دیا جائے گا۔ (عامہ کتب)

(۴) حیض سے فارغ ہونا۔

(۵) نفاس کا ختم ہونا: ان دونوں کی تفصیل آگے آتی ہے۔

متفرق مسائل

(۱) جس پر چند غسل ہوں سب کی نیت سے ایک غسل کر لیا، سب ادا ہو گئے اور چونکہ غسل کی نیت کی ہے تو سب کا ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

(۲) عورت پر غسل فرض تھا اور ابھی غسل نہیں کیا تھا کہ حیض شروع ہو گیا تو چاہے اب نہا لے یا حیض ختم ہونے کے بعد۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۳) جس پر غسل فرض تھا اسے چاہیے کہ نہانے میں دیر نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں جُنُب (جس پر غسل فرض ہوتا ہے) ہو اس میں رحمت کے

فرشتے نہیں آتے اور اگر اتنی دیر کر چکا کہ نماز کا آخر وقت آگیا تو اب فوراً نہانا فرض ہے اب دیر لگائے گا تو گناہگار ہوگا۔

(۴) جُنُب اگر کھانا کھانا یا عورت سے صحبت کرنا چاہتا ہے تو وضو کرلے یا ہاتھ منہ دھو کر کلی کرلے اور اگر ویسے ہی کھا پی لیا تو گناہ نہیں مگر مکروہ ہے اور محتاجی لاتا ہے اور بے نہائے یا بے وضو کیے جماع کرلیا تو بھی کچھ گناہ نہیں۔ (ردالمحتار)

(۵) رمضان میں اگر رات کو غسل کی حاجت ہوگئی تو بہتر یہی ہے کہ صبح صادق سے پہلے نہالے تاکہ روزے کا ہر حصہ ناپاکی سے خالی ہو اور غسل نہ کیا تو بھی روزے میں کچھ نقصان نہیں مگر مناسب یہ ہے کہ غرغرہ اور ناک میں پانی چڑھانا، یہ دونوں کام فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے کرلے کہ پھر روزے میں نہ ہوسکیں گے اور اگر نہانے میں اتنی دیر لگادی کہ دن نکل آیا اور نماز قضا کردی تو یہ اور دنوں میں بھی گناہ ہے اور رمضان میں اور زیادہ۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۶) جس کو نہانے کی ضرورت ہو اس کو مسجد میں جانا، قرآن مجید چھونا یا بے چھوئے دیکھ کر یا زبانی پڑھنا یا ایسا تعویذ چھونا جس پر آیت لکھی ہوئی ہے، حرام ہے۔ (ردالمحتار)

(۷) قرآن جزدان میں ہو تو جزدان پر ہاتھ لگانے میں حرج نہیں۔ یوں ہی رومال وغیرہ ایسے کپڑے سے پکڑنا جو نہ اپنے جسم پر ہے نہ قرآن پر چڑھا ہوا، تو جائز ہے۔ ہاں کرتے کی آستین، دوپٹے کے آنچل یا جو چادر چڑھی ہوئی ہے، اس کے کونے سے چھونا حرام ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۸) درود شریف اور دعاؤں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ وضو یا کلی کرکے پڑھیں۔

(۹) اذان کا جواب دینا ان سب کو جائز ہے۔ (ردالمحتار)

(۱۰) قرآن کی کوئی آیت اگر دعا کی نیت سے پڑھی جیسے شکر کے موقع پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یا بری خبر سن کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ○ کہا تو کچھ حرج نہیں۔ (ردالمحتار)

(۱۱) جس کا وضو نہ ہو اسے بھی قرآن کریم یا اس کی کسی آیت کا چھونا حرام ہے۔ ہاں

بے چھوئے زبانی یا دیکھ کر پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ (درمختار)

کس پانی سے وضو غسل جائز ہے اور کس سے نہیں

مسئلہ: مینہ، ندی نالے، چشمے، سمندر، دریا، کنوئیں اور برف، اولے کے پانی سے وضو غسل جائز ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: جس پانی میں کوئی چیز مل گئی ہو کہ بول چال میں اسے پانی نہ کہیں بلکہ اس کا کوئی اور نام ہوگیا۔ جیسے شربت یا پانی میں کوئی ایسی چیز ڈال کر پکائیں جس سے مقصود میل کاٹنا نہ ہو، جیسے شوربا، چائے، گلاب یا عرق تو اس سے وضو غسل جائز نہیں۔ (نورالایضاح وغیرہ)

مسئلہ: اگر ایسی چیز ملائیں یا ملا کر پکائیں جس سے مقصود میل کاٹنا ہو جیسے صابن یا بیری کے پتے تو وضو جائز ہے۔ ہاں اگر وہ پانی گاڑھا ہوجائے تو وضو غسل جائز نہیں۔ (درمختار وغیرہ) اور اگر کوئی پاک چیز ملی جس سے پانی کا رنگ یا مزہ یا بو بدل گئی مگر اس کا پتلا پن نہ گیا۔ جیسے ریتا، چونا یا تھوڑی سی زعفران کا رنگ اتنا آجائے کہ کپڑا رنگنے کے قابل ہوجائے تو وضو غسل جائز نہیں۔ یونہی پڑیا کا رنگ۔ (قدوری، درمختار وغیرہ)

مسئلہ: بہتا پانی کہ اس میں تنکا ڈال دیں تو بہالے جائے، پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ نجاست پڑنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ ہاں اگر نجس چیز سے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل گیا تو ناپاک ہوگیا۔ اب یہ پانی اس وقت پاک ہوگا کہ نجاست نیچے بیٹھ جائے اور اس کا رنگ، بُو، مزہ ٹھیک ہوجائیں۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: مینہ برستے میں چھت کے پرنالے سے جو مینہ کا پانی گرے وہ پاک ہے۔ اگرچہ چھت پر جابجا نجاست پڑی ہو۔ جب تک کہ نجاست سے پانی کا کوئی وصف رنگ، مزہ، بو نہ بدلے اور اگر مینہ رک گیا اور پانی کا بہنا موقوف ہوگیا تو اب چھت پر ٹھہرا ہوا پانی اگر چھت سے ٹپکے، ناپاک ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: وہ بڑے حوض جو عموماً مسجدوں میں بنائے جاتے ہیں یا جنگل کے وہ گڑھے اور تالاب جو دہ در دہ ہوں (یعنی جس کی لمبائی چوڑائی سو ہاتھ ہو) ان کا پانی بہتے پانی کے حکم میں ہے۔ نجاست پڑنے سے ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست سے رنگ، یا بو یا مزہ نہ بدلے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: کسی درخت یا پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو و غسل جائز نہیں۔ جیسے کیلے کا پانی یا انگور و انار اور تربوز کا پانی اور گنے کا رس۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: جو پانی گرم ملک میں، گرم موسم میں، سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن میں دھوپ میں گرم ہو گیا تو جب تک گرم ہے اسے کسی طرح استعمال نہ کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر اس سے کپڑا بھیگ گیا تو جب تک ٹھنڈا نہ ہو جائے اس کے پہننے سے بچیں کہ اس پانی کے استعمال میں برص (سفید داغ) کا اندیشہ ہے مگر پھر بھی اگر وضو یا غسل کر لیا تو ہو جائے گا۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: جو پانی وضو یا غسل کرنے میں بدن سے گرا وہ پاک ہے مگر اس سے وضو غسل جائز نہیں۔ (عامہ کتب) وضو یا غسل کرتے وقت پانی کے قطرے لوٹے یا گھڑے میں ٹپکے تو اگر اچھا پانی زیادہ ہے تو یہ وضو اور غسل کے کام کا ہے ورنہ سب بیکار ہو گیا۔

(عامہ کتب)

مسئلہ: نابالغ کا بھرا ہوا پانی شرعاً اس کی ملک ہو جائے گا۔ اسے پینا یا اس سے وضو غسل کرنا یا کسی اور کام میں لانا، اس کے ماں باپ یا جس کا وہ نوکر ہے، اس کے سوا کسی اور کو جائز نہیں۔ اگرچہ وہ اجازت بھی دے دے اور اگر وضو غسل کر لیا تو ہو جائے گا مگر گناہ گار ہو گا۔ یہاں سے استادوں اور استانیوں کو سبق لینا چاہیے۔ وہ اکثر نابالغوں سے نل یا کنوئیں سے پانی بھروا کر اپنے کام میں لایا کرتے ہیں۔ اسی طرح بالغ کا بھرا ہوا پانی بغیر اجازت استعمال کرنا بھی حرام ہے۔

مسئلہ: بچہ نے پانی میں ہاتھ ڈال دیا تو اگر معلوم ہے کہ اس کے ہاتھ پر نجاست

تھی جب تو ظاہر ہے کہ پانی نجس ہو گیا ورنہ نجس نہ ہو گا مگر دوسرے پانی سے وضو کرنا بہتر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

کنویں کا بیان

رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا۔ اور فرماتا ہے: وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ۔ یعنی آسمان سے پانی کا نزول مولیٰ تعالیٰ کا ایک احسانِ عظیم ہے کہ اسی پاک پانی کی بدولت وضو و غسل اور تطہیر نجاسات کی ساری ضرورتیں ہم پوری کرتے ہیں اور ہماری ضروریات زندگی کا تمام تر دارومدار اسی پانی پر ہے۔

پانی کے رہنے یا پائے جانے کی دو جگہ ہیں:

(۱) معدن جیسے جھیل، چشمہ، نہر، ندی، سمندر اور بڑے بڑے حوض، گڑھے اور کنواں۔

(۲) مشک، مٹکے، ٹینکیاں، گھڑے، لگن اور ایسی ہی دوسری چیزیں۔

اور معدن ایسی چیز ہے کہ اس کے اندر کسی ناپاک چیز کے گر جانے سے مطلقاً اگر اس کے ناپاک ہو جانے کا حکم دیا جائے تو انسانیت سسک سسک کر تباہ و برباد ہو جائے یا اس پر ایسی مشقتوں کا بارِ عظیم آپڑے جو اس کی برداشت و تحمل سے باہر ہے۔ ظاہر ہے کہ استعمالی برتنوں یا مشکیزوں کی طرح، پانی کے چشموں یا دریاؤں یا نہروں یا بڑے بڑے حوضوں کا نہ کوئی سرپوش ہے اور نہ اس کا اہتمام کیا جا سکتا ہے کہ جانوروں کے لید، گوبر اور درندوں سے وہ محفوظ رہیں یا کوئی نجاست، کوئی گندگی اس کے پانی کو آلودہ نہ کر سکے۔ اس لیے شریعتِ مطہرہ نے حکم دیا کہ ایسے پانی میں اگر کوئی نجاست وغیرہ پڑ جائے یا وہاں درندے گوبر، لید، پیشاب، پاخانہ کریں یا نہائیں تو وہ نجاست و آلودگی، پانی کی پیدائشی طہارت پر غالب نہیں آسکتی اور وہ پانی علیٰ حالہٖ پاک کا پاک باقی رہتا ہے۔

اس کے برخلاف گھڑے، مٹکے، لگن وغیرہ ایسے برتن جنہیں ناپاک ہو جانے کے

بعد پاک کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ شریعتِ مطہرہ نے ان کے متعلق یہی حکم دیا کہ اگر وہ ناپاک ہو جائیں تو انہیں بطریق معروف پاک وصاف کر لیا جائے اور انہیں کے حکم میں ہیں پانی کی وہ ٹینکیاں یا زیر زمین حوض جن کا عموماً آج کل رواج پڑ گیا ہے کہ اگر وہ اتفاقاً ناپاک ہو جائیں تو انہیں تین مرتبہ دھونے اور ہر بار اسے کپڑے وغیرہ سے خشک کرنے کی زحمت گوارا کی جائے۔

اب باقی رہے کنویں کہ وہ بڑے یا دہ در دہ حوض کے حکم میں نہیں کہ ان کے پانی کو آب جاری قرار دے کر مطلقاً ان کے پاک رہنے کا حکم دے دیا جائے اور نہ وہ ایسی چیزوں میں داخل ہیں جس کا پاک صاف کر لینا، طاقت بشری سے باہر اور ناقابلِ برداشت امر ہو۔ اور نہ اتنا آسان ہی ہے کہ جب چاہیں انہیں پاک کر لیں جس طرح استعمالی برتنوں کو پاک وصاف کر لیا جاتا ہے اور کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ شریعتِ مطہرہ نے انسانی ضرورتوں اور بشری تقاضوں کا لحاظ فرماتے ہوئے کنویں کی طہارت کے کئی طریقے اپنی اپنی اہمیت اور نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے:

(الف) کنویں کا کل پانی نکالا جائے جبکہ:

(۱) کنویں میں آدمی یا کسی جانور کا پیشاب، یا بہتا ہوا خون یا کسی قسم کی شراب کا کوئی قطرہ یا ناپاک لکڑی یا نجس کپڑا یا کوئی اور ناپاک چیز کنویں میں گر جائے۔

(۲) یا جن چوپایوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا، ان کا پاخانہ یا پیشاب یا مرغی اور بط کی بیٹ اس میں پڑ جائے۔

(۳) یا کنویں میں آدمی، بکری یا کتا یا ان سے بڑا یا ان کے برابر کوئی اور جانور جس میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے گر کر مرجائے یا کچا بچہ یا جو بچہ مردہ پیدا ہوا وہ گر جائے یا گر کر مر جائے اگرچہ گرنے سے پہلے مردہ بچہ کو نہلا دیا گیا ہو۔

(۴) یا مرغا، مرغی، بلی، چوہا، چھپکلی یا کوئی اور دموی جانور (جس میں بہتا ہوا خون ہو) اس میں مر کر پھول جائے یا پھٹ جائے یا دو بلیاں مرجائیں، یا سور کنویں میں گر جائے اگرچہ نہ مرے یا اس کی ہڈی گر جائے۔

(۵) یا کافر مردہ اگرچہ سو بار دھویا گیا ہو، کنویں میں گر جائے یا اس کی انگلی یا ناخن پانی

سے لگ جائے۔

(۶) یا چھ چوہے گر کر مرجائیں یا چھپکلی یا چوہے کی دم کٹ کر کنویں میں گر جائے اگرچہ پھولی پھٹی نہ ہو۔

(۷) یونہی جبکہ جوتا یا گیند کنویں میں گر گئی اور نجس ہونا یقینی ہے۔

(۸) یونہی کوئی جانور زندہ نکل آیا مگر اس کا منہ پانی میں پڑا اور اس کا جھوٹا ناپاک یا مشکوک ہے تو ان سب صورتوں میں کنویں کا کل پانی نکالا جائے گا۔

(ب) چالیس سے ساٹھ ڈول تک پانی نکالا جائے جبکہ:

(۱) کنویں میں کبوتر، بلی، مرغی، گر کر مرجائے۔

(۲) یا تین یا چار پانچ چوہے گر کر مرجائیں۔

(۳) یا چھوٹی ہوئی مرغی کوئیں میں گری اور زندہ نکل آئی۔

(ج) بیس سے تیس ڈول پانی نکالا جائے جبکہ:

(۱) چوہا، چھچھوندر، چڑیا، چھپکلی، گرگٹ یا ان کے برابر یا ان سے چھوٹا کوئی دموی جانور کنویں میں گر کر مر گیا اور پھولا پھٹا نہیں یا دو چوہے گر کر مرجائیں یا چوہا پانی میں گرا اور پانی میں اس کا منہ پڑا۔

(د) صرف احتیاطاً تسکین قلب کے لیے بیس ڈول نکالنا مستحب ہے جبکہ:

(۱) جبکہ جوتا یا گیند (یا گلی وغیرہ) کنویں میں گر گئی اور اس کا نجس ہونا یقینی نہیں۔

(۲) سور کے سوا اور کوئی جانور کنویں میں گرا مگر زندہ نکل آیا اور اس کے جسم پر نجاست لگی ہونا یقینی معلوم نہ ہو اور پانی میں اس کا منہ نہ پڑا۔

(۳) یونہی جس کا جھوٹا پاک ہے مثلاً بکری گری اور زندہ نکل آئی۔

(۴) بچے کے نہالچے کا ٹکڑا کنویں میں گر گیا اور اس پر نجاست کا ہونا معلوم نہیں۔

(۵) یونہی بے وضو اور جُنُب (جس پر غسل فرض ہے) اگر بلا ضرورت کنویں میں اتریں اور ان کے بدن پر نجاست نہ لگی ہو۔

(ر) بوجہ ضرورت پانی کی ناپاکی کا حکم نہ دیا جائے گا جبکہ:

(۱) پانی کا جانور یعنی وہ جو پانی میں پیدا ہوتا ہے اگر کنویں میں مرجائے یا مرا ہوا گر

جائے اگرچہ پھولا پھٹا ہو مگر پھٹ کر اس کے اجزا پانی میں مل گئے تو اس کا پینا حرام ہے۔

(۲) یا جن جانوروں میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا جیسے مچھر مکھی وغیرہ، وہ کنویں میں مر جائیں یا مر کر کنویں میں گر جائیں۔

(۳) یا گھڑا یا لٹی ڈول وغیرہ جو برتن زمین پر رکھا جاتا ہے اگر کنویں میں ڈالا جائے یا گر پڑے۔ یونہی لوٹا کہ پاخانے کو لے جاتے اور موضع نجاست سے الگ رکھتے ہیں وہ کنویں میں جا پڑے کنواں ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔

(۴) یا اہل ہنود کنویں میں اپنے لوٹے ڈالیں اور پانی بھریں یا ان پر کھڑے ہو کر نہائیں یا اپنے کپڑے دھوئیں کہ چھینٹے کنویں میں جائیں۔ جب نجاست یقیناً نامعلوم ہو اور صرف اس قدر کہ غالباً ان کے برتن کپڑے ناپاک ہوتے ہیں حکم نجاست کے لیے کافی نہیں۔ ورنہ بازار کی مٹھائی اور دودھ گھی وغیرہ سب حرام و نجس ٹھہریں گے اور یہ حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص۔

ہاں احتیاط اس میں ہے کہ کنویں کو ان کے تصرف سے بچایا جائے بالخصوص مسجد کے کنوئیں کہ ان کے تصرف سے دور رہیں اور اگر عام کنواں ہے جس کی بندش نہیں ہو سکتی اور کفار اور گنوار اس سے پانی بھرتے یا وہاں نہاتے دھوتے ہیں تو یہ محل ضرورت و حرج میں آگیا۔ جبکہ اور کنواں وہاں نہ ہو۔ ورنہ گندوں کا کنواں گندوں پر، گندوں کیلئے چھوڑ دیں۔

(۵) مینگنیاں اور گوبر اور لید اگرچہ ناپاک ہیں مگر خشک یا تر۔ ثابت یا ریزہ ریزہ کنویں میں گر جائیں تو بوجہ ضرورت ان کا قلیل معاف رکھا گیا ہے اور قلیل وہ ہے جسے دیکھنے والا کم کہے۔ کنواں شہر میں ہو یا گاؤں میں۔ اس پر ڈھکنا ہو یا نہ ہو۔ ہاں کثیر ہو تو کنواں ناپاک قرار دیا جائے گا اور اس کا سب پانی نکالا جائے گا۔

(۶) یا اڑنے والے حلال جانور، کبوتر چڑیا کی بیٹ یا شکاری پرند چیل شکرا باز کی بیٹ گر جائے یا چوہے یا چمگادڑ کا پیشاب اس میں پڑ جائے۔

(۷) یا پیشاب کی بہت باریک بُندکیاں مثل سوئی کی نوک کے اور نجس غبار کنویں میں گرنے سے کنواں ناپاک نہ ہوگا اور پانی کی ناپاکی کا حکم نہ دیا جائے گا۔

(درمختار، ردالمحتار، عالمگیری، فتاویٰ رضویہ)

چند اور مسائلِ متعلقہ

(۱) جس کنویں کا پانی ناپاک ہو گیا اس کا ایک قطرہ بھی پاک کنویں میں پڑ جائے تو یہ بھی ناپاک ہو گیا۔ جو حکم اس کا تھا اس کا بھی ہو گیا۔ یونہی ڈول، رسی، گھڑا، جن میں ناپاک کنویں کا پانی لگا تھا وہ بھی ناپاک ہو گئے۔ اگر یہ پاک کنویں میں پڑے تو وہ پاک بھی ناپاک ہو جائے گا۔

(۲) آدمی کا بچہ جو زندہ پیدا ہو حکم میں آدمی کے ہے اور بکری کا چھوٹا بچہ، بکری کے حکم میں ہے اور جو جانور کبوتر سے چھوٹا ہو چوہے کے حکم میں ہے اور جو بکری سے چھوٹا ہو مرغی کے حکم میں ہے۔

(۳) کنویں میں وہ جانور گرا جس کا جھوٹا پاک ہے یا مکروہ۔ اور پانی کچھ نہ نکالا گیا تھا کہ کسی نے وضو و غسل کر لیا تو وضو و غسل ہو جائے گا۔

(۴) جس کی پیدائش پانی میں نہ ہو اور پانی میں رہتا ہو جیسے بط، اس کے مر جانے سے پانی نجس ہو جائے گا۔

(۵) جس کنویں کا پانی نجس ہو گیا اور اس میں سے جتنا پانی نکالنے کا حکم ہے، نکال لیا گیا تو اب وہ ڈول جس سے پانی نکالا ہے پاک ہو گیا دھونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی دیوار دھونے کی حاجت کہ وہ پاک ہو گئی۔

(۶) یہ جو حکم دیا گیا ہے کہ اتنا اتنا پانی نکالیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جو اس میں گری ہے پہلے اسے نکال لیں پھر اتنا پانی نکالیں اور اگر وہ اسی میں پڑی رہی تو کتنا ہی پانی نکالیں بیکار ہے کسی شمار میں نہیں۔ ہاں اگر وہ چیز سڑ گل کر مٹی ہو گئی یا وہ چیز خود نجس نہ تھی بلکہ کسی نجس چیز کے لگنے سے نجس ہو گئی جیسے نجس کپڑا، اور اس کا نکالنا مشکل ہو تو اب فقط پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔

(۷) جس کنویں کا ڈول معین ہو تو اسی کا اعتبار ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اسی سے پانی نکالا جائے اور اگر کوئی خاص ڈول معین نہ ہو تو ایسا تو ہو کہ اس میں ایک صاع (تقریباً

ساڑھے چار سیر) پانی آجائے۔

(۸) کنویں سے مرا ہوا جانور نکلا تو اگر اس کے گرنے مرنے کا وقت معلوم ہو تو اسی وقت سے پانی نجس ہے۔ اس پانی سے اگر کسی نے وضو یا غسل کیا تو نہ وہ وضو وغسل ہوا اور نہ ہی اس سے جو نمازیں پڑھی گئیں وہ نمازیں ہوئیں۔ بلکہ وہ پانی جس برتن یا بدن یا کپڑے کو لگا ان کا پاک کرنا ضروری ہے اور ان سے جو نمازیں پڑھیں ان کا دوبارہ پڑھنا فرض اور اگر وقت معلوم نہیں تو جس وقت دیکھا گیا اسی وقت سے نجس قرار پائے گا۔ اگرچہ پھولا پھٹا ہو۔ اس سے قبل پانی نجس نہیں اور پہلے جو وضو وغسل کیا یا کپڑے دھوئے کچھ حرج نہیں۔ تیسیراً کہ امت مرحومہ مشقت میں نہ پڑے۔ اسی پر عمل ہے۔

(۹) کنویں سے جتنا پانی نکالنا ہے اس میں اختیار ہے کہ ایک دم سے نکالیں یا تھوڑا تھوڑا کرکے۔ دونوں صورتوں میں پاک ہو جائے گا۔ البتہ مقرر حد پوری ہونے ہی پر وہ پانی قابل استعمال ہوگا۔

(۱۰) مرغی کا تازہ انڈا جس پر ہنوز رطوبت لگی ہو پانی میں پڑ جائے تو نجس نہ ہوگا۔

(۱۱) بچہ اگرچہ مسلمان کا ہو اس نے یا کافر نے پانی میں ہاتھ ڈال دیا تو اگر ان کے ہاتھ کا نجس ہونا معلوم ہو جب تو ظاہر ہے کہ پانی نجس ہو گیا ورنہ نجس نہ ہوا مگر دوسرے پانی سے وضو کرنا بہتر ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، عالمگیری وغیرہ)

آدمی اور جانوروں کے جھوٹے کا بیان

مسئلہ: جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے چوپائے ہوں یا پرندے، ان کا جھوٹا پاک ہے جیسے گائے، بیل، بھینس، کبوتر، تیتر وغیرہ یوں ہی گھوڑے کا جھوٹا پاک ہے۔

مسئلہ: جو مرغی چھوٹی پھرتی اور غلیظ پر منہ ڈالتی ہو اس کا جھوٹا مکروہ ہے اور بند رہتی ہو تو پاک ہے۔ یونہی بعض گائیں جن کی عادت غلیظ کھانے کی ہوتی ہے ان کا جھوٹا مکروہ ہے اور اگر ابھی نجاست کھائی اور اسی حالت میں پانی میں منہ ڈال دیا یا بیل، بھینسے، بکرے نے حسب عادت مادہ کا پیشاب سونگھا اور اس سے اس کا منہ ناپاک ہو گیا

اور اسی حالت میں پانی میں منہ ڈال دیا تو ان صورتوں میں پانی ناپاک ہو گیا۔

مسئلہ: سور، کتا، چیتا، بھیڑیا، ہاتھی، گیدڑ اور دوسرے درندوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہے۔

مسئلہ: پانی کے رہنے والے جانور کا جھوٹا پاک ہے خواہ ان کی پیدائش پانی میں ہو یا نہیں۔

مسئلہ: اڑنے والے شکاری جانور جیسے شکرا، باز، بہری، چیل وغیرہ کا جھوٹا مکروہ ہے اور یہی حکم کوے کا ہے۔ یوں ہی گھر میں رہنے والے جانور جیسے بلی، چوہا، چھپکلی کا جھوٹا مکروہ ہے۔

مسئلہ: گدھے، خچر کا جھوٹا مشکوک ہے یعنی اس کے قابل وضو ہونے میں شک ہے۔ لہٰذا اس سے وضو وغسل نہیں ہو سکتا۔ (عامہ کتب)

متفرق مسائل

(۱) کتے نے برتن میں منہ ڈالا تو اگر وہ چینی یا دھات کا ہے یا مٹی کا روغنی یا استعمالی چکنا ہے تو تین بار دھونے سے پاک ہو جائے گا ورنہ ہر بار دھو کر سکھانا ضروری ہے یونہی چینی کے برتن میں بال ہو یا اور برتن میں دراڑ ہو تو تین بار سکھا کر پاک ہوگا۔ فقط دھونے سے پاک نہ ہوگا۔

(۲) معاذ اللہ شراب پی کر فوراً پانی پیا تو پانی نجس ہو گیا۔ اسی طرح شراب خور کی مونچھیں بڑی ہوں کہ شراب مونچھوں میں لگی تو جب تک ان کو پاک نہ کرے جو پانی پئے گا وہ پانی اور برتن دونوں ناپاک ہو جائیں گے۔

(۳) بلی نے چوہا کھایا، اور فوراً برتن میں منہ ڈال دیا تو برتن ناپاک ہو گیا اور اگر زبان سے منہ چاٹ لیا کہ خون کا اثر جاتا رہا تو ناپاک نہیں۔

(۴) جو جھوٹا پانی پاک ہے اس سے وضو وغسل جائز ہیں مگر جُنُب نے بغیر کلی کیے پانی

پیا تو اس جھوٹے پانی سے وضو ناجائز ہے کہ مستعمل ہو گیا۔

(۵) اچھا پانی ہوتے ہوئے مکروہ پانی سے وضو و غسل مکروہ ہے اور اگر اچھا پانی موجود نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

(۶) اچھا پانی ہوتے ہوئے مشکوک سے وضو و غسل جائز نہیں اور اگر اچھا پانی نہ ہو تو اسی سے وضو غسل کر لے اور تیمم بھی ورنہ نماز نہ ہو گی۔

(۷) مشکوک پانی اچھے پانی میں مل گیا تو اگر اچھا زیادہ ہے تو اس سے وضو ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۸) مٹکے کو کتے نے اوپر سے چاٹ لیا تو اس کا پانی ناپاک نہ ہو گا۔

(۹) مشکوک جھوٹے کو کھانا پینا نہیں چاہیے۔

(۱۰) جس کا جھوٹا ناپاک ہے، اس کا پسینہ اور لعاب بھی ناپاک ہے اور جس کا جھوٹا پاک ہے اس کا پسینہ اور لعاب بھی پاک ہے اور جس کا جھوٹا مکروہ اس کا لعاب اور پسینہ بھی مکروہ ہے۔

(۱۱) گدھے، خچر کا پسینہ اگر کپڑے میں لگ جائے کپڑا پاک ہے چاہے کتنا ہی زیادہ لگا ہو۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

تیمم کا بیان

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ۔

یعنی اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں کا کوئی پاخانے سے آیا یا عورتوں سے صحبت کی اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔

چند احادیثِ کریمہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) منجملہ ان باتوں کے جن سے ہم کو لوگوں پر فضیلت دی گئی یہ تین باتیں ہیں: ۱۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی مثل کی گئیں اور ۲۔ ہمارے لیے تمام زمین مسجد کر دی گئی اور ۳۔ جب ہم پانی نہ پائیں تو زمین کی خاک ہمارے لیے پاک کرنے والی بنائی گئی۔ (مسلم شریف)

(۲) پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ دس برس پانی نہ پائے اور جب پانی پائے تو اپنے بدن کو پہنچائے (وضو و غسل کرے) کہ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخص سفر میں گئے اور نماز کا وقت آ گیا مگر ان کے پاس پانی نہ تھا۔ مجبوراً پاک مٹی پر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر وقت کے اندر پانی مل گیا ان میں سے ایک صاحب نے وضو کر کے اپنی نماز دہرالی مگر دوسرے نے نہ دہرائی، پھر جب خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس کا ذکر کیا تو جس نے نماز دہرائی نہ تھی اس سے فرمایا تو سنت کو پہنچا اور تیری نماز ہو گئی اور جس نے وضو کر کے نماز دہرائی تھی اس سے فرمایا تجھے دونا ثواب ہے۔ (ابوداؤد)

فقہی احکام

جس کا وضو نہ ہو یا اسے نہانے کی ضرورت ہو اور پانی پر قدرت نہ ہو یعنی استعمال نہ کر سکتا ہو تو وضو و غسل کی جگہ تیمم کرے اور پانی پر قدرت نہ ہونے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) ایسی بیماری کہ وضو و غسل سے اس کے زیادہ ہونے یا دیر میں اچھا ہونے کا صحیح اندیشہ ہو۔ خواہ یوں کہ اس نے خود آزمایا ہو کہ جب وضو یا غسل کرتا ہے تو بیماری بڑھتی

ہے یا یوں کہ کسی اچھے لائق حکیم نے جو ظاہراً فاسق نہ ہو کہہ دیا ہو کہ پانی نقصان پہنچائے گا لہٰذا محض خیال ہی خیال بیماری بڑھنے کا ہو یا کسی کافر یا فاسق یا معمولی حکیم نے کہہ دیا ہو کہ پانی نقصان پہنچائے گا تو اس کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا تیمم کرنا جائز نہ ہو گا۔

(۲) چاروں طرف ایک ایک میل پانی کا پتہ نہیں۔

(۳) اتنی سردی ہو کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو، اور لحاف وغیرہ کوئی ایسی چیز اس کے پاس نہیں جسے نہانے کے بعد اوڑھے نہ آگ ہے جس سے تاپ سکے۔

(۴) یہ جنگل میں ہے اور ڈول رسی نہیں کہ پانی بھرے۔

(۵) درندے یا دشمن کا خوف یا کسی موذی کا صحیح اندیشہ ہو۔

(۶) پیاس کا خوف کہ اگر وضو یا غسل کر لیا تو وہ خود یا اس کا ساتھی پیاسا رہ جائے گا اور پانی کا دور تک پتہ نہیں۔

(۷) پانی کا گراں (مہنگا) ہونا یعنی جو قیمت ہونی چاہیے اس سے دونا مانگتا ہے۔

(۸) یہ گمان کہ پانی تلاش کرنے میں ساتھی بچھڑ جائیں گے یا ریل چھوٹ جائے گی۔

(۹) یہ گمان کہ وضو یا غسل کرنے میں عیدین کی نماز جاتی رہے گی۔

(۱۰) جو شخص میت کا ولی نہیں اسے نماز جنازہ فوت ہو جانے کا خوف ہو۔

(عامہ کتب، بہار شریعت)

متفرق مسائل

(۱) بیماری میں اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہے اور گرم پانی نقصان نہ کرے تو گرم پانی سے وضو و غسل ضروری ہے، تیمم جائز نہیں۔ ہاں اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمم کر لے۔ (عالمگیری)

(۲) اگر سر پر پانی ڈالنا نقصان کرتا ہے تو گلے سے نہائے اور پورے سر کا مسح کرے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۳) ساتھ میں زمزم شریف ہے اور اتنا ہے کہ وضو ہو جائے گا تو تیمم جائز نہیں۔

(درمختار وغیرہ)

(۴) بدن یا کپڑے پر اتنی نجاست ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے نماز نہیں ہو سکتی اور پانی صرف اتنا ہے کہ چاہے وضو کر لے یا اس کو پاک کر لے تو حکم ہے کہ پہلے اسے پاک کرے پھر تیمم کرے۔ (ردالمحتار)

(۵) وقت اتنا تنگ آگیا کہ وضو یا غسل کرے گی تو نماز قضا ہو جائے گی تو چاہیے کہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر وضو یا غسل کر کے نماز کو دہرائے۔

(فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

(۶) عورت حیض یا نفاس سے پاک ہوئی اور پانی پر قادر نہیں تو تیمم کرے۔

(ردالمحتار)

(۷) اگر کوئی ایسی جگہ ہے کہ نہ پانی ملتا ہے نہ پاک مٹی کہ تیمم کرے تو اسے چاہیے کہ وقت نماز میں، نمازی کی سی صورت بنائے یعنی نماز کی نیت کیے بغیر نماز کے تمام حرکات بجالائے۔

(۸) وضو اور غسل دونوں کا تیمم ایک ہی طرح ہے۔ (عامہ کتب)

(۹) نماز اس تیمم سے جائز ہوگی جو پاک ہونے کی نیت یا کسی ایسی عبادت کے لیے کیا گیا ہو جو بلا طہارت جائز نہیں تو اگر مسجد میں جانے یا قرآن مجید چھونے یا زیارت قبر یا میت کو دفن کرنے کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز جائز نہیں۔ بلکہ جس کے لیے کیا گیا اس کے سوا کوئی عبادت بھی جائز نہیں۔

(۱۰) جس پر غسل فرض ہے اسے پانی نہ ملا اور قرآن مجید پڑھنے کے لیے اس نے تیمم کیا تو اس سے نماز پڑھ سکتا ہے اور سجدۂ شکر کی نیت سے جو تیمم کیا اس سے نماز نہ ہو گی۔ (مراقی الفلاح)

جس پر نہانا فرض ہے اسے یہ ضروری نہیں کہ وضو اور غسل دونوں کے لیے دو تیمم کرے بلکہ ایک ہی میں دونوں کی نیت کرے دونوں ہو جائیں گے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

تیمم کا مسنون طریقہ

مسئلہ: تیمم میں تین فرض ہیں:

۱- **نیت:** تو اگر کسی نے ہاتھ مٹی پہ مار کر منہ اور ہاتھوں پر پھیر لیا اور نیت نہ کی تو تیمم نہ ہوگا۔

۲- **سارے منہ پر ہاتھ پھیرنا:** اس طرح کہ کوئی حصہ باقی نہ رہ جائے اگر بال برابر بھی کوئی جگہ رہ گئی تو تیمم نہ ہوگا۔

۳- **دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا:** اس میں یہ بھی خیال رہے کہ ذرہ برابر جگہ باقی نہ رہ جائے ورنہ تیمم نہ ہوگا۔ (عامہ کتب)

تیمم کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نیت کرکے بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھ زمین یا مٹی یا اور کسی ایسی چیز پر جس پر مٹی یا غبار ہو مارے۔ انگلیاں کھلی رکھے اور پھر ہاتھوں کو جھاڑ لے اس طرح کہ ایک ہاتھ کے انگوٹھے کی جڑ کو دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے کی جڑ پر مارے نہ اس طرح کہ تالی کی سی آواز نکلے اور پھر دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے پھر دوبارہ یوں ہی کرے اور پہلے داہنے ہاتھ کا مسح کرے پھر بائیں ہاتھ کا۔ اس طرح کہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے علاوہ چار انگلیوں کا پیٹ داہنے ہاتھ کی پشت پر رکھے اور انگلیوں کے سرے سے کہنیوں تک لے جائے اور پھر وہاں سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کے پیٹ کو چھوتی ہوئی گٹے تک لائے اور بائیں انگوٹھے کے پیٹ سے داہنے انگوٹھے کی پشت کا مسح کرے۔ یوں ہی داہنے ہاتھ سے بائیں کا مسح کرے۔ (عامہ کتب)

کچھ اور مسائل

(۱) عورت ناک میں پھول پہنے ہو تو نکال لے ورنہ پھول کی جگہ باقی رہ جائے گی اور

نتھ پہنے ہو جب بھی خیال رکھے کہ نتھ کی وجہ سے کوئی جگہ باقی تو نہیں رہی۔

(۲) انگوٹھی، چھلے پہنے ہو تو انہیں اتار کر ان کے نیچے ہاتھ پھیرنا فرض ہے۔ عورتوں کو اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ کنگن چوڑیاں جتنے زیور ہاتھ میں پہنے ہو سب کو ہٹا کر یا اتار کر جلد کے ہر حصہ پر ہاتھ پہنچائے۔ اس کی احتیاط وضو سے بڑھ کر ہے۔

(۳) تیمم میں سر اور پاؤں کا مسح نہیں۔

(۴) ایک ہی مرتبہ ہاتھ مار کر منہ اور ہاتھ پر پھیر لیا یا ایک یا دو انگلیوں سے مسح کیا اگرچہ تمام عضو پر ان کو پھیر لیا ہو تو تیمم نہ ہوا۔

(۵) تیمم اسی چیز سے ہو سکتا ہے جو زمین کی جنس سے ہو۔ جو چیز آگ سے جل کر نہ راکھ ہوتی ہے نہ پگھلتی ہے نہ نرم ہوتی ہے۔ وہ جنس زمین سے ہے جیسے ریتا، چونا، ہڑتال گیرو وغیرہ۔

(۶) گیہوں جو وغیرہ غلہ اور لکڑی، شیشے وغیرہ پر اتنا غبار ہو کہ ہاتھ میں لگ جاتا ہو تو اس غبار سے تیمم جائز ہے اور ہاتھ میں نہ لگتا ہو تو نہیں، گچ کی دیوار پر بھی تیمم جائز ہے۔

(۷) جس جگہ سے ایک نے تیمم کیا دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ مسجد کی دیوار یا زمین سے تیمم ناجائز یا مکروہ ہے، غلط ہے۔

(۸) جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے یا غسل واجب ہوتا ہے ان سے تیمم بھی جاتا رہے گا اور علاوہ ان کے پانی پر قادر ہونے سے بھی تیمم ٹوٹ جائے گا۔

(۹) جس حالت میں تیمم ناجائز ہے اگر وہ تیمم کے بعد پائی گئی تو تیمم ٹوٹ گیا جیسے تیمم والے کا ایسی جگہ گزر ہوا کہ وہاں سے ایک میل کے اندر پانی ہے تو تیمم جاتا رہا۔ یہ ضروری نہیں کہ پانی کے پاس پہنچ جائے۔

(۱۰) مریض نے غسل کا تیمم کیا تھا اور اب اتنا تندرست ہو گیا کہ غسل سے نقصان نہیں پہنچے گا تو تیمم جاتا رہا۔

(۱۱) پانی پر گزرا اور تیمم یاد نہیں جب بھی تیمم جاتا رہا۔

(عالمگیری، ردالمحتار، بہار شریعت)

موزوں پر مسح کا بیان

وضو کا تمام تر دارومدار بدن کے ان ظاہری اعضاء کے دھونے اور سر پر مسح کر لینے پر ہے جو زندگی کے میدان میں، شب و روز تگ و دو، سعی پیہم اور متواتر کوشش سے جلد جلد غبار آلود ہو جاتے ہیں اور جن پر پانی بہانے سے دل میں ایک نیا ولولہ، نئی امنگ اور نئے جوش و خروش کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ البتہ پیروں کا معاملہ اپنے اندر کچھ نئی حکمت عملی کا تقاضا کرتا ہے۔ سردیوں اور بالخصوص ریگستانی سردیوں، خصوصاً برف پوش چٹانوں کے اردگرد وادیوں اور نشیبی علاقوں کی سردیوں کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ خشک اور بدن کو ٹھٹھرا دینے والی ٹھنڈی ہواؤں کے تیز و تند جھونکے، چاردیواریوں سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتے، پانی بدن کو کاٹنے دوڑتا ہے۔ پھر بھی ہاتھ منہ پر اسے ڈالنا گوارا کرنا ہی پڑتا ہے لیکن پاؤں جو موزوں کی دبیز تہہ میں چھپے ہوئے ہیں، انہیں موزوں سے باہر نکالنا، خود کو بڑی مشقت میں ڈالنا ہے۔ خصوصاً جبکہ آدمی وطن و آبادی سے دور جنگل و بیابان صحرا میں، مصروفِ سفر ہو کہ پانی کا وافر مقدار میں فراہم ہو جانا میسر بھی آ جائے تو موزوں کو اتار کر اسے دھو لینا اتنا آسان نہیں جتنا شہروں اور آبادیوں میں ہوتا ہے، چہ جائیکہ دن میں پانچ بار اس عمل کو جاری رکھنا۔ اس لیے شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیۃ نے موزے پہننے کی حالت میں ان کا دھونا ساقط کر دیا اور چند شرائط کے ساتھ مشروط، اور چند قیود کے ساتھ مقید کر کے اسے آبادیوں، بستیوں، ویرانوں، صحراؤں، پہاڑوں، وادیوں میں رہنے اور بسنے والے ہر مرد و عورت کے لیے عام کر دیا۔ یونہی گرمیوں سردیوں ہر موسم کے لیے اس میں تعمیم کر دی اور شرائط و قیود سے اسے اس لیے مشروط و مقید کر دیا کہ جہاں آسانی دی گئی ہے وہاں عبادت مطلوبہ کی ادائیگی میں مسلمان، مطلق العنان اور تن آسانیوں کا دلدادہ نہ بن جائے۔ لہٰذا شرعِ مطہر نے موزوں پر مسح کرنے کی رخصت تو دی لیکن تین باتیں اس کے ساتھ مقرر فرما دیں۔

(۱) مقیم و مسافر کے لیے علیحدہ علیحدہ مدت مقرر کی۔ اس لیے کہ مقیم کو بمقابلہ مسافر بہت سی آسانیاں میسر ہیں۔

(۲) موزوں کو بہ حالت طہارت پہنا جائے تاکہ طہارت کا خیال دل میں جاگزیں رہے۔

(۳) مسح موزوں کے اوپر کیا جائے تاکہ پیروں کا دھونا انہیں یاد رہے اور دینی امور میں اپنے خیالی گھوڑے دوڑانے کا انہیں دھیان بھی نہ آئے کہ علم و فقہ کے بغیر قیاس آرائیاں، علم و حقیقت سے دور لے جاتی اور عوام الناس کو گمراہی و ضلالت کا شکار بنا دیتی ہیں۔ اسی لیے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں ”اگر دین اپنی رائے سے ہوتا تو موزوں کا تلا، بہ نسبت اوپر کے مسح میں بہتر ہوتا۔“ (ابوداؤد)

مسح سے متعلق چند احادیث کریمہ

(۱) امام احمد و ابوداؤد نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔ میں نے عرض کیا ”یارسول اللہ حضور بھول گئے۔“ فرمایا ”بلکہ تُو بھولا، میرے رب عزوجل نے اسی کا حکم دیا۔“

(۲) دار قطنی نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کو تین دن تین راتیں اور مقیم کو ایک دن رات، موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی۔

(۳) ترمذی و نسائی صفوان بن عسّال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہے کہ ”ہم مسافر ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے کہ تین دن تین رات، ہم موزے نہ اتاریں مگر بوجہ جنابت کے ولیکن پاخانہ و پیشاب اور سونے کے بعد نہیں۔“

(۴) ابوداؤد و ترمذی نے روایت کی کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ موزوں کی پشت پر مسح فرماتے۔

(۵) ابوداؤد نے روایت کی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دین میں عقل کو دخل ہوتا تو موزوں کے تلووں پر مسح کرنا، اوپر کے مسح کرنے سے زیادہ مناسب ہوتا۔ (کہ زمین پر چلتے وقت، موزوں کے تلوں کا ملوث ہونا غالب و ظاہر ہے)

"اقوالِ ائمۂ ملت"

موزوں پر مسح کے جواز میں بکثرت حدیثیں آئی ہیں جو قریب قریب تواتر کے ہیں اسی لیے امام کرخی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "جو اسے جائز نہ جانے اس کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے۔"

امام شیخ الاسلام فرماتے ہیں "جو اسے جائز نہ مانے گمراہ ہے۔"

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اہل سنت و جماعت کی علامت دریافت کی گئی تو فرمایا: تَفْضِیلُ الشَّیْخَیْنِ وَحُبُّ الْخَتْنَیْنِ وَمَسْحُ الْخُفَّیْنِ۔ یعنی:

(۱) امیر المومنین ابوبکر صدیق و امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام صحابہ سے بزرگ جاننا۔

(۲) امیر المومنین عثمان غنی و امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھنا۔

(۳) موزوں پر مسح کرنا۔

اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلسنّت و جماعت کی علامات میں سے، ان تین باتوں کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ حضرت کوفہ میں تشریف فرما تھے اور وہاں رافضیوں کی کثرت تھی تو وہی علامات ارشاد فرمائیں جو ان کا رد ہیں تاکہ سنی مسلمان کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں وہی مسلمان ہیں، ان سے اپنے عقیدہ و مذہب میں ممتاز رہیں اور اپنے اس عقیدہ و مذہب سے غفلت نہ برتیں۔

اس کا مقصود یہ ہرگز نہیں کہ یہی تین باتیں سنی ہونے کے لیے کافی و وافی ہیں۔ علامت شے میں پائی جاتی ہے کہ اس سے اس کی شناخت ہو جاتی ہے لیکن شے لازمِ

علامت نہیں ہوتی کہ جہاں وہ علامت پائی جاتی ہے وہ شے بھی یقینی پائی جائے اور جہاں یہ علامت نہ ہو وہ شے بھی نہ پائی جائے۔ مثلاً صحیح حدیث شریف میں وہابیہ کی علامت بیان فرمائی۔ سِیْمَاھُمُ التَّحْلِیْقُ ان کی علامت سر منڈانا ہے۔ نیز فرمایا: مُشَمِّرِی الْاُزُرِ گھٹنوں تک ازاروں والے اب دیکھ لیجئے کہ پائنچے اونچے رکھنے میں وہابیہ کو کتنا غلو ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جس کے پائنچے زیادہ اونچے ہوں وہ وہابی ہو۔ اور کہا جاتا ہے کہ وہابیہ کے پیشوا ابن عبدالوہاب نجدی کو سر منڈانے میں اتنا غلو تھا کہ کوئی عورت اس کے ناپاک دین میں داخل ہوتی اس کا بھی سر منڈا دیتا کہ "یہ زمانۂ کفر کے بال ہیں، انہیں دور کر۔" یہاں تک کہ ایک عورت نے کہا کہ جو مرد تمہارے دین میں آتے ہیں ان کی داڑھیاں منڈوا دیا کرو کہ وہ بھی تو زمانۂ کفر کے بال ہیں۔" اس وقت سے باز آیا۔

غرض حدیث کے یہ معنی نہیں کہ جو سر منڈائے وہ وہابی ہو۔ غرض صرف اتنی ہے کہ وہابیہ کو اس میں بڑا غلو ہوتا ہے۔ جیسا روافض کو ان تین باتوں کے انکار میں غلو ہے جسے اہل سنت و جماعت کی علامت بیان فرمایا گیا۔ سچ ہے کلام الامام، امام الکلام۔ بڑوں کی بات بڑی ہوتی ہے اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اس کے جواز پر کچھ خدشہ نہیں کہ اس میں چالیس صحابہ سے مجھ کو حدیثیں پہنچی ہیں۔

غرض جو شخص موزہ پہنے ہوئے ہے وہ اگر وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے موزوں پر مسح کرے تو یہ جائز ہے۔ اور بہتر پاؤں دھونا ہے بشرطیکہ مسح جائز سمجھے۔

مسائلِ ضروریہ

(۱) جس پر غسل فرض ہے وہ موزوں پر مسح نہیں کر سکتا۔

(۲) عورتیں بھی مسح کر سکتی ہیں۔

(۳) مسح کرنے کے لیے چند شرائط ہیں:

(الف) موزے ایسے ہوں کہ ٹخنے چھپ جائیں اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں اور اگر دو ایک انگل کم ہو جب بھی مسح درست ہے۔ البتہ ایڑی نہ کھلی ہو۔

(ب) موزہ پاؤں سے چپٹا ہو کہ اس کو پہن کو آسانی کے ساتھ خوب چل پھر سکیں۔

(ج) موزے چمڑے کے ہوں، یا صرف تلا چمڑے کا اور باقی کسی اور دبیز چیز کا۔ جیسے کرمچ وغیرہ لہٰذا عموماً جو سوتی یا اونی موزے پہنے جاتے ہیں، ان پر مسح جائز نہیں۔ ان کو اتار کر پاؤں دھونا فرض ہے۔

(د) وضو کر کے پہنا ہو یعنی موزے پہننے کے بعد اور حدث سے پہلے ایک ایسا وقت ہو کہ اس وقت وہ شخص باوضو ہو خواہ پورا وضو کر کے پہنے یا صرف پاؤں دھو کر پہنے بعد میں وضو پورا کر لیا۔

(ر) نہ حالتِ جنابت میں پہنا ہو اور نہ بعد پہننے کے جنب ہوا ہو۔

(س) مدت کے اندر ہو اور اس کی مدت مقیم کے لیے ایک دن رات ہے اور مسافر کے واسطے تین دن اور تین راتیں۔

(ص) کوئی موزہ، پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں کے برابر نہ پھٹا ہو۔ یعنی چلتے میں تین انگل بدن ظاہر نہ ہوتا ہو اور اگر تین انگل پھٹا ہو اور بدن تین انگل سے کم دکھائی دیتا ہے تو مسح جائز ہے۔

(۴) موزہ پہننے کے بعد پہلی مرتبہ جو حدث ہوا اس وقت سے اس کا شمار ہے۔ مثلاً صبح کے وقت موزہ پہنا اور ظہر کے وقت پہلی بار حدث ہوا تو مقیم دوسرے دن کی ظہر تک مسح کرے اور مسافر چوتھے دن کی ظہر تک کہ تین دن پورے ہو جائیں گے۔

(۵) اگر دونوں موزے تین تین انگل سے کم پھٹے ہوں اور مجموعہ تین انگل یا زیادہ ہے تب بھی مسح کر سکتا ہے۔ سلائی کھل جائے جب بھی یہی حکم ہے کہ ہر ایک میں تین انگل سے کم ہو تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔

(۶) موزہ پھٹ گیا یا سیون کھل گئی اور ویسے پہنے رہنے کی حالت میں، تین انگل پاؤں ظاہر نہیں ہوتا مگر چلنے میں تین انگل دکھائی دے تو اس پر مسح جائز نہیں اور ایسی جگہ سے پھٹا یا اس کی سلائی کھل گئی کہ وہاں سے خود انگلیاں دکھائی دیں تو چھوٹی بڑی کا

اعتبار نہیں بلکہ تین انگلیاں ظاہر ہوں تو اب مسح کرنے کی اجازت نہیں۔

(۷) ایک موزہ چند جگہ سے کم سے کم اتنا پھٹ گیا ہو کہ اس میں سُتالی جا سکے اور ان سب کا مجموعہ تین انگل سے کم ہے تو مسح جائز ہے ورنہ نہیں۔ ہاں ٹخنے سے اوپر کتنا ہی پھٹا ہو اس کا اعتبار نہیں۔

(۸) مسح میں فرض دو ہیں: ۱۔ ہر موزہ کا مسح ہاتھ کی تین انگلیوں کے برابر ہونا۔ ۲۔ موزہ کی پیٹھ پر ہونا۔ لہٰذا اگر ایک پاؤں کا مسح بقدر دو انگل کے کیا اور دوسرے کا چار انگل تو مسح نہ ہوا۔ یونہی اگر موزے کے تلے یا کروٹوں یا ٹخنے یا پنڈلی یا ایڑی پر کیا، تو مسح نہ ہوا۔

(۹) پوری تین انگلیوں کے پیٹ سے مسح کرنا اور پنڈلی تک کھینچنا اور مسح کرتے وقت انگلیاں کھلی رکھنا، مسح میں سنت ہے۔

(۱۰) انگلیوں کی پشت سے مسح کیا، یا پنڈلی کی طرف سے انگلیوں کی طرف کھینچا، یا موزے کی چوڑائی کا مسح کیا، یا انگلیاں ملی ہوئی رکھیں یا ہتھیلی سے مسح کیا تو ان سب صورتوں میں مسح ہو گیا مگر خلافِ سُنّت ہوا۔

(۱۱) اگر ایک ہی انگلی سے تین بار نئے پانی سے ہر مرتبہ انگلی تر کر کے تین جگہ مسح کیا، جب بھی ہو گیا، مگر سنت ادا نہ ہوئی اور اگر ایک ہی جگہ مسح ہر بار کیا، یا ہر بار تر نہ کیا، تو مسح نہ ہوا۔

(۱۲) انگلیوں کی نوک سے مسح کیا تو اگر ان میں اتنا پانی تھا کہ تین انگلیوں کی مقدار تک برابر ٹپکتا رہا تو مسح ہوا، ورنہ نہیں۔

(۱۳) مسح میں نہ نیت ضروری ہے نہ تین بار مسح کرنا سنت، ایک بار کر لینا کافی ہے۔

(۱۴) مسح میں انگلیوں کا تر ہونا ضروری ہے اور ہاتھ دھونے کے بعد جو تری باقی رہ گئی اس سے مسح کر لیا، تو مسح ہو گیا۔ ہاں سر کا مسح کیا اور ہنوز ہاتھ میں تری باقی ہے تو یہ تری کافی نہیں بلکہ پھر نئے سرے سے نئے پانی سے ہاتھ تر کرے اور مسح کرے۔ اس میں کچھ حصہ ہتھیلی کا بھی شامل ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

(۱۵) موزے پر پائتابہ پہنا اور اس پائتابہ پر مسح کیا تو اگر نیچے موزے تک تری پہنچ

گئی، مسح ہو گیا ورنہ نہیں۔ اور پہلی صورت میں پائتابے اتارنے سے مسح نہ جائے گا۔

(۱۶) موزے پہن کر شبنم میں چلا، یا اس پر پانی گر گیا، یا بارش کی بوندیں پڑیں اور جس جگہ مسح کیا جاتا ہے بقدر تین انگل کے تر ہو گیا تو مسح ہو گیا۔ اب موزوں پر ہاتھ پھیرنے کی بھی حاجت نہیں۔

(۱۷) انگریزی بوٹ جوتے کہ عموماً فوجیوں کے استعمال میں آتے اور کہیں کہیں دوسرے لوگ شوقیہ پہن لیتے ہیں اگر ان سے ٹخنے چھپ جاتے ہوں تو ان پر مسح درست ہے۔ البتہ عمامہ اور برقع اور نقاب اور دستانوں پر مسح جائز نہیں۔

(۱۸) مسح کا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں، داہنے پاؤں کی پشت کے سرے پر اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں، بائیں پاؤں کی پشت کے سرے پر رکھ کر، پنڈلی کی طرف کم سے کم بقدر تین انگل کے کھینچ لی جائے اور سنت یہ ہے کہ پنڈلی تک پہنچائے۔

(۱۹) جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان سے مسح بھی جاتا رہتا ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل صورتوں میں بھی مسح ٹوٹ جاتا ہے:

ا۔ مدت پوری ہو جائے اور اس صورت میں صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے پھر سے پورا وضو کرنے کی حاجت نہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ پورا وضو کرے۔ ہاں مسح کی مدت پوری ہو گئی اور قوی اندیشہ ہے کہ موزہ اتارنے میں سردی کے سبب پاؤں جاتے رہیں گے تو نہ اتارے اور ٹخنوں تک پورے موزے کا (نیچے اوپر اغل بغل اور ایڑیوں پر) مسح کرے کہ کچھ رہ نہ جائے۔ ۲۔ دونوں یا ایک موزہ اتار دے۔ ۳۔ ایک پاؤں آدھے سے زیادہ موزے سے باہر ہو جائے اور یہاں معتبر پاؤں کا وہ حصہ ہے جو گٹے سے پنجوں تک ہے۔ پنڈلی کا اعتبار نہیں۔ ۴۔ موزے پہن کر پانی میں چلا کہ ایک پاؤں کا آدھے سے زیادہ حصہ دھل گیا یا اور کسی طرح سے موزے میں پانی چلا گیا اور آدھے سے زیادہ پاؤں دھل گیا تو مسح جاتا رہا۔

(۲۰) موزہ ڈھیلا ہے کہ چلنے میں موزے سے ایڑی نکل جاتی ہے تو مسح نہ گیا۔ ہاں اگر اتارنے کی نیت سے ایڑی باہر کی تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ (عامہ کتب)

اعضائے وضو پر مسح کرنے کے مسائل

(۱) اعضائے وضو یعنی بدن کے وہ حصے جن کا دھونا وضو میں فرض ہے اگر پھٹ گئے ہوں یا ان میں پھوڑا یا کوئی اور بیماری ہو اور ان پر پانی بہانا ضرر کرتا ہو، یا تکلیف شدید ہوتی ہو تو بھیگا ہاتھ پھیر لینا کافی ہے۔ یہ مسح اس دھونے کا قائم مقام ہو جائے گا۔ اور اگر یہ بھی نقصان کرتا ہو تو اس پر کپڑا ڈال کر کپڑے پر مسح کرے اور جو یہ بھی مضر ہو تو معاف ہے اور اگر اس میں دوا بھرلی ہو تو اس کا نکالنا ضروری نہیں۔ اس پر سے پانی بہا دینا کافی ہے۔

(۲) کسی پھوڑے یا زخم یا فصد کی جگہ پر پٹی باندھی ہو کہ اس کو کھول کر پانی بہانے سے، یا اس جگہ مسح کرنے سے، یا کھولنے سے ضرر ہو، یا کھولنے باندھنے والا نہ ہو تو اس پٹی پر مسح کرے اور اگر پٹی کھول کر پانی بہانے میں ضرر نہ ہو تو دھونا ضروری ہے۔ یا خود عضو پر مسح کر سکتے ہوں تو پٹی پر مسح کرنا جائز نہیں۔ اور زخم کے گرداگرد پانی بہانا ضرر نہ کرتا ہو تو دھونا ضروری ہے ورنہ اس پر مسح کر لیں۔ اور مسح بھی نہ کر سکتے ہوں تو پٹی پر مسح کر لیں اور پوری پٹی پر مسح کر لینا بہتر ہے اور اکثر پر ضروری ہے اور اگر پٹی پر بھی مسح نہ کر سکتے ہوں تو خالی چھوڑ دیں۔ پھر جیسے جیسے آرام ہوتا جائے اصل حکم کی طرف بڑھتے چلیں۔ یعنی پہلے پٹی پر، پھر عضو پر مسح اور پھر عضو کا دھونا۔

(۳) ہڈی کے ٹوٹ جانے سے تختی باندھی گئی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(۴) تختی یا پٹی کھل جائے اور ہنوز باندھنے کی حاجت ہو تو پھر دوبارہ مسح نہیں کیا جائے گا۔ وہی پہلا مسح کافی ہے اور اگر پھر باندھنے کی ضرورت نہ ہو تو مسح ٹوٹ گیا۔ اب اس جگہ کو دھو سکیں تو دھوئیں، ورنہ مسح کر لیں۔ (عامہ کتب)

حیض کا بیان

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○

اے محبوب! تم سے حیض کے بارے میں لوگ سوال کرتے ہیں تم فرما دو وہ گندی چیز ہے تو حیض میں عورتوں سے بچو اور ان سے قربت نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں تو جب پاک ہو جائیں ان کے پاس اس جگہ سے جاؤ جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو۔

حیض کی حکمت: بالغہ عورت کے بدن میں قدرتی، ضرورت سے کچھ زیادہ خون پیدا ہوتا ہے کہ حمل کی حالت میں وہ خون بچے کی غذا میں کام آئے اور بچہ کے دودھ پینے کے زمانے میں وہی خون دودھ ہو جائے اور ایسا نہ ہو تو حمل اور دودھ پلانے کے زمانہ میں اس کی جان پر بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حمل اور دودھ پلانے کے شروع کے دنوں میں خون نہیں آتا اور جس زمانے میں خون نہیں آتا اور جس زمانے میں نہ حمل ہو نہ دودھ پلانا وہ خون اگر بدن سے نہ نکلے تو قسم قسم کی بیماریاں لگ جائیں۔

حیض کے مسائل

مسئلہ: بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے جو خون عادی طور پر نکلتا ہے اور بیماری یا بچہ پیدا ہونے کے سبب سے نہ ہو اسے حیض کہتے ہیں اور بیماری سے ہو تو استحاضہ اور

بچہ پیدا ہونے کے بعد ہو تو نفاس کہتے ہیں۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: حیض کی مدت کم سے کم تین دن تین راتیں ہیں۔ یعنی پورے ۷۲ گھنٹے۔ ایک منٹ بھی اگر کم ہے تو حیض نہیں اور زیادہ سے زیادہ دس دن دس راتیں ہیں۔

مسئلہ: کرن چمکتی تھی کہ حیض شروع ہوا اور تین دن تین راتیں پوری ہو کر کرن چمکتے ہی وقت ختم ہوا تو حیض ہے اگر ان تین دن تین رات کی مقدار ۷۲ گھنٹے نہیں ہے مگر طلوع سے طلوع تک یا غروب سے غروب تک ضرور ایک دن رات ہے۔

مسئلہ: طلوع و غروب کے علاوہ اگر کسی اور وقت حیض شروع ہوا تو وہی ۲۴ گھنٹے کا ایک دن رات لیا جائے گا۔ مثلاً آج صبح کو ٹھیک نو بجے شروع ہوا تو کل ٹھیک نو بجے ایک دن رات ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

مسئلہ: دس رات دن سے کچھ بھی زیادہ خون آیا تو اگر یہ حیض پہلی مرتبہ اسے آیا ہے تو دس دن تک حیض ہے۔ بعد کا استحاضہ اور اگر پہلے اسے حیض آ چکے ہیں اور عادت دس دن سے کم تھی تو عادت سے جتنا زیادہ ہوا استحاضہ ہے اسے یوں سمجھو کہ اسے عادت پانچ دن کی تھی اب خون آیا دس دن تو کل حیض ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی لیکن اگر دس دن سے زیادہ مثلاً گیارہ یا بارہ دن خون آیا تو پانچ دن حیض کے باقی سات دن استحاضہ کے، اور اگر ایک حالت مقرر نہ تھی بلکہ کبھی چار دن خون آیا، کبھی پانچ دن تو پچھلی بار جتنے دن تھے وہی اب بھی حیض کے ہیں باقی دن استحاضہ کے۔ (ردالمحتار، مراقی الفلاح وغیرہ)

مسئلہ: یہ ضروری نہیں کہ مدت میں ہر وقت خون جاری رہے۔ جبھی حیض ہو بلکہ اگر بعض بعض وقت بھی آئے جب بھی حیض ہے۔

مسئلہ: کم از کم نو برس کی عمر سے حیض شروع ہوگا اور انتہائی عمر حیض آنے کی پچپن سال ہے۔ اس عمر والی عورت کو آئسہ اور اس عمر کو سن ایاس کہتے ہیں تو نو برس کی عمر سے پیشتر جو خون آئے وہ استحاضہ ہے اور پچپن سال کی عمر کے بعد جو خون آئے وہ

بھی استحاضہ ہے ہاں اس پچھلی صورت میں اگر خالص خون آئے جیسے آتا تھا اسی رنگ کا آیا تو حیض ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: حمل والی عورت کو خون آیا استحاضہ ہے یوں ہی بچہ ہوتے وقت جو خون آیا اور ابھی آدھے سے زیادہ بچہ باہر نہیں نکلا وہ استحاضہ ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: دو حیضوں کے درمیان کم سے کم پورے پندرہ دن کا فاصلہ ضروری ہے یونہی حیض و نفاس کے درمیان بھی پندرہ دن کا فاصلہ ضروری ہے تو اگر نفاس ختم ہونے کے بعد پندرہ دن پورے نہ ہوئے تھے کہ خون آگیا تو یہ استحاضہ ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: حیض اسی وقت سے شمار کیا جائے گا کہ خون فرج خارج میں آگیا تو اگر کوئی کپڑا رکھ لیا ہے جس کی وجہ سے خون فرج خارج میں نہیں داخل ہی میں رکا ہوا ہے تو جب تک کپڑا نہ نکالے گی حیض والی نہ ہوگی۔ نماز پڑھے گی روزہ رکھے گی۔

(ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: حیض کے چھ رنگ ہیں: سیاہ، سرخ، سبز، زرد، گدلا، مٹیالا، سفید رنگ کی رطوبت حیض نہیں تو دس دن کے اندر رطوبت میں ذرا بھی میلا پن ہے تو وہ حیض ہے۔ دس دن رات کے بعد بھی میلا پن باقی رہے تو عادت والی کے لیے جو دن عادت کے ہیں وہ حیض ہوا اور عادت سے بعد والے دن استحاضہ، اور اگر کچھ عادت نہیں دس دن رات تک حیض باقی استحاضہ۔

مسئلہ: گدی جب تر تھی تو اس میں زردی یا میلا پن تھا بعد سوکھ جانے کے سفید ہوگئی تو مدت حیض میں حیض ہی ہے اور اگر جب دیکھا تھا سفید تھی مگر سوکھ کر زرد ہوگئی تو یہ حیض نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس عورت کو پہلی مرتبہ خون آیا اور اس کا سلسلہ مہینوں یا برسوں جاری رہا کہ بیچ میں پندرہ دن کے لیے بھی نہ رکا تو جس دن سے خون آنا شروع ہوا اس روز سے دس دن تک حیض اور باقی بیس دن استحاضہ کے سمجھے اور جب تک خون جاری

رہے یہی قاعدہ برتے اور اگر اس سے پیشتر حیض آچکا ہے تو اس سے پہلے جتنے دن حیض کے تھے ہر تیس دن میں اتنے دن حیض کے سمجھے باقی جو دن بچیں وہ استحاضہ۔

مسئلہ: جس عورت کو عمر بھر خون نہیں آیا یا آیا مگر تین دن سے کم آیا تو عمر بھر وہ پاک ہی رہی اور ایک بار تین دن رات خون آیا پھر کبھی نہ آیا تو فقط وہ تین دن رات حیض کے ہیں باقی ہمیشہ کے لیے پاک۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس عورت کو دس دن خون آیا اور اس کے بعد سال بھر تک پاک رہی پھر برابر خون جاری رہا تو وہ اس زمانے میں نماز روزہ کے لیے ہر مہینہ میں دس دن حیض کے سمجھے اور بیس دن استحاضہ۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس عورت کو نہ پہلے حیض کے دن یاد، نہ یہ یاد کہ کن تاریخوں میں آیا تھا۔ اب تین دن یا زیادہ خون آکر بند ہوگیا پھر طہارت کے پندرہ دن پورے نہ ہوئے تھے کہ پھر خون جاری ہوا اور ہمیشہ کو جاری ہوگیا تو اس کا وہی حکم ہے جیسے کسی کو پہلے پہل خون آیا اور ہمیشہ کو جاری ہوگیا کہ دس دن حیض کے شمار کرے پھر بیس دن طہارت کے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس کی ایک عادت مقرر نہ ہو بلکہ کبھی مثلاً چھ دن حیض کے ہوں اور کبھی سات دن۔ اب جو خون آیا تو بند ہوتا ہی نہیں تو اس کے لیے نماز روزے کے حق میں کم مدت یعنی چھ دن حیض کے قرار دیئے جائیں گے اور ساتویں روز نہا کر نماز پڑھے۔ اور روزہ رکھے (جبکہ رمضان ہوں) مگر سات دن پورے ہونے کے بعد پھر نہانے کا حکم ہے اور ساتویں دن جو فرض روزہ رکھا ہے اس کی قضا کرے۔ اور مدت گزرنے یا شوہر کے پاس رہنے کے بارے میں زیادہ مدت یعنی سات دن حیض کے مانے جائیں گے، یعنی ساتویں دن اس سے قربت جائز نہیں۔ (بدائع)

مسئلہ: کسی کو ایک دو دن خون آکر بند ہوگیا اور شروع ہوئے دس دن پورے نہ ہوئے تھے کہ پھر خون آیا اور دسویں دن بند ہوگیا تو یہ دسوں دن حیض کے ہیں اور اگر

دس دن کے بعد بھی جاری رہا تو دو صورتیں ہیں۔ اگر پہلے کی عادت معلوم ہے تو عادت کے دنوں میں حیض، باقی استحاضہ اور اگر پہلے کی عادت معلوم نہیں تو دس دن حیض کے باقی استحاضہ۔ (بدائع)

مسئلہ: کسی کی عادت تھی کہ فلاں تاریخ میں حیض ہو اب اس سے ایک دن پہلے خون آکر بند ہو گیا پھر دس دن تک نہیں آیا اور گیارہویں دن پھر آگیا تو خون نہ آنے کے جو یہ دس دن ہیں ان میں سے اپنی عادت کے دنوں کے برابر حیض قرار دے اور اگر تاریخ تو مقرر تھی مگر حیض کے دن معین نہ تھے تو یہ دسوں دن خون نہ آنے کے حیض کے ہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس عورت کو تین دن سے کم آکر خون بند ہو گیا اور پندرہ دن پورے نہ ہوئے تھے کہ پھر آگیا تو پہلی مرتبہ جب سے خون آنا شروع ہوا ہے حیض ہے اب اگر اس کی کوئی عادت ہے تو عادت کے برابر حیض کے دن شمار کرے ورنہ شروع سے دس دن تک حیض اور پچھلی مرتبہ کا استحاضہ۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: کسی کو پورے تین دن رات خون آکر بند ہو گیا اور اس کی عادت اس سے زیادہ کی تھی پھر تین دن رات کے بعد سفید رطوبت عادت کے دنوں تک آتی رہی تو اس کے لیے صرف وہی تین دن رات حیض کے ہیں اور کہا جائے گا کہ عادت بدل گئی۔

مسئلہ: تین دن رات سے کم خون آیا پھر پندرہ دن تک پاک رہی پھر تین دن رات سے کم آیا تو نہ پہلی مرتبہ حیض ہے نہ یہ۔ بلکہ دونوں استحاضہ ہیں۔ (بہار شریعت)

نفاس کا بیان

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد جو خون عورت کے آگے کے مقام سے آتا ہے، اسے نفاس کہتے ہیں۔ اب اس کے متعلق مسائل بیان کرتے ہیں۔

مسئلہ: نفاس میں کمی کی جانب کوئی مدت مقرر نہیں، آدھے سے زیادہ بچہ نکلنے کے بعد ایک آن بھی خون آیا تو وہ نفاس ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کا زمانہ چالیس دن رات ہے اور نفاس کی مدت کا شمار اس وقت سے ہو گا کہ آدھے سے زیادہ بچہ نکل آیا اور اس بیان میں جہاں بچہ پیدا ہونے کا لفظ آئے گا اس کا مطلب آدھے سے زیادہ باہر آجانا ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: کسی عورت کو چالیس دن سے زیادہ خون آیا تو اگر اس کے پہلی بار بچہ پیدا ہوا ہے یا یہ یاد نہیں کہ اس سے پہلے بچہ ہونے میں کتنے دن خون آیا تھا تو چالیس دن رات نفاس ہے باقی استحاضہ اور جو پہلی عادت معلوم ہو تو عادت کے دنوں تک نفاس ہے اور جتنا زیادہ ہے وہ استحاضہ، جیسے عادت تیس دن کی تھی اس بار پینتالیس دن آیا تو تیس دن نفاس کے ہیں اور پندرہ دن استحاضہ کے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: بچہ پیدا ہونے سے پیشتر جو خون آیا نفاس نہیں بلکہ استحاضہ ہے اگرچہ آدھا باہر آگیا ہو۔ (درمختار)

مسئلہ: حمل ساقط ہو گیا اور اس کا کوئی عضو بن چکا ہے جیسے ہاتھ، پاؤں، انگلیاں تو یہ خون نفاس ہے ورنہ اگر تین دن رات تک رہا اور اس سے پہلے پندرہ دن پاک رہنے کا زمانہ گزر چکا ہے تو حیض ہے اور اگر تین دن سے پہلے ہی بند ہو گیا یا ابھی پورے پندرہ دن طہارت کے نہیں گزرے ہیں تو استحاضہ ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: پیٹ سے بچہ کاٹ کر نکالا گیا تو اس کے آدھے سے زیادہ نکالنے کے بعد نفاس ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: حمل ساقط ہونے سے پہلے کچھ خون آیا کچھ بعد کو تو پہلے والا استحاضہ ہے بعد والا نفاس۔ یہ اس صورت میں ہے کہ جب کوئی عضو بن چکا ہو ورنہ پہلے والا اگر حیض ہو سکتا ہے تو حیض ہے ورنہ استحاضہ۔ جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: حمل ساقط ہوا اور یہ معلوم نہیں کہ کوئی عضو بنا تھا یا نہیں نہ یہ یاد ہے کہ

حمل کتنے دن کا تھا کہ اسی سے عضو کا بننا نہ بننا معلوم ہو جاتا یعنی ۱۲۰ دن (چار ماہ) ہو گئے ہیں تو عضو بن جانا قرار دیا جائے گا۔ اور بعد اسقاط کے خون ہمیشہ کو جاری ہو گیا تو اسے حیض کے حکم میں سمجھے کہ حیض کی جو عادت تھی اس کے گزرنے کے بعد نہا کر نماز شروع کر دے اور عادت نہ تھی تو دس دن کے بعد۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس عورت کے دو بچے جڑواں پیدا ہوئے یعنی دونوں کی پیدائش کے درمیان چھ مہینے سے کم زمانہ ہے تو پہلا ہی بچہ ہونے کے بعد سے نفاس سمجھا جائے گا پھر اگر دوسرا چالیس دن کے اندر پیدا ہوا اور خون آیا تھا تو پہلے سے چالیس دن تک نفاس ہے پھر استحاضہ اور اگر چالیس دن کے بعد پیدا ہوا تو اس پچھلے کے بعد جو خون آیا استحاضہ ہے، نفاس نہیں۔ مگر دوسرے کے پیدا ہونے کے بعد بھی نہانے کا حکم دیا جائے گا۔
(درمختار)

مسئلہ: اگر دونوں بچوں کی پیدائش میں چھ مہینے یا زیادہ کا فاصلہ ہے تو دوسرے کے بعد بھی نفاس ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: چالیس دن کے اندر کبھی خون آیا کبھی نہیں تو سب نفاس ہی ہے اگرچہ پندرہ دن کا فاصلہ ہو جائے۔ (درمختار وغیرہ)

حیض و نفاس سے متعلق احکام

(۱) حیض و نفاس والی عورت کو قرآن مجید پڑھنا، دیکھ کر ہو یا زبانی یا اس کو چھونا اگرچہ اس کی جلد یا چولی یا حاشیہ کو ہاتھ لگے یا انگلی کی نوک یا بدن کا کوئی حصہ لگے یا اگرچہ کرتے کے دامن یا دوپٹہ کے آنچل یا کسی ایسے کپڑے سے چھوئے جس کو پہنے اوڑھے ہوئے ہو تو یہ سب حرام ہیں۔ ہاں جزدان میں قرآن مجید ہو تو اس جزدان کے چھونے میں حرج نہیں۔ (عامہ کتب)

(۲) کاغذ کے پرچے پر کوئی سورت یا آیت لکھی ہو تو اس کا بھی چھونا حرام ہے اور

قرآن کے ساتھ قرآن کا ترجمہ فارسی یا اردو یا کسی اور زبان میں ہو اس کے بھی چھونے اور پڑھنے میں قرآن مجید کا سا حکم ہے۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

(۳) معلمہ (قرآن پڑھانے والی) کو حیض و نفاس کی حالت میں ایک ایک کلمہ سانس توڑ توڑ کر پڑھانا چاہیے اور ہجے کرانے میں کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار)

(۴) قرآن مجید کے علاوہ اور دوسرے اذکار مثلاً کلمہ شریف، درود شریف استغفار وغیرہ بلا کراہت جائز بلکہ مستحب ہے اور ان چیزوں کو وضو یا کلی کر کے پڑھنا بہتر۔ اور ویسے بھی پڑھ لیا جب بھی حرج نہیں اور ان کے چھونے میں بھی حرج نہیں۔
(درمختار، ردالمحتار)

(۵) نماز کے وقت میں وضو کر کے اتنی دیر تک ذکر الٰہی، درود شریف اور دوسرے وظائف مثلاً شجرہ وغیرہ دعائیں پڑھ لیا کرے جتنی دیر نماز پڑھتی تھی تاکہ عادت رہے۔
(عالمگیری)

(۶) ایسی عورت کو اذان کا جواب دینا جائز ہے۔ (عامہ کتب)

(۷) ایسی عورت کو مسجد میں جانا یا خانہ کعبہ کے اندر جانا اور اس کا طواف کرنا اگرچہ مسجد حرام کے باہر سے ہو حرام ہے۔ یوں ہی مسجد سے گزرنا یا اس حالت میں سجدۂ شکر و سجدۂ تلاوت کرنا حرام ہے اور آیت سجدہ سننے سے اس پر سجدہ واجب نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ) ہاں عیدگاہ کے اندر جانا یا ہاتھ بڑھا کر کوئی چیز مسجد سے لینا جائز ہے۔
(ردالمحتار)

(۸) اس حالت میں روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا حرام ہے بلکہ نمازیں معاف ہیں ان کی قضا بھی نہیں۔ ہاں روزوں کی قضا اور دنوں میں رکھنا فرض ہے۔ (درمختار، عالمگیری)

(۹) نماز کا وقت آخر آ گیا اور ابھی تک نماز نہیں پڑھی کہ حیض آیا یا بچہ پیدا ہوا تو اس وقت کی نماز معاف ہو گئی۔ اگرچہ اتنا تنگ وقت ہو گیا کہ اس نماز کی گنجائش نہ ہو۔
(عالمگیری)

(۱۰) نماز پڑھتے میں حیض آ گیا یا بچہ پیدا ہوا تو وہ نماز معاف ہے۔ البتہ اگر نفل نماز تھی تو اس کی قضا واجب ہے۔ (عالمگیری)

(۱۱) حیض والی کو تین دن سے کم خون آکر بند ہو گیا تو روزے رکھے اور وضو کر کے نماز پڑھے، نہانے کی ضرورت نہیں پھر اس کے بعد اگر پندرہ دن کے اندر خون آیا تو اب نہائے اور عادت کے دن نکال کر باقی دنوں کی قضا کرے اور جس کی کوئی عادت نہیں وہ دس دن کے بعد نمازیں قضا کرے۔ ہاں اگر عادت کے دنوں کے بعد یا بے عادت والی نے دس دن کے بعد غسل کر لیا تھا تو ان دنوں کی نمازیں ہو گئیں۔ قضا کی ضرورت نہیں اور عادت کے دنوں سے پہلے کے روزوں کی قضا کرے اور بعد کے روزے ہر حال میں ہو گئے۔

(۱۲) جس عورت کو تین دن رات کے بعد حیض بند ہو گیا اور عادت کے دن ابھی پورے نہ ہوئے، یا نفاس کا خون عادت پوری ہونے سے پہلے بند ہو گیا تو بند ہونے کے بعد ہی غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کر دے۔ عادت کے دنوں کا انتظار نہ کرے۔

(۱۳) عادت کے دنوں سے خون زیادہ آگیا (دن چڑھ گئے) تو حیض میں دس دن اور نفاس میں چالیس دن تک انتظار کرے اگر اس مدت کے اندر بند ہو گیا تو اب سے نہا دھو کر نماز پڑھے اور جو اس مدت کے بعد بھی جاری رہا تو نہائے اور عادت کے بعد باقی دنوں کی قضا کرے۔ نماز کی بھی اور روزوں کی بھی۔

(۱۴) حیض یا نفاس عادت کے دن پورے ہونے سے پہلے بند ہو گیا تو آخر وقت مستحب تک انتظار کر کے نہا کر نماز پڑھے اور جو عادت کے دن پورے ہو چکے تو انتظار کی کچھ حاجت نہیں۔ (عالمگیری، ردالمحتار وغیرہ)

(۱۵) حیض پورے دس دن پر اور نفاس پورے چالیس دن پر ختم ہوا اور نماز کے وقت میں اگر اتنا بھی باقی ہو کہ اللہ اکبر کا لفظ کہے تو اس وقت کی نماز اس پر فرض ہو گئی۔ نہا کر اس کی قضا کرے اور اگر اس سے کم میں بند ہوا اور اتنا وقت ہے کہ جلدی سے نہا کر اور کپڑے پہن کر ایک بار اللہ اکبر کہہ سکتی ہے تو فرض ہو گئی قضا کرے اور اتنا وقت نہ ہو تو نہیں۔ (ردالمحتار)

(۱۶) اگر پورے دس دن پر پاک ہوئی اور اتنا وقت بھی رات کا باقی نہیں کہ ایک بار اللہ اکبر کہہ لے تو اس دن کا روزہ اس پر واجب ہے اور جو کم میں پاک ہوئی اور اتنا وقت ہے کہ صبح صادق ہونے سے پہلے نہا کر کپڑے پہن کر اللہ اکبر کہہ سکتی ہے تو روزہ

فرض ہے۔ اگر نہا لے تو بہتر ورنہ بے نہائے نیت کر لے اور صبح کو نہا لے اور جو اتنا وقت بھی نہیں تو اس دن کا روزہ اس پر فرض نہ ہوا۔ البتہ روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے۔ کوئی بات ایسی جو روزے کے خلاف ہو مثلاً کھانا پینا حرام ہے۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۱۷) روزے کی حالت میں حیض یا نفاس شروع ہو گیا تو وہ روزہ جاتا رہا۔ اس کی قضا رکھے فرض تھا تو قضا فرض ہے اور نفل تھا تو قضا واجب۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۱۸) حیض و نفاس والی کو اختیار ہے کہ چھپ کر کھائے یا ظاہراً، روزہ دار کی طرح رہنا اس پر ضروری نہیں۔ (جوہرہ) مگر چھپ کر کھانا بہتر ہے۔ خصوصاً حیض والی کے لیے۔

(بہار شریعت)

(۱۹) حیض و نفاس والی پاک ہو گئی، کچھ دن باقی رہ گیا ہے تو اسے روزے کی مثل گزارے اور اس روزے کی قضا واجب ہے۔ (درمختار)

(۲۰) عورت سوتے وقت پاک تھی اور صبح سو کر اٹھی تو حیض کا اثر دیکھا تو اسی وقت سے حیض کا حکم دیا جائے گا۔ لہٰذا اگر عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی تو پاک ہونے پر اس کی قضا فرض ہے۔

(۲۱) حیض والی سو کر اٹھی اور گدی پر کوئی نشان حیض کا نہیں تو رات ہی سے پاک ہے۔ نہا کر عشاء کی قضا پڑھے۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

(۲۲) ہم بستری یعنی جماع اس حالت میں حرام ہے، اسے جائز جاننا کفر ہے اور حرام سمجھ کر کر لیا تو سخت گناہ کی بات ہے۔ اس پر توبہ فرض ہے اور اب اگر شروع دنوں میں کیا تو ایک دینار اور آخری دنوں میں کیا تو آدھا دینار خیرات کرنا مستحب ہے۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۲۳) اس حالت میں ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن سے مرد کا اپنے کسی عضو سے چھونا بھی جائز نہیں جبکہ بدن پر کپڑا وغیرہ موجود نہ ہو۔ شہوت سے ہو یا بے شہوت ہاں اگر بدن پر کوئی ایسی چیز ہو کہ بدن کی گرمی محسوس نہ ہو گی تو حرج نہیں۔

(درمختار وغیرہ)

(۲۴) ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے چھونے یا کسی طرح کا نفع لینے میں کوئی حرج نہیں یوں ہی بوس و کنار بھی جائز ہے۔ (در مختار)

(۲۵) عورت اس حالت میں شوہر کے ساتھ کھاپی سکتی ہے بلکہ دونوں ایک پلنگ پر سو بھی سکتے ہیں بلکہ اس وجہ سے ساتھ نہ سونا مکروہ ہے۔ (در مختار، ردالمحتار) ہاں ہمراہ سونے میں شہوت کا غلبہ ہو اور اپنے کو قابو میں نہ رکھنے کا احتمال ہو تو ساتھ نہ سوئے اور اس کا غالب گمان ہو تو ساتھ سونا گناہ ہے۔ (بہار شریعت)

(۲۶) پورے دس دن پر حیض ختم ہوا تو پاک ہوتے ہی اس سے جماع (صحبت) جائز ہے۔ اگرچہ اب تک غسل نہ کیا ہو مگر مستحب یہ ہے کہ نہانے کے بعد جماع کرے اور دس دن سے کم میں پاک ہوئی تو جب تک غسل نہ کرے یا نماز کا وقت جس میں پاک ہوئی وہ گزر نہ جائے، جماع جائز نہیں اور اگر اتنا وقت نہیں تھا کہ اس میں نہا کر کپڑے پہن کر اللہ اکبر کہہ سکے تو اس کے بعد کا وقت گزر جائے یا غسل کر لے تو جماع جائز ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۲۷) عادت کے دن پورے ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تو اگرچہ غسل کر لے، جماع ناجائز ہے۔ جب تک کہ عادت کے دن پورے نہ ہو جائیں۔ مثلاً کسی کی عادت چھ دن کی تھی اور اس مرتبہ پانچ ہی روز آیا تو اسے حکم ہے کہ نہا کر نماز شروع کر دے مگر جماع کے لیے ایک دن اور انتظار کرنا واجب ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۲۸) عورت حیض سے پاک ہوئی اور پانی پر قدرت نہیں کہ غسل کرے اور غسل کا تیمم کیا تو اس سے صحبت جائز نہیں جب تک کہ اس تیمم سے نماز نہ پڑھ لے۔ نماز پڑھنے کے بعد اگرچہ پانی پر قادر ہو غسل نہ کیا صحبت جائز ہے۔ (در مختار، ردالمحتار)

(۲۹) عورت کو یہ جائز نہیں کہ اپنا حیض اپنے شوہر سے چھپائے کہ کہیں وہ نادانستہ جماع نہ کر لے۔ جیسا کہ یہ جائز نہیں کہ وہ خود کو حیض والی ظاہر کرے حالانکہ وہ حیض والی نہیں۔ (مراقی الفلاح)

(۳۰) ان باتوں میں نفاس کے وہی احکام ہیں جو حیض کے ہیں۔ (ردالمحتار)

(۳۱) بچہ ابھی آدھے سے زیادہ پیدا نہیں ہوا اور نماز کا وقت جا رہا ہے اور یہ گمان

ہے کہ آدھے سے زیادہ باہر ہونے سے پیشتر وقت ختم ہو جائے گا تو اس وقت کی نماز جس طرح ممکن ہو پڑھے۔ اگر قیام رکوع سجود نہ ہو سکے تو اشارے سے پڑھے، وضو نہ کرے تو تیمم سے پڑھے اور اگر نہ پڑھی تو گناہ گار ہوگی۔ توبہ کرے اور بعد طہارت قضا پڑھے۔ (بہار شریعت، فتاویٰ رضویہ)

ضروری نہایت ضروری

نفاس میں عورت کو زچہ خانے سے نکلنا جائز ہے، اس کو ساتھ کھلانے یا اس کا جھوٹا کھانے میں حرج نہیں۔ ان علاقوں میں جو بعض جگہ ان کے برتن الگ کر دیتی ہیں بلکہ ان برتنوں کو مثل نجس کے جانتی ہیں یا انہیں کسی برتن سے ہاتھ لگانے نہیں دیتیں، یہ سب واہی تباہی باتیں ہندوؤں کی رسمیں ہیں۔ ایسی بے ہودہ رسموں سے دور رہنا لازم ہے۔ اکثر عورتوں میں یہ رواج ہے کہ جب تک چلہ پورا نہ ہو لے اگرچہ نفاس ختم ہو گیا ہو نہ نماز پڑھیں نہ اپنے آپ کو نماز کے قابل جانیں۔ یہ محض جہالت ہے جس وقت نفاس ختم ہو اسی وقت سے نہا کر نماز شروع کر دیں اور اگر نہانے میں بیماری کا پورا اندیشہ ہے تو تیمم کریں اور نماز پڑھیں۔ (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

استحاضہ کے احکام

وہ خون جو بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے آئے لیکن نہ تو عادی طور پر اور نہ بچہ کی پیدائش کے بعد، بلکہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو اسے استحاضہ کہتے ہیں۔

(۱) استحاضہ میں نماز معاف ہے نہ روزہ اور نہ ایسی عورت سے صحبت حرام۔ (عامہ کتب)

(۲) استحاضہ اگر اس حد تک پہنچ گیا کہ اس کو اتنی مہلت نہیں ملتی کہ وضو کر کے نماز ادا کر سکے تو نماز کا پورا ایک وقت شروع سے آخر تک، اسی حالت میں گزر جانے پر

اس کو معذور (عذر والی) کہا جائے گا۔ ایک وضو سے اس وقت میں جتنی نمازیں چاہے پڑھے۔ خون آنے سے اس کا وضو نہ جائے گا۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۳) اگر کپڑا وغیرہ رکھ کر اتنی دیر تک خون کو روک سکتی ہے کہ وضو کر کے نماز پڑھ لے تو عذر ثابت نہ ہو گا۔ (درمختار)

(۴) استحاضہ والی اگر غسل کر کے ظہر کی نماز آخر وقت میں اور عصر کی نماز وضو کر کے اول وقت میں اور مغرب کی نماز غسل کر کے آخر وقت میں پڑھے اور عشاء کی وضو کر کے اول وقت میں پڑھے اور فجر بھی غسل کر کے پڑھے تو بہتر ہے اور عجب نہیں کہ یہ ادب جو حدیث میں ارشاد ہوا ہے اس کی رعایت کی برکت سے اس کے مرض کو بھی فائدہ پہنچے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۵) ہر وہ شخص جس کو کوئی ایسی بیماری ہے کہ ایک وقت پورا نماز کا گزر گیا کہ وضو کے ساتھ فرض ادا نہ کر سکا وہ معذور ہے۔ اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وقت میں وضو کر لے اور آخر وقت تک جتنی نمازیں چاہے اس وضو سے پڑھے۔ اس بیماری سے اس کا وضو نہیں جاتا، جیسے دست آنا، یا ہوا خارج ہونا یا دکھتی آنکھ سے پانی گرنا یا پھوڑے وغیرہ سے ہر وقت رطوبت بہنا یا کان، ناف، پستان سے پانی نکلنا کہ یہ سب بیماریاں وضو توڑنے والی ہیں۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

(۶) فرض نماز کا وقت نکل جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے کسی نے عصر کے وقت وضو کیا تھا تو سورج ڈوبتے ہی وضو جاتا رہا۔ (عامہ کتب)

(۷) جب پورا وقت گزر جائے اور وہ چیز نہ پائی جائے جس کی وجہ سے اسے معذور کہا گیا تھا۔ مثلاً خون نہ آیا تو اب معذور نہ رہی۔ (درمختار وغیرہ)

(۸) معذور کا وضو اس چیز سے نہیں جاتا جس کے سبب معذور ہے۔ ہاں اگر کوئی دوسری چیز توڑنے والی پائی گئی تو وضو جاتا رہا۔ مثلاً جسے نکسیر کا مرض ہے ہوا نکلنے سے اس کا وضو جاتا رہے گا۔ (عامہ کتب)

(۹) معذور نے کسی دوسرے عذر کے بعد وضو کیا اور وضو کرتے وقت وہ عذر جس کی وجہ سے یہ معذور ہے منقطع تھا مگر وضو کرنے کے بعد یہ عذر پایا گیا تو وضو جاتا رہا جیسے

استحاضہ والی نے پاخانہ پیشاب کے بعد وضو کیا اور وضو کرتے وقت خون بند تھا بعد وضو کے آیا تو وضو ٹوٹ گیا اور اگر وضو کرتے وقت وہ عذر والی چیز بھی پائی جاتی تھی تو اب وضو کی ضرورت نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۱۰) اگر کسی ترکیب سے عذر جاتا رہے یا اس میں کمی ہو جائے تو اس ترکیب کا کرنا فرض ہے۔ مثلاً کھڑے ہو کر پڑھنے سے خون بہتا ہے اور بیٹھ کر پڑھے تو نہ بہے گا تو بیٹھ کر فرض ہے۔ (عالمگیری)

(۱۱) معذور کو ایسا عذر ہے جس کے سبب کپڑے نجس ہو جاتے ہیں تو اگر ایک درہم سے زیادہ نجس ہو گا اور جانتا ہے کہ اتنا موقع ہے کہ اسے دھو کر پاک کپڑوں سے نماز پڑھ لوں گا تو دھو کر نماز پڑھنا فرض ہے اور اگر جانتا ہے کہ نماز پڑھتے پڑھتے پھر اتنا ہی نجس ہو جائے گا تو دھونا ضروری نہیں اسی سے پڑھ لے اور اگر درہم کے برابر ہے تو پہلی صورت میں دھونا واجب ہے اور اگر نجاست درہم سے کم ہے تو دھونا سنت ہے اور دوسری صورت میں نہ دھونے میں کوئی حرج نہیں۔ (عالمگیری)

(۱۲) کسی زخم سے ایسی رطوبت نکلے کہ بہے نہیں تو نہ اس کی وجہ سے وضو ٹوٹے نہ معذور ہو اور نہ وہ رطوبت ناپاک ہے۔ (عامہ کتب)

نجاست کا بیان اور اس کے احکام

نجاست دو طرح کی ہے: ایک وہ جس کا حکم سخت ہے، اس کو غلیظہ کہتے ہیں۔ دوسری وہ جس کا حکم ہلکا ہے، اسے خفیفہ کہتے ہیں۔ (عامہ کتب)

ان دونوں نجاستوں کے متعلق بعض احکام یہ ہیں:

(۱) نجاست غلیظہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کپڑے یا بدن میں ایک درہم سے زیادہ لگ جائے تو اس کا پاک کرنا فرض ہے۔ بے پاک کیے نماز پڑھ لی تو ہو گی ہی نہیں اور جان بوجھ کر پڑھ لی تو گناہ بھی ہوا۔

اور اگر درہم کے برابر ہے تو پاک کرنا واجب ہے کہ بے پاک کیے نماز پڑھی تو

اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور قصداً پڑھی تو گناہ بھی ہوا اور اگر درہم سے کم ہے تو پاک کرنا سنت ہے کہ بے پاک کیے نماز پڑھ لی تو ہو گئی مگر سنت کے خلاف ہوئی اس کو دہرا لینا اچھا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۲) نجاست خفیفہ کا حکم یہ ہے کہ کپڑے کے جس حصے یا بدن کے جس عضو پر لگی ہے اگر اس کی چوتھائی سے کم ہے (مثلاً دامن میں لگی ہے تو دامن کی چوتھائی سے کم اور آستین میں لگی ہے تو آستین کی چوتھائی سے کم، یوں ہی ہاتھ میں ہاتھ کی چوتھائی سے کم) تو معاف ہے کہ اس سے نماز ہو جائے گی اور اگر پوری چوتھائی میں ہو تو بے دھوئے نماز نہ ہوگی۔ (درمختار وغیرہ)

(۳) نجاست اگر گاڑھی (دَل والی) ہو جیسے پاخانہ، لید، گوبر وغیرہ تو درہم کے برابر یا کم یا زیادہ کے معنی ہیں کہ وزن میں اس کے برابر یا کم یا زیادہ ہو اور درہم کا وزن اس جگہ ساڑھے چار ماشہ ہے اور اگر پتلی ہو جیسے آدمی کا پیشاب اور شراب تو درہم سے مراد اس کی لمبائی چوڑائی ہے اور شریعت میں اس کی مقدار ہتھیلی کی گہرائی کے برابر یعنی تقریباً یہاں کے روپے کے برابر ہے۔ (عامہ کتب)

(۴) نجاست غلیظہ اور خفیفہ کے جو حکم الگ الگ بتائے گئے ہیں یہ اسی وقت ہیں کہ کپڑے یا بدن میں لگے اور اگر کسی پتلی چیز جیسے سرکہ یا پانی میں گرے تو چاہے غلیظہ ہو یا خفیفہ وہ چیز کل ناپاک ہو جائے گی، اگرچہ ایک قطرہ گرے۔ مثلاً پیشاب کا ایک قطرہ پانی کے بڑے مٹکے میں گر گیا تو سب ناپاک ہو گیا۔ (درمختار وغیرہ)

(۵) پاخانہ، پیشاب، بہتا ہوا خون، پیپ، منہ بھر قے، حیض و نفاس و استحاضہ کا خون، منی، مذی، ودی، دکھتی آنکھ سے، یا ناف اور پستان سے درد کے ساتھ نکلنے والا پانی، دودھ پیتے لڑکے اور لڑکی کا پیشاب، دودھ پینے والے بچہ نے جو دودھ ڈال دیا اور منہ بھر ہے۔
خشکی کے ہر جانور کا بہتا خون، مردار کا گوشت اور چربی، حرام چوپائے جیسے کتا، شیر، لومڑی، بلی، چوہا، گدھا، خچر، ہاتھی، سور کا پاخانہ، پیشاب اور گھوڑے کی لید۔ ہر حلال چوپائے کا پاخانہ جیسے گائے، بھینس کا گوبر، بکری، اونٹ کی مینگنی اور جو پرندہ کہ اونچا نہ اڑے اس کی بیٹ جیسے مرغی اور بطخ چھوٹی ہو یا بڑی۔

سور کا گوشت اور ہڈی اور بال اگرچہ ذبح کیا گیا ہو، چھپکلی یا گرگٹ کا خون، ہاتھی کی سونڈ کی رطوبت اور شیر، کتے، چیتے اور دوسرے درندے چوپایوں کا لعاب، سانپ کا پاخانہ، پیشاب اور اس جنگلی سانپ اور مینڈک کا گوشت جن میں بہتا خون ہوتا ہے۔ یوں ہی ان کی کھال اگرچہ پکائی گئی ہو، یونہی حرام جانوروں کا پتہ۔
اور ہر قسم کی شراب اور نشہ لانے والی تاڑی اور سیندھی اور حرام جانوروں کا دودھ، یہ سب چیزیں نجاست غلیظہ ہیں۔ (درمختار، ردالمحتار، بہار شریعت)

(۶) جن جانوروں کا گوشت حلال ہے، ان کا پیشاب، گھوڑے کا پیشاب اور جس پرندہ کا گوشت حرام ہے خواہ شکاری ہو یا نہ ہو اس کی بیٹ، حلال جانوروں کا پتہ، یہ سب چیزیں نجاست خفیفہ ہیں۔ (عامہ کتب)

(۷) ہر چوپائے کی جگالی کا وہی حکم ہے جو اس کے پاخانے کا۔ (عامہ کتب)

(۸) نجاست غلیظہ، خفیفہ میں مل جائے تو کل غلیظہ ہے، اگرچہ خفیفہ زائد ہو۔
(درمختار، ردالمحتار)

(۹) مچھلی اور پانی کے دوسرے جانوروں کا خون، مچھر کا خون اور خچر و گدھے کا لعاب اور پسینہ اور جو پرند حلال اونچے اڑتے ہیں، جیسے کبوتر، مینا، ان کی بیٹ اور جو خون زخم سے بہا نہ ہو اور گوشت، تلی، کلیجی میں جو خون باقی رہ گیا ہو، ریشم کے کیڑے کی بیٹ اور اس کا پانی یہ ساری چیزیں پاک ہیں کہ بدن یا کپڑے پر لگ جائیں تو ناپاک نہ ہوگا۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۰) گوشت، تلی، کلیجی وغیرہ اگر بہتے خون میں سن جائیں تو ناپاک ہیں، بغیر دھوئے پاک نہ ہوں گی۔ (درمختار)

متفرق مسائل

(۱) پیشاب کی نہایت باریک چھینٹیں سوئی کی نوک برابر، بدن یا کپڑے پر پڑ جائیں تو کپڑا اور بدن پاک رہے گا اور ایسا کپڑا اگر پانی میں پڑ گیا تو پانی بھی ناپاک نہ ہوگا۔
(درمختار وغیرہ)

(۲) کسی کپڑے یا بدن پر چند جگہ نجاست غلیظہ لگی اور کسی جگہ درہم کے برابر نہیں مگر مجموعہ درہم کے برابر ہے تو درہم کے برابر سمجھی جائے گی اور زائد ہے تو زائد اور نجاست خفیفہ میں بھی مجموعہ ہی پر حکم دیا جائے گا۔ (ردالمحتار)

(۳) ناپاک کپڑے میں پاک کپڑا یا پاک میں ناپاک کپڑا لپیٹا اور اس ناپاک کپڑے سے یہ پاک کپڑا نم ہو گیا تو ناپاک نہ ہو گا۔ بشرطیکہ نجاست کا رنگ یا بو اس کپڑے میں ظاہر نہ ہو ورنہ نمی آجانے سے بھی ناپاک ہو جائے گا۔ ہاں اگر بھیگ جائے تو اب پاک کپڑا بھی ناپاک ہو جائے گا اور اگر ناپاک کپڑے میں پیشاب یا شراب کی تری ہے تو پاک کپڑا نم ہو جانے سے بھی ناپاک ہو جائے گا۔ (عالمگیری)

(۴) ناپاک کپڑا سوکھا تھا اور پاک تر تھا، دونوں کو لپیٹ دیا اور اس پاک کی تری سے وہ ناپاک تر ہو گیا اور اس ناپاک کو اتنی تری پہنچی کہ اب اس سے چھوٹ کر اس پاک کو لگی تو یہ بھی ناپاک ہو گیا ورنہ نہیں۔ (عالمگیری)

(۵) پاخانے پر سے مکھیاں اڑ کر کپڑے یا بدن پر بیٹھیں تو وہ ناپاک نہ ہو گا۔ (عالمگیری)

(۶) راستے کا کیچڑ پاک ہے۔ جب تک اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو تو اگر پاؤں یا کپڑے پر لگی اور بے دھوئے نماز پڑھ لی تو ہو گئی مگر دھو لینا بہتر ہے۔ (ردالمحتار)

(۷) سڑک پر پانی چھڑکا جا رہا تھا۔ زمین سے چھینٹیں اڑ کر کپڑے پر پڑیں تو کپڑا نجس نہ ہوا مگر دھو لینا بہتر ہے۔ (بہار شریعت)

(۸) کتا بدن یا کپڑے سے چھو جائے اگرچہ اس کا جسم تر ہو، بدن اور کپڑا پاک ہے۔ ہاں اس کے بدن پر نجاست لگی ہو تو اور بات ہے یا اس کا لعاب لگے تو ناپاک کر دے گا۔ (عالمگیری)

(۹) پاک مٹی میں ناپاک پانی ملایا تو مٹی نجس ہو گئی۔ (عالمگیری)

(۱۰) عورت کے پیشاب کے مقام سے جو رطوبت نکلے پاک ہے۔ کپڑے یا بدن میں لگے تو دھونا کچھ ضروری نہیں۔ ہاں بہتر ہے بشرطیکہ منی یا مذی یا خون اس میں مخلوط نہ ہو۔ (شامی)

(۱۱) جو گوشت سڑ گیا بدبو لے آیا، نجس نہیں۔ اگرچہ اس کا کھانا حرام ہے۔

نجس چیزوں کے پاک کرنے کا طریقہ

جو چیزیں ایسی ہیں کہ وہ خود نجس ہیں (جن کو ناپاکی اور نجاست کہتے ہیں) جیسے شراب یا گوبر، لید وغیرہ غلیظ چیزیں، یہ جب تک اپنی اصل کو چھوڑ کر کچھ اور نہ ہو جائیں پاک نہیں ہو سکتیں۔ شراب جب تک شراب ہے، نجس ہی رہے گی اور سرکہ ہو جائے تو اب پاک ہے۔ اور جو چیزیں بذاتہ نجس نہیں بلکہ کسی نجاست کے لگنے سے ناپاک ہو جائیں ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ (عامہ کتب) مثلاً پانی (اگرچہ مستعمل ہو) اور ہر بہنے والی چیز سے جس سے نجاست دور ہو جائے دھو کر نجس چیز کو پاک کر سکتے ہیں۔ مثلاً سرکہ اور گلاب کہ ان سے نجاست دور کر سکتے ہیں مگر بغیر ضرورت گلاب اور سرکہ وغیرہ سے پاک کرنا جائز نہیں کہ فضول خرچی ہے۔ (در مختار، ردالمحتار)

مسئلہ: نجاست اگر دَل دار ہو (جیسے پاخانہ، گوبر، خون وغیرہ) تو دھونے میں گنتی کی کوئی شرط نہیں بلکہ اس کو دور کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ چار پانچ مرتبہ دھونا پڑے۔ ہاں اگر تین مرتبہ سے کم میں نجاست دور ہو جائے تو تین بار پورا کر لینا مستحب ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: اگر نجاست دور ہو گئی مگر اس کا رنگ یا بدبو باقی ہے تو اسے بھی دور کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر اس کے دور کرنے میں دقت پیش آئے تو تین مرتبہ دھو لینا ہی کافی ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نجاست اگر رقیق (پتلی بہنے والی) ہو تو تین مرتبہ دھونے اور تینوں مرتبہ خوب نچوڑنے سے پاک ہو گا۔ خوب نچوڑنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص اپنی طاقت بھر اس طرح نچوڑے کہ اگر پھر نچوڑے تو اس سے کوئی قطرہ نہ ٹپکے۔ اگر کپڑے کا خیال کر کے اچھی طرح نہ نچوڑا تو کپڑا پاک نہ ہو گا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: پہلی اور دوسری مرتبہ نچوڑنے کے بعد ہاتھ پاک کر لینا چاہیے اور تیسری بار نچوڑنے سے کپڑا بھی پاک ہو گیا اور ہاتھ بھی۔ اور جو کپڑے میں اتنی تری رہ گئی کہ نچوڑنے سے ایک آدھ بوند ٹپکے گی تو کپڑا اور ہاتھ دونوں ناپاک ہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: پہلی یا دوسری بار ہاتھ پاک نہیں کیا اور اس کی تری سے کپڑے کا پاک حصہ بھیگ گیا تو یہ بھی ناپاک ہو گیا۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: دودھ پیتے لڑکے اور لڑکی کا ایک ہی حکم ہے کہ ان کا پیشاب بدن یا کپڑے میں لگا ہے تو تین بار دھونا اور ہر مرتبہ نچوڑنا پڑے گا۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: جو چیز نچوڑنے کے قابل نہیں ہے (جیسے چٹائی، جوتا وغیرہ) اس کو دھو کر چھوڑ دیں کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔ یونہی دو مرتبہ دھوئیں، جب تیسری مرتبہ پانی ٹپکنا بند ہو گیا وہ چیز پاک ہو گئی۔ اسے ہر مرتبہ کے بعد سکھانا ضروری نہیں۔ یوں ہی جو کپڑا اپنی نازکی کے سبب نچوڑنے کے قابل نہیں اسے بھی یوں ہی پاک کیا جائے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر ایسی چیز ناپاک ہو گئی کہ اس میں نجاست جذب نہ ہوئی جیسے چینی کے برتن یا مٹی کا پرانا استعمال شدہ چکنا برتن یا لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ دھاتوں کی چیزیں تو اسے فقط تین مرتبہ دھو لینا کافی ہے۔ اس کی بھی ضرورت نہیں کہ پانی ٹپکنا موقوف ہو جائے۔ یہی حکم بدن کا ہے کہ اسے صرف تین بار دھو لینا ہی کافی ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: یہ ضروری نہیں کہ ایک دم تینوں بار دھوئیں بلکہ اگر مختلف وقتوں بلکہ مختلف دنوں میں یہ تعداد پوری کی جب بھی وہ چیز پاک ہو جائے گی۔ (ردالمحتار)

(۲) لوہے اور ہر قسم کی چیزیں پونچھنے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ جیسے چھری، چاقو وغیرہ۔ یہی حکم آئینے، شیشے اور چینی کی بنی ہوئی چیزوں کا ہے۔ ہاں اگر یہ چیزیں نقشی ہوں یا لوہے میں زنگ ہو تو اب دھونا ضروری ہے۔ پونچھنے سے پاک نہ ہوں گی۔ (عالمگیری)

(۳) منی کپڑے میں لگ کر خشک ہو گئی تو فقط مل کر جھاڑنے اور صاف کرنے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اگرچہ ملنے کے بعد کچھ اثر اس کا باقی رہ جائے۔ ہاں تر ہے تو بغیر

دھوئے کپڑا پاک نہ ہو گا۔ (عالمگیری)

(۴) موزے یا جوتے میں دل دار نجاست لگی جیسے پاخانہ، گوبر تو وہ کھرچنے اور رگڑنے سے پاک ہو جائیں گے۔ (ردالمحتار)

(۵) ناپاک زمین اگر خشک ہو جائے اور نجاست کا اثر یعنی رنگ، بو جاتا رہے تو پاک ہو گئی مگر اس سے تیمم کرنا جائز نہیں۔ نماز اس پر پڑھ سکتے ہیں۔ (عامہ کتب)

استنجے کے متعلق چند مسائل

(۱) جب پاخانہ پیشاب کو جائے تو مستحب ہے کہ پاخانے سے باہر یہ دعا پڑھ لے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ۔

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں پلیدی اور شیاطین سے۔

پھر بایاں قدم پہلے داخل کرے اور نکلتے وقت پہلے داہنا پاؤں باہر نکالے اور یہ پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنِّي الْاَذٰى وَعَافَانِيْ۔

حمد ہے اللہ کے لیے جس نے اذیت کی چیز مجھ سے دور کر دی اور مجھے عافیت دی۔

(۲) پاخانہ پیشاب کرتے وقت طہارت میں نہ قبلہ کی طرف منہ ہو نہ پیٹھ اور بھول کر بیٹھ گیا تو یاد آتے ہی پھر جائے۔ یوں ہی چاند سورج کی طرف بھی منہ یا پیٹھ نہ کرے۔

(۳) بچے کو پیشاب یا پاخانہ کراتے وقت بھی اس کا خیال رکھے کہ اس کا منہ یا پیٹھ قبلہ کی طرف نہ ہو۔ ورنہ اس کا وبال کرانے والے پر ہو گا۔

(۴) ننگے سر پاخانہ پیشاب کو جانا، اپنے ہمراہ ایسی چیز لے جانا جس پر کوئی دعا یا اللہ و رسول یا کسی بزرگ کا نام لکھا ہو مکروہ ہے۔ یوں ہی کلام کرنا بھی مکروہ ہے۔

(۵) جس جگہ وضو یا غسل کیا جاتا ہو وہاں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ اس سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

(۶) ضرورت سے زیادہ بدن نہ کھولے۔ کسی دینی مسئلہ پر غور نہ کرے کہ یہ محرومی کا سبب ہے۔ ننگے سر پیشاب پاخانہ کو نہ جائے۔ بغیر ضرورت شرمگاہ کی طرف نہ نظر کرے نہ ہاتھ لگائے اور نہ اس نجاست کو دیکھے جو بدن سے نکلی ہے۔ دیر تک نہ بیٹھے کہ بواسیر کا اندیشہ ہے۔ اس حالت میں نہ تھوکے نہ ناک صاف کرے نہ بلا ضرورت ادھر ادھر دیکھے نہ کھنکارے۔ نہ آسمان کی طرف نظر کرے بلکہ شرم کے ساتھ نظر جھکائے رکھے۔ فراغت کے بعد پہلے پیشاب کا مقام دھوئے پھر پاخانے کا۔ اور خوب اچھی طرح دھوئے کہ دھونے کے بعد ہاتھ میں بو باقی نہ رہ جائے اور چکنائی جاتی رہے۔

(۷) طہارت کے بعد ہاتھ پاک ہوگئے مگر پھر بھی دھولینا بلکہ مٹی لگا کر دھونا مستحب ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

نماز کے وقتوں کا بیان

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا ○	بے شک نماز ایمان والوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے۔

اور خدا و رسول نے قرآن کریم اور حدیث شریف میں ہمیں بتایا کہ ہر عاقل بالغ مسلمان پر مرد ہو خواہ عورت، پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ جو اس کی فرضیت کو نہ مانے، وہ کافر ہے۔ اور جو جان بوجھ کر چھوڑے اگرچہ ایک ہی وقت کی ہو، وہ فاسق و سخت گناہ گار ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جو نماز نہ پڑھتا ہو قید کیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے اور نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں بے نمازی عورت کو طلاق دے دوں اور اس کا مہر میرے ذمہ باقی ہو۔ اس حالت کے ساتھ دربار خدا میں میری پیشی ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں ایسی عورت کے ساتھ زندگی بسر کروں"۔ (ردالمحتار)

اس لیے علماء نے فرمایا کہ جو عورت نماز نہ پڑھے اسے طلاق دینا بہتر ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا کہ جب بچے کی عمر سات برس کی ہو تو اسے نماز پڑھنا سکھایا جائے اور جب دس برس کا ہو جائے تو مار کر پڑھوانا چاہیے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

بہرحال ہر مسلمان عاقل بالغ پر پانچ وقت کی نماز پڑھنا فرض ہے۔

فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء۔

فجر کا وقت صبح صادق سے سورج کی کرن چمکنے تک ہے اور ان علاقوں میں یہ وقت کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ ہے نہ اس سے کم ہوگا نہ اس سے زیادہ۔ (فتاویٰ رضویہ)

ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے اس وقت تک ہے کہ ہر چیز کا سایہ علاوہ اصلی کے دوچند ہو جائے۔

عصر کا وقت بعد ختم ہونے وقتِ ظہر کے یعنی سوا سایہ اصلی کے دو مثل سایہ ہونے سے سورج ڈوبنے تک ہے۔ ان علاقوں میں یہ وقت کم از کم ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے ۶ منٹ ہے۔

مغرب کا وقت، سورج کی ٹکیا ڈوب جائے تو مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور شفق ڈوب جانے تک رہتا ہے اور شفق اس سفیدی کا نام ہے جو مغرب کی جانب جنوب شمال میں صبح صادق کی طرح پھیلی رہتی ہے اور یہ وقت ان شہروں میں کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ ہوتا ہے۔ یعنی ہر روز کے صبح اور مغرب دونوں کے وقت برابر ہوتے ہیں۔

عشاء کا وقت، مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی (یعنی شفق کے ڈوبتے ہی) عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور صبح صادق تک رہتا ہے۔ (عامہ کتب و فتاویٰ رضویہ)

متفرق مسائل

(۱) عورتوں کے لیے فجر کی نماز اول وقت میں مستحب ہے اور باقی نمازوں میں بہتر یہ

ہے کہ مردوں کی جماعت کا انتظار کریں۔ (درمختار)

(۲) عصر کی نماز میں اتنی دیر نہ کریں کہ سورج کی ٹکیا پر زردی آجائے کہ اس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ یہ زردی اس وقت آجاتی ہے جب غروب میں بیس منٹ باقی رہتے ہیں۔ تو اسی قدر وقت کراہت ہے۔

(درمختار، فتاوٰی رضویہ)

(۳) مغرب کی نماز شروع وقت میں پڑھ لینی چاہیے اور اگر دو رکعت کی مقدار دیر لگائی تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر اتنی دیر لگائی کہ ستارے گتھ گئے تو مکروہ تحریمی۔ ہاں کسی بیماری یا سفر یا کسی مجبوری کے باعث دیر ہوگئی تو اور بات ہے۔ (عالمگیری)

(۴) نماز عشاء سے پہلے سونا اور بعد نماز عشاء دنیا کی باتیں کرنا، قصے کہانی کہنا سننا مکروہ ہے۔ ہاں ضروری باتیں، ذکر و اذکار، قرآن کریم کی تلاوت، نیک بندوں کے قصے اور مہمان سے بات چیت میں کوئی حرج نہیں۔ یوں ہی صبح صادق سے سورج نکلنے تک ذکرالٰہی کے سوا ہر بات مکروہ ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۵) سورج نکلتے وقت، ڈوبتے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت میں کوئی نماز جائز نہیں۔ نہ فرض نہ نفل، نہ ادا نہ قضا، یوں ہی سجدۂ تلاوت بھی ناجائز ہے۔ البتہ اگر اس روز عصر کی نماز نہیں پڑھی تو اگرچہ آفتاب ڈوبتا ہو، پڑھ لے مگر اتنی دیر لگانا حرام ہے۔ حدیث میں اس کو منافق کی نماز فرمایا۔ اس مسئلے کو یوں یاد رکھو کہ سورج نکلنے کے ۲۰ منٹ کے اندر اندر اور سورج ڈوبنے سے ۲۰ منٹ پہلے کا وقت نماز کی ممانعت کا وقت ہے۔ (فتاوٰی رضویہ)

(۶) ان اوقات میں قرآن کریم کی تلاوت بہتر نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ذکر اور درود شریعت میں مشغول رہے۔ (درمختار)

(۷) طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک سوا دو رکعت سنتِ فجر کے کوئی نفل نماز جائز نہیں۔ یوں ہی عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد سے آفتاب میں زردی آنے تک نفل پڑھنے کی اجازت نہیں۔

(۸) فرض کا وقت تنگ ہو تو ہر نماز یہاں تک کہ فجر اور ظہر کی سنتیں پڑھنا بھی مکروہ

ہے۔

(۹) جس بات سے دل بٹے اور اسے دفع کر سکتا ہو تو اسے دور کیے بغیر ہر نماز مکروہ ہے۔ مثلاً پاخانہ، پیشاب یا ریاح کا زور ہے۔ ہاں اگر وقت جاتا دیکھے تو پڑھ لے مگر پھیر لے۔

(۱۰) نماز فجر و نماز عصر کے بعد قضا نماز پڑھنا جائز ہے۔ (عامہ کتب)

اذان و اقامت کا بیان

نماز کے لیے مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی، تمدن و ترقی کی جان ہے۔ اتحاد و یگانگی اور تبادلۂ خیالات کا پاک ترین ذریعہ ہے۔ ایک جاہل بہت سی باتیں نظیر و نمونہ سے سیکھ سکتا ہے اور ایک عالم با آسانی تبلیغ دین کر سکتا ہے۔ ایک امیر و متمول مسلمان، دوسرے غریب و مفلس مسلمان کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مساوات و برابری کا سبق لیتا ہے تو ایک غریب و نادار مسلمان، متمول و مالدار مسلمان کے برابر بیٹھ کر، سچے دین کے انصاف سے اپنی روح کو خرسند و شاداں کر سکتا ہے۔

جو لوگ نماز چھوڑ دیتے ہیں یا مسجد کی حاضری اور جماعت کی پابندی میں سستی کرتے ہیں وہ ان اخلاقی فضائل سے محروم رہتے ہیں جو اجتماع مسلمین اور نماز باجماعت کے ساتھ وابستہ ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کے افراد ایسے اعلیٰ اخلاق سے خالی ہوں گے، وہ کیا ہوں گے۔ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

کہ نماز، نماز پڑھنے والوں کو ناپاک کاموں اور لائق انکار فعلوں سے روک دیتی ہے اور اللہ کے ذکر میں تو فوائد و فیوض اور انوار و اسرار اس سے بہت زیادہ اور بہت بڑھ کر ہیں۔

غرض اذان کی ضرورت اول اس لیے محسوس ہوئی کہ سب لوگ مل کر ایک وقت پر نماز ادا کر سکیں۔ مشورہ طلب امر یہ تھا کہ لوگوں کے جمع کرنے کے واسطے کون

سا طریقہ اختیار کیا جائے۔ کسی نے مشورہ دیا کہ بلند مقام پر آگ روشن کر دی جائے (جیسا مجوس میں دستور تھا) کسی کا مشورہ تھا کہ سینگ (بگل) بجا دیا جائے (جیسا کہ یہود کا معمول تھا) کسی نے رائے دی کہ گھنٹے بجائے جایا کریں (جیسا کہ نصاریٰ کیا کرتے تھے) لیکن حضور عالمِ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم وَشَرَّفَ وَمَجَّدَ وَكَرَّمَ نے ان میں سے کسی مشورہ کو پسند نہ فرمایا کہ ان میں یہود و نصاریٰ اور مجوس سے مشابہت تھی۔ دوسرے روز حضرت عبداللہ بن زید انصاری اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یکے بعد دیگرے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ انہوں نے خواب میں یہ الفاظ سنے ہیں (اور یہ وہی الفاظ تھے جو اب اذان و اقامت میں کہے جاتے ہیں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کی اور انہیں الفاظ کے با آواز بلند پکارنے کو اذان قرار دیا اور اسے مشروع فرما دیا۔ یہ الفاظ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے اس منشاء عالی کو پورا کرتے ہیں جو تشریع احکام میں ہمیشہ منظورِ نظرِ اقدس رہا ہے۔

اذان اپنی مخصوص ہیئت کے ساتھ اطلاع دہی کا وہ سادہ اور آسان طریقہ ہے کہ عالمگیر دین کے لیے ایسا ہی ہونا ضروری تھا۔ اذان در حقیقت، اصول اسلام کی اشاعت اور اعلان ہے۔ مسلمان اسی کے ذریعہ سے ہر آبادی کے قریب جملہ باشندوں کے کانوں تک اپنے اصول پہنچا دیتے اور راہ نجات سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ اذان ثابت کرتی ہے کہ اسلام نے گھونگوں اور دھاتوں کو انسانی آواز پر ترجیح نہیں دی اور یہ بھی ایک طریقہ بت پرستی کے انسداد اور توحید کی تائید کا ہے۔

غرض امیر المومنین فاروق اعظم اور عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اذان (ان الفاظ مخصوصہ کے ساتھ) خواب میں تعلیم ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خواب حق ہے اور عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "جاؤ بلال کو تلقین کرو وہ اذان کہیں کہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ اس حدیث کو ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ و دارمی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ "اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں کر لو کہ اس کے سبب آواز

زیادہ بلند ہوگی۔"

اذان کہنے کی بہت بڑی بڑی فضیلتیں احادیث میں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ

(۱) موذنوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ دراز ہوں گی۔ یعنی وہ رحمت الٰہی کے بہت زیادہ امیدوار ہوں گے کہ جس کو جس چیز کی امید ہوتی ہے اس کی طرف گردن دراز کرتا ہے۔ (مسلم، ابن ماجہ وغیرہ)

(۲) اذان دینے والا کہ طالب ثواب ہے اس شہید کی مثل ہے کہ خون میں آلودہ ہے اور جب مرے گا، قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہ پڑیں گے۔ (طبرانی)

(۳) جس بستی میں اذان کہی جائے، اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے اس دن اسے امن دیتا ہے۔ (طبرانی)

(۴) جس نے سات برس، ثواب کے لیے اذان کہی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے نار سے براءت لکھ دے گا۔ (ابن ماجہ و حاکم)

(۵) جو سال بھر اذان کہے اس پر اجرت طلب نہ کرے، قیامت کے دن بلایا جائے گا اور جنت کے دروازے پر کھڑا کیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا، جس کے لیے تو چاہے شفاعت کر۔ (ابن عساکر) یعنی وہ مقبول الشفاعۃ بھی ہے باذنہٖ تعالیٰ۔

(۶) جب موذن کو اذان کہتے سنو تو جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو۔ (ابن ماجہ) کہ اذان کے جواب کا نہایت عظیم ثواب ہے اور اس پر بخشش و مغفرت کی نوید وارد۔

(۷) مومن کی بدبختی و نامرادی کے لیے کافی ہے کہ موذن کو تکبیر کہتے سنے اور اجابت نہ کرے۔

(۸) جب موذن اذان دے تو جو شخص اس کی مثل کہے اور جب وہ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو یہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہے، جنت میں داخل ہوگا۔ (ابن عساکر)

(۹) جب اذان کہی جاتی ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔ اور جب اقامت کا وقت ہوتا ہے دعا رد نہیں کی جاتی۔ (ابوالشیخ)

(۱۰) "اے گروہ زنان! جب تم بلال کو اذان و اقامت کہتے سنو تو جس طرح وہ کہتا

ہے تم بھی کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ہر کلمہ کے بدلے ایک لاکھ نیکی لکھے گا۔ اور ہزار درجے بلند فرمائے گا اور ہزار گناہ محو کرے گا۔" عورتوں نے عرض کی: "یہ تو عورتوں کے لیے ہے، مردوں کے لیے کیا ہے؟" فرمایا: "مردوں کے لیے دونا۔"

سبحان اللہ یہ سب صدقہ ہے رحمتہ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم کا کہ چند ساعتوں کی اس بے مشقت عبادت پر بے نہایت ثواب مرحمت ہوگا۔

ضروری اشد ضروری

(۱) اذان عرفِ شرع میں ایک خاص قسم کا اعلان ہے جس کے لیے الفاظ مقرر ہیں اور یہ وہی الفاظ ہیں جو سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی تعمیل میں با آواز بلند ادا کیے۔ یہی الفاظ مخصوصہ صحابہ و تابعین سے منقول، ہم تک پہنچے اور یہی الفاظ کریمہ ان اطراف وبلاد میں معمول ہیں اور جنہیں مسلمان کا بچہ بچہ جانتا پہچانتا ہے، وہ یہ ہیں: اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

الغرض اذان ایک محدود عبارت اور محدود کلمات کا نام ہے لیکن روافض حال نے خود اپنے پیشواؤں کی صریح تعلیم کے باوجود، اس اذان مقبول و معمول میں، محض سنیوں کی ایذاء رسانی کے لیے چند کلمات بڑھا دیئے ہیں اور اپنی اذان میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی کی نسبت خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِلَا فَصْلٍ کہنا اختیار کیا ہے۔

تمام سنی مسلمان، مرد و عورت خوب ذہن نشین کرلیں یہ بات کہ، یہ ناپاک الفاظ،

اور یہ کلمہ مغضوبہ و مبغوضہ خالص تبرا ہے اور اس کا سننا سنی کے لیے بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقتاً تبرا سننا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

اس ناپاک کلمہ میں کنایتاً بلکہ صراحتاً، حضرات خلفائے ثلاثہ سیدنا ابوبکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اعظم اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت راشدہ کی نفی ہے۔ اور اس نفی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مسند نشین نہ ہوئے کہ ان کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تخت خلافت پر جلوس فرمانا، تمام صحابہ کرام کا انہیں خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنا، اور ان عالی تبار سرکاروں کا خلیفہ منتخب ہونے کے بعد فرمان واحکام جاری کرنا، تمام اسلامی ممالک کا نظم و نسق، اور تمام امورِ ملک ومال و رزم و بزم کی باگیں اپنے دستِ حق پرست میں لینا، وہ تاریخی واقعہ، مشہور متواتر، آفتاب نصف النہار سے بڑھ کر ظاہر ہے، جس سے دنیا میں موافق مخالف، یہاں تک کہ نصاریٰ ویہود اور مجوس و ہنود کسی کو بھی اس کا انکار نہیں، بلکہ ان محبانِ خدا و نوابانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان روافض کو زیادہ عداوت کا مبنیٰ یہی ہے کہ ان کے زعم باطل و گمانِ فاسد میں، خلافت کا استحقاق حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی میں منحصر تھا۔ جب بحکم الٰہی خلافت راشدہ، اول ان تین سردارانِ مومنین کو پہنچی، روافض نے انہیں معاذ اللہ مولیٰ علی کا حق چھیننے والا ٹھہرایا اور عقیدۂ باطلہ کی حفاظت کے زعم میں، تقیہ شقیہ کی بدولت، حضرت اسد اللہ الغالب کو عیاذاً باللہ سخت نامرد و بزدل و تارکِ حق و مطیع باطل بتایا

ع دوستی بے خرداں دشمنی ست--- تولاجرم لفظ بلافصل میں جو نفی ہے اس سے ان کی لیاقت و مستحق خلافت ہونے کی نفی مراد ہے اور اس لفظ میں غصب و ظلم، و انکار حق، و اصرار باطل، و مخالفت دین و اختیار و پسندیدگی دنیا وغیرہ وغیرہ ہزاروں الزاماتِ ملعونہ، جو یہ روافض اپنے عقائد میں رکھتے اور زبان سے بکتے ہیں سب دفعتاً موجود ہیں اور لائے نفی سے اپنی براءت و بیزاری کا کھلا اظہار ہے۔ پھر تبرا اور کس چیز کا نام ہے!

پھر حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، جن کی ثناء و مدحت، و ادب و عقیدت، اہم اہل سنت کے اصولِ مذہب میں داخل اور ہمارے نزدیک،

ہزاروں آیات و احادیثِ حضرت رسالت، و اقوالِ ائمہ اہلِ بیت صلواۃ اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم اجمعین سے ان کی لاکھوں خوبیاں، تعریفیں مالا مال ہیں، ان کی نسبت ایسا کلمۂ خبیثہ، اذان میں پکارا جانا کیونکر ہماری توہین مذہبی نہ ہوگا۔ یا ہمارے دلوں کو نہ دکھائے گا (الادلۃ الطاعنۃ ملتقطا) کاش ان کلمہ گویوں کی آنکھیں کھلیں اور ہم سنی مسلمانوں کی توہین و تذلیل سے بچیں کہ اس سے مسلمانوں میں انتشار پھیلتا ہے اور تفریق بین المسلمین کی راہیں کھلتی ہیں۔

اذان واقامت سے متعلق چند فقہی مسائل

(۱) پنجگانہ نمازوں کے لیے جو مسجد میں وقت پر ادا کی جائیں، اذان سنت مؤکدہ ہے اور اس کا حکم مثل واجب ہے کہ اگر اذان نہ کہی تو وہاں کے سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔ یہاں تک کہ امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا "اگر کسی شہر کے سب لوگ اذان ترک کردیں تو میں ان سے قتال کروں گا۔" (درمختار، ردالمحتار)

(۲) وقت ہونے کے بعد اذان کہی جائے۔ قبل از وقت کہی گئی یا وقت ہونے سے پہلے شروع ہوئی اور اثنائے اذان میں وقت آگیا تو دوبارہ کہی جائے۔ (درمختار)

بعض جلدباز، نماز فجر کے لیے عموماً وقت سے پہلے ہی اذان شروع کردیتے ہیں۔ خصوصاً ماہِ رمضان المبارک میں، بلکہ ماہِ صیام میں عشاء کی اذان بھی، تراویح کو آڑ بنا کر، وقت سے پہلے کہہ بیٹھتے ہیں۔ اہل محلّہ انہیں اس سے باز رکھیں اور مسئلہ شرعیہ کو کھیل نہ بننے دیں۔ اور اس ناجائز و خلافِ شرع میں کہ گناہ و ممنوع ہے، ان کا ساتھ نہ دیں۔

(۳) عورتوں کو اذان و اقامت کہنا مکروہ تحریمی ہے۔ کہیں گی تو گناہ گار ہوں گی اور اذان کا دہرانا لازم ہوگا۔ (عالمگیری، ردالمحتار) اور عورتیں اپنی نمازیں ادا پڑھیں یا قضاء اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں اذان و اقامت مکروہ ہے۔ اگرچہ جماعت سے پڑھیں کہ ان کی جماعت خود مکروہ ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۴) فاسق اگرچہ عالم ہو، اور نشہ والے اور پاگل اور ناسمجھ بچے اور جُنُب کی اذان مکروہ ہے۔ ان سب کی اذان کا اعادہ کیا جائے۔ (درمختار)

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اعلام یعنی نماز و سحری و افطار کے لیے وقت ہو جانے کا اعلان اذان کا مقصود و مدعا ہے اور یہ مدعا ان لوگوں کی اذان سے حاصل نہیں ہوتا ہے کہ لوگ عموماً ان کی باتوں کا اعتبار نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ فاسق امین نہیں ہو سکتا تو شرعاً ان کا قول کیوں کر قابل قبول ہو سکتا ہے اور اس کی اذان پر کیونکر قناعت کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ فاسق کی اذان پر اعتماد کرکے روزہ افطار کرلینا یا وقتیہ نماز شروع کردینا اور یہ سمجھ لینا کہ وقت ہوگیا ہے، جائز نہیں۔

داڑھی ترشوانے اور حد شرع سے کم رکھنے والے مؤذن بھی فاسقِ معلن ہیں کہ علانیہ خدا و رسول کی نافرمانی میں مصروف ہیں تو ان کی اذان کا اعادہ بھی ضروری ہے۔ بلکہ ایسا شخص جب تک صدقِ دل سے توبہ نہ کرے اور نیک و صالح نہ بن جائے، ہرگز مؤذن نہ رکھا جائے۔ نمازیوں کی طرف سے ڈھیل، ایسے مؤذنوں کو ڈھیٹ بنا دیتی ہے اور گناہگار یہ بھی ہوتے ہیں اور وہ بھی۔ کہ وہ گناہ میں مشغول ہیں اور یہ گویا ان کی اعانت میں مصروف۔

(۵) کلماتِ اذان میں لحن حرام ہے مثلاً اللہ یا اکبر کے ہمزہ کو مد کے ساتھ آللہ یا آکبر پڑھنا، یا اکبر میں ب کے بعد الف بڑھا دینا حرام ہے۔ یونہی کلماتِ اذان کو قواعد موسیقی پر گانا بھی لحن و ناجائز ہے۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

اور افسوس کہ آج کل گویوں کے طور پر اذان گانا بھی ایک فن بنتا جارہا ہے۔

(۶) سنت یہ ہے کہ اذان بلند جگہ کہی جائے کہ پڑوس والوں کو بخوبی سنائی دے اور جس مسجد میں اذان کے لیے منارہ بنا ہو جب تو اس کی جہت خود متعین ہے اسی منارہ پر اذان دینا چاہیے خواہ وہ کسی جانب ہو اور اذان بلند آواز سے کہی جائے مگر طاقت سے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۷) اقامت میں حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے بعد دو بار قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کے الفاظ زائد ہیں اور جس طرح اذان میں حکم ہے کہ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ داہنی طرف

منہ کر کے اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح بائیں جانب منہ کر کے کہے، یونہی اقامت میں بھی ان الفاظ پر دائیں بائیں منہ پھیرے۔ اور موذن موجود ہو تو وہی اقامت کہے یا اس کی اجازت سے دوسرا۔ اور دوسرے نے بے اجازت کہہ دی اور مؤذن کو ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

(۸) کھڑے ہو کر تکبیر سننا مکروہ ہے یہاں تک کہ اقامت کے وقت کوئی شخص آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے اس وقت کھڑا ہو۔ یہی حکم ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو مسجد میں موجود ہیں کہ اس وقت اٹھیں جب مکبر حَیَّ عَلَی الْفَلَاح پر پہنچے۔ یہی حکم امام کے لیے ہے۔
(عالمگیری وغیرہ)

(۹) جب اذان ہو تو اتنی دیر کے لیے سلام کلام اور جوابِ سلام، تمام اشغال اور مصروفیتیں موقوف کردے یہاں تک کہ قرآن مجید کی تلاوت میں اذان کی آواز آئے تو تلاوت کو موقوف کردے۔ اذان کو غور سے سنے اور جواب دے یونہی اقامت میں۔ جو اذان کے وقت باتوں میں مشغول رہے اس پر معاذ اللہ خاتمہ برا ہونے کا خوف ہے۔
(درمختار، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

ہاں اگر چند اذانیں سنے تو اس پر پہلی ہی کا جواب ہے اور سب کا جواب دے سکے تو اور بہتر ہے۔

غرض جتنا احترام کر سکتا ہے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ راہ گیر رک جائے۔ لیٹا ہوا بیٹھ جائے۔ ننگے سر ہو تو سر پر ٹوپی یا رومال یا دوپٹہ ڈال لے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۱۰) مؤذن جو کلمہ کہے اس کے بعد سننے والا بھی وہی کلمہ کہے مگر حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح کے جواب میں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں کہے بلکہ اتنا لفظ اور ملالے مَاشَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَآءْ لَمْ یَکُنْ (درمختار وغیرہ) (جو اللہ نے چاہا ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا)

(۱۱) جب اذان ختم ہو جائے تو مؤذن اور سامعین درود شریف پڑھیں اور اس کے بعد یہ دعا:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّآمَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ وَاجْعَلْنَا فِیْ شَفَاعَتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

اے اللہ! اس دعائے تام اور برپا ہونے والی نماز کے مالک! تو ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما اور ان کو مقام محمود میں کھڑا کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن ان کی شفاعت نصیب فرما، بے شک تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

(۱۲) جب موذن اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے تو سننے والا درود شریف پڑھے اور مستحب ہے کہ انگوٹھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگالے اور کہے:

قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا حَبِیْبِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔ (درمختار وغیرہ)

یا رسول اللہ! میری آنکھوں کی ٹھنڈک حضور سے ہے۔ اے اللہ! شنوائی اور بینائی کے ساتھ مجھے متمتع کر۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب اس جناب نے مؤذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے سنا تو یہی دعا پڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا، اس پر میری شفاعت حلال ہوگئی۔ (فتاویٰ رضویہ) اسی پر علماء راسخین اور سلف صالحین کا عمل رہا اور آج تک مسلمانوں میں معمول ہے، اب اس زمانہ میں وہابیہ اس پر سخت انکار کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس عملِ محبت سے روکتے ہیں۔ مسلمان ان کی نہ سنیں نہ ان سے بحث میں الجھیں، اپنے کام سے کام رکھیں۔

فائدہ نفیسہ

اقامت یا اذان سے قبل درود شریف پڑھنا جیساکہ آج کل اہل سنت و جماعت کی مساجد میں معمول بلکہ شعار سابن گیاہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اس کا خیال رکھا جائے کہ اذان و اقامت اور درود شریف کی قراءت میں فصل چاہیے۔ درود شریف پڑھ کر قدرے توقف کریں پھر اذان و اقامت کہیں۔ یا پھر درود شریف پست آواز سے پڑھیں اور اذان و اقامت، حسب معمول بلند آواز سے کہیں تاکہ درود شریف کی آواز، اذان و اقامت کی آواز سے ایسی جُدا ہو کہ ان میں باہم امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزءِ اقامت نہ معلوم ہو۔

رہا وہابیہ کا یہ اعتراض کہ یہ فعل قرآن و حدیث کے خلاف اور بدعت ہے تو یہ محض ان کی فتنہ انگیزی اور مسلمانوں میں کسی نہ کسی بہانے تفرقہ اندازی ہے اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء۔ وہ ثبوت دیں کہ شرعِ مطہر نے اسے کہاں منع کیا ہے کہ خلافِ شرع ہو گیا۔ وہ ثبوت تو کیا دیں گے البتہ غصّہ میں لال پیلے ہو کر علماء اہل سنت کو گالیاں بکنا شروع کر دیں گے مگر سنی مسلمان اتنا یاد رکھیں کہ درود شریف کا اس موقع پر پڑھنا مستحب بھی ہے اور فرض کا ایک فرد بھی۔ قرآن کریم میں رب عزوجل کا حکم مطلق ہے کہ

صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ ان پر درود بھیجو اور خوب سلام عرض کرو۔

اس حکم میں کوئی استثناء نہیں کہ اذان و اقامت سے پہلے یا بعد نہ پڑھو۔ تو جب بھی درود شریف پڑھا جائے گا اسی حکمِ الٰہی کا امتثال اور ارشاد کی تعمیل میں ہو گا۔ فلہذا ہر بار درود شریف پڑھنے میں (خواہ درود شریف کا صیغہ مختصر ہو یا طویل، اس میں خطاب ہو یا نہ ہو) ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے کہ سب اسی فرضِ مطلق کے تحت میں داخل ہے تو جتنا بھی پڑھیں گے اور کھڑے بیٹھے مناسبِ حال جہاں بھی پڑھیں گے، سب فرض ہی

میں شامل ہو گا۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ ادائیگی فرض ہی کا ثواب ملے گا جب تک شرع میں نہی وارد نہ ہو۔

نظیر اس کی تلاوتِ قرآنِ کریم ہے کہ ویسے تو فرض نماز میں ایک ہی آیت کا پڑھنا ہے اور اگر کوئی بندۂ خدا، بتوفیقِ الٰہی ایک ہی رکعت میں سارا قرآن عظیم تلاوت کرے، تو سب فرض ہی میں داخل ہو گا اور اس کی قراءت پر فرض ہی کا ثواب ملے گا کہ قرآن کریم میں--- فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فرمایا کہ جتنا قرآن باآسانی میسر آئے پڑھ لو۔ یہ حکم بھی مطلق ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں کہ فلاں سورت نہ پڑھنا اور فلاں نماز میں نہ پڑھنا۔

پھر ظاہر ہے کہ مسلمان جو اس موقع پر درود شریف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک فعلِ حسن اور کارِ خیر و موجبِ ثواب ہی جان کر پڑھتے ہیں اور اس سے اپنے قلب میں فرحت و سرور پاتے ہیں اور اس کارِ خیر میں علماء فضلاء صوفیا سب ان کے شریک، سب ان سے متفق ہیں۔ تو یہ فعل محض جاہلوں کا فعل نہیں کہ قابلِ اعتناء و لائقِ اعتبار نہ ہو۔ اور جب مسلمانوں کے تمام عوام و خواص اس میں شریک ہیں تو یہ درود شریف پڑھنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کریم کے عین مطابق ہے کہ "اہلِ اسلام جس چیز کو نیک جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہے۔" اور جب یہ نیک ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر ثواب و اجر کی توقع و امید رکھنا عین منشاءِ الٰہی کے مطابق ہے۔

پھر بدعت تو وہ ہے جو کسی سنت کا کاٹ کرے۔ یہاں اس درود شریف کے پڑھنے سے کون سی سنت اٹھ گئی کہ وہابیہ اسے بدعت کہتے اور مسلمانوں میں انتشار پھیلاتے ہیں۔

نماز کی شرطوں کا بیان

نماز کے صحیح و درست ہونے کے لیے چھ شرطیں ہیں کہ بے ان کے نماز ہو گی ہی نہیں۔

(۱) طہارت۔ (۲) سترِ عورت۔ (۳) استقبالِ قبلہ۔ (۴) وقت۔ (۵) نیت۔

(۶) تکبیر تحریمہ۔

(۱) **طہارت:** یعنی نمازی کے بدن کا حدثِ اکبر (یعنی وہ چیزیں جن سے غسل واجب ہوتا ہے) حدثِ اصغر (یعنی وضو توڑنے والی چیزوں) سے اور نجاستِ حقیقیہ سے پاک ہونا۔ نیز اس کپڑے اور اس جگہ کا جس پر نماز پڑھتا ہے نجاستِ حقیقیہ سے پاک ہونا۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

(۲) **سترِ عورت:** یعنی بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے، اس کا چھپانا۔

مسئلہ: آزاد عورتوں کے لیے منہ کی ٹکلی اور دونوں ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووٴں کے سوا سارا بدن عورت ہے تو نماز کے لیے اگرچہ تنہا اندھیری کوٹھڑی میں ہو، سوا ان پانچ عضو کے باقی تمام بدن چھپانا فرض ہے، اسی طرح غیر محرموں سے بھی ان اعضاء کے سوا پورا بدن چھپانا فرض ہے۔ بلکہ جوان عورت کو غیر مردوں کے سامنے منہ کھولنا بھی منع ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: سر کے لٹکے ہوئے بال اور گردن اور کلائیاں اور کان بھی عورت ہیں ان کا چھپانا بھی فرض ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اتنا باریک دوپٹہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے عورت نے اوڑھ کر نماز پڑھی تو نہ ہوگی، جب تک اس پر کوئی اور چیز ایسی نہ اوڑھے جس سے بال وغیرہ کا رنگ چھپ جائے۔ (عالمگیری)

لہٰذا کریب یا جالی یا گھاس ململ یا نازک ململ وائل یا ایسے ہی کسی اور باریک کپڑے کے کرتے، فراک، جمپر، قمیص یا ساڑھی، جن سے بدن کی رنگت چمکے پہنے، اوڑھنے باندھنے سے نماز نہ ہوگی۔ ہاں ان کے نیچے اور کپڑا ہوا کہ بالوں کی سیاہی اور بدن کی رنگت چھپالے تو نماز ہو جائے گی۔ اس سے بہت عورتیں غافل ہیں جس سے ان کی نمازیں اکارت جاتی ہیں۔

مسئلہ: جن اعضا کا چھپانا فرض ہے۔ ان میں کوئی عضو چوتھائی سے کم کھل گیا تو

نماز ہوگئی اور اگر چوتھائی عضو کھل گیا اور فوراً چھپالیا تو بھی نماز ہوگئی اور اگر بقدر ایک رکن (یعنی تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے) کھلا رہا یا خود کھولا اگرچہ فوراً چھپالیا تو نماز جاتی رہی۔ (ردالمحتار، عالمگیری)

مسئلہ: اگر نماز شروع کرتے وقت عضو کی چوتھائی کھلی ہے یعنی اسی حالت پر اللہ اکبر کہہ لیا تو نماز ہی شروع نہ ہوئی۔ (درمختار)

(۳) **استقبالِ قبلہ:** نماز میں قبلہ یعنی کعبہ شریف کی طرف منہ کرنا۔

مسئلہ: جو شخص استقبال قبلہ سے عاجز ہو مثلاً بیمار ہے کہ اس میں اتنی طاقت نہیں کہ ادھر رُخ بدلے اور وہاں کوئی ایسا نہیں جو اس کا منہ کعبہ کی جانب پھیر دے تو ایسی صورت میں جس رُخ نماز پڑھ سکے پڑھ لے، نماز ہو جائے گی۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر کسی جگہ قبلہ کی شناخت کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو حکم ہے کہ تحرّی کرے یعنی سوچے جدھر قبلہ ہونا دل پر جمے ادھر ہی منہ کرے تو اگر تحرّی کر کے نماز پڑھی، بعد کو معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھی گئی تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کے حق میں وہی قبلہ ہے۔ ہاں اگر کوئی جاننے والا موجود ہے، اس سے دریافت نہ کیا یا مسجد و محراب وہاں موجود ہیں ان کا اعتبار نہ کیا یا تارے وغیرہ موجود ہیں اور اس کو اتنا علم ہے کہ ان کے ذریعہ سے معلوم کر لے اور نہ کیا بلکہ اپنی رائے سے خود غور کر کے کسی طرف کو پڑھ لی تو اگر قبلہ ہی کی طرف منہ تھا، ہوگئی ورنہ نہیں۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: نمازی نے قبلہ سے بلاعذر جان بوجھ کر سینہ پھیر دیا اگرچہ فوراً ہی قبلہ کی طرف ہو گیا، نماز فاسد ہوگئی اور اگر بلا ارادہ پھر گیا اور تین تسبیح کی مقدار وقفہ نہ ہوا تو ہوگئی اور اگر منہ قبلہ سے پھیرا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً قبلہ کی طرف منہ کر لے، نماز نہ جائے گی مگر بلاعذر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (منیۃ المصلی، بحرالرائق)

(۴) **وقت:** اس کے مسائل اوپر بیان ہو چکے۔

(۵) **نیت:** تمام کاموں کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت دل کے پکے ارادے کو کہتے

ہیں اور نماز میں نیت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اگر اس وقت کوئی پوچھے کون سی نماز پڑھی ہے تو فوراً بلا تامل بتا دے۔ اگر حالت ایسی ہے کہ سوچ کر بتائے گی تو نماز نہ ہوگی۔

(درمختار)

مسئلہ: زبان سے کہہ لینا مستحب ہے مگر زبان سے غلط نکل جائے تو اس کا اعتبار نہیں۔ مثلاً دل میں ظہر کا قصد ہے اور زبان سے عصر کا لفظ نکلا تو ظہر کی نماز ہوگی۔

(درمختار وغیرہ)

مسئلہ: فرض نماز میں فرض کی نیت ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس خاص نماز کی نیت کرے جو پڑھتا ہے مثلاً ظہر یا عصر کی۔ یوں ہی واجب میں واجب کی نیت کرے اور تراویح میں تراویح کی اور سنتوں میں سنتوں کی۔ ہاں نفل نماز کے لیے مطلق نماز کی نیت کافی ہے کہ میں نماز پڑھتی ہوں۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: نیت میں تعداد رکعات کی ضرورت نہیں البتہ فضیلت ہے، تو اگر رکعات کی تعداد میں خطا ہوگئی مثلاً تین رکعات ظہر کی یا چار رکعات مغرب کی نیت کی تو نماز ہو جائے گی۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: فرض وواجب قضا ہوگئے تو ان میں دن اور نماز دونوں کا معین کرنا ضروری ہے۔ مثلاً فلاں دن کی فلاں نماز۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر دل میں نماز توڑنے کی نیت کی مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو وہ بدستور نماز میں ہے۔ (درمختار)

اور اگر کوئی ایسا کام کرلیا جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو نماز گئی۔

(۶) **تکبیر تحریمہ:** یعنی زبان سے اللہ اکبر کہنا۔

مسئلہ: اللہ اکبر کی جگہ کوئی اور لفظ جو خالص تعظیم الٰہی کے الفاظ ہوں مثلاً اللہ اجل یا اللہ اعظم کہا تو نماز تو ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور گناہ۔

(عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: جن نمازوں میں قیام فرض ہے ان میں تکبیر تحریمہ کے لیے قیام فرض ہے تو اگر بیٹھ کر اللہ اکبر کہا پھر کھڑی ہوگئی تو نماز شروع ہی نہ ہوئی۔ (درمختار)

نماز پڑھنے کا طریقہ

باوضو قبلہ کی طرف منہ کر کے دونوں پاؤں کے پنجوں میں چار انگل کا فاصلہ کر کے کھڑی ہو اور نماز کی نیت کرے (کہ نیت کی میں نے.... رکعت نماز... واسطے اللہ تعالیٰ کے منہ میرا کعبہ شریف کی طرف) اور اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھائے لیکن اپنے ہاتھوں کو دوپٹہ چادر سے باہر نہ نکالے۔ ہاتھ کی انگلیوں نہ بالکل ملائے نہ انہیں پھیلائے بلکہ اپنے حال پر چھوڑ رکھے۔ ہتھیلیاں قبلہ کی طرف رکھے اور اللہ اکبر کہتی ہوئی ہاتھ نیچے لائے مگر تکبیر کے وقت سر نہ جھکائے اور تکبیر کے بعد فوراً ہاتھ باندھ لے۔ یوں کہ بائیں ہتھیلی سینے پر چھاتی کے نیچے رکھ کر اس کی پیٹھ پر داہنی ہتھیلی رکھے اور ثناء پڑھے:

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ۔

پاک ہے تو اے اللہ! اور میں تیری حمد کرتی ہوں۔ تیرا نام برکت والا ہے اور تیری عظمت بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

پھر تعوذ یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے پھر تسمیہ یعنی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہے پھر الحمد شریف پڑھے اور ختم پر آمین آہستہ کہے۔ اس کے بعد کوئی سورت یا تین آیتیں پڑھے یا ایک آیت کہ تین کے برابر ہو اور الحمد کے بعد اگر اول سورت شروع کی تو سورت پڑھتے وقت بسم اللہ بھی پڑھ لے ورنہ نہیں۔ اب اللہ اکبر کہتی ہوئی رکوع کو جائے یعنی جب رکوع کے لیے جھکنا شروع کرے تو اللہ اکبر شروع کرے اور رکوع میں پہنچ جائے تو تکبیر ختم کرے اور رکوع کے لیے صرف اتنا جھکے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ پیٹھ سیدھی نہ کرے اور گھٹنوں پر زور نہ دے بلکہ محض ہاتھ رکھ دے اور ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی، بازو پہلو سے چپکے ہوئے اور پاؤں

جھکے ہوئے رکھے۔ مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے اور رکوع میں کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہے۔

پھر سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتی ہوئی کھڑی ہو جائے اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہے۔ پھر اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدہ میں جائے۔ اس طرح کہ پہلے دونوں گھٹنے زمین پر رکھے، پھر دونوں ہاتھ، پھر دونوں ہاتھوں کے بیچ میں سر رکھے۔ نہ یوں کہ صرف پیشانی زمین سے چھو جائے اور ناک کی نوک لگ جائے۔ بلکہ پیشانی اور ناک کی ہڈی زمین پر جمائے اور سمٹ کر سجدہ کرے، مردوں کی طرح نہیں۔ یعنی بازو کروٹوں سے ملا دے اور پیٹ ران سے اور ران پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے ملا دے اور کلائیاں زمین پر بچھا دے۔ یوں ہی دونوں پیر بھی اور ہتھیلیاں بچھی ہوئی۔۔۔ اور ہاتھ کی انگلیاں قبلہ کو ہوں اور سجدہ میں کم از کم تین بار یا پانچ بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہے۔ پھر سر اٹھائے اور دونوں پاؤں داہنی جانب نکال دے اور بائیں سرین پر بیٹھے اور داہنا ہاتھ داہنی ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں ملی ہوئی ہوں اور ان کے کنارے گھٹنوں کے پاس اور قبلہ کو ہوں پھر "اللہ اکبر" کہتی ہوئی سجدہ کو جائے اور اسی طرح سجدہ کرے۔

جب دونوں سجدے کرلے تو دوسری رکعت کے لیے پنجوں کے بل گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ کھڑی ہو۔ اب جبکہ دوسری رکعت شروع ہوئی، اس میں ثناء (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور تعوذ (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ) نہ پڑھے بلکہ صرف بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر الحمد شریف پڑھے۔ پھر کوئی سورت یا تین آیتیں پڑھے اور اس سے فارغ ہو کر پھر اسی طرح رکوع اور سجدہ کرے جیسے پہلی رکعت میں کیا تھا اور دوسری رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہونے کے بعد دونوں پاؤں داہنی جانب نکال کر اسی طرح بیٹھ جائے جس طرح پہلی رکعت میں دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھی تھی اور پڑھے:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

تمام تحیتیں اور نمازیں اور پاکیزگیاں اللہ کے لیے ہیں۔ سلام آپ پر اے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں۔

وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اور اس میں کوئی کمی یا زیادتی نہ کرے اور اس کو تشہد کہتے ہیں۔ اور جب کلمہ لا کے قریب پہنچے تو داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور چھنگلی اور اس کے پاس والی انگلی کو ہتھیلی سے ملا دے اور لفظ لا پر کلمہ کی انگلی اٹھائے مگر اسے ہلائے نہیں اور کلمہ الا پر گرا دے اور سب انگلیاں فوراً سیدھی کرے۔

اب اگر دو سے زائد رکعتیں پڑھنی ہیں تو اٹھ کھڑی ہو مگر زمین پر ہاتھ رکھ کر نہ اٹھے بلکہ گھٹنوں پر زور دے کر اٹھے (ہاں اگر عذر ہے تو حرج نہیں) اور یہ نماز فرض نماز ہے تو ان رکعتوں میں الحمد کے ساتھ سورت ملانے کی ضرورت نہیں الحمد شریف پڑھنا کافی ہے۔

اب پچھلا قعدہ جس کے بعد نماز ختم کردے گی۔ اس میں تشہد کے بعد یہ درود شریف پڑھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۝

اے اللہ درود بھیج ہمارے سردار محمد پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے درود بھیجی سیدنا ابراہیم پر اور ان کی آل پر بے شک تو سراہا ہوا بزرگ ہے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ

اے اللہ برکت نازل کر سیدنا محمد پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل کی ہمارے سردار ابراہیم پر اور ان کی آل پر۔ بے شک تو سراہا ہوا بزرگ ہے۔

سَیِّدِنَا اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

پھر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا ہے اور بے شک تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں ہے تو تو اپنی طرف سے میری بخشش فرما اور مجھ پر رحم کر بے شک تو ہی بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

یہ دعا یاد نہ ہو تو کوئی اور دعا جو بزرگوں سے نقل ہوتی آرہی ہے، پڑھے یا پھر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! تو ہم کو دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں نیکی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

پھر دائیں شانے (مونڈھے) کی طرف منہ کر کے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہے پھر بائیں شانے کی طرف منہ پھیر کر یہی کہے۔ سلام میں اتنا پھیرے کہ اپنا رخسار دکھائی دے۔ سینہ نہ پھرے۔ (درمختار، ردالمحتار، فتاویٰ برہنہ وغیرہ)

فائدہ: نماز پڑھنے کا جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے اس میں بعض چیزیں فرض ہیں کہ اس کے بغیر نماز ہوگی ہی نہیں۔ بعض واجب ہیں کہ جان بوجھ کر ان کا چھوڑنا گناہ اور نماز کا دہرانا واجب۔ اور بھولے سے ہو تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ بعض سنت مؤکدہ ہیں کہ ان کو چھوڑنے کی عادت ڈالنا گناہ ہے اور بعض چیزیں مستحب ہیں کہ کریں تو ثواب نہ کریں تو گناہ نہیں۔ اب ہم علیحدہ علیحدہ تمام چیزوں کا بیان کرتے ہیں، انہیں خوب ذہن نشین کرلیں۔

نماز کے فرائض

سات چیزیں نماز میں فرض ہیں:

(۱) تکبیر تحریمہ (۲) قیام (۳) قرأت (۴) رکوع (۵) سجود (۶) قعدۂ اخیرہ اور (۷) خروج بصنعہٖ۔

(۱) تکبیر تحریمہ: درحقیقت یہ نماز کی شرطوں میں ہے، لیکن چونکہ یہ نماز سے بالکل ملی ہوئی ہے، اس لیے اسے فرائض نماز میں شمار کرتے ہیں تو یوں سمجھ لو کہ نماز کی سب شرطیں یعنی (۱) طہارت (۲) استقبالِ قبلہ (۳) سترِ عورت (۴) وقت (۵) نیت، یہ سب چیزیں تکبیر تحریمہ کے لیے شرط ہیں اور تکبیر تحریمہ نماز کے لیے شرط ہے۔ یعنی تکبیر ختم ہونے سے پہلے ان شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ اگر اللہ اکبر کہہ چکی اور ان میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو نماز شروع ہی نہ ہوگی۔
(درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: لفظ اللّٰہُ کو آللّٰہ یا اَکْبَرُ کو اَکْبَار کہا تو نماز نہ ہوگی۔ (درمختار)

(۲) قیام: یعنی کھڑا ہونا، کمی کی جانب اس کی حد یہ ہے کہ ہاتھ پھیلائے تو گھٹنوں تک نہ پہنچیں اور پورا قیام یہ ہے کہ سیدھا کھڑا ہو۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: فرض، وتر اور سنتِ فجر میں قیام فرض ہے کہ بلاعذر صحیح بیٹھ کر یہ نمازیں پڑھے گی تو نہ ہوگی۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی قدرت ہو جب بھی بیٹھ کر نفل پڑھنے کی اجازت ہے، مگر کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہے کہ حدیث میں فرمایا ہے "بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کی نماز، کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نصف ہے۔" یعنی ثواب آدھا ملتا ہے۔

(بہارِ شریعت، بحوالہ ردالمحتار)

البتہ قیام اس وقت فرض نہ رہے گا کہ انسان کھڑا نہ ہو سکے، یا سجدہ نہ کر سکے یا کھڑا ہو سکتا ہے مگر اس سے بیماری بڑھتی ہے یا دیر میں اچھا ہوگا، اتنی تکلیف ہوگی کہ برداشت سے باہر ہے، یا کشتی یا جہاز میں سوار ہے اور وہ چل رہی ہے اور چکر آنے کا غالب گمان ہے تو حکم ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔

مسئلہ: اگر دیوار وغیرہ سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو سکتی ہے اگرچہ اتنا ہی کہ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہہ لے تو فرض ہے کہ کھڑی ہو کر اتنا کہہ لے پھر بیٹھ جائے۔

تنبیہہ ضروری: آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا معمولی سی تکلیف ہوئی یا گھر کے کام کاج کی زیادتی کی وجہ سے تکان ہو گئی تو بیٹھ کر نماز شروع کر دی حالانکہ یہی لوگ (مرد ہوں یا عورتیں) دس دس پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر کی باتیں کر لیا کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ان مسئلوں سے سبق لیں اور جتنی نمازیں اس طرح پڑھی ہوں، انہیں پھر سے پڑھیں کہ ان پر فرض باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ (بہار شریعت)

(۳) قراءت: یعنی قرآن کریم پڑھنا اور قرآن پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام حروف اسی جگہ سے اور اسی طرح ادا کیے جائیں جو ان کے لیے مقرر ہے تاکہ ہر حرف دوسرے حرف سے ممتاز ہو جائے اور پہچانا جا سکے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جس جگہ کچھ پڑھنا یا کہنا مقرر کیا گیا ہے اس سے یہ مقصد ہے کہ کم از کم آہستہ پڑھنے میں بھی اتنا ہونا ضرور ہے کہ خود سن سکے۔ اگر کسی نے اس قدر آہستہ پڑھا کہ خود بھی نہ سن سکی اور کوئی شور وغل وغیرہ بھی نہیں تو نماز نہ ہوگی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: چھوٹی یا بڑی کسی ایک آیت کا پڑھنا فرض کی دو رکعتوں میں اور وتر و سنت اور نفل نماز کی ہر رکعت میں فرض ہے۔ ہاں امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے تو کسی نماز میں قرأت جائز نہیں یہاں تک کہ سورۃ فاتحہ بھی امام کے پیچھے پڑھنے کی اجازت نہیں۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

(۴) رکوع: اتنا جھکنا کہ ہاتھ بڑھائے تو گھٹنوں کو پہنچ جائے۔ یہ رکوع کا کم سے کم درجہ ہے اور عورت کے لیے رکوع میں یہی سنت ہے کہ پیٹھ سیدھی نہ کرے۔
(عالمگیری)

مسئلہ: جس شخص کی کمر جھک گئی اور حد رکوع کو پہنچ گئی وہ رکوع کے لیے سر سے اشارہ کرے۔ (عالمگیری)

(۵) سجود: یعنی سجدہ کرنا پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور اس کے لیے ناک کی ہڈی کا بھی زمین پر لگانا ضروری ہے اور اگر کسی عذر کے سبب پیشانی زمین پر نہیں جما سکتی تو صرف ناک سے سجدہ کرے پھر بھی فقط ناک کی نوک لگنا کافی نہیں بلکہ ناک کی ہڈی زمین پر لگنا ضروری ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: ہر رکعت میں دو بار سجدہ فرض ہے تو اگر ایک بار سجدہ کرنا بھول گئی تو نماز جاتی رہی۔ سجدۂ سہو سے بھی یہ کمی پوری نہ ہوگی۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: کسی نرم چیز مثلاً گھاس روئی، قالین یا کمانی دار گدے وغیرہ پر سجدہ کیا تو اگر پیشانی خوب جم گئی یعنی اتنی دبی کہ اب دبانے سے نہ دبے تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔
(عالمگیری)

ریل کے بعض ڈبوں میں اسی قسم کے گدے (کمانی دار) ہوتے ہیں۔ اس گدے سے اتر کر نماز پڑھنی چاہیے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: ایسی جگہ سجدہ کیا کہ قدم کی نسبت بارہ انگل سے زیادہ اونچی ہے تو سجدہ نہ ہوا، ورنہ ہو گیا۔ (درمختار)

(۶) قعدۂ اخیرہ: یعنی نماز کی رکعتیں پوری کرنے کے بعد اتنی دیر تک بیٹھنا کہ پوری التحیات یعنی ورسولہ تک پڑھ لی جائے، فرض ہے۔

مسئلہ: چار رکعت پڑھنے کے بعد بیٹھی پھر یہ گمان کر کے کہ تین ہی ہوئیں، کھڑی ہو گئی، پھر یاد کر کے کہ چار ہو چکیں، بیٹھ گئی۔ پھر سلام پھیر دیا۔ اگر دونوں بار بیٹھنا مل کر

تشہد کی مقدار ہو گیا تو فرض ادا ہو گیا، ورنہ نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: پورا قعدۂ اخیرہ سوتے میں گزر گیا تو جاگ اٹھنے کے بعد، تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔ ورنہ نماز نہ ہوگی۔ یوں ہی قیام قرأت رکوع و سجود میں اول آخر تک سوتی ہی رہی تو بیداری کے بعد ان کا پھر سے ادا کرنا فرض ہے ورنہ نماز نہ ہوگی اگرچہ سجدۂ سہو کرے۔ (ردالمحتار)

لوگ اس سے غافل ہیں، خصوصاً تراویح میں خصوصاً گرمیوں میں۔

(بہار شریعت)

مسئلہ: چار رکعت والے فرض میں چوتھی رکعت کے بعد قعدہ نہ کیا تو جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو، بیٹھ جائے اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے، نماز ہو جائے گی اور اگر پانچویں کا سجدہ کر لیا یا فجر میں دوسری پر نہیں بیٹھی اور تیسری کا سجدہ کر لیا، یا مغرب میں تیسری پر نہ بیٹھی اور چوتھی کا سجدہ کر لیا تو ان سب صورتوں میں فرض نفل ہو گئے لہٰذا اگر چاہے تو مغرب کے علاوہ اور نمازوں میں ایک رکعت اور ملا لے تاکہ جوڑا ہو جائے اور اکیلی رکعت نہ رہے۔ ہاں مغرب میں اور نہ ملائے کہ چار پوری ہو گئیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۷) خروج بصنعہٖ: یعنی قعدۂ اخیرہ کے بعد قصداً سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہونا۔ سلام کے علاوہ کوئی اور کام قصداً کرے گی تو نماز کا دہرانا واجب ہو گا۔

بلا ارادہ کوئی ایسا کام پایا گیا جو نماز میں نہیں کیا جا سکتا تو نماز باطل ہو گی۔ سرے سے پڑھنا فرض رہے گا۔ (درمختار وغیرہ)

نماز کے واجبات کا بیان

پنج وقتہ نمازوں میں نیچے لکھی ہوئی چیزیں ادا کرنا ضروری ہیں۔ انہیں "واجباتِ نماز" کہتے ہیں۔

(۱) تکبیرِ تحریمہ میں لفظ "اللہ اکبر" کہنا۔

(۲) الحمد پڑھنا۔

(۳) سورت ملانا یعنی فرض نماز کی دو پہلی رکعتوں میں اور باقی نمازوں کی ہر رکعت میں ایک چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیتیں یا ان کے برابر ایک یا دو آیتیں پڑھنا۔

(۴) الحمد کا سورت سے پہلے ہونا۔

(۵) الحمد اور سورت کے درمیان کسی اور چیز کا حائل نہ ہونا۔

(۶) قرأت سے فارغ ہوتے ہی رکوع کرنا۔

(۷) تعدیلِ ارکان یعنی رکوع سجود اور قومہ جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا۔

(۸) قومہ یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔

(۹) جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔

(۱۰) قعدۂ اولیٰ۔

(۱۱) دونوں قعدوں میں پورا تشہد پڑھنا۔

(۱۲) لفظ السلام دو بار کہنا۔

(۱۳) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا۔

(۱۴) دعائے قنوت سے پہلے لفظ اللہ اکبر کہنا۔

(۱۵) نماز میں سہو ہوا تو سجدۂ سہو کرنا۔

(۱۶) دو فرض یا دو واجب یا واجب و فرض کے درمیان تین تسبیح کہنے کی مقدار چپ نہ رہنا۔

(۱۷) ہر واجب و فرض کا اسی کی جگہ ہونا۔

(۱۸) فرض، وتر، اور سنت موکدہ میں قعدۂ اولیٰ کے تشہد (التحیات) کے بعد کچھ اور نہ پڑھنا۔

مسئلہ: فرض، وتر اور سنت موکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں اگر تشہد کے بعد اتنا کہہ لیا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ یا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَیِّدِنَا تو اگر بھول کر ہو تو سجدۂ

سہو کرے اور قصداً ہو تو نماز دہرائے، اور چار رکعت والے نوافل یا سُنّت غیر موکدہ کے (جیسے عصر اور عشاء سے پہلے کی سنتیں) قعدۂ اولیٰ میں بھی درود شریف پڑھے اور تیسری رکعت میں سبحان اور اعوذ بھی پڑھے کہ یہی مستحب ہے۔ (درمختار)

نماز کی سنتوں کا بیان

(۱) تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اٹھانا۔ (۲) ہاتھوں کی انگلیاں اپنے حال پر چھوڑنا۔ (۳) بوقتِ تکبیر سر نہ جھکانا۔ (۴) تکبیر سے پہلے ہاتھ اٹھانا۔ (۵) تکبیر کے بعد فوراً ہاتھ باندھ لینا۔ (۶) پہلے سبحان پھر اعوذ باللہ اور پھر بسم اللہ پڑھنا۔ (۷) الحمد کے ختم پر آمین کہنا۔ (۸) رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا اور انگلیاں نہ پھیلانا۔ (۹) رکوع میں کم از کم تین بار سبحان ربی العظیم کہنا۔ (۱۰) رکوع میں جانے کے لیے اللہ اکبر کہنا۔ (۱۱) رکوع میں صرف اسی قدر جھکنا کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔ (۱۲) رکوع سے اٹھتے وقت سمع اللہ لمن حمدہ کہنا۔ (۱۳) سجدے کے لیے اور سجدے سے اٹھنے کے لیے اللہ اکبر کہنا۔ (۱۴) سجدہ میں ہاتھ زمین پر رکھنا۔ (۱۵) کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہنا۔ (۱۶) سجدہ میں جانے کے لے زمین پر پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھنا پھر ہاتھ، پھر ناک، پھر پیشانی اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کا عکس کرے یعنی پہلے پیشانی اٹھائے، پھر ناک، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے۔ (۱۷) سمٹ کر سجدہ کرنا۔ (۱۸) دونوں سجدوں کے درمیان مثل تشہد کے بیٹھنا۔ (۱۹) دوسری رکعت کے لیے پنجوں کے بل گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنا۔ (۲۰) دوسری رکعت کے سجدوں سے فارغ ہو کر دونوں پاؤں داہنی جانب نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنا۔ (۲۱) داہنا ہاتھ داہنی ران پر رکھنا اور بایاں بائیں پر۔ (۲۲) انگلیوں کو اپنے حال پر چھوڑنا اور ان کے کنارے گھٹنوں کے پاس ہونا۔ (۲۳) شہادت پر اشارہ کرنا (۲۴) تشہد کے بعد قعدۂ اخیرہ میں درود شریف پڑھنا۔ (۲۵) درود شریف کے بعد عربی میں دعا کرنا، اور بہتر وہ دعائیں ہیں جو بزرگوں سے منقول ہیں۔ (۲۶) السلام

علیکم ورحمۃ اللہ دو بار کہنا، پہلے داہنی طرف پھر بائیں طرف۔ (۲۷) ظہر، مغرب اور عشاء کے بعد مختصر دعا کر کے سنتوں کے لیے کھڑا ہو جانا ورنہ سنتوں کا ثواب کم ہو جائے گا۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

نماز کے مستحبات: (۱) قیام میں حالت میں سجدہ کی جگہ نظر رکھنا۔ (۲) رکوع میں پاؤں کی پیٹھ کی طرف۔ (۳) سجدہ میں ناک کی طرف۔ (۴) قعدہ میں گود کی طرف۔ (۵) پہلے سلام میں داہنے شانے کی طرف۔ (۶) دوسرے میں بائیں طرف۔ (۷) جمائی آئے تو منہ بند کیے رہنا، اگر نہ رکے تو ہونٹ دانت کے نیچے دبائے اور اس سے بھی نہ رکے تو قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت سے منہ ڈھانک لے اور قیام میں نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت سے اور بلاضرورت ہاتھ یا کپڑے سے منہ ڈھانکنا مکروہ ہے۔ (۸) تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کپڑے کے اندر رکھنا۔ (۹) جہاں تک بن پڑے کھانسی کو روکنا۔ (۱۰) قیام کی حالت میں دونوں پنجوں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ ہونا۔

(عالمگیری وغیرہ)

جماعت وامامت کا بیان

مسلمانوں کی اجتماعی عبادتوں کا جو اہتمام شریعت کو منظور ہے اور ان اجتماعی عبادتوں میں جو برکات اور ثمرات پوشیدہ ہیں، ان کا قدرے بیان اوپر گزر چکا ہے۔ اسی سے نماز باجماعت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نیز نماز باجماعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے ہر عاقل و بالغ و تندرست پر کہ نماز باجماعت ادا کرنے پر قادر ہے، جماعت کو واجب قرار دیا ہے کہ بلاعذر شرعی، ایک بار بھی چھوڑنے والا گنہگار اور مستحق سزا ہے اور کئی بار ترک کرے تو فاسق مردود الشہادۃ ہے کہ اس کی گواہی نامقبول۔ اسے سخت سزا دی جائے گی۔ اگر پڑوسیوں نے سکوت کیا تو وہ بھی گنہگار ہوئے۔ (درمختار وغیرہ)

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ نماز

باجماعت، تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ بڑھ کر ہے۔ (بخاری و مسلم) اور ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ اگر یہ نماز باجماعت سے پیچھے رہ جانے والا جانتا کہ اُس جانے والے کے لیے کیا ہے تو گھسٹتا ہوا حاضر ہوتا۔ (طبرانی)

اس پر بھی جو لوگ باعذر شرعی مسجد میں حاضر نہ ہوں، خصوصاً عشاء و فجر میں، ان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ منافقین پر سب سے گراں نماز عشاء و فجر ہے اور اگر جانتے کہ اس میں کیا ہے تو گھسٹتے ہوئے آتے۔ اور بے شک میں نے قصد کیا کہ نماز قائم کرنے کا حکم دوں۔ پھر کسی کو امر فرماؤں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں اپنے ہمراہ کچھ لوگوں کو، جن کے پاس لکڑیوں کے گٹھے ہوں، ان کے پاس لے کر جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھر ان پر آگ سے جلادوں۔ (بخاری و مسلم)

اور خاص عورتوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ "عورت کا دالان میں نماز پڑھنا، صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھڑی میں دالان سے بہتر ہے۔" (ابوداؤد)

اسی لیے علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ عورت کا بہ سترِ کامل (خوب اوڑھ لپیٹ کر) و حفظِ شامل (پوری حفاظت کے بندوبست کے بعد) اپنے گھر کے پاس کی مسجد میں، جس میں صلحاء و پارسا، خدا ترس، پرہیزگار مسلمان نماز باجماعت ادا کرتے ہیں، کسی محرم کے ساتھ ساتھ جانا اور تکبیر کے وقت جا کر نماز میں شریک ہونا اور امام کے سلام پھیرتے ہی، دو قدم رکھ کر، اپنے گھر میں واپس آجانا، یہ بھی ممنوع ہے کہ اس سے بھی فتنوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہے جبکہ شریعتِ مطہرہ فقط فتنوں سے دور رہنے ہی کا حکم نہیں دیتی بلکہ کلیتاً اس دروازے کو بند کرتی اور شر کے ہر حیلہ و وسیلہ سے یکسر پر کترتی ہے۔

الغرض عورتیں گھر ہی پر، گھر ہی کی چہار دیواری میں، نمازیں ادا کریں، یہی مطلوبِ شرعی ہے۔ عورتوں کو کسی نماز میں، جماعت میں حاضری کی اجازت نہیں بلکہ حاضری ہی جائز نہیں۔ دن کی نماز ہو یا رات کی، جمعہ کی نماز ہو یا عیدین، خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھیاں، اور جس گھر میں عورتیں ہی عورتیں ہوں، اس گھر میں مرد کو ان کی امامت ناجائز ہے۔ ہاں اگر ان عورتوں میں اس کی نسبی محارم ہوں (یعنی وہ عورتیں جو از روئے نسب اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہیں مثلاً بیٹی، بھانجی، بھتیجی وغیرہ) اس کی بی بی ہو، یا

وہاں اور مرد بھی ہوں تو ناجائز نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

ترکِ جماعت کے اعذار

جن مسلمانوں پر نماز باجماعت ادا کرنا شرعاً لازم کیا گیا ہے، ان میں سے اگر کسی کو واقعی ایسا عذر ہو جو شرعاً مقبول ہے اور یہ معذور، تو ایسے عذر کے ہوتے ہوئے جماعت ترک کرنے میں انشاء اللہ اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ مثلاً:

(۱) وہ ایسا مریض ہے جسے مسجد تک جانے میں مشقت اور ناقابلِ برداشت تکلیف ہو۔ (۲) وہ اپاہج ہے۔ (۳) اس کا پاؤں کٹ گیا ہے۔ (۴) وہ فالج زدہ ہے۔ (۵) اتنا بوڑھا ہے کہ مسجد تک جانے سے عاجز ہے۔ (۶) وہ نابینا ہے، اگرچہ کوئی ایسا ہو جو ہاتھ پکڑ کر مسجد تک پہنچا دے۔ (۷) راستہ میں سخت کیچڑ حائل ہے۔ (۸) سخت بارش ہو رہی ہے۔ (۹) سخت سردی پڑ رہی ہے۔ (۱۰) سخت تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ (۱۱) آندھی کا زور ہے۔ (۱۲) مال یا کھانے کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۱۳) قرض خواہ کا خوف ہے اور یہ تنگ دست ہے۔ (۱۴) ظالم کا خوف غالب ہے۔ (۱۵) پاخانہ پیشاب ریاح کی شدید حاجت ہے۔ (۱۶) کھانا حاضر ہے اور نفس کو اس کی خواہش ہے کہ نماز پڑھنے جائے گا تو دل ادھر ہی پڑا رہے گا۔ (۱۷) قافلہ والوں یا ہمراہیوں کے چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ (۱۸) یہ خود تو مریض نہیں مگر مریض کا تیماردار ہے کہ جماعت کے لیے جانے سے اس مریض کو تکلیف ہوگی اور گھبرائے گا۔ غرض کوئی ایسا عذرِ شرعی قابلِ قبول پایا جائے تو جماعت ترک کرنے کا الزام نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

امام کسے بنایا جائے؟

ہر مسلمان جانتا ہے اور نہیں جانتا تو اب جان لے نماز اہم العبادات اور افضل ارکانِ اسلام ہے اور اس کے لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ نماز ایک عظیم حکمِ شرعی

ہے، احکامِ شرع کے مطابق ہی ہو سکتی ہے۔ عقلِ سلیم اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جسے امام بنائیں، اسے دیکھ لیں کہ امامت کا اہل بھی ہے یا نہیں۔ کوئی خانگی معاملہ نہیں کہ جسے چاہا، امام بنالیا اور لگے اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنے۔ سیّد المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اگر تمہیں خوش آئے کہ خدا تمہاری نماز کو قبول کرے تو چاہیے کہ تمہارے بہتر تمہاری امامت کریں، کہ وہ تمہارے سفیر ہیں تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان۔" اور جب امام سفیر ہے اور مقتدیوں کی نمازیں اس کی نماز سے وابستہ ہیں تو ضروری ہے کہ وہ امامت کا اہل ہو۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ:

(۱) امام صحیح العقیدہ خالص سنی ہو۔ بدمذہب، بدعقیدہ مثلاً وہابی دیوبندی نہ ہو کہ جب خود ان کی نماز، نماز نہیں تو ان کے پیچھے نماز، کب نماز ہوگی۔ تو آج کل کے عام رافضی، وہابی، نیچری، قادیانی، غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنا محض باطل ہے جیسے کسی ہندو یا پادری کے پیچھے۔

(۲) صحیح العمل ہو، فاسق علی الاعلان نہ ہو، یعنی کبھی کوئی گناہ اعلان کے ساتھ نہ کرتا ہو، کسی گناہِ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو۔ نہ گناہِ صغیرہ پر اصرار کرتا ہو کہ صغیرہ بھی عادت و اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور جو داڑھی حد شرع سے کم کراتا ہو، وہ فاسق معلن ہے۔

(۳) صحیح القراءۃ ہو یعنی قرآن مجید ایسا غلط نہ پڑھتا ہو جس سے معنی بدلیں اور فاسد ہو جائیں اور اگر ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنی میں فساد آتا ہے تو خود اس کی اپنی نہ ہوگی۔

(۴) نماز کے فرائض و واجبات اور مفسدات و مکروہات سے واقف ہو، ورنہ جو شخص مسائلِ نماز سے جاہل ہو، اس کی امامت میں احتمال قوی، نماز کے فساد و خرابی کا ہے کہ اس سے اکثر باتیں ایسی واقع ہوں گی جس سے نماز فاسد ہو جائے گی یا اس میں نقصان آئے گا اور وہ اپنی جہالت و ناواقفیت کے سبب ان پر مطلع نہ ہوگا اور ان کی اصلاح نہ کر سکے گا تو یہ خود بھی ڈوبے گا، دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا۔ یہ بھی بے نمازی کا بے نمازی رہا اور مقتدیوں پر بھی ترک نماز کا وبال آیا۔ اور جان بوجھ کر ہو تو اس

مداہنت اور حکمِ شرعی میں سہل انگاری و بے احتیاطی کے باعث یہ وبال اور شدید تر۔

(۵) تمام مسلمان آگاہ رہیں کہ علمائے دین (کہ حقیقتاً علمائے اہلسنّت و جماعت ہیں) یہی حضور سیّد العالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ واصحابہ اجمعین کے نائبین ہیں نہ کہ جہال۔ تو امامت خاص حق، علمائے اہلسنّت ہی کا ہے۔ انہیں کو امام بنایا جائے اور انہیں کی اقتداء کی جائے اور انہیں کی نمازوں سے اپنی نمازوں کو وابستہ کیا جائے۔ انہیں کے حق میں وارد کہ اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔ علماء انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث ہیں اور ہدایہ میں ہے کہ "جس نے کسی عالم متقی کے پیچھے نماز پڑھی گویا نبی کے پیچھے پڑھی۔"

(۶) تو عالم متقی سنی، خدا ترس کے پیچھے نماز، عطر قبول میں ڈوبی ہوئی اور انشاء اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے مشرف نماز ہے۔ مسلمان کوشش کریں کہ یہ نعمت ان کے ہاتھوں سے نہ جانے پائے۔ یہ سہل انگاری کا موقع نہیں۔ اہم العبادات کا معاملہ ہے جس کی پُرسش، کل بروزِ قیامت، تمام اعمال سے پیشتر ہوگی۔

تنبیہہ جلیل

زمانۂ خلافتِ مسلمین میں امراء و سلاطین، خود امامت کرتے اور حضور عالِمِ ما کان وما یکون صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ان میں فساق و فجار، کھلے بندوں نافرمانیوں کے مرتکب اور ناکردنیوں میں منہمک بھی ہوں گے اور معلوم تھا اہلِ صلاح، نیکوکار مسلمانوں کے قلوب ان کی ناگفتنی حرکات کی بنا پر تنفر کریں گے۔ ان کی طرف، ان کے دلوں کا میلان ہونا کجا، نفرت سے بھرپور رہیں گے اور معلوم تھا کہ ان سے اختلاف، ان کی امامت سے نزاع و خلاف، آتشِ فتنہ کو مشتعل کرنے اور دنیاوی فتنوں کو بھڑکانے والا ہوگا اور دفعِ فتنہ کہ فتنے پھیلنے نہ پائیں، فاسق و فاجر کی اقتداء ترک کرنے اور ان کی اقتداء میں نماز ادا نہ کرنے سے اہم و اعظم تھا، لہٰذا دروازۂ فتنہ بند کرنے کے لیے ارشاد ہوا کہ صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ بَرٍّ وَّفَاسِقٍ۔ یعنی نماز ہر نیک و بد کے پیچھے پڑھ لو۔ اور یہ قول مبارک اس باب سے ہے کہ "جو شخص دو بلاؤں میں گھر جائے

کہ (دو میں سے ایک کو اختیار کرنا ضروری ہو جائے) تو وہ اسے اختیار کرے جو ان دونوں میں سے زیادہ سہل الحصول ہو۔"

۔اس قول مبارک کو ہر دور، ہر قرن، اور ہر حال میں بطور قاعدۂ کلیہ کے استعمال کرنا، فقہائے کرام کے اس قول کے صریح خلاف ہے کہ فاسق معلن کو امام بنانا گناہ ہے اور مکروہ تحریمی۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نماز تو فاسق کے پیچھے بھی ہو جاتی ہے مگر معلن کے پیچھے مکروہ تحریمی اور غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہی ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ ملخصاً)

مسلمان ہرگز ایسے کو امام نہ بنائیں جو

(۱) صحیح العقیدہ سنی نہ ہو اور جو سنیوں میں سنی، وہابیوں میں وہابی بنتا ہو، وہ وہابی بھی ہے اور منافق بھی۔ (۲) یوں ہی جس کی حالت مشکوک و مشتبہ ہو کہ سنی ہونے کے باوجود بدمذہبوں، بدعقیدوں سے یارانہ مناتا، ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہو۔ (۳) یا جو نیاز، درود، فاتحہ، صلوٰۃ و سلام اور قیام و میلاد کا منکر ہو۔ (۴) یا ان سے جی چرائے حیلوں بہانوں سے جان چھڑائے کہ آج کل ان اطراف میں، ان امور کا انکار خاص وہابیہ کا شعار ہے اور وہابیت مردود، اور ان امور کو علی الاعلان بدعت و ناجائز کہنے والے تو ہیں ہی وہابی۔ (۵) یا جو دریافت کرنے پر بھی اپنا عقیدہ مذہب نہ بتائے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کے دین میں کچھ فساد ہے، ورنہ دین بھی کچھ چھپانے کی چیز ہے۔ تو ایسوں کی کسی نماز میں (اگرچہ تراویح ہو) اقتداء ہرگز نہ کی جائے کہ بطلان نماز کا احتمال قوی ہے۔ (۶، ۷، ۸) یونہی وہ بھی لائق امامت نہیں جو داڑھی منڈائے یا خشخشی رکھے یا کترواکر حد شرع سے کم کرے۔ (۹) یا سر کے بال کندھوں کے نیچے عورتوں کی طرح رکھے۔ (۱۰) یا ناچ رنگ سنیما تھیٹر دیکھے۔ (۱۱) یا بلاعذر شرعی رمضان کے روزے نہ رکھے۔ (۱۲) یا جماعت کا پابند نہ ہو۔ (۱۳) یا نماز قضا کرے۔ (۱۴) یا بُری عادتوں سے متہم ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں۔ (۱۵) یا جو کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا پہنچائے۔ (۱۶) یا گالی گلوچ کرتا پھرے۔ (۱۷) یا جس کے گھر کی عورتیں بے پردہ پھریں

اور ان احوال سے واقف ہونے کے باوجود حسب مقدور کامل بندوبست نہ کرے۔ (۱۸) یا کوٹ پینٹ میں ملبوس۔ (۱۹) یا فیشن زدہ سا پھرے۔ (۲۰) یا بازاروں میں علانیہ کھائے پئے۔ (۲۱) غرض جسے احکام شرع کا لحاظ پاس اور احترام نہ ہو، وہ ہرگز امامت کا اہل نہیں۔

نماز کے بعد ذکر و دعا

(۱) ہر نماز کے بعد تین بار استغفار کرے اور آیت الکرسی اور تینوں قل (الاخلاص، الفلق، الناس) ایک ایک بار پڑھیں۔

(۲) سر کے اگلے حصے پر ہاتھ رکھ کر پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ عَنِّی الْهَمَّ وَالْحُزْنَ اور ہاتھ کھینچ کر ماتھے پر لائے۔

(۳) سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز کے بعد ان کلموں کے کہنے والا نامراد نہیں رہتا۔

نماز توڑنے والی چیزوں کا بیان

مسئلہ: کسی بھی قسم کی بات چیت کرنا اگرچہ بھول سے ہو یا کسی کے مجبور کر دینے سے ہو، اگرچہ ایک آدھ بات ہی کیوں نہ ہو، نماز فاسد کر دیتا ہے (درمختار)

مسئلہ: کسی شخص کو سلام کیا یا زبان سے سلام کا جواب دیا، یا کسی کو چھینک آئی اس کے جواب میں نمازی نے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہا یا جواب کی نیت سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا یا خوشی کی خبر سن کر جواب میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا یا بری خبر سن کر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کہا یا اللہ تعالیٰ کا نام سن کر جَلَّ جَلَالُهٗ کہا یا حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہٖ وسلم کا نام سن کر درود شریف پڑھا یا اذان کا جواب دیا۔ شیطان کا ذکر سن کر اس پر لعنت بھیجی یا نماز میں دنیا کی باتوں کا خیال آیا اور وسوسہ دور کرنے کے لیے لاحول پڑھی تو ان سب صورتوں میں نماز جاتی رہی۔ (عالمگیری، درمختار وغیرہ)

مسئلہ: آہ، اوہ، اف، تف یہ الفاظ درد یا مصیبت کی وجہ سے نکلے یا آواز سے روئی اور حرف پیدا ہوئے یا بلاوجہ کھنکارنے میں دو حروف ظاہر ہوئے تو ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو گئی۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: بیمار کی زبان سے بے اختیار آہ، اوہ نکلی نماز فاسد نہ ہوئی۔ یوں ہی چھینک، کھانسی، جماہی، ڈکار، میں جتنے حروف مجبوری میں نکل جاتے ہیں وہ معاف ہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: نماز کے اندر کھانا پینا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ جان بوجھ کر ہو یا بھول کر، تھوڑا ہو یا زیادہ، یہاں تک کہ اگر تل بغیر چبائے نگل گئی یا کوئی بوند اس کے منہ میں گری اور اس نے نگل لی تو نماز جاتی رہی۔

مسئلہ: دانتوں کے اندر کھانے کی کوئی چیز رہ گئی تھی، اس کو نگل گئی اگر چنے سے کم ہے، نماز فاسد نہ ہو گی، مکروہ ہوئی اور چنے کے برابر ہے تو فاسد ہو گئی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: دانتوں سے خون نکلا اور نگل گئی، اگر حلق میں خون کا مزا محسوس ہوا تو نماز فاسد ہو گئی، ورنہ نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: عورت نماز پڑھ رہی تھی، بچے نے اس کی چھاتی چوسی، اگر دودھ نکل آیا تو نماز جاتی رہی۔ (درمختار)

مسئلہ: عورت نماز میں تھی، مرد نے بوسہ لیا یا شہوت کے ساتھ اس کے بدن کو ہاتھ لگایا، نماز جاتی رہی اور مرد نماز میں تھا اور عورت نے ایسا کیا تو نماز فاسد نہ ہوئی، جب تک مرد کو شہوت نہ ہو۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ایک رکن میں تین بار کھجانے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ یعنی یوں کہ کھجا کر

ہاتھ ہٹالیا، پھر کھجایا، پھر ہاتھ اٹھایا، علیٰ ہذا القیاس۔ اور اگر ایک بار ہاتھ رکھ کر چند مرتبہ حرکت دی تو ایک ہی مرتبہ کھجانا کہا جائے گا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: پے در پے تین بال اکھاڑے یا تین جوئیں ماریں یا ایک ہی جوں کو تین بار مارا تو نماز جاتی رہی اور پے در پے نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہو گی، مگر مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: تکبیر میں اَللّٰہُ کو آللّٰہُ یا اَکْبَرُ کو آکْبَارُ کہا تو نماز فاسد ہو گئی اور تحریمہ میں ایسا ہوا تو نماز شروع ہی نہ ہوئی۔ (درمختار وغیرہ)

وہ چند چیزیں جو نماز میں مکروہِ تحریمی ہیں

مکروہ تحریمی کسے کہتے ہیں؟ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ اب ان چیزوں کو بیان کیا جاتا ہے جن سے نماز مکروہ تحریمی ہو جاتی ہے۔ ایسی نماز کو دہرانا ضروری ہے ورنہ گناہ سر پر رہے گا:

(۱) کپڑے یا بدن کے ساتھ کھیلنا۔ (۲) کپڑا سمیٹنا مثلاً سجدے میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھالینا کہ مٹی نہ لگے۔ (۳) کپڑا لٹکانا مثلاً سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں کنارے لٹکتے ہوں۔ (۴) آدھی کلائی سے زیادہ آستین چڑھی ہوئی ہونا۔ (۵) زور کا پیشاب پاخانہ معلوم ہوتے وقت نماز پڑھنا۔ (۶) انگلیاں چٹکانا یا انگلیوں کی قینچی باندھنا۔ (۷) کمر پر ہاتھ رکھنا۔ (۸) ادھر ادھر منہ پھیر کر دیکھنا۔ (۹) نگاہ آسمان کی طرف اٹھانا۔ (۱۰) ناک اور منہ کو چھپانا۔ (۱۱) بے ضرورت کھنکار نکالنا۔ (۱۲) قصداً جماہی لینا۔ (۱۳) جس کپڑے پر جاندار کی تصویر ہو، اسے پہن کر نماز پڑھنا۔ (۱۴) نمازی کے آگے یا دائیں یا بائیں یا سر پر چھت وغیرہ میں یا سجدہ کی جگہ جاندار کی تصویر ہونا یا پیچھے ہی ہونا۔ (۱۵) الٹا قرآن مجید پڑھنا۔ (۱۶) کسی واجب کو چھوڑ دینا مثلاً قومہ اور جلسہ میں سیدھے ہونے سے پہلے سجدہ کو چلے جانا۔ (۱۷) قیام کے علاوہ کسی اور جگہ قرآن کریم پڑھنا۔ (۱۸) رکوع میں قرأت ختم کر دینا۔ (۱۹) الٹا کپڑا پہن کر یا اوڑھ کر نماز پڑھنا۔ (درمختار، ردالمحتار، عالمگیری، بہارِ شریعت)

چند وہ چیزیں جو نماز میں مکروہ تنزیہی ہیں

مکروہِ تنزیہی وہ فعل ہے جس کا کرنا شرع کو پسند نہیں، لہٰذا بچنا ہی چاہیے کہ ثواب میں کمی نہ ہو۔

(۱) سجدہ یا رکوع میں بلا ضرورت تین تسبیح سے کم کہنا۔ حدیث میں اسی کو مرغ کی سی ٹھونگ مارنا فرمایا۔ ہاں اگر وقت تنگ ہے یا ریل چلے جانے کا خوف ہے، تو حرج نہیں۔ (۲) کام کاج کے میلے کچیلے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا۔ (۳) نماز میں انگلیوں پر آیتوں وغیرہ کا گننا۔ (۴) ہاتھ یا سر کے اشارے سے سلام کا جواب دینا۔ (۵) بلا عذر آلتی پالتی مار کر بیٹھنا۔ (٦) دامن یا آستین سے اپنے کو ہوا پہنچانا جب کہ دو ایک بار ہو اور پنکھا جھلا تو نماز جاتی رہی۔ (۷) انگڑائی لینا اور خواہ مخواہ کھانسنا یا کھنکارنا (۸) نماز میں تھوکنا۔ (۹) فرض کی ایک رکعت میں کسی سورت یا آیت کو بار بار پڑھنا اور عذر سے ہو تو حرج نہیں مثلاً بھولے سے پڑھ گئی۔ (۱۰) سجدہ کو جاتے وقت گھٹنے سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھنا یوں ہی سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھ سے پہلے گھٹنے اٹھانا بلا عذر ہو تو مکروہ ہے۔ (۱۱) اَعُوْذُ بِاللّٰہِ، بِسْمِ اللّٰہِ، سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اور آمین زور سے کہنا۔ (۱۲) بغیر عذر دیوار یا لاٹھی وغیرہ پر ٹیک لگانا۔ (۱۳) آستین کو بچھا کر سجدہ کرنا تاکہ چہرے پر خاک نہ لگے اور گرمی سے بچنے کے لیے ایسا کیا تو حرج نہیں۔ (۱۴) دائیں بائیں جھومنا۔ (۱۵) اٹھتے وقت آگے پیچھے پاؤں اٹھانا۔ (۱٦) منہ میں کوئی چیز مثلاً پیسہ لیے ہوئے نماز پڑھنا اور اگر ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے قرأت نہیں کر سکتی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (۱۷) آنکھیں بند رکھنا۔ ہاں اگر آنکھیں بند کر لینے سے نماز میں دل لگے تو بند کرنے میں حرج نہیں بلکہ بہتر ہے۔ (۱۸) مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا۔ (۱۹) ایسی جگہ نماز پڑھنا کہ دل بٹے۔ (۲۰) جلتی ہوئی آگ نمازی کے سامنے ہونا اور لالٹین یا چراغ وغیرہ ہو تو کراہت نہیں۔ (۲۱) سامنے پاخانہ، نجاست وغیرہ کا ہونا۔

(در مختار، ردالمحتار، عالمگیری وغیرہا)

نمازِ وتر کا بیان

نمازِ وتر واجب ہے اور واجب کا مرتبہ قریب قریب فرض کے ہے تو اگر نمازِ وتر کسی طرح چھوٹ گئی تو اس کی قضا واجب ہے اور جب قضا پڑھے تو اس میں دعائے قنوت بھی پڑھے خواہ کوئی سی دعا ہو، البتہ قضا میں دعائے قنوت سے پہلے تکبیر کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے۔ جب کہ اوروں کے سامنے پڑھے کہ وہ اس کی تقصیر سے واقف ہوں گے۔ (عالمگیری، ردالمحتار)

مسئلہ: وتر کی نماز بیٹھ کر بغیر عذر نہیں ہو سکتی۔ (در مختار)

مسئلہ: نمازِ وتر تین رکعت ہے اور اس کی ہر رکعت میں الحمد پڑھنا اور اس کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے۔

مسئلہ: وتر کے قعدۂ اولیٰ میں صرف التحیات پڑھ کر کھڑی ہو جائے، نہ درود شریف پڑھے نہ سلام پھیرے، جیسے مغرب کے فرض پڑھتے ہیں۔ (در مختار)

مسئلہ: تیسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہو کر رکوع سے پہلے کاندھوں تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہے جیسے تکبیرِ تحریمہ میں کرتے ہیں، پھر ہاتھ باندھ لے اور دعائے قنوت پڑھے اور اس میں کسی خاص دعا کا پڑھنا ضروری نہیں۔ (ردالمحتار)

جسے دعائے قنوت یاد نہ ہو اسے یاد کرنا چاہیے کہ خاص اس کا پڑھنا سُنّت ہے اور جب تک یاد نہ ہو اَللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ پڑھ لیا کرے۔ یہ بھی یاد نہ ہو تو اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ تین بار کہہ لیا کرے، یہ بھی نہ آئے تو صرف یارب تین بار کہہ لے، واجب ادا ہو جائے گا۔ یونہی قل ھو اللہ شریف پڑھنے سے بھی واجب ادا ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

سنتوں اور نفل نمازوں کا بیان

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: جو مسلمان بندہ اللہ کے لیے ہر روز فرض کے علاوہ بارہ رکعتیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک مکان بنائے گا، چار ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو بعد مغرب اور دو بعد عشاء اور دو نماز فجر سے پہلے۔ (مسلم شریف وغیرہ)

مسئلہ: جو سنتیں چار رکعتی ہیں، مثلاً ظہر کی تو چاروں ایک سلام سے پڑھی جائیں گی یعنی چاروں پڑھ کر چوتھی کے بعد سلام پھیریں، ورنہ سنتیں ادا نہ ہوں گی۔ یونہی اگر چار رکعت کی منت مانی اور دو دو کر کے چار پڑھیں تو منت پوری نہ ہوئی بلکہ ضروری ہے کہ ایک سلام کے ساتھ چاروں پڑھے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: جو سنت موکدہ چار رکعتی ہیں اس کے قعدۂ اولیٰ میں صرف التحیات پڑھے، اگر بھول کر درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو کرے اور ان سنتوں میں جب تیسری رکعت کے لیے کھڑی ہو تو سبحانک اللھم اور اعوذ بھی نہ پڑھے اور ان کے علاوہ اور چار رکعت والی سنت غیر موکدہ یا نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں بھی درود شریف پڑھے اور تیسری رکعت میں سبحانک اللھم اور اعوذ بھی پڑھے، یہ پڑھنا مستحب ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: نفل بیٹھ کر پڑھے تو اس طرح بیٹھے جیسے تشہد میں بیٹھتے ہیں، اور قرأت کی حالت میں سینے پر ہاتھ باندھے جیسے قیام میں باندھتے ہیں، مگر کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے کہ حدیث شریف میں فرمایا: "بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز، کھڑے ہو کر پڑھنے والے کی نصف ہے۔" وتر کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: تراویح بالاجماع سنت مؤکدہ ہے۔ اس کا ترک جائز نہیں اور تراویح کی بیس رکعتیں دس سلام سے پڑھے یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیرے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: تراویح بیٹھ کر پڑھنا بلاعذر ہو تو مکروہ ہے بلکہ بعضوں کے نزدیک ہوگی ہی نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: عورتیں سورتوں سے تراویح پڑھیں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ الم ترکیف سے آخر تک دوبارہ پڑھیں کہ بیس رکعت پوری ہو جائیں گی اور رکعتوں کی گنتی بھی یاد رکھنی نہیں پڑے گی اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اگر قل ھو اللہ پڑھی تو یہ بھی جائز ہے۔ (ردالمحتار)

قضا نماز کا بیان

مسئلہ: سوتے میں یا بھولے سے نماز قضا ہوگئی تو اس کی قضا پڑھنا فرض ہے۔ بیدار ہونے یا یاد آنے پر اگر وقت مکروہ نہ ہو تو اسی وقت پڑھ لے۔ اب دیر لگانا مکروہ ہے اور گناہ کا باعث ہے اور یہ اندیشہ ہو کہ صبح کی نماز جاتی رہے گی تو بلا شرعی ضرورت کے اسے رات میں دیر تک جاگنا منع ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: کوئی سو رہا ہے یا نماز پڑھنا بھول گیا ہے تو جسے معلوم ہو اس پر واجب ہے کہ سوتے کو جگادے اور بھولے کو یاد دلادے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جو نماز جیسی قضا ہوئی اس کی قضا ویسی ہی پڑھی جائے گی مثلاً سفر کی چار رکعتی نماز دو ہی رکعت پڑھی جائے گی اگرچہ سفر ختم ہوگیا ہو اور اقامت کی چار رکعت والی چار ہی پڑھی جائیں گی اگرچہ سفر میں قضا پڑھے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: پانچوں فرضوں میں باہم اور فرض و وتر میں ترتیب ضروری ہے کہ پہلے فجر پڑھے پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء اور پھر وتر پڑھے۔ مثلاً ظہر کی قضا ہوگئی تو فرض ہے کہ اسے پڑھ کر پھر عصر پڑھے یا وتر قضا ہوگیا تو اسے پڑھ کر فجر پڑھے۔ اگر یاد ہوتے ہوئے عصر یا فجر کی پڑھ لی تو ناجائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: قضانمازیں جب پانچ فرضوں سے زیادہ ہو جائیں تو ان میں ترتیب ضروری نہیں، اسے اختیار ہے کہ ان میں جو نماز چاہے پہلے ادا کرے اور جو چاہے پیچھے، بلکہ قضا نمازوں اور وقتی نمازوں میں بھی ترتیب کی حاجت نہیں رہتی، ان میں بھی اختیار ہے کہ جو پہلے پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: قضانماز یاد نہ رہی اور وقتیہ پڑھ لی، پڑھنے کے بعد یاد آئی تو وقتیہ نماز ہو گئی اور پڑھنے میں یاد آئی تو گئی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: یہ اندیشہ ہے کہ اگر قضانماز پڑھی تو وقتی نماز فوت ہو جائے گی تو پہلے وقتیہ نماز پڑھے پھر قضا پڑھے۔ (ہدایہ وغیرہ)

مسئلہ: ایک نماز قضا ہو گئی، اس کے بعد حیض آ گیا تو حیض سے پاک ہو کر پہلے قضا پڑھ لے پھر وقتی پڑھے، اگر قضا یاد ہوتے ہوئے وقتی پڑھے گی، نہ ہو گی جب کہ وقت میں گنجائش ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ: قضا نمازیں نوافل سے اہم ہیں، یعنی جس وقت نفل پڑھتا ہے، انہیں چھوڑ کر ان کے بدلے قضانمازیں پڑھے تاکہ بری الذمہ ہو جائے لیکن سنت مؤکدہ کو نہ چھوڑے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: قضامیں نیت یوں کرنی چاہیے کہ "نیت کی میں نے پہلی فجر کی (یا پہلی ظہر یا عصر کی) جو مجھ سے قضا ہوئی اور جس پر قضا نمازیں بہت سی ہوں کہ گنتی یاد نہیں، وہ آسانی کے لیے اگر یوں بھی کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی کی بجائے صرف ایک بار کہے مگر تسبیح پوری ہو جانی چاہیے۔ دوسری آسانی یہ ہے کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ فقط سبحان اللہ تین بار کہہ کر رکوع میں چلی جائے اور تیسری آسانی یہ ہے کہ پچھلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ اللھم صلی علی محمد وآلہ کہہ کر سلام پھیر دے اور وتروں میں آسانی کی ایک

صورت یہ بھی ہے کہ تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ کہہ لے۔ (فتاویٰ رضویہ)

پردہ سے متعلق چند آیات واحادیث

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِھِمۡ --- (اِلٰی قَوۡلِہٖ تعالٰی) لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔

ان آیاتِ کریمہ سے حسبِ ذیل احکام معلوم ہوئے:

(۱) ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اپنی نظریں نیچی رکھیں کہ مردوں کی نگاہ عورتوں سے اور عورتوں کی نگاہ مردوں سے علیحدہ رہے۔

(۲) مرد اور عورتیں اپنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اس حکم کے تحت زناکاری کے علاوہ اور بھی سارے طریقے ناجائز شہوت رانی اور بدکاری و بدنظری کے آ گئے۔ عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، بے حیائی کے مناظر دکھانے والے تھیٹر اور سینما، خیالات و جذبات میں ہیجان پیدا کرنے والی تصویریں وغیرہ سب اس کے تحت میں آ جاتی ہیں۔

(۳) عورتیں اپنا سنگھار، خواہ وہ جسم کا ہو یا متعلقاتِ جسم کا، کسی اجنبی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ اس کے تحت ہر وہ چیز آ جاتی ہے جو غیروں کے لیے شوق و رغبت کا باعث ہو۔ مثلاً حُسنِ صورت، خوش خرامی، لباس، خوشبو، پوڈر، غازہ وغیرہ، کیونکہ اس سے میلانِ طبع پیدا ہوتا ہے اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ شرافت نسوانی کے خلاف ہے۔ چہرے کا کھلا رکھنا اسی میں داخل ہے کہ چہرہ کھلا ہونا فتنوں کو دعوت دینا ہے۔

(۴) عورتیں اپنی زینت غیر مردوں پر ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سر اور سینہ دو مقام خاص طور پر

زینت کے ہیں۔ ان کے ڈھانپنے کا اور زیادہ اہتمام رکھیں۔ اس سے بہت سے فتنوں کی جڑ کٹ جاتی ہے اور اس زینت میں قدرتی یا مصنوعی ہر وہ چیز داخل ہے جو عورت کی جانب رغبت اور التفات بڑھائے۔

(۵) عورتیں چلتے وقت زمین پر اپنے پیر زور سے نہ رکھیں کہ ان کا اندرونی زیور معلوم ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ آواز جو رغبت اور دلکشی کا باعث ہو ممنوع ہے، بجنے والے زیور مثلاً پازیب یا جھانجن پہن کر زمین پر زور زور سے پاؤں رکھنا اسی میں داخل ہے۔ اسی لیے چاہیے کہ عورتیں باجے اور جھانجن نہ پہنیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی دعا قبول نہیں کرتا، جس کی عورتیں جھانجن پہنتی ہیں۔ اس سے سمجھنا چاہیے کہ جب زیور کی آواز دعا قبول نہ ہونے کا سبب ہے تو خاص عورت کی آواز اور اس کی بے پردگی کیسی تباہی کا باعث ہوگی۔ ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔

اے غیب کی خبر دینے والے محبوب! آپ اپنی بیبیوں اور اپنی صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر چادر (یا برقع) ڈال لیا کریں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شریف عورتیں وہ ہیں کہ جب گھر سے کسی ضرورت کے باعث قدم باہر نکالیں تو ان کا سارا جسم کسی چادر یا برقع سے سر سے پاؤں تک چھپا رہنا چاہیے۔ اس قسم کے سارے احکام کا حاصل یہ ہے کہ عورت اپنی وضع قطع اور لباس سے شریف عزت دار بی بی معلوم ہو کہ جس عورت کی چال ڈھال سنجیدہ اور شریفانہ ہوتی ہے۔ آوارہ گردوں اور لفنگوں اور بدمعاشوں کو بھی اسے چھیڑنے کی جرأت مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ ایسے فیشن پر لعنت جو زمانۂ جاہلیت کی طرح عورتوں کو نیم برہنہ اور ننگا کر دے۔

احادیثِ کریمہ: اس بارے میں بہ کثرت آئی ہیں، مختصراً ہم چند احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے میں کوئی حصّہ نہیں بجز اس کے کہ مجبور ہوں۔ (طبرانی)

(۲) عورت، عورت ہے یعنی چھپانے کی چیز ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو اسے شیطان جھانک کر دیکھتا ہے۔ یعنی اسے دیکھنا شیطانی کام ہے۔ (ترمذی)

(۳) دیکھنے والے پر اور اس پر جس کی طرف نظر گئی، اللہ کی لعنت۔ یعنی دیکھنے والا، جب بلاعذر شرعی قصداً دیکھے اور دوسرا اپنے آپ کو قصداً دکھائے۔ (بیہقی)

(۴) جب مرد، عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

(۵) عورتوں کے پاس جانے سے بچو، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ دیور موت ہے۔ یعنی دیور کے سامنے ہونا گویا موت کا سامنا ہے کہ یہاں فتنہ کا زیادہ احتمال ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۶) ایک مرد دوسرے مرد کی ستر کی جگہ نہ دیکھے اور نہ عورت، دوسری عورت کی ستر کی جگہ دیکھے۔ (مسلم)

(۷) ایسا نہ ہو کہ عورت دوسری عورت کے ساتھ رہے، پھر اپنے شوہر کے سامنے اس کا حال (اس طرح) بیان کرے گویا یہ اسے دیکھ رہا ہے۔ (بخاری)

(۸) عورت کا اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنا، صحن میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اس کا تہہ خانے میں نماز پڑھنا گھر کے اندر نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

(۹) حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے دریافت فرمایا کہ بتلاؤ عورت کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے۔ اس پر تمام صحابہ خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے واپس آ کر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عورتوں کے لیے سب سے بہتر کیا بات ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ نہ وہ غیر مردوں کو دیکھیں، نہ غیر مرد انہیں دیکھیں۔ مولیٰ علی نے یہ جواب حضور سے عرض کیا۔ (آپ اس جواب سے اس درجہ مسرور ہوئے کہ) ارشاد فرمایا (کیوں نہ

ہو) وہ میری لخت جگر ہیں۔ (دار قطنی)

(۱۰) حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ (کہ دونوں ازواج مطہرات سے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھیں، اتنے میں عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نابینا صحابی ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس حاضر ہوئے اور اندر آنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان دونوں سے ارشاد فرمایا کہ ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: یارسول اللہ وہ تو نابینا ہیں، ہم کو تو وہ نہیں دیکھ سکتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: کیا تم بھی نابینا ہو، کیا تم انہیں نہیں دیکھ سکتیں۔ (ابوداؤد)

(۱۱) زنانوں کو اپنے گھر سے نکال باہر کرو۔ (ابن ماجہ)

(۱۲) ہمارے گروہ سے نہیں وہ عورت کہ مردوں کی وضع قطع اختیار کرے اور نہ وہ مرد جو عورتوں کی طرح رہے۔ (امام احمد)

پردے کے متعلق چند احکام

(۱) کافر عورت شریعت میں اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ گھروں میں کافر عورتیں آتی جاتی رہتی ہیں اور مسلمان بیبیاں ان کے سامنے بے حجاب، مواضع ستر، سرو سینہ وغیرہ کھولے ہوئے آجاتی ہیں، اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اکثر دائیاں کافر ہوتی ہیں اور وہ بچہ جنانے کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ اگر مسلمان دائیاں مل سکیں تو کافرہ سے ہرگز یہ کام نہ لیا جائے کہ کافرہ کے سامنے اعضاء کو کھولنے کی اجازت نہیں۔ (عالمگیری)

(۲) صالحہ نیک اور شریف عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے کو بدکار فاحشہ عورت کے دیکھنے سے بچائے اگرچہ وہ مسلمان ہو۔ اس کے سامنے دوپٹہ وغیرہ نہ اتارے کیونکہ وہ اسے دیکھ کر دوسرے مردوں کے سامنے اس کی شکل و صورت کا ذکر کرے گی۔ جس سے فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے تو ایسی عورتیں، پاک دامنوں میں آئیں ہی کیوں۔ (عالمگیری)

(۳) عورت کسی اجنبی مرد کے جسم کو نہ چھوئے جب کہ دونوں میں سے کوئی جوان

ہو۔ اگرچہ اس بات کا دونوں کو اطمینان ہو کہ شہوت پیدا نہیں ہوگی۔ (عالمگیری)

بعض جوان عورتیں اپنے پیروں کے ہاتھ پاؤں دباتی ہیں اور ان میں اکثر دونوں یا ایک حدِ شہوت تک پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ ایسا کرنا ناجائز ہے اور دونوں گنہگار۔ (بہارِ شریعت)

(۴) بعض عورتیں بہت باریک کپڑے پہنتی ہیں، جس سے سر کے بال یا بالوں کی سیاہی یا گردن یا کان یا پیٹ اور پیٹھ نظر آتی ہے اور بدن کی رنگت جھلکتی ہے۔ ایسے موقع پر کہ اجنبی مردوں کی نظر ان پر پڑے۔ اس قسم کے کپڑے پہننا بھی ناجائز ہیں۔ (عالمگیری)

(۵) اگر بہ ضرورت غیر مرد سے پسِ پردہ گفتگو کرنی پڑے تو قصد کریں کہ لہجہ میں نزاکت نہ آئے اور بات میں لوچ نہ آئے۔ بات نہایت سادگی سے کی جائے۔ عفت مآب خواتین کے لیے یہی شایاں ہے۔ (قرآن)

اللہ اللہ کہاں تو یہ تاکیدیں اور احتیاطیں اور کہاں یہ تفریح گاہوں، عام راہوں، مخلوط جلسوں، ملے جلے جلسوں میں عورتوں کی آمدورفت اور بے حجابانہ مٹر گشت، کہاں تو شریعت مطہرہ کی یہ تاکید کہ عورت ہلکی خوشبو استعمال کرے کہ تیز خوشبو سے خواہ مخواہ غیر مرد اس کی جانب متوجہ ہوں گے اور کہاں بے باکی و خود نمائی کی یہ نمائشیں کہ آدھے سر کے بال اور کلائیاں اور کچھ حصہ گلے یا پنڈلی کا کھلا رہنا تو گویا کوئی عیب ہی نہیں اور زیادہ بانکپن ہوا، نمائش کا شوق بڑھا تو دوپٹہ شانوں سے ڈھلکا ہوا۔ کریپ یا جالی یا باریک ململ یا نازک وائل یا اور ایسے ہی کپڑوں کا لباس کرتے قمیص، جمپر فراک جس سے بدن کی رنگت چمکے اور اسی حالت میں ان کا غیروں میں جانا، اجنبیوں میں پھرنا، غیر مردوں کے ساتھ بازاروں اور عام گزرگاہوں میں خرید و فروخت کرنا۔ کہاں تو عورتوں کا اپنے محلہ کی مسجد میں، گھر کے دروازے پر، ادائیگی نماز کے لیے دو قدم کے فاصلے پر جانا ممنوع و ناجائز اور کہاں آج سیر تماشے باجے تاشے کی محفلوں میں مجلسوں میں بڑھتی ہوئی بے حیائیاں اور پروان چڑھتی آوارگیاں، کہاں تو حدیث میں غیروں کے گھر تو غیروں کے گھر، جہاں نہ اپنا قابو نہ اپنا گزر اپنے مکانوں کی نسبت آیا کہ "عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو کہ

نامحرموں کی نظریں ان پر یا ان کی نظریں ان پر پڑیں گی، اور کہاں سینما، تھیٹر، پاپ گھر اور پارکوں، کلبوں میں یہ عریانیاں اور بدلحاظیاں ۔

خیالی روشنی، روشن خیالی آج کل کی ہے
دلوں سے سلب اس نے کرلیا ہے نُورِ ایمانی

اسی سلسلے میں ایک حدیث اور سن لیں اور اسے ہمیشہ یاد رکھیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے، دوزخیوں میں دو گروہ ہیں۔ ایک ان میں سے ان عورتوں کا ہے، جو (ظاہر میں تو) کپڑے پہنتی ہیں مگر (حقیقت میں) ننگی ہیں۔ یعنی اس قدر باریک اور ایسی لاپرواہی سے کپڑے استعمال کرتی ہیں کہ ان کا بدن چمکتا ہے اور کہیں سے کھلا ہوتا ہے، کہیں سے چھپا ہوا۔ آپ بھی دوسرے مردوں کی طرف رغبت کرتی ہیں (کہ بناؤ سنگھار کر کے دوسروں کا دل لبھاتی یا سر سے دوپٹہ اتار ڈالتی ہیں تاکہ دوسرے مرد ان کا چہرہ وغیرہ دیکھیں) اور مٹک مٹک کر چلتی ہیں۔ (تاکہ دوسروں کو فریفتہ اور اپنی طرف مائل کریں) یہ عورتیں ہرگز بہشت میں داخل نہ ہوں گی اور جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گی۔ حالانکہ جنّت کی خُوشبو بہت دور سے معلوم ہو جاتی اور دور دور تک پھیلتی ہے۔ (مشکوٰۃ)

شوہر کے حقوق

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً ۔

آیت کریمہ میں تین باتیں بیان فرمائی گئیں جو خانگی نظام زندگی کے لیے سنگ بنیاد اور بطور اصل کے بیان ہوئی ہیں اور جس کا لحاظ شوہر و بیوی دونوں کو یکساں رکھنا ضروری ہے۔

(۱) مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی ہم جنس مخلوق ہیں، تمہاری ہی طرح پیدا کی گئی ہیں، تمہاری جیسی خواہش، جذبات اور احساسات ان میں بھی موجود

ہیں، بے روح مخلوق اور بے حس جسم نہیں۔

(۲) ان کی پیدائش کا منشا یہ بھی ہے کہ وہ تمہارے لیے سرمایۂ راحت و تسکین ہیں۔ تمہارے لیے سکونِ قلب کا باعث ہیں، تمہارے درد کا درماں اور تمہارے غم کا مداوا ہیں، تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں کہ تمہارا دل ان سے لگے، جی ان سے بہلے۔

(۳) تمہارے اور ان کے تعلقات کی بنیاد ہی باہمی محبت، اخلاص اور ہمدردی پر ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی رفاقت کے لیے اپنے ایک ہم جنس کی تلاش ہوتی ہے اور یہ خدا کی پیدا کی ہوئی فطرت ہے۔ چنانچہ زن و شوہر کے باہمی اخلاص و محبت کو خدا نے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔

قرآن پاک نے ایک لفظ سکون سے بیوی کی رفاقت کی جس حقیقت کو ظاہر کیا ہے وہ میاں بیوی کے تعلقات کے تمام فلسفے کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کا خلوت خانہ دنیا کی کشاکشوں اور مشکلوں میں امن و سکون کا گہوارہ ہونا چاہیے اور میاں بیوی کے باہمی تعلقات میں اتنی خوشگواری ہونی چاہیے کہ جس سے عورت کی پیدائش کا منشا پورا ہو یعنی باہمی اخلاص و پیار، مہر و محبت اور سکون و چین۔ اگر کسی سے یہ اغراض پورے نہیں ہوتے تو اس میں دونوں یا دونوں میں کسی ایک کا قصور ہے۔

یہ باہمی میل جول کس طرح قائم رہ سکتا ہے اس کی صورت صرف ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ بیوی شوہر کی فرمانبرداری اور شوہر بیوی کی دلجوئی کرے۔

میاں بیوی باہم اپنے اپنے حقوق کے اعتبار سے گو برابر ہیں لیکن جس طرح باپ اور بیٹے اپنے اپنے حقوق میں برابر کی حیثیت رکھتے ہیں اور شریعت کا حکم ہے کہ باپ افسر ہو کر رہے، بیٹا ماتحت ہو کر۔ باپ حکم دے اور بیٹا مانے۔ اسی طرح معاشرے کی انتظامی مشین میں مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے۔

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ۔

یعنی مرد عورتوں پر حاکم، ان کے سر دھرے، ان کے امور کا انتظام کرنے والے، ان کی کفالت کرنے والے اور ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں اور دنیا کے انتظامی معاملات اور خانگی نظام میں عورت مرد کے ماتحت اور اس کی تابع ہے اور یہ اس لیے کہ مرد کو اپنے قوائے جسمانی اور دل و دماغ کی برتری حاصل ہے اور دوسرے یہ کہ عورت خرچ میں مرد کے دست نگر رہتی ہے اور مرد عورت کے جائز مصارف کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ اس لیے نیک بیبیوں کی علامت یہ ہے کہ وہ شوہر کی غیر حاضری میں اس کی عزت و ناموس اور اس کے مال و جائیداد کی نگہداشت کرنے والیاں ہوتی ہیں اور ہمہ اوقات اپنی اور اپنے شوہر کی عزت و آبرو اور مال کا خیال رکھتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی عصمت کا خیال اور شوہر کی وفاداری کا جذبہ پیدا کر کے انہیں محفوظ کر دیا ہے۔
مختصر لفظوں میں عورت کے ذمہ یہ تین فرائض ہیں جو قرآن کریم نے اس پر عائد کیے۔

(۱) اپنے شوہر کی اطاعت گزار اور وفادار ہو۔

(۲) سلیقہ شعار ہو کہ شوہر کے مال و دولت کو برباد نہ کرے۔

(۳) عفت مآب ہو کہ اپنی اور اپنے شوہر کی عزت و ناموس پر آنچ نہ آنے دے۔
سکول اور کالجوں میں پڑھی ہوئی لڑکیاں ذرا غور کریں اور اپنے دامن میں ذرا جھانک کر دیکھیں کہ وہ اس قرآنی معیار پر کہاں تک پوری اترتی ہیں۔ اب اس سلسلے کی چند احادیث کریمہ سنئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(۱) عورت پر سب لوگوں سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر اس کی ماں کا ہے۔ (حاکم)

(۲) اگر میں کسی شخص کو کسی مخلوق کے لیے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کا حق عورتوں کے ذمہ کر دیا ہے۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، عورت اپنے پروردگار کا حق ادا نہ کرے گی جب تک شوہر کے حق ادا نہ کرے۔ (ابوداؤد، حاکم)

(۳) عورت ایمان کا مزانہ پائے گی جب تک حق شوہر ادا نہ کرے۔ (طبرانی)

(۴) عورت پر شوہر کا حق یہ ہے کہ اس کے بچھونے کو نہ چھوڑے اور اس کی قسم

کو سچا کرے اور بغیر اس کی اجازت کے باہر نہ جائے اور ایسے شخص کو مکان میں نہ آنے دے جس کا آنا شوہر کو پسند نہ ہو۔ (طبرانی)

(۵) عورت جب پانچوں نمازیں پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے اور شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو۔ (ابو نعیم)

(۶) جو عورت خدا کی اطاعت کرے اور شوہر کا حق ادا کرے اور اسے نیک کام کی یاد دلائے اور اپنی عصمت اور اس کے مال میں خیانت نہ کرے تو اس کے اور شہیدوں کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ پھر اس کا شوہر باایمان نیک خو ہے تو جنت میں وہ اس کی بی بی ہے۔ ورنہ شہیدوں میں سے کوئی اس کا شوہر ہوگا۔ (طبرانی)

(۷) وہ عورت جس کا شوہر اس پر ناراض ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور کوئی نیکی بلند نہیں ہوتی۔ (بیہقی)

(۸) شوہر نے عورت کو بلایا، اس نے انکار کر دیا اور غصے میں اس نے رات گزاری تو صبح تک اس عورت پر فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ جب تک شوہر اس سے راضی نہ ہو اللہ عزوجل اس سے ناراض رہتا ہے۔

(۹) جب عورت اپنے شوہر کو دنیا میں ایذا دیتی ہے تو حوریں کہتی ہیں کہ خدا تجھے قتل کرے اسے ایذا نہ دے یہ تو تیرے پاس مہمان ہے، عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آئے گا۔ (ترمذی)

(۱۰) اے عورتو! خدا سے ڈرو اور شوہر کی رضامندی کی تلاش میں رہو اس لیے کہ عورت کو اگر معلوم ہوتا کہ شوہر کا کیا حق ہے تو جب تک یہ اس کے پاس کھانا رہتا یہ کھڑی رہتی۔ (ابو نعیم)

(۱۱) تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کہ شوہر اس سے جو کہے وہ مانے۔ جب شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور اگر شوہر قسم دے کر کچھ کہے تو وہ اس قسم کو پورا کر دے۔ (ابن ماجہ)

بیوی کے حقوق

اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

اردو میں یہ مضمون یوں ادا ہوگا یعنی جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے اسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔ گویا دنیا کو یہ بتایا جارہا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ بس مردوں کے حقوق عورتوں پر اور شوہروں کے حقوق بیویوں پر ہوتے ہیں۔ نہیں بلکہ اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق مردوں پر اور بیویوں کے حقوق بھی شوہروں پر ہوتے ہیں، عورتیں جانور یا جائیداد نہیں کہ مالِ موروثہ کی طرح ان پر مردوں کا تصرف کا حق حاصل ہو تو شوہر کہیں اس سے بھول میں نہ پڑ جائیں کہ ان کے صرف حقوق ہی حقوق ہیں اور فرض و ذمہ داری کچھ نہیں؟ فرائض ان پر بھی اسی طرح عائد ہوتے ہیں جس طرح ان کے ان کی بیویوں پر۔ اسی طرح بیویاں بھی کہیں اس روشن خیالی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ خدمت کرنا ہمارا کام نہیں۔ یہ کام مردوں کا ہے ہمارا کام خدمت لینا ہے۔

لیکن ان حقوق کا معیار وہ نہیں جو ہوائے نفس کے ماتحت کسی دستور سے لیا جائے اور اس کا نام ضابطہ حقوقِ نسواں رکھ دیا جائے بلکہ ان حقوق کی ساری باتیں اور تفصیلات شریعت مطہرہ کے احکام اور عقلِ سلیم کے ماتحت ہونی چاہئیں۔

شوہروں کو یہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ عورتوں کے مالک نہیں ان کی بیویاں ان کی کنیزیں نہیں۔ بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں ہاں جسمانی ساخت اور دماغی قوت کے باعث مرد کو ایک طرح کی فضیلت حاصل ہے۔

قرآن کریم کا ارشادِ گرامی ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا

اس آیت کریمہ کا ماحصل یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کے ساتھ خوش اسلوبی

سے گزر بسر کرنا چاہیے۔ خواہ وہ سہاگن ہوں یا بیوہ۔ آیت کریمہ نے تہمت، عیب جوئی، بدگمانی، اور غیبت و بدگوئی کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کردیئے۔

مرد بعض اوقات، اظہار خفگی کے وقت، عورت کی برائیاں گنانا شروع کردیتا ہے اور اسے اپنا حق سمجھتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ جو عورت تمہارے دامن سے وابستہ ہے مانا کہ اس میں کچھ برائیاں اور لاپرواہیاں ہیں۔ لیکن ان برائیوں کے ساتھ کچھ خوبیاں بھی تو پائی جاسکتی ہیں۔ اگر وہ کاہل یا لاپرواہ ہے تو ساتھ ہی مثلاً تمہاری وفادار اور عصمت شعار بھی تو ہے تو اس کی ان خوبیوں کو بھی تو نظر میں لاؤ، کبھی ان کا بھی خیال کرلیا کرو۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

مرد عورت دونوں کو حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے مخلص اور وفادار رہیں بلکہ یک جاں و دو قالب ہوں، ایک دوسرے کے پردہ پوش، ایک دوسرے کی زینت اور ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہوں اور ایک دوسرے کی معاشی اور معاشرتی کمی میں کمال کا وسیلہ بن کر رہیں۔

اکثر عورتوں میں ضد اور ہٹ ہوتی ہے۔ مرد کو چاہیے کہ اس کی ضد کے مقابلے میں سختی اور درشتی سے کام نہ لے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کہ ان کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے ہوئی ہے وہ تیرے لیے کبھی سیدھی نہیں ہوسکتی۔ اگر تو اسے برتنا چاہے تو اسی حالت میں برت سکتا ہے اور سیدھا کرنا چاہے گا تو توڑ دے گا اور توڑنا طلاق دینا ہے۔ (مسلم)

(۲) مسلمان مرد، اپنی مسلمان بیوی سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک عادت بری معلوم ہے، دوسری پسند ہوگی۔ (مسلم) یعنی عورت کی ساری ہی عادتیں خراب نہیں ہوں گی جبکہ اچھی بری عادتیں اور ہر قسم کی باتیں ہوں گی تو مرد کو یہ نہ چاہیے کہ خراب ہی عادت کو دیکھتا رہے بلکہ بری عادت سے چشم پوشی کرے اور اس کی اچھی عادتوں پر نظر رکھے۔ (مسلم)

سبحان اللہ مردوں کو بیویوں کے معاملے میں خوش، قانع اور راضی رہنے کا کیا عمدہ نسخہ حکیم انسانیت نے تعلیم فرمادیا۔

(۳) تم میں اچھے وہ لوگ ہیں جو عورتوں سے اچھی طرح پیش آئیں۔ (ترمذی)

انسان کے بہتر، خوش اخلاق اور صالح ہونے کی یہ ایک ایسی پہچان بتادی گئی ہے کہ اس آئینہ میں ہر شخص اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ جو اپنوں کے ساتھ احسان اور انصاف نہیں کر سکتا اس سے کیا توقع کہ وہ دوسروں سے اچھا سلوک کرے گا۔ حسنِ معاملہ اور نیکی گھر سے شروع ہونی چاہیے۔ حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

(۴) اے لوگو! عورتوں کے بارے میں، نیکی اور بھلائی کرنے کی وصیت فرماتا ہوں تم میری اس وصیت کو قبول کرو۔ بے شک عورتوں کا تمہارے اوپر حق ہے تم ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی اختیار کرو۔ (ابن ماجہ)

(۵) ایک موقع پر ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بیوی کا حق شوہر پر کیا ہے؟ فرمایا جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب اور جیسا خود پہنے اس کو پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اس کو برا بھلا کہے اور نہ گھر کے علاوہ اس کی سزا کے لیے اس کو علیحدہ کردے۔ (ابن ماجہ)

الغرض اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا بہی خواہ ایک دوسرے کا ہمدرد اور ایک دوسرے کا پردہ پوش رہنا چاہیے۔ باہمی رواداری سے کام لینا چاہیے، دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ اس کے لیے اوڑھنا بچھونا ہے یہ اس کے لیے اوڑھنا بچھونا ہے جس طرح لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے اور اس کے حُسن و خوبی کو ابھارتا ہے، اسی طرح شوہر اور بیوی کا اخلاقی کمال یہ ہے کہ ایک دوسرے کی کمزوری کو چھپائیں اس پر صبر کریں اور ایک دوسرے کی خوبیوں کو نگاہ میں رکھیں اور بہتر سے بہتر صورت میں اپنے باہمی تعلقات کو ظاہر کریں۔

چہل احادیث

ارشاد فرماتے ہیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم:

(۱) جس کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ بیماری ہے اور اس میں برکت نہیں ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اگر ابھی دستر خوان نہ اٹھایا گیا ہو تو پڑھ کر کچھ کھالے اور دسترخوان اٹھالیا گیا ہو تو بسم اللہ پڑھ کر انگلیاں چاٹ لے۔ (ابن عساکر)

(۲) کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھائے نہ پانی پئے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطان کا طریقہ ہے۔ (مسلم)

(۳) کھڑے ہو کر ہرگز کوئی شخص پانی نہ پئے اور جو بھول کر ایسا کر گزرے وہ قے کر دے۔ (مسلم)

(۴) جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا احترام کرے اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بولے یا چپ رہے اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے۔ (بخاری)

(۵) جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہ دے سوائے منہ اور ہتھیلیوں کے۔ (ابوداؤد)

(۶) جو شخص شہرت کا کپڑا پہنے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔ (ابن ماجہ) لباسِ شہرت سے مراد یہ ہے کہ تکبر کے طور پر اچھے کپڑے پہنے۔ یہ عادت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ انہیں خاص خیال رکھنا چاہیے۔

(۷) ان عورتوں پر لعنت جو مردوں کی طرح وضع قطع اختیار کریں اور ان مردوں پر لعنت جو عورتوں کی طرح رہیں سہیں۔ (ابوداؤد)

(۸) سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ مت چھوڑا کرو۔ (بخاری)

(۹) جو شخص عصر کے بعد سوئے اور اس کی عقل جاتی رہے تو وہ اپنے ہی کو ملامت

کرے۔ (ابویعلی)

(۱۰) جب گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کرو۔ تم پر اور تمہارے گھر والوں پر برکت ہوگی۔ (ترمذی)

(۱۱) جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو فرشتے کہتے ہیں رب العالمین، اور اگر وہ رب العالمین (بھی) کہتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) (طبرانی)

(۱۲) ان دلوں میں بھی زنگ لگ جاتا ہے جس طرح لوہے میں پانی لگ جانے سے زنگ لگتی ہے۔ عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی جلا (صفائی) کس چیز سے ہوگی؟ فرمایا: کثرت سے موت کو یاد کرنے اور تلاوت قرآن پاک سے۔ (بیہقی)

(۱۳) بدفالی کوئی چیز نہیں اور فال اچھی چیز ہے۔ لوگوں نے عرض کی فال کیا چیز ہے؟ فرمایا: اچھا کلمہ جو کسی سے سنے۔ (مسلم) یعنی کہیں جاتے وقت یا کسی کام کا ارادہ کرتے وقت، کسی کی زبان سے اگر اچھا کلمہ نکل گیا تو یہ فال حسن ہے۔

(۱۴) دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون (باعث لعنت) ہیں۔ نغمہ کے وقت باجے کی آواز، مصیبت کے وقت رونے کی آواز۔ (بزار)

(۱۵) گانے سے دل میں نفاق اگتا ہے جس طرح پانی سے کھیتی اگتی ہے۔ (بیہقی)

(۱۶) بڑی خیانت کی یہ بات ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی بات کہے اور وہ تجھے اس بات میں سچا جان رہا ہے اور تو اس سے جھوٹ بول رہا ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۷) ابن آدم جب صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزانہ کہتے ہیں کہ تو خدا سے ڈر کہ ہم سب تیرے ساتھ وابستہ ہیں اگر تو سیدھی رہے تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ (ترمذی)

(۱۸) آدمی کے اسلام کی اچھائی میں سے یہ ہے کہ لایعنی چیز چھوڑ دے یعنی جو چیز کار آمد نہ ہو اس میں نہ پڑے۔ (امام مالک)

(۱۹) فحش جس چیز میں ہوگا اسے عیب دار کردے گا اور حیا جس چیز میں ہوگی اسے آراستہ کردے گی۔ (ابن ماجہ)

(۲۰) اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ ان کو دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے اور اللہ کے برے بندے وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں۔ دوستوں میں جدائی ڈالتے ہیں اور جو شخص جرم سے بری ہے اس پر تکلیف ڈالنا چاہتے ہیں۔ (بیہقی)

(۲۱) مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی چھپی ہوئی باتوں کو ٹٹولا نہ کرو۔ (احمد)

(۲۲) حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے اور صدقہ خطا کو بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۲۳) سب سے برا قیامت کے دن وہ بندہ ہے جس نے دوسرے کی دنیا کے بدلے میں اپنی آخرت برباد کردی۔ (ابن ماجہ)

(۲۴) مسلم کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے پھر جس نے ایسا کیا اور مرگیا تو جہنم میں گیا۔ (امام احمد)

(۲۵) جس کو یہ پسند ہو کہ عمر میں درازی ہو اور رزق میں وسعت ہو اور بری موت دفع ہو وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرے۔ (حاکم)

(۲۶) وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت و توقیر نہ کرے اور اچھی بات کا حکم نہ کرے اور بُری بات سے منع نہ کرے۔ (ترمذی)

(۲۷) جو شخص مسلم کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (بخاری)

(۲۸) ایمان و حیا دونوں ساتھی ہیں ایک کو اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (بیہقی)

(۲۹) اپنے صحن (و مکان) کو ستھرا رکھو یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ کرو۔ (ترمذی)

(۳۰) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کی طرف نظر نہیں فرماتا، تمہارے دل اور اعمال کی طرف نظر کرتا ہے۔ (مسلم)

(۳۱) جس گھر میں کتا ہو یا تصویر اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ (مشکوۃ)

(۳۲) صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور بندہ کسی کا قصور معاف کردے تو اللہ

تعالیٰ اس کی عزت بڑھائے گا۔ (بخاری)

(۳۳) اپنے مال کی زکوٰۃ نکال کہ وہ پاک کرنے والی ہے، تجھے پاک کردے گی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کر اور مسکین اور پڑوسی اور سوالی کا حق پہچان۔ (امام احمد)

(۳۴) دو عورتیں خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے ارشاد فرمایا: تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا تو کیا تم اسے پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے۔ عرض کیا نہیں فرمایا: تو اس کی زکوٰۃ ادا کرو۔ (ترمذی)

(۳۵) ظلم سے بچو کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیاں ہے اور بخل سے بچو کہ بخل نے اگلوں کو ہلاک کیا۔ اسی بخل نے انہیں خون بہانے اور حرام کو حلال کرنے پر آمادہ کیا۔ (مسلم)

(۳۶) جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہنادے تو جب تک اس میں کا اس شخص پر ایک پیوند بھی رہے گا یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے گا۔ (ترمذی)

(۳۷) جسے چار چیزیں ملیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی ملی: (۱) دل، شکر گزار۔ (۲) زبان، یادِ خدا کرنے والی۔ (۳) بدن، بلا پر صابر اور (۴) ایسی بی بی کہ اپنے نفس اور مالِ شوہر میں گناہ کی طالب نہ ہو۔ (طبرانی)

(۳۸) جب ایسا شخص پیغام بھیجے جس کے خلق اور دین کو پسند کرتے ہو تو نکاح کر دو، اگر نہ کروگے تو زمین میں فتنہ و فسادِ عظیم ہوگا۔ (ترمذی)

(۳۹) جو عورت بغیر کسی حرج کے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (امام احمد)

(۴۰) (کسی کے مرنے یا مصیبت کے وقت) جو منہ پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے۔ (نوحہ کرے) وہ ہم سے نہیں۔ (بخاری)

اولاد کی تعلیم و تربیت

مرد اور عورت کے خانگی تعلقات کا مقصد صرف عمل زوجیت کی تکمیل اور تسکینِ نفس نہیں بلکہ اسلام کے نزدیک یہ ایک تمدنی فریضہ ہے جس سے نسلِ انسانی کی حفاظت مطلوب ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ عورت کا کام محض بچے پیدا کرنا نہ ہو بلکہ بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی مناسب پرورش بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے عورت کے لیے "حرث" یعنی کھیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جس طرح ایک کھیت کے دامن سے ایک خاص ترتیب اور عمل سے فصل تیار ہو کر نکلتی ہے، اسی طرح صنف نازک کے دامن سے بھی نسلِ انسانی کو مکمل طور پر تیار ہو کر نکلنا چاہیے۔ چنانچہ والدین کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھیں اور ان کی ایسی تربیت کریں کہ وہ معاشرے کے معزز فرد بن سکیں۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بچوں کی اخلاقی تربیت کے قواعد کو ایک دستور العمل کے طور پر مرتب کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

تربیت کی اصل بنیاد چونکہ بچپن میں پڑتی ہے اس لیے اسی وقت سے اس کی دیکھ بھال رکھنی چاہیے۔ بچے میں سب سے پہلے غذا کی رغبت پیدا ہوتی ہے، اسے بتانا چاہیے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔ دسترخوان پر جو کھانا سامنے اور قریب ہو اسی طرف ہاتھ بڑھائے۔ کھانے کی طرف یا کھانے والوں کی طرف نظر نہ جمائے۔ جلد جلد نہ کھائے، نوالہ اچھی طرح چبائے، ہاتھ اور کپڑے کھانے میں آلودہ نہ کرے، کم کھائے اور معمولی کھانے پر اکتفا کرے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔

سفید کپڑے پہننے کا شوق دلایا جائے اور اسے سمجھایا جائے کہ یہ شوخ رنگ کے کپڑے یا ریشمی یا بھڑک دار کپڑے پہننا عورتوں کا کام ہے۔ جو لڑکے اس قسم کے کپڑوں کے عادی ہوں ان کی صحبت سے بچایا جائے۔ کاہلی اور آرام پرستی سے نفرت دلائی جائے۔ جب بچے سے کوئی پسندیدہ فعل ظہور میں آئے تو تعریف کر کے اس کا دل بڑھایا

جائے اور اسے انعام دیا جائے۔ اس کے خلاف کبھی کوئی بات ظاہر ہو تو چشم پوشی کرنا چاہیے تاکہ بُرے کاموں پر دلیر نہ ہو جائے۔ خصوصاً جب وہ خود اس کام کو چھپانا چاہتا ہے، اگر دوبارہ وہ فعل سرزد ہو تو تنہائی میں اسے سمجھانا چاہیے کہ یہ بہت بُری بات ہے، لیکن بار بار اس کو ملامت نہ کرنی چاہیے۔ اس سے بات کا اثر کم ہو جاتا ہے اور بچے میں ڈانٹ ڈپٹ سننے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

اس بات کی سخت تاکید کرنی چاہیے کہ بچہ چھپا کر کوئی کام نہ کرے۔ کیونکہ بچہ اسی کام کو چھپا کر کرتا ہے جس کو وہ برا سمجھتا ہے۔ اس لیے جب چھپا کر کام کرنے کی عادت چھوٹ جائے گی تو بچہ بہت سی بُری عادتوں سے محفوظ رہے گا۔

مجلس میں تھوکنے، جماہی اور انگڑائی لینے، لوگوں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے، پاؤں پر پاؤں رکھنے اور ٹھوڑی کے نیچے ہتھیلی رکھ کر بیٹھنے سے منع کرنا چاہیے۔

قسم کھانے سے بالکل روکنا چاہیے گو سچی ہو۔ بات خود شروع نہ کرے بلکہ پوچھے تو جواب دے۔ مخاطب کی بات کو توجہ اور غور سے سنے۔ مکتب سے پڑھ کر نکلے تو اس کو موقع دیا جائے کہ کوئی کھیل کھیلے۔ کیونکہ ہر وقت پڑھنے لکھنے میں مصروف رہنے سے دل بجھ جاتا ہے۔ ذہن کند ہو جاتا ہے اور طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے۔ انتہی۔

مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا:

"زبان کھلتے ہی "اللہ اللہ" پھر لا الہ الا اللہ پھر پورا کلمہ طیبہ سکھایا جائے۔ جب تمیز آئے تو قرآن مجید پڑھائے۔ استاد نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ، سن رسیدہ کے سپرد کر دے اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔ بعد ختم قرآن مجید ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔ عقائدِ اسلام و سُنّت سکھائے کہ لوح سادہ فطرتِ اسلامی و قبولِ حق پر مخلوق ہے۔ اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہو گا۔

حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم ان کے دل میں ڈالے کہ اصلِ ایمان و عینِ ایمان ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب و اولیاء و علماء کی محبت و عظمت تعلیم کرے کہ اصل سُنّت و زیورِ ایمان بلکہ باعثِ بقائے ایمان ہے۔ سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کر دے۔ علمِ دین خصوصاً

وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل، توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدر و لسان وغیرہ خوبیوں کے فضائل، حرص، طمع، حبِ دنیا، حبِ جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے رذائل پڑھائے۔ پڑھانے سکھانے میں رفق و نرمی ملحوظ رکھے۔ موقع موقع پر چشم نمائی تنبیہ و تحدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کو کوسنا ان کے لیے سبب اصلاح نہ ہو گا بلکہ اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ زنہار زنہار بُری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یارِ بد مارِ بد سے بد تر ہے۔ نہ ہرگز ہرگز کتبِ عشقیہ و غزلیاتِ فسقیہ دیکھنے دے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائے جھک جاتی ہے۔ جب دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے۔ خاص لڑکی کے حقوق سے ہے کہ اس کے پیدا ہونے پر ناخوشی نہ کرے بلکہ نعمت الٰہیہ جانے، سینا، پرونا، کاتنا، کھانا پکانا سکھائے۔ بیٹیوں سے زیادہ دلجوئی اور خاطرداری رکھے کہ ان کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ دینے میں انہیں اور بیٹوں کو کانٹے کی تول برابر رکھے۔ جو چیز دے پہلے انہیں دے کر بیٹوں کو دے۔

جہاں ناچ گانا ہو ہرگز نہ جانے دے، اگرچہ خاص اپنے بھائی کے یہاں ہو کہ گانا سخت سنگین جادو ہے اور ان نازک شیشوں کو تھوڑی ٹھیس بہت ہے۔ بلکہ بیگانوں میں جانے کی مطلقاً بندش کرے۔ گھر کو ان پر زنداں کر دے۔ (مشعلہ الارشاد)



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نفل نمازوں کا بیان

نفل نمازیں تو بہت کثیر ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ جن میں نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ آدمی جس وقت اور جتنے نوافل پڑھنا چاہے پڑھے مگر ہم صرف چند نمازوں کا بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ یاد دلانا بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ:

جس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں (مرد خواہ عورت) ان کا پڑھنا جلد سے جلد واجب ہے۔ بال بچوں کی خورد و نوش اور نگہداشت و پرورش اور دیگر ضروریات کی فراہمی کے بعد جو وقت فرصت کا ملے اس میں قضا پڑھتا رہے یہاں تک کہ پوری ہو جائیں۔ اور قضا نمازیں، نفل نمازوں سے اہم ہیں۔ یعنی آدمی جس وقت نفل پڑھتا ہے انہیں چھوڑ کر ان کے بدلے قضا نمازیں پڑھے تاکہ بری الذمہ ہو جائے۔ (ردالمحتار) اور لو لگائے رکھے کہ مولا عزوجل اپنے کرم خاص سے قضا نمازوں کے ضمن میں ان نوافل کا ثواب بھی اپنے خزائنِ غیب سے عطا فرمادے جن کے اوقات میں یہ قضا نمازیں پڑھی گئیں۔ واللہ ذوالفضل العظیم۔

تحیۃ الوضوء: وضو سے فارغ ہو کر (اگر وقت مکروہ نہ ہو تو) اعضائے وضو خشک ہونے سے پہلے، دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص وضو کرے اور اچھا (اطمینان سے) وضو کرے اور ظاہر و باطن کے ساتھ متوجہ ہو کر (دل لگا کر) دو رکعت پڑھے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔" (مسلم شریف)

مسئلہ: غسل کے بعد بھی دو رکعت نماز مستحب ہے۔ وضو کے بعد بدن خشک ہونے سے پہلے فرض وغیرہ پڑھے تو قائم مقام تحیۃ الوضو کے ہو جائیں گے۔ (ردالمحتار)

نمازِ اشراق: یہ نماز سورج نکلنے کے کم از کم بیس منٹ بعد پڑھی جاتی ہے دو یا چار رکعتیں جیسا موقع ہو پڑھے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص فجر کی نماز (مرد ہو تو) جماعت سے پڑھ کر ذکر خدا کرتا رہا یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو گیا (جس کا وقت بیس منٹ ہے) پھر دو رکعتیں پڑھے تو اسے پورے حج و عمرہ کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی)

نمازِ چاشت: سورج جب خوب بلند ہو جائے اور دھوپ میں تیزی آنے لگے تو یہ وقت نماز چاشت کا ہے۔ اس وقت کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور افضل بارہ ہیں۔ احادیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے جس نے چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بنائے گا۔ (ترمذی)

مسئلہ: نمازِ چاشت کا وقت آفتاب بلند ہونے سے زوال تک ہے۔ زوال سے پہلے پہلے یہ نماز پڑھ لینا چاہیے اور بہتر یہ ہے کہ چوتھائی دن چڑھے، پڑھے۔ (عالمگیری، ردالمحتار)

صلوٰۃ الاوابین: مغرب کے فرضوں کے بعد چھ رکعتیں پڑھنا مستحب ہے، ان کو "صلوٰۃ الاوابین" کہتے ہیں خواہ ایک سلام سے سب پڑھے یا دو سے یا تین سے۔ اور تین سلام سے یعنی ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا افضل ہے۔ ان میں پہلی دو رکعتیں سنت موکدہ ہوں گی، باقی چار نفل۔ (درمختار، ردالمحتار، افاداتِ رضویہ) احادیث میں اس نماز کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھے اور ان کے درمیان میں کوئی بُری بات نہ کہے تو بارہ برس کی عبادت کے برابر لکھی جائیں گی اور ایک حدیث میں فرمایا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (طبرانی)

نمازِ تہجد: فرضِ عشاء اور سنتیں وغیرہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر سو رہے، پھر رات کو

جس وقت بھی آنکھ کھلے اس وقت نوافل ادا کرے۔ انہی نوافل کو نمازِ تہجد کہتے ہیں۔ وضو کر کے کم از کم دو رکعت نفل پڑھ لے تہجد ہو گیا اور سنت آٹھ رکعت ہیں اور بزرگانِ دین کا معمول بارہ رکعت ہیں۔ قرأت کا اختیار ہے۔ الحمد کے بعد جو چاہے پڑھے اور قرآن کریم یاد نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے کہ جتنی رکعتیں پڑھے گا اتنے ہی ختمِ قرآنِ مجید کا ثواب ملے گا۔ (ردالمحتار) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب عزوجل ہر رات میں جب پچھلی تہائی باقی رہتی ہے، آسمانِ دنیا پر خاص تجلی فرماتا ہے اور فرماتا ہے: ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کروں؟ ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے دوں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ اس کی بخشش کر دوں۔ (بخاری، مسلم)

مسئلہ: عید و بقر عید اور پندرہویں شعبان کی راتوں اور رمضان کی اخیر دس راتوں اور ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں میں شب بیداری مستحب ہے۔ اکثر حصہ میں جاگنا بھی شب بیداری ہے۔ ان راتوں میں نفل پڑھنا اور تلاوت قرآن مجید اور حدیث پڑھنا اور سننا اور درود شریف پڑھنا اور دوسرے ذکر اذکار میں مصروف رہنا شب بیداری ہے نہ کہ خالی جاگنا۔ (ردالمحتار وغیرہ) اور ایسی مبارک راتوں کو فضول باتوں، لغو و بیہودہ کاموں میں گزارنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی سو جائے۔

نمازِ استخارہ

بعض اوقات آدمی کو اپنے کام میں یہ تردد و تذبذب ہوتا ہے کہ کروں یا نہ کروں مثلاً سفر پر جانا یا کسی رشتہ کو منظور کرنا چاہتا ہے یا شادی بیاہ وغیرہ ایسی ہی کوئی تقریب انجام دینا چاہتا ہے۔ لیکن دل میں طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، آدمی گھبرا جاتا ہے کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ ایسے موقعوں کے لیے شریعت میں نمازِ استخارہ آئی ہے۔ اس نماز کا پڑھنے والا (مرد خواہ عورت) گویا کہ اپنے رب عزوجل سے مشورہ لیتا ہے۔ امید ہے کہ وہ نامراد نہ ہو گا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں تمام کاموں میں استخارہ کی تعلیم فرماتے تھے جیسے قرآن کی سورت تعلیم فرماتے تھے۔ (ترمذی)

مسئلہ: استخارہ کا وقت اس وقت تک ہے کہ ایک طرف رائے پوری جم نہ چکی ہو۔ نمازِ استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی کام کا ارادہ کرے تو پہلے دو رکعت نماز نفل پوری توجہ سے پڑھے، پھر خوب دل لگا کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَ اَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ۔ (غنیہ)

اے اللہ! میں تجھ سے استخارہ کرتا ہوں، ترے علم کے ساتھ اور تیری قدرت کے ساتھ طلبِ قدرت کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں اس لیے کہ تو قادر ہے اور میں قادر نہیں اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ یہ کام میرے لیے بہتر ہے میرے دین و معیشت اور انجام کار میں اس وقت اور آئندہ میں تو اس کو میرے لیے مقدر کر دے اور آسان کر۔ پھر میرے لیے اس میں برکت دے۔ اور اگر تو جانتا ہے کہ میرے لیے یہ کام برا ہے میرے دین و معیشت اور انجام کار میں۔ اس وقت اور آئندہ میں تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھ کو اس سے پھیر اور میرے لیے خیر کو مقرر فرما جہاں بھی ہو پھر مجھے اس سے راضی کر۔

اور اپنی حاجت اپنے ذہن میں رکھے۔ بالخصوص جبکہ ھذا الامر زبان سے ادا

کرے۔ مستحب یہ ہے کہ اس دعا کے اول آخر الحمدللہ اور درود شریف پڑھے اور پہلی
رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے۔
(ردالمحتار) اور دعائے مذکورہ پڑھ کر دائیں کروٹ پر باطہارت، قبلہ کی طرف منہ کرکے سو
رہے۔ اگر خواب میں سپیدی یا سبزی دیکھے تو وہ کام بہتر ہے، کرڈالے اور سیاہی یا سرخی
دیکھے تو بُرا ہے، اس سے بچے۔ (ردالمحتار) یا پھر دل میں جو بات زیادہ جمتی ہو اس پر عمل
کرے۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ سات بار استخارہ کرے پھر دیکھے کہ دل میں کیا بات گزرتی
ہے، اسی پر عمل کرے۔ انشاء اللہ اسی میں خیر ہے۔ (درمختار)

صلوٰۃ التسبیح

اس نماز میں بے انتہا ثواب ہے، یہاں تک علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس نماز کی
فضیلت و بزرگی سن کر اسے ترک نہ کرے گا مگر دین میں سستی کرنے والا۔ حدیث
شریف میں وارد کہ اللہ تعالیٰ اس نماز کے پڑھنے والے کے گناہ بخش دے گا۔ اگلے
پچھلے، نئے پُرانے، جو بھول کر کیے اور جو جان کر، چھوٹا اور بڑا، پوشیدہ اور ظاہر۔ اس
کے بعد صلوٰۃ التسبیح کی ترکیب تعلیم فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اگر تم سے ہوسکے تو ہر روز ایک بار
پڑھو اگر روزانہ نہ پڑھ سکو تو ہر ہفتہ میں ایک بار اور یہ بھی نہ ہوسکے تو ہر مہینہ میں ایک
بار اور یہ بھی نہ کرسکو تو سال میں ایک بار ورنہ عمر میں ایک بار۔ (عامہ کتب)

اور اس کی ترکیب ہمارے طور پر وہ ہے جو ترمذی شریف میں بروایت عبداللہ بن
مبارک رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ اللہ اکبر کہہ کر سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ
وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ پڑھے پھر پندرہ بار
یہ تسبیح پڑھے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پھر اَعُوْذُ
بِاللّٰهِ اور بِسْمِ اللّٰهِ اور الحمد شریف اور سورت پڑھ کر دس بار یہی تسبیح پڑھے۔ پھر
رکوع کرے اور رکوع میں دس بار پڑھے، پھر رکوع سے سر اٹھائے اور سَمِعَ اللّٰهُ

لِمَنْ حَمِدَهٗ کے بعد دس بار کہے پھر سجدے کو جائے اور اس میں دس بار کہے پھر
سجدے سے سر اٹھا کر دس بار کہے پھر سجدے کو جائے اور اس میں دس مرتبہ پڑھے۔
یوں ہی چار رکعت پوری کرے۔ اس طرح ہر رکعت میں ۷۵ مرتبہ اور چاروں میں تین
سو تسبیح ہوئیں اور رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ
الْاَعْلٰى کہنے کے بعد تسبیحات پڑھے۔

مسئلہ: اگر اس نماز میں کسی غلطی کے باعث سجدۂ سہو واجب ہو تو سجدے کرے
اور ان دونوں میں یہ تسبیح نہ پڑھے۔ اور اگر کسی جگہ بھول کر دس بار سے کم پڑھیں تو
بہتر یہ ہے کہ اس کے بعد جو دوسرا موقع تسبیح پڑھنے کا آئے وہیں پڑھ لے تاکہ وہ مقدار
پوری ہو جائے اور رکوع میں بھولا تو اسے سجدے ہی میں کہے نہ کہ قومہ میں کہ قومہ کی
مقدار تھوڑی ہوتی ہے اور پہلے سجدے میں بھولے تو دوسرے میں کہے۔ جلسہ میں
نہیں۔ (ردالمحتار) (رکوع کے بعد سیدھا کھڑے ہونے کو قومہ کہتے ہیں اور دونوں سجدوں
کے درمیان بیٹھنے کو جلسہ)

مسئلہ: تسبیح انگلیوں پر نہ گنے بلکہ ہوسکے تو دل میں شمار کرے ورنہ انگلیاں دبا کر۔

مسئلہ: ہر وقت غیر مکروہ میں یہ نماز پڑھی جاسکتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے
پڑھے۔ (عالمگیری، ردالمحتار) یعنی سنت ظہر اور فرض کے درمیان۔ کما ھو المعمول۔

نمازِ حاجت

جب کوئی حاجت پیش آئے تو اس کے لیے دو یا چار رکعتیں پڑھے۔ حدیث
شریف میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ اور تین بار آیت الکرسی پڑھے اور باقی تین
رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل
اعوذ برب الناس ایک ایک بار پڑھے تو یہ ایسی ہیں جیسے شب قدر میں چار رکعتیں
پڑھیں۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ نماز پڑھی اور ہماری حاجتیں پوری

ونیں۔ نماز کے بعد دعا مانگے، اوّل آخر درود شریف پڑھے۔

(۲) قضائے حاجت کے لیے ایک مجرب نماز جو علمائے کرام ہمیشہ پڑھتے آئے، صلوٰۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ ہے جو ملا علی قاری اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے علمائے کرام حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس نماز کی ترکیب یہ ہے کہ بعد نماز مغرب سنتیں پڑھ کر دو رکعت نماز نفل پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ الحمد کے بعد ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے، سلام کے بعد اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کرے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ بار درود و سلام عرض کرے اور گیارہ بار یہ کہے: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ وَامْدُدْنِیْ فِیْ قَضَاءِ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ۔ پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے ہر قدم پر یہ کہے: یَا غَوْثَ الثَّقَلَیْنِ وَیَا کَرِیْمَ الطَّرَفَیْنِ اَغِثْنِیْ وَامْدُدْنِیْ فِیْ قَضَاءِ حَاجَتِیْ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ۔ پھر حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے اللہ عزوجل سے دعا کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد مراد کو پہنچے۔

امام اجل ابوالحسن نور الدین اپنی مشہور کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ جو کوئی سختی میں میری دہائی دے وہ سختی دور ہو جائے اور جو کسی مشکل میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ مشکل حل ہو جائے اور جو کسی حاجت میں اللہ عزوجل کی طرف مجھ سے توسل کرے اور مجھے وسیلہ بنا کر دعا کرے وہ حاجت پوری ہو۔

مولیٰ عزوجل ہم سب کو آپ کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

سجدۂ سہو کا بیان

جو چیزیں نماز میں واجب مانی گئی ہیں، ان میں سے جب کوئی واجب بھولے سے رہ جائے تو اس کی تلافی کے لیے سجدۂ سہو واجب ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ التحیات

پڑھنے کے بعد داہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر التحیات وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: جان بوجھ کر واجب چھوڑ دیا یا سہواً واجب چھوٹ گیا اور سجدۂ سہو نہ کیا تو دونوں صورتوں میں نماز کا دوبارہ پڑھنا لازم ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: فرض ترک ہو جانے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ سجدۂ سہو سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی لہٰذا پھر پڑھے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: فرض و نفل دونوں کا ایک حکم ہے یعنی نوافل میں بھی واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: ایک نماز میں چند واجب ترک ہوئے تو وہی دو سجدے کافی ہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: واجباتِ نماز اور ارکانِ نماز کو ہمیشہ دھیان میں رکھنا لازم ہے کہ نماز کی حالت میں کسی رکن (فرض نماز) کو اپنی جگہ سے ہٹا کر مثلاً پہلے یا بعد میں پڑھا یا اسے دو بار کیا حالانکہ فرض ایک ہی بار ہے یا جو کام نماز میں دو بار کیے جاتے ہیں ان میں ترتیب چھوڑ دی۔ یوں ہی واجباتِ نماز میں رد و بدل کر دیا ان میں ترتیب چھوٹ گئی تو ان سب صورتوں میں بھی سجدۂ سہو واجب ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور نفل و سنت و وتر کی کسی رکعت میں سورۂ الحمد کی ایک آیت بھی رہ گئی یا سورت سے پہلے ہی دو بار الحمد پڑھ لی یا پہلے سورت پڑھی اور بعد میں الحمد پڑھی تو ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے، ہاں الحمد کے بعد سورت پڑھی اس کے بعد پھر الحمد پڑھ لی، یا فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورۂ الحمد دوبارہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب نہیں، یونہی فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملائی تو سجدہ واجب نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: تعدیل ارکان (یعنی رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا) بھول گئی تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: فرض نماز میں پہلا قعدہ بھول گئی تو جب تک سیدھی کھڑی نہ ہوئی ہو لوٹ آئے اور سجدۂ سہو نہیں اور اگر سیدھی کھڑی ہو گئی تو نہ لوٹے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے اور سیدھی کھڑی ہو کر لوٹ آئی تب بھی کھڑی ہو جائے اور بعد میں سجدۂ سہو کر لے۔ (درمختار، غنیہ)

مسئلہ: قعدۂ اخیرہ بھول گئی تو جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے اور سجدۂ سہو کرے اور اگر اس رکعت کا سجدہ کر لیا تو سجدے سے سر اٹھاتے ہی وہ فرض نفل ہو گیا۔ لہٰذا اگر چاہے تو مغرب کے علاوہ اور نمازوں میں ایک رکعت اور ملا لے تاکہ رکعتیں دو ہو جائیں تنہا رکعت نہ رہے اگرچہ وہ فجر یا عصر کی نماز ہو مغرب میں اور نہ ملائے کہ چار پوری ہو گئیں۔ (درمختار)

مسئلہ: نفل کا ہر قعدہ، قعدۂ اخیرہ ہے یعنی فرض ہے اگر قعدہ نہ کیا اور بھول کر کھڑی ہو گئی تو جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے اور سجدۂ سہو کرے اور واجب نماز، فرض کے حکم میں ہے۔ لہٰذا وتر کا پہلا قعدہ بھول جائے تو وہی حکم ہے جو فرض کے قعدۂ اولیٰ کے بھول جانے کا ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: التحیات پڑھنے کی مقدار قعدۂ اخیرہ کر چکی تھی اور کھڑی ہو گئی تو جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے اور سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے اس حالت میں سجدۂ سہو سے پہلے التحیات نہ پڑھے۔ (درمختار)

مسئلہ: قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد اتنا پڑھا اللھم صل علی محمد تو سجدۂ سہو واجب ہے اس وجہ سے نہیں کہ درود شریف پڑھا بلکہ اس وجہ سے کہ تیسری رکعت کے قیام میں دیر لگی، تو اگر اتنی دیر تک خاموش رہتی تب بھی سجدۂ سہو واجب ہے۔ جیسے قعدہ و رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہے حالانکہ وہ کلامِ الٰہی ہے۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: دعائے قنوت یا وہ تکبیر بھول گئی جو دعائے قنوت پڑھنے کے لیے پڑھی جاتی

ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جس پر سجدۂ سہو واجب تھا اسے یہ یاد ہی نہ رہا کہ سجدۂ سہو کرنا ہے اور نماز ختم کرنے کے لیے سلام پھیر دیا تو ابھی نماز سے باہر نہ ہوئی لہٰذا جب تک کوئی ایسا کام جو نماز فاسد کر دیتا ہے، نہ کیا ہو اسے حکم ہے کہ سجدۂ سہو کرے اور پھر اپنی نماز پوری کرے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: جس کو نماز میں تعداد رکعت میں شک ہو مثلاً یہ شک کہ تین ہوئیں یا چار اور بالغ ہونے کے بعد پہلا واقعہ ہے تو یہ نماز توڑ دے اور نئے سرے سے پڑھے اور اگر یہ شک پہلی بار نہیں بلکہ پیشتر سے ہو چکا ہے تو اگر غالب گمان کسی طرف ہو یعنی ایک طرف زیادہ دل جمتا ہے تو اسی پر عمل کرے اور اگر دل کسی طرف نہیں جمتا تو کم کی جانب اختیار کرے مثلاً تین اور چار میں شک ہے تو تین قرار دے۔ دو اور تین میں شک ہو تو دو۔ اور تیسری چوتھی دونوں میں قعدہ کرے کہ احتمال ہے یہ تیسری نہ ہو چوتھی ہو، اور چوتھی میں قعدہ کے بعد سجدۂ سہو کر کے سلام پھیر دے اور گمان غالب کی صورت میں سجدۂ سہو نہیں مگر سوچنے میں ایک رکن کی مقدار وقفہ ہو گیا تو سجدۂ سہو واجب ہو گیا۔ (ہدایہ وغیرہ)

مسئلہ: وتر کی نماز میں شک ہوا کہ دوسری ہے یا تیسری تو اس آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھ کر، قعدہ کے بعد ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں بھی دعائے قنوت پڑھے اور سجدۂ سہو کرے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نماز پوری کرنے کے بعد شک ہوا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں اور اگر نماز کے بعد یقین ہے کہ کوئی فرض رہ گیا مگر اس میں شک ہے کہ وہ کیا ہے تو پھر سے پڑھنا فرض ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: یہ شک واقع ہوا کہ اس وقت کی نماز پڑھی یا نہیں اگر کوئی وقت باقی ہے پھر پڑھ لے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری)

بیمار کی نماز کا بیان

بیماری کی وجہ سے جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا کہ کھڑے ہو کر پڑھنے سے نقصان پہنچنے یا بیماری کے بڑھ جانے یا دیر میں اچھے ہونے کا واقعی خطرہ ہے یا چکر آتا ہے یا کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے بہت شدید درد، جو برداشت سے باہر ہو، پیدا ہو جائے گا تو ان سب صورتوں میں شریعت نے اجازت دی کہ آدمی بیٹھ کر رکوع، سجود کے ساتھ نماز پڑھے اور بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کسی خاص طریقہ پر بیٹھنا ضروری نہیں۔ بلکہ بیمار کو جس طرح آسانی ہو اس طرح بیٹھے۔ (درمختار، عالمگیری)

مسئلہ: سہارے کے بغیر نماز نہیں پڑھ سکتی تو تکیہ یا دیوار وغیرہ پر ٹیک لگا کر نماز پڑھے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر نماز پڑھے اور رکوع و سجود کے لیے اشارہ کرے۔
(عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: لیٹ کر نماز پڑھنے میں اسے اختیار ہے کہ داہنی یا بائیں کروٹ پر لیٹ کر قبلہ رخ منہ کرے یا چت لیٹ کر قبلہ کو پاؤں کرے مگر اس حالت میں پاؤں نہ پھیلائے کہ قبلہ کو پاؤں پھیلانا مکروہ اور منع ہے بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے اور سر کے نیچے تکیہ وغیرہ رکھ کر اونچا کر لے کہ منہ قبلہ کو ہو جائے اور یہی صورت زیادہ بہتر ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اشارہ کی صورت میں سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے پست ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ سر کو بالکل زمین سے قریب کر دے۔ ہاں سجدہ کے لیے تکیہ وغیرہ کوئی چیز پیشانی کے قریب اٹھا کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی و گناہ ہے۔ اگرچہ وہ چیز دوسرے نے اٹھائی ہو۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: ایسا بیمار جو رکوع میں پیٹھ جھکا سکتا ہے اور کوئی سخت چیز زمین پر رکھ دی جائے تو اس پر وہ سجدہ بھی کر سکتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ اسی طرح سجدہ کرے۔ اشارہ جائز نہیں۔ بشرطیکہ وہ چیز بارہ انگل سے زیادہ اونچی نہ ہو مثلاً پلنگ یا تخت پر بیٹھ کر نماز

پڑھتی ہے تو وہ چیز پلنگ یا تخت سے بارہ انگل زیادہ اونچی نہ ہو۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: پیشانی پر زخم ہے کہ سجدے کے لیے ماتھا نہیں لگا سکتی تو ناک پر سجدہ کرے اور ایسا نہ کیا بلکہ اشارہ کیا تو نماز نہ ہوئی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: اگر اتنی بیمار ہے کہ سر سے اشارہ بھی نہیں کر سکتی تو اس وقت پڑھنا معاف ہے پھر اگر چھ نمازوں کا وقت اسی حالت میں گزر گیا تو ان کی قضا بھی نہیں اور فدیہ کی بھی حاجت نہیں۔ ورنہ جب تندرست ہو جائے تو ان نمازوں کی قضا لازم ہے جیسے بھی بن پڑے۔ اگرچہ اتنی ہی صحت ہو کہ سر کے اشارہ سے پڑھ سکے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: بیماری کی وجہ سے ایسی حالت ہو جائے کہ رکوع اور سجود کی تعداد یاد نہیں رکھ سکتی تو اس پر اس وقت ادا کرنا ضروری نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: مریض اگر قبلہ کی طرف اپنے آپ منہ نہ کر سکتا ہو نہ دوسرے کے ذریعہ سے تو ویسے ہی پڑھ لے اور صحت کے بعد اس کا اعادہ نہیں اور اگر کوئی شخص موجود ہے کہ اس کے کہنے سے قبلہ رو کر دے گا مگر اس نے اس سے نہ کہا تو نہ ہوئی۔ اشارہ سے جو نمازیں پڑھی ہیں، صحت کے بعد ان کا بھی اعادہ نہیں۔ یوں ہی اگر زبان بند ہو گئی اور گونگے کی طرح نماز پڑھی پھر زبان کھل گئی تو ان نمازوں کا اعادہ نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر یہ حالت ہو کہ روزہ رکھتی ہے تو کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی اور روزہ نہ رکھے تو کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتی ہے تو حکم ہے کہ روزہ رکھے اور نمازیں بیٹھ کر پڑھے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: بیماری میں نمازیں قضا ہو گئیں، اب اچھی ہو گئی تو انہیں پڑھنا چاہتی ہے تو ویسے ہی پڑھے جیسے تندرستی میں پڑھتی تھی۔ اب بیٹھ کر اشارہ سے پڑھے گی تو نماز نہ ہوگی اور صحت کی حالت میں قضا ہوئیں، بیماری میں انہیں پڑھنا چاہتی ہے تو جس طرح پڑھ سکتی ہے پڑھے۔ نماز ہو جائے گی۔ صحت کی سی پڑھنا واجب نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: آنکھ بنوائی اور مسلمان ماہر امراض، ڈاکٹر نے (کہ خدا اور رسول کے احکام

کو جانتا اور ان کا احترام کرتا ہے) لیٹے رہنے کا حکم دیا تو شرعاً بھی اجازت ہے کہ لیٹ کر اشارے سے نمازیں پڑھے۔ (درمختار وغیرہ)

ضروری ہدایت: شریعتِ مطہرہ نے بعض نادر صورتوں کے علاوہ کسی حالت میں نماز معاف نہیں کی بلکہ حکم دیا کہ جس طرح ممکن ہو پڑھے۔ آج کل عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ ذرا بخار تیز ہوا، شدت کا درد ہوا نماز چھوڑ دی۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ درد سر اور زکام میں بھی نمازیں چھوڑ بیٹھتی ہیں۔ ایسی عورتیں خواہ مرد، انہی وعیدوں اور سزاؤں کے مستحق ہیں جو بے نمازیوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

سجدۂ تلاوت کا بیان

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ابنِ آدم آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کرتا ہے، شیطان ہٹ جاتا ہے اور رو رو کر کہتا ہے: ہائے میری بربادی! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اس نے سجدہ کیا، اس کے لیے جنّت ہے اور مجھے حکم ہوا میں نے انکار کیا، میرے لیے دوزخ ہے۔ (مسلم شریف)

مسئلہ: قرآن کریم میں چودہ آیتیں ایسی ہیں جن میں سے کوئی ایک آیت پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ اتنی آواز سے پڑھا ہو کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو وہ خود سن سکے۔ لہٰذا اگر اتنی آواز سے آیت سجدہ پڑھی (بلکہ وہ لفظ جس میں سجدہ کے حروف پائے جاتے ہیں اس کے ساتھ اس نے پہلے یا بعد کا کوئی لفظ ملا کر پڑھا) کہ اپنی آواز خود سن سکتی تھی مگر شوروغل یا بہرے ہونے کی وجہ سے نہ سن سکی تو سجدہ واجب ہو گیا اور اگر محض ہونٹ ہلے آواز پیدا نہ ہوئی تو سجدہ واجب نہ ہوا اور نہ یہ پڑھنا کوئی پڑھنا ہوا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: آیتِ سجدہ سننے والے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس نے قصد و ارادہ

سے آیتِ سجدہ سنی ہو۔ بلاقصد سننے سے بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: آیتِ سجدہ کے ہجے کرنے کرانے یا ہجے سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا، یونہی آیتِ سجدہ لکھنے یا اس کی طرف نظر کرنے سے بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر تحریمہ کے سوا تمام وہ شرائط ہیں جو نماز کے لیے ہیں اور جو چیزیں نماز کو فاسد کرتی ہیں ان سے سجدہ بھی فاسد ہو جائے گا۔ مثلاً کلام سلام وغیرہ۔ (عالمگیری، درمختار وغیرہ)

مسئلہ: سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کی نیت سے کھڑی ہو اور اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدے میں جائے اور کم از کم تین بار سبحان ربی الاعلی کہے پھر اللہ اکبر کہتی ہوئی کھڑی ہو جائے۔ اور بیٹھ کر سجدہ کرے تب بھی جائز ہے مگر سجدہ سے پہلے اور پیچھے تکبیر چھوڑنی نہ چاہیے۔

مسئلہ: سجدۂ تلاوت کے لیے اللہ کہتے وقت نہ ہاتھ اٹھانا ہے نہ اس میں تشہد ہے نہ سلام۔ (تنویر الابصار)

مسئلہ: آیتِ سجدہ نماز کے باہر پڑھی تو فوراً سجدہ کر لینا واجب نہیں۔ ہاں بہتر ہے کہ فوراً کرے اور وضو ہو تو تاخیر مکروہ تنزیہی ہے اور اس وقت اگر کسی وجہ سے سجدہ نہ کر سکے تو تلاوت کرنے والی اور سننے والی کو یہ کہہ لینا مستحب ہے: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ایک مجلس میں سجدہ کی ایک آیت کو بار بار پڑھا یا سنا تو ایک ہی سجدہ واجب ہو گا اور ایک مجلس میں سجدہ کی چند آیتیں پڑھیں تو اتنے ہی سجدے کرے ایک سجدہ کافی نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: جو چیزیں نماز کو فاسد کر دیتی ہیں ان سے سجدہ بھی فاسد ہو جائے گا۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: آیتِ سجدہ پڑھنے والے پر اس وقت سجدہ واجب ہوتا ہے کہ وہ وجوبِ نماز کا اہل ہو یعنی ادا یا قضا کا اسے حکم ہو للہذا نابالغ لڑکے یا لڑکی نے یا حیض و نفاس والی عورت نے آیتِ سجدہ پڑھی تو ان پر سجدہ واجب نہیں (اگرچہ حیض و نفاس والی عورت کو قرآن مجید پڑھنا، دیکھ کر خواہ زبانی، حرام ہے) ہاں مسلمان عاقل بالغ نے جو اہلِ نماز ہے، ان سے سنی تو اس پر واجب ہوگیا۔ بے وضو یا جنب نے آیتِ سجدہ پڑھی یا سنی تو سجدہ واجب ہے۔

نشے والی نے آیت پڑھی یا سنی تو سجدہ واجب ہے۔

یونہی نشہ والے نے یا سننے والے نے آیت پڑھی تو سننے والے پر سجدہ واجب ہوگیا۔ (عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: عورت نے نماز میں آیتِ سجدہ پڑھی اور سجدہ نہ کیا تھا کہ حیض آگیا تو وہ نماز بھی معاف اور سجدہ بھی ساقط۔ (عالمگیری)

مسئلہ: آیتِ سجدہ پڑھی مگر کام میں مشغولی کے سبب نہ سنی تو سجدہ واجب نہیں مگر بہت سے علماء کہتے ہیں کہ اگرچہ نہ سنی ہو، سجدہ واجب ہوگیا۔ (درمختار وغیرہ) للہذا کرلینا چاہیے کہ تلاوت کے وقت کام میں مشغول رہنا اس کا قصور ہے۔

مسئلہ: پوری سورت پڑھنا اور آیتِ سجدہ چھوڑ دینا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے اور صرف آیتِ سجدہ پڑھنے میں کراہت نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ دو ایک آیت پہلے یا بعد کی ملا لے۔ (درمختار)

فائدہ: جس مقصد کے لیے ایک مجلس میں سجدہ کی سب آیتیں پڑھ کر سب سجدے کرے اور عاجزی و توجہ سے دل لگا کر دعا مانگے۔ اللہ عزوجل اس کا مقصد پورا فرما دے گا، خواہ ایک ایک آیت پڑھ کر اس کا سجدہ کرتا جائے یا سب آیتیں پڑھ کر آخر میں سب سجدے کرے۔ (درمختار وغیرہ)

سجدۂ شکر کے بعض مواقع

دینی یا دنیاوی کسی نعمت کے حاصل ہونے پر مثلاً اولاد ہوئی یا مالِ جائز پایا یا گم ہوئی چیز مل گئی یا مریض نے شفا پائی یا مسافر واپس آیا۔ غرض کسی طرح مسرت و نعمت پر سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب اور کارِ ثواب ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جو سجدۂ تلاوت کا ہے۔ (عالمگیری)

نمازِ مسافر کا بیان

مرد خواہ عورت اپنے شہر یا بستی سے دور کہیں اور کسی دینی یا دنیاوی کام سے جائے تو روزمرہ کی بول چال میں اسے سفر کہتے ہیں لیکن شریعت میں دس بیس میل جانے والے کو مسافر نہیں مانا جاتا۔ یعنی اس کے لیے سفر کے احکام ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس کے لیے تمام احکام مثلاً نماز روزہ اسی طرح ادا کرنا لازم جیسے اپنے وطن اپنی بستی میں۔ شریعت کی رو سے مسافر وہ شخص ہے جو تین دن (یا تین منزل) کی راہ تک جانے کے لیے اپنی بستی سے نکل گیا۔ خشکی میں مروجہ میل کے حساب سے ایک منزل کی مقدار ۱۹ میل ایک فرلانگ ہے اور تین منزل کی مقدار ۵۷ ۳/۸ میل یا ۵۷ میل ۳ فرلانگ ہے۔ (درمختار فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: تین دن کی راہ یعنی تین منزل کو تیز سواری مثلاً موٹر سائیکل، ریل گاڑی یا ہوائی جہاز وغیرہ پر دو ایک دن یا اور کم مثلاً چند گھنٹوں میں طے کرلیا تو آدمی مسافر ہی ہے اور مسافر کے احکام اس کے لیے ثابت ہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: اسٹیشن جہاں آبادی سے باہر ہوں تو اسٹیشن پر پہنچنے سے مسافر ہو جائے گی بہلہ سفر کی مسافت جانے کا ارادہ ہو۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: سفر کے احکام ثابت ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں سے چلی وہاں سے تین دن کی راہ (قریباً ساڑھے ستاون میل) کا ارادہ ہو، اور اگر دو دن کی راہ کے ارادہ سے نکلی وہاں پہنچ کر دوسری جگہ کا ارادہ ہوا کہ وہ بھی تین دن سے کم کا راستہ ہے۔ یا یوں ارادہ کیا کہ مثلاً دو دن کی راہ پر پہنچ کر کچھ کام کرنا ہے وہ کرکے پھر ایک دن کی راہ پر جاؤں گی تو یہ تین دن کی راہ کا ارادہ نہ ہوا اور یہ شرعاً مسافرہ نہ ہوئی۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: مسافر پر واجب ہے کہ نماز میں قصر کرے یعنی چار رکعت والے فرض کو دو پڑھے۔ اس کے حق میں دو ہی رکعتیں پوری نماز ہے اور جان بوجھ کر چار پڑھیں اور دو رکعت پر قعدہ کرلیا تو فرض ادا ہو گئے اور پچھلی دو رکعتیں نفل ہوئیں مگر گناہ گار ہوئی کہ واجب چھوڑ دیا۔ لہٰذا توبہ کرے اور دو رکعت پر قعدہ نہ کیا تو فرض ادا نہ ہوئے اور نماز نفل ہو گئی۔ لہٰذا فرض پھر پڑھے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: سنتوں میں قصر نہیں بلکہ پوری پڑھی جائیں گی۔ ہاں اگر آدمی گھبراہٹ یا جلدی میں ہے تو معاف ہیں۔ لیکن صبح کی سنتیں جہاں تک بن پڑے پڑھ لے کہ عظیم ثواب پائے گی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: فجر و مغرب اور وتر کی نماز میں قصر نہیں بلکہ جیسے ہمیشہ پڑھتی ہے سفر میں بھی پوری پڑھے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: مسافر اس وقت تک مسافر ہے جب تک اپنی بستی میں واپس پہنچ نہ جائے یا اپنے شہر و بستی سے دور پورے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرلے۔ یہ اس وقت ہے جب تین دن کی راہ طے کر چکی ہو اور اگر تین منزل سے پہلے ہی واپسی کا ارادہ کرلیا تو مسافرہ نہ رہی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کسی آبادی یا بستی میں اقامت کی نیت کی یعنی پندرہ دن وہاں ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو یہ بھی ضروری ہے کہ یہ نیت ایک ہی جگہ ٹھہرنے کی ہو، اگر دو جگہ پر ٹھہرنے کا ارادہ کیا مثلاً ایک جگہ دس دن اور دوسری جگہ پانچ دن تو یہ نیت معتبر نہیں، وہ

بدستور مسافر ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نمازِ قصر اور پوری پڑھنے میں آخر وقت کا اعتبار ہے جبکہ پڑھ نہ چکی ہو۔ فرض کرو کہ کسی نے نماز نہ پڑھی تھی اور وقت اتنا باقی رہ گیا ہے کہ اللہ اکبر کہہ لے اب مسافر ہو گئی یعنی تین منزل کے متصل سفر کی نیت سے بستی سے باہر ہو گئی تو اب قصر کرے اور مسافر تھی اس وقت اقامت یعنی ٹھہرنے کی نیت کی تو چار رکعت یعنی پوری نماز پڑھے۔ (درمختار)

مسئلہ: عورت بیاہ کر سسرال گئی اور یہیں رہنے سہنے لگی تو اب میکا اس کا وطن اصلی نہ رہا۔ یعنی اگر سسرال تین منزل پر ہے وہاں سے میکے آئی اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کی تو نمازِ قصر پڑھے اور اگر میکے رہنا نہیں چھوڑا بلکہ سسرال عارضی طور پر گئی تھی (جیسا کہ عموماً شادی کے شروع دنوں میں ہوتا ہے کہ لڑکی سسرال جاتی ہے اور پھر میکے آکر رہنے لگتی ہے) تو میکے آتے ہی سفر ختم ہو گیا۔ عورت مقیم ہو گئی لہٰذا نماز پوری پڑھے۔ (بہار شریعت)

چند نفیس فائدے

(۱) سفر کے لیے گھر سے نکلے تو چلتے وقت آیت الکرسی اور قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ سے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک۔ تَبَّتْ کے سوا پانچ سورتیں سب مع بسم اللہ پڑھے، پھر آخر میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھ لے، راستہ بھر آرام سے رہے گی۔ نیز اس وقت

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔ — بیشک جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا تجھے واپسی کی جگہ کی طرف واپس کرنے والا ہے۔

ایک بار پڑھ لے بالخیر واپس آئے گی۔

(۲) جس منزل پر اترے وہاں یہ دعا پڑھے، ہر نقصان سے بچے گی:

اَللّٰھُمَّ اَنۡزِلۡنِیۡ مُنۡزَلًا مُّبَارَكًا — الٰہی تو ہم کو برکت والی منزل میں اتار
وَّاَنۡتَ خَیۡرُ الۡمُنۡزِلِیۡنَ۔ — اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ وہاں دو رکعت نماز پڑھ لے۔

(۳) جب کسی کو رخصت کریں تو یہ دعا پڑھیں:

اِسۡتَوۡدِعُ اللّٰہَ دِیۡنَكَ — اللہ کے سپرد کرتا ہوں تیرے دین اور
وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِیۡمُ عَمَلِكَ۔ — تیری امانت کو اور تیرے عمل کے خاتمہ کو۔

ضروری تنبیہہ: عورت کو بغیر محرم کے تین دن یا زیادہ کی راہ جانا، ناجائز ہے بلکہ ایک دن کی راہ جانا بھی۔ نابالغ بچہ کے ساتھ بھی سفر نہیں کر سکتی۔ ہمراہی میں بالغ محرم یا شوہر کا ہونا ضروری ہے۔ (عالمگیری) اور محرم ہمراہ ہو تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا ترس ہو۔ جس محرم کو خدا اور رسول کا خوف نہ ہو اور شریعت کے احکام کا اسے پاس و لحاظ نہ ہو ایسے محرم کے ساتھ بھی سفر پر جانا درست نہیں اور تین دن سے کم کا سفر اگر کسی مرد صالح یا بچہ کے ساتھ کرے تو جائز ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: سفرِ حج جس میں قدم قدم پر نیکیاں ہی نیکیاں اور مغفرت و بخشش کی دولتوں پر دولتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اس مبارک سفر میں بھی عورت کو مکہ تک جانے میں تین دن یا زیادہ رستہ ہو تو اس کے ہمراہ شوہر یا محرم ہونا شرط ہے خواہ وہ عورت جوان ہو یا بڑھیا۔ محرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے ہمیشہ کے لیے اس عورت کا نکاح حرام ہے خواہ نسب کی وجہ سے حرام ہو یا دودھ کے رشتہ سے نکاح کی حرمت ہو یا سسرالی رشتہ سے حرمت آئی۔ (جوہرہ، عالمگیری، درمختار وغیرہ) شوق خواہ کتنا ہی غالب کیوں نہ ہو عورت اگر بغیر شوہر یا محرم کے حج کو گئی تو سخت گناہ گار ہوگی۔ قدم قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔ اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ، جوہرہ)

جمعہ کا بیان

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَةِ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِكۡرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الۡبَیۡعَ ذٰلِكُمۡ خَیۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔

اے ایمان والو! جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

آیہ کریمہ سے متعلق چند امور ذہن نشین کرلیں:

(۱) نُوۡدِیَ لِلصَّلٰوۃِ نماز کے لیے ندا سے مراد ہے، جمعہ کی اذانِ اوّل۔ اذانِ ثانی مراد نہیں جو خطبہ سے متصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اذانِ اوّل زمانہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اضافہ کی گئی مگر وجوبِ سعی اور خرید و فروخت سے باز رہنا اسی سے متعلق ہے۔

(۲) سعی یعنی دوڑنے سے مراد، اس کے لفظی معنی نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ نماز کے لیے تیاری شروع کردو اور نمازِ جمعہ کا اہتمام کرو۔

(۳) ذِكۡرِ اللّٰهِ سے مراد ہے خطبۂ جمعہ۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

(۴) ذَرُوا الۡبَیۡعَ خرید و فروخت چھوڑ دو، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے اور خرید و فروخت کا ذکر محض مزید تاکید و اہتمام کے لیے ہے ورنہ حکمِ فقہی میں تخصیص کچھ بیع و تجارت ہی کی نہیں، بلکہ دنیا کے وہ تمام مشاغل اور مصروفیات جو ذکرِ الٰہی سے غفلت کا سبب ہوں اس میں داخل ہیں۔ اذان ہونے کے بعد سب کو ترک کردینا لازم ہے۔

مراد صرف یہ ہے کہ ادھر مؤذن کے منہ سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو اور ادھر ہر مسلمان کو جس پر جمعہ واجب ہے، یہ چاہیے کہ وہ دنیا کے جس حال اور جس مشغلہ میں

ہو مسجد کا رخ کرے اور نماز جمعہ کی تیاری و اہتمام میں لگ جائے۔ گویا یہ مسلمان کی ہفتہ وار پریڈ ہے کہ ہر مسلمان اذان کی آواز سنتے ہی اپنے آپ کو حاضری پر مجبور پائے۔

فقہاء کرام نے یہاں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اصل مقصود، وقتِ نماز کا آجاتا ہے۔ جب وقت آجائے تو ہر مسلمان پر (جس پر نماز جمعہ واجب ہے) نماز کے لیے تیاری لازم ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اذان کی آواز ہی کان میں پڑ جائے تو اہتمام شروع ہو۔

آیۂ کریمہ سے نمازِ جمعہ کی فرضیت اور بیع و تجارت وغیرہ دنیاوی مشاغل کی حرمت اور سعی یعنی اہتمام نماز کا وجوب ثابت ہوا۔ اور خطبہ کا وجوب بھی ثابت ہوا کہ ذِكۡرِ اللّٰهِ کے عموم میں نماز جمعہ بھی داخل ہے اور خطبۂ نماز بھی۔

(۵) ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، تمام مصروفیات سے زیادہ مفید و سود مند۔

اس حکم کی پابندی، شخصی و انفرادی حیثیت سے بھی پہلوئے خیر رکھتی ہے اور قومی و اجتماعی حیثیت سے بھی۔ دنیاوی مادی اعتبار سے یوں کہ نمازِ جمعہ تنظیم امت کا ایک بہترین نسخہ ہے اور اخروی و روحانی اعتبار سے یوں کہ آخرت کا نفعِ باقی، دنیا کے ہر نفعِ فانی سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔

چند حقائق

(۱) طلوعِ آفتابِ اسلام سے پہلے یعنی زمانہ جاہلیت میں روزِ جمعہ کا نام تھا یَوۡمِ عَرُوۡبَہ۔ اسلام میں جب اس دن کو، مسلمانوں کے اجتماع کا دن قرار دیا گیا تو اس کا نام رکھا گیا "یوم جمعہ۔" اس لیے کہ یہ دن جامعِ جماعات ہے۔ اس میں نماز کے لیے جماعتوں کا اہتمام ہوتا ہے اور تمام مسلمان اجتماعی حیثیت سے نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں اور اس گئے گزرے دور میں بھی کہ نمازوں کا شوق مسلمانوں میں مفقود ہوتا جا رہا ہے کم از کم اتنا تو واضح ہے کہ ہر اس مسجد میں جہاں جمعہ قائم کیا جاتا ہے، دوسری پنجگانہ نمازوں اور جماعتوں کے مقابلہ میں جمعہ کی نماز و جماعت میں، مسلمانوں کا اجتماع کہیں زیادہ ہوتا

ہے اور جمعہ کے "جامعِ جماعات" ہونے کا نقشہ آنکھوں میں سما جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے کعب بن لوئی یا قصی بن کلاب نے بھی اس دن کے لیے یہ نام استعمال کیا تھا کیونکہ اس روز وہ قریش کے لوگوں کو ایک مجلس میں اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا قدیم نام "یوم عروبہ" تبدیل نہ ہوا۔ اور عام اہلِ عرب، اپنے روزمرہ میں اسے یوم عروبہ ہی کہتے رہے۔ نام کی حقیقی تبدیلی اور اس کی شہرت اس وقت ہوئی جب اسلام میں اس دن کا یہ نام رکھا گیا۔

مکۂ معظمہ میں، حالات کے پیشِ نظر، چار چھ مسلمانوں کا یکجا ہو کر، کوئی اجتماعی عبادت ادا کر لینا، کہنا چاہیے کہ ممکن نہ تھا اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ جمعہ کی فرضیت کا حکم بھی نازل نہ ہوا تھا کیونکہ جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہے جبکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی فرضیت کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجرت سے کچھ مدت پہلے مکۂ معظمہ ہی میں نازل ہو چکا تھا لیکن اس پر عمل موقوف رکھا گیا تھا۔ اس لیے ابتدائے اسلام میں کوئی ایک جمعہ بھی مکۂ معظمہ میں نہ پڑھا جا سکا کہ اس پر عمل ممکن نہ تھا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ طیبہ بنفسِ نفیس ہجرت سے پہلے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تبلیغ اسلام کے لیے مدینہ منورہ روانہ کر دیا تھا۔ اور ان کی تبلیغی کوششوں سے، ایک بڑی تعداد اسلام قبول کر چکی تھی۔ اس لیے آپ نے انہیں حکم لکھ بھیجا کہ وہاں جمعہ قائم کریں۔ چنانچہ مصعب بن عمیر نے کہ مہاجرین کے سردار تھے بارہ آدمیوں کے ساتھ مدینے میں پہلا جمعہ پڑھایا۔ جبکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی مدینہ طیبہ کے انصار کرام نے بطور خود آپس میں یہ طے کر لیا تھا کہ ہفتہ میں ایک دن مل کر، اجتماعی عبادت کریں گے۔ اس غرض کے لیے انہوں نے یہودیوں کے سبت (ہفتہ) اور عیسائیوں کے اتوار کو چھوڑ کر جمعہ کا انتخاب کر لیا تھا اور پہلا جمعہ حضرت اسعد بن زرارہ نے بنی بیاضہ کے محلّہ میں خطبہ دے کر پڑھایا تھا جس میں چالیس مسلمان شریک ہوئے تھے۔ بہرحال اسلام کا پہلا جمعہ مدینہ طیبہ میں ہجرتِ نبوی سے قبل ہی پڑھا دیا گیا تھا۔ خواہ انصار نے خود اس کا فیصلہ

کیایا مہاجرین کو حکمِ نبوی پہنچا اور اب نمازِ جمعہ ادا کی گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز اجتماعی نماز و دعا اور ذکر و شکرِ خدا کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ وہ دن، ہفتہ اور اتوار کے علاوہ کوئی اور دن ہو تاکہ مسلمانوں کا شعارِ ملت اور ملی انفرادیت، یہود و نصاریٰ کے ملی شعار سے ممتاز و متمیز ہو اور شعارِ اسلامی اور اسلامی انفرادیت نمایاں اور برقرار رہے۔ اور یہ صحابہ کرام کی اسلامی ذہنیت کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ بسا اوقات، کسی حکمِ شرعی کے نازل ہونے سے پہلے ہی ان کا ذوق کہہ دیتا تھا کہ اسلام کی روحانیت، فلاں چیز کا تقاضا کر رہی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے اس اجتہاد پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی اور اس وقت سے اس کے نام کو مقبولیت تام اور شہرتِ دوام حاصل ہو گئی۔

رسول اکرم عالمِ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو بارہ ربیع الاول اھ بروز دو شنبہ، چاشت کے وقت مقام قبا میں (کہ نواحی مدینہ میں ایک بستی ہے) قیام فرمایا، مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی اور دو شنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ اور پنج شنبہ یہیں اقامت گزیں رہے۔ یعنی یہاں سے روانگی کے لیے آپ نے قصداً جمعہ کا روز متعین فرمایا اور بروز جمعہ عزم روانگی کیا۔ بنی سالم کے محلّہ میں پہنچے تو جمعہ کا وقت آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں توقف فرمایا۔ خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا اور نمازِ جمعہ پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پڑھایا۔

چند فضائل

جمعہ کا دن سیّد الایام ہے، اس کے فضائل، احادیثِ کریمہ میں وارد ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱) جمعہ کا دن ان تمام دنوں سے بہتر ہے جن پر آفتاب نے طلوع کیا۔

(۲) اسی روز آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اسی روز جنت میں داخل کیے گئے، اسی

روز انہیں جنت سے اترنے کا حکم ہوا اور اسی روز انتقال فرمایا اور اسی روز ان کی توبہ قبول ہوئی۔

(۳) اسی روز صعقہ ہے (پہلی بار صور پھونکا جانا) اور اسی میں نفخہ ہے (دوسری بار صور کا پھونکا جانا) یعنی قیامت جمعہ کے روز قائم ہوگی۔ جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکدار دن۔

(۴) روزِ جمعہ میں ایک ساعت ایسی ہے کہ مسلمان بندہ اگر اسے پالے اور اس وقت اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو وہ اسے دے گا۔ اور اس کا سوال پورا کرے گا جب تک حرام کا سوال نہ کرے۔

(۵) جمعۃ المبارک ہی وہ بابرکت دن ہے جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جمعہ کے روز مجھ پر درود کی کثرت کرو کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔" لوگوں نے عرض کی "یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس وقت حضور پر ہمارا درود کیونکر پیش کیا جائے گا جبکہ حضور انتقال فرما چکے ہوں گے۔" فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کھانا حرام کر دیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہے روزی دیا جاتا ہے۔"

(۶) اسی بابرکت دن کے لیے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرے گا، اسے فتنۂ قبر و عذابِ قبر سے بچا لیا جائے گا اور قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی۔ اس کے لیے شہید کا اجر لکھا جائے گا اور خدا سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر کچھ حساب نہ ہوگا۔

(۷) ترمذی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی:

"آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند فرمایا۔"

ان کی خدمت میں ایک یہودی حاضر تھا۔ اس نے کہا یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بناتے (اور عید کی سی خوشیوں کا سماں پیدا کرتے) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "یہ آیت دو عیدوں کے دن اتری، جمعہ اور عرفہ کے دن۔" یعنی

ہمیں اس دن کو عید بنانے کی ضرورت نہیں کہ اللہ عزوجل نے جس دن یہ آیت اتاری اس دن دوہری عید تھی کہ جمعہ و عرفہ یہ دونوں دن مسلمانوں کے عید کے دن ہیں اور اس دن یہ دونوں جمع تھے کہ جمعہ کا دن تھا اور ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔

الحاصل: جمعہ کا روز وہ بابرکت، مبارک و منور دن ہے جو اپنے جلو میں بڑی سعادتیں، برکتیں اور نورانیت لے کر طلوع ہوتا ہے اور یہ سعادتیں، یہ برکتیں، یہ نورانیت، یہ پاکیزگی، سب صدقہ ہے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ان کی امت مرحومہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا۔ اسی لیے اس روز، خصوصاً نماز جمعہ کا ادا کرنا، خیر وبرکات کے دروازے کھولنا ہے اور اس سے غفلت برتنا، محرومیوں میں گرفتار ہو جانا ہے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "جس نے اچھی طرح وضو کیا، پھر جمعہ کو آیا اور خطبہ سنا اور چپ رہا۔ اس کے لیے مغفرت ہو جائے گی ان گناہوں کی جو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہیں اور تین دن اور۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے، جو ایک نیکی کرے اس کے لیے دس مثل ہے۔ (مسلم وطبرانی وغیرہ)

اور ترمذی شریف میں ہے کہ "جس کے قدم، اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوں وہ آگ پر حرام ہیں۔" حضور کا یہ ارشاد مبارک نمازِ پنجگانہ کے لیے عموماً اور نمازِ جمعہ کے لیے خصوصاً ہے اور جب قدم قدم پر نیکیوں اور مغفرت و بخشش کی بشارتیں دی جا رہی ہیں تو ظاہر ہے کہ جو اس سے جی چرائے اور یہ مبارک دن غفلت و لاپرواہی میں گزار دے وہ خود ہی اپنی محرومی اور آخرت میں اپنی حرماں نصیبی کا سامان، خود اپنے ہاتھوں پیدا کر رہا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "جو شخص تین جمعے سستی کی وجہ سے چھوڑ دے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دے گا۔" (کہ نیکی کی اس کی نگاہوں میں وقعت ہوگی اور نہ وہ نیکی کی طرف دل سے متوجہ ہوگا) اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے کہ "جو تین جمعے بلا عذر چھوڑ دے وہ منافق ہے۔" اور رزین کی روایت

میں ہے۔ "وہ اللہ سے بے علاقہ ہے۔" اور طبرانی کی روایت ہے کہ "وہ منافقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔" اور صحیح مسلم شریف میں ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم "میں نے قصد کیا کہ ایک شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں اور جو لوگ جمعہ سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کے گھروں کو جلا دوں۔" دل کی آنکھیں کھلی ہوں تو آدمی گھریلو زندگی پر نظر ڈال کر بآسانی معلوم کر سکتا ہے کہ گھروں میں جو کج معنوی کی آگ لگی ہوئی ہے اس کی اصل وجہ کیا ہے۔

چند ضروری مسائل

جمعہ پڑھنے کے لیے چھ شرطیں ہیں کہ ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو جمعہ ہوگا ہی نہیں۔

(۱) وہ جگہ مصر یا فنائے مصر ہو اور شرعاً مصر وہ جگہ ہے جس میں متعدد کوچے اور بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اور وہاں کوئی حاکم ہو کہ اپنے دبدبہ اور سطوت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ اور مصر کے آس پاس کی جگہ، جو مصر کی مصلحتوں کے لیے ہو اسے فنائے مصر کہتے ہیں جیسے قبرستان، گھڑدوڑ کا میدان، فوج کے رہنے کی جگہ، کچہریاں، اسٹیشن وغیرہ۔ کہ یہ چیزیں شہر سے باہر ہوں تو فنائے مصر میں ان کا شمار ہے اور وہاں جمعہ جائز۔ لہٰذا جمعہ یا شہر میں پڑھا جائے یا قصبہ میں، یا ان کی فنا میں، اور گاؤں میں قائم کرنا جائز نہیں۔ (غنیہ وغیرہا) اگر دیہات میں جمعہ پڑھیں گے، گنہگار ہوں گے اور ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگی۔ البتہ جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ عوام جس طرح اللہ و رسول کا نام لے لیں، غنیمت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ) تو انہیں روکنے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ جو خدا اور رسول کا نام لیتے ہیں اسے بھی چھوڑ بیٹھیں۔

(۲) سلطانِ اسلام یا اس کا نائب، جسے جمعہ قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔

جمعہ کو اور نمازوں کی طرح سمجھ بیٹھنا اور جہاں چاہنا جمعہ قائم کرلینا اور جسے چاہنا

اسے امامت کے لیے مقرر کردینا، یہ محض شریعت سے ناواقفی ہے اور ناجائز و گناہ۔ ایسا جمعہ کہیں سے ثابت نہیں۔

(۳) وقتِ ظہر۔ یعنی وقتِ ظہر میں نماز پوری ہو جائے۔

(۴) خطبہ جمعہ۔ اور اس میں شرط یہ ہے کہ وقت میں ہو۔ نماز سے پہلے ہو، اور ایسی جماعت کے سامنے ہو جو جمعہ کے لیے شرط ہے۔ یعنی کم از کم خطیب کے سوا تین مرد۔ اور اتنی آواز سے ہو کہ پاس والے سن سکیں۔

(۵) جماعت۔ یعنی امام کے علاوہ کم سے کم تین مردوں کا موجود ہونا۔ اگرچہ وہ مسافر ہوں، یا بیمار، یا گونگے، یا ان پڑھ۔ ہاں صرف عورتیں یا بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہو گا۔

(۶) اذنِ عام۔ یعنی وہاں جمعہ پڑھنے کے لیے آنے والوں پر کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ جس مسلمان کا جی چاہے آئے، لوگ خواہ آئیں یا نہ آئیں۔ (عامہ کتب)

ہاں اگر عورتوں کو مثلاً مسجد جامع سے روک دیا جائے تو یہ اذنِ عام کے خلاف نہ ہو گا کہ ان کے آنے میں خوفِ فتنہ ہے۔ (ردالمحتار)

جمعہ واجب ہونے کے لیے گیارہ شرطیں ہیں۔ ان میں سے ایک بھی معدوم ہو تو جمعہ فرض نہیں۔ پھر بھی اگر پڑھے گا تو ہو جائے گا۔ بلکہ مرد عاقل و بالغ کے لیے جمعہ پڑھنا افضل ہے اور عورت کے لیے گھر میں نمازِ ظہر پڑھنا افضل۔ ہاں اگر عورت کا مکان، بالکل مسجد سے متصل ہے کہ گھر میں امام مسجد کی اقتداء کی جا سکے تو اس کے لیے بھی جمعہ افضل ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۱) شہر میں قیام ہونا۔ (۲) نمازی کا صحت مند ہونا۔ یعنی مریض پر جمعہ فرض نہیں اور مریض سے مراد وہ مرد ہے کہ مسجد جمعہ تک نہ جا سکے یا چلا جائے گا تو مرض بڑھ جائے گا یا دیر میں اچھا ہو گا اور شیخ فانی مریض کے حکم میں ہے۔ (درمختار وغیرہ) (۳) آزاد ہونا، تو غلام پر جمعہ فرض نہیں۔ (۴) مرد ہونا۔ (۵) عاقل ہونا۔ (۶) بالغ ہونا اور یہ دونوں شرطیں، خاص جمعہ کے لیے نہیں بلکہ ہر عبادت کے وجوب میں مکلف یعنی عاقل بالغ ہونا شرط ہے۔ (۷) انکھیارا ہونا، تو وہ نابینا جو خود مسجدِ جمعہ تک بلا تکلف نہ جا سکتا ہو اس پر جمعہ فرض نہیں۔ ہاں جو نابینا بلا تکلف کسی کی مدد کے بغیر بازاروں راستوں میں چلتے

پھرتے ہیں اور جس مسجد میں چاہیں بلا پوچھے جا سکتے ہیں، ان پر جمعہ فرض ہے۔ (ردالمحتار)

(۸) چلنے پر قادر ہونا۔ لہٰذا اپاہج پر جمعہ فرض نہیں اور جس کا ایک پاؤں کٹ گیا ہو یا فالج سے بیکار ہو گیا ہو اگر مسجد تک جا سکتا ہو تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں۔ (ردالمحتار)

(۹) قید میں نہ ہونا۔ (۱۰) بادشاہ یا چور وغیرہ کسی ظالم کا خوف نہ ہونا اور مفلس، قرض دار کو اگر اپنی گرفتاری و قید کا اندیشہ ہو تو اس پر فرض نہیں۔ (ردالمحتار) (۱۱) مینہ یا آندھی یا اولے یا سردی کا نہ ہونا، یعنی اس قدر کہ ان سے نقصان کا خوف صحیح ہو۔

بعض دیگر مسائل

(۱۲) مریض یا مسافر یا قیدی یا کوئی اور جس پر جمعہ فرض نہیں، ان لوگوں کو جمعہ کے دن شہر میں جماعت کے ساتھ ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی و گناہ ہے۔ خواہ جمعہ ہونے سے پیشتر جماعت کریں یا بعد میں۔ یونہی جن لوگوں کو جمعہ نہ ملا، وہ بھی بغیر اذان و اقامت، ظہر کی نماز، تنہا تنہا پڑھیں جماعت ان کے لیے بھی ممنوع ہے۔ اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ جن مسجدوں میں جمعہ نہیں ہوتا انہیں جمعہ کے دن ظہر کے وقت بند رکھیں۔ (درمختار) البتہ گاؤں میں جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پڑھیں۔

(عالمگیری)

(۱۳) نماز جمعہ کے لیے پیشتر سے جانا کہ صفِ اول میں، امام سے زیادہ قریب جگہ ملے، ثوابِ عظیم کا موجب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے جیسے جنابت کا غسل ہے۔ (یعنی بدن خوب مل مل کر میل کچیل دور کرے اور صاف ستھرا ہو جائے) پھر پہلی ساعت میں جائے تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا گائے کی قربانی کی اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے سینگ والے مینڈھے کی قربانی کی (جو افضل ہے) اور جو چوتھی ساعت میں گیا، گویا اس نے مرغی نیک کام میں خرچ کی۔ اور جو پانچویں ساعت میں گیا گویا اس نے انڈا خرچ کیا پھر جب امام خطبہ کو نکلا تو ملائکہ ذکر سننے حاضر ہو جاتے ہیں۔ اپنا دفتر لپیٹ لیتے ہیں

(اور یوں وہ اس ثواب سے محروم رہ جاتا ہے) یونہی نمازِ جمعہ کے لیے مسواک کرنا (کہ منہ میں بدبو باقی نہ رہے) اچھے اور سفید کپڑے پہننا (کہ میلے کچیلے کپڑے پہننا یوں بھی باعث نفرت ہے) تیل اور خوشبو لگانا (تاکہ تنفر کا سبب ختم ہو اور باہم مل کر بیٹھنے میں طبیعت نہ اکتائے اور دل نہ گھبرائے) اور پہلی صف میں بیٹھنا (کہ امام سے قربت و نزدیکی کا ثواب بھی مفت ہاتھ آئے) مستحب ہے۔ اور غسل کرنا سنت (کہ اس سے جمعہ کا شوق بھی پیدا ہوتا ہے اور نماز بھی کامل ادا ہوتی ہے) (عالمگیری وغیرہ)

(۱۴) جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہو، اس وقت سے ختمِ نماز تک، نماز و اذکار اور ہر قسم کا کلام ممنوع و حرام ہے۔ البتہ صاحبِ ترتیب اپنی قضا نماز پڑھ لے۔ یونہی جو شخص سُنّت یا نفل پڑھ رہا ہے جلد جلد، (برعایت سُنّت) نماز پوری کرلے۔ (درمختار)

(۱۵) جو چیزیں نماز میں حرام ہیں مثلاً کھانا پینا، سلام و جواب سلام، یہ سب خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہیں۔ جب خطبہ پڑھا جائے تو تمام حاضرین پر سننا اور خاموش رہنا فرض ہے۔ یہاں تک کہ جو لوگ امام سے دور ہوں کہ خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچتی انہیں بھی چپ رہنا واجب ہے اگر کسی کو بری بات کرتے دیکھیں تو ہاتھ یا سر کے اشارے سے منع کرسکتے ہیں، زبان سے ناجائز ہے۔ (درمختار)

دیکھا جاتا ہے کہ لوگ نمازِ جمعہ میں ایسے ناسمجھ بچوں کو بھی ہمراہ لے آتے ہیں جنہیں نماز و احترام مسجد کا ذرا بھی شعور نہیں ہوتا، وہ عین حالتِ خطبہ و نماز میں مسجد میں ادھر ادھر بھاگتے، شور مچاتے اور خطبہ یا نمازیوں کی نمازوں میں خلل انداز ہوتے ہیں لیکن ان سے زیادہ ناسمجھ وہ ہیں جو اسی حالت میں انہیں ڈانٹ ڈپٹ شروع کردیتے ہیں اور خود مبتلائے گناہ ہوتے ہیں۔

(۱۶) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک خطیب نے لیا یا آیۂ کریمہ ان اللّٰہ و ملٰئکتہ (الآیہ) پڑھی تو حاضرین دل میں درود شریف پڑھیں۔ زبان سے پڑھنے کی اس وقت اجازت نہیں۔ یونہی صحابہ کرام کے ذکر پر اس وقت رضی اللہ تعالیٰ عنہم زبان سے کہنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح رب عزوجل کا نام اقدس سن کر، جل جلالہ و عزشانہ زبان سے کہنے کی اجازت نہیں کہ بحالتِ خطبہ (اگرچہ وہ عیدین کا اگرچہ نکاح کا

خطبہ ہو) سلام و کلام مطلقاً حرام ہے اور سکوت فرض۔ ہاں دل میں کہیں کہ حکمِ انصات پر عمل رہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۷) عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا، یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا، سنتِ متوارثہ کے خلاف اور مکروہ ہے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ خالص عربی میں خطبہ زمانۂ قدیم سے معمول رہا ہے تو اسی کی پیروی کرنی چاہیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بحمد اللہ تعالیٰ ہزاروں عجمی شہر فتح ہوئے، ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ صحابہ کرام نے ان کی غرض سے خطبہ، غیر عربی میں پڑھا، یا اس میں دوسری زبان کو خلط کیا ہو۔ رہا یہ عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی تو جب صحابہ کرام کے نزدیک قابل لحاظ نہ تھا تو اب کیوں اور کیسے مان لیا جائے۔ بات یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا، عوام کہ نہیں سمجھتے اس کا سبب یہ ہے کہ نہیں سیکھتے تو قصور ان کا ہے نہ کہ خطیب کا۔ عوام الناس قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے تو کیا ان کے لیے ان کے لحاظ سے قرآن اردو میں پڑھا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)
کیسی حسرت ناک ہے یہ بات کہ لوگ انگریزی زبان پر اندھے باؤلے ہو کر گرتے ہیں کہ دو پیسے کمانے کی امید ہے اور عربی کہ ان کا دین عربی، نبی عربی، کتاب عربی، اتنی بھی نہیں سیکھتے کہ اپنا دین سمجھ سکیں۔ گویا عربی جس میں دین ہے ایمان ہے اس سے کوئی غرض نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق و ہدایت بخشے۔ (آمین)

(۱۸) علاوہ جمعہ کے باقی دنوں میں ہر روز بارہ رکعتیں سنتِ مؤکدہ ہیں لیکن جمعہ کے روز، جمعہ پڑھنے والے پر چودہ رکعتیں ہیں۔ یعنی دو رکعت نماز فجر سے پہلے، دو بعد مغرب اور دو بعد عشاء اور چار جمعہ سے پہلے چار بعد جمعہ۔ اور افضل یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت سنت مؤکدہ پڑھے، پھر دو اور۔ تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔
(غنیہ)

(۱۹) عوام میں معمول ہے کہ خطیب، آخر خطبہ میں جب ان لفظوں پر پہنچتا ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى اَعْلٰى تو اس کے سنتے ہی لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ حرام ہے کہ ہنوز خطبہ ختم نہیں ہوا، چند الفاظ باقی ہیں اور خطبہ کی حالت میں

کوئی عمل حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲۰) رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو، عوام الناس جمعۃ الوداع کہتے ہیں اور خطبوں میں الوداعیہ کلمات پڑھے جاتے ہیں۔ اس کا نہ کوئی حکمِ شرعی ہے اور نہ اس سے روکنا حکمِ شرعی۔ سچی الوداع یہ ہے کہ رمضان شریف کے آنے سے خوش ہو اور جانے سے غمگین۔ اور اگر یہ حالت ہو کہ آنا بار تھا اور جانے کے لیے گھڑیاں گنیں تو جھوٹی الوداع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

جمعہ کے دن یا رات میں مرنے کے فضائل

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرے گا، اللہ تعالیٰ اسے فتنۂ قبر سے بچالے گا۔ (ترمذی)

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ کسی مسلمان کو جمعہ کے دن بے مغفرت نہ چھوڑے گا۔ (طبرانی)

(۳) جو جمعہ کے دن مرے گا اس کے لیے شہید کا اجر لکھا جائے گا۔ (اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی)

(۴) جو مسلمان مرد یا عورت، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرے، عذابِ قبر اور فتنۂ قبر سے بچالیا جائے گا اور خدا سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر کچھ حساب نہ ہوگا اور اس کے ساتھ گواہ ہوں گے کہ اس کے لیے گواہی دیں گے۔ (مولائے کریم ہر سنی مسلمان کو اپنے کرمِ خاص سے نوازے، آمین)

فائدہ: جمعہ کے دن روحیں جمع ہوتی ہیں لہٰذا اس میں زیارت قبور کرنی چاہیے اور اس روز جہنم نہیں بھڑکایا جاتا۔ (درمختار) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا شب برأت ہوتی ہے، اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں۔ ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے

کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔ (یعنی ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھائے اور ہمارے لیے صدقہ و خیرات اور دعائے مغفرت کرے) رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔

عیدین کا بیان

اسلام وہ پیغام محبت ہے جو بچھڑے ہوؤں کو ملاتا، بیگانوں کو یگانہ اور آشناؤں کو صدیق، شناساؤں کو، دو جسم یک جان بنا دیتا ہے۔ احکام اسلام پر غور کیجئے بادنیٰ تامل معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کا منشا یہی ہے کہ بنی آدم، ایک دوسرے سے لاتعلق نہ رہیں، اپنی ہی ذات میں گم نہ ہوں، بلکہ افرادِ مختلفہ، ملتِ واحدہ بن کر کلمۂ واحدہ پر جمع ہو جائیں، تاکہ ایک ہی رسول، ایک ہی قرآن، ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے ظاہر بیں نگاہوں میں بھی ایک ہی سطح پر متحد و متفق اور ایک دوسرے کے بہی خواہ، نظر آئیں اور دنیا والے اس اتحاد معنوی میں کوئی اختلافِ ظاہری محسوس نہ کر سکیں۔ اسلام میں جبکہ اہلِ محلّہ میں محبّت و اتحاد پیدا کرنے اور اسے ان میں قائم و دائم رکھنے کے لیے پنجگانہ نمازوں کے وقت، اہل محلّہ پر، محلّہ کی مسجد میں جمع ہو کر نماز ادا کرنا واجب کیا گیا ہے۔ اہلِ شہر میں محبت و تعلقات بڑھانے کے لیے ہفتہ میں ایک بار ان کا مسجد جامع میں اکٹھا ہو کر نمازِ جمعہ ادا کرنا ضروری و لازمی ٹھہرایا گیا ہے۔ تو ضروری تھا کہ شہری باشندوں، بلکہ قُرب و جوار کے رہنے والوں میں تعارف و تعلق اور محبّت و شناسائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کے لیے بھی کوئی اہتمام کیا جائے جبکہ اسلامی عالم میں رابطۂ دین کے مستحکم و مضبوط کرنے کے لیے مختلف ملکوں کے اشخاص کو دینِ واحد کی وحدت میں شامل ہونے کے لیے عمر بھر میں ایک بار، ان تمام مسلمانوں پر جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں، حج کعبتہ اللہ فرض کیا گیا ہے۔ تو اہلِ شہر اور دیہاتِ قُرب و جوار میں اسی شناسائی اور مودت و محبّت اور تعلق کو پیدا کرنے کے لیے سال میں دو بار عیدین کی نماز کو سنن ھدٰی بلکہ لازم قرار دیا گیا ہے۔ ہر دو موقعوں پر دیہات والے شہروں کی طرف آتے

ہیں اور شہر والے شہر سے باہر نکل کر ان سے ملاقات کرتے اور سب مل جل کر عبادتِ الٰہی ادا کرتے ہیں۔

ابوداؤد میں مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اس زمانے میں اہلِ مدینہ سال میں دو دن خوشی کرتے تھے۔ (مہرگان و نیروز) فرمایا یہ کیا دن ہیں؟ لوگوں نے عرض کی "جاہلیت میں ہم لوگ ان دنوں میں خوشیاں منایا کرتے تھے۔" فرمایا "اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے ان سے بہتر دو دن تمہیں دیئے، عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن۔"

تو اسلام نے ان ایام میں، تجمل و زیب و زینت اور رکھ رکھاؤ کو تو باقی رکھا۔ البتہ زمانۂ جاہلیت کی خصوصیات، یعنی لہو ولعب اور کھیل کود میں مصروفیات کو ختم کردیا اور جشن کے ان ایام کو خدائے بزرگ و برتر کی اجتماعی عبادت کے ایام بنادیا۔ تاکہ ان کا یہ تجمل و اجتماع یادِ الٰہی سے غفلت میں بسر نہ ہو۔ ایک طرف ان کی دنیاوی فرحت و انبساط کے اہتمام کی اجازت دی تو دوسری جانب بندگی کے دروازے ان پر کھول دیئے کہ یادِ الٰہی سے بھی غافل نہ رہیں اور اسلامی برادری سے شناسائی کے مواقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

غرض اسلامی تہوار بھی، لہو ولعب اور ہنگامہ آرائی کے ذریعے نہیں بلکہ دوسری تمام اقوام سے اس اعتبار سے منفرد ہیں کہ وہ فرحت و نشاط کا ذریعہ بھی ہیں اور وحدت و اجتماعیت اور ایثار و قربانی اور اجتماعی عبادتوں کا وسیلہ بھی۔ والحمدللہ۔ عید کی نماز بھی مدینہ ہی میں آکر قائم ہوئی لیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال نہیں بلکہ ۲ھ میں اس کا قیام عمل میں آیا جس کی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز روزۂ رمضان کے تابع ہے اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے۔ اور عید کہتے ہیں اس خوشی کو جو بار بار لوٹ کر آئے۔

چند احادیثِ کریمہ

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) جو عیدین کی راتوں میں قیام کرے (نماز و عبادات میں گزارے) اس کا دل نہ مرے گا جس دن لوگوں کے دل مریں گے۔ (ابن ماجہ)

(۲) ترمذی و ابن ماجہ وغیرہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کے دن کچھ کھا کر نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور عید الاضحیٰ میں نہ کھاتے جب تک نماز نہ پڑھ لیتے۔

(۳) امام بخاری کی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن تشریف نہ لے جاتے جب تک چند کھجوریں نہ تناول فرماتے اور وہ طاق ہوتیں۔

(۴) ترمذی و دارمی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید (کی نماز) کو ایک راستہ سے تشریف لے جاتے اور دوسرے سے واپس ہوتے۔

(۵) بخاری و مسلم میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز دو رکعت پڑھی نہ اس سے قبل نماز پڑھی نہ اس کے بعد۔

مسائلِ فقہیّہ

(۱) عیدین کی نماز واجب ہے مگر سب پر نہیں بلکہ انہیں پر واجب ہے جن پر جمعہ واجب ہے اور اس کی ادا کی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کے لیے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے عیدین میں سنت، جمعہ کا خطبہ قبل نماز ہے اور عیدین کا بعد نماز اور عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۲) بلاوجہ عید کی نماز چھوڑنا گمراہی و بدعت ہے اور گاؤں میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۳) نماز عید سے قبل نفل نماز مطلقاً مکروہ ہے۔ یعنی عید گاہ میں ہو یا گھر میں، اس پر عید کی نماز واجب ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ عورت اگر چاشت کی نماز گھر میں پڑھنا چاہے تو نماز ہو جانے کے بعد پڑھے۔ اور نماز عید کے بعد عید گاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ گھر میں پڑھ سکتا ہے۔ اور عوام الناس اگر پڑھیں، اگرچہ نمازِ عید سے پہلے، اگرچہ عید گاہ میں، انہیں منع نہ کیا جائے۔ (درمختار وغیرہ)

(۴) عید کے دن یہ امور مستحب ہیں:

حجامت بنوانا، ناخن ترشوانا، غسل کرنا، مسواک کرنا، اچھے کپڑے پہننا نیا ہو تو نیا ورنہ دھلا ہوا، انگوٹھی پہننا، خوشبو لگانا، صبح کی نماز مسجد محلّہ میں پڑھنا، عید گاہ جلد چلا جانا، نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا، عید گاہ کو پیدل جانا، دوسرے راستہ سے واپس آنا، نماز کو جانے سے پیشتر چند کھجوریں کھالینا جو طاق ہوں۔ کھجوریں نہ ہوں تو کوئی میٹھی چیز کھالے۔ جیسا کہ عموماً ان بلاد میں شیر خرمے کا رواج ہے۔ خوشی ظاہر کرنا، کثرت سے صدقہ دینا، عید گاہ کو اطمینان و وقار سے اور نیچی نگاہ کیے جانا، آپس میں مبارک باد دینا، معانقہ کرنا کہ یہ بھی اظہار خوشی کا ایک طریقہ ہے۔ بعد نمازِ عید مصافحہ و معانقہ کرنا جیسا کہ عموماً مسلمانوں میں رائج ہے کہ اس میں اظہار مسرت ہے۔ (درمختار و عالمگیری وغیرہ)

(۵) عید الاضحیٰ یعنی بقر عید، تمام احکام میں عید الفطر کی طرح ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھائے اگرچہ قربانی نہ کرے اور کھالیا تو کراہت نہیں۔ دوسرے یہ کہ عید الفطر میں راستہ میں بلند آواز سے تکبیر نہ کہے اور عید الاضحیٰ میں راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہتا جائے یعنی اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

(۶) کسی عذر کے سبب، عید کی نماز نہ ہو سکی (مثلاً سخت بارش ہوئی، یا ابر کے سبب چاند نہیں دیکھا گیا تھا اور گواہی ایسے وقت گزری کہ نماز نہیں ہو سکتی) تو دوسرے دن پڑھی جائے اور دوسرے دن بھی نہ ہوئی تو عید الفطر کی نماز تیسرے دن نہیں ہو سکتی،

جبکہ عید الاضحیٰ کی نماز، عذر کی وجہ سے تیسرے دن یعنی بارہویں تک بلا کراہت مؤخر کر سکتے ہیں اس کے بعد پھر نہیں ہو سکتی اور کوئی عذر نہ ہو اور عید الفطر کی نماز پہلے دن نہ پڑھی تو دوسرے دن نہیں پڑھ سکتے۔ اور عید الاضحیٰ کی نماز بلاعذر دسویں کے بعد مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

(۷) پہلی رکعت میں امام کے تکبیر کہنے کے بعد مقتدی شامل ہوا تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے اور اگر امام کو رکوع میں پایا یا امام رکوع میں چلا گیا تو یہ کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہے پھر رکوع میں جا کر تینوں تکبیریں کہہ لے جبکہ کھڑے کھڑے نہ کہہ سکے اور اگر امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب اپنی پڑھے، اس وقت کہے۔ یونہی دوسری رکعت میں شامل ہوا تو پہلی کی تکبیریں اس وقت کہے جب اپنی فوت شدہ رکعت پڑھنے کھڑا ہو۔ (عالمگیری وغیرہ)

نمازِ عید کی ترکیب

نمازِ عید پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے نیت کرے (اور کہے کہ نیت کی میں نے دو رکعت واجب، عید الفطر یا عید الاضحیٰ (جس کی نماز پڑھتا ہو) مع چھ تکبیروں کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف، پیچھے اس امام کے) نیت کر کے کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔ یوں کہ ہتھیلیاں قبلہ رُخ رہیں۔ اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ ناف پر باندھ لے پھر ثنا یعنی سبحٰنک اللّٰھم پڑھے۔ پھر امام کے ساتھ کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا چھوڑ دے۔ پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے۔ یعنی پہلی تکبیر میں ہاتھ باندھے اس کے بعد دوسری اور تیسری تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے پھر چوتھی تکبیر میں باندھ لے۔

اس کو یوں یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لیے جائیں اور جہاں پڑھنا نہیں، وہاں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔

پھر امام اعوذ اور بسم اللہ آہستہ پڑھ کر، جہر کے ساتھ یعنی بلند آواز میں الحمد اور

سورت پڑھے گا، مقتدی خاموش رہیں- خواہ ان تک آواز آئے یا نہ آئے، ان کا کام دست بستہ خدمت گار بندہ کی مانند خاموش کھڑا رہنا ہے-

تنبیہہ

خواہ مخواہ لاؤڈ اسپیکر کو درمیان میں دخیل بنا کر اپنی نماز کی تباہی کا اہتمام نہ کریں کہ اکثر وہ خراب ہو جاتا ہے اور مقتدیوں کی مٹی پلید ہوتی ہے- کوئی قیام میں ہے کوئی رکوع میں، کوئی سجدہ میں ہے کوئی قعود میں- غرض افراتفری کا عالم ہوتا ہے اور مانا کہ یہ کچھ نہ ہوا تو اس لاؤڈ اسپیکر کی آواز نے، جو ان کے کانوں سے ٹکرا رہی ہے، ثواب و اجر میں کون سا اضافہ کردیا- بلکہ سچ پوچھئے اور انصاف سے سوچئے تو اس کی رواں رواں ہی توجہ ہٹانے اور التفات بٹانے میں کیا کم ہے جبکہ یہ اندیشے موجود، کہ نہ معلوم نماز ہوئی بھی یا نہیں-

غرض امام قرأت سے فارغ ہو کر رکوع و سجود کرے گا- مقتدی بھی اس کی اقتداء میں رکوع اور پھر سجدے کریں اور پھر دوسری رکعت کے لیے امام کے ساتھ کھڑے ہو جائیں- اب امام الحمد اور سورت پڑھے گا- مقتدی خاموش رہیں- قرأت کے بعد امام تین تکبیریں کہے گا- مقتدی بھی اس کا ساتھ دیں- تین بار اللہ اکبر کہہ کر، ہر بار ہاتھ چھوڑے رکھیں باندھیں نہیں، اور چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتے ہوئے امام کے ساتھ رکوع میں جائیں، اس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز میں زائد چھ تکبیریں ہیں- تین پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد اور تکبیر رکوع سے پہلے- اور ان چھ تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے- پھر رکوع، سجود اور التحیات و درود شریف اور دعا پڑھ کر، امام کے ساتھ سلام پھیریں اور اپنی جگہ اطمینان و وقار سے بیٹھے رہیں- ابھی ایک اور حکمِ شرعی پر عمل باقی ہے-

یعنی نماز کے بعد امام دو خطبے پڑھے گا- مقتدی غور سے سنیں اور مصافحہ و معانقہ کے شوق کو حکمِ الٰہی پر غالب نہ آنے دیں کہ خطبہ عیدین کا سننا واجب ہے اور مصافحہ و معانقہ مستحب- تو مستحب کی بجا آوری میں ایسے مشغول نہ ہوں کہ واجب چھوٹ جائے اور ترکِ واجب کا وبال نامۂ اعمال میں مرقوم ہو- خطبوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا کریں اور تمام اہلِ اسلام کے لیے عموماً اور اپنے والدین و اساتذہ و مشائخ کے لیے خصوصاً دعائیں کریں- واللہ الموفق للصواب-

رویتِ ہلال

یعنی

چاند دیکھنے کا بیان

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ- اے محبوب! لوگ تم سے ہلال کے بارے میں سوال کرتے ہیں- تم فرما دو وہ لوگوں کے کاموں اور حج کیلئے اوقات ہیں-

نیز ارشاد قرآنی ہے:

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ- (وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا) اور اس کیلئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو-

سوال کیا گیا کہ یارسول اللہ! چاند کے گھٹنے بڑھنے کی غایت کیا ہے- یعنی ابتداء میں چاند بہت باریک طلوع ہوتا ہے- پھر تاریخ وار روز بروز بڑھتا ہے، یہاں تک کہ پورا روشن ہو جاتا ہے- پھر تاریخ وار گھٹتا ہے اور یہاں تک گھٹتا ہے کہ پہلے کی طرح باریک ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ غائب ہو جاتا ہے- اس کی غایت و مصلحت کیا ہے؟

اس کے جواب میں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا کہ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ یعنی چاند کا طلوع ہونا اور گھٹنا بڑھنا اور پھر آخری مرحلہ میں اس کا غائب ہو جانا تمہارے دنیاوی معاملات اور شرعی حسابات کے لیے علامات ہیں۔ ہزارہا دینی و دنیاوی امور اس سے متعلق ہیں۔ زراعت، تجارت، لین دین کے معاملات، روزے اور عید کے اوقات، عورتوں کی عدتیں، حیض کے ایام، حمل اور دودھ پلانے کی مدتیں، دودھ چھڑانے کے اوقات اور حج کے اوقات اس سے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول میں جب چاند باریک ہوتا ہے تو دیکھنے والا جان لیتا ہے کہ یہ ابتدائی تاریخ ہیں اور جب چاند پورا روشن ہو جاتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مہینے کی درمیانی تاریخ ہے اور جب چاند چھپ جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مہینہ ختم پر ہے۔ اسی طرح ان کے مابین ایام میں، چاند کی حالتیں دلالت و رہنمائی کیا کرتی ہیں۔ پھر مہینوں سے سال کا حساب ہوتا ہے۔

یہ وہ قدرتی جنتری ہے جو آسمان کے صفحہ پر ہمیشہ کھلی رہتی ہے۔ اور ہر ملک اور ہر زبان کے لوگ، پڑھے بھی اور بے پڑھے بھی، شہری بھی اور دیہاتی بھی، خواص بھی اور عوام بھی سب اس سے اپنا حساب معلوم کر لیتے ہیں۔ اور یہی وہ قدرتی جنتری ہے جو آسمان پر نمودار ہو کر دنیا بھر کے لوگوں کو بیک وقت ان کی تاریخوں کا حساب بتاتی رہتی ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ چاند کی چال کے لیے اٹھائیس منزلیں مقرر ہیں جو بارہ برجوں پر منقسم ہیں۔ ہر برج کے لیے ۲ ۱/۳ منزلیں ہیں۔ چاند ہر شب ایک منزل میں رہتا ہے اور مہینہ تیس دن کا ہو تو دو شب، ورنہ ایک شب چھپتا ہے۔

اور لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابِ کو قَدَّرَهٗ سے متعلق رکھنے نے منشائے خداوندی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وقت و زمانہ کا حساب کتاب، تقویم قمری ہی کے مطابق رکھا جائے اور جب اعمالِ شرعی کا مدار، حسابِ قمری پر ٹھہرا تو اس حسابِ قمری کا اہتمام و انضباط بھی فرض کفایہ ہوا۔ تو جنہیں انگریزی سنہ سے کاروبار رکھنا ضرورت کے درجہ میں آ پڑا ہے، ان کے لیے تو خیر عذر بھی ہے لیکن بلا ضرورت سنہ ہجری قمری کو چھوڑ کر سنہ شمسی مسیحی انگریزی اختیار کر لینا، غیرتِ اسلامی کے منافی اور واقعی بڑے

افسوس کی بات ہے لیکن بااین ہمہ جن احکام شرعیہ کا دارومدار، رویتِ ہلال اور قمری مہینے سال سے ہے، وہاں عیسوی سال ہرگز معتبر نہ ہوگا۔ مثلاً مسلمان مرد خواہ عورت، جس عربی قمری اسلامی مہینے کی جس تاریخ کو صاحبِ نصاب ہوا اور وہی اسلامی مہینہ دوسرے سال کے آنے تک اس کے پاس مال بقدرِ نصاب باقی رہا تو وہی مہینہ تاریخ اس کے لیے زکوٰۃ کا سال ہے۔ انگریزی مہینوں کا اعتبار حرام ہے اور نہ اس کے اوقاتِ آمدنی پر لحاظ۔

الغرض اسلام نے سال کا شمار قمری حساب پر رکھا ہے اور اس حساب کو شمسی حساب کے برابر کرنے کے لیے کوئی لوند کا مہینہ اختیار نہیں کیا۔ کیونکہ اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے ضروری تھا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہج حساب کو پسند فرماتے جو فطرت کے اصول اور دینی مصلحتوں پر مبنی ہو اور انہیں مصلحتوں میں سے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اسلامی مہینے ادلتے بدلتے موسم میں آیا کریں تاکہ ساری دنیا کے مسلمان اس کی ہمہ گیری سے مستفید ہوں اور سردی گرمی کے تغیرات، کسی ایک طبقہ ارض سے مخصوص نہ رہیں۔

مسائلِ متعلقہ

(۱) پانچ مہینوں کا چاند دیکھنا واجبِ کفایہ ہے (کہ بستی و شہر کے کچھ لوگوں نے دیکھنے کی کوشش کی تو سب کے لیے کافی ہے سب بری الذمہ ہو گئے ورنہ سب گناہگار) اور وہ پانچ مہینے ہیں شعبان، رمضان، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ۔

شعبان کا اس لیے کہ اگر رمضان کا چاند دیکھتے وقت ابر یا غبار ہو تو یہ تیس دن پورے کر کے رمضان المبارک کے روزے رکھنا شروع کر دیں۔

رمضان کا روزے رکھنے کے لیے۔

شوال کا روزے ختم کرنے کے لیے۔

ذی قعدہ کا ذی الحجہ کے لیے اور ذی الحجہ کا بقر عید کے لیے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲) ابر اور غبار میں رمضان کا ثبوت، ایک مسلمان عاقل بالغ مستور (جس کا ظاہر مطابق شرع ہے دوسرے کوائف معلوم نہیں) یا عادل شخص کی گواہی سے ہو جاتا ہے۔ مرد ہو خواہ عورت اور عادل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کم از کم متقی ہو یعنی کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو اور ایسا کام نہ کرتا ہو جو مروت اور غیرتِ اسلامی کے منافی ہو۔ مثلاً بازاروں میں بے دھڑک کھانا۔ (درمختار وغیرہ)

(۳) فاسق اگرچہ رمضان کے چاند کی شہادت دے، اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ لیکن اگر اسے امید ہے کہ اس کی گواہی قبول کرلی جائے گی تو اسے لازم ہے کہ گواہی دے۔ (درمختار) ہو سکتا ہے کہ عادل گواہ میسر نہ آئیں اور اس جیسے دس بیس دوسرے آدمی بھی گواہی بہم پہنچائیں اور گواہی لینے والوں کو ظنِ غالب ہو جائے کہ اتنے آدمی محض لااصل اور جھوٹی بات پر اتفاق نہیں کر سکتے اور اس بنیاد پر ان کی شہادتوں پر رویتِ ہلال کا حکم دے دیا جائے خصوصاً ہلالِ رمضان کے بارے میں کہ وہاں تیسیر و آسانی پر عمل رہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) جس عادل شخص نے رمضان کا چاند دیکھا اس پر واجب ہے کہ اسی رات میں شہادت ادا کرے۔ یہاں تک کہ اگر پردہ نشین عورت نے چاند دیکھا تو اس پر گواہی دینے کے لیے اسی رات میں جانا واجب ہے۔ اور اس کے لیے شوہر سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں مگر یہ حکم اس وقت ہے جب اس کی گواہی پر رویتِ ہلال کا ثبوت موقوف ہے کہ بے اس کی گواہی کے کام نہ چلے ورنہ کیا ضرورت ہے۔ (درمختار وغیرہ) اور اس صورت پر اگرچہ عورت پر لازم نہیں کہ وہ شوہر کی اجازت لے کر جائے، تاہم تنہا نہ جائے کسی محرم کو ساتھ لے کر قدم گھر سے باہر نکالے کہ آج کل عام لوگوں، خصوصاً عورتوں میں بڑا ہنر، ان ہوئی جوڑلینا، طوفان لگا دینا ہے اور خدا پناہ دے بری گھڑی کہہ کر نہیں آتی۔ اور نیک و بد کسی کی پیشانی پر لکھا نہیں ہوتا۔ تو کاجل کی کوٹھری کے پاس ہی کیوں جائیے کہ دھبا کھائیے اور خود شوہر سے اجازت لے کر بلکہ اس کے ہمراہ اس کی حفاظت میں گواہی جا کر دے تو بہت ہی بہتر اور مصالحِ شرع سے قریب تر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) اگر مطلع صاف ہو تو جب تک بہت سے لوگ (جمِ غفیر) شہادت نہ دیں چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ رہا یہ کہ اس کے لیے کتنے لوگ چاہئیں تو یہ قاضی کے متعلق ہے۔ جتنے گواہوں سے اسے غالب گمان ہو جائے کہ یہ سب جھوٹ پر متفق نہیں ہو سکتے۔ رویتِ ہلال کا حکم دے دے گا۔ مگر جبکہ بیرون شہر یا بلند جگہ سے چاند دیکھنا بیان کرتا ہے۔ اور ہے وہ مستور الحال (جس کا ظاہر حال مطابق شرع ہے مگر باطن کا حال معلوم نہیں)، تو اس ایک کا قول بھی رمضان کے چاند میں قبول کر لیا جائے گا۔ غیر رمضان میں اس کی بھی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ (درمختار)

(۶) مطلع صاف نہ ہو تو علاوہ رمضان کے، شوال و ذی الحجہ بلکہ تمام مہینوں کے لیے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں اور سب عادل ہوں اور ان میں سے کسی پر تہمت زنا کی حد نہ قائم کی گئی ہو، اگرچہ توبہ کر چکا ہو۔ (عامہ کتب)

(۷) ہر گواہی میں یہ کہنا ضروری ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بغیر اس کے شہادت نہیں مگر آسمان پر ابر و غبار کی حالت میں، رمضان المبارک کے چاند کی گواہی میں، اس کہنے کی ضرورت نہیں۔ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے اس رمضان کا چاند آج یا کل یا فلاں دن دیکھا ہے۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

(۸) جس کے پاس رمضان کے چاند کی شہادت گزری، اسے یہ ضروری نہیں کہ گواہ سے یہ دریافت کرے، تم نے کہاں سے دیکھا، چاند کس طرف تھا اور کتنے اونچے پر تھا وغیرہ وغیرہ۔ (عالمگیری وغیرہ) مگر جبکہ اس کا بیان مشتبہ ہو تو سوالات کرے۔ خصوصاً عید کے چاند کی گواہی میں کہ لوگ خواہ مخواہ اس کا چاند دیکھ لینا بیان کرنے لگتے ہیں۔

(۹) ایک جگہ چاند ہوا تو وہ صرف وہیں کے لیے نہیں بلکہ تمام جہاں کے لیے ہے مگر دوسری جگہ کے لیے اس کا حکم اس وقت ہے کہ ان کے نزدیک، اس دن تاریخ میں چاند ہونا شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے۔ یعنی عینی شہادت (خود اپنی آنکھ سے چاند دیکھنے کی گواہی) یا قاضی کے حکم کی شہادت گزرے یا متعدد جماعتیں وہاں سے آکر خبر دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا اور وہاں لوگوں نے روزہ رکھا یا عید کی ہے۔ (درمختار)

(۱۰) تار یا ٹیلی فون کی خبر شرعاً محض نامعتبر ہے۔ اس سے رویتِ ہلال ثابت نہیں

ہو سکتی تو اس کی بنا پر روزہ توڑ ڈالنا محض ناجائز ہے اور اس کے مرتکب بے شک گناہ کے مرتکب ہیں۔ اگرچہ بعد کو تحقیق ہو جائے کہ اس دن واقعی عید ہی تھی کہ جب تک انہوں نے روزے توڑے، ہرگز کوئی ثبوت شرعی نہ تھا کہ ہنوز اس تاریخ میں رمضان کا ختم ہو جانا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہوا تھا جبکہ رمضان شریف یقیناً ثابت تھا تو یہ شرع کی اجازت کے بغیر روزہ توڑنا ہوا اور یہ قطعاً گناہ ہے۔ پھر تار کی حالت، ٹیلیفون درکنار خط سے بھی بہت گری ہوئی ہے کہ تار میں بھیجنے والے کے ہاتھ کی علامت تک نہیں ہوتی اور علماء فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں۔ تو شرعاً تار پر عمل کیونکر ممکن۔ اور ٹیلیفون میں محض آواز سنائی دیتی ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو، اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی کہ آواز، آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔

پھر مقام غور ہے کہ دنیاوی خواہ دینی، وہ تمام امور جن کا مدار شہادت پر ہوتا ہے موجودہ کورٹ اور کچہریاں بھی، تار یا ٹیلی فون وغیرہ پر کسی گواہ کی گواہی کو قابلِ قبول اور معتبر نہیں سمجھتیں بلکہ ضابطۂ شہادت کی رو سے گواہ کے لیے یہ ضروری قرار دیا جاتا ہے کہ وہ کورٹ میں حاضر ہو کر شہادت ادا کرے تاکہ اس کی شخصیت اور کردار پر جرح و تنقید کی جا سکے۔ تو کیا رویتِ ہلال کے بارے میں، جس پر مسلمانوں کے بہت سے دنیاوی معاملات اور شرعی عبادات موقوف ہیں اتنا بھی اہتمام نہ کیا جائے گا۔ جتنا پچاس سو روپیہ کے لین دین پر تنازع کی حالت میں، کورٹ میں شاہدوں کے لیے کیا جاتا ہے۔ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ۔

تنبیہہ ضروری ثبوتِ ہلال کے شرعی طریقوں کے علاوہ، جس قدر طریقے لوگوں نے ایجاد کر لیے ہیں، شرعاً محض ناقابلِ قبول ہیں۔ مثلاً یہی تار ٹیلیفون یا خطوط و اخبار یا بازاری افواہ کہ شہر میں خبر اڑ جاتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوا۔ یونہی جنتریوں کا بیان کہ فلاں دن پہلی ہے، یونہی قیاسات و قرائن مثلاً چاند بڑا تھا، روشن تھا، دیر تک رہا تو ضرور کل کا تھا۔ ان قیاسات کی تو جنتریوں اور نجومیوں کے حسابات کے برابر بھی وقعت نہیں۔ حدیث میں ہے کہ قربِ قیامت کی علامت سے ہے کہ ہلال پھولے ہوئے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے۔ یونہی اختراعی قاعدے مثلاً رجب کی چوتھی،

رمضان کی پہلی ہوگی۔ رمضان کی پہلی، ذی الحجہ کی دسویں ہوگی۔ اگلے رمضان کی پانچویں، اس رمضان کی پہلی ہوگی۔ چار مہینے برابر تیس تیس کے ہو چکے ہیں یہ ضرور انتیس کا ہوگا۔ تین چاند پے درپے انتیس کے ہوئے ہیں یہ ضرور تیس کا ہوگا۔ ان سب کا جواب اسی قدر میں ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ان باتوں پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ (فتاویٰ رضویہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیماری کا بیان

بیماری ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے فائدے بے شمار ہیں اگرچہ آدمی کو بظاہر اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ مگر حقیقتاً اس کی بدولت راحت و آرام کا ایک بڑا ذخیرہ ہاتھ آتا ہے۔ یہ ظاہری بیماری جس کو آدمی بیماری سمجھتا ہے، حقیقت میں روحانی بیماریوں کا ایک بڑا زبردست علاج ہے۔ حقیقی بیماری، روحانی بیماریاں ہیں جن سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے اور انہیں کو مہلک بیماری سمجھنا چاہیے۔

بہت موٹی سی بات جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے بلکہ جانتا ہے یہ ہے کہ کوئی کتنا ہی خدا و رسول سے غافل ہو مگر جب بیمار پڑ جاتا ہے تو خدا اور رسول کا نام لیتا اور توبہ استغفار کرتا ہے اور یہ تو بڑے رتبہ والوں کی شان ہے کہ تکلیف کا بھی اسی طرح استقبال کرتے ہیں جیسے راحت و آرام کا۔ مگر ہم جیسے کم سے کم اتنا تو کریں کہ صبر و استقلال سے کام لیں اور جزع و فزع کر کے، رو پیٹ کر آتے ہوئے ثواب کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ بے صبری سے آئی ہوئی مصیبت جاتی نہیں، رہے گی۔ پھر اس بڑے ثواب سے محرومی دوہری مصیبت ہے، اس دنیا میں بھی اور عالم آخرت میں بھی۔

بہت سے نادان، جن میں مرد بھی ہیں عورتیں بھی، بیماری یا کسی جسمانی تکلیف میں بہت بے جا باتیں بول اٹھتے ہیں اور نازیبا حرکتیں کرنے لگتے ہیں بلکہ بعض اوقات زبان سے ایسے کلمات نکال دیتے ہیں جن سے ایمان ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے اور

اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ بات کفر تک نہ پہنچ جائے۔ بلکہ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ عزوجل کی طرف ظلم کی نسبت کر دیتے ہیں ایسے لوگ تو بالکل ہی خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ کا مصداق بن جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پیارے اور برگزیدہ رسول کی پیاری پیاری حدیثیں دل لگا کر پوری توجہ سے سنیں یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں۔ اللہ عزوجل توفیقِ خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(۱) مسلمانوں کو جو تکلیف و ملال اور اذیّت و غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا جو اس کے چبھتا اللہ تعالیٰ ان کے سبب اس کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۲) مسلمان کو جو اذیّت پہنچتی ہے مرض ہو یا اس کے سوا کچھ اور اللہ تعالیٰ اس کے سبب اس کی برائیاں گرا دیتا ہے جیسے درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۳) بخار کو برا نہ کہو کہ وہ آدمی کی خطاؤں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے آگ کی بھٹی لوہے کے میل کو۔ (مسلم شریف)

(۴) جب مسلمان کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتہ کو حکم ہوتا ہے لکھ جو کام پہلے کیا کرتا تھا۔ تو اگر اللہ اسے شفا دیتا ہے تو دھو دیتا ہے اور پاک کر دیتا ہے اور موت دیتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے اور رحم فرماتا ہے۔ (شرح السنہ)

(۵) بندہ کے لیے علمِ الٰہی میں کوئی مرتبہ مقرر ہوتا ہے اور وہ اپنے اعمال کے سبب اس رتبہ کو پہنچ نہیں پاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا مال یا اولاد کو بلا و اذیّت میں ڈال دیتا ہے پھر اسے صبر عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ اسے اس مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے لیے علمِ الٰہی میں ہے۔ (احمد و ابوداؤد)

مسئلہ: رنج و مصیبت سے گھبرا کر، دنیا کی تکلیفوں اور اذیتوں سے بچنے کے لیے موت کی تمنا ناجائز ہے۔ اے عزیز! وہاں کے لیے کیا جمع کیا کہ یہاں سے بھاگتا ہے۔ اگر موت کی سختی سے واقف ہو، آرزو کرے کاش! تمام دنیا کی تکلیف مجھ پر ہو اور چند روز موت سے مہلت ملے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رنج کے سبب سے موت کی آرزو نہ

کرو۔ اگر ناچار ہو جاؤ تو کہو: "خدایا مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میرے حق میں بہتر ہے اور مجھے وفات دے جس وقت موت میرے حق میں بہتر ہو۔"

ہاں جب دین میں فتنہ دیکھے اور دینی نقصانات کا خوف ہو تو اپنے مرنے کی دعا جائز ہے۔ حدیث میں ہے: "تم میں سے کوئی موت کی آرزو نہ کرے مگر جبکہ اعتماد نیکی کرنے پر نہ رکھتا ہو۔" (درمختار وغیرہ)

مریض کی عیادت کو جانا سنت ہے، اس کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

(۱) جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت (مزاج پرسی) کے لیے صبح کو جائے تو شام تک اس کے لیے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں اور شام کو جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں ایک باغ ہوگا۔ (ترمذی)

(۲) جب تو مریض کے پاس جائے تو اس سے کہہ کہ وہ تیرے لیے دعا کرے کہ اس بیمار کی دعا فرشتوں کی دعا کے مانند ہے۔ (ابن ماجہ)

(۳) بہترین عیادت یہ ہے کہ آدمی مریض کے پاس سے جلد اٹھ آئے۔ (بیہقی)

(۴) جب مریض کے پاس جاؤ تو عمر کے بارے میں دل خوش کن بات کرو کہ یہ کسی چیز کو رد نہ کر دے گا اور اس کے جی کو اچھا معلوم ہوگا۔ (ترمذی)

(۵) جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کو جائے تو سات بار یہ دعا پڑھے۔ اگر موت نہیں آئی ہے تو اسے شفا ہو جائے گی۔ (ابوداؤد)

اَسْاَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ۔

اللہ عظیم سے سوال کرتا ہوں جو عرش کریم کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفا دے۔

مسئلہ: مریض کی عیادت کرنا سنت ہے۔ ہاں اگر معلوم ہے کہ عیادت کو جائے گی تو اس بیمار پر گراں گزرے گا تو ایسی حالت میں نہ جائے اور کوشش کرے کہ اس سے تعلقات میں جو تلخی پیدا ہو گئی ہے وہ ختم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن (یعنی کسی مسلمان مرد و عورت) کے لیے یہ حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔ اگر تین دن گزر گئے ملاقات کر لے اور سلام

کرے، اگر دوسرے نے سلام کا جواب دے دیا تو ثواب میں دونوں شریک ہو گئے اور اگر جواب نہیں دیا تو گناہ اس کے ذمہ ہے اور یہ شخص چھوڑنے کے گناہ سے نکل گیا۔ (ابوداؤد) وہاں اگر اس جانے والے میں کوئی ایسی برائی پائی جاتی ہے جو شرعاً بھی برائی ہے اور اس نے اسی وجہ سے اس سے قطع تعلق کرلیا ہے تو آدمی کو خدا و رسول کی رضاجوئی کے لیے توبہ کرنا اور اس برائی سے بچنا چاہیے کہ بندے بھی خوش رہیں اور خدا و رسول بھی راضی۔

مسئلہ: عیادت کو جائے اور مریض کی سختی کو دیکھے تو مریض کے سامنے یہ ظاہر نہ کرے کہ تمہاری حالت خراب ہے اور نہ اس طرح سرہلائے جس سے حالت کا خراب ہونا سمجھا جاتا ہے۔ مریض کے سامنے تو ایسی باتیں کرنی چاہئیں جو اس کے دل کو بھلی معلوم ہوں۔ اس کا مزاج پوچھے اور تسلی دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب کسی مریض کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو یہ فرماتے:

لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ یعنی کوئی گھبراہٹ کی بات نہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ مرض گناہوں سے پاک کرنے والا ہے۔

بیماریوں کا علاج

مسئلہ: کسی بیماری کا علاج کرنا ضروری نہیں یعنی اگر اس نے علاج نہ کرایا اور دوا دارو کیے بغیر مرگئی تو یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ گناہ گار ہوئی۔ ہاں اس کے معنی یہ بھی نہیں کہ آدمی بیماری کا علاج ہی نہ کرائے۔ علاج کرائے اور اعتقاد یہ رکھے کہ شفا دینے والا اللہ ہے، اسی نے دوا کو بیماری مٹانے کا سبب بنا دیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کے لیے دوا پیدا فرمائی ہے، جب وہ دوا بیمار کو پہنچ جائے گی بیمار اللہ کے حکم سے اچھا ہو جائے گا، سوا ایک بیماری کے کہ وہ بڑھاپا ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: انسان کے بدن کے کسی حصے کو دوا کے طور پر استعمال کرنا حرام ہے۔ (عالمگیری) اور حرام چیزوں کو دوا کے طور پر استعمال کرنا بھی ناجائز ہے کہ حدیث میں ارشاد فرمایا: جو چیزیں حرام ہیں ان میں اللہ نے شفا نہیں رکھی ہے۔ (درمختار، ردالمحتار) انگریزی دوائیں بکثرت ایسی ہیں جن میں اسپرٹ اور شراب (الکوحل) کی آمیزش ہوتی ہے، ایسی دوائیں ہرگز استعمال نہ کی جائیں۔

مسئلہ: شراب سے خارجی علاج بھی ناجائز ہے مثلاً زخم میں شراب لگائی یا کسی جانور کو زخم ہے اس پر شراب لگائی یا بچہ کے علاج میں شراب استعمال کی، یہ سب گناہ کی صورتیں ہیں اور ان میں گناہ گار وہ ہے جس نے استعمال کرایا۔ (عالمگیری) بچوں کی چاہت میں، ماں باپ بعض بیماریوں خصوصاً نمونیا میں ڈاکٹر کے کہنے پر شراب استعمال کرا دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بچہ ہے۔ بیشک بچہ گناہ گار نہیں مگر تم تو جان بوجھ کر گناہ کما رہے ہو۔

مسئلہ: بعض عورتیں بچوں کو افیون کھلایا کرتی ہیں اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کے نشہ میں پڑا رہے گا، پریشان نہیں کرے گا اور سارے کام اطمینان سے ہو جائیں گے یہ بھی ناجائز ہے، کیونکہ بچہ کو افیون اگرچہ تھوڑی مقدار میں دی جاتی ہے مگر وہ اتنی ضرور ہوتی ہے کہ اس کی عقل میں فتور آجائے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: خشک چیزیں جو نشہ لاتی ہیں جیسے بھنگ افیون وغیرہ یہ نجس نہیں ہیں لہٰذا لیپ وغیرہ میں خارجی طور پر انہیں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس طرح استعمال میں نشہ نہیں پیدا ہوگا، پھر ناجائز کیوں ہو۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: اسقاطِ حمل (حمل گرانے) کے لیے دوا استعمال کرنا یا دائی سے حمل ساقط کرانا منع ہے۔ بچہ کی صورت بنی ہو یا نہ بنی ہو دونوں کا ایک حکم ہے، ہاں اگر کوئی واقعی عذر ہو مثلاً عورت کے دودھ پیتا بچہ ہے اور باپ کے پاس اتنا پیسہ نہیں کہ دایا مقرر کرے یا پیسہ ہے مگر دایا دستیاب نہیں ہوتی اور حمل سے دودھ خشک ہو جائے گا جس سے بچہ کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے تو اس مجبوری سے حمل ساقط کیا جا سکتا ہے

بشرطیکہ اس کے بدن کے اعضاء ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کان وغیرہ نہ بنے ہوں اور اس کی مدت ایک سو بیس دن ہے یعنی چار مہینے۔ (ردالمحتار) للہذا اس سے پہلے اسقاط جائز ہے۔

فائدہ: (۱) کسی شخص کو بیماری یا ایسی حالت میں دیکھے جسے پسند نہیں کیا جاتا تو یہ دعا پڑھے، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رہے گا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔

یعنی اللہ کا شکر جس نے مجھے اس بلا سے بچایا جس میں تجھے مبتلا کیا اور اپنی مخلوق میں سے بہت سوں پر مجھے فضیلت دی۔

فائدہ: (۲) جب کوئی شخص ایسی چیز دیکھے جو ناپسند ہے یعنی برا شگون پائے تو یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ لَا یَاْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَدْفَعُ السَّیِّاٰتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

الٰہی! تیرے سوا نہ کوئی بھلائیاں لاتا ہے اور تیرے سوا نہ کوئی برائیاں ٹالتا ہے اور برائیوں سے پھرنا اور نیکیوں کی قوت نہیں مگر اللہ برتر عظیم سے۔

موت آنے کا بیان

ہر شخص کی جتنی عمر مقرر ہے نہ اس سے کچھ گھٹے نہ بڑھے۔ آدمی لاکھ جتن کرے جب وہ مقررہ عمر پوری ہو جاتی ہے تو ملک الموت (موت کا فرشتہ) یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے کے لیے آتے اور اس کی جان نکال لیتے ہیں۔ اسی کا نام موت ہے۔

روح قبض ہونے کا وقت بہت سخت وقت ہے کہ اسی پر تمام اعمال کا دارومدار ہے اور ایمان کے تمام نتیجے جو آخرت میں ظاہر ہوں گے اسی پر مترتب ہوتے ہیں کہ اعتبار خاتمہ ہی کا ہے اور شیطان لعین ایمان لینے کی فکر میں ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے

مکر سے بچائے اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے وہی اپنی مراد کو پہنچا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جس کا آخر کلام لاالٰہ الا اللہ یعنی کلمہ طیبہ ہوا وہ جنت میں داخل ہوا۔ اب اس بارے میں مختصر مسائل سنیں۔

جب موت کا وقت قریب آئے اور یہ علامتیں پائی جائیں یعنی سانس اکھڑنے اور جلدی جلدی چلنے لگے، پاؤں سست ہو جائیں کہ کھڑے نہ ہو سکیں، ناک ٹیڑھی اور منہ کی کھال سخت ہو جائے اور دونوں کنپٹیاں بیٹھ جائیں تو سنت یہ ہے کہ داہنی کروٹ پر لٹا کر قبلہ کی طرف اس کا منہ کر دیں اور یہ بھی جائز ہے کہ چت لٹائیں اور قبلہ کو پاؤں کریں کہ یوں بھی قبلہ کو منہ ہو جائے گا مگر اس صورت میں سر کو قدرے اونچا رکھیں اور قبلہ کو منہ کرنا دشوار ہو کہ اس کو تکلیف ہوتی ہو تو جس حالت پر ہے چھوڑ دیں۔

مسئلہ: جان کنی کی حالت میں جب تک روح گلے کو نہ آئی ہو اسے تلقین کریں یعنی اس کے پاس بلند آواز سے کلمہ طیبہ یا کلمہ شہادت پڑھیں کہ وہ سن کر پڑھے، مگر اس سے یہ نہ کہیں کہ کلمہ پڑھو۔ تمہیں کیا معلوم وہ کس تکلیف اور سختی میں ہے مبادا اس کے منہ سے کوئی غلط بات نکل جائے تو عمر بھر کی کمائی مٹی میں مل جائے گی۔ تلقین کے وقت اس کے پاس نیک اور پرہیز گار لوگوں کا ہونا بہت اچھی بات ہے اور اس وقت وہاں سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت اور خوشبو ہونا مستحب ہے مثلاً لوبان یا اگربتیاں سلگا دیں۔ (عالمگیری) اور جب وہ دونوں جز کلمہ طیبہ کے کہہ لے تو اس سے دوبارہ کہنے کا اصرار نہ کریں کہ کہیں اکتا نہ جائے۔ ہاں اگر کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی اور بات اس نے کی تو پھر تلقین کریں کہ اس کا آخر کلام لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہو کہ لا الٰہ الا اللہ، بے محمد رسول اللہ کے مقبول نہیں۔ (حلیہ وغیرہ)

مسئلہ: موت کے وقت حیض ونفاس والی عورتیں اس کے پاس حاضر ہو سکتی ہیں۔ (عالمگیری) مگر جس کا حیض ونفاس ختم ہو گیا اور ابھی غسل نہیں کیا اسے اور جُنُب کو نہ آنا چاہیے۔ کوشش کریں کہ مکان میں کوئی تصویر یا کتا نہ ہو کہ جہاں یہ ہوتے ہیں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ نزع کے وقت اپنے اور اس کے لیے دعائے خیر کرتے رہیں۔

کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکالیں کہ اس وقت جو کچھ کہا جاتا ہے فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ نزع میں سختی دیکھیں تو سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد پڑھیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: جب روح نکل جائے تو ایک چوڑی پٹی جبڑے کے نیچے سے سر پر لے جاکر گرہ دے دیں کہ منہ کھلا نہ رہے اور آنکھیں بند کر دی جائیں اور انگلیاں اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیئے جائیں۔ یہ کام اس کے گھر والوں میں جو زیادہ نرمی کے ساتھ کر سکتا ہے، باپ یا بیٹا وہ کرے۔ (جوہرہ نیرہ) اور اس کے پیٹ پر لوہا یا گیلی مٹی یا کوئی اور بھاری چیز رکھ دیں کہ پیٹ پھول نہ جائے۔ (عالمگیری) مگر ضرورت سے زیادہ وزنی نہ ہو کہ باعث تکلیف ہے۔ (درمختار) میت کے سارے بدن کو کسی کپڑے سے چھپا دیں اور زمین کی سیل سے بچائیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: آنکھیں بند کرتے وقت یہ دعا پڑھیں:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَيْهِ اَمْرَهٗ وَسَهِّلْ عَلَيْهِ مَا بَعْدَهٗ وَاَسْعِدْهُ بِلِقَآئِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ

اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول اللہ کی ملت پر۔ اے اللہ! تو اس کے کام کو اس پر آسان کر اور اس کے مابعد کو اس پر سہل کر اور اپنی ملاقات سے تو اسے نیک بخت کر اور جس کی طرف نکلا (آخرت) اسے اس سے بہتر کر جس سے نکلا۔ (دنیا)

مسئلہ: اس کے ذمہ قرض یا کسی کا مالی مطالبہ ہو جلد سے جلد ادا کریں کہ حدیث شریف میں ہے میت اپنے دَین میں گرفتار رہتی ہے اور ایک روایت میں ہے اس کی روح معلق رہتی ہے۔ جب تک دَین ادا نہ کر دیا جائے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: میت کے پاس تلاوتِ قرآنِ مجید جائز ہے۔ جبکہ اس کا تمام بدن کپڑے سے چھپا ہو اور تسبیح و دیگر اذکار میں مطلقاً کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ناگہانی موت سے کوئی مرا تو جب تک موت کا یقین نہ ہو تجہیز و تکفین،

(کفن دفن وغیرہ) ملتوی رکھیں۔ (عالمگیری) ہو سکتا ہے کہ یہ سکتہ ہو جو طول پکڑ گیا۔

مسئلہ: عورت مر گئی اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہے تو بائیں جانب سے پیٹ چاک کر کے بچہ نکالا جائے اور اگر عورت زندہ ہے اور اس کے پیٹ میں بچہ مر گیا اور عورت کی جان پر بنی ہو تو بچہ کاٹ کر نکالا جائے اور بچہ بھی زندہ ہو تو کیسی ہی تکلیف ہو بچہ کاٹ کر نکالنا جائز نہیں۔ (درمختار، عالمگیری)

مسئلہ: پڑوسیوں اور اس کے دوست احباب کو موت کی اطلاع دیں کہ نمازیوں کی کثرت ہوگی اور میت کے لیے دعا کریں گے کہ ان پر حق ہے کہ اس کی نماز پڑھیں اور دعا کریں۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: میت کے پاس زمین پر بیٹھنا افضل ہے اور چارپائی تخت کرسی وغیرہ پر بیٹھے تو اس کی ممانعت بھی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: جس گھر میں موت ہو جائے وہاں چولھا جلانا، کھانا پکانا، شرعاً منع نہیں ہے، نہ اس میں کوئی گناہ ہے، ہاں چونکہ موت کی پریشانی کے سبب وہ لوگ پکاتے نہیں۔ اس لیے یہ سنت ہے کہ پہلے دن صرف گھر والوں کے لیے کھانا بھیجا جائے اور انہیں باصرار کھلایا جائے۔ نہ دوسرے دن بھیجیں نہ گھر سے زیادہ آدمیوں کے لیے بھیجیں، نہ اور لوگ اس میں سے کھائیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

میت کا غسل و کفن

مسئلہ: میت کو نہلانا فرض کفایہ ہے۔ بعض لوگوں نے غسل دے دیا تو سب سے ساقط ہو گیا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جہاں موت ہوئی اگر وہاں اس کے سوا اور بھی نہلانے والے ہوں تو نہلانے پر اُجرت لے سکتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ نہ لے اور اگر دوسری نہلانے والی نہ

ہو تو اُجرت لینا جائز نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: میت کو نہلانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس تخت یا تختہ پر نہلانے کا ارادہ ہو اس کو تین یا پانچ یا سات بار دھونی دیں یعنی جس چیز میں وہ خوشبو سلگتی ہے اسے اتنی بار تخت یا تختہ کے گرد پھرائیں اور اس پر میت کو لٹا کر ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے چھپا دیں۔ پھر نہلانے والی اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر استنجا کرائے پھر نماز کا سا وضو کرائے یعنی پہلے منہ دھوئے پھر کہنیوں سمیت ہاتھ دھوئے۔ پھر سر کا مسح کرے پھر پاؤں دھوئے مگر میت کے وضو میں پہلے گٹوں تک ہاتھ دھونا اور کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نہیں ہے۔ کوئی کپڑا یا روئی کی پھریری بھگو کر دانتوں اور مسوڑھوں اور ہونٹوں اور نتھنوں پر پھیر دیں پھر سر کو گلِ خیرو سے دھوئیں۔ یہ نہ ہو تو پاک صابن، اسلامی کارخانہ کا بنا ہو یا بیسن یا کسی اور چیز سے۔ ورنہ خالی پانی بھی کافی ہے۔ پھر بائیں کروٹ پر لٹا کر سر سے پاؤں تک بیری میں گرم کیا ہوا۔ ورنہ خالص نیم گرم (گنگنا) پانی اس طرح بہائیں کہ تختے تک پہنچ جائے۔ پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر یونہی کریں۔ پھر ٹیک لگا کر بٹھائیں اور نرمی کے ساتھ نیچے کو پیٹ پر ہاتھ پھیریں۔ اگر کچھ نکلے دھو ڈالیں۔ پھر وضو وغسل نہ دیں۔ پھر آخر میں سر سے پاؤں تک کافور کا پانی بہائیں پھر اس کے بدن کو کسی پاک کپڑے سے آہستہ پونچھ دیں۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: ایک مرتبہ سارے بدن پر پانی بہانا فرض ہے اور تین مرتبہ سنت۔ جہاں غسل دیں مستحب یہ ہے کہ پردہ کرلیں کہ نہلانے والی اور مددگار عورتوں کے سوا دوسرا کوئی نہ دیکھے۔ نہلاتے وقت خواہ اس طرح لٹائیں جیسے قبر میں رکھتے ہیں یعنی میت کو داہنی کروٹ پر لٹائیں اور اس کا منہ قبلہ کو کریں۔ یہ نہ ہو تو قبلہ کی طرف پاؤں کرکے یا جو آسان ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نہلانے والی باطہارت ہو۔ جُنُب یا حیض والی عورت نے غسل دیا تو کراہت ہے مگر غسل ہو جائے گا اور بے وضو نے نہلایا تو کراہت بھی نہیں۔ نہلانے والی عورت ایسی ہو کہ پوری طرح غسل دے اور جو اچھی بات دیکھے مثلاً چہرہ چمک اٹھا، یا

میت کے جسم سے خوشبو آئی تو اسے دوسری عورتوں کے سامنے بیان کرے اور کوئی بری بات دیکھے تو کسی سے نہ کہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عورت مرجائے تو اس کا شوہر نہ اسے نہلا سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے اور دیکھنے کی ممانعت نہیں۔ (درمختار) اور عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ شوہر، عورت کے جنازے کو نہ کندھا دے سکتا ہے نہ قبر میں اتار سکتا ہے نہ منہ دیکھ سکتا ہے یہ محض غلط ہے۔ صرف نہلانا یا اس کے بدن کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ جنازے کو محض اجنبی ہاتھ لگاتے، کندھوں پر اٹھاتے اور قبر تک لے جاتے ہیں۔ شوہر نے کیا قصور کیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: جُنُب یا حیض و نفاس والی عورت کا انتقال ہوا تو ایک ہی غسل کافی ہے۔ کہ غسل واجب ہونے کے کتنے ہی اسباب ہوں سب ایک ہی غسل سے ادا ہو جاتے ہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: میت کا بدن اگر ایسا ہو گیا ہو کہ ہاتھ لگانے سے کھال ادھڑے گی تو ہاتھ نہ لگائیں صرف پانی بہا دیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نہلانے کے بعد اگر ناک کان منہ اور دوسرے سوراخوں میں روئی رکھ دیں تو حرج نہیں مگر بہتر یہ ہے کہ نہ رکھیں اور میت کے سر کے بالوں میں کنگھا کرنا، یا ناخن تراشنا یا کسی جگہ کے بال مونڈنا یا کترنا یا اکھاڑنا، ناجائز مکروہ تحریمی اور گناہ ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ جس حالت پر ہے اسی پر دفن کردیں اور اگر ناخن یا بال تراش لیے تو کفن میں رکھ دیں۔ (عالمگیری۔ درمختار وغیرہ)

مسئلہ: میت کے دونوں ہاتھ کروٹوں میں رکھیں سینے پر نہ رکھیں کہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ بعض جگہ ناف کے نیچے اس طرح رکھتے ہیں جیسے نماز کے قیام میں۔ یہ بھی نہ کریں۔

مسئلہ: میت کے غسل کے لیے کورے گھڑے لوٹے کی ضرورت نہیں۔ گھر کے استعمالی گھڑے لوٹے سے بھی غسل دے سکتے ہیں اور بعض یہ جہالت کرتے ہیں کہ

غسل کے بعد انہیں توڑ ڈالتے ہیں یہ ناجائز و حرام ہے کہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ اور یہ خیال کہ وہ نجس ہو گئے ایک فضول بات ہے جس طرح زندوں کے غسل و وضو کی چھینٹیں برتن کو نجس نہیں کرتیں یونہی میت کے غسل کی چھینٹیں اگر برتن پر پڑ بھی جائیں تو وہ نجس نہیں ہوتا۔ اور فرض کرلو کہ نجس پانی کی چھینٹیں پڑیں تو دھو ڈالیں۔ دھونے سے پاک ہو جائیں گے اور اکثر جگہ وہ گھڑے لوٹے مسجدوں میں رکھ دیتے ہیں اگر یہ نیت ہو کہ نمازیوں کو آرام اور اس کا ثواب مُردے کو پہنچے گا تو اچھی نیت ہے اور اگر یہ خیال ہو کہ گھر میں رکھنا نحوست ہے، تو یہ نری حماقت ہے اور بعض لوگ گھڑے کا پانی پھینک دیتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے۔ اسے کام میں لائیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: میت کو کفن دینا فرض کفایہ ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: مرد کے لیے سنت تین کپڑے ہیں۔ لفافہ، ازار، قمیص۔ اور عورت کے لیے سنت یہ ہے کہ اسے پانچ کپڑوں کا کفن دیا جائے۔ لفافہ یعنی چادر، ازار، یعنی تہ بند قمیص جسے کفنی کہتے ہیں۔ اوڑھنی اور سینہ بند۔ (عامہ کتب) ان کے سوا کفنی میں کوئی اور تہ بند یا رومال رکھنا بدعت و ممنوع ہے۔

مسئلہ: لفافہ یعنی چادر کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکیں۔ اور ازار یعنی تہ بند چوٹی سے قدم تک یعنی لفافے سے اتنی چھوٹی جو باندھنے کے لیے زیادہ تھا۔ اور قمیص یعنی کفنی گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک اور یہ آگے پیچھے دونوں طرف برابر ہو اور جاہلوں میں جو رواج ہے کہ پیچھے کم رکھتے ہیں۔ یہ غلطی ہے۔ چاک اور آستینیں اس میں نہ ہوں اور عورت کے لیے کفنی سینہ کی طرف چیریں۔ اوڑھنی تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز کی ہونی چاہیے۔ سینہ بند پستان سے ناف تک اور بہتر یہ ہے کہ ران تک ہو۔ (عالمگیری، ردالمحتار وغیرہ) سرمہ کنگھی اگر فقیر کو بطور صدقہ دیں تو کوئی حرج نہیں اور کفن میں رکھنا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد، اس کا بدن کسی پاک کپڑے سے آہستگی سے پونچھ لیں کہ کفن تر نہ ہو اور کفن کو ایک یا تین یا پانچ بار یا

سات بار دھونی دے لیں اس سے زیادہ نہیں۔ پھر کفن کو یوں بچھائیں کہ پہلے بڑی چادر، پھر تہ بند پھر کفنی۔ پھر میت کو اس پر لٹائیں اور کفنی پہنائیں اور تمام بدن پر خوشبو ملیں اور ماتھے ناک ہاتھ گھٹنے قدم پر کافور لگائیں۔ کفنی پہنا کر عورت کے سر کے بال کے دو حصے کر کے کفنی کے اوپر سینہ پر ڈال دیں۔ ایک حصہ دائیں جانب اور ایک حصہ بائیں طرف، اور اوڑھنی، آدھی پیٹھ کے نیچے سے بچھا کر، سر پر لائیں اور منہ پر نقاب کی طرح ڈال دیں کہ سینہ پر رہے کہ اس کی لمبائی، نصف پشت سے سینہ تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اور یہ جو بعض عورتیں کرتی ہیں کہ زندگی کی طرح اوڑھاتی ہیں یہ محض بے جا اور خلافِ سنت ہے۔ پھر ازار یعنی تہ بند لپیٹیں، پہلے بائیں جانب سے پھر دائیں جانب سے پھر لفافہ لپیٹیں، پہلے بائیں طرف سے پھر داہنی طرف سے تاکہ داہنا اوپر رہے اور سر سے پاؤں کی طرف باندھ دیں تاکہ اڑنے کا اندیشہ نہ رہے۔ پھر سب کے اوپر سینہ بند پستان کے اوپر سے ران تک لاکر باندھ دیں۔
(عالمگیری، درمختار وغیرہ)

مسئلہ: سنت کے مطابق کفن کا انتظام نہ ہو سکے تو عورت کے لیے لفافہ، ازار، اوڑھنی یا لفافہ قمیص اوڑھنی تین ہی کپڑے کافی ہیں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو جو میسر آئے اور کم از کم اتنا تو ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے۔ (عالمگیری) اور بلا ضرورت عورت کو تین کپڑوں سے کم کفن دینا ناجائز و مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کفن اچھا ہونا چاہیے یعنی عورت جیسے کپڑے پہن کر میکے جاتی تھی اس قیمت کا ہونا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے مُردوں کو اچھا کفن دو کہ وہ باہم ملاقات کرتے اور اچھے کفن سے خوش ہوتے ہیں۔ سفید کفن بہتر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے مُردے سفید کپڑوں میں دفناؤ۔ (ردالمحتار وغیرہ) پرانے کپڑے کا بھی کفن ہو سکتا ہے جبکہ دھلا ہوا ہو کہ کفن ستھرا ہونا مرغوب و مطلوب ہے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: بعض محتاج اور ضرورت مند، ورثہ کفن ضرورت پر قادر ہوتے ہیں۔ (یعنی کم از کم اتنا، جس سے سارا بدن ڈھک جائے) مگر سنت کے مطابق کفن دینا انہیں میسر

نہیں ہوتا۔ وہ کفن مسنون کے لیے لوگوں سے سوال کرتے ہیں یہ ناجائز ہے کہ سوال بلا ضرورت جائز نہیں اور یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ اگر کفن ضرورت پر بھی قادر نہ ہوں تو بقدرِ ضرورت سوال کریں۔ زیادہ نہیں۔ ہاں بغیر مانگے مسلمان خود کفن مسنون پورا کر دیں تو انشااللہ تعالیٰ پورا ثواب پائیں گے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: کسم یا زعفران کا رنگا ہوا یا ریشم کا کفن مرد کو ممنوع ہے، اور عورت کے لیے جائز۔ یعنی جو کپڑا مرد زندگی میں پہن سکتا ہے اس کا کفن دیا جاسکتا ہے۔ اور جو زندگی میں ناجائز اس کا کفن بھی ناجائز۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کفن کے لیے سوال کر کے لائے اس میں سے کچھ بچ رہا تو اگر معلوم ہے کہ یہ فلاں شخص نے دیا ہے تو اسے واپس کر دیں ورنہ دوسرے محتاج کے کفن میں صرف کر دیں۔ یہ بھی نہ ہو تو تصدق کر دیں۔ (درمختار)

مسئلہ: پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ بلکہ نیت حَسَن سے حسن ہے جیسے قبروں پر پھول ڈالنا کہ وہ جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اترتی ہے۔ یونہی تبرک کے لیے غلافِ کعبہ معظمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہ جائز ہے۔ اسے رافضیوں کا رواج بتانا محض جھوٹ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: جو نابالغ لڑکی حدِ شہوت کو پہنچ گئی (کہ اسے دیکھ کر مرد کو اس کی طرف میلان پیدا ہو اور اس کا اندازہ لڑکیوں میں نو برس ہے) وہ بالغ کے حکم میں ہے یعنی بالغ کو کفن میں جتنے کپڑے دیئے جاتے ہیں اسے بھی دیئے جائیں اور اس سے چھوٹی لڑکی کو دو کپڑے دے سکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ پورا کفن دیں اگرچہ ایک دن کا بچہ ہو۔
(ردالمحتار)

مسئلہ: کتابیہ جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہے اس کا یا مسلمان عورت کا بچہ زندہ پیدا ہوا یعنی اکثر حصہ باہر آجانے کے وقت زندہ تھا پھر مرگیا تو اس کا غسل و کفن دیں گے

اور اس کی نماز پڑھیں گے ورنہ اسے ویسے ہی نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں گے۔ اس کے غسل و کفن بطریق مسنون نہیں۔ اور نماز بھی اس کی نہیں پڑھی جائے گی۔ اکثر کی مقدار یہ ہے کہ سر کی جانب سے ہو تو سینہ تک اکثر ہے اور پاؤں کی جانب سے ہو تو کمر تک۔ (ردالمحتار)

مسئلہ ضروریہ

پاکستان و ہندوستان میں عام رواج ہے کہ کفن مسنون کے علاوہ اوپر سے ایک چادر اوڑھاتے ہیں، وہ تکیہ دار یا کسی مسکین پر تصدق کرتے ہیں اور ایک جانماز ہوتی ہے جس پر امام جنازہ کی نماز پڑھتا ہے۔ وہ بھی صدقہ کر دیتے ہیں۔ اگر یہ چادر و جانماز میت کے مال سے نہ ہوں بلکہ کسی نے اپنی طرف سے دیا ہے اور عادتاً وہی دیتا ہے جس نے کفن دیا۔ بلکہ کفن کے لیے جو کپڑا لایا جاتا ہے وہ اسی انداز سے لایا جاتا ہے جس میں یہ دونوں بھی ہو جائیں جب تو ظاہر ہے کہ اس کی اجازت ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر میت کے مال سے ہے تو دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وارث سب بالغ ہوں اور سب کی اجازت سے ہو جب بھی جائز ہے اور اگر اجازت سے نہ ہو تو جس نے میت کے مال سے منگایا اور تصدق کیا اس کے ذمہ یہ دونوں چیزیں ہیں ان میں جو قیمت صرف ہوئی ترکہ میں شمار کی جائے گی اور وہ قیمت خرچ کرنے والا اپنے پاس سے دے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ورثہ میں کل یا بعض نابالغ ہیں تو اب وہ دونوں چیزیں ترکہ سے ہرگز نہیں دی جاسکتیں۔ اگرچہ اس نابالغ وارث نے اجازت بھی دے دی ہو کہ نابالغ کے مال کو صرف کر لینا حرام ہے۔

اسی طرح گھر میں لوٹے گھڑے ہوتے ہوئے خاص میت کے نہلانے کے لیے خریدے تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے۔

تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں، ششماہی، برسی، کے مصارف میں بھی یہی تفصیل ہے کہ اپنے مال سے جو چاہے خرچ کرے اور میت کو ثواب پہنچائے اور میت

کے مال سے یہ مصارف اسی وقت کیے جائیں کہ سب وارث بالغ ہوں اور سب کی اجازت ہو ورنہ نہیں۔ مگر جو بالغ ہو اپنے حصے سے کر سکتا ہے۔

ایک صورت اور بھی ہے کہ میت نے وصیت کی ہو تو دین (مالی مطالبہ) ادا کرنے کے بعد جو بچے اس کی تہائی میں وصیت جاری ہو گی۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔ یا ناواقف کہ اس قسم کے تمام مصارف کر لینے کے بعد اب جو باقی رہتا ہے اسے ترکہ سمجھتے ہیں۔ ان مصارف میں نہ وارثوں سے اجازت لیتے ہیں نہ وارث کے نابالغ ہونے کا کچھ خیال رکھتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے۔

ان باتوں سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ تیجہ وغیرہ کو منع کیا جا رہا ہے کہ یہ تو ایصال ثواب ہے اس سے کوئی منع کرے گا۔ منع وہ کرے جو وہابی ہو بلکہ ناجائز طور پر ان میں جو خرچ کیا جاتا ہے اس سے منع کیا جا رہا ہے۔ کوئی اپنے مال سے کرے یا سب ورثہ بالغ ہوں اور ان سے اجازت لے کر کرے تو کوئی ممانعت نہیں۔ (بہار شریعت وغیرہ)

مسئلہ: عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانا، ناجائز و ممنوع ہے اور نوحہ کرنے والی ساتھ میں ہو تو اسے سختی سے منع کیا جائے۔ اگر نہ مانے تو مرد اس کی وجہ سے جنازہ کے ساتھ جانا نہ چھوڑے کہ اس کے ناجائز فعل سے یہ کیوں سنت ترک کرے بلکہ دل سے اسے برا مانے اور شریک ہو۔ (در مختار، صغیری)

نمازِ جنازہ اور قبر و دفن سے متعلق بعض مسائل

ان ابواب سے متعلق مسائل کا زیادہ تر تعلق چونکہ مردوں سے ہے اس لیے مختصر چند مسائل ذکر کیے جاتے ہیں تاکہ عورتیں ان سے ناواقف محض نہ رہیں۔

مسئلہ: ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔ اگرچہ وہ کیسا ہی گناہ گار اور بد چلن کیوں نہ ہو (بشرطیکہ کوئی قول یا فعل خلافِ اسلام ظاہر نہ کیا ہو) مگر چند قسم کے لوگ ہیں کہ ان کی نماز نہیں۔ مثلاً جو لوگ ناحق پاسداری میں لڑیں اور مر جائیں۔ یا جس نے

اپنے ماں یا باپ کو مار ڈالا۔ ڈاکو کہ ڈاکہ میں مارا گیا کہ نہ اسے غسل دیا جائے، نہ نماز پڑھی جائے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جس نے خودکشی کی حالانکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ مگر اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی اگرچہ قصداً خودکشی کی ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ: میت کو بغیر نماز پڑھے دفن کیا گیا اور مٹی بھی دے دی گئی تو اب اس کی قبر پر نماز پڑھیں جب تک پھٹنے کا گمان نہ ہو اور مٹی نہ دی گئی ہو تو نکالیں اور نماز پڑھ کر دفن کریں اور قبر پر نماز پڑھنے میں دنوں کی تعداد مقرر نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: بغیر غسل نمازِ جنازہ پڑھی گئی تو نہ ہوئی۔ اسے غسل دے کر پھر پڑھیں اور اگر قبر میں رکھ چکے مگر مٹی ابھی نہیں ڈالی گئی تو قبر سے نکالیں اور غسل دے کر نماز پڑھیں اور مٹی دے چکے تو اب نہیں نکال سکتے۔ لہٰذا اب اس کی قبر پر نماز پڑھیں کہ پہلی نماز نہ ہوئی تھی اور اب چونکہ غسل ناممکن ہے لہٰذا اب ہو جائے گی۔ (ردالمحتار)

تنبیہہ ضروری

ایمان و درستگیٔ عقائد کے بعد جملہ حقوق اللہ میں سب سے اہم و اعظم نماز ہے جس نے قصداً ایک وقت کی چھوڑی ہزاروں برس جہنم میں رہنے کا مستحق ہوا۔ جب تک توبہ نہ کرلے اور اس کی قضا نہ کرلے۔ مسلمان اگر اس کی زندگی میں اسے یک لخت چھوڑ دیں، اس سے بات نہ کریں، اس کے پاس نہ بیٹھیں تو ضرور وہ اس کا سزاوار ہے۔ مگر بعد موت ہر سنی صحیح العقیدہ مرد خواہ عورت کو غسل و کفن دینا اس کے جنازے کی نماز پڑھنا (علاوہ ان کے جو شرعاً اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) فرض قطعی علی الکفایہ ہے اگر سب چھوڑ دیں جن جن کو اطلاع تھی۔ سب گناہ گار۔ فرض کے تارک اور مستحق عذاب ہوں گے، بے نمازی کہ نماز کو فرض جانتا ہو، اس کی تحقیر نہ کرتا ہو اگرچہ نفس و شیطان کے پھندے میں آکر نہ پڑھتا ہو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ عذابِ جہنم کا مستحق

ہے مگر کافر نہیں، باغی نہیں، ڈاکو نہیں، ایک تباہ کار مسلمان ہے تو اس کے جنازے کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس نے فرض ترک کیا یہ کیوں تارکِ فرض بنیں۔ ہاں اگر زجر کے لیے کہ دوسروں کو تنبیہہ ہو۔ علماء خود نہ پڑھیں۔ دوسروں سے پڑھوا دیں تو بے جا نہیں۔ اور اگر ان کے نہ پڑھنے سے اور بھی کوئی نہ پڑھے یا ان کو بھی منع کریں تو یہ بھی مستحق عذاب جہنم ہوں گے بلکہ جاہلوں سے زیادہ (فتاویٰ رضویہ) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے اور سچا نمازی بنائے۔ آمین۔

مسئلہ: حاملہ عورت مرگئی اور دفن کردی گئی۔ کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس کے بچہ پیدا ہوا۔ تو محض اس خواب کی بنا پر قبر کھودنا جائز نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جمعہ کے دن کسی کا انتقال ہوا تو اگر جمعہ سے پہلے تجہیز و تکفین ہوسکے تو پہلے ہی کرلیں۔ اس خیال سے روک رکھنا کہ جمعہ کے بعد مجمع زیادہ ہوگا مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: ایسے مقبرہ میں دفن کرنا بہتر ہے جہاں صالحین کی قبریں ہوں۔ (درمختار)

مسئلہ: عورت کو کسی وارث نے زیور سمیت دفن کردیا اور بعض ورثہ موجود نہ تھے تو ان ورثہ کو قبر کھودنے کی اجازت ہے۔ یونہی کسی کا کچھ مال قبر میں گر گیا مٹی دینے کے بعد یاد آیا تو قبر کھود کر نکال سکتے ہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: اپنے لیے کفن تیار رکھے تو حرج نہیں۔ اور قبر کھودوا رکھنا بے معنی ہے کیا معلوم موت کہاں آئے گی۔ (درمختار)

مسئلہ: عورتوں کے لیے بھی بعض علماء نے زیارتِ قبور کو جائز فرمایا ہے۔ درمختار میں یہی قول اختیار کیا مگر عزیزوں کی قبر پر جائیں گی تو رونا پیٹنا مچائیں گی لہٰذا ممنوع ہے اور صالحین کی قبروں پر جائیں گی تو تعظیم میں حد سے گذر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا عافیت و سلامتی کی راہ یہی ہے کہ عورتوں کو روکا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عورتوں کے لیے جن علمائے کرام نے زیارتِ قبور یا اور ایسے ہی دوسرے

دینی یا دنیاوی امور میں شرکت کو جائز بتایا ہے۔ ان کے نزدیک بھی یہ ضروری ہے کہ (۱) ان موقعوں پر بے پردگی نہ ہو۔ (۲) وہاں فاسقوں اور ناخدا ترسوں کا مجمع نہ ہو۔ (۳) مردوں سے خلط ملط نہ ہوں۔ (۴) وہ تقریب شرعاً ممنوع نہ ہو۔ (۵) ناچ گانے کی محفل نہ ہو (۶) بے باک و بے لحاظ عورتیں وہاں موجود نہ ہوں۔ (۷) بیاہ شادیوں کی محفلوں میں شیطانی گیت نہ ہوں۔ (۸) سمدھنوں کی گالیاں سننا سنانا نہ ہو رت جگے وغیرہ میں ڈھول بجانا گانا نہ ہو۔ ایسی محفلوں میں جانے سے شوہر دار عورتوں کو ان کا شوہر روک سکتا ہے بلکہ روکے اور نہ جانے دے۔ اور جو لڑکیاں نا کتخدا ہیں ان کے ماں باپ انہیں روکیں۔ ہرگز ہرگز نہ جانے دیں کہ نازک شیشیاں ہیں ذرا سی ٹھیس سے مول جائیں گی۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

غالباً انہیں حالات کے پیش نظر بعض مشہور علمائے کرام سے سوال ہوا کہ کیا عورتوں کا قبرستان جانا جائز ہے؟ جواب دیا کہ ایسی بات میں جائز ناجائز نہیں پوچھتے یہ پوچھو کہ جائے گی تو اس پر کتنی لعنت ہوگی۔ تو سنو! جب وہ جانے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور اس کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں اور جب وہ گھر سے چلتی ہے۔ سب طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں اور جب قبر پر آتی ہے، میت کی روح اسے لعنت کرتی ہے اور جب پلٹتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پلٹتی ہے۔ (تاتارخانیہ)

ایک سچی حکایت

حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی صالحہ عابدہ زاہدہ بی بی تھیں۔ ان پاک بی بی کو مسجد کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق تھا۔ پہلے امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں آئیں قبل نکاح امیرالمومنین سے شرط کرالی کہ مجھے مسجد نبوی سے نہ روکیں۔ (یہ وہ وقت تھا کہ اس وقت مسجد کی حاضری بی بیوں کو جائز تھی۔ اب ممنوع و ناجائز ہے) غرض اس وجہ سے امیرالمومنین نے ان کی شرط قبول کرلی پھر بھی چاہتے یہی تھے کہ یہ مسجد نہ جائیں یہ کہتیں آپ منع کردیں میں نہ جاؤں گی۔

امیرالمومنین بہ پابندی شرط، منع نہ فرماتے۔ امیرالمومنین کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح ہوا۔ وہ منع فرماتے یہ نہ مانتیں۔ ایک روز انہوں نے یہ تدبیر کی کہ عشاء کے وقت اندھیری رات میں ان کے جانے سے پہلے راہ میں کسی دروازے کی اوٹ میں چھپ رہے۔ جب یہ آئیں اس دروازے سے آگے بڑھی تھیں کہ انہوں نے پیچھے سے نکل کر ان کے سر مبارک پر ہاتھ مارا اور چھپ رہے۔ حضرت عاتکہ نے کہا انا للہ لوگوں میں فساد آگیا۔ یہ فرما کر مکان کو واپس آئیں، پھر جنازہ ہی نکلا۔ دراصل حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں تنبیہہ فرمائی کہ عورت کیسی ہی صالح ہو اس کی طرف اندیشہ نہ سہی فاسق مردوں کی طرف سے اس پر خوف کا کیا علاج۔ تو یہ عورتوں کو پھانسی پر لٹکانا نہیں بلکہ ان کی عزت کو شریروں کے شر سے بچانا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: مردہ کے ساتھ چینی یا کوئی میٹھی چیز جیسے مٹھائی، یا روٹی یا غلہ لے جانا، ایک عبث ولایعنی فعل ہے۔ مکان پر جس قدر چاہیں صدقہ و خیرات کریں۔ قبرستان میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ اناج تقسیم ہوتے وقت بچے اور عورتیں وغیرہ غل مچاتے اور مسلمانوں کی قبروں پر دوڑتے پھرتے ہیں اور یہ حرام ہے کہ اس سے مردوں کو سخت ایذا ہوتی ہے اور وہاں مٹھائی وغیرہ چیونٹیوں کو اس نیت سے ڈالنا کہ میت کو تکلیف نہ پہنچائیں محض جہالت ہے اور نیت نہ بھی ہو جب بھی بجائے اس کے مساکین، صالحین پر تقسیم کرنا بہتر ہے۔ (ملفوظات رضویہ)

مسئلہ: قبر پر قرآن کریم پڑھنے کے لیے حافظ مقرر کرنا جائز ہے۔ (درمختار)
یعنی جب کہ پڑھنے والے اُجرت پر نہ پڑھتے ہوں کہ اُجرت پر قرآن کریم پڑھنا اور پڑھانا، ناجائز ہے۔ دینے والا اور لینے والا دونوں گناہ گار ہیں۔ اُجرت صرف یہی نہیں کہ پیشتر مقرر کرلیں کہ یہ لیں گے یا یہ دیں گے بلکہ اگر معلوم ہے کہ یہاں کچھ ملتا ہے اگرچہ اس سے طے نہ ہوا ہو یہ بھی ناجائز ہے۔ ہاں اگر کہہ دے کہ کچھ نہیں دوں گا یا نہیں لوں گا پھر پڑھے اور لوگ اس کی خدمت کردیں تو اس میں حرج نہیں اور اگر اس طرح

بھی کچھ پڑھنے والا نہ ملے اور اُجرت پر ہی پڑھوانا پڑے تو اس سے اپنے کام کاج کے لیے اُجرت ٹھہرالیں پھر یہ کام اس سے لیں اور وقت کی پابندی کی اُجرت دے دیں۔

(درمختار، بہار شریعت)

مسئلہ: شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے منہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے اور فرمایا اس سے مغفرت کی امید ہے اور میت کے سینہ اور پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا جائز ہے۔ ایک شخص نے اس کی وصیت کی تھی۔ انتقال کے بعد سینہ اور پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دی گئی پھر کسی نے اسے خواب میں دیکھا حال پوچھا۔ تو جواب دیا کہ جب میں قبر میں رکھا گیا۔ عذاب کے فرشتے آئے۔ فرشتوں نے جب پیشانی پر بسم اللہ شریف دیکھی تو عذاب سے بچ گیا۔ (درمختار، غنیہ تاتارخانیہ) یوں بھی ہو سکتا ہے کہ پیشانی پر بسم اللہ شریف لکھیں اور سینہ پر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ مگر نہلانے کے بعد کفن پہنانے سے پیشتر کلمہ کی انگلی سے لکھیں، روشنائی سے نہ لکھیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: سنا گیا ہے کہ بعض جاہلوں میں مرا ہوا بچہ کسی کے پیدا ہوتا ہے تو اسے ہانڈی میں رکھ کر قبرستان سے الگ، قبروں سے دور دفن کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پکا مسان ہے۔ اس سے ہندوؤں کی طرح بچتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یہ شیطانی خیال ہے اسے مسلمانوں کے قبرستان ہی میں دفن کریں اور اس خیال و فعل بد سے باز آئیں۔

(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: قبر پر پھول ڈالنا بہتر ہے کہ جب تک تر رہیں گے تسبیح کریں گے اور میت کا دل بہلے گا۔ (ردالمحتار) یونہی جنازہ پر پھولوں کی چادر ڈالنے میں حرج نہیں۔ (بہار شریعت) اور قبر پر سے تر گھاس نوچنا نہ چاہیے کہ اس کی تسبیح سے رحمت اترتی ہے اور میت کو انس ہوتا ہے اور نوچنے میں میت کا حق ضائع کرنا ہے۔ (ردالمحتار) اور قبر میں گلاب وقت

دفن چھڑکنے میں حرج نہیں اور اوپر چھڑکنا فضول اور مال کا ضائع کرنا ہے۔

مسئلہ: عود، لوبان وغیرہ کوئی چیز خاص قبر پر رکھ کر جلانا نہ چاہیے اگرچہ کسی برتن میں ہو اور قبر کے قریب سلگانا کہ جو لوگ وہاں موجود ہیں یا زیارت کے لیے آنے والے ہیں انہیں سکون و انس حاصل ہو، بے شک بہتر و مستحسن ہے، اسے خواہ مخواہ بدعت بتانے والے نئی شریعت گھڑتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

تنبیہہ ضروری

بعض عورتیں بلکہ ناواقف مسلمان کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلانے طاق میں شہید رہتے ہیں اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ، شیرینی، چاول وغیرہ پر دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ سب واہی تباہی باتیں، خرافات اور جاہلانہ حماقتیں ہیں۔ اس قسم کے افعال و حرکات سے ہمیشہ بچتے رہنا چاہیے اور جاہلوں کی باتوں میں آکر خلافِ شرع کوئی بات نہ کرنی چاہیے۔

تعزیت کا بیان

کسی مصیبت زدہ مسلمان بھائی یا بہن کے پاس جا کر اس کی تسلّی و تشفی کے لیے مناسب الفاظ کہنا اور میت کے حق میں دعائے خیر کرنا تعزیت ہے اور یہ تعزیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ کریمہ ہے اور کارِ ثواب بھی۔ حدیث شریف میں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کی مصیبت میں تعزیت کرے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے کرامت کا جوڑا پہنائے گا اور دوسری حدیث میں ہے جو کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے اسے اسی کے مثل ثواب ملے گا۔ (ابن ماجہ) یعنی جبکہ مصیبت زدہ صبر و شکر سے کام لے۔

مسئلہ: مستحب ہے کہ میت کے تمام اقارب چھوٹے بڑے مرد عورت سب کی تعزیت کریں اور تعزیت میں یہ الفاظ کہیں۔ اللہ تعالیٰ میت کی مغفرت فرمائے اسے اپنی رحمت میں ڈھانکے۔ تم کو صبر روزی کرے اور اس مصیبت پر ثواب عطا فرمائے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: میت کے پڑوسی یا دور کے رشتے دار اگر میت کے گھر والوں کے لیے اس دن اور رات کے لیے کھانا لائیں تو بہتر ہے اور انہیں اصرار کر کے کھلائیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: میت کے قریبی رشتہ داروں کا گھر میں بیٹھنا کہ لوگ ان کی تعزیت کو آئیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں مکانوں کے دروازوں یا عام گزر گاہوں پر بچھونے بچھا کر بیٹھنا بُری بات ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: میت کے گھر والے تیجہ، دسویں چالیسویں وغیرہ کے دن رشتہ داروں یا دوست احباب کی دعوت کریں یہ ناجائز اور بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے نہ کی غمی کے موقعوں پر کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ایسے موقعوں کے لائق نہیں۔ (فتح القدیر)

علمائے کرام اہلسنّت و جماعت ایسی ہی دعوتوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ سب دکھاوے اور ناموری کے کام ہیں۔ ان سے بچنا لازم و ضروری ہے کشف الغطاء میں فرمایا کہ تعزیت کے لیے اکثر عورتیں رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روتی پیٹتی نوحہ کرتی ہیں انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پر مدد دینا ہے۔ حدیثوں میں آیا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اہلِ میت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مُردے کے لیے نوحہ کرنے میں شمار کرتے تھے۔ (ابن ماجہ وغیرہ) اور ظاہر ہے کہ نوحہ حرام ہے، ہاں اگر محتاجوں کو دینے کے کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے، بشرطیکہ یہ کام کوئی عاقل بالغ اپنے مالِ خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود و بالغ و راضی ہوں۔ اور اگر وارثوں میں کوئی یتیم یا اور کوئی بچہ نابالغ ہو یا بالغ ہیں مگر سب موجود نہیں، یا موجود ہیں اور سب سے اجازت نہ لی اور کھانا پکوانا یا خیر خیرات کرنا شروع

کردیا تو یہ بات اور بھی زیادہ حرام اور سخت ناجائز ہے کہ یتیموں کا مال یوں بے دریغ اڑانا دوسروں کا مال بلا اجازت تصرف میں لانا ہے اور یہ خود ناجائز و حرام ہے اور اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت اور سخت تر ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: ہندوپاک کے اکثر گھرانوں میں رواج ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزاء واقارب یا احباب کی عورتیں اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں۔ پھر کچھ دوسرے دن کچھ تیسرے دن واپس چلی جاتی ہیں اور بعض چالیسویں تک بیٹھی رہتی ہیں۔ اس مدت اقامت میں عورتوں کے کھانے پینے اور پان چھالیا کا اہتمام اہلِ میت کرتے ہیں جس کے باعث وہ زیربار ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں، ناپسندیدہ و خلافِ شرع کام کرتی ہیں۔ مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانپنا وغیرہ وغیرہ اور یہ سب نوحہ ہے اور حرام۔ میت کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ انہیں کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی۔ نہ یہ کہ اہل میت کھانے وغیرہ کا اہتمام کریں کہ سرے سے ناجائز ہے تو اس ناجائز مجمع کے لیے اور زیادہ ناجائز ہوگا۔ پھر اکثر لوگوں کو اس رسم شنیع اور بے ہودہ رواج کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ ضیافت کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ میت والے بے چارے اپنے غم اپنی مصیبت کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اس میلے کے لیے کھانا، پان چھالیا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے۔ ایسا تکلف شریعت کو کسی جائز کام، کسی امر مباح کے لیے بھی پسند نہیں اور ہرگز پسند نہیں نہ کہ ایک رسمِ ممنوع کے لیے۔

پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں بالکل ظاہر ہیں پھر اگر سودی قرض ملا تو حرام خالص ہوگیا اور معاذ اللہ لعنتِ الٰہی سے پورا حصہ ملا کہ بلاضرورتِ شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے مانند، باعثِ لعنت ہے۔ غرض اس بے ہودہ رسم کی ممانعت میں کوئی شک شبہ نہیں۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ ایسی تمام رسمیں یک لخت ترک کر دیں جن میں ان کے دین و دنیا کا نقصان ہے اور طعنِ بیہودہ کا لحاظ نہ کریں۔

تنبیہ: اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز، عزیزوں و ہمسایوں کو مسنون ہے کہ

اہلِ میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور اصرار کر کے انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے قابل ہونا سنت ہے اس میلے کے لیے ہرگز بھیجنے کا حکم نہیں۔ اور ان کے لیے بھی فقط روز اوّل کا حکم ہے، آگے نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری، کشف الغطاء اور فتاویٰ رضویہ میں مذکور ہے۔ واللہ الھادی۔

سوگ اور نوحہ کا بیان

مسئلہ: نوحہ یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے آواز سے رونا جس کو بین کہتے ہیں۔ سب کے نزدیک حرام ہے۔ یونہی واویلا، وامصیبتا کہہ کر چلانا، (جوہرہ نیرہ) گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال کھولنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ کوٹنا، ران پر ہاتھ مارنا، ایڑیاں رگڑنا غرض اظہارِ غم کے لیے ایسی ہی واہی تباہی حرکتیں کرنا، یہ سب زمانۂ جاہلیت کے کام ہیں اور سخت حرام۔ (عالمگیری) اور سوگ تین دن سے زیادہ جائز نہیں مگر عورت شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن سوگ کرے گی۔ (حدیث)

مسئلہ: آواز سے رونا منع ہے اور آواز بلند نہ ہو تو اس کی ممانعت نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر بکا فرمایا کہ مبارک آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: شوہر کی موت یا طلاق بائن کی عدت میں عاقلہ بالغہ مسلمان عورت پر جو سوگ واجب ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، زینت کو ترک کردے یعنی ہر قسم کے زیور چاندی سونے جواہر وغیرہ کے اور ہر قسم اور ہر رنگ کے ریشم کے کپڑے اگرچہ سیاہ ہوں نہ پہنے اور خوشبو، بدن یا کپڑوں میں استعمال نہ کرے اور نہ تیل کا استعمال کرے اگرچہ اس میں خوشبو نہ ہو جیسے روغن زیتون۔ یوں ہی کنگھا کرنا اور سیاہ سرمہ لگانا سفید خوشبودار سرمہ لگانا اور مہدی لگانا اور زعفران یا کسم یا گیرو، یا گلابی، دھانی، چمپئی اور طرح طرح کے رنگ جن میں زینت پائی جاتی ہے ان میں رنگا ہوا کپڑا پہننا منع ہے۔

عورت پر واجب ہے کہ ان سب چیزوں کو زمانۂ عدت میں چھوڑے رکھے۔
(در مختار، عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عذر اگر واقعی ہو تو اس کی وجہ سے ان چیزوں کا استعمال کر سکتی ہے مگر اس حال میں اس کا استعمال زینت کے قصد سے نہ ہو۔ مثلاً دردِ سر کی وجہ سے تیل لگا سکتی ہے یا تیل لگانے کی عادی ہے جانتی ہے نہ لگانے میں دردِ سر ہو جائے گا تو لگانا جائز ہے۔ یونہی دردِ سر کے وقت کنگھا کر سکتی ہے مگر اس طرف سے جدھر کے دندانے موٹے ہیں ادھر سے نہیں جدھر باریک ہوں کہ یہ بال سنوارنے کے لیے ہوتے ہیں اور یہ ممنوع ہے یا سرمہ لگانے کی ضرورت ہے کہ آنکھوں میں درد ہے تو سرمہ لگا سکتی ہے۔ یا خارش ہے تو ریشمی کپڑے پہن سکتی ہے۔ یا اس کے پاس اور کپڑا نہیں ہے تو یہی ریشمی یا رنگا ہوا تو یہی پہن سکتی ہے مگر یہ ضرور ہے کہ ان کی اجازت ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ہے۔ ضرورت سے زیادہ ممنوع۔ مثلاً آنکھ کی بیماری میں سرمہ لگانے کی ضرورت ہے تو یہ لحاظ ضروری ہے کہ سیاہ سرمہ اسی وقت لگا سکتی ہے جب سفید سرمہ سے کام نہ چلے اور اگر صرف رات میں لگانا کافی ہے تو دن میں لگانے کی اجازت نہیں۔
(عالمگیری، ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: نابالغہ پر سوگ نہیں۔ ہاں اگر دورانِ عدت، نابالغہ، بالغہ ہو گئی تو جو دن باقی رہ گئے ہیں ان میں سوگ کرے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: کسی قریبی رشتہ دار کے مرجانے پر عورت کو تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت ہے۔ اس سے زائد کی نہیں۔ اور عورت شوہر والی ہو تو اس سے بھی منع کر سکتا ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: عدت کے اندر عورت چارپائی پر سو سکتی ہے کہ یہ زینت میں داخل نہیں۔
(بہارِ شریعت)

اس موقع پر بعض احادیث جو نوحہ وغیرہ کے بارے میں وارد ہیں ذکر کی جاتی ہیں تاکہ عورتیں بغور دیکھیں ان پر عمل کریں اور اپنی پرائی دوسری عورتوں کو سنائیں کہ یہ

بلا اکثر عورتوں میں ہندوؤں کی تقلید سے پائی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

(۱) جو منہ پر طمانچہ مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے (نوحہ کرے) وہ ہم میں سے نہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۲) جو سر منڈائے (یعنی کسی کے مرنے پر جیسے ہندو بھدرا کرتے ہیں) اور نوحہ کرے اور کپڑے پھاڑے، میں اس سے بری (وبیزار) ہوں۔ (بخاری و مسلم)

(۳) آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کے سبب اللہ تعالیٰ عذاب نہیں فرماتا (اور زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) لیکن اس کے سبب عذاب یا رحم فرماتا ہے اور گھر والوں کے رونے کے سبب میت پر عذاب ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم) یعنی جبکہ اس نے وصیت کی ہو کہ اس کے مرنے کے بعد خوب رویا جائے یا یہ کہ اس نے وصیت تو نہیں کی لیکن اس کے خاندان میں رونے نوحہ کرنے کا رواج تھا اس کے علم میں یہ بات تھی لیکن اس نے اس سے منع نہ کیا۔ واللہ اعلم۔ یا یہ مراد ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے سے اسے تکلیف ہوتی ہے کہ دوسری حدیث میں آیا "اے اللہ کے بندو! اپنے مُردے کو تکلیف نہ دو، جب تم رونے لگتے ہو وہ بھی روتا ہے۔" (بہار شریعت)

(۴) جب کوئی مرجاتا ہے اور رونے والا (مرد خواہ عورت) اس کی خوبیاں بیان کر کر کے روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میت پر دو فرشتے مقرر فرماتا ہے کہ جو اسے کونچے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کیا تو ایسا ہی تھا۔ (ترمذی شریف)

(۵) نوحہ کرنے والی نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن اس طرح کھڑی کی جائے گی کہ اس پر ایک کرتا قطران[1] کا ہو گا اور ایک خارشت[2] کا۔ (مسلم)

(۶) اللہ عزوجل فرماتا ہے: اے ابنِ آدم! اگر تو اوّل صدمہ کے وقت صبر کرے اور ثواب کا طالب ہو تو تیرے لیے جنّت کے سوا کسی ثواب پر میں راضی نہیں۔
(ابن ماجہ)

[1] کولتار کے مانند ایک چیز۔
[2] خاردار درخت۔

(۷) جس مسلمان مرد یا عورت کو کوئی مصیبت پہنچی اسے یاد کر کے انا للہ وانا الیہ راجعون کہے اگرچہ مصیبت کا زمانہ دراز ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر نیا ثواب عطا فرماتا ہے اور ویسا ہی ثواب فرماتا ہے جیسا اس دن کہ مصیبت آئی تھی۔ (اور اس نے صبر کیا تھا) (بیہقی)

شہادت کا بیان

حق کے لیے حق کی حمایت میں قتل کیا جانا بڑے نصیبے والوں کو میسر آتا ہے لیکن موت کی بہت سی وہ صورتیں ہیں جن میں شہادت کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن انہیں غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی۔ اللہ عزوجل کم از کم ایسی ہی شہادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

حدیث شریف میں آیا کہ (۱) جو طاعون سے مراد شہید، (۲) جو ڈوب کر مراوہ شہید، (۳) جو ذات الجنب (اس سے مراد استسقاء ہے یا دست آنا) میں مراوہ شہید، (۴) جو پیٹ کی بیماری میں مراوہ شہید، (۵) جو جل کر مراوہ شہید، (۶) جس کے اوپر دیوار وغیرہ گر گئی جس سے موت واقع ہو گئی وہ شہید، (۷) وہ عورت جو پیدا ہونے اور کنوارے پن میں مر جائے وہ شہید، (۸) اور جو مسافرت میں مر جائے وہ شہید۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ) ان کے علاوہ بعض صورتیں یہ ہیں: (۹) سل کی بیماری میں مرا، (۱۰) سواری سے گر کر، (۱۱) یا مرگی میں مرا، (۱۲) جو چاشت کی نماز پڑھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھے، (۱۳) فسادِ امت کے وقت سُنّت پر عمل کرنے والا، اس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے، (۱۴) جو مرض میں چالیس مرتبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ پڑھے اور اسی مرض میں جائے اور اچھا ہو گیا تو اس کی مغفرت ہو جائے گی، (۱۵) جو ہر رات میں سورۂ یٰسین شریف پڑھے، (۱۶) جو باطہارت سویا اور مر گیا، (۱۷) جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر روز سو بار درود شریف پڑھے، (۱۷) جو جمعہ کے دن مرے، (۱۸) جو صبح کو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ تین بار پڑھ کر سورۂ حشر کی

پچھلی تین آیتیں پڑھے، (۲۰) جو ہر روز پچیس بار یہ پڑھے: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ --- وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

ایصالِ ثواب کا بیان

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے: تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ نیکی اور پرہیزگاری میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اور احادیثِ کریمہ اس باب میں بکثرت وارد کہ مسلمان مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ انہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہنا چاہیے۔ ایک دوسرے کے کام آنا چاہیے، ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے، ایک دوسرے کی حاجت روائی میں شریک کار بننا چاہیے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دین خیر خواہی کا نام ہے۔" اس کو تین مرتبہ فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا "کس کی خیر خواہی؟" فرمایا: "اللہ و رسول اور اس کی کتاب کی اور ائمۂ اہلِ اسلام اور عام مسلمانوں کی۔" (مسلم شریف) مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تم میں جس سے ہو سکے کہ اپنے مسلمان بھائی کو فائدہ پہنچائے تو ضرور پہنچائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب جسم و جان کا تعلق ختم ہو جائے، مرنے والوں کا زندوں سے رابطہ و علاقہ ختم ہو جائے، موت کے بعد زندوں اور مردوں میں آہنی دیوار حائل ہو جائے اور ان میں حسی و مادی تعاون اور نفع رسانی و خیر خواہی ہی بظاہر ختم نظر آئے تو زندوں کے نیک اعمال سے مردوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ اور دینی و رُوحانی تعلق باقی رہتا ہے یا نہیں اور میت کے ورثہ و اعزا و احباب بلکہ عامۃ المسلمین کے نیک اعمال سے مُردے فیض پاتے ہیں یا نہیں۔

ہمارے نزدیک شریعتِ اسلامیہ اس کا جواب اثبات میں دیتی ہے۔ یعنی ہاں زندوں کے اعمال سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور زندوں کے ایصالِ ثواب سے مُردے فیض پاتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مثلاً احادیثِ کریمہ میں آیا کہ جو گیارہ بار قل ھو اللہ شریف پڑھ کر اس کا

ثواب مردوں کو پہنچائے تو مردوں کی گنتی کے برابر اسے ثواب ملے گا۔ (درمختار) خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق دو مینڈھے سینگ والے چت کبرے خصی کیے ہوئے یا بکرے لائے گئے۔ آپ نے دستِ مبارک سے انہیں ذبح فرمایا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ "الٰہی یہ (ایک) میری طرف سے ہے اور (ایک) میری امت میں اس کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہ کی (کہ اس کی استطاعت نہ پائی)"۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفسِ نفیس بکری ذبح فرماتے، اور اس کے ٹکڑے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سہیلیوں میں تقسیم فرمادیتے۔ (بخاری شریف)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ سعد کی (یعنی میری) والدہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ کونسا صدقہ افضل ہے۔ ارشاد فرمایا، پانی۔ انہوں نے کنواں کھودا اور اعلان کر دیا کہ ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے۔ (ابوداؤد) غرض زندوں کے ایصالِ ثواب سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ فقہ و عقائد کی کتابوں میں اس کا ذکر تفصیل سے موجود ہے، یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

فائدہ: کلمہ گو گمراہ فرقوں میں ایک فرقہ گزرا ہے جو معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اگرچہ اس فرقے کا آج کہیں نام و نشان نہیں لیکن اس گروہ کے بہت سے عقائد کو بعد میں پیدا ہونے والے گمراہ فرقوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ معتزلہ کے نزدیک زندوں کے ایصالِ ثواب سے مُردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ آج فرقہ وہابیہ بھی یہی عقیدہ رکھتا ہے اور بات بات پر مسلمانانِ اہلسنّت کو بدعتی و مشرک ٹھہراتا ہے۔ عورتوں اور جاہلوں پر ان کا جادو جلدی چڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا اپنا دین و مذہب عزیز ہے تو ان کی کتابیں پڑھو نہ ان کے وعظ و نصیحت پر کان دھرو نہ ان سے تعلقات رکھو، جہاں تک بن پڑے ایسوں سے دُور رہنا ہی سلامتی ایمان کا راستہ ہے۔

مسئلہ: ایصالِ ثواب یعنی قرآن مجید یا درود شریف یا کلمۂ طیبہ یا نماز و روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض ہر قسم کی مالی یا بدنی عبادت اور ہر عمل نیک، فرض و نفل کا ثواب مُردوں کو پہنچا سکتے ہیں۔ ان سب کو پہنچے گا اور اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی بلکہ اس کی رحمت سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ملے۔ یہ نہیں کہ یہ ثواب تقسیم ہو کر ٹکڑا ٹکڑا ملے۔ (ردالمحتار) بلکہ امید یہ ہے کہ اس ثواب پہنچانے والے کے لیے ان سب کے مجموعہ کے برابر ملے۔ مثلاً کوئی نیک کام کیا جس کا ثواب کم از کم دس گنا ملے۔ اس نے اس کا ثواب دس مردوں کو بخش دیا تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے اور اس کو ایک سو دس اور ہزار کو پہنچایا تو اسے دس ہزار دس۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نابالغ نے کچھ پڑھ کر یا کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب مُردہ کو پہنچایا، تو انشاءاللہ تعالیٰ پہنچے گا۔ (فتاویٰ رضویہ)

یہاں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فرض کا ثواب مردوں کو پہنچا دیا تو اپنے پاس کیا رہ گیا۔ اس لیے کہ ثواب پہنچانے سے اپنے پاس سے کچھ نہ گیا بلکہ اس ایصالِ ثواب سے فرض اس کے ذمہ ساقط ہوگیا اور یہ ادائیگی فرض سے فارغ ہوگیا پھر دوبارہ ان کو ادا نہ کیا جائے گا، ورنہ ثواب کس چیز کو پہنچایا گیا۔ وہاں کی باتیں یہاں کے قیاس پر نہیں کہ ایک چیز دوسرے کو دے دیں تو اپنے پاس ہی نہ رہے۔ (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

مسئلہ: مسلمان کو دنیا سے جانے کے بعد جو ثواب، قرآن مجید کی تلاوت یا کلمہ شریف اور درود شریف کی قرأت اور دوسرے اعمالِ صالحہ کا تنہا یا کھانے کپڑے وغیرہ کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے۔ عرف میں اسے فاتحہ کہتے ہیں کہ اس میں سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ عام محاورہ ہے کہ بڑوں کے حضور جو ہدیہ پیش کرتے ہیں اسے نذر کہتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے دربار کیا، اسے نذریں گزریں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: ایصالِ ثواب کا طریقہ یہ ہے کہ اول تین یا زائد بار درود شریف پڑھیں پھر سورۂ فاتحہ و آیت الکرسی اور تین یا پانچ سات بار یا گیارہ بار سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ

پڑھیں پھر تین بار درود شریف پڑھیں۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کریں کہ:
الٰہی میرے اس پڑھنے پر (اور اگر کھانا کپڑا وغیرہ بھی ہوں تو ان کا نام بھی لیں) اور کہیں کہ اس پڑھنے اور ان چیزوں کے دینے پر جو ثواب مجھے عطا ہوا سے میرے عمل کے لائق نہ دے اپنے کرم کے لائق عطا فرما اور اسے میری طرف سے فلاں ولی اللہ مثلاً حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہنچا اور ان کے آباء کرام (جن کی یہ اولادیں ہیں) اور مشائخ کرام (جن کے یہ مریدوں میں ہیں) اور اولاد امجاد، مریدین و محبین اور میرے ماں باپ اور فلاں اور فلاں (یہاں ان کا نام لیں جنہیں ایصالِ ثواب کرنا ہے) اور سیدنا آدم علیہ السلام سے روز قیامت تک جتنے مسلمان ہو گزرے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہوں گے، سب کو اس کا ثواب پہنچا۔ اس کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے۔ یا جو طریقہ اور الفاظ چاہیں استعمال کریں۔ بس اس کا خیال ضرور رکھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء و مرسلین اور محبوبانِ خدا مثلاً حضور سیّدنا غوث اعظم و حضور سلطان الہند خواجہ غریب نواز وغیرہما کے لیے ثواب بخشنا نہیں کہتے، یہ لفظ بہت بے جا ہے۔ بخشنا بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کو ہوتا ہے، یہاں نذر کرنا کہنا چاہیے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: اور یہ جو بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر قرآن کریم وغیرہ پڑھ کر ثواب بخشنا یہ ہندوؤں کا طریقہ ہے۔ یہ صرف مہمل ولایعنی بات ہی نہیں بلکہ وہابیہ کی بیہودگیوں اور گمراہیوں کا ایک نمونہ ہے ورنہ ہندوؤں میں نہ قیامت کا عقیدہ ہے نہ وہ ثواب و عذاب کے قائل ہیں تو ان کے یہاں ایصالِ ثواب کہاں۔ پھر کہاں قرآن عظیم کی تلاوت اور کہاں ویدوں کی پڑھنت۔ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔ حاجی امداد اللہ شاہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں بڑی اچھی بات اپنے رسالہ "فیصلہ ہفت مسائل" میں لکھی، وہ فرماتے ہیں: "سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب کی نیت کرلی۔ متاخرین (پہلی صدی کے بعد والے علماء) میں کسی کو خیال آیا کہ جیسے نماز میں نیت ہرچند دل سے کافی ہے مگر مواقفت قلب ولسان (زبان و دل کی موافقت) کے لیے عوام کو زبان

سے کہنا بھی مستحسن (اچھا) ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ! اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ "اس کا" مشار الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضارِ قلب (حضوری دل) ہو کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے، اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الٰہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیتِ دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جائے کہ جمع بین العبادتین (دو عبادتوں کا یکجا ہونا) ہے۔

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں، پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مسکین کو دیا جاوے گا اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہوگئی۔ یہ ہے فاتحہ مروجہ جسے وہابیہ حرام بدعت اور گناہ بتاتے ہیں اور امتِ مرحومہ کے سارے مسلمانوں کو بدعتی ٹھہراتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

مسئلہ: کسی مسلمان کے انتقال کے بعد تیسرے یا ساتویں یا دسویں یا چالیسویں دن جو ایصالِ ثواب کے لیے مقرر ہیں۔ یہ محض رواجی اور عرفی بات ہے جو سہولت کی خاطر صدیوں سے مسلمانوں میں رائج ہے۔ اس تخصیص کو شرعی کوئی نہیں سمجھتا اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ بس اسی دن اور تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو پہنچے گا ورنہ نہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ انتقال کے بعد ہی سے قرآن مجید کی تلاوت اور خیر خیرات کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور جنہیں اللہ نے دیا ہے ان کے یہاں یہ سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہتا ہے۔ تو جو یہ کہے کہ ان مخصوص دنوں کے سوا دوسرے دنوں میں مسلمان ایصالِ ثواب کو ناجائز مانتے ہیں وہ مسلمانوں پر افترا کرتا اور تہمت جڑتا ہے اور زندوں کے مردوں کو ثواب سے محروم کرنے کی ایک بے کار کوشش کرتا ہے۔ (بہار شریعت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر پیر کو نفل روزہ رکھتے۔ کیا اتوار یا منگل کو رکھتے تو نہ ہوتا۔ یا اس سے یہ سمجھا گیا کہ معاذ اللہ حضور نے پیر کا روزہ واجب سمجھا۔ یہی حال تیجے چالیسویں وغیرہ کا ہے۔

مسئلہ: سوم یعنی تیجہ جو مرنے سے دوسرے تیسرے روز کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید یا کلمۂ طیبہ پڑھوا کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور بچوں اور اہل حاجت کو چنے بتاشے یا مٹھائی وغیرہ تقسیم کرتے اور کھانا پکا کر غریبوں کو دیتے یا کھلاتے ہیں۔ پھر چالیسویں دن کھانا کھلاتے ہیں یا غریبوں حاجت مندوں کے گھروں پر بھیجتے ہیں۔ یونہی ہر جمعرات کو حسبِ حیثیت کھانا پکا کر انہیں پہنچاتے ہیں۔ پھر چھ مہینے پر ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اس کے بعد برسی ہوتی ہے یہ سب جائز و بہتر ہے اور اسی ایصالِ ثواب کی مختلف صورتیں ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

مسئلہ: ہر روز ایک خوراک پر میت کی فاتحہ دلا کر مسکین کو دینا اور ہر جمعرات کو چند مساکین کو کھلانا، چالیس روز تک ایسا ہی کرنا اور ہو سکے تو سال بھر تک یا ہمیشہ کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ: بعض جاہل گھرانوں میں یہ معمول ہے کہ چالیسویں دن گھڑے یا مٹکے میں پانی بھر کر اس پر چادر رکھتے ہیں۔ کچھ پکا کر فاتحہ دلاتے ہیں اور اس کو مکان سے رُوح نکالنا قرار دیتے ہیں۔ یہ محض جہالت و حماقت و بدعت ہے۔ ہاں فاتحہ دلانا اچھا ہے۔ یونہی چاول میں شکر ڈال کر تقسیم کرتے ہیں، شکر چاول مساکین کو تقسیم کرنا خوب ہے مگر برادری میں موت کے لیے نہ بانٹا جائے، یہی حکم حلوہ روٹی کا ہے جو شبِ برأت پر برادری میں تقسیم کی جاتی ہے۔ ہاں برادری میں جو غریب و مسکین ہوں انہیں دینا دوسرے محتاجوں کے دینے سے افضل ہے اور شبِ برأت و عرفہ تک میت کی علیحدہ فاتحہ دلانا اور یہ سمجھنا کہ عرفہ تک الگ کا حکم ہے، یہ بھی غلط اور جہالت ہے۔
(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: ایصالِ ثواب کے لیے جو کچھ کیا جائے یہ ضروری ہے کہ اچھی نیت سے کیا جائے۔ اپنی شہرت یا واہ واہ کے لیے نہ ہو۔ نمود و نمائش مقصود نہ ہو ورنہ ثواب اور ایصالِ ثواب کیسا، دکھاوے کے طور پر عمل کرنا سب کے نزدیک حرام ہے اور سخت گناہ کی بات۔

ایصالِ ثواب کے غلط طریقے

مسئلہ: ایصالِ ثواب کے نام پر آج کل لوگ اس قسم کی خیرات کرتے ہیں کہ چھتوں اور کوٹھوں پر سے روٹیاں اور روٹیوں کے ٹکڑے بسکٹ وغیرہ پھینکتے ہیں اور صدہا آدمی اس کو لوٹتے ہیں۔ ایک کے اوپر ایک گرتا ہے۔ بعض کے چوٹ لگ جاتی ہے اور وہ روٹیاں یا بسکٹوں کے ٹکڑے نیچے زمین پر گر کر پاؤں سے روند جاتی ہیں بلکہ بعض اوقات غلیظ نالیوں میں بھی گرتی ہیں اور رزق کی سخت بے ادبی و بے حرمتی ہوتی ہے اور بہت کچھ برباد بھی جاتی ہیں۔ یہی حال شربت کا ہے کہ اوپر سے آبخوروں میں وہ لوٹ مچائی جاتی ہے کہ آدھا آبخورہ بھی شربت کا نہیں رہتا اور تمام شربت گر کر زمین پر بہتا اور ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ نہ خیر خیرات ہے نہ ثواب و ایصالِ ثواب۔ نہ اس سے خدا اور رسول راضی نہ اس پر کسی ثواب کی امید۔ صرف ناموری اور دکھاوے کی صورتیں ہیں جو حرام، اور رزق کی بے ادبی اور بربادی کا گناہ الگ۔ کاش کہ یہ چیزیں انسانیت کے طریقہ پر تقسیم کی جائیں تو بے حرمتی بھی نہ ہو اور لوگ اس سے فائدہ بھی اٹھائیں اور کرنے والے ثواب کمائیں۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: اجرت لے کر قرآن مجید کی تلاوت بھی ریا کے مانند ہے کہ جب ایصالِ ثواب کے لیے اُجرت طے کر لی تو تلاوت میں اخلاص کہاں رہا۔ بلکہ تلاوت سے مقصود تو وہ پیسے ہیں وہ پیسے نہ ملتے تو یہ پڑھتا بھی نہیں۔ اس پڑھنے میں کوئی ثواب نہیں۔ پھر میت کے ایصالِ ثواب کا نام لینا غلط ہے کہ جب ثواب ہی نہ ملا تو پہنچائے گا کیا؟ اس صورت میں نہ پڑھنے والے کو ثواب، نہ میت کو، بلکہ اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گناہ گار۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: شبِ برأت میں حلوا پکتا ہے اور اس پر فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ حلوا پکانا بھی جائز اور اس پر فاتحہ بھی۔ اسی ایصالِ ثواب میں داخل۔ (بہار شریعت) اور یہ حلوہ چونکہ

پکایا ہی اس نیت سے جاتا ہے کہ اعزا و اقارب میں بھی تقسیم ہوگا اور غرباء کو بھی دیا جائے گا۔ اس لیے اس کا کھانا سب کے لیے جائز ہے۔ شبِ برأت میں یہ حلوا دراصل اعزا و اقارب اور ملنے ملانے والوں میں اس لیے تقسیم کیا جاتا ہے کہ اس سے محبت و خلوص کا اظہار ہوتا ہے اور مسلمانوں کا سینہ، پندرہویں شب کی برکات کے لیے صاف شفاف آئینہ کی مانند ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک دوسرے کو ہدیہ تحفہ دیا کرو، اس سے باہمی محبّت بڑھتی ہے۔

مسئلہ: ماہِ رجب میں بعض جگہ سورۂ ملک (تبارکَ الذی) چالیس مرتبہ پڑھ کر روٹیوں یا چھواروں پر دم کرتے اور انہیں تقسیم کرتے اور ثواب مُردوں کو پہنچاتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایصالِ ثواب میں داخل ہے۔

فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک الم تنزیل اور تبارکَ الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے، سوتے نہ تھے۔ (ترمذی) ارشاد گرامی ہے کہ قرآن کریم میں تیس آیت کی ایک سورت ہے، آدمی کے لیے شفاعت کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ وہ تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ ہے۔ (ترمذی)

مسئلہ: اسی ماہ رجب میں حضرت جلال بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور بعض جگہ حضرت سیّدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصالِ ثواب کے لیے کھیر پوری پکا کر کونڈے بھرے جاتے ہیں اور فاتحہ دلا کر لوگوں کو کھلاتے ہیں یہ بھی جائز ہے۔ ہاں ایک بات بُری رواج پاگئی ہے، وہ یہ کہ جہاں کونڈے بھرے جاتے ہیں وہیں کھلاتے ہیں وہاں سے ہٹنے نہیں دیتے۔ یہ بے جا پابندی ہے اور ایک لغو حرکت ہے مگر یہ جاہلوں کا طریقہ ہے، پڑھے لکھے لوگوں میں یہ پابندی نہیں۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ کے موقع پر ایک کتاب بھی پڑھی جاتی ہے جس کا نام داستان عجیب ہے اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا نہ پڑھی جائے۔ فاتحہ دلا کر ایصالِ ثواب کریں۔ (بہارِ شریعت) اگرچہ اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہیں۔

مسئلہ: ماہ محرم میں دس دنوں تک خصوصاً دسویں کو حضرت سیدنا امام حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر شہدائے کربلا کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں کوئی شربت پر فاتحہ دلاتا ہے، کوئی شیر برنج پر، کوئی مٹھائی پر، کوئی روٹی گوشت پر، کوئی کھچڑا پکواتا ہے، بہت سے پانی اور شربت کی سبیل لگا دیتے ہیں۔ جاڑوں میں چائے پلاتے ہیں، یہ سب جائز ہے۔ جو کارِ خیر کرو اور ثواب پہنچاؤ، ہو سکتا ہے۔ ان کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

مسئلہ: بعض جاہلوں میں مشہور ہے کہ محرم میں سوائے شہدائے کربلا کے دوسروں کی فاتحہ نہ دلائی جائے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ جس طرح دوسرے دنوں میں سب کی فاتحہ ہو سکتی ہے ان دنوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: ماہ ربیع الآخر کی گیارہویں تاریخ بلکہ ہر مہینے کی گیارہویں کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے یہ بھی ایصالِ ثواب کی ایک صورت ہے بلکہ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب کبھی فاتحہ ہوتی ہے کسی تاریخ میں ہو عوام اسے گیارہویں شریف کی فاتحہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ماہ رجب کی چھٹی تاریخ بلکہ ہر مہینے کی چھٹی تاریخ کو حضور خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ بھی ایصالِ ثواب میں داخل ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: اصحابِ کہف کا توشہ یا حضور غوث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ یا حضرت شیخ احمد عبدالحق رودلوی قدس سرہ العزیز کا توشہ بھی جائز ہے اور ایصالِ ثواب میں داخل ہے۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: بعض مسلمان گائے، بکرا، مرغ جو اس لیے پالتے ہیں کہ ان کو ذبح کر کے کھانا پکوا کر کسی ولی اللہ (مثلاً حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی رُوح کو ایصالِ ثواب کیا جائے گا۔ یہ جائز ہے اور جانور بھی حلال۔ مسلمان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس نے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت و تقرب کی نیت کی ہے۔ ہٹ دھرمی اور سخت بدگمانی ہے۔ عقیقہ ولیمہ اور ختنہ وغیرہ کی تقریبوں میں جس طرح جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور بعض مرتبہ پہلے ہی سے نامزد کر دیتے اور متعین کر لیتے ہیں کہ فلاں موقع پر فلاں کام کے لیے ذبح کیا جائے گا جس طرح یہ حرام نہیں وہ بھی حرام نہیں کہ بوقتِ

ذبح تو ان پر فقط اللہ عزوجل کا نام لیا جاتا ہے کسی اور کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ وہابیہ کی سی اوندھی مت کسی کو نہ دے۔

مسئلہ: وہ کھانا جو حضرت انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والتسلیم اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواحِ طیبہ کو نذر کیا جاتا ہے اور امیر و غریب سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے۔ یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور باعثِ برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں برکت آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسے تبرک جانتے اور ایسے کھانوں کی تعظیم کا اہتمام کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: فاتحہ و ایصالِ ثواب کے لیے کھانے کا پیش نظر ہونا کچھ ضروری نہیں اور حضرت خاتون جنت کی فاتحہ پر کپڑا ڈال کر فاتحہ دلانا اور اس میں یہ قیدیں لگانا کہ سوائے شوہر والی عورت کے، بیوہ یا عقد ثانی والی عورت، یا مرد یہ کھانا نہ کھائیں یہ سب عورتوں کی جہالتیں ہیں جن کو مٹانا چاہیے۔ کسی نیاز پر پردہ ڈالنے کا کہیں حکم نہیں۔ یہ محض بے ثبوت اور نری اختراعی باتیں ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ) ہاں مکھی مچھر وغیرہ سے حفاظت کی خاطر کھانے پینے کی چیزوں پر کپڑا ڈال دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے۔

مسئلہ: بعض غریب اور نادار گھرانوں میں عورتوں کا معمول ہے کہ آٹا جو روزمرہ پکانے کے لیے نکالا جاتا ہے اس میں سے ایک چٹکی یا مٹھی بھر آٹا جمع کرتی جاتی ہیں اور جب تیس دن مہینے کے پورے ہو جاتے ہیں اور گیارہویں شریف کا دن آتا ہے تو اس آٹے یا اس کی روٹی یا حلوے وغیرہ پر گیارہویں شریف کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ یہ طریقہ بہت برکت کا باعث ہے اور اس میں آسانی رہتی ہے۔ روز کے آٹے میں سے ایک چٹکی نکالنا معلوم بھی نہیں ہوتا اور مہینے بھر میں خاصی مقدار جمع ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: سوئم کے چنے بعض لوگ شرما حضوری لے لیتے ہیں اور بعض دفعہ غیر مسلموں کو دے دیتے ہیں۔ یہ گناہ ہے۔ لینے والا فقیر ہے تو خود کھالے اور جو نہیں کھاتے وہ نہ لیں اور لے لیے ہوں تو کسی مسلمان فقیر کو دے دیں اور والدین غنی ہوں تو اپنے بچوں کو منع کردیں کہ وہ یہ چنے نہ لیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: جب عید و بقر عید یا جمعہ یا عاشوراء کا دن یا شبِ برأت ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازے پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔ (خزانۃ الروایات)

مسئلہ: ایصالِ ثواب کے لیے میلاد شریف بھی پڑھوایا جاتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے اور اجر و ثواب کا کام۔ اس کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔ غرض نیک نیتی سے جو خیر خیرات کی جاتی ہے اور اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے تو وہ مرنے والا اس سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے دنیا میں دوستوں کے تحفے ہدیئے سے۔ بلکہ کتابوں میں آیا کہ فرشتے ان ثوابوں کو نور کے طبق میں رکھ کر میت کے پاس لے جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اے گہری قبر والے! یہ ثواب تیرے فلاں عزیز یا دوست نے تجھے بھیجا ہے۔
(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: لوگوں میں مشہور ہے کہ طَعَامُ الْمَيِّتِ يُمِيْتُ الْقَلْبَ یعنی میت کا کھانا قلب سیاہ کر دیتا ہے۔ علمائے کرام نے اس کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ جو لوگ میت کے کھانے کی تمنا اور انتظار میں رہتے ہیں کہ کب کوئی مرے اور اس کا کھانا ملے اور اس کے نہ ملنے سے ناخوش اور ملول ہوتے ہیں، ان کا قلب سیاہ یعنی دل مردہ ہو جاتا ہے اور عبادت و بندگی، ذکر اذکار اور نیک کاموں کے لیے شوق انہماک دلچسپی چستی ان میں باقی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ وہ اپنی شکم سیری اور زبان کے ذائقے کی خاطر مسلمانوں کی موت کا انتظار کرتے رہتے اور کھانا کھاتے وقت اس کی لذتوں اور ذائقوں میں کھو کر موت و قبر کو بھول جاتے ہیں۔ انہیں صرف اپنے حلوے مانڈے سے کام ہوتا ہے کسی اور سے کوئی غرض نہیں رہتی۔ ذہن میں یہ بات نہ آتی ہو تو اب تجربہ کر کے دیکھ لے تجربہ و مشاہدہ سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہیے۔ واللہ اعلم۔ غالباً اسی بنیاد پر بہت سے لوگ اگرچہ شرعاً غریب ہوتے ہیں۔ سوم و چہلم وغیرہ کے موقعوں پر کی جانے والی دعوتوں میں شرکت سے گریز کرتے ہیں۔ ان کا یہ اقدام صحیح ہے، انہیں برادری یا پنچایت کے قانون میں گھسیٹنا مذموم حرکت ہے۔

ہاں اولیائے کرام کی نذر و نیاز طعام میت نہیں وہ تبرک ہے اسے فقیر بھی کھائیں اور غنی بھی۔ نیت بخیر ہو تو دین و دنیا میں اس کی برکتیں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

والدین کے حقوق وفات پا جانے کے بعد

(۱) سب سے پہلا حق بعد موت ان کے جنازے کی تجہیز، غسل، کفن، نماز، دفن ہے اور ان کاموں میں ایسے سنن و مستحبات (شریعت کے احکام) کی رعایت جس سے ان کے لیے ہر خوبی و برکت و رحمت و وسعت کی امید ہو۔

(۲) ان کے لیے دعا و استغفار ہمیشہ کرتے رہنا اس سے کبھی غفلت نہ برتنا۔

(۳) صدقہ و خیرات، اعمالِ صالحات کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا۔ حسبِ طاقت اس میں کمی نہ کرنا بلکہ جو نیک کام کریں سب کا ثواب انہیں اور سب مسلمانوں کو پہنچا دینا کہ ان سب کو ثواب پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی، بلکہ بڑی ترقیاں نصیب ہوں گی۔

(۴) ان پر کوئی قرض، کسی کا آتا ہو تو اس کی ادا میں حد درجہ جلدی و کوشش کرنا اور اپنے مال سے ان کا قرض ادا ہونے کو دونوں جہان کی سعادت سمجھنا۔ آپ میں قدرت نہ ہو تو عزیزوں، قریبوں پھر باقی اہلِ خیر سے اس کی ادا میں امداد لینا۔

(۵) ان پر کوئی فرض رہ گیا تو جہاں تک بس میں ہو اس کے ادا میں کوشش کرنا، حج نہ کیا ہو تو خود ان کی طرف سے حج کرنا یا حج بدل کرانا، زکوٰۃ یا عشر کا مطالبہ ان پر رہا ہو تو اسے ادا کرنا۔ نماز یا روزہ باقی ہو تو اس کا کفارہ دینا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر طرح اس کوشش میں رہنا کہ ان پر کوئی مطالبہ شریعت کا باقی نہ رہ جائے۔

(۶) انہوں نے جو وصیت (کہ شرعاً جائز ہو) کی ہو اس کے نافذ کرنے میں کوشش کرنا اگرچہ شرعاً اپنے اوپر لازم نہ ہو۔ اگرچہ اپنے اوپر بار ہو۔ مثلاً وہ نصف جائیداد کی وصیت اپنے کسی عزیز (جو وارث نہیں) یا اجنبی محض کے لیے کر گئے تو شرعاً تہائی مال سے زیادہ،

وارثوں کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں مگر اولاد کو مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشی پوری کرنے کو اپنی خواہش پر مقدم جانیں۔

(۷) ان کی قسم بعد مرگ بھی سچی ہی رکھنا۔ مثلاً ماں باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا (یا میری بیٹی) فلاں جگہ نہ جائے گا یا فلاں سے نہ ملے گا تو ان کے بعد یہ خیال کرنا کہ اب وہ تو ہیں نہیں ان کی قسم کا کیا خیال۔ نہیں بلکہ اس کا ویسا ہی پابند رہنا جیسا کہ ان کی حیات میں رہتا۔ جب تک کوئی حرج شرعی مانع نہ ہو اور کچھ قسم ہی پر موقوف نہیں ہر طرح نیک کاموں میں، بعد مرگ ان کی مرضی کا پابند رہنا۔

(۸) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کیے جانا۔

(۹) کبھی کسی کی ماں یا باپ کو برا کہہ کر جواب میں انہیں برا نہ کہلوانا۔

(۱۰) اور سب میں سخت تر، عام تر جس کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائے یہ حق ہے کہ کبھی کوئی گناہ کر کے انہیں قبر میں رنج نہ پہنچانا۔ اولاد کے سب اعمال کی ماں باپ کو خبر پہنچتی ہے۔ نیکیاں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگتا ہے اور گناہ دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں۔ ان کے قلب پر صدمہ پہنچتا ہے۔ ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ قبر میں بھی انہیں رنج دیا جائے۔ حدیث میں فرمایا کہ ہر جمعہ ماں باپ پر اولاد کے ایک ہفتہ کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، بُرائیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں تو اپنے گزرے ہوؤں کو رنجیدہ نہ کرو اے اللہ کے بندو!

(۱۱) ان کے دوستوں سے دوستی نبھانا۔ ہمیشہ ان کا اعزاز و اکرام رکھنا، ان حقوق میں بیٹا بیٹی سب برابر ہیں اور خاص مردوں پر یہ حق ہے کہ ہر جمعہ کو ان کی زیارت قبر کے لیے جانا، وہاں قرآن شریف ایسی آواز سے کہ وہ سنیں پڑھنا اور اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچانا۔ راہ میں جب کبھی ان کی قبر آئے بغیر سلام و فاتحہ نہ گزرنا۔ اللہ غفور رحیم کریم جل جلالہ صدقہ اپنے حبیب رؤف و رحیم علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوۃ والتسلیم ہم سب مسلمانوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے، گناہوں سے بچائے، ہمارے اکابر کی قبروں میں ہمیشہ نُور و سرور پہنچائے کہ وہ قادر ہے اور ہم عاجز، وہ غنی ہے اور ہم محتاج۔

بالجملہ والدین کا حق وہ نہیں کہ انسان اس سے کبھی بری الذمہ ہو سکے۔ وہ اس کی

حیات و وجود کے سبب ہیں تو جو کچھ نعمتیں دینی و دنیاوی پائے گا، سب انہیں کے طفیل میں ہوئیں کہ ہر نعمت و کمال، وجود پر موقوف ہے اور وجود کے سبب وہ ہوئے، تو صرف ماں باپ ہونا ہی ایسے عظیم حق کا موجب ہے جس سے بری الذمہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ نہ کہ اس کے ساتھ اس کی پرورش میں ان کی کوششیں، اس کے آرام کے لیے ان کی تکلیفیں خصوصاً پیٹ میں رکھنے، پیدا ہونے، دودھ پلانے میں ماں کی اذیتیں، ان کا شکر کہاں تک ادا ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ماں باپ، اولاد کے لیے، اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سائے اور ان کی ربوبیت و رحمت کے مظہر ہیں۔ ولہٰذا قرآن عظیم میں اللہ جل جلالہ نے اپنے حق کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! ایک راہ میں ایسے گرم پتھروں پر کہ اگر گوشت کا ٹکڑا ان پر ڈالا جاتا کباب ہو جاتا، چھ میل تک اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کر کے لے گیا ہوں۔ کیا اب ان کے حق سے ادا ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تیرے پیدا ہونے میں، جس قدر دردوں کے جھٹکے اس نے اٹھائے ہیں، شاید یہ ان میں ایک جھٹکے کا بدلہ ہو سکے۔ (طبرانی)
اللہ عزوجل عقوق و نافرمانی والدین سے بچائے اور ادائے حقوق و حُسنِ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (افاداتِ رضویہ)

زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ ۲ھ میں مسلمانوں پر فرض ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیک اور رحم دل، پہلے ہی مسکینوں کے ہمدرد غریبوں کے بہی خواہ، درد مندوں کے غمگسار تھے اور اسلام میں شروع ہی سے مساکین اور غرباء کی دستگیری پر، مسلمانوں کو خصوصیت سے

توجہ دلائی جاتی تھی۔ ان کی ہمدردی کو غرباء کا رفیق بتایا جاتا تھا اور مسلمان اس پاک تعلیم کی بدولت غرباء و مساکین کے لیے بہت کچھ کیا بھی کرتے تھے۔ تاہم کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہ تھا جس پر بطور آئین و ضابطہ کے عمل کیا جاتا ہو۔ اس لیے دولت مند جو کچھ بھی کرتے تھے اپنی فیاضی اور نیک دلی سے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو فرض اور اسلام کا تیسرا رکن (کلمۂ شہادت اور نماز کے بعد) قرار دیا۔ زکوٰۃ درحقیقت اس صفت ہمدردی و رحم کے باقاعدہ استعمال کا نام ہے جو انسان کے دل میں اپنے ہم جنسوں کے ساتھ قدرتاً فطرتاً موجود ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے ادا کرنے والے کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مال کی محبت اخلاق انسانی کو مغلوب نہیں کر سکتی اور بخل اور کنجوسی کے عیوب سے انسان پاک رہتا ہے اور یہ فائدہ بھی کہ غرباء و مساکین کو وہ اپنی قوم کا جزو سمجھتا رہتا ہے اور اس لیے بے حد دولت کا جمع ہونا بھی اس میں تکبر و غرور پیدا نہیں ہونے دیتا۔ اور یہ فائدہ بھی ہے کہ غرباء کے گروہ کثیر کو اس کے ساتھ ایک انس و محبت اور اس کی دولت و ثروت کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی پیدا ہو جاتی ہے چونکہ وہ اس کے مال میں اپنا ایک حصہ موجود و قائم سمجھتے ہیں۔ گویا دولت مند مسلمان کی دولت ایک ایسی کمپنی کی دولت کی مثال پیدا کر لیتی ہے جس میں ادنیٰ اور اعلیٰ حصے کے حصہ دار شامل ہوتے ہیں۔ قوم کو یہ فائدہ ہے کہ زکوٰۃ کی بدولت، بھیک مانگنے کی رسم قوم سے بالکل نیست و نابود ہو جاتی ہے۔ (ماخوذ)

زکوٰۃ ارکانِ اسلام سے ایک اہم رکن ہے۔ قرآن عظیم میں بیسیوں جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے اس فرض اعظم کی طرف بلایا اور صاف صاف فرمادیا کہ ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دی تو مال میں سے اتنا کم ہو گیا بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے بعض درختوں میں کچھ اجزائے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہو جاتے ہیں کہ پیڑ کی اٹھان کو روک دیتے ہیں۔ احمق نادان انہیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ میں سے اتنا کم ہو جائے گا مگر عاقل ہوش مند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال، لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا۔
یہی حساب اس مال کا ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو چکی کہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے گی۔

مال محفوظ رہے گا بڑھے گا۔ پرورش پائے گا اور زکوٰۃ ادا نہ کی جائے گی تو خدا اور رسول کے فرمان کے تحت "زکوٰۃ کا مال جس مال میں ملا ہو گا، اس کو تباہ و برباد کر دے گا۔"

حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "خشکی و تری میں جو مال تلف ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے ہی سے تلف ہوتا ہے۔"

عزیز بہنو اور بی بیو! ایک بے عقل گنوار کو دیکھو کہ تخم گندم اگر پاس نہیں ہوتا بہزار دقت قرض دام سے حاصل کرتا اور اسے زمین میں ڈال دیتا ہے اس وقت تو وہ اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دیا مگر امید لگی ہے کہ خدا چاہے تو یہ "کھونا" بہت کچھ "پانا" ہو جائے گا۔ تمہیں اس گنوار کسان کے برابر بھی عقل نہیں۔ یا جس قدر ظاہری اسباب پر بھروسا ہے، اپنے مالک جل و علا کے ارشاد پر اتنا اطمینان بھی نہیں کہ اپنا مال بڑھانے اور ایک ایک دانہ کا ایک ایک پیڑ بنانے کو زکوٰۃ کا بیج نہیں ڈالتی ہو۔ وہ فرماتا ہے "زکوٰۃ دو تمہارا مال بڑھے گا۔"

اگر معاذ اللہ، دل میں اس فرمان پر یقین نہیں جب تو کھلا کفر ہے اور اگر دل میں تو یقین ہے مگر غفلت ولاپرواہی کے باعث ادھر توجہ نہیں تو تم سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنے یقینی نفعِ دین و دنیا کی ایسی بھاری تجارت کو چھوڑ کر دونوں جہان کا نقصان مول لیتی ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو عورتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت والا میں سونے کے کنگن پہنے حاضر ہوئیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کی زکوٰۃ دو گی۔ عرض کیا۔ نہ فرمایا کیا چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے۔ عرض کیا۔ نہیں فرمایا تو زکوٰۃ دو۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک بی بی چاندی کے چھلے پہنے تھیں، فرمایا ان کی زکوٰۃ دو گی۔ انہوں نے کچھ انکار سا کیا۔ فرمایا تو یہ ہی تجھے جہنم میں لے جانے کو کافی ہیں۔

غرض زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وہ نہیں جن کی تاب آسکے پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہِ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے۔ یہ شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے۔

عورتیں گہنا، زیور اور بھاری جوڑے تو بڑے ارمان سے بنواتی اور شوق سے پہنتی ہیں، لیکن جب زکوٰۃ کا نام آتا ہے تو طرح طرح کے حیلے بہانوں سے اسے ٹالتی ہیں۔ کچھ زیادہ غیرت مند ہوتی ہیں تو وہ کہتی ہیں کہ ہم کہاں سے لائیں، ہم کیا کوئی کمائی کرتی ہیں، شوہر دیں یا نہ دیں۔

حالانکہ عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ تعالیٰ کے حکم میں وہ جُدا جُدا ہیں۔ جب عورت کے پاس زیور ہے اور زکوٰۃ کے قابل زیور ہے تو عورت پر زکوٰۃ ضرور واجب ہے، خواہ کہیں سے اور کسی طرح ادا کرے، اگرچہ اسے ادا کرنے کے لیے زیور ہی کیوں نہ بیچنا پڑے کہ زیور خود مال ہے۔ اس میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے یا پھر شوہر سے اس ضرورت کے لیے رقم کی درخواست کی جائے۔

ہاں شوہر سے جو کچھ بچوں کیلئے ملتا ہے، اس میں زکوٰۃ دینے کا ہر گز اختیار نہیں۔ تمہارے ذاتی خرچ کو وہ جو کچھ تمہیں دیتے ہیں، اس میں سے زکوٰۃ دے سکتی ہو۔

مسائلِ زکوٰۃ

مسئلہ: آدمی (مرد خواہ عورت) جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی یا جو اپنی اولاد میں ہیں، یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی اور شوہر و زوجہ، ان رشتوں کے سوا اپنے جو عزیز قریب حاجت مند ہوں، مصرفِ زکوٰۃ ہیں۔ اپنے مال کی زکوٰۃ انہیں دے، جیسے بہن بھائی بھتیجا، بھتیجی، بھانجا بھانجی، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کہ انہیں دینے میں دونا ثواب ہے اور نفس پر بار بھی کم ہو گا کہ اپنے سگے بہن بھائی یا بھتیجے بھانجے کو دیا ہوا آدمی اپنے ہی کام میں اٹھنا جانتا ہے۔

پھر یہ بھی کچھ ضروری نہیں کہ انہیں زکوٰۃ جتا کر ہی دے بلکہ دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو اور انہیں عیدی وغیرہ یا شادیوں کے رسوم، خواہ کسی بات کا نام کرکے اس رقم کا مالک کر دے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: بہو اور داماد اور سوتیلی ماں یا سوتیلے باپ یا زوج کی اولاد کہ اس کے بطن

سے نہیں کو عورت زکوٰۃ دے سکتی ہے۔ یونہی شوہر اپنی زوجہ کی اولاد کو جو اس کے نطفے سے نہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: زکوٰۃ کی رقم کے عوض محتاجوں کو کپڑا بنا دینا، اس روپے کے عوض بازار کے بھاؤ سے اس قیمت کا غلہ محتاج کو دے کر بہ نیت زکوٰۃ مالک بنا دینا جائز و کافی ہے۔ زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر جس قدر چیز محتاج کی ملک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہ مجرا ہوگی۔ بالائی خرچ مثلاً غلہ وغیرہ، اجناس کی پلہ برداری، یا باربرداری یا کھانا پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت یا کپڑا سلوا کر دیا تو اس کی سلائی، یہ اس میں شمار نہ کیے جائیں گے۔ (فتاویٰ رضویہ) ہاں اگر زکوٰۃ کی رقم سے کھانا پکا کر فقیروں مسکینوں کو مثلاً اپنے گھر بلا کر، بطریقِ دعوت کھلا دیا تو ہرگز زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کہ اس صورت میں مالک کر دینا نہ پایا گیا۔ (درمختار)

مسئلہ: شریعت مطہرہ نے سونے چاندی کے نصاب پر کہ حاجتِ اصلیہ (جس کی طرف زندگی بسر کرنے میں آدمی کو ضرورت ہے، جیسے رہنے کا مکان، جاڑے گرمیوں میں پہننے کے کپڑے، خانہ داری کا سامان، سواری کے جانور یا موٹر وغیرہ) سے فارغ ہو، خواہ وہ روپیہ اشرفی ہو یا گہنا زیور یا برتن۔ خواہ ان کا استعمال جائز ہو یا ناجائز، جب اس نصاب پر چاند کے حساب سے بارہ مہینے گزر جائیں گے یعنی جس دن، تاریخ پر آدمی صاحب نصاب ہوا جب تک نصاب رہے، وہی دن وہی تاریخ وہی وقت جب آئے گا، اسی وقت قمری سال کا اس پر گزر جانا سمجھا جائے اور زکوٰۃ ادا کرنا فوراً واجب ہوگا۔ اب اس کے ادا کرنے میں جتنی دیر لگائے گی گنہگار ہوگی۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: سال بھر تک خیرات کرتی رہی، اب زکوٰۃ کی نیت کی کہ اب تک جو کچھ دیا ہے، وہ زکوٰۃ ہے تو یہ نیت معتبر نہیں لہٰذا زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ زکوٰۃ دیتے وقت یا زکوٰۃ کے مال علیحدہ کرتے وقت نیت زکوٰۃ شرط ہے۔

مسئلہ: سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: زکوٰۃ سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے۔ تو اس کے لیے بہتر ماہ رمضان المبارک ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرضوں کے برابر۔ لہٰذا اگر بہ نیت زکوٰۃ تھوڑی تھوڑی رقم، اس کے مصرف میں خرچ کرتی رہی تو سال تمام پر حساب کر لے اس وقت جو واجب نکلے اگر پورا دے چکی فبہا اور اگر کم گیا ہے تو باقی فوراً اب دے دے اور زیادہ پہنچ گیا تو اسے آئندہ سال میں مجرا کر لے۔
(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: سیّد کو زکوٰۃ لینا بھی حرام اور اسے دینا بھی حرام۔ نہ سیّد کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور سادات کرام کہ پاک، ستھرے، لطیف اور اہلِ بیتِ نبوت سے ہیں۔ ان کی شان اس سے اعلیٰ کہ انہیں ایسی چیزیں دی جائیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے حاجت مند سادات کی اعانت کریں کہ یہ چیز ان کے لیے دونوں جہان میں سعادت کی موجب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اور اگر انہیں ابھی مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی ملک پر رکھا اور ان کے پہننے کے صرف میں آتا ہے اگرچہ نیت یہ ہو کہ بیاہ ہونے پر ان کے جہیز میں دیں گے جب تو وہ زیور ماں باپ جس نے بنایا ہے، اسی کی ملک ہے۔ اگر تنہا یا اس کے اور مال سے مل کر قدر نصاب ہے تو اسی مالک پر اس کی زکوٰۃ ہے اور اگر نابالغ لڑکیوں کی ملک کر دیا گیا تو اس کی زکوٰۃ کسی پر نہیں۔ ماں باپ پر تو یوں نہیں کہ ان کی ملک نہیں اور لڑکیوں پر یوں نہیں کہ وہ نابالغہ ہیں۔ جب جوان ہوں گی، اس وقت سے ان پر احکام زکوٰۃ وغیرہ کے جاری ہوں گے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: وہ زیور جو عورت کی ملکیت ہے اس کی زکوٰۃ ہرگز شوہر کے ذمہ نہیں اگرچہ وہ کثیر مال رکھتا ہو۔ نہ شوہر کے اس زیور کی زکوٰۃ نہ دینے کا اس شوہر پر کوئی وبال و گناہ۔ ہاں مناسب طریقہ پر تنبیہ و تاکید کر دے اور اسے سمجھائے کہ زکوٰۃ نہ دینا کتنا بڑا گناہ ہے اور وہ زیور کہ شوہر نے عورت کو دے دیا اور اس کی ملک کر دیا اس پر بھی یہی حکم ہے اور اگر ملک نہ کیا بلکہ اپنی ہی ملک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے برتنے

کو دیا جیسا کہ بعض گھرانوں میں رواج ہے تو بیشک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمے ہے جبکہ خود یا دوسرے مال سے مل کر قدرِ نصاب ہو اور حاجت اصلیہ سے فارغ۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: وہ دَین (جسے عرفِ عام میں قرض ادھار سے تعبیر کرتے ہیں) جو کسی مال کا بدل نہ ہو جیسے عورت کا مہر کہ حقوق زوجیت ادا کرنے کا عوض ہے اگرچہ کتنا ہی کثیر ہو چونکہ عادتاً اس کا مطالبہ نہیں کیا جاتا، اس لیے عورت اس کی وجہ سے صاحب نصاب قرار نہ دی جائے گی۔ نہ اس دَین مہر کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی۔ اگرچہ دس بیس برس گزر جائیں۔ خصوصاً مہر موخر جو عام طور پر یہاں رائج ہے جس کی ادا کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہوتی۔ اس کے مطالبہ کا تو عورت کو اختیار ہی نہیں جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو۔ ہاں حق مہر وصول کر لیا اور بقدرِ نصاب پر سال پورا ہو گیا تو اب زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یونہی دَین مہر کے علاوہ اور کوئی نصاب زکوٰۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھی، اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہوا، اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی مال کے سالِ تمام پر کل زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (ردالمحتار، فتاویٰ رضویہ)

صدقۂ فطر کا بیان: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ بندہ کا روزہ، آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتا ہے جب تک صدقۂ فطر ادا نہ کرے۔ (ابن عساکر)

مسئلہ: عید کے دن صبح صادق ہوتے ہی صدقۂ فطر، ہر مسلمان مالکِ نصاب مرد و عورت پر جس کی نصاب، حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو، واجب ہوتا ہے اور مسنون یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: عاقل بالغ ہونا صدقۂ فطر میں شرط نہیں تو نابالغ یا مجنون اگر مالک نصاب ہیں تو ان پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ ان کا ولی ان کے مال سے ادا کرے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: مرد مالکِ نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے صدقۂ فطر واجب ہے جبکہ بچہ خود صاحبِ نصاب نہ ہو اور ماں پر خود اپنا صدقہ واجب

ہے جبکہ مالکِ نصاب ہو۔ چھوٹے بچوں کی طرف سے صدقہ دینا ماں پر واجب نہیں۔ (ردالمحتار وغیرہ)

روزے کا بیان

روزہ شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ انسان صبح صادق سے غروب آفتاب تک بہ نیت عبادت، اپنے آپ کو قصداً کھانے پینے اور عمل زوجیت سے روکے رکھے۔

اسلام کے جیسے اور احکام بتدریج (وقفہ وقفہ سے) فرض کیے گئے ہیں، اسی طرح روزہ کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدا میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر سنہ ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا حکم قرآن کریم میں نازل ہوا اور سال میں ایک مہینے کے روزے رکھنا اسلام کا چوتھا رکن قرار پایا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے کے باوجود روزہ نہ رکھنا چاہیں، وہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور عام لوگوں کے لیے یہ رعایت منسوخ کر دی گئی اور یہ رعایت صرف ان لوگوں کے حق میں باقی رکھی گئی جو روزہ رکھنے کو تو رکھ لیں لیکن بھوک پیاس کی برداشت ان پر دشوار ہو، مشقت بہت اٹھانی پڑے۔ مثلاً زیادہ بوڑھے مرد یا بوڑھی عورتیں یا حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں۔

اسلامی روزے کی غرض و غایت قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ روزے خدا ترسی کی طاقت انسان کے اندر مستحکم کر دیتے ہیں۔

تقویٰ کی مثالوں پر غور کرو کہ:

گرمی کا موسم ہے، روزہ دار کو سخت پیاس لگی ہے۔ مکان تنہا ہے کوئی ٹوکنے والا، ہاتھ روکنے والا نہیں۔ کوری صراحی میں صاف ستھرا نکھرا ہوا ٹھنڈا پانی اس کے سامنے موجود ہے، مگر وہ پانی نہیں پیتا۔

روزے دار کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے، بھوک کی وجہ سے جسم میں ضعف بھی محسوس کرتا ہے۔ نفیس خوش ذائقہ مرغن غذا میسر ہے، کوئی شخص اسے دیکھ بھی نہیں سکتا۔ کسی کو کان و کان خبر نہ ہوگی، مگر وہ کھانا نہیں کھاتا۔

پیاری دل پسند بیوی گھر میں موجود ہے جہاں نہ خویش ہے نہ بیگانہ۔ نہ اپنا ہے نہ پرایا۔ محبت کے جذبات اسے ابھارتے ہیں۔ الفت نے دونوں کو ایک دوسرے کا شیدا بنا رکھا ہے لیکن روزے دار اس سے پہلو تہی اختیار کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خدا کے حکم کی عزت و عظمت اس کے دل میں اس قدر جاگزیں ہے کہ کوئی جذبہ بھی اس پر غالب نہیں آسکتا اور روزہ ہی اس عظمت و جلالِ الٰہی کے دل میں قائم ہونے کا باعث ہوا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب ایک ایماندار آدمی خدا کے حکم کی وجہ سے جائز، حلال پاکیزہ خواہشوں کو چھوڑ دینے کی عادت کرلیتا ہے تو وہ بالضرور خدا کے حکم کی وجہ سے حرام، ناجائز اور گندی عادتوں اور خواہشوں کو چھوڑ دے گا اور ان کے ارتکاب کی کبھی جرأت نہ کرے گا۔

یہی وہ اخلاقی برتری ہے جس کا روزے دار کے اندر پیدا کرنا اور اسے مستحکم کر دینا شرع کا مقصود ہے۔ اسی لیے غیبت، فحش زبانی بدلگامی اور بری باتوں اور تمام گناہوں سے روزے میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں احادیث میں آئی ہیں، چنانچہ ارشاد ہے کہ جو روزہ دار جھوٹ کہنا، لغو بکنا اور لغو فضول کاموں کو کرنا نہیں چھوڑتا تو خدا کو کچھ پرواہ نہیں اگر وہ کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ "روزہ سپر ہے جب تک اسے پھاڑ نہ گیا ہو۔" عرض کی گئی "کس چیز سے پھاڑے گا؟" ارشاد فرمایا "جھوٹ یا غیبت سے۔"

الغرض گناہ و معصیت کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو، مسلمان کے لیے ہر زمانے اور ہر موسم میں حرام ہے لیکن رمضان کے ماہِ مبارک میں یہی ممانعت اور زیادہ مؤکد و اشد ہو جاتی ہے۔ بدگوئی، بدنظری، بدزبانی حرام ہمیشہ ہی ہیں۔ رمضان میں کہنا چاہیے کہ حرام تر ہو جاتی ہیں اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت یعنی حکم الٰہی کے احترام میں نفسانی لذتوں سے دوری میں بسر ہوتا ہی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر

ہوتی ہے۔ تو پورے مہینہ بھر کے، رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام کے سپاہیوں کی روحانی پریڈ کا زمانہ ہے۔ غفلت کسی لمحہ نہ چاہیے۔

پھر طبِ جدید اور طبِ قدیم سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دُور کرنے کا بہترین علاج اور جسم انسانی کی اصلاح کے لیے ایک بہترین نسخہ ہے۔ روزہ آہستہ آہستہ بھوک اور پیاس کی آنچ سے تمام اندرونی اور بیرونی بدن کے فضلات کو، جو بدن میں بے کار پڑے رہتے اور صحت انسانی کو برباد کرتے رہتے ہیں جلا کر نیست و نابود کر دیتا ہے تو بدنی صحت و تندرستی جیسی روزے کی بدولت حاصل ہوتی ہے کسی اور کے ذریعے میسر نہیں آسکتی۔ (ماخوذ)

اے ہمارے رب ہمیں دین حق پر استقامت عطا فرما۔ آمین۔

چند مسائل

مسئلہ: نیت دل کے ارادہ کا نام ہے۔ زبان سے کہنا شرط نہیں، مگر زبان سے کہہ لینا مستحب ہے۔ رات میں نیت کرے تو یوں کہے کہ میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس رمضان کا فرض روزہ کل رکھوں گی اور دن میں یعنی دوپہر سے پہلے پہلے نیت کرے تو یہ کہے کہ "میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آج رمضان کا فرض روزہ رکھوں گی۔"

مسئلہ: رمضان المبارک کے روزے قضا ہو گئے۔ اب رکھنا چاہتی ہے تو اب عین صبح صادق کے وقت یا رات میں نیت کرنا ضروری ہے۔ اگر دن میں نیت کرے گی تو یہ روزہ نفلی ہو گا۔ پھر بھی اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ توڑ دے گی تو قضا لازم آئے گی۔

(در مختار وغیرہ)

مسئلہ: روزہ میں تیل یا سرمہ لگایا تو روزہ نہ گیا۔ اگرچہ تیل یا سرمہ کا مزا حلق میں محسوس ہوتا ہو، بلکہ تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہو، جب بھی نہیں ٹوٹا۔

(ردالمحتار)

مسئلہ: جنابت (یعنی ناپاکی) کی حالت میں صبح کی بلکہ اگرچہ سارے دن ناپاک رہی۔ روزہ نہ گیا مگر اتنی دیر تک قصداً غسل نہ کرنا کہ نماز قضا ہو جائے۔ گناہ و حرام ہے۔ حدیث میں فرمایا "جنب جس گھر میں ہوتا ہے، اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔" (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: بچہ جیسے ہی آٹھویں سال میں قدم رکھے اس کے ولی پر لازم ہے کہ اسے نماز روزہ کا حکم دے اور جب اسے گیارھواں سال شروع ہو تو ولی پر واجب ہے کہ روزہ نماز پر مارے تاکہ وہ عادی ہو، ہاں اگر روزہ سے اسے نقصان پہنچتا ہو تو اور بات ہے۔ (درمختار، فتاوی رضویہ)

مسئلہ: عورت کا حیض و نفاس سے خالی ہونا روزہ کے لیے شرط ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: حیض و نفاس والی عورت پاک ہوگئی تو جو کچھ دن باقی رہ گیا ہے، اسے روزے کے مثل گزارنا واجب ہے اور قضا اس کی فرض۔ (درمختار)

مسئلہ: حیض و نفاس والی عورت صبح صادق کے بعد پاک ہوگئی۔ اگرچہ ضحوۂ کبریٰ (دوپہر سے) پہلے پہلے اور روزہ کی نیت کرلی تو یہ روزہ نہ ہوا۔ (درمختار)

مسئلہ: عورت کو مرد نے جماع پر مجبور کیا۔ پھر اثنائے جماع میں اپنی خوشی سے مشغول رہی تو کفارہ لازم نہیں کہ روزہ تو پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: عورت کو معین تاریخ پر حیض آتا تھا اور آج حیض آنے کا دن تھا، اس نے یہ گمان کرکے کہ آج حیض آئے گا، قصداً روزہ توڑ دیا اور حیض نہ آیا تو کفارہ ساقط ہوگیا۔ (درمختار)

روزے کی قضا

مسئلہ: عورت روزے دار سو رہی تھی، سوتے میں اس سے وطی کی گئی تو اس

صورت میں اس پر صرف قضا لازم ہے، کفارہ نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: یہ گمان تھا کہ صبح نہیں ہوئی اور کھایا پیا بعد کو معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو صرف قضا لازم ہے یعنی اس روزے کے بدلے ایک روزہ رکھنا پڑے گا۔ (درمختار)

مسئلہ: بھول کر کھایا پیا یا اسے قے ہوگئی اور یہ گمان کیا کہ روزہ جاتا رہا، اب قصداً کھاپی لیا تو صرف قضا فرض ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: یہ گمان کرکے کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے، روزہ افطار کرلیا، حالانکہ سورج ڈوبا نہ تھا، تب بھی قضا لازم ہے، کفارہ نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: روزے کی حالت میں (رمضان خواہ غیر رمضان) کسی ضرورت کے تحت کوئی دوا، خشک یا تر روئی یا کپڑا خواہ کوئی چیز، عورت نے پیشاب کے مقام میں اس طرح رکھی کہ شرم گاہ کے اندرونی حصہ (فرج داخل) کے اندر بالکل غائب کردی تو روزہ جاتا رہا اور اگر مثلاً کسی کپڑے میں باندھ کر شرم گاہ میں اس طرح رکھی کہ کپڑے کا سرا فرج داخل سے باہر رہا اگرچہ شرم گاہ کے بیرونی پردہ (فرج خارج) میں غائب ہو جائے تو روزہ نہ جائے گا۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: خشک دوا کپڑے میں باندھ کر شرم گاہ میں رکھی کہ وہ کپڑے سے چھن کر اندرونی حصہ میں گرے یا دوا ایسی تر ہو کہ کپڑے میں سے ٹپک کر فرج داخل میں لگے یا حرکت کے سبب کپڑا چڑھ جائے کہ بالکل فرج داخل کے اندر غائب ہو جائے تو ان صورتوں میں روزہ جاتا رہے گا۔ (درمختار)

مسئلہ: آنسو منہ میں چلا گیا اور نگل گئی اگر قطرہ، دو قطرہ ہے تو روزہ نہ گیا، اور زیادہ تھا کہ اس کی نمکینی پورے منہ میں محسوس ہوئی تو روزہ جاتا رہا۔ پسینہ کا بھی یہی حکم ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: نتھنوں سے دوا چڑھائی یا کان میں تیل ڈالا یا تیل چلا گیا، روزہ جاتا رہا اور پانی کان میں چلا گیا یا ڈالا تو روزہ باقی ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: ڈورا بٹا، اسے تر کرنے کے لیے منہ پر گزارا۔ پھر دوبارہ سہ بارہ یونہی کیا، روزہ نہ جائے گا۔ مگر جبکہ ڈورے سے کچھ رطوبت جدا ہو کر منہ میں رہی اور تھوک نگل لیا تو روزہ جاتا رہا۔ یونہی منہ میں رنگین ڈورا رکھا جس سے تھوک رنگین ہو گیا، پھر تھوک نگل گئی تو روزہ جاتا رہا۔ (جوہرہ، عالمگیری)

مسئلہ: کلی کر رہی تھی۔ بلاقصد پانی حلق سے اتر گیا، ناک میں پانی چڑھایا اور دماغ کو چڑھ گیا۔ روزہ جاتا رہا۔ ہاں اگر وہ اپنا روزہ دار ہونا بھول گئی تو نہ ٹوٹے گا، اگرچہ قصداً ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ: روزہ میں دانت اکھڑوایا اور خون نکل کر حلق سے نیچے اترا اگرچہ سوتے میں ایسا ہوا تو روزہ جاتا رہا۔ اس کی قضا لازم ہے۔ (درالمحتار)

مسئلہ: اگر کی بتی وغیرہ خوشبو سلگتی تھی۔ اس نے منہ قریب کر کے دھوئیں کو ناک سے کھینچا یا خود قصداً حلق تک دھواں پہنچایا خواہ وہ کسی چیز کا دھواں ہو اور کسی طرح پہنچایا ہو، روزہ جاتا رہا۔ (درمختار)

مسئلہ: خشک انگلی عورت نے شرم گاہ میں رکھی تو روزہ نہ گیا۔ ہاں اگر انگلی شرم گاہ کی اندرونی رطوبت سے ایسی تر ہو گئی کہ اب اس کی چھوٹ کر دوسری چیز میں لگی اس کے بعد انگلی باہر کر کے ایسی ہی تری کی حالت میں پھر اندر کی کہ تری چھوٹ کر شرم گاہ کے اندرونی حصہ میں لگی تو روزہ جاتا رہا۔ یونہی اگر انگلی پانی یا روغن یا دودھ یا گھی یا لعاب دہن میں ایسی تر تھی کہ اس کی تری چھوٹ کر فرج داخل میں لگے اور عورت نے اپنی شرم گاہ میں کسی بنا پر داخل کی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (درمختار) یونہی اگر عورت نے اپنی شرم گاہ میں پانی یا تیل ٹپکایا تو روزہ جاتا رہا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کان میں میل نکالا اور میل لگی ہوئی سلائی دوسری یا تیسری مرتبہ کان میں کی تو روزہ نہ جائے گا کہ کان کریدنے میں سلائی دماغ تک نہیں جاتی۔ (مراقی الفلاح)

مسئلہ: مبالغہ کے ساتھ استنجا کیا، یہاں تک کہ حقنہ رکھنے کی جگہ تک پانی پہنچ گیا تو

روزہ جاتا رہا۔ اور اتنا مبالغہ چاہیے بھی نہیں کہ اس سے سخت بیماری کا اندیشہ ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: پان کھا کر سو گئی اور صبح اٹھ کر روزہ کی نیت کی تو اگر پان کھالیا تھا، منہ میں صرف چند دانے چھالیہ کے، دانتوں میں لگے رہ گئے تو روزہ صحیح ہو جائے گا اور اگر صبح کے بعد بھی منہ میں اگال موجود تھا کہ اس کے عرق کا لعاب کے ساتھ منہ میں جانے کا گمان ہے تو اب روزہ نہ ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: سحری میں زیادہ کھالیا کہ اب دن میں کھٹی ڈکاریں آ رہی ہیں تو اس سے روزہ نہیں جاتا۔ (فتاویٰ رضویہ)

وہ حالتیں جن میں روزہ نہیں جاتا

مسئلہ: بات کرنے میں تھوک سے ہونٹ تر ہو گئے اور اسے پی گئی یا منہ سے رال ٹپکی مگر تار ٹوٹا نہ تھا کہ اسے چڑھا کر پی گئی۔ یا ناک میں رینٹھ آ گئی بلکہ ناک سے باہر ہو گئی مگر الگ نہ ہوئی تھی کہ اسے چڑھا کر پی گئی یا کھنکار منہ میں آئی اور اسے کھا گئی، اگرچہ کتنی ہی ہو، روزہ نہ جائے گا۔ لیکن یہ چونکہ نفرت لانے والی چیزیں ہیں، اور ان سے دوسروں کو بھی گھن آتی ہے، اس لیے ان سے احتیاط چاہیے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: بھولے سے کھانا کھا رہی تھی، یاد آتے ہی فوراً لقمہ پھینک دیا۔ یا صبح صادق سے پہلے کھا رہی تھی اور صبح ہوتے ہی اگل دیا تو روزہ نہ گیا اور نگل لیا تو دونوں صورتوں میں جاتا رہا۔ (عالمگیری) اور ان دونوں صورتوں میں اس پر کفارہ واجب۔

مسئلہ: مکھی حلق میں چلی گئی، روزہ نہ گیا اور قصداً نگلی تو جاتا رہا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: تل یا تل کے برابر کوئی چیز چبائی اور تھوک کے ساتھ حلق سے اتر گئی تو نہ گیا مگر جب کہ اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ جاتا رہا۔ (فتح القدیر)

مسئلہ: قصداً منہ بھر قے کی اور روزہ دار ہونا یاد ہے تو روزہ جاتا رہا، خواہ اس میں کچھ منہ ہی سے حلق میں واپس چلی جائے یا نہ جائے اور منہ بھر سے کم کی تو روزہ نہ گیا۔ (درمختار)

مسئلہ: بلااختیار قے ہوگئی اور منہ بھر ہے اور اس نے لوٹالی اگرچہ اس میں سے صرف چنے برابر حلق سے اتری تو روزہ جاتا رہا ورنہ نہیں اور منہ بھر نہ ہو تو روزہ نہ گیا اگرچہ حلق میں لوٹ گئی یا اس نے خود لوٹائی۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: قے خواہ قصداً ہو یا بلااختیار، اس میں بلغم آیا تو روزہ نہ ٹوٹا، اگرچہ منہ بھر ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ: روزے دار کو بلاعذر کسی چیز کا چکھنا یا چبانا مکروہ ہے۔ چکھنے کے لیے عذر یہ ہے کہ مثلاً عورت کا شوہر بدمزاج ہے۔ ہانڈی میں نمک کم و بیش ہوگا تو وہ اس کی ناراضگی کا باعث ہوگا تو چکھنے میں حرج نہیں۔ چبانے کے لیے یہ عذر ہے کہ اتنا چھوٹا بچہ کہ روٹی نہیں کھا سکتا اور کوئی نرم غذا نہیں جو اسے کھلائی جائے، نہ حیض و نفاس والی عورت ہے اور نہ کوئی اور بے روزہ دار ایسا ہے جو اسے چبا کر دے دے تو بچہ کے کھلانے کے لیے روٹی وغیرہ چبانا مکروہ نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: کوئی چیز خریدی اور اس کا چکھنا ضروری ہے کہ نہ چکھے گی تو نقصان ہوگا تو چکھنے میں حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے (درمختار) چکھنے سے مراد یہ ہے کہ زبان پر رکھ کر مزہ دریافت کرلیں اور اسے تھوک دیں۔ اس میں سے کچھ حلق میں نہ جانے پائے۔

مسئلہ: سحری کھانا اور اس میں تاخیر کرنا مستحب ہے اور باعث ثواب مگر اتنی دیر لگانا کہ صبح ہونے کا شک ہو جائے، مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے مگر افطار اس وقت کرے کہ غروب کا غالب گمان ہو جب تک گمان غالب نہ ہو، افطار نہ کرے، اگر موذن نے اذان کہہ دی ہو یا کسی اور طریقہ پر افطار کا اعلان کر دیا جائے اور بادل چھائے ہوں تو افطار میں جلدی نہ

کرنی چاہیے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: تازہ کھجور کہ خشک نہ ہوئی اور یہ نہ ہو تو خشک چھوارے ورنہ پانی سے روزہ افطار کرنا مسنون ہے۔ (عامہ کتب)

روزہ نہ رکھنے کی اجازت

مسئلہ: شریعت مطہرہ نے بعض صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت عطا فرمائی ہے تو اگر ان صورتوں میں روزہ نہ رکھا کوئی گناہ کی بات نہیں مثلاً:

(۱) حمل والی اور دودھ پلانے والی کو اگر اپنی جان یا بچہ کا صحیح اندیشہ ہے تو اجازت ہے کہ اس وقت روزہ نہ رکھے، خواہ دودھ پلانے والی بچہ کی ماں ہو یا دائی۔ (درمختار)

(۲) بیمار کو بیماری بڑھ جانے یا دیر میں اچھا ہونے یا تندرست کو بیمار ہو جانے کا یا خادمہ کو ناقابلِ برداشت کمزوری کا غالب گمان ہو تو ان سب کو اجازت ہے کہ اس دن روزہ نہ رکھیں۔ بعد میں رکھ لیں۔ (جوہرہ، درمختار)

مسئلہ: جو صورتیں اوپر مذکور ہوئیں، ان میں غالب گمان کا اعتبار ہے۔ محض وہم و خیال کافی نہیں اور غالب گمان کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اس کی ظاہری نشانی پائی جاتی ہے۔

(۲) اس کا ذاتی تجربہ ہے۔

(۳) یا کسی مسلمان ماہر طبیب نے جس کی رائے عوام و خواص میں وزنی سمجھی جاتی ہے، اس کی خبر دی ہو۔

اور اگر نہ کوئی علامت ہو، نہ تجربہ، نہ اس قسم کے طبیب نے اسے بتایا بلکہ کسی کافر یا ناقابل اعتماد طبیب خواہ ڈاکٹر کے کہنے سے روزہ چھوڑ دیا تو خواہ مخواہ کا گناہ کمایا اور روزہ رکھ کر ان کی باتوں میں آکر توڑ دیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا۔ آج کل اکثر طبیبوں اور ڈاکٹروں کا عالم یہ ہے کہ ذرا سی بات پر روزہ سے منع کر دیتے ہیں، حالانکہ انہیں اتنی

بھی تمیز نہیں ہوتی کہ روزہ کس بیماری میں نقصان دیتا ہے اور کہاں مفید ہوتا ہے۔ ایسوں کی ایسی باتیں ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ ان کے دام میں نہ آئیں۔ (ردالمحتار وغیرہ)

(۳) عورت کو جب حیض ونفاس آگیا تو روزہ جاتا رہا۔

مسئلہ: عورت حیض ونفاس سے پورے دس دن رات میں فارغ ہوئی تو بہر حال کل کا روزہ رکھے اور کم میں پاک ہوئی تو اگر صبح ہونے کو اتنا عرصہ ہے کہ نہا کر خفیف سا وقت بچے گا تو بھی روزہ رکھے اگرچہ غسل نہ کیا ہو اور اگر نہا کر فارغ ہونے کے وقت صبح چمکی تو روزہ نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: حیض ونفاس والی عورت کو اختیار ہے کہ چھپ کر کھائے یا ظاہراً، روزہ دار کی طرح رہنا اس پر ضروری نہیں۔ (جوہرہ) مگر چھپ کر کھانا بہتر ہے، خصوصاً حیض والی کے لیے۔ (بہارِ شریعت)

(۴) بھوک اور پیاس ایسی ہو کہ ہلاک کا خوف صحیح، یا نقصانِ عقل کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے۔ (عالمگیری)

(۵) روزہ توڑنے پر مجبور کیا گیا تو اسے اختیار ہے اور صبر کیا تو اسے اجر ملے گا۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جن لوگوں نے ان عذروں کے سبب روزہ توڑا، ان پر فرض ہے کہ ان روزوں کی قضا رکھیں اور حکم یہ ہے کہ عذر جانے کے بعد دوسرے رمضان کے آنے سے پہلے قضا رکھ لیں۔ حدیث میں فرمایا جس پر رمضان کی قضا باقی ہے اور وہ نہ رکھے تو اس کے رمضان کے روزے قبول نہ ہوں گے اور اگر روزے نہ رکھے اور دوسرا رمضان آگیا تو اب پہلے اس رمضان کے روزے رکھ لے، قضا روزے پھر بعد میں رکھ لے۔ (درمختار)

(۶) ایسا بوڑھا آدمی جس کی عمر ایسی ہوگئی کہ اب روز بروز کمزور ہی ہوتا جائے گا۔ جب وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو یعنی نہ اب رکھ سکتا ہے نہ آئندہ، اس میں اتنی طاقت آنے کی امید ہے کہ روزہ رکھ سکے گا تو اسے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور ہر

روزے کے بدلے میں صدقہ فطر کی مقدار کسی مسکین کو دے دے۔ (درمختار وغیرہ) بلکہ یہی بہتر ہے کہ بعض اوقات کھانا کھلانا دشوار ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر ایسا بوڑھا آدمی، مرد خواہ عورت، گرمیوں میں بوجہ گرمی کے روزے نہیں رکھ سکتا، مگر جاڑوں میں رکھ سکے گا تو اب روزے چھوڑ دے اور ان کے بدلے کے روزے جاڑوں میں رکھنا اس پر فرض ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر فدیہ دینے کے بعد اتنی طاقت آگئی کہ روزے رکھ سکتا ہے تو وہ فدیہ جو پہلے دے چکا ہے۔ صدقہ نفل ہو کر رہ گیا۔ لہٰذا اب روزوں کی قضا رکھے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے۔ کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اکثر اوقات شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ ہم سے یہ کام ہرگز نہ ہوسکے گا اور کریں گے، تو مر جائیں گے۔ بیمار پڑ جائیں گے۔ پھر جب خدا پر بھروسہ کر کے کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ادا کر دیتا ہے۔ کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ ۷۵ برس کی عمر میں بہت لوگ روزے رکھتے ہیں، ہاں ایسے کمزور بھی ہوسکتے ہیں کہ ستر ہی برس کی عمر میں نہ رکھ سکیں تو شیطان کے وسوسوں سے بچ کر خوب صحیح طور پر جانچ کر لینی چاہیے کہ شریعت میں یہاں نہ کم ہمتی کا کوئی اعتبار ہے، نہ شیطانی وسوسوں کا کہیں کوئی لحاظ۔

ایک اور بات یہ ہے کو ان بوڑھوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ لگاتار مہینے بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے، مگر ایک دو دن بیچ کے ناغہ کر کے، رکھ سکتے ہیں تو جتنے رکھ سکیں اتنے رکھنا ان پر فرض ہے جتنے قضا ہو جائیں، جاڑوں میں رکھ لیں۔ (فتاویٰ رضویہ) یہ باتیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

روزہ توڑنے کا کفارہ

مسئلہ: روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ آدمی پے در پے لگاتار ساٹھ روزے رکھے۔

یہ بھی نہ کر سکے کہ بیمار ہے اور اچھے ہونے کی کوئی امید نہیں یا بہت بوڑھی ہے تو ساٹھ مساکین کو پیٹ بھر دونوں وقت کھانا کھلائے اور یہ اختیار ہے کہ ایک دم سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے یا متفرق طور پر۔ اور اگر ایک وقت ساٹھ کو کھلایا، دوسرے وقت ان کے سوا دوسرے ساٹھ کو کھلایا تو کفارہ ادا نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ پہلوں یا پچھلوں کو پھر ایک وقت کھلائے۔ (در مختار، رد المحتار)

مسئلہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسکین کو بقدر صدقۂ فطر یعنی قریباً سوا دو سیر گیہوں یا ان کی قیمت کا مالک کر دیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبح کو کھلا دے اور شام کے لیے قیمت دے دے یا شام کو کھلا دے یا دو دن تیس کو دے دے، غرضیکہ ساٹھ کی تعداد جس طرح چاہے پوری کر دے، اس کا اختیار ہے۔ (در مختار، رد المحتار)

نفلی روزے

روزے وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے رمضان المبارک کے بعد سب دنوں سے افضل ذی الحجہ کا پہلا عشرہ (پہلی ذی الحجہ سے دس ذی الحجہ تک) ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "ان دس دنوں سے زیادہ کسی دن کا عملِ صالح (نیک کام) اللہ عزوجل کو محبوب نہیں۔ ان کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں اور ہر شب کا قیام (نوافل) شبِ قدر کے برابر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

(۱) خصوصاً عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ کہ سال میں سب سے افضل دن ہے۔ اس کا روزہ صحیح حدیث کی رو سے ہزاروں روزوں کے برابر ہے اور دو سال کامل کے گناہوں کی معافی ایک سالِ گزشتہ، دوسرا سالِ آئندہ۔ (مسلم شریف)

(۲) پھر سب دنوں سے افضل روزہ عاشوراء یعنی دسویں محرم کا روزہ ہے۔ اس میں ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے۔ (مسلم شریف)

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے۔ یہودیوں کو عاشوراء کے دن روزہ دار پایا۔ ارشاد فرمایا "یہ کیا دن ہے

کہ تم روزہ رکھتے ہو۔" عرض کی کہ یہ عظمت والا دن ہے کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر اس دن کا روزہ رکھا تو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: "موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کرنے میں بہ نسبت تمہارے ہم زیادہ حقدار اور زیادہ قریب ہیں۔" تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی فرمایا۔ (بخاری مسلم)

نفیس فائدہ

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ عزوجل کوئی خاص نعمت عطا فرمائے اس کی یادگار قائم کرنا درست و محبوب بلکہ شرعاً مطلوب ہے کہ اس سے وہ نعمت خاصہ یاد آئے گی اور اس پر زبان سے بے ساختہ شکرِ خدا ادا ہوگا تو گویا یہ یادگار شکر ادا کرنے کا بھی ذریعہ ہوا۔ خود قرآن عظیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذْكُرُوْا اَيَّامَ اللّٰهِ۔ خدا (کے انعام) کے دنوں کو یاد کرو۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ انہیں اللہ کے دن یاد دلا دو۔

یعنی وہ دن جن میں بڑی بڑی نعمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں۔ مثلاً حکومت و اقتدار اور دشمنوں سے گلوخلاصی، آفتوں سے نجات یا جو بڑی بڑی مصیبتیں مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں مثلاً وبا و قحط ان کی محکومی و غلامی یا تباہی و بربادی۔ غرض یہ کہ ایام اللہ کے تحت ہر قسم کے اہم تاریخی واقعات آجاتے ہیں۔

اور شک نہیں کہ ہم مسلمانوں کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے بہتر کون سا دن ہوگا جس کی یادگار قائم کریں کہ دنیا و آخرت میں ظاہری و باطنی، جسمانی و رُوحانی تمام نعمتیں تمام راحتیں انہیں کے طفیل انہیں کے

صدقے میں ہیں۔ میلاد پاک کی محفلیں برپا کرنے کا ایک عظیم و اہم مقصد یہ بھی ہے۔ وہابیہ اس میں رکاوٹیں ڈال کر ہم مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ اللہ پناہ میں رکھے۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھیں تو اس کے ساتھ نویں کا بھی رکھیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو (یوں کہ) ایک دن پہلے روزہ رکھو اور ایک دن بعد۔" (مرقات)

روزہ عاشوراء کے فضائل بہت کچھ احادیث کریمہ میں آئے۔ چنانچہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے تحریر فرمایا کہ عاشوراء کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کو عزت و کرامت سے نوازا یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات پر برگزیدہ کیا۔
(۲) حضرت ادریس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا۔
(۳) سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی کو کوہِ جودی پر ٹھہرایا۔
(۴) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، ان پر نارِ نمرود کو گلزار کیا۔
(۵) سیدنا داؤد علیہ السلام کی لغزش کو معاف کیا۔
(۶) سیدنا ایوب علیہ السلام سے بلا کو دفع فرمایا۔
(۷) سیدنا یونس علیہ السلام کو بطن حوت (مچھلی کے پیٹ) سے نکالا۔
(۸) سیدنا یعقوب اور سیدنا یوسف علیہما السلام کو باہم ملایا۔
(۹) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور پھر آسمان پر اٹھایا۔
(۱۰) آدم و حوا علیہما السلام کو پیدا کیا۔
(۱۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم سے بچایا۔

غرض عاشوراء کا دن، بارگاہِ الٰہی میں مقبول دنوں میں ایک دن ہے اور اعمالِ صالحہ و صدقہ و خیرات کی قبولیت کا روز، اسی لیے حضرات صوفیائے کرام کا ارشاد گرامی ہے

کہ:
(۱) جو آج کے روز کسی فقیر پر صدقہ کرے، گویا اس نے تمام فقراء پر صدقہ کیا۔
(۲) جو آج کسی بھولے بھٹکے راہ رو کو سیدھے راستے پر ڈال دے، رب عزوجل اس کے دل کو نورِ ایمان سے معمور فرمائے۔
(۳) جو آج غصہ کو ضبط کرے، اللہ تعالیٰ اسے ان میں لکھ دے جو راضی برضا ہیں۔
(۴) جو آج کسی مسکین کی عزت بڑھائے وہ مالک و مولا قبر میں اسے کرامت بخشے۔

یہی وہ دن ہے جس کے متعلق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
(۱) جو شخص آج اپنے اہل و عیال پر کشادہ دلی سے خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے تمام سال کے لیے فراخی نصیب فرمائے۔ (بیہقی) حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم نے پچاس سال اس کا تجربہ کیا اور ہر سال فراخی پائی۔
(۲) جو شخص آج کے دن غسل کرے، مرض الموت کے علاوہ اس سال کسی اور مرض میں مبتلا نہ ہو اور جو آج (بہ حسن نیت) سرمہ لگائے اس کی آنکھیں کبھی دکھنے میں نہ آئیں یعنی اس کی چشمِ بصیرت، دل کی آنکھ روشن رہے۔
(۳) جو عاشوراء کی شب قیام و ذکر میں اور اس کا دن روزے میں گزارے، جب مرے گا تو اسے اپنی موت کا پتا بھی نہ چلے گا۔ (یعنی نزع کی سختی سے محفوظ رہے گا)
(۴) جو شخص عاشوراء کے دن (محض رضائے الٰہی کے حصول کی نیت سے) روزہ رکھے گویا اس نے تمام سال کے روزے رکھے۔
(۵) جو مسلمان آج کے روز صدقہ کرے اسے ایک سال کے صدقے کے برابر ثواب ملے۔
(۶) جو شخص آج کسی یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرے (اور اس کی دلجوئی کرے اس کی حاجت برلائے) اللہ تعالیٰ ہر بال کے عوض جنت میں اس کا درجہ بلند فرمائے۔
(۷) جو آج کے دن صلہ رحمی کرے وہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ساتھ جنت میں ہوگا (اور ان کی خدمت کا شرف پائے گا) (نزہۃ المجالس وغیرہ)

الغرض عاشوراء کا دن وہ مبارک و بابرکت دن ہے جس کے فضائل سے کتابیں مالا مال ہیں۔ مبارک ہیں وہ بندے جو اس ماہ محرم کا جسے حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا مہینہ فرمایا، احترام بجالائیں اور اپنے ظاہر و باطن سے خدا اور رسول کی طرف متوجہ ہوں، اعمالِ صالحہ میں بیش از بیش مشغول رہیں۔

(۸) عزیزو! عمر کا کیا اعتبار اور کسے معلوم کہ اسے کب اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔ دنیا میں آدمی آتا ہے تو اپنے مقدر کا اپنے ساتھ لاتا ہے لیکن جب جاتا ہے تو اعمال کے علاوہ اور کوئی اس کا ساتھی نہیں ہوتا، اعمال نیک کا توشہ ساتھ ہے تو قبر بھی روشن اور حشر میں بھی اجالا اور بول بالا۔

یہ ہے عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کی اصل۔ جس پر تمام مسلمانوں کا عمل آج تک ہے۔ اب کہیں کہیں یہ آوازیں سنائی دیتی ہیں کہ عاشوراء کے روز یزید کی ماں نے روزہ رکھا تھا اس لیے آج روزہ نہ رکھا جائے۔ یہ اور اس قسم کی ساری باتیں مہمل اور بے اصل ہیں جو رافضیوں نے مسلمانوں پر پھیلائیں۔ مسلمان بیبیاں ہرگز ایسی بے سروپا باتوں پر دھیان نہ دیں کہ اس سے نیکیاں برباد ہوتی ہیں، اور گناہ لازم آتا ہے۔

(۳) پندرہویں شعبان کا روزہ

رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے میں نے نہیں دیکھا، خصوصاً پندرہویں شعبان کا روزہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب شعبان کی پندرہویں رات آجائے تو اس رات کو قیام کرو (نوافل میں مشغول رہو) اور دن میں روزہ رکھو کہ رب تعالیٰ غروب آفتاب سے آسمانِ دنیا پر خاص تجلی فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ اسے بخش دوں، ہے کوئی روزی طلب کرنے والا کہ اسے روزی دوں، ہے کوئی آفت رسیدہ کہ اسے عافیت دوں، ہے کوئی ایسا۔ ہے کوئی

ایسا۔ اور یہ اس وقت تک فرماتا ہے کہ فجر طلوع ہو جائے۔

(۴) شش عید کے روزے

شوال میں چھ دن کے روزے جنہیں لوگ شش عید کے روزے کہتے ہیں۔ ان روزوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے۔ پھر ان کے بعد چھ دن شوال میں رکھے تو ایسا ہے جیسے اس نے دہر کا روزہ رکھا۔ (متواتر سال بھر تک روزہ دار رہا)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھ لیے گویا اس نے پورے سال کا روزہ رکھا۔ (اور یہ اس لیے کہ) جو شخص ایک نیکی لائے گا، اسے دس ملیں گی تو ماہ رمضان کا روزہ دس مہینے کے برابر ہے اور ان چھ دنوں کے بدلے میں (۶۰ دن یعنی) دو مہینے تو پورے سال کے روزے ہو گئے۔

(۴) ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد چھ دن شوال میں رکھے تو گناہوں سے ایسا نکل گیا جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ شش عید کے روزوں کا ایک فائدہ تو یہی ہے کہ سال بھر کے روزوں کا ثواب آدمی کو ذرا سی مشقت سے ہاتھ آتا ہے اور ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں جو روزے ان میں جو کوتاہیاں ہو گئیں، اور خلل و نقصان آیا، انشاء اللہ تعالیٰ وہ نقصان ان روزوں سے پورا کر دیا جائے گا۔

مسئلہ: یہ روزے عید کے بعد لگاتار رکھے جائیں تب بھی مضائقہ نہیں اور بہتر یہ ہے کہ متفرق رکھے جائیں یعنی ہر ہفتہ میں دو روزے اور عید الفطر کے دوسرے روز ایک روزہ رکھ لے اور پورے ماہ میں رکھے تو اور بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۵) ۲۷ رجب کا روزہ کہ بعض حدیثوں میں اس کی بڑی فضیلت آئی۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رجب میں ایک دن اور رات ہے، جو اس دن کا روزہ رکھے اور وہ رات نوافل میں گزارے۔ سو برس کے روزوں اور

سو برس کی شب بیداری کے برابر ہو اور وہ ۲۷ رجب ہے۔ (بیہقی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ساٹھ مہینے کے روزوں کا ثواب لکھے۔ (ماثبت بالسنہ)

(۶) ہر مہینے میں تین روزے خصوصاً ایام بیض (روشن دنوں) یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "جس سے ہوسکے، ہر مہینے میں تین روزے رکھے کہ ہر روزہ دس گناہ مٹاتا ہے اور گناہ سے ایسا پاک کر دیتا ہے جیسا پانی کپڑے کو۔" دوسری حدیث شریف میں ہے کہ جب مہینے میں تین روزے رکھنے ہوں تو تیرہ چودہ پندرہ کو رکھو۔ اور ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ رمضان کے روزے اور ہر مہینے کے تین روزے سینہ کی خرابی کو دُور کرتے ہیں۔ (امام احمد وطبرانی)

(۷) پیر اور جمعرات کے روزے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: پیر اور جمعرات کو اعمال پیش ہوتے ہیں تو میں پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس وقت پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔ (ترمذی)

اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کو خیال کر کے روزے رکھا کرتے تھے۔ اس کے بارے میں عرض کیا گیا تو فرمایا: "ان دونوں دنوں میں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی مغفرت فرما دیتا ہے مگر وہ دو شخص جنہوں نے باہم جدائی کرلی ہے، ان کی نسبت فرشتوں سے فرماتا ہے انہیں چھوڑ دو یہاں تک کہ صلح کرلیں۔" اور صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پیر کے دن روزہ کا سبب دریافت کیا گیا۔ فرمایا: "اسی میں میری ولادت ہوئی اور اسی میں مجھ پر وحی نازل ہوئی۔"

(۸) بعض اور دنوں کے روزے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے چہار شنبہ، پنج شنبہ جمعہ کو روزے رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک مکان بنائے گا، جس کا باہر کا حصہ اندر سے دکھائی دے گا اور اندر کا باہر سے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے

لیے جنت میں موتی اور یاقوت اور زبرجد کا محل بنائے گا اور اس کے لیے دوزخ سے براءت (رہائی) لکھ دے گا اور ایک روایت میں ہے کہ "جو ان تین دنوں کے روزے رکھے، پھر جمعہ کو تھوڑا بہت صدقہ کرے تو جو گناہ کیا ہے، بخش دیا جائے گا اور وہ ایسا ہو جائے گا جیسے اس دن کہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔" مگر خصوصیت کے ساتھ جمعہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اس سے پہلے جمعرات کو یا اس کے بعد ہفتہ کو بھی جمعہ کے ساتھ ملا کر روزہ رکھنا چاہیے۔ (بخاری و مسلم)

مسئلہ: شوہر سفر میں ہے، یا بیمار ہے تو اس حالت میں عورت، شوہر کی اجازت کے بغیر بھی قضا روزے رکھ سکتی ہے بلکہ اگر وہ منع کرے جب بھی۔ اور رمضان کے لیے شوہر کی اجازت کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ اس کی ممانعت پر بھی رکھے کہ یہ اللہ کا فرض اور قرض ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: عورت کسی کے یہاں گھریلو ملازمت کرتی ہے اور نفل روزہ رکھے گی تو کام پورا نہ کرسکے گی تو جس کے یہاں ملازمت پر ہے، اس کی اجازت کی ضرورت ہے اور کام پورا کرسکے تو کچھ ضرورت نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: عورت پر قسم وغیرہ کا کفارہ واجب ہے اور مال سے کفارہ ادا کرنے سے عاجز ہے اور روزہ رکھنا چاہتی ہو تو شوہر اسے روزہ رکھنے سے روک سکتا ہے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: عورت اگر روزہ رکھے گی تو کمزور ہو جائے گی، کھڑے ہو کر فرض نماز ادا نہ کرسکے گی تو حکم ہے کہ روزہ رکھے اور بیٹھ کر نماز پڑھے (درمختار) جبکہ کھڑا ہونا واقعی دشوار ہے۔

مسئلہ: چپ روزہ جیسا کہ کہیں کہیں کبھی کبھی عورتیں رکھتی ہیں اور اس میں چپ رہنے کو ثواب کی بات سمجھتی ہیں، یہ مکروہ ہے اور اگر چپ رہنا ثواب کی بات سمجھ کر نہ ہو تو حرج نہیں۔ اور بری بات سے چپ رہی تو یہ مکروہ نہیں بلکہ یہ تو اعلیٰ درجے کی چیز ہے کیونکہ بری بات زبان سے نہ نکالنا واجب ہے۔ یونہی بلا ضرورت باتیں بنانا بھی

شرعاً پسند نہیں۔ غرض دارومدار اس کی نیت پر ہے اور نیت کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔

نفلی روزہ توڑنا

مسئلہ: نفل روزہ قصداً شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے کہ توڑے گی تو قضا واجب ہو گی اور یہ گمان کر کے کہ اس کے ذمہ کوئی روزہ ہے، روزہ شروع کیا بعد کو معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔ اب اگر فوراً توڑ دیا تو کچھ نہیں اور یہ معلوم ہونے کے بعد نہ توڑا تو اب نہیں توڑ سکتی۔ توڑے گی تو قضا واجب ہو گی۔ (درمختار)

مسئلہ: نفلی روزہ قصداً نہیں توڑا بلکہ بلا اختیار ٹوٹ گیا مثلاً اثنائے روزہ میں حیض آ گیا۔ جب بھی قضا لازم ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: نفلی روزہ بلاعذر توڑ دینا ناجائز ہے اور عذر ہو تو جائز مثلاً یہ روزہ دار ہے کہ کوئی مہمان آ گیا اور ایسا ہے کہ اگر یہ اس کے ساتھ نہ کھائے گی تو اسے ناگوار ہو گا یا خود مہمان روزہ دار ہے اور اگر میزبان کے ساتھ کھانا نہ کھائے گا تو میزبان کو اذیت ہو گی تو اس حالت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے بشرطیکہ یہ بھروسہ ہو کہ اس کی قضا رکھ لے گی اور بشرطیکہ ضحوۂ کبریٰ (دوپہر) سے پہلے پہلے توڑ دے یا مثلاً کسی نے اس کی دعوت کی اور جانتی ہے کہ نہ جاؤں گی تو اس پر گراں گزرے گا۔ ضحوۂ کبریٰ سے قبل نفل روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: عورت بغیر شوہر کی اجازت کے، نفل اور منت اور قسم کے روزے نہ رکھے اور رکھ لے تو شوہر تڑوا سکتا ہے، مگر توڑ دے گی تو قضا واجب ہو گی اور اس کی قضا میں بھی شوہر کی اجازت درکار ہے۔

مسئلہ: ماں باپ اگر بیٹے بیٹی کو نفلی روزہ رکھنے سے منع کریں، اس وجہ سے کہ مرض کا اندیشہ ہے تو ماں باپ کی اطاعت کرے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: عید، بقر عید یا ایام تشریق میں نفل روزہ رکھا تو اس روزے کا پورا کرنا واجب نہیں، نہ اس کے توڑنے سے قضا واجب ہے بلکہ اس کا توڑ دینا واجب ہے۔ (ردالمحتار)

منت کے روزے

مسئلہ: عورت نے ایک ماہ پے درپے (لگاتار) روزے رکھنے کی منت مانی تو اگر ایک مہینہ یا زیادہ طہارت کا زمانہ اسے ملتا ہے تو ضرور ہے کہ ایسے وقت روزے شروع کرے کہ حیض آنے سے پیشتر تیس دن پورے ہو جائیں ورنہ حیض آنے کے بعد اب سے تیس دن پورے کرنے ہوں گے اور مہینہ پورا ہونے سے پیشتر اسے حیض آ جایا کرتا ہے تو حیض سے پہلے جتنے روزے رکھ چکی ہے، انہیں شمار کر لے جو باقی رہ گئے ہیں، انہیں حیض ختم ہونے کے بعد بلاناغہ پورا کر لے کہ پے درپے روزوں کی منت میں ناغہ کرنا جائز نہیں اور متفرق طور پر مثلاً دس روزے کی منت مانی تو لگاتار رکھنا جائز ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: کسی مہینے مثلاً رجب کے روزے کی منت مانی اور رجب میں بیمار ہے تو دوسرے دنوں میں ان کی قضا رکھے اور قضا میں اختیار ہے کہ لگاتار روزے ہوں یا ناغہ دے کر۔ (درمختار)

مسئلہ: اکثر عورتیں مولیٰ علی مشکل کشا کا روزہ رکھتی ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ روزہ خاص اللہ عزوجل کے لیے ہے، اگر اللہ کے لیے روزہ رکھیں اور اس کا ثواب مولیٰ علی کو نذر کریں تو حرج نہیں، مگر اس میں کرتی یہ ہیں کہ روزہ آدھی رات تک رکھتی ہیں، شام کو افطار نہیں کرتیں اور آدھی رات کے بعد گھر کے کواڑ کھول کر دعا مانگتی ہیں اور اس وقت روزہ افطار کرتی ہیں۔ یہ شیطانی رسم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عیدین یعنی میٹھی عید اور بقر عید اور ایام تشریق یعنی ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ

اور تیرہ تاریخ کے روزے رکھنا حرام و گناہ ہیں تو اگر اس مہینے کے روزے کی منت مانی اور اس میں ایام منہیہ (یعنی وہ پانچ دن جن میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں) ہیں تو ان میں روزے نہ رکھے بلکہ ان کے بدلے بعد میں رکھے اور اگر کسی متعین مہینے کی منت مانی مثلاً رجب یا شعبان کی تو پورے مہینے کا روزہ ضرور ہے۔ وہ مہینہ انتیس (۲۹) کا ہو تو انتیس روزے اور تیس کا ہو تو تیس روزے اور ناغہ نہ کرے، پھر اگر کوئی چھوٹ گیا تو اس کو بعد میں رکھ لے۔ پورے مہینے کے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: ایک دن کے روزے کی منت مانی تو اختیار ہے کہ ایام ممنوعہ کے علاوہ جس دن چاہے، روزہ رکھ لے۔ یونہی دو دن، تین دن میں بھی اختیار ہے، البتہ ان میں اگر پے درپے کی نیت کی تو پے درپے رکھنا واجب ہوگا، ورنہ اختیار ہے کہ ایک ساتھ رکھے یا ناغہ دے کر اور متفرق کی نیت کی اور پے درپے رکھ لیے تب بھی جائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: آدھے دن کے روزہ کی منت مانی تو یہ منت صحیح نہیں ہے۔ (عالمگیری)

اعتکاف کا بیان

روزہ تعمیلِ ارشادِ خداوندی میں تزکیۂ نفس، تصفیۂ باطن اور تربیتِ جسم کے لیے ایک بہترین دستور العمل ہے۔ اشخاص کے انفرادی اور امت کے اجتماعی ہر دو نقطۂ نظر سے۔ چنانچہ غیبت، فحش، بدگوئی، بدزبانی اور بدنظری وغیرہ تمام گناہوں سے روزہ میں بچے رہنے کی سخت تاکیدیں احادیث میں آئی ہیں۔

گناہ و معصیت، کسی قسم اور کسی درجہ کی بھی ہو مسلمان کے لیے ہر زمانہ اور ہر موسم میں حرام ہے۔ لیکن رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں یہ ممانعت اور شدید زیادہ مؤکد ہو جاتی ہے۔ روزہ دار کی رات بھی گویا عبادت میں بسر ہوتی ہے اور دن تو خیر اتنی بڑی عبادت، یعنی حکمِ الٰہی کے احترام میں، نفس و طبیعت کی لذتوں اور جائز

خواہشوں سے اجتناب و احتراز، اور دوری میں بسر ہوتا ہی ہے۔ پورے مہینے بھر کے رات اور دن کا ایک ایک گھنٹہ، سپاہِ اسلام کی روحانی پریڈ کا زمانہ ہے۔ جبکہ جدید و قدیم سب اس پر متفق ہیں کہ روزہ جسمانی بیماریوں کے دور کرنے کا بہترین علاج اور جسمِ انسانی کے لیے ایک بہترین مصلح ہے۔ پھر اس سے سپاہیانہ ہمت اور ضبطِ نفس کی روح، جو ساری امت میں تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کے لحاظ سے بھی مہینہ بھر کی یہ سالانہ مشق ایک بہترین نسخہ ہے فرد و ملت کی صلاح و فلاح اور اصلاحِ احوال کا۔

اسلامی روزے کی اصل غرض و غایت قرآن کریم صراحتاً بیان فرماتا ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

تو روزے سے مقصود تقویٰ و پرہیزگاری اور کسرِ نفسی کی عادت ڈالنا اور امت مرحومہ اور اس کے ہر ہر فرد کو متقی و پرہیزگار بنانا ہے۔ اور تقویٰ نفس کی ایک مستقبل کیفیت کا نام ہے جس کی بدولت متقی کا ضمیر زندہ رہتا اور اس کے دل میں خوف خدا جاگزیں رہتا ہے۔

جس طرح مضر و ضرر رساں غذاؤں اور نقصان دہ عادتوں سے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت برقرار رہتی اور مادی لذتوں سے لطف و انبساط، سرور و نشاط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے اور خونِ صالح پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح اس عالم میں تقویٰ اختیار کر لینے اور جتنی عادتیں صحتِ روحانی و حیاتِ اخلاقی کے حق میں نقصان رساں ہیں، ان سے بچے رہنے سے، عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت و استعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہو کر رہتی ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی فضیلت تمام دوسری قوموں کے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے۔ تو اصل چیز جسے روزہ کی روح کہنا چاہیے تقویٰ ہے اور تقویٰ کا نتیجہ ہے فلاحِ آخرت۔ روحانی لذتوں، غیر فانی نعمتوں اور باقی رہنے والی آسائشوں سے فیض یاب اور بہرہ مند ہونا۔

یوں تو رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی خیر و برکات اور رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے۔ اور جب یہ ماہ مبارک آتا ہے تو آسمان کے دروازے، جنت کے دروازے اور

رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ سرکش شیطانوں کے طوق ڈال دیئے جاتے ہیں۔ انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور رحمتِ الٰہی اپنے بندوں کو بار بار اپنی طرف بلاتی اور انہیں رضائے الٰہی کی راہیں دکھاتی ہے کہ اے خیر طلب کرنے والے متوجہ ہو، اور اے شر کے چاہنے والے (اپنی نازیبا حرکتوں سے) باز رہ۔

لیکن جیسے جیسے یہ رات اور دن گزرتے جاتے ہیں، رحمتِ الٰہی کی بارشیں فزوں سے فزوں تر ہونے لگتی ہیں۔ اس ماہ کا پہلا عشرہ، رحمتوں کی بشارتیں لایا، دوسرے عشرے نے مغفرتوں کی خوشخبریاں دیں اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا پیغام سناتا اہل ایمان کے سروں پر جاگزیں ہوا۔ تو اس ماہ مبارک کا آخری عشرہ نزولِ رحمت و برکت کا خاص عشرہ ہے جو اللہ عزوجل کے روزے دار بندوں کو مخصوص بہ عنایتِ الٰہی اور مزید انعام و اکرام کا مستحق بنا دیتا ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث کریمہ میں یہ مضمون وارد ہے کہ جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے اللہ عزوجل اپنی مخلوق کی طرف نظر فرماتا ہے اور جب اللہ کسی بندہ کی طرف نظر فرمائے تو اسے کبھی عذاب نہ دے گا اور ہر روز دس لاکھ کو جہنم سے آزاد فرماتا ہے اور جب انتیسویں رات ہوتی ہے تو مہینے بھر میں جتنے آزاد کیے ان کے مجموعے کے برابر، اس ایک رات میں آزاد کرتا ہے پھر جب عید الفطر کی رات آتی ہے ملائکہ خوشیاں کرتے ہیں اور اللہ عزوجل اپنے نور کی خاص تجلی فرماتا ہے اور فرشتوں سے فرماتا ہے اے گروہ ملائکہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے کام پورا کر لیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں اس کو پورا اجر دیا جائے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کو بخش دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے اور دنیاوی علاقوں سے انقطاع و لاتعلقی۔ جو یوں بھی ہر زمانہ میں کامل رہتی، اس عرصہ کے لیے کامل تر ہو جاتی۔ اعتکاف مسنونہ یہی ہے اور اسی کو فقہائے کرام نے سنتِ کفایہ قرار دیا ہے۔

روحانی قوتوں اور باطنی توانائیوں کا ذخیرہ اپنے اندر بھر لینے اور اپنے آپ کو

روحانی و ایمانی اعتبار سے تازہ دم کر لینے کے لیے، اس سے بہتر اور موثر نسخہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ عین اس زمانہ میں، جبکہ بیس دن کی مسلسل طاعت و عبادت اور شب و روز کے ذکرِ الٰہی و فکرِ ایمانی سے، رُوح پر صیقل ہو چکی ہو، ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو، انسان اور صاحبِ ایمان مسلمان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسوئی و انقطاع اور ہر قسم کی دنیاوی خواہشات سے دوری کے عالم میں لے آئے اور اخلاص و للّٰہیت کی مشقتوں کو، دعاؤں سے، پُرخلوص عبادتوں سے، ذکر و فکر اور اذکار و اشغال سے منتہائے کمال پر پہنچانے میں اپنی توانائیاں صرف کر دے۔ علائقِ دنیاوی سے اسی انقطاع کا نام زبانِ شرع میں اعتکاف ہے۔

اعتکاف کے لغوی معنی ہیں اپنے کو کسی شے پر روک رکھنے یا لازم کر لینے کے۔ اور اصطلاحِ شریعت میں نام ہے مسجد کے اندر، بہ نیت عبادت، قیام کو کسی مدت کے لیے لازم کر لینے کا۔ یا بالفاظِ دیگر اعتکاف سے شرعاً مراد ہے، مسجد میں بیٹھ کر اپنے کو عبادتِ حق کے لیے مقید کر لینا کہ بجز بشری و شرعی ضرورتوں کے اور کسی حال میں باہر نہ نکلا جائے۔ اسی لیے معتکف پر لازم ہے کہ ہر وقت مسجد میں ہی رہے سہے، کھائے پیے، سوئے جاگے اور بغیر مادی و شرعی ضرورت شدیدہ کے، مسجد سے باہر قدم نہ نکالے۔ دوسرے دنیاوی معاملات، مثلاً لوگوں سے بات چیت کرنا، ضرورت کی کوئی چیز خریدنا یا فروخت کرنا، حالتِ اعتکاف میں جائز ہیں۔ بشرطیکہ ان میں کوئی بات احترام مسجد یا آدابِ اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہو جائے اور کھانے پینے میں یہ احتیاط لازم ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ (ملتقط) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف کر لیا تو ایسا ہے جیسے دو حج اور دو عمرے کیے۔

چند مسائل متعلق باحکامِ اعتکاف

(ا) اعتکاف کے لیے مسلمان، عاقل اور جنابت و حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔ بلوغ شرط نہیں بلکہ نابالغ جو تمیز رکھتا ہے اگر بہ نیت اعتکاف مسجد میں ٹھہرے تو یہ

اعتکاف صحیح ہے۔

(۲) عورت کو مسجد میں اعتکاف مکروہ ہے بلکہ وہ گھر ہی کے اس گوشہ میں اعتکاف کرے جسے نماز و عبادت کے لیے مخصوص کر لیا جائے اور جسے مسجدِ بیت (گھریلو مسجد) کہتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ اس جگہ کو چبوترہ وغیرہ کی طرح بلند کر لیا جائے۔ یا وہاں کوئی تخت وغیرہ ڈال دیا جائے تاکہ مرد بھی وہاں نوافل ادا کر سکیں کہ نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے اور فرض کر لیں کہ گھر میں نماز کے لیے کوئی جگہ مخصوص و مقرر نہیں ہے مگر جب اعتکاف کا ارادہ کیا اس وقت کسی گوشۂ مکان کو نماز و عبادت کے لیے خاص کر لیا تو اب اس جگہ اعتکاف کر سکتی ہے۔ جگہ مقرر کیے بغیر عورت گھر میں اعتکاف نہیں کر سکتی۔

(۳) اعتکاف تین قسم پر ہے:

(۱) واجب کہ اعتکاف کی منت مانی۔

(۲) سنتِ مؤکدہ کہ رمضان کے پورے عشرۂ اخیرہ یعنی آخر کے دس دن میں اعتکاف کیا جائے۔ یعنی بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت بہ نیت اعتکاف مسجد میں داخل ہو اور تیسویں کے غروب کے بعد یا انتیس کو چاند ہونے کے بعد نکلے۔ اور یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے کہ بستی میں اگر سب ترک کر دیں تو سب سے مطالبہ ہوگا اور اگر ایک نے کر لیا تو سب بری الذمہ۔ اور پوری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائے گی۔

(۳) مستحب، ان دونوں کے علاوہ ہر اعتکاف۔ اور اس اعتکافِ مستحب کے لیے نہ روزہ شرط ہے نہ اس کے لیے کوئی وقتِ خاص مقرر ہے۔

(۴) اعتکاف سنت کے لیے روزہ شرط ہے۔ لہٰذا اگر کسی مریض یا مسافر نے اعتکاف تو کیا مگر روزہ نہ رکھا تو سنت ادا نہ ہوئی بلکہ نفل ہوا۔

(۵) منت کے اعتکاف میں بھی روزہ شرط ہے۔ لہٰذا اگر رات کے اعتکاف کی منت مانی تو یہ منت صحیح نہیں کہ رات میں روزہ نہیں ہو سکتا۔ یونہی اگر ضحوۂ کبریٰ کے وقت (یعنی زوال سے تقریباً چالیس منٹ قبل) منت مانی اور روزہ نہ تھا تو بھی یہ منت صحیح

نہیں کہ اب روزہ کی نیت نہیں ہو سکتی۔

(۶) نفلی روزہ رکھا تھا اور اس دن کے اعتکاف کی منت مانی تو یہ منت صحیح نہیں۔ کہ اعتکافِ واجب کے لیے نفلی روزہ کافی نہیں اور یہ روزہ واجب ہو نہیں سکتا۔

(۷) اعتکافِ واجب میں معتکف کو مسجد سے بغیر عذر نکلنا حرام ہے۔ اگر نکلا تو اعتکاف جاتا رہا اگرچہ بھول کر نکلا ہو۔ یونہی اعتکافِ سُنّت بھی بغیر عذر نکلنے سے جاتا رہتا ہے۔ یونہی عورت نے مسجد بیت میں اعتکاف واجب یا مسنون کیا تو بغیر عذر وہاں سے نہیں نکل سکتی۔ اگر وہاں سے نکلی اگرچہ گھر ہی میں رہی اعتکاف جاتا رہا۔

(۸) معتکف کو مسجد سے نکلنے کے دو عذر ہیں: ایک ضرورتِ طبعی کہ مسجد میں پوری نہ ہو سکے جیسے پاخانہ، پیشاب، استنجاء و وضو اور غسل کرنا ضروری ہو جائے تو غسل۔ دوم حاجتِ شرعی مثلاً مرد کو عید یا جمعہ کے لیے جانا اور اگر مرد نے ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جہاں جماعت نہیں ہوتی تو جماعت کے لیے نکلنے کی اجازت ہے۔

(۹) معتکف قضائے حاجت کو گیا تو طہارت کر کے فوراً واپس چلا جائے۔ اب ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ اگر کسی کے دو مکان ہیں ایک نزدیک دوسرا دور تو نزدیک والے مکان میں جائے کہ بعض مشائخ کے نزدیک اگر دور والے میں جائے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

(۱۰) معتکف کو وطی کرنا اور عورت کا بوسہ لینا یا اسے چھونا یا گلے لگانا حرام ہے۔ البتہ جماع سے بہر حال اعتکاف فاسد ہو جائے گا اگرچہ بھول کر ہو اور جماع کے علاوہ اور امور میں اگر انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد ہے ورنہ نہیں۔

(۱۱) معتکف نے دن میں بھول کر کھا پی لیا تو اعتکاف فاسد نہ ہوا۔ گالی گلوچ یا جھگڑا کرنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا مگر بے نور و بے برکت ہو جاتا ہے۔

(۱۲) معتکف نکاح کر سکتا ہے اور عورت کو رجعی طلاق دی ہے تو رجعت بھی کر سکتا ہے مگر ان امور کے لیے اگر مسجد سے باہر ہوگا تو اعتکاف جاتا رہے گا۔ اور جماع اور بوسہ وغیرہ سے اس کی رجعت حرام ہے اگرچہ رجعت ہو جائے گی۔

(۱۳) معتکف مسجد ہی میں کھائے پیئے اور سوئے۔ ان امور کے لیے مسجد سے باہر

ہو گا تو اعتکاف جاتا رہے گا مگر کھانے پینے میں یہ احتیاط لازم ہے کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔

(۱۴) معتکف کو اپنی یا بال بچوں کی ضرورت سے مسجد میں کوئی چیز خریدنا یا بیچنا جائز ہے بشرطیکہ وہ چیز مسجد میں نہ ہو۔ یا ہو تو تھوڑی ہو کہ جگہ نہ گھیرے اور اگر خرید و فروخت بقصد تجارت ہو تو ناجائز۔ اگرچہ وہ چیز مسجد میں نہ ہو۔

(۱۵) معتکف اگر بہ نیت عبادت سکوت کرے یعنی چپ رہنے کو ثواب کی بات سمجھے تو مکروہ تحریمی و گناہ ہے اور اگر چپ رہنا ثواب کی بات سمجھ کر نہ ہو تو حرج نہیں اور بری بات سے چپ رہا تو یہ مکروہ نہیں۔ بلکہ یہ تو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے کیونکہ بری بات زبان سے نہ نکالنا واجب ہے۔ اور جنہیں اپنے غصہ پر اختیار نہ ہو اور خلافِ مزاج، کچھ دیکھ کر یا سن کر، وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو جاتے ہوں تو فقہاء نے فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں اعتکاف نہ کرنا ہی بہتر ہے کہ معصیتِ شدیدہ اور ناحق ایذاء رسانی، اگرچہ زبان سے ہو، عبادت او اعتکاف کے، اسی طرح منافی اور ناقص ہے جس طرح جسمانی ناپاکیاں بوّل وبراز وغیرہ نماز وطہارت کے منافی و ناقص ہیں۔ اور جس بات میں نہ ثواب ہو نہ گناہ۔ یعنی مباح بات بھی معتکف کو مکروہ ہے مگر بوقتِ ضرورت اس کی رخصت ہے۔ اور بلاضرورت مسجد میں مباح کلام نیکیوں کو ایسے کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

(۱۶) معتکف نہ چپ رہے نہ کلام کرے تو کیا کرے۔ یہ کرے قرآن مجید کی تلاوت، (اور فہم معانی کے ساتھ ہو کہ جو پڑھے اس کا صحیح ترجمہ و تفسیر بھی ذہن نشین کرتا جائے تو سونے پر سہاگہ) حدیث شریف کی قرأت، درود شریف کی کثرت، علمِ دین کا درس و تدریس۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے سیرو اذکار، اولیاء و صالحین کی حکایات اور امورِ دین کی کتابت، تسبیح و تہلیل، استغفار اور اپنی کوتاہیوں اور سہل انگاریوں پر توبہ و ندامت۔

بحالتِ اعتکاف، اخبارات و لایعنی جرائد، فواحش و اکاذیب، جھوٹی سچی اور لاحاصل کہانیوں اور افسانوں پر مشتمل رسائل کے مطالعہ میں انہماک، اعتکاف کے علاوہ بھی ضیاعِ وقت ہے اور بحالتِ اعتکاف تو کہنا چاہیے کہ یہ کراہت، شدید سے شدید تر اور ناپسندیدہ سے ناپسندیدہ تر ہو جاتی ہے۔ پھر یہ دنیاوی آلائشوں سے انقطاع ہوا

یا ان آلائشوں میں اور زیادہ تلوث و آلودگی اور وہ بھی کہاں؟ خانۂ خدا میں بیٹھ کر۔ گوشہ نشینی کے پس پردہ۔

(۱۷) اعتکافِ نفل اگر چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں کہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ اور اعتکافِ مسنون کہ رمضان کی پچھلی دس تاریخوں تک کے لیے بیٹھا تھا، اسے توڑا تو جس دن توڑا، فقط اس ایک دن کی قضا کرے۔ پورے دس دن کی قضا واجب نہیں اور منت کا اعتکاف۔ اگر علی الاتصال واجب ہوا تھا اور توڑ دیا تو سرے سے اعتکاف کرے ورنہ باقی کا۔

(۱۸) اعتکاف کی قضاء صرف قصداً توڑنے سے نہیں بلکہ اگر عذر کی وجہ سے چھوٹا مثلاً بیمار ہو گیا یا عورت کو حیض و نفاس آگیا تو ایسی صورت میں بھی قضا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، عالمگیری وغیرہ) واللہ تعالی اعلم۔

لیلۃ القدر کے فضائل و اعمال

اعتکاف کے بیان میں ہم یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ خیر و برکات اور رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے۔ اور جیسے جیسے یہ برکت و رحمت والے شب و روز گزرتے جاتے ہیں، رحمتِ الٰہی کی بارشیں فزوں سے فزوں تر ہونے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ تیسرا عشرہ مغفرتوں کی خوشخبریاں سناتا سایہ گستر ہوتا ہے اور مسلمان مرد اور مسلمان بیبیاں بتوفیقِ الٰہی، عالمِ آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت اور استعداد اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے اور عنایتِ الٰہی مزید انعام و اکرام کا مستحق بننے کے لیے، دنیاوی علاقوں سے لاتعلق ہو کر اعتکاف میں بیٹھ کر، شب و روز کے ذکرِ الٰہی اور فکرِ ایمانی سے اپنی رُوح پر صیقل کرتے اور ملکوتی صفات کو بیدار کرتے ہیں۔

اور کرمِ الٰہی کی جلوہ فرمائیاں دیکھئے کہ عین اسی عالم میں کہ بندۂ مومن اخلاص و للّٰہیت کی مشقتوں، پُرخلوص عبادتوں اور ریاضتوں میں اپنی توانائیاں صرف کر رہا ہوتا

ہے، عنایتِ الٰہی سے لیلتہ القدر جلوہ فرما ہوتی ہے۔

اپنی لطافت و پاکیزگی اور نورانیت و جلوہ فرمائی میں آپ اپنی مثال جس کی تابشوں کے سامنے آفتاب شرمندہ، ماہتاب خجل، یہ وہی مبارک و معظم رات ہے جس کی برکتوں اور عظمتوں پر قرآن کریم شاہد عدل کہ:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ۔ بے شک ہم نے اسے شبِ قدر میں اُتارا۔

تو یہ ماہِ مبارک صرف اسی لحاظ سے مبارک نہیں کہ اس میں انسان، صبر و ضبط کی عظیم نعمتوں سے نوازا جاتا ہے بلکہ اس خیر و برکت والے مہینہ کا، سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ اسی ماہ میں اوّل اوّل دنیا کے لیے بہترین، کامل ترین اور جامع ترین، ہدایت نامہ اتارا گیا۔ اور اسی ماہِ منور میں، انسانیت کے ظلمت کدہ کو، نورانیت کے بدرِ کامل سے پُرانوار بنایا گیا۔ اور اسی بابرکت موسم میں انسان کے کان میں پہلی مرتبہ نغمۂ ازل کی پہلی آواز بیہوشوں کو بیدار، اور ہوشیاروں کو سرشار کرنے والی پکار پہنچی جس سے بڑھ کر کوئی دولت، جس سے اعلیٰ کوئی نعمت، جس سے برتر کوئی رحمت عالمِ تصوّر میں موجود نہیں۔ شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ۔ اور اسی ماہِ مبارک کی نُورانی آغوش میں پوشیدہ لہلہاتی جگمگاتی، نورانیت سے منور روحانیت سے معطر وہ مبارک و بابرکت رات ہے، جسے خود خالق کائنات نے لیلتہ القدر فرمایا۔ یعنی شرف و برکت والی رات۔

اسی شبِ مبارک و معظم میں اس کلام پاک کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ اسی شب میں یہ کلام عرشِ بریں پر، لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر اتار دیا گیا۔ جبکہ کل قرآن مجید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، رفتہ رفتہ، حسبِ مصلحتِ خداوندی ۲۲۔۲۳ سال کی مدت لگی۔ اور سب سے پہلی وحی، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ماہِ مبارک رمضان کے آخری عشرہ کی کسی طاق رات میں ہوئی تھی جبکہ یہ عظمت و منزلت والی مبارک رات بھی، انہیں طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ غرض آیۂ کریمہ صاف صریح ارشاد فرما رہی ہے کہ یہ رات معمولی رات نہیں بلکہ وہ رات ہے جس میں کلامِ ربانی کے نزول کی ابتدا ہوئی۔

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ۔ اور تم نے کیا جانا، کیا ہے شبِ قدر۔

یعنی یہ رات، کیسی بزرگیوں اور شرافتوں اور فضیلتوں والی رات ہے اور اپنی جلو میں کیسی کیسی عظمتوں کو لیے آتی ہے، یہ کسے معلوم ہے؟

خطباتِ عرب، خصوصاً قرآن پاک کے اسلوبِ بلاغت کے مطابق، زیادہ شوق پیدا کرنے کے لیے سوال قائم کیا جارہا ہے پھر خود ہی اس کا جواب مرحمت ہوتا ہے اور جواب میں لیلتہ القدر کو دہرانا محض اس کی اہمیت و عظمتِ خصوصی کے اظہار کے لیے ہے۔ چنانچہ جواب دیا گیا کہ:

لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر۔

یعنی اجرِ عبادت اور ثوابِ طاعت کے اعتبار سے، اس ایک رات کا عمل خیر اور کارِ طاعت و ثواب اور بندگیٔ ربّ الارباب، ایسے ہزار مہینوں کے عمل خیر و طاعت سے افضل و بہتر ہے، جن میں شبِ قدر شمار نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم نے گزشتہ امتوں کے ایک اطاعت گزار بندۂ مومن کا ذکر فرمایا کہ وہ تمام رات عبادت میں گزارتا تھا اور تمام دن جہاد میں مصروف رہتا تھا۔ اس طرح ہزار مہینے گزارے تھے۔

مسلمانوں کو اس پر تعجب بھی ہوا اور اس کی مصروفیات پر رشک بھی آیا۔ اس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی اور مسلمانوں کو شبِ قدر مرحمت فرمائی گئی جو اجر و ثواب کے اعتبار سے ایک ہزار کے مسلسل امورِ طاعت سے کہیں بہتر و افضل ہے۔

رب کریم کے یہاں انعام و بخشش کی مرحمتوں اور عطاؤں میں کیا کمی۔ اس رب جواد و کریم و رؤف و رحیم جل جلالہ و عم نوالہ کی ہزار در ہزار، صد ہزار بے شمار نعمتیں ہیں جو ایک ایک روئیں پر، ہروقت ہر آن اُترتی ہیں، سر سے پاؤں تک صحت، عافیت، بلاؤں سے محافظت، کھانے کا ہضم، خون کی روانی، اعضاء میں طاقت، آنکھوں میں روشنی، بے حساب، انہی کے فضل و کرم سے بے مانگے، بے چاہے بندوں پر اتر رہی ہیں اور وہ بے حد و حساب بخشش فرماتا ہے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیبِ اکرم، محبوبِ

معظم پر کرم بالائے کرم ہے کہ آپ کے مسلمان امتی، شبِ قدر کی ایک رات طاعت و عبادت میں گزاریں اور ان کا ثواب پچھلی امت کے ہزار ماہ، عبادت کرنے والوں سے کہیں زیادہ ہو۔

عبادتوں کا اجر یوں ہی معمولاً کیا کم ہوتا ہے، لیکن جب یہ رات نزولِ قرآن کی سالگرہ والی رات آتی ہے تو وہ اجر بھی بڑھ ہی نہیں جاتا بلکہ ہزار گنے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

حساب سے ہزار مہینوں کے تقریباً تراسی سال ہوتے ہیں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد اس سے کوئی عدد معین نہ ہو بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق کہ وہ کسی بڑی تعداد کا تصوّر دلانے کے لیے ہزار کا لفظ بولتے تھے۔ (اور ہمارے اطراف میں بھی یہ محاورہ شائع و عام ہے) محض تکثیرِ عدد مراد ہو تو اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ اس ایک رات میں اطاعت و عملِ خیر کا ثواب اتنا کثیر در کثیر ہے کہ تم اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا۔ — اس میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں۔

آیہ کریمہ میں ملائکہ سے مراد، ملائکۂ رحمت ہیں اور الروح سے مراد، روح الامین یعنی فرشتۂ اعظم حضرت جبریل امین ہیں۔ علیہ السلام۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جب شبِ قدر آتی ہے تو جبریل امین فرشتوں کے ایک جمِ غفیر کے ساتھ زمین پر آتے ہیں اور یہ گروہِ ملائکہ، ہر اس بندۂ مومن کو جو کھڑا یا بیٹھا، ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے، سلام کرتے ہیں اور اس کے حق میں دعائے مغفرت و استغفار اور التجائے رحمت کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا کہ وہ ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں اور صوفیائے کرام سے اس کی علامت یہ مسموع و منقول ہے کہ اس بندۂ عبادت گزار کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل ایک عجیب سی کیفیت میں سرشار ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ۔ — اپنے رب کے حکم سے، ہر کام کے لیے۔

یعنی ملائکۂ رحمت اور حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ نزول، از خود نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام تر امرِ الٰہی کی تعمیل میں ہوتا ہے۔ انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ زمین کے اطراف و اکناف میں، اس کے مشارق و مغارب میں پھیل کر، میرے محبوب کے ان امتیوں کی زیارت کرو، انہیں سلامتی و عافیت کی خوشخبریاں پہنچاؤ اور نویدِ رحمت سناؤ، ان سے مصافحہ کرو، ان کے حق میں دعائے عفو و عافیت اور التجائے بخشش و مغفرت کرو جو یادِ الٰہی میں مصروف رحمتِ حق سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ — وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک۔

یعنی شبِ قدر میں نازل ہونے والی رحمتیں اور برکتیں اور یہ رُوح پرور اور ایمان افروز کیفیتیں، رات کے کسی خاص حصّے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ رات بھر صبح کے طلوع ہونے تک، برابر جاری و ساری رہتی ہیں اور رحمتِ خداوندی، پکار پکار کر اپنے بندوں کو بلاتی اور گوہرِ مقصود سے ان کا دامن بھرنا چاہتی ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ:

سال بھر میں شبِ قدر ایک مرتبہ آتی ہے اور روایاتِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ وہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ میں ہوتی ہے اور اکثر اس کی بھی طاق راتوں میں سے کسی رات میں۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ یہی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اس پر قسم بھی کھایا کرتے تھے۔

اس رات کے متعین نہ کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ امتِ مرحومہ کے مسلمان مرد اور مسلمان بیبیاں، زیادہ نہیں تو کم از کم پانچ طاق راتیں تو ذکرِ الٰہی میں گزاریں اور سرِ بندگی اس کی بارگاہ میں جھکائیں اور رب العالمین کی فزوں سے فزوں تر نعمتوں سے بیش از بیش بہرہ ور ہوں اور شبِ قدر کے فیوض و برکات حاصل کرنے کے

شوق میں زیادہ سے زیادہ راتیں عبادت میں گزاریں اور کسی ایک رات پر اکتفا نہ کریں۔

شبِ قدر کا اہتمام اور شب بیداری

احادیثِ کریمہ میں اس شبِ مبارکہ کی بہت فضیلتیں وارد ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ "جس نے اس رات میں، ایمان و اخلاص کے ساتھ، شب بیداری کر کے عبادت کی، اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے۔"

اسی شب کے لیے ابن ماجہ میں مروی کہ "جو اس سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہا۔ اور اس کی خیر سے وہی محروم ہو گا جو پورا محروم ہے۔"

ان ترغیبات اور اس ترہیب و تخویف کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اس سے غفلت نہ برتیں اور خود کو مایوسیوں اور محرومیوں کا شکار نہ بنائیں۔

اس معظم و مبارک شب میں جو اعمال بزرگانِ دین سے منقول ہیں اور بحمدہٖ تعالیٰ مسلمانوں کا معمول ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) چار رکعت نوافل، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ انا انزلنہ اور سورۂ اخلاص یعنی قل ھو اللہ پانچ پانچ مرتبہ پڑھیں۔

(۲) چار رکعت نوافل، ہر رکعت میں سورۂ الحمد شریف کے بعد الھکم التکاثر ایک بار اور سورۂ اخلاص تین بار پڑھ کر نماز ختم کریں۔

(۳) بارہ رکعتیں، دو دو کی نیت سے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ شریف پچاس مرتبہ پڑھیں۔

(۴) بارہ رکعت نفل ادا کریں، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد انا انزلنہ تین بار اور قل ھو اللہ شریف دس بار پڑھ کر نماز ختم کر کے سلام پھیریں اور بعدِ سلام سو بار کلمۂ تمجید پڑھیں۔ کلمۂ تمجید یہ ہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا

قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

(۵) یہ دعا بکثرت پڑھیں: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ يَا غَفُوْرُ۔

دعا میں آدابِ دعا کا لحاظ رکھے۔ محبوبانِ خدا کے واسطے سے دعا کرے اور اپنی دعا میں سب اہلِ اسلام کو، خصوصاً والدین اور مشائخ و اساتذہ کو شریک کر لے کہ اگر یہ خود قابلِ عطا نہیں، تو کسی بندے کا طفیلی ہو کر مراد کو پہنچ سکے۔

شب بیداری کا مفہوم

مولائے کریم نے اپنے بندگانِ خاص کے اوصاف میں یہ وصف بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔

یعنی جب دنیا والے خوابِ راحت میں مصروف، چین کی نیند کے مزے لوٹنے میں مشغول ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہ بندے مولیٰ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور تقدیس و تمجید میں رطب اللسان رہتے ہیں، نہ انہیں نیند ستاتی ہے نہ گرمی و سردی انہیں یادِ الٰہی سے باز رکھتی ہے اور نہ دنیاوی لذتیں اور خواہشیں ان کا دل لبھاتی ہیں اور نہ نرم و گداز بستروں کی آسائشیں انہیں یادِ الٰہی سے بہکاتی ہیں اور اس اہتمام تام کے باوجود کہ وہ ساری ساری راتیں نماز و عبادت میں گزار دیتے ہیں، ان کی خشیت قلب کی کیفیت یہ رہتی ہے کہ آنکھیں نمناک اور دل خوفِ الٰہی سے لبریز، کہ نہ جانے ہماری یہ نماز و عبادت شرفِ قبولیت پاتی ہے یا نہیں۔

تو شب بیداری، عبادت و طاعت میں رات بسر کرنے کا نام ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کرم سے تھوڑی عبادت کرنے والوں کو بھی شب بیداری کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جس نے بعد نمازِ عشاء دو رکعت یا زیادہ نفل پڑھ لیے وہ شب بیداری کرنے والوں میں داخل ہو گیا۔ اور کم از کم اس کا درجہ یہ ہے کہ عشاء و فجر کی نماز باجماعت ادا کر لی جائے۔ حضرت عثمان غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی اس نے نصف شب کے قیام کا ثواب پایا اور جس نے فجر بھی باجماعت ادا کی وہ تمام شب کے عبادت کرنے والوں کی مثل ہے۔ محض جاگ کر رات گزار دینا، ہرگز شب بیداری نہیں اور خصوصاً مبارک راتوں کو گناہ و معصیت میں مصروف رہنا خود کو محرومی کے غار میں گرا دینے کے مترادف ہے۔ مولائے کریم توفیق خیر رفیق بخشے۔ (آمین)

حج کا بیان

حج اسلام کا پانچوں یا عبادت اسلامی کا چوتھا رکن یا نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے بعد چوتھا فریضہ ہے۔ جو امت محمدیہ کے ہر فرد پر، خواہ وہ دنیا کے کسی علاقہ کا باشندہ ہو عمر بھر میں صرف ایک بار فرض ہے۔ مگر صرف ان لوگوں پر جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ حج ۹ھ میں فرض کیا گیا۔ اس کی فرضیت قطعی ہے جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام جس طرح آخرت میں فلاح و نجات کا ضامن ہے اسی طرح دنیا میں بھی کامیابی و کامرانی کا پیغام ہے اور اس کی فلاحِ دارین کی یہ جامعیت اس کی ہر عبادت سے بالکل صاف ظاہر ہو رہی ہے۔

وضو، نماز، نماز باجماعت، روزہ، زکوٰۃ یہ سب رُوح کو جلا دینے اور اپنے باطن کو پاکیزگی سے معمور کرنے کے ساتھ دنیاوی، مادی، جسمانی، معاشی فائدوں اور مصلحتوں سے بھی کتنے لبریز ہیں۔ یہ وہی جانتے ہیں جو عقلِ کامل اور چشمِ بینا کی دولت سے مالا مال ہیں۔ یہی اصول حج کے بارے میں بھی کام کر رہے ہیں۔

امت کے مختلف طبقوں کا دنیا کے مختلف گوشوں سے منزل در منزل خشکی و تری کا یہ سفرِ حج اور عظیم الشان اجتماع، ایک خشک عبادت اور محض ذکر الٰہی کے لیے نہیں، فرد و ملت دونوں کے لیے یعنی انفرادی و اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور کیے جانے چاہئیں۔ ہر مزاج، ہر قماش اور جُداگانہ معاشرہ رکھنے والے،

اسلام کے شیدائیوں کا یہ اجتماع رنگ رلیاں منانے کے لیے نہیں، جاہلی قوموں کے میلوں ٹھیلوں کی طرح روشنی اور آتشبازی کے لیے نہیں خواب غفلت میں پڑے رہنے کے لیے نہیں، فخریہ قصیدوں اور شعر و شاعری میں صرف کرنے کے لیے نہیں، لغویات اور مہملات میں گزارنے کے لیے نہیں، قرآن کریم بار بار یاد دلاتا ہے کہ یہ اجتماع ذکر و عبادتِ الٰہی کے لیے ہے۔

تو یہ کہنا چاہیے کہ حج گویا دنیائے اسلام کا بین الاقوامی سالانہ اجتماع ہے جس سے قوم و ملت اسلامیہ کے دینی و دنیاوی مفاد وابستہ ہیں۔ اس کا مقصدِ اعظم شوکتِ اسلام کا اظہار بھی ہے اور مسلمانوں کو اس سفر سے جو فوائد ہو سکتے ہیں وہ بھی اس مقصود کے ضمن میں داخل ہیں۔ اسی سے اسلامی عالم میں دینی رابطے مضبوط ہوتے ہیں اور مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگتوں اور مختلف ملکوں کے اشخاص کو دینِ واحد کی وحدت میں پرو دیا جاتا ہے۔

حج میں سب کے لیے وہ سادہ، بن سلا لباس جو نسل انسانی کے پدر اعظم آدم علیہ السلام کا تھا، تجویز کیا گیا ہے تاکہ ایک ہی رسول، ایک ہی قرآن، ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے ایک ہی صورت میں، ایک ہی لباس میں، ایک ہی سطح پر نظر آئیں اور چشم ظاہر بین کو بھی، اتحادِ معنوی رکھنے والوں کے اندر، کوئی اختلافِ ظاہری محسوس نہ ہو سکے۔ (ماخوذ)

ضروری مسائل

مسئلہ: حج کی فرضیت میں عورت مرد کا ایک ہی حکم ہے۔ جو راہ کی طاقت رکھتا ہے اس پر حج فوراً فرض ہے یعنی اسی سال میں اور اب تاخیر گناہ ہے۔ مرد ہو یا عورت جو ادا نہ کرے گا، عذاب جہنم کا مستحق ہوگا۔ عورت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ اسے بغیر شوہر یا محرم کے ساتھ لیے سفر کو جانا حرام ہے اور اس میں کچھ سفرِ حج کی خصوصیت نہیں کہیں بھی ایک دن کے راستے پر بے شوہر یا محرم کے جائے گی تو گناہ گار ہوگی۔ ہاں جب

فرض ادا ہو جائے تو بار بار سفر کرنا عورت کو مناسب نہیں کہ وہ جس قدر پردہ کے اندر ہے، اسی قدر بہتر ہے۔ حدیث میں اس قدر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین (ازواج مطہرات) کو حج کرا کر فرمایا "یہ ایک حج ہو گیا اس کے بعد گھر کی چٹائیاں" اس کا مطلب یہ نہیں کہ عورت کو دوسرا حج ناجائز ہے۔ بلکہ بہتر ہے کہ اب نہ جائے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عورت کے ہمراہ سفر میں محرم کا ہونا شرط ہے۔ خواہ وہ عورت جوان ہو یا بڑھیا۔ عفیفہ ہو ضعیفہ۔ یہ عفیفہ ہے تو جن سے اس پر اندیشہ ہے وہ تو عفیف نہیں اور ضعیفہ ہے تو جہاز یا دوسری سواری پر چڑھانے اتارنے کے لیے ضعیفہ کو دوسرے شخص کی زیادہ حاجت ہے۔ اور محرم سے مراد وہ مرد ہے جس سے ہمیشہ کے لیے اس عورت کا نکاح حرام ہے خواہ نسبت کی وجہ سے حرام ہو جیسے باپ بیٹا، بھائی چچا ماموں وغیرہ۔ یا دودھ کے رشتہ سے نکاح کی حرمت ہو جیسے رضاعی بھائی باپ بیٹا وغیرہ۔ یا سسرالی رشتہ سے حرمت آئی جیسے سسر، شوہر کا بیٹا وغیرہ۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: محرم جس کے ساتھ عورت سفر کر سکتی ہے، اس کا عاقل بالغ ہونا بھی شرط ہے کہ وہ اس کی حفاظت کر سکے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ محرم بے غیرت فاسق نہ ہو۔ ایسے بے حمیت محرم کے ساتھ بھی عورت کو سفر حرام ہے کہ ناحفاظتی کا اندیشہ سامنے موجود ہے تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: حج کا جانا ثواب کے لیے ہے اور بے محرم جانے یا ایسے بے غیرت کے ساتھ رہنے میں یا منہ بولے بیٹے یا ایسے باپ کو ساتھ رکھنے میں ثواب کے بدلے ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔ اگرچہ بغیر محرم کے چلی گئی اور حج کر لیا تو فرض ساقط ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عورت کا نہ شوہر ہے نہ کوئی قابل اعتماد محرم تو اس پر یہ واجب نہیں کہ حج پر جانے کے لیے کسی سے نکاح کرے اور جب محرم ہے تو حج فرض کے لیے محرم کے ساتھ جائے اگرچہ شوہر اجازت نہ دیتا ہو، ہاں نفل یا سنت کا حج ہو تو شوہر کو منع کرنے کا

اختیار ہے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: عورت حج کو جانا چاہتی ہے اور محرم نہیں پاتی یا شوہر نہیں رکھتی تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کفو یعنی ایسے شخص سے حج سے واپسی تک کے لیے نکاح کر کے ساتھ لے جائے اور لائے جو قوم یا مذہب یا پیشے میں یا چال چلن میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس کے ولی کے لیے باعثِ ننگ و عار ہو۔ پھر اگر نکاح کو باقی رکھنا چاہے اور اندیشہ ہو کہ دوسرے کی پابند ہو جائے گی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ عورت گواہوں کے روبرو اس کفو سے کہے کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ جب تو مجھے حج کو لے جائے اور واپس اپنے مکان پر پہنچتے ہی مجھ پر طلاق بائن ہو یا اگر تو اس سال حج کو میرے ساتھ نہ جائے تو مجھ پر طلاق بائن ہو۔ مرد کہے میں نے قبول کیا اسی شرط پر کہ جب میں تجھے حج کو لے جاؤں۔ (الیٰ آخرہ) یا اسی شرط پر کفو سے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنا دے اور یہ وکیل یونہی اسی شرط پر اس کا نکاح کر دے یعنی اس کفو سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں اپنی موکلہ کو اتنے مہر کے عوض، اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا کہ جب وہ عورت بعد حج اپنے گھر واپس آئے، مکان میں داخل ہوتے ہی اس پر ایک طلاق بائن ہو اور شوہر کہے کہ میں نے اسے اس شرط پر قبول کیا۔ اب بعد واپسی گھر میں آتے ہی فوراً اس کے نکاح سے نکل جائے گی جسے وہ کسی طرح نہیں روک سکتا۔

مقصود اس تدبیر سے یہ ہے کہ بے محرم یا بلا شوہر کے جانا صادق نہ ہو۔ زوجیت کے مقاصد حاصل ہونے یا نہ ہونے سے بحث نہیں۔ لہٰذا ستر اسی سال کے بوڑھے سے بھی اس سفر کے لیے نکاح کرنا درست ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

حج بدل

مسئلہ: حج، بدنی اور مالی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے، جس پر حج فرض تھا اور معاذ اللہ بے کیے مر گئی، ظاہر ہے کہ بدنی حصہ سے تو عاجز ہو گئی۔ رب عزوجل کی رحمت ہے کہ صرف مالی حصہ سے اس کی طرف سے حج بدل قبول فرماتا ہے۔ جبکہ وہ وصیت کر

جائے اور رحمت پر رحمت یہ کہ وارث کا حج کرانا بھی قبول فرمالیا جاتا ہے۔ اگرچہ میت نے وصیت نہ کی ہو۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: زندگی میں جو کوئی حج بدل عجز و مجبوری کی وجہ سے کرائے اس حج کی صحت کے لیے شرط ہے کہ وہ مجبوری آخری عمر تک باقی رہے۔ اگر حج بدل کے بعد وہ مجبوری جاتی رہی تو بذاتِ خود حج کرنے پر قدرت پائی تو اس سے پہلے جو حج بدل اپنی طرف سے کرائے سب ساقط ہوگئے۔ سب میں حج نفل کا ثواب رہ گیا۔ فرض ادا نہ ہوا۔ اب اس پر فرض ہے کہ خود حج کرے پھر اگر غفلت کی اور وقت گزر گیا اور اب دوبارہ مجبوری لاحق ہوئی تو از سرنو حج کرانا ضروری ہے۔ ہاں اگر کسی کی مجبوری ایسی ہو جو عادتاً زائل نہیں ہوا کرتی اور اس نے حج بدل کرا دیا اور اس کے بعد قدرتِ الٰہی سے مثلاً کسی ولی کی کرامت سے وہ ناقابلِ زوال عذر زائل ہوگیا۔ مثلاً اندھے ہونے کے باعث حج بدل کرایا پھر رب العزت نے اسے آنکھیں دے دیں تو اس کا وہ پہلے والا حج بدل ساقط نہ ہوا وہی کافی ہے۔ خود اگر حج کرسکے سعادت ہے ورنہ فرض ادا ہوگیا اور اگر وہ عورت حقیقتاً ایسی مجبور نہ تھی کہ خود نہ جاسکتی یا بیماری کمزوری وغیرہ کی وجہ سے مجبور تھی۔ بعد کو وہ مجبوری دور ہوگئی تو ان دونوں صورتوں میں وہ حج بدل یا تو سرے سے ناکافی تھا یا اب ساقط ہوگیا اور اس کے لیے صرف نفل کا ثواب رہ گیا۔ فرض باقی ہے۔ خود حج ادا کرے اور مجبور و ناامید ہو پھر حج بدل کرائے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجا جائے جو خود حج فرض ادا کرچکا ہو۔ اور حج کے طریقے اور اس کے افعال سے آگاہ ہو اور اگر ایسے کو بھیجا جس نے خود نہیں کیا ہے، جب بھی حج بدل ہو جائے گا اور اگر خود اس پر حج فرض ہو اور ادا نہ کیا ہو اسے بھیجنا مکروہ تحریمی ہے اور مراہق یعنی قریب البلوغ بچہ سے حج کرایا جب بھی ادا ہو جائے گا۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: حج بدل والے کو اسی شہر سے جانا چاہیے جو شہر میت کا تھا تاکہ مالی صرف پورا ہو۔ مکہ معظمہ سے حج کرا دینا اس میں داخل نہیں۔ (عامہ کتب)

حج میں عورت کے مخصوص احکام

مسئلہ: حج ادا کرنے میں عورت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جانے کے زمانے میں وہ عدت میں نہ ہو۔ عدت وفات کی ہو یا طلاق کی، بائن کی ہو یا رجعی کی۔
(عالمگیری، درمختار وغیرہ)

مسئلہ: ارکان حج کی ادائیگی میں مرد عورت برابر ہیں۔ البتہ عورت کے لیے چند مسائل میں جداگانہ احکام ہیں۔

(۱) مردوں کو حکم ہے کہ وہ احرام کے وقت، میقات آنے سے پہلے سلے ہوئے کپڑے اور موزے اتار دیں، ایک چادر نئی یا دھلی ہوئی اوڑھیں اور ایسا ہی ایک تہ بند باندھیں۔ لیکن عورت سلے ہوئے کپڑے اور موزے پہن سکتی ہے۔

(۲) مرد کے لیے منہ یا سر کسی کپڑے سے چھپانا، حالت احرام میں حرام ہے لیکن عورت اپنا سر چھپا سکتی ہے۔ البتہ غیر محرم کے سامنے اور نماز میں سر چھپانا فرض ہے۔

تنبیہ: احرام میں منہ چھپانا عورت کو بھی حرام ہے، اسے حکم ہے کہ غیر محرم کے آگے کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے۔

(۳) گوند وغیرہ سے بال جمانا بحالتِ احرام، مرد کو حرام ہے لیکن عورت گوند یا ایسی ہی کسی چیز سے اپنے بال جما سکتی ہے۔

(۴) احرام کی حالت میں، مرد کے لیے سر یا منہ پر پٹی باندھنا یا بازو یا گلے پر تعویذ باندھنا، اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر ہو، مکروہ ہے۔ لیکن عورت کے لیے جائز ہے۔

(۵) یونہی مرد کے لیے غلافِ کعبہ میں اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، مکروہ ہے اور عورت کے لیے غلافِ کعبہ کے اندر یوں داخل ہونا کہ سر پر رہے منہ پر نہ آئے جائز ہے۔

(۶) اس حالت میں دستانے موزے یا جرابیں جو پنڈلی اور قدم کے جوڑ کو چھپائے، مرد کو پہننا مکروہ ہے۔ عورت دستانے اور جرابیں، موزے استعمال کر سکتی ہے۔

(۷) مرد کے لیے حکم ہے کہ لبیک با آواز بلند کہے لیکن عورت اتنی آواز سے لبیک نہ کہے کہ غیر محرم سنے۔ ہاں اتنی آواز ہر پڑھنے میں ہمیشہ سب کو ضرور ہے کہ اپنے کان تک آواز آسکے۔

(۸) مرد کو حکم ہے کہ طواف شروع کرنے سے پہلے اضطباع کرے یعنی چادر کی سیدھی جانب داہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ سیدھا شانہ کھلا رہے اور دونوں آنچل بائیں کندھے پر ڈال لے مگر عورت کو یہ حکم نہیں۔

(۹) مرد طوافِ خانہ کعبہ میں رمل کرتا چلے گا یعنی جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا، شانے ہلاتا جیسے قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں نہ کودنا، دوڑنا لیکن عورت اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۱۰) مرد، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے گا اور جب پہلا میل آئے گا دوڑنا شروع کردے گا مگر نہ حد سے زائد، نہ کسی کو ایذا دیتے ہوئے۔ یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائے تو آہستہ ہو کر مروہ پر پہنچے گا۔ پھر صفا کو جائے گا پھر آئے گا۔ یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہوگا۔ اسی کا نام سعی ہے لیکن اس میں دوڑنا عورت کے لیے نہیں۔

(۱۱) سنگِ اسود کا بوسہ نصیب ہو تو یہ کمالِ سعادت ہے۔ یقیناً تمہارے محبوب و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا اور روئے اقدس اس پر رکھا ہے۔ زہے خوش نصیبی کہ تمہارا منہ وہاں تک پہنچے لیکن اس کے لیے مردوں کے ہجوم میں گھسنا کسی طرح درست نہیں۔ عورتوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہاتھوں سے سنگِ اسود کی طرف اشارہ کرکے ہاتھوں کو بوسہ دے لے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہ رکھنے کی جگہ نگاہیں پڑ رہی ہیں، یہی کیا کم ہے۔

(۱۲) یہی حکم مِس رکنِ یمانی کا ہے۔

(۱۳) طواف میں مرد جس قدر خانہ کعبہ سے نزدیک ہو بہتر ہے۔ لیکن عورتیں اگر ایسا موقع نہ پائیں کہ ان کا بدن غیر محرم سے نہ چھوئے تو انہیں الگ تھلگ رہنا سب

سے بہتر ہے۔

(۱۴) یونہی عورتیں چاہ زمزم سے خود پانی بھرنے کی کوشش نہ کریں۔

(۱۵) اور نہ چاہِ زمزم کے اندر نظر کریں اگرچہ یہ بحکمِ حدیث، نفاق کو دفع کرتا ہے۔ ہاں سنگِ اسود کا بوسہ یا مِس رکنِ یمانی یا قربِ کعبہ یا زمزم کے اندر نظر یا اس سے خود پانی بھرنا یہ باتیں یوں میسر آجائیں کہ غیر محرم سے بدن نہ چھوئے تو خیر ورنہ بات وہی ہے کہ الگ تھلگ رہنا عورت کے لیے سب سے بہتر ہے۔

ایک ضروری نصیحت

سعی میں سترِ عورت (یعنی بدن کے جس حصے کا چھپانا فرض ہے اسے چھپانا) سنت ہے یعنی اگرچہ ستر کا چھپانا فرض ہے۔ مگر اس حالت میں فرض کے علاوہ سنت بھی ہے۔ کہ اگر ستر کھلا رہا تو اس کی وجہ سے کفارہ واجب نہیں مگر دو گناہ اس کے سر بندھ گئے۔ ایک گناہ فرض کے ترک کا اور دوسرا ترکِ سُنّت کا۔ بعض عورتیں نہایت بے باکی سے سعی کرتی ہیں کہ ان کی کلائیاں اور گلا کھلا رہتا ہے۔ حالانکہ آزاد عورتوں کے لیے سارا بدن عورت ہے۔ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلوؤں کے۔ گردن اور کلائیاں بھی عورت ہیں اور گلا گردن میں داخل ہے۔ ان سب کا چھپانا بھی فرض ہے۔ مگر عورتیں یہ خیال نہیں کرتیں کہ مکہ معظمہ میں گناہ و معصیت، دوسری جگہ سے سخت تر ہے کہ یہاں جس طرح ایک نیکی لاکھ کے برابر ہے۔ یوں ہی ایک گناہ لاکھ گناہوں کے برابر۔ حرم وہ جگہ ہے جہاں گناہ کے ارادے پر پکڑ ہوتی ہے۔

عورتوں کی یہ بے باکی اور لاپرواہی اور بھی زیادہ قابل گرفت ہو جاتی ہے کہ سعی تو سعی کعبۂ معظمہ کے سامنے بھی وہ اسی حالت میں رہتی ہے بلکہ اسی حالت میں طواف بھی کرلیتی ہیں۔ حالانکہ طواف میں سر چھپانا علاوہ اس فرض کے جو عورتوں کے لیے دائمی ہے، واجب بھی ہے۔ تو یہاں بھی دو گناہ ان سے صادر ہوئے۔ ایک ترکِ فرض اور دوسرا ترکِ واجب کا۔ اور وہ بھی کہاں بیت اللہ کے سامنے اور خاص طواف کی

حالت میں۔

بلکہ بعض عورتیں طواف کرنے میں خصوصاً حجر اسود کو بوسہ دینے میں مردوں کے ہجوم میں گھس جاتی ہیں۔ ان کا بدن اجنبی مردوں کے جسم سے مس ہوتا رہتا ہے مگر ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوتی۔ خدا کی بندیو! سعی طواف اور سنگِ اسود کا بوسہ اور دوسرے افعالِ حج، امورِ خیر ہیں۔ ثواب کے لیے کیے جاتے ہیں اور تم ثواب کی بجائے گناہوں سے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتی ہو۔ ان امور کی جانب حاجیوں کو خصوصیت سے توجہ دینی چاہیے اور جن مردوں کے ساتھ عورتیں رہتی ہیں انہیں بتاکید ایسی باتوں سے منع کرنا چاہیے اور انہیں ہی نہیں دونوں کو خدا اور رسول جل وعلاو صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرنا اور شرمانا چاہیے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

(۱۶) مرد کو حکم ہے کہ قربانی کے بعد قبلہ رو بیٹھ کر حلق کریں یعنی سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے مگر عورتوں کو حلق یعنی سر منڈانا حرام ہے۔ وہ صرف ایک پورے برابر بال کتروائیں۔ (فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت)

مسئلہ: عورتیں اگر ازدحام اور مردوں کے ہجوم کے سبب، دسویں ذی الحجہ کو فرض طواف کے لیے جسے طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں نہ جا سکیں تو اس کے بعد گیارہویں تاریخ کو افضل ہے اور اس دن یہ بڑا نفع ہے کہ مطاف خالی ملتا ہے، گنتی کے مرد ہوتے ہیں۔ عورتوں کو بھی باطمینان تمام، ہر پھیرے میں سنگ اسود کا بوسہ میسر آجاتا ہے اور جو گیارہویں کو نہ جائے بارہویں کو کرلے۔ اس کے بعد بلاعذر تاخیر گناہ ہے۔ جرمانہ میں ایک قربانی کرنی ہوگی۔ ہاں مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آگیا تو ان کے ختم کے بعد طواف کریں۔ مگر حیض یا نفاس سے اگر ایسے وقت پاک ہوئی کہ نہا دھو کر بارہویں تاریخ میں آفتاب ڈوبنے سے پہلے طواف کے چار پھیرے کر سکتی ہے تو کرنا واجب ہے۔ نہ کرے گی تو گناہ گار ہوگی۔ یوں ہی اگر اتنا وقت ملا تھا کہ وہ طواف کرلیتی اور نہ کیا اور اب حیض یا نفاس آگیا تو گناہ گار ہوئی۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: عورت نے طواف وداع (جو باہر والوں پر واجب ہے اور مکہ معظمہ سے

عزمِ رخصت کے وقت کیا جاتا ہے) نہ کیا تھا کہ اسے حیض آگیا تو اب اس پر طوافِ وداع واجب نہ رہا۔ ایسی عورت کو حکم ہے کہ مسجد کریم کے دروازے پر کھڑی ہو کر کعبہ معظمہ کو بہ نگاہ حسرت دیکھے اور دعا کرتی پلٹے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: حج کے ایام میں عورت کو حیض و نفاس میں مبتلا ہو جانا، اسے کسی عبادت کی بجا آوری سے نہیں روکتا۔ وہ حج کے تمام افعال، مثل وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ و رمی جمار وغیرہا۔ اسی حالت میں بجالائے مگر خانہ کعبہ کے اندر جانا، یا اس کا طواف کرنا اگرچہ مسجد حرام کے باہر سے ہو اس کے لیے حرام ہے کہ ایسی عورت کو مسجد ہی میں جانا، جائز و حلال نہیں۔ (عامہ کتب) حق سبحانہ توفیق طاعت عطا فرما کر مدینہ طیبہ کی زیارت کرائے۔ (آمین)

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبہ کا کعبہ دیکھو

سفر مدینہ طیبہ

مسئلہ: حبیب اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضری اور روضۂ انور کی زیارت قریب بواجب ہے، بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح سے ڈراتے ہیں۔ راہ میں خطرہ ہے۔ وہاں بیماری ہے، خبردار کسی کی نہ سنو اور ہرگز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو۔ جان ایک دن جانی ضرور ہے۔ اس سے کیا بہتر کہ ان کی راہ میں جائے اور تجربہ ہے کہ جو ان کا دامن تھام لیتا ہے اسے اپنے سائے میں آرام سے لے جاتے ہیں، کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جو حرمین (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ) میں مرے گا قیامت کے دن امن والوں میں اٹھے گا۔ (بیہقی) اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری

زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی۔ (ابن عدی)

مسئلہ: حج اگر فرض ہے تو حج کر کے مدینہ طیبہ حاضر ہو، ہاں اگر مدینہ طیبہ راستے میں ہو تو روضۂ انور کی زیارت کے بغیر، حج کو جانا، سخت محرومی اور قساوت قلبی، (سنگدلی) ہے اور اس حاضری کو قبولِ حج سعادتِ دینی و دنیاوی کے لیے ذریعہ و وسیلہ قرار دے اور حج نفل ہو تو اختیار ہے کہ پہلے حج سے پاک صاف ہو کر محبوب کے دربار میں حاضر ہو یا پہلے سرکار اعظم میں حاضر ہو کر حج کے لیے جائے غرض اسے اختیار ہے مگر نیتِ خیر درکار ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

تنبیہ

یقین جانو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ ان کی اور تمام (انبیائے علیہم الصلوۃ والسلام کی موت، صرف وعدۂ خدا کی تصدیق کو ایک آن کے لیے تھی۔ پھر بدستور زندہ ہو گئے تو ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔ وللہذا ائمہ دین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور نیتوں، ان کے ارادوں اور ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔ یہاں تک کہ وہ تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تمام احوال افعال اور کوچ مقام سے آگاہ ہیں۔" (مواہب لدنیہ وغیرہ) وللہذا حضور کی تعظیم و توقیر جس طرح اس وقت تھی کہ حضور اس عالم میں ظاہری نگاہوں کے سامنے تشریف فرماتھے، اب بھی اسی طرح فرض اعظم ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہو تو روضہ شریف کے سامنے چار ہاتھ کے فاصلے سے دست بستہ جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں کھڑی ہو کر سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے ہوئے جلال و جمالِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تصوّر میں

ڈوب کر صلوٰۃ و سلام عرض کرے۔ بہت قریب نہ جائے نہ ادھر ادھر دیکھے اور خبردار خبردار آواز کبھی بلند نہ کرنا کہ عمر بھر کا سارا کیادھرا اکارت ہو جائے۔ اس وقت جو ادب و تعظیم فرض ہے ہر مسلمان کا دل جانتا ہے۔ آنکھوں، کانوں، زبان، ہاتھ، پاؤں دل سب خیال غیر سے پاک کرو۔ خشوع و خضوع سے آستانۂ اقدس کی طرف متوجہ رہو۔ رونا نہ آئے تو رونے کا منہ بناؤ اور دل کو بزور رونے پر لاؤ اور اپنی سنگدلی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف التجا کرو۔ لرزتی کانپتی، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتی۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و کرم کی امید رکھتی۔ حضور والا کی پائیں یعنی مشرق کی طرف سے سامنے حاضر ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روبقبلہ، جلوہ فرما ہیں۔ اس سمت سے حاضر ہو کر حضور کی نگاہ بیکس پناہ تمہاری طرف ہو گی اور یہ بات تمہارے لیے دونوں جہاں میں کافی ہے۔

الحمد للہ اب کہ دل کی طرح تمہارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے، نہایت ادب و وقار کے ساتھ مجرا و تسلیم بجالاؤ اور معتدل آواز سے عرض کرو۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ وَاُمَّتِكَ اَجْمَعِيْنَ۔

جہاں تک ممکن ہو اور زبان ساتھ دے اور ملال و کسل نہ ہو، صلوٰۃ و سلام کی کثرت کرو اور حضور سے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ، پیر، استاد، اولاد، عزیزوں، سہیلیوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو، بار بار عرض کرو۔

اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یارسول اللہ میں آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتی ہوں۔

پھر اگر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی ہو بجالاؤ۔ شرعاً اس کا حکم ہے۔ اور یہ فقیر ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالہ کو دیکھیں وصیت کرتا ہے کہ جب انہیں حاضری

بارگاہ نصیب ہو تو اس ننگِ خلائق کے لیے دعائے مغفرت کریں اور اس بارگاہ رفیع میں صلوٰۃ وسلام ضرور عرض کریں۔ اللہ ان کو دونوں جہاں میں عزّت بخشے۔ (آمین)

ضروری نہایت ضروری

وہ تمام آداب و احکام جو طوافِ خانہ کعبہ میں اور دوسرے مقامات پر ملحوظ تھے، یہاں بھی ان کا لحاظ رکھیں۔ مثلاً ہرگز ہرگز اجنبی مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہوں۔ ان سے اپنا بدن مس نہ ہونے دیں اور سترِ عورت کا پورا پورا اہتمام کریں۔

ہدایت

سفرِ حج کے لیے جانا نصیب ہو تو امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ "انوار البشارۃ" ضرور اپنے ساتھ رکھیں کہ قدم قدم پر راہ نمائی فرمائے گا۔ یا پھر استاذی المحترم صدر الشریعہ حضرت مولانا الشاہ ابوالعلی مولانا امجد علی صاحب قادری برکاتی رضوی قدس سرہ کی بہارِ شریعت کا حصہ ششم کہ وہ نسبتاً آسان بھی ہے اور مفصل بھی۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نکاح کا بیان

ایک مرد اور عورت کے درمیان، اسلامی قانون کی رو سے جو تعلق اور رابطہ پیدا ہوجاتا ہے۔ وہ محض اپنی نفسانی اور جنسی خواہشوں کے پورا کرنے کے لیے نہیں اور نہ نکاح کا یہ مقصد ہے کہ ایک مرد اور عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے گلے پڑ جائیں اور نہ شریعت اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ عورت کو مرد کی شہوانی خواہشات کی تکمیل کا آلہ کار بنادیا جائے۔

شریعتِ اسلامیہ میں نکاح ایک دینی اور مذہبی عمل اور ایک گہرا تمدنی، اخلاقی، اور قلبی تعلق ہے۔ مرد و عورت میں اُلفت و یگانگت اور میاں بیوی میں باہمی مناسبت کا پاکیزہ رشتہ ہے اور مقصودِ اصلی اس کا یہ کہ مرد و عورت کے میل ملاپ سے ایک کامل اور خوشگوار زندگی وجود میں آئے اور نسلِ انسانی کا سلسلہ بھی حدودِ الٰہی کی نگرانی کے درمیان بڑھتا اور پھلتا پھولتا رہے۔

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے:

نِسَآؤُكُمۡ حَرۡثٌ لَّكُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ اَنّٰى شِئۡتُمۡ۔

تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتیوں میں جس طرح چاہو۔

یعنی جہاں تک میاں بیوی میں وظیفۂ زوجیت کا تعلق ہے، تو تمہاری بیویاں تمہارے لیے ایسی ہی ہیں جیسے کاشتکار کیلئے کاشت کی زمین، زمیندار کیلئے اس کا کھیت۔

کھیت کہتے ہیں اس قطعۂ زمین کو جس میں کاشت کے لیے تخم ریزی ہوتی ہے، پیداوار کے لیے بیج بویا جاتا ہے اور اس میں سبزی، غلہ، نباتات کا نشو ونما ہوتا ہے۔ کھیت میں کسان محض تفریح اور وقت گزاری کے لیے نہیں جاتا بلکہ اسے اپنی بہت بڑی دولت سمجھ کر اسے نہایت درجہ عزیز رکھتا اور اس سے پیداوار حاصل کر کے خوب منافع کماتا ہے۔

اسی طرح عورتیں مردوں کے لیے کھیتی کی جگہ ہیں۔ اس کا نطفہ بجائے تخم ہے اور اولاد کا حصول بمنزلہ پیداوار ہے تو عورتوں اور مردوں میں ایک دوسرے سے تعلق اور قربت سے مقصود نسل انسانی کی بقا اولاد کا حصول اور ایک پاکیزہ زندگی ایک خوشگوار ماحول کی فراہمی ہے نہ کہ قضائے شہوت اور محض جنسی خواہشات کی تکمیل۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی قانون، عورتوں کے مخصوص ایام میں، قُربت و ہم بستری کی اجازت نہیں دیتا۔ غرض نسلِ انسانی کے کسان کو بھی، انسانیت کی اس کھیتی میں اس لیے جانا چاہیے کہ وہ اس سے نسل کی پیداوار حاصل کرے۔

اس آیۂ کریمہ میں آگے یہ بھی ارشاد فرمایا:

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ۔ یعنی اپنے حق میں آئندہ کے لیے کچھ کرتے رہو۔

اپنے لیے مستقبل کا سامان کرو۔ پھر فرمایا:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔

یعنی یہ بات نہ بھولو کہ تمہیں ایک دن مرنا اور اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔

یہ جامع الفاظ ہیں جن سے دو مطلب نکلتے ہیں اور دونوں کی یکساں اہمیت ہے ایک یہ کہ اپنی نسل برقرار رکھنے کی کوشش کرو تاکہ تمہارے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمہاری جگہ دوسرے کام کرنے والے پیدا ہوں اور کارخانۂ عالم کا نظام قائم رہے۔ دوسرے یہ کہ جس آنے والی نسل کو تم اپنی جگہ چھوڑنے والے ہو اس کو دین، اخلاق اور آدمیت کے جوہر سے آراستہ کرنے کی کوشش کرو۔ یہ گویا اس کی تاکید ہے کہ لذتوں میں مشغولیت کے وقت بھی مسلمان مرد اور مسلمان عورت اپنی ذمہ داریوں کو نہ

بھول جائیں۔ لذت پرستی ہی میں ڈوب کر نہ رہ جائیں بلکہ اپنی لذتوں کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی فکر سے غافل نہ ہوں۔ اگر ان ذمہ داریوں اور فرائض کے ادا کرنے میں تم نے قصداً کوتاہی کی اور شہوانی لذتوں اور نفسانی خواہشوں ہی میں ڈوب کر رہ گئے تو خداوند قدوس کے یہاں بازپرس سے کس طرح بچ سکوگے۔

اسی مضمون کی تاکید قرآن عظیم کے اور مقامات سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً نکاح کے باب میں مردوں سے فرمایا:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔ یعنی نکاح جس کی اجازت تم مردوں کو دی جا رہی ہے وہ ازدواجی زندگی کے قید و بند میں رہنے اور ان ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے لیے ہو جو عقد نکاح کے بعد تم پر عائد ہوتی ہیں۔ اس کا مقصود نفس پرستی اور بدمستی نہیں ہونا چاہیے۔ عورتوں کے حق میں فرمایا:

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔

یعنی عورتیں جو مردوں کے عقد نکاح میں آ رہی ہیں انہیں بھی یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ ازدواجی زندگی کے قید و بند کی پابند بن رہی ہیں، ہوس رانی اور بدچلنی کی زندگی، ازدواجی زندگی نہیں بن سکتی۔

خلاصہ کلام یہ کہ مرد عورت دونوں کا مقصود، نکاح کے ذریعے، ایک پاکیزہ اور عفت مآب زندگی بسر کرنا ہونا چاہیے۔ جنسی خواہشات کی تکمیل اس کی غایت نہیں، اور اس تعبیر میں تنبیہ ہے کہ زانی محض شہوت رانی کرتا اور مستی نکالتا ہے اور اس کا فعل غرضِ صحیح اور مقصدِ حسَن سے خالی ہوتا ہے۔ نہ اولاد حاصل، نہ نسل و نسب محفوظ کرنا، نہ اپنے نفس کو حرام سے بچانا۔ ان میں سے کوئی بات اس کے مدنظر نہیں ہوتی وہ اپنے نطفہ و مال کو ضائع و برباد کر کے دین و دنیا کے خسارہ میں گرفتار ہوتا ہے۔

سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً۔ اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے عورتیں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے اور

نواسے پیدا کیے۔

یعنی اللہ عزوجل نے مردوں کے لیے نوعِ انسانی ہی سے اس کا جوڑ پیدا کیا تاکہ دونوں میں الفت و محبّت قائم رہے اور تخلیقِ انسانی کی غرض پوری ہو پھر دونوں کے باہمی اختلاط و قربت سے انسان کو اولاد بخشی اور اولاد کی اولاد عطا فرمائی، پوتے اور نواسے دیئے تاکہ نوعِ انسانی برقرار رہے، تو ازدواجی تعاقات کا قائم کرنا اور انہیں نیک مقاصد کی خاطر باقی رکھنا، ان عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جن کا خدائے قدوس نے اپنے بندوں پر احسان فرمایا اور اپنے احسانات و انعامات میں گنایا۔ سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا۔

اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا فرمایا پھر اسے خاندان والا اور سسرال والا بنایا۔

اسلام نے سارے انسانی معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی پر رکھی ہے اور سسرال کو بھی خاندان ہی کا ایک جزو ٹھہرایا ہے تو اجتماعی زندگی میں خاندان کو جو اہمیت حاصل ہے وہی اہمیت عقدِ نکاح کو بھی حاصل ہے بلکہ اس سے پیشتر آیۂ کریمہ پر غور فرمائیے۔ بجائے خود یہی کرشمہ کیا کم تھا کہ وہ ایک حقیر پانی کی بوند سے انسان جیسی حیرت انگیز مخلوق بنا کھڑی کرتا ہے مگر اس پر مزید کرشمہ یہ ہے کہ اس نے انسان کا بھی ایک نمونہ نہیں بلکہ دو الگ نمونے مرد اور عورت بنائے جو انسانیت میں یکساں، مگر جسمانی اور نفسانی خصوصیات میں نہایت مختلف اور اس اختلاف کی وجہ سے باہم مخالف و متضاد نہیں بلکہ ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہیں۔ پھر ان جوڑوں کو ملا کر وہ عجیب توازن کے ساتھ جس میں کسی دوسرے کی تدبیر کا ادنیٰ دخل بھی نہیں ہے، دنیا میں مرد بھی پیدا کر رہا ہے اور عورتیں بھی۔ جس سے ایک سلسلہ تعلقات بیٹوں اور پوتوں کا چلتا ہے۔ جو دوسرے گھروں سے بہوئیں لاتے ہیں اور ایک دوسرا سلسلہ تعلقات بیٹیوں اور نواسیوں کا چلتا ہے جو دوسرے گھروں کی بہوئیں بن کر جاتی ہیں اور اس طرح خاندان سے خاندان جڑ کر پورے پورے ملک، ایک نسل اور ایک تمدن سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آیۂ کریمہ میں سسرالی رشتے کو خالقِ کائنات نے اپنی نعمتوں میں شمار فرمایا اور اپنی قدرت کاملہ کی دلیل ٹھہرایا کہ کسی بظاہر بے حقیقت چیز سے، کتنے عظیم الشان اور دُور دراز کے تعلقات قائم کر دیئے۔

قدرت کے فیاض ہاتھوں نے جو جذبات انسان کی فطرت میں ودیعت فرمائے اور جو قوتیں اسے عطا فرمائیں وہ اس کے حق میں سراپا خیر اور سرتاسر مفید ہیں اور انسان کو ان جذبات اور قوتوں سے وہی کام لینا چاہیے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے اور اسے کام میں لانے کا وہی طریقہ برتنا چاہیے جو قدرت نے اسے سکھایا اور اسی حد تک کام میں لانا چاہیے جس حد تک قانونِ قدرت میں اسے وسعت دی گئی ہے۔ انہیں قوتوں میں سے ایک قوت توالدوتناسل بھی ہے جس کی بدولت انسانوں کے مابین ولادت کا سلسلہ قائم کرنا اور نسلِ انسانی کو برقرار رکھنا ظہور میں آتا ہے جو عین منشاء الٰہی ہے۔

اور چونکہ یہ قوت فطری اور عطیۂ خداوندی ہے لہٰذا اس کا کامل طور پر انسان میں پایا جانا اس کے کمال انسانیت کی دلیل ہوگی اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کا صَرف، اسی محل میں کیا جائے جو قدرت نے اس کے لیے متعین فرمایا ہے اور اسی محلِ صَرف کو حدودِ الٰہیہ میں رہتے ہوئے اپنے تصرف میں لانا، شرع کی زبان میں نکاح کہلاتا ہے اور جو بنیاد ہے ایک پاکیزہ زندگی کی۔

عورت اسلام سے پہلے

اسلام سے پہلے عورتوں کے حقوق پامال تھے نہ ان کی جان کی کوئی قیمت تھی، نہ عصمت و عفت ہی کی قدر تھی۔ بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی۔ اس لیے جب کوئی مرد چاہتا اور جس عورت کو چاہتا اور جس طرح چاہتا اپنے نکاح میں لے آتا اور ان کے ساتھ وہی سلوک روا رکھتا جو جانوروں سے کیا جاتا ہے۔ حق مہر ایک بے معنی چیز تھی۔ بلکہ عورت کی ملکیت اور سارا سازو سامان لاقانونی کے قانون کے تحت شوہروں کی ملکیت قرار پاتا تھا بے حسی کا عالم یہ تھا کہ شوہر کے مرنے کے بعد سوتیلی ماؤں میں بھی

وراثت کا قانون رائج تھا کہ مرنے والوں کے وارثوں میں ایک مال کی طرح اس کی تقسیم بھی عمل میں آتی تھی۔ دنیا میں سب سے پہلے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کے حقوق قائم کیے اور عورت کی شخصیت کو ابھارا اور قرآن کریم کے الفاظ میں اعلان فرمایا کہ

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (البقرۃ: ۲۲۸)

یعنی جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ اسلام سے قبل عورت کی تذلیل و تحقیر کی ایک وجہ اس کی مالی بے چارگی بھی تھی۔ اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی مالی حالت کو بھی مستحکم کیا اور اس کے لیے اصول وضع کیے۔

(۱) اسے وراثت میں حصہ دار بنایا اور اپنے باپ بھائی خاوند بیٹے وغیرہ کے مال متروکہ اور جائیدادِ منقولہ و غیر منقولہ میں عورت کے حصے مقرر فرمائے۔

(۲) میکے سے ملنے والا سامانِ جہیز اس کی ملکیت قرار دیا۔

(۳) اسے اپنی املاک و جائیداد پر مالکانہ حق دے کر اس میں تصرف کا حق دیا۔

(۴) اپنے حق مہر پر اسے پورا پورا اختیار بخشا۔

اور اس طرح بنیادی حیثیت سے عورت کو مرد کے مساوی کر دیا اور ان تدابیر سے عورت کو پستی سے نکال کر بلندی عطا فرمائی اور صحیح معنی میں اسے مرد کا شریکِ کار اور رفیقۂ حیات بنا دیا۔

غرض چونکہ نکاح شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کے مابین ایک شرعی تعلق، دینی رابطہ اور مذہبی اختلاط ہے۔ اس لیے اسلام نے نکاح کے اصول و قواعد مقرر کیے، میاں بیوی کے حقوق متعین کیے تاکہ کوئی فریق کسی کے حقوق پامال نہ کر سکے۔ مثلاً

(۱) ایجاب و قبول کو نکاح کا لازمی حصہ قرار دیا۔

(۲) کم از کم دو گواہوں کی موجودگی ضروری ٹھہرائی گئی۔

(۳) عورتوں کی دو قسمیں کی گئیں ایک وہ جن سے نکاح حلال ہے اور دوسری وہ جن سے نکاح حرام ہے۔

(۴) عورت عاقلہ بالغہ ہو تو اسے اپنے نکاح کا اختیار دیا گیا اور نابالغی کی حالت میں اس پر اس کے ولی کو اختیار بخشا گیا۔

(۵) نکاح کو ہر صورت سے مکمل کرنے کے لیے کفو کا لحاظ کیا۔

(۶) مرد پر بنام حق مہر ایک معینہ رقم مقرر کی گئی اور اس پر عورت کو پورا پورا اختیار دیا۔

(۷) شریعت نے وہ حدود مقرر کیں جس کے بعد شوہر کو عورت پر کوئی حق نہیں رہتا۔

(۸) عورتوں کو چھوڑنے کے لیے قوانین وضع کیے گئے جنہیں طلاق اور خلع کہا جاتا ہے۔

(۹) عورت کا نان نفقہ شوہر پر لازم قرار دیا۔

(۱۰) زمانہ جاہلیت کے رسم و رواج کے برخلاف مرد کو ایک عورت سے نکاح کا حکم دیا، اور بوقت ضرورت، کچھ شرطوں سے مشروط، سخت پابندیوں کے ساتھ، ایک سے زیادہ کی اجازت دی۔

اب ان امور سے متعلق چند فقہی مسائل اور دوسرے احکام بھی سنیں۔

(۱) ایجاب و قبول

ایجاب و قبول یعنی مثلاً ایک کہے "میں نے اپنے کو تیری زوجیت یا تیرے نکاح میں دیا۔" دوسرا کہے "میں نے قبول کیا۔" یہ نکاح کے رکن ہیں پہلے جو کہے وہ ایجاب ہے اور اس کے جواب میں دوسرا جو الفاظ کہے اسے قبول کہتے ہیں۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور مرد کی طرف سے قبول۔ بلکہ اس کا الٹ بھی ہو سکتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: لڑکی کے باپ یا وکیل نے، مرد سے کہا کہ "میں نے اپنی لڑکی یا اپنی موکلہ کا تجھ سے نکاح کیا یا ان کو تیرے نکاح میں دیا۔ اس نے کہا "میں نے قبول کیا۔" یا اس کے

باپ یا وکیل نے کہا کہ "میں نے اسے اپنے لڑکے یا اپنے موکل کے لیے قبول کیا تو نکاح درست ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عورت نے مرد سے کہا "میں نے تجھ سے اپنا نکاح کیا اس شرط پر کہ مجھے اختیار ہے جب چاہوں اپنے کو طلاق دے لوں" اور مرد نے قبول کیا تو نکاح ہو گیا اور عورت کو اختیار ہے جب چاہے اپنے کو طلاق دے لے۔

مسئلہ: کسی نے لڑکی کے باپ سے کہا "میں تیرے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دے۔" اس نے کہا "میں نے اسے تیرے نکاح میں دیا تو نکاح ہو گیا، قبول کی بھی حاجت نہیں بلکہ اسے اب یہ اختیار نہیں کہ قبول نہ کرے۔
(ردالمحتار، عالمگیری)

مسئلہ: کسی نے لڑکی کے باپ سے کہا "تو نے اپنی لڑکی مجھے دی۔" اس نے کہا "دی۔" اس نے کہا "قبول کی۔" تو اگر یہ ایجاب و قبول منگنی کے لیے ہوں تو منگنی ہے اور نکاح کے لیے ہوں تو نکاح۔ (ردالمحتار، وغیرہ)

مسئلہ: کسی کی منگیتر کو نکاح کا پیغام دینا مکروہ ہے۔ یوں ہی ایک کو زبان دے کر اس سے پھر جانا، یا منگنی کو بلاوجہ شرعی توڑ دینا بھی مذموم و بے جا ہے اور بہرصورت، دوسرے سے نکاح شرعاً درست و صحیح ہے۔ اور اگر درحقیقت کسی عذر معقول یا وجہ شرعی کی بنا پر منگنی کر کے توڑ دی اور لڑکی دوسرے کو دے دی تو اب کوئی برائی بھی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: عورت کو چاہیے کہ مرد دیندار، خوش خلق، مال دار، سخی سے نکاح کرے، فاسق بدکار سے نہیں۔ نیک چلنی، خوش اخلاقی، خدا ترسی اور پرہیزگاری سے بڑھ کر کوئی حسن و جمال اور متاع و مال نہیں۔

مسئلہ: نابالغ لڑکے اور لڑکی کے مابین، نکاح میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ ان کے اولیاء خود ایجاب و قبول کریں یا ان کی اجازت سے ان کے وکیل، نابالغوں سے کہلوانے

کی کوئی حاجت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: یہ جو تمام ہندوستان و پاکستان میں عام طور پر رواج پڑا ہوا ہے کہ عورت سے ایک شخص اذن لے کر آتا ہے جسے وکیل کہتے ہیں وہ نکاح پڑھانے والے سے کہہ دیتا ہے کہ میں فلاں کا وکیل ہوں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ نکاح پڑھا دیجئے۔ یہ طریقہ محض خیال ہے بلکہ یوں چاہیے کہ جو شخص نکاح پڑھائے وہ عورت یا اس کے ولی کا وکیل بنے خواہ یہ خود اس کے پاس جا کر وکالت حاصل کرے یا دوسرا اس کی وکالت کے لیے اذن لائے کہ فلاں بن فلاں کو تو نے وکیل کیا کہ وہ تیرا نکاح فلاں بن فلاں سے کر دے۔ عورت کہے "ہاں۔" (بہارِ شریعت، فتاویٰ رضویہ)

(۲) ایجاب و قبول گواہوں کے روبرو ہونا

باہمی حقوق و اختیارات کو محفوظ رکھنے کے لیے کم از کم دو گواہوں یعنی دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کا ایجاب و قبول کے وقت ہونا شرطِ نکاح ہے۔

مسئلہ: گواہوں کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ سب نے ایک ساتھ نکاح کے الفاظ سنے اور مسلمان مرد کا نکاح، مسلمان عورت کے ساتھ ہو تو گواہوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ لہٰذا مسلمان مرد و عورت کا نکاح کافروں کی شہادت سے نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کتابیہ مثلاً نصرانیہ سے مسلمان مرد کا نکاح ہو تو اس نکاح کے گواہ ذمی کافر بھی ہو سکتے ہیں۔

مسئلہ: گواہ دوسرے ملک کے ہیں کہ یہاں کی زبان نہیں سمجھتے تو اگر یہ سمجھ رہے ہیں کہ نکاح ہو رہا ہے اور الفاظ بھی سنے اور سمجھے یعنی وہ الفاظ زبان سے ادا کر سکتے ہیں اگرچہ ان کے معنی نہیں سمجھتے تو نکاح ہو گیا۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: گواہ صرف وہی نہیں کہلاتے جو وہ مجلسِ عقد میں مقرر کر لیے جاتے ہیں بلکہ وہ تمام حاضرین گواہ ہیں جنہوں نے ایجاب و قبول سنا مگر ایسے ہوں کہ بوقتِ

ضرورت ان کی گواہی سنی جاسکے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت سے اذن لیتے وقت گواہوں کی ضرورت نہیں یعنی اس وقت گواہ اگر نہ بھی ہوں اور نکاح پڑھاتے وقت ہوں تو نکاح ہو گیا۔ البتہ اذن لیتے وقت گواہوں کی حاجت یوں ہے کہ اگر عورت نے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میں نے اذن نہیں دیا تھا تو اب گواہوں سے اس کا اذن دینا ثابت کیا جائے گا۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: یہ امر بھی ضروری ہے کہ منکوحہ کے گواہوں کو معلوم ہو جائے کہ فلانی عورت سے نکاح ہو رہا ہے مثلاً عورت اور اس کے باپ دادا کے نام لیے جائیں اور اگر صرف اسی کا نام لینے سے گواہوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں عورت سے نکاح ہو رہا ہے تو باپ دادا کے نام لینے کی ضرورت نہیں پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ باپ دادا کے نام بھی لیے جائیں تاکہ عورت متعین ہو جائے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: عورت سے اجازت لیں تو اس میں بھی زوج اور اس کے باپ دادا کا نام ذکر کر دیں تاکہ عورت کو ہونے والے شوہر سے واقفیت رہے۔

تنبیہ: حدیث شریف میں ہے کہ جو مرد کسی عورت سے بوجہ اس کی عزت کے نکاح کرے اللہ اس کی ذلت میں زیادتی کرے گا، اور جو کسی عورت سے اس کے مال کے سبب نکاح کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی محتاجی ہی بڑھائے گا اور جو اس کے حسب کے سبب نکاح کرے گا تو اس کے کمینہ پن میں زیادتی فرمائے گا اور جو اس لیے نکاح کرے کہ ادھر ادھر نگاہ نہ اٹھے اور پاک دامنی حاصل ہو یا صلہ رحمی کرے تو اللہ عزوجل اس مرد کے لیے اس عورت میں برکت دے گا اور عورت کے لیے مرد میں۔ (طبرانی)

اس حدیث شریف کا حاصل عورت اور اس کے اہل خاندان کے لیے یہ ہے کہ وہ ایسے مرد سے نکاح نہ کریں جو ان کی دنیاوی وجاہت یا شہرت یا ان کے مال و دولت پر ریجھ کر یا صرف عورت کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر شادی پر آمادہ ہو بلکہ اصل چیز پاک دامنی کا باقی رکھنا اور خدا و رسول کے احکام کی بجا آوری ہے۔ اسی سے گھریلو زندگی سدابہار رہتی ہے اور اسی کی بدولت زن و شوہر میں حقیقی محبت پیدا ہوتی ہے۔

(۳) محرّمات کا بیان

ہیئتِ اجتماعی کی درستی کا انحصار اس بات پر ہے کہ نظامِ خانگی درست ہو اور خانگی نظام کا ایک اہم جز یہ ہے کہ نکاح کس کس کے ساتھ جائز ہے اور کس کے ساتھ ناجائز، قرآن کریم نے ایک مکمل فہرست دے کر ہمیں حرام و حلال عورتوں کا پتا دیا۔

محرمات وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام و ناجائز ہے اور یہ دو قسم کی عورتیں ہیں: ایک وہ جن سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے، دوسری وہ جو کسی خاص صورت و زمانۂ معینہ میں حرام ہیں۔

حرمت کے چند اسباب ہیں مثلاً:

۱۔ نسب

اس کے تحت سات عورتیں مطلقاً حرام ہیں:

(۱) ماں اور ماں سے مراد وہ عورت ہے جس کی اولاد میں یہ ہے بلاواسطہ یا بالواسطہ لہٰذا دادی، نانی، پرنانی، اگرچہ کتنی ہی اوپر کی ہوں سب حرام ہیں اور یہ سب ماں میں داخل ہیں اور سوتیلی ماں بھی حقیقی ماں کی طرح حرام قطعی ہے اور اس کی حرمت ویسی ہی ہے جیسی حقیقی ماں کی۔

(۲) بیٹی، اور بیٹی سے مراد وہ عورتیں جو اس کی اولاد میں ہیں خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ لہٰذا پوتی، پرپوتی، نواسی، پرنواسی سب حرام ہیں۔

(۳) بہن خواہ حقیقی ہو یعنی ایک ماں باپ سے یا سوتیلی کہ باپ دونوں کا ایک ہے اور مائیں دو، یا ماں ایک ہے اور باپ دو، سب حرام ہیں۔

(۴، ۵) پھوپی، خالہ اور باپ، ماں، دادا دادی، نانا، نانی وغیرہم اصول کی پھوپیاں یا خالائیں اپنی پھوپی اور خالہ کے حکم میں ہیں خواہ حقیقی ہوں یا سوتیلی۔ یونہی اپنی خالہ سگی ہو یا سوتیلی مثل ماں کے حرام قطعی ہے۔ ہاں باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں کی بہن حقیقی

ہو یا سوتیلی، وہ ماں کے حکم میں نہیں۔

(۶،۷) بھتیجی، بھانجی اور اس سے مراد بھائی بہن کی اولاد ہے، ان کی پوتیاں نواسیاں بھی اسی میں شمار ہیں۔ یونہی بھتیجی، بھانجی کی اولاد کہ سب حرام ہیں۔

مسئلہ: زنا سے بیٹی، پوتی، بہن، بھتیجی، بھانجی بھی محرمات میں داخل ہیں اور بھتیجی اگرچہ سوتیلی ہو چچا پر حرام قطعی ہیں۔ (عالمگیری، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

۲- مصاہرت یعنی سسرالی رشتے

اس سلسلہ میں حسب ذیل عورتیں حرام فرمائی گئی ہیں:

(۱) زوجہ موطوءہ (یعنی وہ عورت جس کے نکاح کے بعد وطی کی گئی) کی لڑکیاں۔

(۲) زوجہ کی ماں، دادیاں، نانیاں۔

(۳) باپ، دادا وغیرہما اصول (جن کی یہ اولاد ہیں ان) کی بیبیاں۔

(۴) بیٹے پوتے وغیرہما فروع (جو اس کی اولاد میں ہیں ان) کی بیبیاں۔

(۵) جس عورت سے زنا کیا اس کی ماں اور لڑکیاں زانی کے لیے۔

(۶) جس عورت سے زنا کیا گیا وہ زانی کے باپ دادا اور بیٹوں کے لیے۔

ضروری مسائل جن کا تعلق مصاہرت سے ہے

مسئلہ: جس عورت سے نکاح کیا اور وطی نہ کی تھی کہ جدائی ہو گئی اس کی لڑکی اس پر حرام نہیں۔ ہاں اگر خلوتِ صحیحہ عورت کے ساتھ ہو گئی تو اس کی لڑکی حرام ہو گئی کہ خلوتِ صحیحہ بھی وطی کے حکم میں ہے اور بیٹی سے نکاح کیا تو نکاح ہوتے ہی اس کی ماں اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، وطی شرط نہیں کہ زوجہ کی والدہ ہمیشہ اپنی ماں کی طرح ہے۔ زوجہ کے مرنے یا طلاق ہو کر عدت گزارنے کے بعد کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی۔ (عالمگیری، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: حرمتِ مصاہرت جس طرح وطی سے ہوتی ہے یونہی بشہوت

بوسہ لینے، فرج داخل کی طرف نظر کرنے، گلے لگانے، دانت سے کاٹنے، چپٹانے یہاں تک کہ سر پر جو بال ہوں انہیں چھونے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی باریک کپڑا یا بوسہ لینے میں باریک نقاب حائل ہو۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عورت نے شہوت کے ساتھ مرد کو چھوا یا بوسہ لیا یا اس کے آلہ کی طرف نظر کی تو اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہو گئی۔ (در مختار)

مسئلہ: حرمتِ مصاہرت کے لیے شرط یہ ہے کہ عورت مشتہاۃ (قابلِ شہوت) ہو یعنی نو برس سے کم عمر کی نہ ہو تو اگر مرد نے نو سال سے کم عمر لڑکی کو بشہوت چھوا یا اس کا بوسہ لیا تو حرمت ثابت نہ ہوئی۔ (در مختار)

مسئلہ: یہ افعال قصداً ہوں یا بھول کر یا غلطی سے یا مجبوراً، بہر حال حرمت ثابت ہو جائے گی، مثلاً اندھیری رات میں مرد نے اپنی عورت کو جماع کے لیے اٹھانا چاہا غلطی سے شہوت کے ساتھ مشتہاۃ لڑکی پر ہاتھ پڑ گیا اس کی ماں ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ یونہی اگر عورت نے شوہر کو اٹھانا چاہا اور شہوت کے ساتھ ہاتھ لڑکے پر پڑ گیا جو مراہق تھا (اس کی مقدار بارہ برس کی عمر ہے) تو عورت ہمیشہ کے لیے اپنے اس شوہر سے حرام ہو گئی۔ (در مختار)

مسئلہ: کسی نے ایک عورت سے نکاح اور اس کے لڑکے نے اس عورت کی لڑکی سے کیا جو دوسرے شوہر سے ہے تو حرج نہیں۔ یونہی اگر لڑکے نے عورت کی ماں سے نکاح کیا جب بھی یہی حکم ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: سوتیلی ماں، ماں نہیں تو اس کی سگی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

مسئلہ: جس نے اپنی منکوحہ کی حقیقی ماں سے وطی کی یا اسے بشہوت ہاتھ لگایا اس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی۔ نہ کبھی اسے رکھ سکتا ہے نہ کسی حال دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ اس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً چھوڑ دے تاکہ وہ اس کے نکاح سے باہر ہو جائے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: ایک شخص نے اپنے حقیقی بیٹے کی بی بی سے زنا کیا جس کا اسے اقرار ہے اور بیٹا بھی مانتا ہے کہ ایسا ہوا تو وہ عورت بیٹے پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، اب کسی حیلہ سے اس کی زوجیت میں نہیں آ سکتی۔ اس پر فرض ہے کہ اسے فوراً چھوڑ دے مثلاً کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑا۔ اس کے بعد عورت عدت کرے اور بعد عدت اپنے خسر کے علاوہ جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

۳۔ جمع بین المحارم

یعنی ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جو ایک دوسرے کے لیے محرم ہیں۔

مسئلہ: وہ دو عورتیں کہ ان میں سے جس ایک کو مرد فرض کریں دوسری اس کے لیے حرام ہو۔ مثلاً دو بہنیں کہ ایک کو مرد فرض کریں تو بھائی بہن کا رشتہ ہوا یا پھوپی بھتیجی کہ پھوپی کو مرد فرض کرو تو چچا بھتیجی کا رشتہ ہوا اور بھتیجی کو مرد فرض کرو تو پھوپی بھتیجے کا رشتہ ہوا۔ یا خالہ بھانجی کا کہ خالہ کو مرد فرض کریں تو ماموں بھانجی کا رشتہ ہوا اور بھانجی کو مرد فرض کرو تو بھانجے خالہ کا رشتہ ہوا تو دو عورتوں کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتا۔ یا یوں سمجھ لو کہ مثلاً ایک عورت نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے اس کی بہن، پھوپی، خالہ، بھتیجی، بھانجی سے نکاح حرام ہے۔ بلکہ اگر طلاق دے دی ہو اگرچہ تین طلاقیں تو جب تک عدت نہ گزرے دوسری سے نکاح نہیں کر سکتا۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: ایسی دو عورتیں جن میں اس قسم کا رشتہ موجود ہو جو اوپر مذکور ہوا، نسب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دودھ کے ایسے رشتے ہوں جب بھی دونوں کا جمع کرنا حرام ہے مثلاً عورت اور اس کی رضاعی بہن یا خالہ پھوپی۔ (عالمگیری)

(۴) غیر مسلمہ سے نکاح

مسئلہ: مسلمان مرد کا نکاح، کتابیہ یعنی یہودی و نصرانی عورت کے سوا مجوسیہ، آتش پرست، بت پرست، آفتاب پرست غرض کسی کافرہ سے نہیں ہو سکتا اور مسلمان عورت

کا نکاح، مسلمان مرد کے سوا، کسی اور مذہب والے سے نہیں ہو سکتا۔ (عالمگیری وغیرہ) اگرچہ وہ اہل کتاب سے ہو۔

مسئلہ: یہودیہ اور نصرانیہ سے مسلمان کا نکاح ہو سکتا ہے بایں معنی کہ نکاح کر لیں تو ہو جائے گا یعنی اس میں جماع زنا نہ ہوگا، وطی حرام نہ کہلائے گی اور اولاد مسلمان قرار پائے گی مگر چاہیے نہیں کہ اس سے بہت سی برائیوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ (عالمگیری) مثلاً اولاد پر اندیشہ کہ یہودیوں نصرانیوں کی عادت سیکھے۔ پھر یہ جواز اس وقت تک ہے جبکہ عورت اپنے مذہب یہودیت یا نصرانیت پر ہو اور اگر صرف نام کی یہودی، نصرانی ہوں اور حقیقتاً نیچری اور دہریہ مذہب رکھتی ہوں جیسے آج کل کے عموماً نصاریٰ کا کوئی مذہب ہی نہیں تو ان سے نکاح نہیں ہو سکتا اور کر بھی لیا تو ایسی عورتوں سے نامِ نکاح اس حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

مسئلہ: قادیانی مرزائی کہ ختم نبوت کے منکر ہیں اور وہابی، رافضی جو بدمذہب ضروریاتِ دین میں سے کسی دینی ضرورت کا انکار کرتا اور قطعی کفریہ عقائد رکھتا ہے ایسوں سے نکاح قطعاً یقیناً محض باطل اور زنائے خالص ہے۔ اور جو کسی ضرورتِ دینی کا منکر نہیں ان کے بارے میں بھی علمائے اہلسنّت کا قول فیصل یہی ہے کہ ان سے شادی بیاہ کے تعلقات جائز نہیں۔

ضروری: بدمذہب عورت کو نکاح میں لاتے وقت یہ خیال کر لینا کہ ہم اس پر غالب ہیں اس کی بدمذہبی ہمیں کیا نقصان دے گی بلکہ اسے سنی کریں گے محض حماقت ہے۔ یہ رشتہ تو دوستی، میل رغبت، میل محبت، مہر پیدا کرتا ہے اور محبت میں آدمی اندھا بہرا ہو جاتا ہے اور دل پلٹتے خیال بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی ہے۔ اللہ عزوجل اپنے حفظ و امان ہی میں رکھے اور ایسے کو اپنی بیٹی دینا تو سخت قہر، قاتل زہر ہے کہ عورتیں مغلوب و محکوم ہوتی ہیں۔ پھر انہیں اپنے شوہر کی محبت بھی ماں سے باپ سے تمام دنیا سے زیادہ ہوتی ہے، پھر وہ نرم دل بھی زائد ہیں اور ناقصات العقل والدین بھی ہیں اور نکاح ہر وقت کا ساتھ ہے اور وہ بدمذہب ہے تو ضرور اس سے نادیدنی دیکھے گی اور ناشنیدنی سنے

گی اور انکار پر قدرت نہ ہوگی تو یہ عمر بھر کے لیے فضیحت و رسوائی کا سامان پیدا کرنا ہے۔
(فتاویٰ رضویہ)

(۵) عورت کا کسی دوسرے کے نکاح یا عدت میں ہونا

قرآن کریم نے عقدِ نکاح کو "مِیۡثَاقًا غَلِیۡظًا" عہدِ مستحکم، محکم پیمان اور باہمی نبھاؤ کا مضبوط بندھن قرار دیا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ نکاح کی اس بندش کی گرہ، شوہر کے ہاتھ میں ہے تو جب تک شوہر طلاق نہ دے عورت بدستور اس کے نکاح میں رہتی ہے اگرچہ تعلقات بظاہر قائم نہ ہوں، اور یہ دوسرے کی عدت میں ہو جب بھی نہیں ہو سکتا۔ عدت طلاق کی ہو خواہ موت کی۔

مسئلہ: عدت میں نکاح حرام قطعی ہے بلکہ نکاح تو بڑی چیز ہے قرآن عظیم نے عدت میں صریح پیام کو بھی حرام فرمایا اور عدت گزرنے پر، نکاح کر لینے کے وعدے کو بھی حرام فرمایا۔ صرف اس کی اجازت دی ہے کہ دل میں خیال رکھو یا کوئی پہلودار بات ایسی کہو جس سے بعد عدت، ارادۂ نکاح کا اشارہ نکلتا ہو۔ صاف صاف یہ ذکر نہ ہو کہ میں بعد عدت تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ پھر پہلودار بات بھی عدت وفات والی سے کہنا جائز ہے، عدت طلاق والی سے وہ بھی جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عورت کسی کے نکاح میں ہے مگر شوہر نے چھوڑ رکھا ہے، نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ اس کی خبر گیری رکھتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے۔ اس حالت میں بھی جب تک موت یا طلاق نہ ہو کسی اور سے نکاح حرام ہے اور حالات زمانہ کو آڑ بنا کر نکاح کرنا اور بھی برا۔ کیا یہ نکاح حرام نہ ہوگا تو وہم آئندہ سے بچنے کے لیے قصداً حرام کاری کے کیا معنی۔
(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: جس عورت کو زنا کا حمل ہے اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔ پھر اگر اسی کا وہ حمل ہے تو وطی بھی کر سکتا ہے اور اگر دوسرے کا ہے تو جب تک بچہ نہ پیدا ہو لے وطی

جائز نہیں اور جس عورت کا حمل ثابت النسب ہے اس سے کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔
(عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: عورت کا شوہر برسوں سے غائب ہے، کچھ پتا نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مرگیا اور اب عورت اپنا دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو ہرگز نکاح نہیں کر سکتی۔ اس پر لازم ہے کہ صبر و انتظار کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی ولادت کو ستر برس گزر جائیں اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے۔ اب عورت عدت گزار کر دوسرا عقد کر سکتی ہے۔ ضرورت اور جوانی کا عذر حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ بہت کم سن لڑکیاں کہ بیوہ ہو جاتی ہیں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی عمر بھر نام نکاح نہیں لیتیں اس وقت ضرورت و جوانی کدھر چلی جاتی ہے۔ ہزاروں وہ ہیں جن کے شوہر زندہ موجود ہیں مگر ان کی طرف سے قطعی لاپرواہ، وہ اپنی عمر کیونکر کاٹتی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ) جس دل میں خدا و رسول کا خوف اور اسلام و شریعت کا پاس ہوتا ہے ہر حال میں خدا و رسول ہی پر ان کا بھروسہ ہوتا ہے اور وہی اس کی نیا پار لگاتے ہیں۔ ضرورتوں کے لیے جائز محنت مزدوری کے دروازے کھلے ہیں اور جوانی کے لیے روزہ۔ آخر حدیث شریف میں روزہ کو سپر یعنی ڈھال بتایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ روزہ مرد خواہ عورت کو بہکنے اور بھٹکنے نہیں دیتا۔

(۶) رضاعت یعنی دودھ کے رشتے

رضاع یعنی دودھ کا رشتہ، عورت کا دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے اور دودھ پینے سے مراد یہی معروف طریقہ نہیں بلکہ حلق یا ناک میں ٹپکایا جب بھی یہی حکم ہے اور تھوڑا پیا یا زیادہ، بہرحال حرمت ثابت ہوگی جبکہ اندر پہنچ جانا معلوم ہو۔ اور اگر چھاتی منہ میں لی مگر یہ نہیں معلوم کہ دودھ پیا تو حرمت ثابت نہیں۔ (جوہرہ نیرہ)

مسئلہ: بچہ کو دودھ پلانا چھوڑ دیا گیا ہے مگر اس کو کسی عورت نے دودھ پلا دیا، اگر اڑھائی برس کے اندر ہے تو رضاعت ثابت ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: بچہ نے جس عورت کا دودھ پیا وہ اس بچہ کی ماں ہو جائے گی اور اس کا شوہر (جس کی وطی سے بچہ پیدا ہوا جس سے عورت کو دودھ اترا) اس دودھ پینے والے بچے کا باپ ہو جائے گا اور اس عورت کے تمام بچے اس کے بھائی بہن، خواہ اسی شوہر سے ہوں یا دوسرے شوہر سے۔ اس کے دودھ پینے سے پہلے کے ہوں یا بعد کے یا ساتھ کے اور عورت کے بھائی، اس کے ماموں، اس کی بہن، اس کی خالہ، یونہی اس شوہر کی اولاد اس کے بھائی بہن، اس کے بھائی، اس کے چچا، اس کی بہنیں، اس کی پھوپیاں خواہ شوہر کی یہ اولاد اسی عورت سے ہو یا دوسری سے، یونہی ہر ایک کے ماں باپ، اس کے دادا دادی، نانا نانی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جو نسب میں حرام ہے رضاع میں بھی حرام ہے ہاں کچھ مرد عورت اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وقت ضرورت علماء سے دریافت کریں۔

مسئلہ: قدرتِ خداوندی سے کنواری لڑکی کے دودھ اتر آیا اور کسی بچہ نے مدت رضاع میں اس کا دودھ پی لیا یا مردہ عورت کا دودھ پی لیا جب بھی رضاعت ثابت ہو گئی۔ (درمختار) مگر نو برس سے کم عمر لڑکی کا دودھ پیا تو رضاع نہیں۔ (جوہرہ)

مسئلہ: ایک عورت کا دو بچوں نے دودھ پیا اور ان میں ایک لڑکا ایک لڑکی ہے تو یہ بھائی بہن ہیں اور ان میں نکاح حرام۔ اگرچہ دونوں نے ایک وقت میں دودھ نہ پیا ہو بلکہ دونوں میں برسوں کا فاصلہ ہو اگرچہ ایک کے وقت میں ایک شوہر کا دودھ تھا اور دوسرے کے وقت میں دوسرے کا۔ (درمختار)

مسئلہ: جس عورت سے زنا کیا اور بچہ پیدا ہوا اس عورت کا دودھ جس لڑکی نے پیا وہ زانی پر حرام ہے۔

مسئلہ: پانی یا دوا میں عورت کا دودھ ملا کر پلایا تو اگر دودھ غالب ہے یا برابر تو رضاع ثابت ہے، مغلوب ہے تو نہیں۔ یونہی اگر بکری وغیرہ کسی جانور کے دودھ میں ملا کر دیا تو اگر یہ دودھ غالب ہے رضاع نہیں ورنہ ہے۔

مسئلہ: عورتوں کو چاہیے کہ بلاضرورت ہر بچہ کو دودھ نہ پلا دیا کریں اور پلائیں تو خود بھی یاد رکھیں اور لوگوں سے یہ بات کہہ بھی دیں۔ عورت کو بغیر اجازت شوہر کسی بچہ کو دودھ پلانا مکروہ ہے البتہ اگر اس کے ہلاک کا اندیشہ ہے تو کراہت نہیں۔ (ردالمحتار) مگر میعاد کے اندر رضاعت بہرصورت ثابت ہو جائے گی۔

مسئلہ: بچہ کو دو برس تک دودھ پلایا جائے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ دودھ پینے والا بچہ، لڑکا ہو یا لڑکی، اور یہ جو بعض عوام میں مشہور ہے کہ لڑکی کو دو برس تک اور لڑکے کو اڑھائی برس تک پلا سکتے ہیں یہ صحیح نہیں۔ یہ حکم دودھ پلانے کا ہے اور نکاح حرام ہونے کے لیے اڑھائی برس کا زمانہ ہے یعنی دو برس کے بعد اگرچہ دودھ پلانا حرام ہے مگر اڑھائی برس کے اندر اگر دودھ پلا دے گی حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی اور اس کے بعد اگر پیا تو حرمت نکاح ثابت نہ ہو گی اگرچہ پلانا جائز نہیں۔

مسئلہ: مدت پوری ہونے کے بعد بطور علاج بھی دودھ پینا یا پلانا جائز نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: دو برس کے اندر بچہ کا باپ اس کی ماں کو دودھ چھڑانے پر مجبور نہیں کر سکتا اور اس کے بعد کر سکتا ہے۔ (ردالمحتار)

نکاح میں ولایت اور وکالت

اسلام سے پہلے کہیں تو عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح تصرف میں لانے کا رواج تھا اور کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا تھا اور اب بھی کہیں اسے مجسم شیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کہیں صرف اغراضِ شہوانی کا آلہ قرار دیا جاتا ہے۔ غرض کہ کہیں اور کسی طرح عورت کی شخصیت، اس کی ذہنیت اور اس کے حقوق کا ذرہ برابر بھی پاس و لحاظ نہیں رکھا گیا۔ یہ صرف اسلام ہے جس نے ساری دنیا سے اس ظلم و تشدد کو جڑ سے اکھاڑا اور عورت کو بیٹی، بہن اور بیوی، ماں کی حیثیت سے ابھارا اور ہر حیثیت

میں اس کے حقوق کی نگرانی فرمائی۔ اسے اختیارات دیئے اور ان اختیارات کو کام میں لانے کا حوصلہ بخشا۔ یہاں تک کہ اسے اپنی ازدواجی زندگی، اپنی مرضی کے مطابق گزر بسر کرنے کی اجازت دی۔ بشرطیکہ وہ عقل و شعور سے بہرہ ور ہو۔ بچپن کی حدود سے گزر کر بلوغ تک پہنچ چکی ہو اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو اس کے خاندان کے لیے بے عزتی اور بدنامی کا باعث ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک جوان لڑکی حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اس کے باپ نے نکاح کر دیا اور وہ اس نکاح کو ناپسند کرتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا یعنی چاہے تو اس نکاح کو جائز کر دے یا رد کر دے۔ (ابوداؤد) اور مسلم شریف میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ثیّب" (وہ عورت جو کنواری نہ ہو) ولی سے زیادہ اپنے نفس کی حقدار ہے اور بکر (کنواری) سے اجازت لی جائے اور چپ رہنا بھی اس کا اذن (اجازت) ہے۔

فقہی مسائل

مسئلہ: ولی وہ ہے جس کا قول دوسرے پر نافذ ہو۔ (یعنی جس کا حکم دوسرے پر چلے) دوسرا چاہے یا نہ چاہے اور قرابت کی وجہ سے ولی وہ مرد ہے جس کو اس سے قرابت و رشتہ، کسی عورت کی وساطت سے نہ ہو، یا یہ کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قربت کا رشتہ دار جو مرد ہو وہ ولی ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: ولی کسی کے بنانے کا نہیں ہوتا وہ شریعتِ مطہرہ نے ترتیب وار مقرر کیے ہیں۔ اور یہاں ولایت کی وہی ترتیب معتبر ہے جو وراثت میں معتبر ہے۔ مثلاً سب میں پہلا ولی بیٹا ہے، پھر باپ، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا، پھر سگا بھتیجا، پھر سوتیلا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا، پھر سگے چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے کا۔ وعلیٰ ہذا القیاس دادا، پردادا کی اولاد کا جو مرد عاقل بالغ قریب تر ہوگا، وہی ولی ہے اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر ماں ولی ہے۔ پھر دادی پھر نانی پھر ان کے بعد اور دوسرے لوگ۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: ولی کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے اور مسلمان کے ولی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ کہ کافر کو مسلمان پر کوئی اختیار نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: عورت بالغہ عاقلہ کا نکاح بغیر اس کی اجازت کے کوئی نہیں کر سکتا نہ باپ نہ کوئی اور۔ کنواری ہو یا بیاہی، یونہی مرد عاقل بالغ آزاد کا نکاح ان کی مرضی کے برخلاف کوئی نہیں کر سکتا۔ (عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: کنواری عورت سے اس کے ولی یا ولی کے وکیل یا قاصد نے اذن مانگا یا ولی نے بلا اجازت لیے، نکاح کر دیا اور اب عورت کو اس کی خبر دی گئی اور عورت خاموش رہی یا ہنسی یا مسکرائی یا بغیر آواز کے روئی تو ان سب صورتوں میں اذن سمجھا جائے گا کہ پہلی صورت میں نکاح کر دینے کی اجازت ہے اور دوسری صورت میں نکاح کیا ہوا منظور ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اذن طلب کرتے وقت اس نے سن کر کچھ جواب نہ دیا اس لیے کہ اسے کھانسی یا چھینک آ گئی یا کسی نے اس کا منہ بند کر دیا کہ بول نہ سکی تو ان صورتوں میں وہ چپ رہنا اجازت نہیں اس کے بعد وہ رد کر سکتی ہے اور ہنسنا اگر بطور مذاق اڑانے کے ہو یا رونا آواز سے ہو تو اذن نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت سے قبل نکاح اذن لینے گئے اس نے کہا کسی اور سے ہوتا تو بہتر تھا تو یہ انکار ہے اور اگر نکاح کے بعد خبر دی گئی اور عورت نے وہی لفظ کہے تو سمجھا جائے گا کہ اسے یہ نکاح قبول ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اذن لینے میں یہ ضروری ہے کہ جس سے نکاح کرنا ہو اس کا نام اس طرح لیا جائے کہ وہ عورت اس مرد کو پہچان سکے اور بہتر ہے کہ اذن لیتے وقت مہر کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ (درمختار)

مسئلہ: اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے۔ مثلاً عورت خبر نکاح سن کر کہے میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا راضی ہوئی، یا مجھے قبول ہے یا اچھا کیا یا خدا مبارک کرے

وغیرہ الفاظ رضا۔ یونہی اس فعل یا حال سے بھی ہو جاتی ہے جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت مبارکباد لے یا خبرِ نکاح سن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے وغیرہ وغیرہ۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کے لیے ولی شرط ہے۔ بغیر ولی ان کا نکاح نہیں ہو سکتا اور عاقلہ بالغہ نے ولی کی اجازت کے بغیر بطور خود اپنا نکاح خفیہ خواہ اعلانیہ کر لیا تو اس کے منعقد اور صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ شوہر اس کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشے یا مال یا چال چلن میں عورت سے اتنا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا نکاح ہو جانا، عورت کے اہل خاندان اور اولیاء کے لیے ننگ و عار اور بدنامی کا باعث ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ نکاح نہ ہو گا۔ ہاں عورت نے بشرطیکہ عقل سے بہرہ ور اور بالغہ ہو اپنے کفو میں، اولیاء سے اجازت لیے بغیر نکاح کر لیا تو نکاح صحیح ہو گیا۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: نابالغہ کا انکار و اقرار کوئی چیز نہیں۔ ان کے حق میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ اولیاء خود ایجاب و قبول کریں یا ان کی اجازت سے ان کے وکیل۔ نابالغوں سے ایجاب و قبول کہلوانے کی ضرورت نہیں اگرچہ وہ بات سمجھتے اور اور الفاظ و معنی کا قصد کر سکتے ہوں۔ تاہم اگر ولی کی اجازت سے ہے تو نافذ بھی ہے ورنہ اجازتِ ولی پر موقوف ہے جبکہ کوئی مانعِ شرعی نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: نابالغ لڑکا اور لڑکی اگرچہ ثیّب ہو ان کے نکاح پر ان کے ولی کو ولایتِ اجبار حاصل ہے یعنی اگرچہ یہ لوگ نہ چاہیں ولی نے جب نکاح کر دیا، ہو گیا۔ پھر اگر باپ دادا نے نکاح کر دیا ہے تو اگرچہ مہرِ مثل سے بہت کم یا زیادہ پر کیا یا غیر کفو سے کیا جب بھی ہو جائے گا بلکہ لازم ہو جائے گا کہ ان کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کے توڑنے کا اختیار نہیں اور اگر باپ دادا کے سوا کسی اور نے کیا ہے اور غیر کفو یا مہرِ مثل میں زیادہ کمی بیشی کے ساتھ ہو تو مطلقاً صحیح نہیں۔ اور اگر کفو سے مہرِ مثل کے کیا ہے تو صحیح ہے مگر بالغ ہونے کے بعد فسخ کا اختیار ہو گا اگرچہ خلوت بلکہ وطی ہو چکی ہو۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: جن صورتوں میں بالغ ہونے کے بعد عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے

وہاں یہ بات بھی ضروری ہے کہ عورت جس وقت بالغہ ہوئی اسی وقت کسی کو گواہ بنائے کہ میں ابھی بالغ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں اور رات میں اگر اسے حیض آیا تو اسی وقت اپنے نفس کو اختیار کر لے اور صبح کو گواہوں کے سامنے اپنا بالغ ہونا اور اختیار کرنا بیان کرے مگر یہ نہ کہے کہ رات کو بالغ ہوئی بلکہ یہ کہے میں اس وقت بالغ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا اور اس لفظ سے یہ مُراد لے کہ میں اس وقت بالغ ہوں تاکہ جھوٹ نہ ہو۔ (بزازیہ وغیرہ)

مسئلہ: عورت کو یہ معلوم نہ تھا کہ اسے خیارِ بلوغ حاصل ہے، اس بنا پر اس نے اس پر عمل درآمد نہ کیا۔ اب اسے یہ مسئلہ معلوم ہوا تو اب کچھ نہیں کر سکتی کہ اس کے لیے جہل عذر نہیں کہ نہ معلوم کرنا اور نہ سیکھنا خود اس کا قصور ہے۔ لہٰذا معذوری نہیں۔ (درمختار وغیرہ) عورتیں ان مسائل کو خوب ذہن نشین کر لیں۔

مسئلہ: لڑکی کم از کم نو برس میں اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے، اس بیچ میں جب آثار بلوغ ظاہر ہوں وہ بالغہ ہے ورنہ پندرہ سال پورے ہونے پر اس کے بالغ ہونے کا حکم دے دیا جائے گا۔ اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: نکاح کے لیے وکیل کسی طرف کا ضروری نہیں اور دونوں طرف سے بھی ہو سکتے ہیں اور ایک طرف سے بھی، جدھر سے چاہیں۔

کفو کا بیان

نوعِ انسانی کی جتنی قومیں یا نسلیں دنیا میں پائی جاتی ہیں، وہ دراصل ایک ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود نوعِ انسانی کا قوموں، قبیلوں اور کنبوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پورے روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا، نسل بڑھنے کے

ساتھ بے شمار خاندانوں اور پھر خاندانوں سے قبیلوں اور کنبوں کا وجود میں آنا لازمی امر تھا- اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ، خدوخال، زبان، اور طرز رہائش کے اعتبار سے لامحالہ انہیں ایک دوسرے سے مختلف ہونا ہی تھا اور ایک خطے کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دور دراز کے خطوں کے رہنے والوں کو ان سے دور تر رہنا ہی تھا تاکہ جو ایک دوسرے کے قریب ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق کار اور معاون و مددگار ہوں اور ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرہ قائم رکھیں تاکہ ایک دوسرے کے ساتھی ایک دوسرے کے بہی خواہ اور ہمدرد بن کر رہیں- شادی بیاہ میں بھی اس حقیقت کو معتبر مانا گیا اور قبیلوں اور کنبوں میں باہمی رواداری کی بقا کی خاطر مرد و عورت میں نکاح کے وقت اس کا لحاظ رکھا گیا- شریعت کی زبان میں اسی کو کفو کہتے ہیں- نکاح کو ہر پہلو سے مکمل کرنے کے لیے شریعت نے کفو کا بھی لحاظ کیا ہے-

کفاءت میں یہی روح کار فرما ہے کہ عائلی زندگی کی بنیاد ایسے امور پر رکھی جائے جس سے خاندان اور گھرانہ آباد اور شاد کام رہے- اَن میل اور بے جوڑ شادیاں، عموماً تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے- پھر ایسی شادیاں، عورتوں کے اصل زیور حیاو شرم سے انہیں ننگا بھی کر دیتی ہیں اور یہ عورت کی جیتے جی موت ہے-

مسئلہ: کفاءت میں چھ چیزوں کا اعتبار ہے- نسب، اسلام، حرفت، حریت، دیانت، مال- اور خلاصہ ان سب کا یہ ہے کہ عورت جس مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہے، وہ اپنے نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح کے باعث عورت کے اولیاء کو دنیاوی اعتبار سے ننگ و عار اور بدنامی و رسوائی کا سامنا ہو اور ان کے لیے باعزت طور پر جینا دو بھر ہو جائے- بلکہ خود اس کے حق میں اس کا شوہر وبالِ جان بن جائے-

مسئلہ: دیانت یا دین داری میں کفو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دین دار، خدا ترس مسلمان کا کفو وہ فاسق و فاجر نہیں ہو سکتا جس کا فسق و فجور، اس دیندار کے لیے

رسوائی و ذلت کا موجب ہو اگرچہ اس دیندار کی لڑکی خود متقیہ نہ ہو- (درمختار)

تنبیہ: ظاہر ہے کہ فسق اعتقادی (بد دینی و بدمذہبی) فسق عملی یعنی بدچلنی سے بدرجہا بدتر ہے لہٰذا سنی عورت کا کفو وہ بدمذہب نہیں ہو سکتا جس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور جو بدمذہب ایسے ہیں کہ ان کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہو ان سے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مسلمان ہی نہیں کفو ہونا تو بڑی بات ہے- جیسے روافض، وہابیۂ زمانہ کہ ان کے عقائد و اقوال نے انہیں اسلامی برادری میں رہنے کے قابل ہی نہ رکھا-

قرآن کریم نے اس بات میں دوٹوک فیصلہ یہ دیا کہ:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ - (البقرہ: ۲۲۱)

اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے- اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور اپنی عورتوں کو مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو- وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے، اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں-

مشرکین کے ساتھ شادی بیاہ کی ممانعت کی علت و حکمت یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو، خواہ مرد ہوں یا عورت، ان اعمال اور ان عقائد کی طرف، اس طریقِ زندگی کی طرف بلاتے اور اس بودوباش کی طرف آمادہ کرتے ہیں جو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں- اور یہ علت جس طرح غیر مسلموں، کافروں، مشرکوں میں پائی جاتی ہیں اسی طرح ان مرتدین میں بھی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے- جو کلمہ پڑھ کر، ضروریاتِ دینیہ میں سے کسی ضرورتِ دینی کا انکار کرتے ہیں تو ان کے اعمال و عقائد بعینہٖ کافروں، مشرکوں کے اعمال و عقائد ہیں-

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عورت مرد کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک شہوانی اور جنسی خواہشات کی تکمیل کا تعلق نہیں بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی اخلاقی اور قلبی تعلق ہے- انتہائی الفت و رفق کا تعلق ہے اور قرآن حکیم گواہ ہے کہ زناشوئی وہ عظیم رشتہ ہے کہ

خواہی نخواہی باہم انس و محبت اور الفت و رافت پیدا کرتا ہے اور حدیث شاہد ہے کہ عورت کے دل میں جو بات شوہر کی ہوتی ہے کسی کی نہیں ہوتی۔ (ابن ماجہ و حاکم) تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ کافروں، مرتدوں اور بد دینوں سے شادی بیاہ کے مراسم ایک دوسرے کے طرز زندگی اور عقائد و اعمال پر اثر ڈالیں گے، وہیں اس امر کا بھی امکان ہے کہ ان تعلقات سے ان کے خاندان اور نسل بھی متاثر ہو اور غالب امکان اس امر کا ہے کہ ایسے تعلقات زنا شوئی سے، عقائد و اعمال کی ایک ایسی معجون مرکب اس گھر اور اس خاندان میں پرورش پائے گی جسے غیر مسلم خواہ کتنا ہی پسند کریں مگر اسلام کسی طرح پسند کرنے کو تیار نہیں۔ جو شخص صحیح معنوں میں صاحب ایمان ہو، وہ محض اپنے جذبات کی تسکین کے لیے کبھی یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ اس کے گھر اور اس کے خاندان میں کفر و ارتداد اور بے دینی و بدمذہبی پروان چڑھے اور اگر بالفرض ایک فرد مومن کسی بنیاد پر اس میں مبتلا ہو جائے تب بھی اس کے ایمان کا تقاضا یہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے خاندان اپنی نسل اور اپنے دین و اخلاق، اور عقائد و اعمال پر اپنے شخصی جذبات کو قربان کر دے۔ ایسے بے جوڑ، جوڑے عقائد و اعمال اور دین و اخلاق کی تباہی اور خاندان و نسل کی بربادی کا موجب بھی ہوتے ہیں اور وبالِ آخرت اور رسوائی و روسیاہی کا باعث بھی۔

مسئلہ: بالغ خود نکاح کرنا چاہے تو کفو عورت سے کر سکتا ہے کہ عورت کی جانب سے اس صورت میں کفاءت معتبر نہیں۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہربانو سے جو پرویز بادشاہ ایران کی پوتی تھیں، شادی کی اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایمان لائیں اور نابالغ میں دونوں طرف سے کفو ہونے کا اعتبار ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: مال میں کفاءت کے معنی یہ ہیں کہ مرد کے پاس اتنا مال ہو کہ مہر معجل اور نفقہ دینے پر قادر ہو تو ایک ایسا شخص جو ادائے نان و نفقہ پر قادر نہ ہو غنی کا کفو نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کی ضرورت نہیں کہ مال میں یہ اس کے برابر ہو۔ (خانیہ)

مسئلہ: جن لوگوں کے پیشے ذلیل سمجھے جاتے ہیں وہ اچھے پیشے والوں کے کفو نہیں

ہو سکتے۔ مثلاً جوتا بنانے والے (موچی) چمڑا پکانے والے سائیس چرواہے، یہ بزاز عطر فروش وغیرہ تاجروں کے جن کا پیشہ دنیاوی اعتبار سے شریف پیشہ مانا جاتا ہے۔ کفو نہیں ہو سکتے۔ (ردالمحتار)

عورت کا حق مہر

قرآن کریم میں مہر کا مختلف عبارتوں اور اسلوبوں میں ذکر اور مہر کی بار بار تاکید سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شریعت اسلامی میں عورتوں کے حق کا کس درجہ اہتمام فرمایا گیا ہے۔ جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے مرد کو چھوٹی بڑی رقم تو خرچ کرنی ہی ہوتی ہے خواہ یہ تکمیل حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے بصورتِ نکاح ہو یا حدودِ شرع سے تجاوز کر کے بصورتِ زنا ہو۔ فرق یہ ہے کہ نکاح سے زندگی، اصولی زندگی بن کر انسانوں کی طرح مقید و پابند ہو جاتی ہے۔ ورنہ بصورتِ دیگر انسان وحشی جانوروں کی طرح چھوٹا رہتا ہے۔

وہ رقم معین جس کا ادا کرنا، ازروئے شریعت، شوہر پر واجب ہو، اصطلاحِ شرع میں اسے مہر کہتے ہیں۔ اور شریعتِ اسلامیہ نے مہر کا الزام اس حد تک کیا ہے کہ اگر نکاح میں مہر کا ذکر ہی نہ ہو یا اس کی مقدار مقرر نہ کی گئی ہو یا نفی کر دی گئی ہے اور اس نفی پر مرد و عورت دونوں راضی ہوں کہ نکاح بلا مہر قبول کیا تو اس صورت میں بھی مہر واجب قرار پائے گا۔

مسئلہ: مہر کی مقدار کم از کم دس درہم ہے اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، جس قدر باندھا جائے گا لازم ہو جائے گا۔ درہم چاندی کا ایک سکہ تھا جو اب رائج نہیں۔ دس درہم کی مقدار وزن کے اعتبار سے قریباً دو روپے تیرہ آنے بھریا دو تولہ سات ماشہ چار رتی چاندی ہے جس کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ روپیوں کی صورت میں مہر مقرر کریں تو اس کا خیال ضرور رکھیں کہ یہ رقم، دس درہم چاندی کی قیمت سے کم نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: وطی یا خلوتِ صحیحہ یا زن و شوہر میں سے کسی کی موت کی صورت میں مہر موکد ہو جاتا ہے۔ یعنی شوہر پر پورا مہر لازم آتا ہے کہ جو مہر مقرر ہے اب اس میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر صاحبِ حق نے کل مہر یا اس کا کوئی حصہ معاف کر دیا ہے تو معاف ہو جائے گا۔ اور مہر موکد نہ ہوا تھا مثلاً عورت کی رخصتی عمل میں نہ آئی تھی یا خلوتِ صحیحہ نہ پائی گئی اور شوہر نے طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہو گا۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: شغار یعنی ایک شخص نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح دوسرے سے کر دیا اور دوسرے نے اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس سے کر دیا اور ہر ایک کا مہر دوسرا نکاح ہے تو ایسا کرنا گناہ و منع ہے۔ اور مہر مثل واجب ہو گا۔ (درمختار)

مسئلہ: نکاح میں مہر کا ذکر ہی نہ ہوا یا مہر کی نفی کر دی کہ بلا مہر نکاح کیا تو نکاح ہو جائے گا اور اگر خلوتِ صحیحہ ہو گئی یا دونوں میں سے کوئی مر گیا تو مہرِ مثل واجب ہے۔ بشرطیکہ بعد عقد آپس میں کوئی مہر طے نہ پایا گیا ہو ورنہ وہی طے شدہ مہر ہے۔
(عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عورت نابالغہ ہے اور اس کا باپ مہر معاف کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا اور بالغہ ہے تو اس کی اجازت پر معافی موقوف ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد عورت اور مرد تنہائی میں جمع ہوں اور کوئی چیز جماع سے مانع نہ ہو تو یہ خلوت بھی جماع ہی کے حکم میں ہے اور اگر دونوں ایک جگہ تنہائی میں جمع ہوئے مگر کوئی مانعِ شرعی (مثلاً عورت کا حیض و نفاس میں ہونا یا ان میں سے کسی کا رمضان کا روزہ دار ہونا) یا مانعِ حسی مثلاً مرد کا بیمار ہونا یا عورت کا اس حد تک بیماری میں مبتلا ہونا کہ وطی سے ضرر کا صحیح اندیشہ ہے یا مانعِ طبعی (کہ وہاں کوئی تیسرا موجود ہے۔ غرض ان میں سے کوئی مانع) پایا جاتا ہے تو یہ خلوتِ فاسدہ ہے، خلوتِ صحیحہ کے احکام اس پر نافذ نہ ہوں گے۔

مسئلہ: لڑکا جو اس قابل نہیں کہ وطی کر سکے اپنی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہا یا

زوجہ اتنی چھوٹی لڑکی ہے کہ اس قابل نہیں اور اس کا شوہر اس کے ساتھ تنہائی میں رہا ان دونوں صورتوں میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت کے خاندان کی اس جیسی عورت کا (کہ عمر، جمال، مال، عقل، تمیز، دیانت پارسائی، علم و ادب اور کنواری یا بیاہی ہونے میں یکساں ہوں) جو مہر ہو وہ اس کے لیے مہرِ مثل ہے۔ مثلاً اس کی بہن، پھوپی، چچا کی بیٹی وغیرہ کا مہر، اس کی ماں کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل نہیں جبکہ وہ دوسرے گھرانے کی ہو۔ اور اس کی ماں اسی خاندان کی ہو مثلاً اس کے باپ کی چچا زاد بہن ہے تو اس کا مہر اس کے لیے مہرِ مثل ہے۔ شوہر کا حال بھی ملحوظ ہوتا ہے۔ مثلاً جوان اور بوڑھے کے مہر میں اختلاف ہوتا ہے، شہر اور زمانہ کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: مہر شرعی جو لوگ یہ سمجھ کر باندھتے ہیں کہ سب سے کم درجے کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے تو اس صورت میں دو تولے سات ماشہ چار رتی چاندی وغیرہ دینی آئے گی اور جو یہ سمجھ کر باندھتے ہیں کہ جو مہر حضرت خاتونِ جنت کا تھا تو ڈیڑھ سو تولے چاندی آئے گی اور جس کی سمجھ میں کچھ نہیں خالی ایک لفظ بول دیتے ہیں تو وہاں مہر مثل لازم آتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مہر کی قسمیں

مسئلہ: مہر تین قسم پر ہے۔ معجل کہ رخصت سے پہلے دینا قرار پالیا ہو۔ اس کے لیے عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرے، رخصت نہ ہو اور اگر رخصت ہو گئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مطالبہ کرے بلکہ مہر معجل وصول کرنے کے لیے عورت اپنے کو شوہر سے روک سکتی ہے۔ اگرچہ اس سے پیشتر عورت کی رضامندی سے خلوت و وطی ہو چکی ہو۔ یعنی یہ حق عورت کو ہمیشہ حاصل ہے جب تک وصول نہ کرلے۔ دوسرا معجل جس کی میعاد قرار پائی ہو کہ دس برس یا بیس برس یا پانچ

دن کے بعد ادا کیا جائے گا تو جب تک وہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں اور میعاد گزرنے کے بعد ہر وقت مطالبہ کر سکتی ہے۔

تیسرا مؤخر کہ نہ پیشگی کی شرط ٹھہری ہو، نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو، یونہی مطلق و مبہم طور پر باندھا ہو جیسا کہ آج کل عام طور پر یونہی باندھتے ہیں اس میں تاوقتیکہ موت یا طلاق نہ ہو عورت کو مطالبہ کا حق نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، عالمگیری وغیرہ) اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ مہر ادا کیے بغیر، عورت کو ہاتھ لگانا حرام ہے، محض غلط ہے۔

چند متفرق مسائل

(۱) جس لڑکی سے منگنی ہوئی اس کے پاس لڑکے کے یہاں سے مٹھائی شکر اور میوے وغیرہ آئے پھر کسی وجہ سے نکاح نہ ہوا تو اگر وہ چیزیں تقسیم ہو گئیں اور بھیجنے والے نے تقسیم کی اجازت بھی دے دی تھی تو واپس نہیں لے سکتا ہے۔ (عالمگیری) تقسیم کی اجازت صراحتاً ہو یا عرفاً مثلاً ان بلاد میں ایسے موقعوں پر ایسی چیزیں اسی لیے بھیجتے ہیں کہ لڑکی والا اپنے کنبہ اور رشتہ داروں میں بانٹے گا۔ یہ چیزیں اس لیے نہیں ہوتیں کہ رکھ لے گا یا خود کھا جائے گا۔ (بہار شریعت)

(۲) لڑکی والوں نے نکاح یا رخصت کے وقت شوہر سے کچھ لیا ہو یعنی بغیر لیے نکاح یا رخصت سے انکار کرتے ہوں اور شوہر نے دے کر نکاح یا رخصت کرائی تو شوہر اس چیز کو واپس لے سکتا ہے اور وہ نہ رہی تو اس کی قیمت لے سکتا ہے کہ یہ رشوت ہے۔ (بحر وغیرہ) اور رخصت کے وقت جو کپڑے بھیجے اگر بطور تملیک ہیں (کہ وہ چیزیں لڑکی والوں کی ملک میں دے دیں) جیسے ہندوستان میں عموماً رواج ہے کہ ڈال بری جوڑے بھیجے جاتے ہیں اور عرف یہی ہے کہ لڑکی کو مالک کر دیتے ہیں تو انہیں واپس نہیں لے سکتا اور تملیک نہ ہو تو لے سکتا ہے۔ (عالمگیری)

(۳) لڑکی نے ماں باپ کے مال اور اپنی دست کاری سے کوئی چیز جہیز کے لیے تیار کی اور اس کی ماں مر گئی، باپ نے وہ چیز جہیز میں دے دی تو اس کے بھائیوں کو یہ حق نہیں

پہنچتا کہ اس چیز میں ماں کی طرف سے میراث کا دعویٰ کریں۔ یونہی اس کا باپ جو کپڑے لاتا رہا، اس میں سے یہ اپنے جہیز کے لیے بنا کر رکھتی رہی اور بہت کچھ جمع کر لیا اور باپ مر گیا تو یہ اسباب لڑکی کا ہے۔ (عالمگیری)

(۴) شادی وغیرہ تمام تقریبات میں طرح طرح کی چیزیں بھیجی جاتی ہیں، اس کے متعلق ان علاقوں میں مختلف قسم کی رسمیں ہیں۔ ہر شہر میں اور ہر قوم میں جدا جدا رسوم ہیں۔ ان کے متعلق ہدیہ اور ہبہ کا حکم ہے یا قرض کا۔ عموماً رواج سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دینے والے یہ چیزیں بطور قرض دیتے ہیں اسی وجہ سے شادیوں میں اور تقریب میں جب روپے دیئے جاتے ہیں تو ہر شخص کا نام اور رقم تحریر کر لیتے ہیں جب اس دینے والے کے یہاں تقریب ہوتی ہے تو یہ شخص جس کے یہاں دیا جا چکا ہے، فہرست نکالتا ہے اور اتنے روپے ضرور دیتا ہے جو اس نے دیئے تھے اور اس کے خلاف کرنے میں سخت بدنامی ہوتی ہے اور موقع پا کر کہتے بھی ہیں کہ نیوتے کا روپیہ نہیں دیا اگر یہ قرض نہ سمجھتے ہوتے تو ایسا عرف نہ ہوتا جو ان علاقوں میں ہے۔ (بہار شریعت)

(۵) کوئی عورت عدت میں تھی، اسے خرچ دیتا رہا، اس امید پر کہ بعد عدت اس سے نکاح کر لے گا اگر نکاح ہو گیا تو جو کچھ خرچ کیا ہے واپس نہیں لے سکتا اور عورت نے نکاح سے انکار کر دیا تو جو کچھ اسے بطور تملیک دیا ہے، واپس لے سکتا ہے اور جو بطور اباحت دیا ہے (کہ اس کی ملکیت میں دیئے بغیر اس کے برتنے یا کام میں لانے اور ضرورت پوری کرنے کو دیا) مثلاً اس کے یہاں کھانا کھاتی رہی تو یہ واپس نہیں لے سکتا ہے۔ (بہار شریعت)

(۶) جس مرد کی دو یا تین یا چار عورتیں ہوں، اس پر عدل فرض ہے۔ یعنی جو چیزیں اختیاری ہوں، ان میں سب عورتوں کو یکساں لحاظ کرے، یعنی ہر ایک کو اس کا پورا حق ادا کرے۔ پوشاک اور نان نفقہ اور رہنے سہنے میں سب کے حقوق پورے ادا کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کی دو عورتیں ہوں اگر ان دونوں میں عدل نہ کرے گا تو قیامت کے دن حاضر ہو گا اس طرح پر کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط (بیکار) ہو گا۔ (ترمذی) اور جو بات اس کے اختیار کی نہیں، اس میں مجبور و معذور ہے۔ مثلاً ایک کی زیادہ محبت ہے،

دوسری کی کم۔ یوں ہی جماع سب کے ساتھ برابر ہونا بھی ضروری نہیں۔ (در مختار)

(۷) ایک ہی بی بی ہے مگر مرد اس کے پاس نہیں رہتا بلکہ نماز روزہ میں مشغول رہتا ہے تو عورت شوہر سے مطالبہ کر سکتی ہے اور حکم دیا جائے گا کہ عورت کے پاس بھی رہا کرے کہ حدیث میں فرمایا: وان لزوجک علیک حقا تیری بی بی کا تجھ پر حق ہے۔ روزمرہ شب بیداری اور روزے رکھنے میں اس کا حق تلف ہوتا ہے، اسے چاہیے کہ عورت کا بھی لحاظ رکھے اس کے لیے بھی کچھ وقت دے۔ (جوہرہ نیرہ وغیرہ)

(۸) شوہر بناؤ سنگھار کو کہتا ہے یہ نہیں کرتی (گھر میں میلی کچیلی پراگندہ حال رہتی ہے) یا وہ اپنے پاس بلاتا ہے اور یہ نہیں آتی۔ اس صورت میں شوہر کو مارنے کا بھی حق ہے اور نماز نہیں پڑھتی تو طلاق دے سکتا ہے۔ (عالمگیری)

(۹) ایسی عورتیں جو آپس میں سوت ہیں، ایک ہی مکان میں رہنے پر خود راضی ہوں تو رہ سکتی ہیں مگر ایک کے سامنے دوسری سے وطی نہ کرے۔ اگر ایسے موقع پر عورت نے انکار کر دیا تو نافرمان نہیں قرار دی جائے گی۔ (عالمگیری)

طلاق کا بیان

قرآن عظیم کا ارشاد گرامی ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً۔

اللہ کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہیں میں سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم ان سے مل کر چین پاؤ، اور تمہارے آپس میں دوستی و مہر رکھی۔

اس آیۂ کریمہ میں اسلام کے خانگی نظام زندگی اور اہل و عیال کے ساتھ گزر بسر کے لیے چند باتیں بطور اصل کے بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۱) مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں، تمہاری ہی ہم جنس مخلوق ہیں۔ انسانیت میں تمہاری ہی طرح ہیں، تمہاری طرح ان کی بھی کچھ خواہشیں، کچھ جذبات اور کچھ

احساسات ہیں۔ ان کی حیثیت لونڈی باندیوں کی نہیں۔

(۲) عورتوں کی پیدائش کا منشاء یہ ہے کہ وہ مردوں کے لیے راحتِ قلبی اور تسکینِ روحانی کا سرمایہ اور دلی سکون کا باعث ہوں۔

(۳) مرد اپنی فطرت کے تقاضے عورت کے پاس، اور عورت اپنی فطرت کی مانگ مرد کے پاس آئے اور دونوں ایک دوسرے سے وابستہ ہو کر سکون و اطمینان حاصل کریں۔

(۴) مرد عورت کے تعلقات کی بنیاد، باہمی محبت و اخلاص اور ہمدردی پر ہونا چاہیے۔ ان کے اندر دو طرفہ ایسی کشش و جذب اور میلان ہونا چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد و غم خوار اور رنج و راحت میں شریک رہیں اور زندگی کی منجدھار میں اپنی کشتی ایک ساتھ کھینچتے رہیں۔

(۵) مرد عورت میں ایک دوسرے کے لیے وہ مانگ، وہ پیاس، وہ اضطراب کی کیفیت پائی جاتی ہے کہ انہیں حقیقی سکون میسر نہیں آسکتا۔ جب تک وہ ایک دوسرے سے جڑ کر اور باہم شیر و شکر ہو کر نہ رہیں۔

الغرض قرآن کریم نے اس باب میں سخت تاکید کی ہے کہ وہ عہد و پیمان جو زن و شوہر کے درمیان شرعی طور پر وجود میں آئے ہیں۔ حتی الامکان قائم رکھے اور مقدور بھر انہیں ٹوٹنے نہ دیا جائے۔

لیکن دو طرفہ تعلقات میں جب ہمدردی و غم خواری باقی نہ رہے، محبت و اخلاص ناپید ہو جائے، وہ ایک دوسرے کے لیے راحت و تسکین کا سرمایہ نہ بن سکیں۔ حقوقِ زوجیت تلف ہونے لگیں غرض نبھاؤ مشکل ہو جائے اور دفعِ شر کے لیے علیحدگی کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے تو ایسی صورت شریعتِ مطہرہ نے علیحدگی و جدائی کے لیے بھی ایک نظام، ایک قانون دیا جسے عرفِ شریعت میں طلاق کہا جاتا ہے۔

طلاق کے لفظی معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور شریعت نے اسے ایک خاص چھوڑنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ یعنی وہ افتراق یا جدائی جو زن و شوہر کے درمیان واقع ہو، یا یوں کہہ لیں کہ نکاح سے عورت شوہر کی پابند ہو جاتی ہے، اس پابندی کو اٹھا

دینے کو طلاق کہتے ہیں۔

شریعت میں طلاق مباح ہے مگر ابغض المباحات یعنی تمام حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک زیادہ ناپسندیدہ، اسی لیے شریعت نے اس نظام پر بھی چند پابندیاں عائد کر دی ہیں جن کی وجہ سے طلاق کی اجازت کا استعمال محض وقتی اور ہنگامی اثرات کا نتیجہ نہ ہو۔

طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کے لیے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے جیسے کسی حصۂ جسم میں زہریلا مادہ پیدا ہو جانے کے باعث اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگرچہ عضو کاٹنا بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

طلاق دینے والے کو شریعتِ مطہرہ پہلے سمجھاتی ہے کہ اب وہ ایک ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہے اور مبغوض بھی للہذا جب تک یہ مسلم نہ ہو جائے کہ صرف یہی ایک صورت، مرد کے بقاء و صحت اور حفاظت عزت و ایمان کی رہ گئی ہے اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن کریم نے اس کے لیے چند تفصیلی احکام دیئے۔

(۱) مثلاً فرمایا کہ:

فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

اور اگر وہ عورتیں تمہیں ناپسند ہوں تو عجب کیا کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر عورت میں کوئی ایسا نقص موجود ہو جس کی بنا پر وہ شوہر کو پسند نہ آئے تو بھی یہ مناسب نہیں کہ شوہر فوراً دل برداشتہ ہو کر اسے چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ عورت میں بہت سی خوبیاں ایسی ہوتی ہیں جو ازدواجی زندگی اور گرہستی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں کہ اگر اسے اپنی ان خوبیوں کے اظہار کا موقع ملے تو شوہر پر خود یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ اس کی بیوی میں برائیوں کے مقابلے میں خوبیاں کہیں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ للہذا یہ بات پسندیدہ نہیں کہ آدمی ازدواجی تعلق کو منقطع کرنے میں جلد بازی سے کام لے۔ طلاق بالکل آخری چارۂ کار ہے جس کو

بدرجہ مجبوری کام میں لانا چاہیے۔

(۲) اسی سورہ نساء میں فرمایا:

اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا۔ (الآیہ)

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح خوب ہے۔

یعنی ایک عورت اگر اپنے سے اپنے شوہر کو پھرا ہوا دیکھے کہ اس سے علیحدہ رہتا ہے یا کھانے پینے کو نہیں دیتا یا نان نفقہ میں کمی کرتا ہے یا مارتا یا بدزبانی سے پیش آتا ہے اور اس سے دور دور رہتا ہے تو طلاق و جدائی اختیار کرنے سے یہ بات کہیں بہتر ہے کہ عورت اپنے حقوق کا کوئی حصہ، شوہر پر معاف کر دے۔ اسے خوش کرنے کے لیے اپنے حق میں سے کچھ چھوڑ دے۔ مثلاً اپنا مہر معاف کر دے یا اس میں کمی کر دے۔ اپنی باری کا دن دوسری بیوی کو دے دے۔ اپنے مصارف کا بار ہلکا کر دے اور اس باہمی مصالحت اور میل ملاپ کے بعد عورت اسی شوہر کے ساتھ رہے جس کے ساتھ وہ عمر کا ایک حصہ گزار چکی ہے۔

ازدواجی تعلقات میں تلخی دور کرنے کے لیے یہ ایک ایسا نسخہ ہے جسے شریعت مطہرہ نے عورت کے اختیار و تصرف میں دیا۔

(۳) بیویاں اگر ناشائستہ، ناشزہ، نافرمان اور حقوق شوہر سے لاپرواہ ہوں جس کے باعث پر مسرت ازدواجی زندگی کے بجائے آپس میں تصادم اور دھینگا مشتی شروع ہو جائے تو ایسی صورت میں اصلاحِ احوال کے لیے قرآن کریم نے مردوں کو تین تدبیریں بتائیں۔

(۱) فَعِظُوْهُنَّ انہیں سمجھاؤ اور بتاؤ کہ شوہر کی نافرمانی اور اس کی اطاعت نہ کرنے اور اس کے حقوق کا لحاظ نہ رکھنے کے نتیجے دنیا و آخرت دونوں میں خسران و وبال کے سوا کچھ نہیں اور خدا کا عذاب مول لینا کوئی دانشمندی کی بات نہیں۔

اگر عورت شریف طینت ہے تو اس کے لیے اتنا ہی کافی ہو گا۔ اس میں بھی شوہر

کو یہ تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آکر کوئی کارروائی نہ کرے۔

(ب) اب بھی اگر صلاح نہ ہو تو سزا کی دوسری منزل یہ ہے کہ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ مرد کچھ عرصے کے لیے عورت سے بات چیت ترک کریں، انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دیں اور تعلقات ہم بستری منقطع کرلیں۔

(ج) یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو اور عورت اپنی سرکشی و نافرمانی پر قائم رہے جیسا کہ بعض رذیل طبقوں میں دیکھا جاتا ہے تو اب تیسرا علاج یہ ہے کہ وَاضْرِبُوهُنَّ تادیب کے طور پر ہلکی سی مار ماری جائے۔ ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان ہو جائے، عورت کیسی ہی بے غیرت کیوں نہ ہو معمولی مار سے راہ راست پر آجاتی ہے۔ تاہم بعض بدخصلت عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ کسی تدبیر سے درست ہی نہیں ہوتیں اور اپنی سرکشی و نافرمانی میں حد سے تجاوز کرجاتی ہیں تو اب شریک زندگی سے نبھاؤ کے تمام راستے بند ہوجاتے ہیں۔ اس روز کی چیخ و پکار کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر گھر رسوائی ہوتی ہے اور مرد عورت دونوں کے لیے یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔ ایسی حالت میں شریعتِ مطہرہ پھر دونوں کو ایک اور موقع دیتی ہے اور وہ یہ کہ فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا۔

یعنی جہاں میاں بیوی میں ناموافقت اور ایسی کشمکش پیدا ہو جائے جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں تو دو ثالث مقرر کیے جائیں تاکہ نزاع سے انقطاع (علیحدگی) تک نوبت پہنچے یا عدالت میں معاملہ جانے سے پہلے، گھر کے گھر میں کوئی اصلاح کی صورت نکل آئے۔ میاں بیوی میں نزاع ہونے میں یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ فوراً طلاق طلاق ہو جائے یا کسی اور ایسی ہی کارروائی کی نوبت آجائے بلکہ پہلے یہ کوششیں، مصالحت و مفاہمت کی کرلی جائیں، رشتۂ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے۔ اس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگائی جانی چاہیے اور اس مصالحت و مفاہمت کی تدبیر یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ہر ایک کے خاندان کا ایک ایک آدمی اس غرض سے مقرر کیا جائے کہ دونوں مل کر اختلاف کے اسباب کی چھان بین کریں اور پھر آپس میں سر جوڑ کر بیٹھیں اور تصفیہ کی کوئی صورت نکالیں۔ اسلام کو یہ بات پسند نہیں کہ خانگی الجھنوں اور میاں بیوی کے مابین مناقشوں کا

علم ہونے کے باوجود ان کے خاندان کے بااثر بارسوخ اور باوقار افراد، دامن سمیٹ کر الگ تھلگ ہو جائیں جیسے کہ ان کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ اس خانگی نزاع کو یہ لوگ اپنا ہی معاملہ سمجھیں اور اپنی سی کوشش میں کوئی کمی نہ کریں بلکہ زوجین اگر اپنے اپنے رشتہ داروں میں سے خود ہی کسی کو منتخب نہ کریں تو انہیں چاہیے کہ اپنے اپنے خاندانوں کے وقار کی خاطر مداخلت کریں اور احکامِ شرعیہ کی روشنی میں مناسب فیصلہ دیں۔ ماننا نہ ماننا ان دونوں کے اختیار میں ہے۔

اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور اصلاحِ احوال کی تمام تدبیریں رائیگاں جائیں اور قصور کا بوجھ صرف عورت پر ہو تو اب شوہر کو اجازت ہے کہ اسے طلاق دے دے۔ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حساب و کتاب، طلاق دینے کا مجاز تھا جس عورت سے اس کا شوہر بگڑ جاتا وہ اس کو بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا تاکہ وہ غریب نہ تو اس کے ساتھ گزربسر کرسکے اور نہ ہی اس سے آزاد ہو کر کسی اور سے نکاح کرسکے۔ قرآنِ مجید و حدیث شریف نے اس ظلم کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا اور طلاق کے باب میں شوہروں پر پابندیاں عائد کیں اور انہیں بتایا کہ اگر تم عورتوں کو طلاق دینے پر مجبور ہو جاؤ اور سوائے طلاق کے کوئی اور چارۂ کار نہ رہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جب عورت اپنے ایام معمولہ (حیض) سے فارغ ہو تو حالتِ طہر میں ایک مرتبہ طلاق دی جائے اور اگر جھگڑا ایسے زمانہ میں ہوا جبکہ عورت ایام ماہواری میں ہو تو شوہر کو اس وقت کا انتظار کرنا چاہیے جب وہ ایام ماہواری سے فارغ ہو جائے ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کے روک کے لیے ہے اب پہلی طلاق کے بعد بھی عورت کے دل میں ندامت نہ ہو یا شوہر کے دل میں برداشت کی طاقت نہ ہو اور ایک ماہ گزرنے پر عورت دوسری بار حیض سے فارغ ہو جائے تو اب شوہر دوسرے مہینے میں طلاق دے سکتا ہے۔

اب پھر ایک مہینے کی لمبی میعاد ان دونوں کے درمیان ہے، اس میعاد میں اگر جھوٹے غصے بے جا بدگمانیاں اور فضول شکایتیں معدوم ہو چکیں اور دونوں میں پھر نبھاؤ کی خواہشیں بیدار ہو رہی ہیں تو شریعتِ مطہرہ، مرد کو رجعت کا حکم دیتی ہے اور اس

رجعت کے آڑے آنے والی جھوٹی ناموریوں، خاندانی وجاہتوں، دنیاوی طعنوں اور دشنام طرازیوں کو کچل کر، دونوں کو پھر دوبارہ میاں بیوی کی طرح رہنے کی اجازت دیتی ہے بلکہ پہلی یا دوسری طلاق کی عدت بھی گزر جائے تب بھی دونوں کے لیے موقع باقی رہتا ہے کہ پھر باہمی رضامندی سے نکاح کرلیں گویا اس آخری گنجائش سے فائدہ اٹھاکر طلاق واپس لے لی جائے اور تعلقاتِ زوجیت از سرنو قائم کیے جائیں۔ البتہ شریعتِ مطہرہ نے مردوں کو تنبیہہ فرمائی کہ رجوع کرتے ہو تو اس نیت سے کہ اب حسن سلوک سے رہنا ہے۔ ورنہ بہتر یہ ہے کہ شریفانہ طریقہ پر رخصت کردو زوجیت میں واپسی خانہ آبادی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ خانہ بربادی کے لیے۔

بہرحال اب ان دو طلاقوں کے بعد بھی ناخوشگوار تعلقات کا خاتمہ نہ ہوا اور نفرت و ضد کی بنیاد ایسی مضبوط ہے کہ مرد اب تک طلاق ہی پر تلا ہوا ہے، ادھر عورت دوسری طلاق کے بعد ایام ماہواری سے فارغ ہو چکی ہے تو اب شریعت اسے بتلاتی ہے کہ دیکھ یہ ہما تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے۔ چڑیا اڑ گئی تو کف افسوس ہی ملنا پڑے گا۔ خوب سمجھ لے لیکن مرد اپنی بات پر اڑا ہوا ہے تو شریعت اسے مجبور نہیں کرتی اور معاہدۂ شادی کو زندگی بھر کے لیے طوقِ لعنت بنانا گوارا نہیں کرتی۔ البتہ اس تیسری طلاق کے بعد نہ تو شوہروں کو رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ اس کا ہی موقع رہتا ہے کہ دونوں کا پھر نکاح ہو سکے۔ اب حلالہ کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

اعتذار

فقیر کو ان مباحث کی تحریر کے دوران کئی بار یہ خیال آیا کہ ان بحثوں اور موشگافیوں سے عورت کو کیا واسطہ۔ لیکن معاً اس خیال سے دل کو تسکین ملتی رہی کہ ماشاء اللہ قوم کی سمجھ دار بیٹیاں اور بہنیں تو اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور کم از کم وہ تو یہ سمجھ سکتی ہیں شریعتِ مطہرہ طہرہ نے کس طرح عورتوں کے حقوق کی حفاظت فرمائی اور ان کی زندگی کو بامقصد اور باوقعت بنایا ہے۔ کیائی تہذیب کے کسی بھی گوشہ میں یہ

موتی دستیاب ہو سکتے ہیں۔ جن سے اسلام نے عورت کے دامن کو مالا مال فرمایا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

تنبیہ ضروری: طلاق دینا جائز ہے۔ ہاں بے حاجت، بلاوجہ شرعی طلاق دینا مکروہ و ممنوع ہے مگر دے گا تو پڑ ضرور جائے گی، کہ طلاق شوہر کی زبان پر رکھی گئی ہے تو اس کا مرتکب مکروہ بلکہ بعض صورتوں میں گناہ گار ہونا بھی طلاق کو واقع ہونے سے نہیں روکتا۔ جیسے حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے کہ حکمِ الٰہی کی نافرمانی ہے مگر دے گا تو ضرور ہو جائے گی اور دینے والا گناہ گار ہو گا۔

اور وجہ شرعی موجود ہو تو طلاق دینا مباح، بلکہ بعض صورتوں میں مستحب ہے مثلاً عورت پر شبہ ہو یا وہ نافرمان ہو تو ایسی صورت میں اسے طلاق دینا بلا کراہت جائز و مباح ہے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر عورت اسے یا اوروں کو ایذا دیتی ہے یا نماز نہیں پڑھتی ہے اور یہ مہر ادا کرنے پر قادر نہ ہو جب بھی طلاق دے دینی چاہیے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بے نمازی عورت کو طلاق دے دوں اور اس کا مہر میرے ذمہ باقی ہو۔ اس حالت میں دربار خدا میں میری پیشی ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں اس کے ساتھ زندگی بسر کروں۔ بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہوتی ہے مثلاً شوہر نامرد یا ہجڑا ہے یا شوہر کے ماں باپ اسے حکم دیتے ہیں کہ عورت کو طلاق دے دے اور نہ دینے میں انہیں ایذا ہو یا وہ ناراض ہوں تو واجب ہے کہ طلاق دے دے اگرچہ عورت کا کچھ قصور نہ ہو کہ ماں باپ کی نافرمانی کا وبال اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

چند فقہی مسائل

مسئلہ: ہر عاقل و بالغ کا فعل چونکہ شریعت کے نزدیک قابلِ تسلیم ہے اس لیے طلاق کے لیے شرط یہ ہے کہ شوہر عاقل بالغ ہو۔ نابالغ یا مجنون نہ خود طلاق دے سکتا ہے

نہ اس کی طرف سے اس کا ولی۔ ہاں اگر عقل کسی خارجی شے سے زائل کر دی جائے مثلاً نشے والے نے طلاق دی، یا غصہ کی حالت میں طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی کہ عاقل کے حکم میں ہے اور نشہ خواہ شراب پینے سے ہو یا بھنگ وغیرہ کسی اور چیز سے۔ افیون کی پینک میں طلاق دے دی تب بھی واقع ہو جائے گی۔ (تاکہ کوئی شخص غصہ یا نشہ کو سپر نہ بنا سکے جس سے عورت کے حقوق تلف ہوتے ہیں) اور طلاق میں عورت کی جانب سے کوئی شرط نہیں۔ نابالغہ ہو یا مجنونہ بہرحال طلاق واقع ہو جائے گی۔ (عالمگیری وغیرہ) یونہی عورت کو حمل کی حالت میں طلاق دی جائے قطعاً واقع ہو جائے گی عوام میں جو مشہور ہے کہ حاملہ عورت پر طلاق نہیں پڑتی محض بے اصل ہے۔

مسئلہ: سرسام و برسام یا کسی اور بیماری میں جس میں عقل جاتی رہی یا غشی کی حالت میں یا سوتے میں طلاق دے دی تو واقع نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر غصہ اس حد کا ہو کہ عقل جاتی رہے تو واقع نہ ہوگی۔ (درمختار وغیرہ) آج کل اکثر طلاق دے بیٹھتے ہیں بعد کو افسوس کرتے اور طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ ایک عذر اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ غصہ میں طلاق دی تھی۔ عزیزو! طلاق تو عموماً غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے اور اس حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے اور وہ صورت کہ عقل غصہ سے جاتی رہے، بہت نادر ہے۔ یونہی طلاق بخوشی دی جائے خواہ جبریہ، واقع ہو جائے گی۔ عزیزو! نکاح شیشہ ہے اور طلاق سنگ، شیشہ پر پتھر خوشی سے پھینکے یا جبر سے یا خود ہاتھ سے چھوٹ جائے شیشہ ہر طرح ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ: کسی نے شوہر کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا اس نے لکھ دیا مگر نہ دل میں ارادہ طلاق ہے، نہ زبان سے طلاق کا لفظ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔ مجبوری سے مُراد شرعی مجبوری ہے۔ محض کسی کے اصرار کر دینے پر لکھ دینا یا یہ خیال کر کے لکھ دینا کہ بڑا ہے اس کی بات کیسے ٹالوں تو یہ مجبوری نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: طلاق دو قسم ہے۔ (یعنی باعتبار الفاظ طلاق) صریح، کنایہ۔ صریح وہ جس سے طلاق مُراد ہونا ظاہر ہو۔ اکثر طلاق میں اس کا استعمال ہو۔ اگرچہ وہ کسی زبان کا لفظ ہو

جیسے اردو میں یہ لفظ کہ "میں نے تجھے چھوڑا" صریح ہے۔ اس سے ایک طلاق ہو جائے گی۔ کچھ نیت ہو یا نہ ہو۔ کنایہ طلاق وہ الفاظ ہیں جن سے طلاق مُراد ہونا ظاہر نہ ہو۔ طلاق کے علاوہ اور معنوں میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: جو الفاظ طلاق کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ جب انہیں طلاق میں استعمال کیا جائے گا تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور جو الفاظ کہ طلاق کے لیے وضع نہیں کیے گئے ہیں بلکہ ان کا استعمال اشارتاً اور کنایتاً طلاق کی طرف ہے۔ تو ایسے الفاظ کے استعمال سے طلاقِ بائن پڑتی ہے جب کہ نیت طلاق ہو یا حالت بتاتی ہو کہ طلاق مُراد ہے۔ مثلاً پیشتر طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہیں:

بعض میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے بعض میں گالی کا احتمال ہے اور بعض میں نہ یہ ہے نہ وہ ہے بلکہ جواب کے لیے متعین ہیں۔ اگر رد کا احتمال ہے تو مطلقاً ہر حالت میں نیت کی حاجت ہے۔ بغیر نیت طلاق نہیں اور جن میں گالی کا احتمال ہے ان سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اور طلاق کا ذکر تھا تو نیت کی ضرورت نہیں اور تیسری صورت میں جو فقط جواب ہو تو خوشی میں نیت ضروری ہے اور غضب و مذاکرۂ طلاق کے وقت بغیر نیت بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ (درمختار، بہار شریعت)

مسئلہ: عورت کا حاملہ ہونا، طلاق واقع ہونے سے نہیں روکتا۔ حالت حمل میں طلاق جائز و حلال ہے۔ اگرچہ ایام حمل میں شوہر اس سے جماع بھی کر چکا ہو۔ اب اگر طلاق بائن تھی یا طلاق رجعی تھی اور بچہ پیدا ہونے تک نہ زبانی رجعت کی نہ زوجہ کو ہاتھ لگایا تو بعد ولادت عورت نکاح سے نکل گئی۔ اب اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے اور طلاق رجعی تھی اور ولادت سے قبل شوہر نے رجعت کر لی تو عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے۔ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی۔ (فتاوٰی رضویہ)

مسئلہ: عورت سے کہا طلاق طلاق طلاق۔ نہ یہ کہا کہ دی نہ یہ کہا کہ تجھ کو یا اس عورت کو۔ مگر قرائن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی ہے

یا وہ خود اقرار کرتا ہے کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی ہے تو تین طلاقیں پڑ گئیں۔ بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: طلاق (باعتبار حکم و نتیجہ) تین قسم ہے۔

(۱) **رجعی:** وہ جس سے عورت فی الحال نکاح سے نہیں نکلتی۔ عدالت کے اندر اگر شوہر رجعت کر لے وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی۔ ہاں عدت گزر جائے اور رجعت نہ کرے تو اس وقت نکاح سے نکلے گی پھر بھی برضائے خود (باہمی رضامندی سے) نکاح کر سکتے ہیں۔

(۲) **بائن:** وہ جس سے عورت فی الفور نکاح سے نکل جاتی ہے۔ ہاں برضائے خود نکاح کر سکتے ہیں۔ عدت کے اندر خواہ بعد میں۔

(۳) **مغلظہ:** وہ کہ عورت فوراً نکاح سے نکل بھی گئی اور کبھی ان دونوں کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ جب تک حلالہ نہ ہو۔ یہ تین طلاقوں سے ہوتا ہے خواہ ایک ساتھ دی ہوں خواہ برسوں کے فاصلے سے۔ رجعی دی ہوں یا بائن یا بعض رجعی بعض بائن۔

طلاق کے سینکڑوں لفظ ہیں بعض سے رجعی پڑتی ہے بعض سے بائن اور بعض سے مغلظہ۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عورت کو طلاق نہیں دی ہے مگر لوگوں سے کہتا ہے کہ میں طلاق دے آیا تو طلاق ہو جائے گی۔ یوں ہی ایک طلاق دی ہے اور لوگوں سے کہتا ہے تین دی ہیں تو فیصلہ یہی ہو گا کہ تین دی ہیں۔ اگرچہ کہے میں نے جھوٹ کہا تھا۔ (فتاویٰ خیریہ)

مسئلہ: جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں تو وہ عورت اس شوہر کے لیے بے حلالہ کسی طرح حلال نہیں ہو سکتی۔ اگر شوہر اس کے باوجود اس سے ہم بستری کرے تو وہ صحبت زنا ہو گی اور اگر اسے مسئلہ معلوم ہے تو یہ زانی اور شرعاً سزائے زنا کا مستحق ہو گا اور اولاد ولد الزنا اور ترکہ پدری سے محروم ہو گی۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں یا بائن طلاق دی مگر اب انکار

کرتا ہے اور عورت کے پاس گواہ نہیں تو جس طرح ممکن ہو عورت اس سے پیچھا چھڑائے۔ مہر معاف کر کے یا اپنا مال اس کو دے کر اس سے علیحدہ ہو جائے۔ غرض جس طرح بھی ممکن ہو اس سے کنارہ کشی کرے اور کسی طرح وہ نہ چھوڑے تو عورت مجبور ہے مگر ہر وقت اسی فکر میں رہے کہ جس طرح ممکن ہو رہائی حاصل کر لے اور اس کی پوری کوشش کرے کہ صحبت نہ کرنے پائے۔ عورت جب ان باتوں پر عمل کرے گی تو معذور ہے اور شوہر بہرحال گناہ گار ہے۔ (درمختار، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ عدت گزرنے پر کچھ لوگوں نے اس عورت کا نکاح کسی اور سے شرعی طریقہ پر کرا دیا اب شوہر ثانی اگر بے صحبت کیے اسے طلاق دے بھی دے جب بھی عورت شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہو سکتی کہ بحکم قرآن و حدیث دوسرے شوہر کا اس سے صحبت کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: زید نے عمرو سے کہا تو نے اپنی عورت کو طلاق دی۔ اس نے نرم دبے لہجے میں کہا "میں نے طلاق دی" یہ اقرار ہے طلاق ہو گئی اور اگر اس نے ترش و گرم ہو کر سخت آواز سے تعجب یا زجر یا توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کے لہجہ میں کہا "میں نے طلاق دی" یہ انکار ہے، طلاق نہ ہوئی۔ الفاظ بعینہا وہی ہیں اور حکم اثبات سے نفی میں بدل گیا۔ یونہی اگر عورت نے کہا "مجھے دے" اس نے نہ مانا۔ عورت نے پوچھا "دی" اس نے جھڑکنے کے لہجے میں سختی سے کہا "دی" طلاق نہ ہوئی۔ ورنہ ہو گئی۔ (فتاویٰ رضویہ)

تنبیہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ طلاق کے مسائل بہت نازک ہیں، ایک حرف کی بیشی درکنار، لہجے کے بدلنے سے حکم بدلتا ہے، سخت احتیاط درکار ہے۔

رجعت کا مسنون طریقہ

مسئلہ: رجعت کے یہ معنی ہیں کہ جس عورت کو رجعی طلاق دی ہو، عدت کے اندر اس کی پہلے نکاح میں واپسی۔ اور رجعت اسی عورت سے ہو سکتی ہے جس سے وطی

کی ہو۔ اگر خلوت صحیحہ ہوئی مگر جماع نہ ہوا تو نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اسے شہوت کے ساتھ چھوا ہو۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: رجعت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کسی لفظ سے رجعت کرے اور رجعت پر دو عادل شخصوں کو گواہ کرے اور عورت کو بھی خبر کر دے کہ وہ عدت کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرے اور اس صورت میں کہ قول سے رجعت کی مگر گواہ نہ کیے یا گواہ بھی کیے مگر عورت کو خبر نہ کی تو مکروہ و خلافِ سُنّت ہے مگر رجعت ہو جائے گی اور اگر فعل سے رجعت کی مثلاً اس سے وطی کی یا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تو رجعت ہو گئی مگر مکروہ ہے۔ اسے چاہیے کہ پھر گواہوں کے سامنے رجعت کے الفاظ کہے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: رجعت کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے تجھ سے رجعت کی۔ یا تجھ کو واپس اپنے نکاح میں لیا یا روک لیا یا اپنی زوجہ سے رجعت کی۔ یہ سب صریح الفاظ ہیں۔ ان میں بلا نیت بھی رجعت ہو جائے گی اور اگر عورت سے کہا کہ تو میرے نزدیک ویسی ہی ہے جیسے تھی یا تو میری عورت ہے۔ تو اگر بہ نیت رجعت یہ الفاظ کہے، رجعت ہو گئی ورنہ نہیں اور نکاح کے الفاظ سے بھی رجعت ہو جاتی ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: رجعت میں عورت کی رضا کی ضرورت نہیں بلکہ اگر وہ انکار بھی کرے جب بھی ہو جائے گی۔ (درمختار)

مسئلہ: حلالہ کی صورت یہ ہے کہ اگر عورت مدخولہ ہے (یعنی شوہر اس سے ہم بستری کر چکا ہے) تو طلاق کی عدت پوری ہونے کے بعد عورت کسی اور سے نکاح صحیح کرے اور شوہر ثانی اس سے وطی بھی کر لے۔ اب اس شوہر ثانی کی طلاق یا موت کے بعد عدت پوری ہونے پر شوہر اول سے نکاح ہو سکتا ہے اور اگر عورت مدخولہ نہیں ہے تو پہلے شوہر کے طلاق دینے کے بعد وہ فوراً دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے کہ اس کے لیے عدت نہیں۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: عقد نکاح یعنی ایجاب و قبول میں یہ شرط لگائی کہ یہ صحبت کے بعد عورت

کو طلاق دے دے گا۔ حدیث شریف میں اس پر لعنت آئی اور یہ نکاح مکروہ تحریمی ہے۔ زوجِ اوّل و ثانی اور عورت تینوں گنہگار ہوں گے۔ اگرچہ عورت اس نکاح سے بھی شوہر اول کے لیے حلال ہو جائے گی اور شرط باطل ہے۔ اور شوہر ثانی طلاق دینے پر مجبور نہیں اور اگر عقد میں شرط نہ ہو اگرچہ نیت میں ہو تو کوئی کراہت نہیں بلکہ اگر نیت خیر ہو تو مستحق ثواب ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیں یا بائن طلاق دی مگر اب انکار کرتا ہے اور عورت کے پاس گواہ نہیں تو جس طرح ممکن ہو، عورت اس سے پیچھا چھڑائے اور کسی طرح وہ نہ چھوڑے تو پوری کوشش اس کی کرے کہ وہ صحبت نہ کرنے پائے۔ عورت ان باتوں پر عمل کرے گی تو معذور ہے، اور شوہر بہرحال گنہگار ہے۔

(درمختار، بہارِ شریعت)

ایلاء اور ظہار کا بیان

زمانہ جاہلیت میں ایک طریقہ میاں بیوی میں علیحدگی کا یہ بھی تھا کہ شوہر غصے میں آ کر قسم کھا بیٹھتے تھے کہ وہ اپنی بیویوں سے ہم بستری نہ کریں گے۔ اصطلاح میں اسی کو ایلاء کہتے ہیں۔ ایلاء کرنے کے بعد جو ایک طرح کی طلاق ہی تھی، شوہر اپنی بیوی کے نان و نفقہ اور ہر قسم کے ادائے حقوق سے معاً دستبردار ہو جاتا تھا۔ اسلام نے اس طریقہ طلاق کی بھی اصلاح کی اور اسے ایک قانون کی شکل میں نافذ فرمایا اور فطرت بشری کا بالکل صحیح اندازہ کر کے حکم دیا کہ چونکہ زوجین میں تعلقات ہمیشہ خوشگوار تو نہیں رہ سکتے، بگاڑ پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن ایسے بگاڑ کو خدا کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ، قانونی طور پر رشتۂ ازدواج میں تو بندھے رہیں، مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں بیوی نہیں ہیں۔ ایسے بگاڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مدت مقرر فرما دی کہ یا تو اس مدت میں سارے پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کے بعد اپنے تعلقات درست کر لو لیکن اس صورت میں ایسی

قسم توڑنے کا گناہ ایک خفیف سے کفارے کے بعد معاف کیا جائے گا ورنہ رشتہ ازدواج منقطع کر دو تاکہ دونوں، ایک دوسرے سے آزاد ہو کر جس سے چاہیں، نباہ کر سکیں۔ فریقین ہنسی خوشی اور باضابطہ معاہدہ نکاح کو فسخ کر کے ایک دوسرے سے مستقل علیحدگی اختیار کر لیں۔ یہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ رہیں تو میاں بیوی، لیکن عملاً ایک دوسرے سے لاتعلق۔

عرب میں بعض اوقات یہ صورت پیش آتی تھی کہ میاں بیوی میں لڑائی ہوتی تو شوہر غصہ میں آ کر کہتا "اَنْتَ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ۔" اس کے لغوی معنی تو یہ ہیں کہ تو میرے اوپر ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ۔ لیکن اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ تجھ سے مباشرت (ہم بستری) کرنا میرے لیے ایسا ہے جیسے میں اپنی ماں سے مباشرت کروں، جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب کے یہاں یہ طلاق، بلکہ اس سے بھی شدید قطعِ تعلق کا اعلان سمجھا جاتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک اس کے معنی یہ تھے کہ شوہر اپنی بیوی سے نہ صرف ازدواجی رشتہ توڑ رہا ہے بلکہ اسے ماں کی طرح اپنے اوپر حرام قرار دے رہا ہے۔ اسی بنا پر اہل عرب کے نزدیک طلاق کے بعد تو رجوع کی گنجائش ہو سکتی تھی، مگر ظہار کے بعد رجوع کا کوئی امکان باقی نہ رہتا تھا۔ اسلام آنے کے بعد اس طرح کے کچھ واقعات رونما ہوئے اور اب بھی بہت سے نادان مسلمان بیوی سے لڑ کر اس کو ماں، بہن، بیٹی سے تشبیہ دے بیٹھتے ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی گویا اب اسے بیوی نہیں، بلکہ ان عورتوں کی طرح سمجھتا ہے جو اس کے لیے حرام ہیں۔ اسی فعل کا نام ظہار ہے۔

قرآن کریم نے ظہار کے متعلق پہلا فیصلہ یہ دیا کہ مَا ھُنَّ اُمَّھٰتِھِمْ۔۔۔الایہ۔ یعنی اگر کسی شخص نے بیوی کو ماں کی طرح کہہ بھی دیا تو وہ بیویاں ان الفاظ کی ادائیگی سے ماں نہیں بن گئیں اور نہ ان میں کوئی ایسی بات پیدا ہو گی کہ وہ حرام قرار دے ہی دی جائیں۔ ماں کا ماں ہونا تو ایک حقیقی امر واقعہ ہے کیونکہ اس نے آدمی کو جنا ہے۔ اسی بنا پر اسے ابدی حرمت حاصل ہے۔ اب آخر وہ عورت جس نے اسے نہیں جنا ہے، محض منہ سے کہہ دینے سے اس کی ماں کیسے ہو جائے گی اور اس کے بارے میں عقل، اخلاق،

قانون، کسی چیز کے اعتبار سے وہ حرمت کیسے ثابت ہو گی جو اس امر واقعی کی بناء پر جننے والی ماں کے لیے ہے۔

دوسرا فیصلہ یہ دیا کہ یہ حرکت تو ایسی ہے کہ اس پر آدمی کو بہت ہی سخت سزا ملنی چاہیے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے اول تو ظہار کے معاملہ میں جاہلیت کے قانون کو منسوخ کر کے تمہاری خانگی زندگی کو تباہی سے بچا لیا۔ دوسرے اس فعل کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے وہ سزا تجویز کی جو اس جرم کی ہلکی سے ہلکی سزا ہو سکتی تھی اور سب سے بڑی مہربانی یہ ہے کہ سزا کسی ضرب یا قید کی شکل میں نہیں بلکہ چند ایسی عبادات اور نیکیوں کی شکل میں تجویز کی جو تمہارے نفس کی اصلاح کرنے والی اور تمہارے معاشرے میں بھلائی پھیلانے والی ہیں، چنانچہ اس بارے میں بھی اگر گناہ کا تدارک کر لیا جائے تو گناہ معاف ہو جائے گا۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام میں بعض جرائم اور گناہوں پر جو عبادات بطور کفارہ مقرر کی گئی ہیں، وہ نہ محض سزا ہیں کہ عبادت کی طرح روح سے خالی ہوں اور نہ محض عبادت ہیں کہ سزا کی اذیت کا کوئی پہلو ان میں نہ ہو بلکہ ان میں یہ دونوں پہلو جمع کر دیئے گئے ہیں تاکہ آدمی کو اذیّت بھی ہو اور ساتھ ساتھ وہ ایک نیکی اور عبادت کر کے اپنے گناہوں کی تلافی بھی کر دے۔ بالفاظ دیگر یہ حکم تادیب کے لیے دیا جا رہا ہے تاکہ مسلمان معاشرے کے لوگ جاہلیت کی اس بری عادت کو چھوڑ دیں اور کوئی شخص اس بے ہودہ حرکت کا ارتکاب نہ کرے۔ بیوی سے لڑنا ہی ہے تو بھلے آدمیوں کی طرح لڑو، طلاق ہی دینا ہے تو سیدھی طرح طلاق دے دو۔ یہ آخر کیا شرافت ہے کہ آدمی جب بیوی سے لڑے تو اسے ماں بہن بنا کر ہی چھوڑے۔

مسلمان عورت بلکہ مرد دیکھے کہ اسلام نے ایک مسلمان گھرانے کو بربادی و تباہی سے بچانے کے لیے کیسے کیسے حکمت آمیز احکام نافذ فرمائے ہیں اور مرد و عورت کس کس طرح خود اپنے گھر تباہ کرتے ہیں۔ اے رب ہمارے! ہماری آنکھیں کھول اور راہ حق پر ثابت قدم رکھ۔ آمین۔

مسائلِ فقہیہ

مسئلہ: ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ شوہر نے قسم کھائی کہ عورت سے قربت نہ کروں گا یا چار مہینے قُربت نہ کرے گا۔ ایلاء دو قسم ہے: ایک مُوَقَّتْ یعنی چار مہینے کا، دوسرا مُؤَبَّدَ یعنی وہ جس میں چار مہینے کی قید نہ ہو۔ بہرحال اگر عورت سے چار ماہ کے اندر جماع کیا تو قسم ٹوٹ گئی اور کفارہ لازم ہو گیا اور قربت نہ کی یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو طلاق ہو گئی۔

پھر اگر ایلائے موقّت تھا یعنی چار مہینے کا تو قسم ساقط ہو گئی یعنی اگر اس عورت سے پھر نکاح کیا تو اب اس کا کچھ اثر نہیں اور اگر موبّد تھا یعنی ہمیشہ کی اس میں قید تھی، مثلاً خدا کی قسم! تجھ سے کبھی قربت نہ کروں گا یا اس میں کچھ قید نہ تھی، مثلاً خدا کی قسم! میں تجھ سے قربت نہ کروں گا تو ان صورتوں میں ایک بائن طلاق پڑ گئی۔ پھر بھی قسم بدستور باقی ہے یعنی اگر اس عورت سے پھر نکاح کیا تو پھر ایلاء بدستور آگیا۔ اگر وقتِ نکاح سے چار ماہ کے اندر جماع کر لیا تو قسم کا کفارہ دے اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قُربت نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو گئی، مگر قسم بدستور باقی ہے، سہ بارہ نکاح کیا تو پھر ایلاء آ گیا۔ اب بھی جماع نہ کرے تو چار مہینے گزرنے پر تیسری طلاق پڑ جائے گی اور اب بے حلالہ نکاح نہیں کر سکتا۔ اگر حلالہ کے بعد پھر نکاح کیا تو اب ایلاء نہیں۔ یعنی چار مہینے بغیر قُربت گزرنے پر طلاق نہ ہو گی مگر قسم باقی ہے۔ اگر جماع کرے گا تو کفارہ واجب ہو گا۔

(عالمگیری)

مسئلہ: ایلاء کے بعض الفاظ صریح ہیں، بعض کنایہ۔ صریح کے بعض الفاظ یہ ہیں: (۱) واللہ میں تجھ سے جماع نہ کروں گا۔ (۲) قُربت نہ کروں گا۔ (۳) صحبت نہ کروں گا۔ (۴) وطی نہ کروں گا۔ (۵) میں تیرے ساتھ نہ سوؤں گا۔ غرض وہ الفاظ جن سے ذہن، معنی جماع کی طرف سبقت کرتا ہو۔ اس معنی میں بہ کثرت استعمال کیے جاتے ہوں، وہ ایلاء صریح ہیں۔ ان میں نیت درکار نہیں، بغیر نیت بھی ایلاء ہے۔

کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔ تیرے چھونے کے قریب نہ جاؤں گا۔ تیرے ساتھ نہ لیٹوں گا۔ تیرے بدن سے میرے بدن نہ ملے گا۔ تیرے پاس نہ رہوں گا۔ یونہی ایسے ہی وہ الفاظ جن میں جماع کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو۔ ان میں بغیر نیت ایلاء نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ایلاء کے لیے چند شرطیں ہیں کہ ان میں سے ایک بھی نہ پائی گئی تو ایلاء نہ ہو گا مثلاً:

(۱) ایلاء صرف منکوحہ سے ہوتا ہے یا اس عورت سے جسے طلاق رجعی دی گئی ہو۔

(۲) شوہر اہل طلاق ہو یعنی وہ طلاق دے سکتا ہو، لہٰذا مجنون و نابالغ کا ایلاء صحیح نہیں۔

(۳) چار مہینے سے کم کی مدت نہ ہو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

(۴) جگہ معین نہ کرے، اگر جگہ معین کی تو ایلاء نہیں۔

تفصیلات کے لیے اہل علم کی طرف رجوع لائیں۔

مسئلہ: عورت سے کہا "تو مجھ پر حرام ہے۔" اس لفظ سے ایلاء کی نیت کی تو ایلاء ہے اور ظہار کی نیت کی تو ظہار ہے ورنہ طلاق بائن اور تین کی نیت کی تو تین۔ اور اگر عورت نے کہا کہ میں تجھ پر حرام ہوں تو یمین (قسم) ہے۔ شوہر نے زبردستی یا اس کی خوشی سے جماع کیا تو عورت پر کفارہ لازم ہے۔ (ردمختار)

مسئلہ: اگر شوہر نے کہا "تو مجھ پر مثل مردار یا گوشت خنزیر یا خون یا شراب کے ہے۔ اگر اس سے جھوٹ مقصود ہے تو جھوٹ ہے اور حرام کرنا مقصود ہے تو ایلاء ہے۔ اور اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہے۔ (جوہرہ)

مسئلہ: ظہار کے معنی یہ ہیں کہ اپنی زوجہ یا اس کے جسم کے کسی ایسے عضو کو جو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہے یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہو مثلاً کہا تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا تیرا سر یا تیری گردن میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے۔

مسئلہ: ظہار کے لیے اسلام و عقل و بلوغ شرط ہے تو اگر نابالغ یا مجنون یا مدہوش یا سرسام و برسام کے بیمار نے یا بے ہوش یا سونے والے نے ظہار کیا تو ظہار نہ ہوا اور ہنسی مذاق میں یا نشہ میں مجبور کیا گیا اس حالت میں یا زبان سے غلطی میں ظہار کا لفظ نکل گیا تو ظہار ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عورت مرد سے ظہار کے لفظ کہے تو ظہار نہیں بلکہ لغو ہیں۔ (جوہرہ)

مسئلہ: محارم سے مراد عام ہے، نسبی ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ سے۔ لہٰذا ماں، بہن، پھوپھی، لڑکی اور رضاعی ماں اور بہن وغیرہما سے اور زوجہ کی ماں سے تشبیہ دی تو ظہار ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت کو ماں، بہن یا بیٹی کہہ دیا تو ظہار نہیں مگر ایسا کہنا مکروہ ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت سے کہا تو "مجھ پر میری ماں کی مثل ہے۔" تو نیت دریافت کی جائے گی اگر اس کے اعزاز کے لیے کہا تو کچھ نہیں اور طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہوگی اور ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے اور تحریم کی نیت ہے تو ایلاء ہے اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔ (جوہرہ نیرہ)

مسئلہ: ظہار کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ نہ دے دے، اس وقت تک اس عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا اس کو چھونا حرام ہے۔ اور لب کا بوسہ بغیر شہوت بھی جائز نہیں۔ کفارہ سے پہلے جماع کر لیا تو توبہ کرے مگر خبردار پھر ایسا نہ کرے اور عورت کو بھی جائز نہیں کہ شوہر کو قربت کرنے دے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: ظہار کرنے والا جماع کا ارادہ کرے تو کفارہ واجب ہے۔ اس کا کفارہ غلام یا کنیز آزاد کرنا ہے اور اس کی استطاعت نہ ہو تو کفارہ میں پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے اور روزے رکھنے پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار قریباً سوا دو سیر گیہوں یا اس کا آٹا یا اس کی گندم کی قیمت کا مالک کر دیا جائے اور انہیں لوگوں کو دیا جائے جنہیں صدقۂ فطر دے سکتے ہیں۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

تنبیہ: ظہار وغیرہ کے کفارے میں تفصیل بڑی کتابوں سے یا علماء سے معلوم کریں۔

خُلع کا بیان

شریعت اسلامی میں اجتماعی اور معاشرتی زندگی کا سنگ بنیاد، میاں بیوی کے صحیح تعلقات ہیں، لیکن جب نوبت یہاں تک آ جائے کہ وہ دونوں حقوقِ زوجیت ادا نہ کر سکیں اور موافقت کی تمام راہیں بند ہو جائیں اور عورت کو اس مرد سے اس حد تک نفرت ہو جائے کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہو سکتا تو قیدِ نکاح سے مخلصی پانے اور شوہر سے طلاق حاصل کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ عورت اپنے کل مہر سے، یا اس کے کسی حصہ سے دستبردار ہو جائے یا اپنے پاس سے کچھ مال دے کر شوہر کو طلاق پر آمادہ کر لے تو یہ بھی ایک جائز صورت علیحدگی کی ہے اور اس مال کو قبول کر لینا شوہر کے لیے درست ہوگا۔ طلاق کی اس خاص صورت کا نام جس میں طلاق کی خواست گار عورت ہو، شریعت کی اصطلاح میں خُلع ہے۔

احکامِ خلع کی تفصیل تو فقہ کی بڑی کتابوں میں ملے گی۔ لیکن یہاں چند مسائل تحریر کیے جاتے ہیں تاکہ عورتیں فی الجملہ اس سے واقف رہیں۔

مسئلہ: مال کے بدلے میں نکاح زائل کرنے کو خلع کہتے ہیں۔ عورت کا قبول کرنا شرط ہے۔ بغیر اس کے قبول کیے خلع نہیں ہو سکتا۔ ان کے الفاظ معین ہیں ان کے علاوہ اور الفاظ سے نہ ہوگا اور جب میاں بیوی خلع کر لیں تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ دونوں کے مابین نکاح ٹوٹ جائے گا اور جو مال ٹھہرا ہے، عورت پر اس کا دینا لازم ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: چونکہ شوہر کی جانب سے خلع طلاق ہے، لہٰذا شوہر کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے۔ نابالغ یا مجنون خلع نہیں کر سکتا کہ اہل طلاق نہیں اور یہ بھی شرط ہے کہ عورت محلِ طلاق ہو، لہٰذا اگر عورت کو طلاق بائن دے دی تو اگرچہ عدت میں ہو، اس سے خلع نہیں ہو سکتا۔ ہاں رجعی کی عدت میں ہو تو خلع ہو سکتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: شوہر نے کہا "میں نے تجھ سے خلع کیا" اور مال کا ذکر نہ کیا تو خلع نہیں بلکہ طلاق اور عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں۔ (ہدایہ)

مسئلہ: باپ نے لڑکی کا اس کے شوہر سے خلع کرایا۔ اگر لڑکی بالغہ ہے اور باپ بدل خلع کا ضامن ہو تو خلع صحیح ہے اور اگر نابالغہ لڑکی کا اس لڑکی کے مال پر خلع کر دیا تو صحیح یہ ہے کہ طلاق ہو جائے گی مگر نہ تو مہر ساقط ہوگا نہ لڑکی پر مال واجب ہوگا اور اگر نابالغہ کی ماں نے اپنے مال سے خلع کرایا، یا ضامن ہوئی تو خلع ہو جائے گا اور لڑکی کے مال سے کرایا تو طلاق نہ ہوگی۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عورت سے کہا "میں نے تجھ سے خلع کیا۔" عورت نے کہا، میں نے قبول کیا" تو اگر وہ لفظ شوہر نے بہ نیت طلاق کہا تھا، طلاق بائن واقع ہو گئی اور مہر ساقط نہ ہوگا بلکہ اگر عورت نے قبول نہ کیا، جب بھی یہی حکم ہے، اور اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہ کہا تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی جب تک عورت قبول نہ کر لے اور اگر شوہر نے عورت سے یہ کہا تھا کہ فلاں چیز کے بدلے، میں نے تجھ سے خلع کیا تو جب تک عورت قبول نہ کرے گی، طلاق واقع نہ ہوگی (کہ یہ صورت خلع کی صورت ہے) اور عورت کے قبول کرنے کے بعد اگر شوہر کہے کہ میری مراد طلاق نہ تھی تو اس کی بات مانی نہ جائے گی۔ (خانیہ وغیرہ)

لعان کا بیان

آدمی خود نیک ہو یا بد، اچھا ہو یا بُرا، غیر مرد اور غیر عورت کی بدچلنی دیکھ کر تو صبر

کر سکتا ہے، اعراض و چشم پوشی سے کام لے سکتا ہے کہ نہ چار کی تعداد میں مسلم، عاقل، بالغ، عادل، چشم دید تفصیلی گواہی دینے والے گواہ میسر آئیں گے نہ یہ شرعی عدالت میں پیش کر سکے گا تو منہ سے کسی کی طرف بدچلنی کی نسبت سے فائدہ کیا حاصل ہوگا تو زبان پر قفل چڑھانے اور معاملے کو نظر انداز کرنے کے علاوہ چارۂ کار ہی کیا ہے۔ لیکن اگر وہ خود اپنی بیوی کو بدچلنی کی حالت میں دیکھ لے تو کیا کرے؟ قتل کر دے تو الٹا سزائے قتل کا مستحق ہو۔ گواہ ڈھونڈنے جائے تو ان کے آنے تک مجرم کب ٹھہرا رہے گا۔ منہ سے بات نکالے تو حدِ قذف (الزام زنا پر شرعی سزا) جاری ہو۔ چپ رہے تو غیظ و غضب کی آگ میں جلتا رہے۔ صبر کرے تو آخر کیسے؟ طلاق دے کر عورت کو رخصت کر سکتا ہے، مگر نہ اس عورت کو کسی قسم کی مادی یا اخلاقی سزا ملی نہ اس کے آشنا کو تو معاشرہ اور زیادہ خراب۔ اور اگر عورت کو ناجائز حمل ہو تو غیر کا بچہ الگ گلے پڑا۔

شریعت مطہرہ نے ان حالات کے مدنظر تصفیہ کا جو طریقہ تجویز کیا ہے، اسے اسلامی قانون کی اصطلاح میں "لعان" کہتے ہیں۔ اس کے اجمالی احکام سورۂ نور میں مذکور ہیں۔

مسئلہ: مرد نے اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائی۔ اس طرح پر اگر اجنبیہ عورت کو لگاتا تو حدِ قذف (تہمتِ زنا کی حد) اس پر لگائی جاتی یعنی عورت عاقلہ بالغہ مسلمہ عفیفہ اور آزاد ہو تو لعان کیا جائے گا۔

لعان کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی کے روبرو پہلے شوہر قسم کے ساتھ چار مرتبہ شہادت دے یعنی کہے کہ "میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی، اس میں خدا کی قسم میں سچا ہوں۔" پھر پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ "اس پر خدا کی لعنت اگر اس امر میں کہ اس پر زنا کی تہمت لگائی، جھوٹ بولنے والوں سے ہو۔" اور ہر بار لفظ "اِس" سے عورت کی طرف اشارہ کرے۔ اتنا کرنے کے بعد مرد پر سے حدِ قذف ساقط ہو جائے گی اور عورت پر لعان واجب ہوگا۔ انکار کرے گی تو قید کی جائے یہاں تک کہ لعان منظور کرے یا شوہر کے الزام کی تصدیق کر دے۔ اگر تصدیق کی تو عورت پر زنا کی حد لگائی جائے گی اور لعان کرنا چاہے تو عورت کو چار مرتبہ یہ کہنا پڑے گا

کہ میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا کی قسم اس نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے اس بات میں وہ جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو، اگر یہ مرد اس بات میں سچا ہو جو مجھے زنا کی تہمت لگائی۔ اتنا کہنے کے بعد عورت سے زنا کی حد ساقط ہو جائے گی۔ لعان میں لفظ شہادت شرط ہے اگر یہ کہا کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سچا ہوں تو لعان نہ ہوگا۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: لعان کے لیے چند شرطیں ہیں:

(۱) مرد و عورت کے مابین نکاح صحیح ہو۔ (۲) زوجیت قائم ہو۔ (۳) دونوں آزاد عاقل بالغ مسلمان ہوں۔ (۴) ان میں کوئی گونگا نہ ہو۔ (۵) ان میں سے کسی پر حدِ قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (۶) مرد نے اپنے قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔ (۷) عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے آپ کو پارسا کہتی ہو۔ (۸) صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کی جو اولاد اس کے نکاح میں پیدا ہوئی، اس کو کہتا ہو کہ یہ میری نہیں یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے اس کو کہتا ہو کہ یہ اس کا نہیں۔ (۹) عورت قاضی کے پاس مطالبہ کرے۔ (۱۰) شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دو مرد گواہوں سے اس کا اقرار ثابت ہو۔

(عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اس عورت سے وطی حرام ہے، مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوئی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسلام تفریق کردے گا اور یہ تفریق طلاق بائن ہو جائے گی اور لعان کے بعد اگر یہ دونوں علیحدہ ہونا نہ بھی چاہیں، جب بھی تفریق کر دی جائے گی۔ (جوہرہ)

مسئلہ: مرد و عورت دونوں شہادت کے اہل ہوں اور عورت اس پر مطالبہ کرے تو مرد پر لعان واجب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ لعان سے انکار کرے تو اس وقت تک قید رکھا جائے گا جب تک وہ لعان کرے یا اپنے جھوٹ کا اقرار۔ اس صورت میں اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔

مسئلہ: لعان کے بعد تفریق ہوگی تو عورت عدت کا نفقہ و سکنیٰ یعنی رہنے کا مکان

پائے گی اور عدت کے اندر جو بچہ پیدا ہوگا، وہ اسی شوہر کا ہوگا۔ (ردمختار، ردالمحتار)

تنبیہ: لعان سے متعلق مسائل کی تفصیل بڑی کتابوں میں مذکور ہے، لیکن یہاں اتنا کہنا ہے کہ مسلمان مرد و عورت آنکھ کھول کر دیکھیں کہ اسلام نے مسلمان مرد و عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت کا کس قدر اہتمام کیا ہے کہ کسی کی جانب زنا کی نسبت کرنے یا اس پر تہمت رکھنے والے پر یہ لازم قرار دیا کہ گویا ایک نہیں، دو نہیں، تین بھی نہیں، اکٹھے چار چار گواہ، وہ بھی چشم دید ہونا چاہیے، پیش کرے۔ اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ البتہ یہ تہمت زنا کے جرم میں سزا کا مستحق ہوگا کہ وہ بلاضرورت ایسی بات زبان سے نکال کر ایک مسلمان کی خواہ مخواہ آبروریزی کرتا اور اس کی عزت و ناموس کو بٹہ لگاتا ہے اور جہاں لعان کا حکم ہے، وہاں جھوٹ کی راہیں بند فرما دیں کہ محض ایک کا جھوٹ، دوسرے کے لیے عذاب نہ بن سکے، اس لیے دونوں مرد و عورت کو اس قسما قسمی کا پابند بنایا۔ اس بارے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

زوجۂ مفقود کا بیان

مسئلہ: جس عورت کا شوہر لاپتہ ہو، معلوم نہیں مر گیا یا زندہ ہے تو اگرچہ برسوں گزر جائیں، عورت کسی اور مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ اس پر لازم ہے کہ صبر و انتظار کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی ولادت کو ستر برس گزر جائیں، مثلاً تیس سال کی عمر میں لاپتہ ہوا تو عورت چالیس برس انتظار کرے۔ اس مدت کے گزر جانے پر قاضی اس کی موت کا حکم کرے۔ بعد حکم عورت چار مہینے دس دن، عدت بیٹھے۔ عدت گزار کر جس سے چاہے نکاح کرے۔ (فتاویٰ رضویہ)

اور یہ عذر کہ ضروریاتِ زندگی کہاں سے میسر ہوں گی، جوانی کیسے گزرے گی، ایک مہمل اور ناقابلِ قبول عذر ہے۔ اس عذر کے باعث حرام کو حلال نہیں ٹھہرایا جا سکتا کہ حکم شرع کے لیے ہے نہ کہ اپنی خواہش نفس کے لیے۔ قاضی اسلام کے فیصلے

سے پہلے یہ عورت شوہر والی ہے اور قرآن کریم صاف فرمارہا ہے کہ:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔ یعنی تم پر شوہر والی بیبیاں حرام کی گئیں۔

بہت کم سن لڑکیاں کہ بیوہ ہو جاتی ہیں، ہندوؤں کی ریت میں عمر بھر نکاح کا نام نہیں لیتیں اور پاک دامنی سے زندگی بسر کرتی ہیں۔ اس وقت ضرورت و جوانی کدھر چلی جاتی ہے۔ ہزاروں وہ ہیں جن کے شوہر زندہ موجود ہیں، مگر ان کی طرف سے قطعاً برگشتہ و روگرداں۔ نہ نان نفقہ دیتے ہیں، نہ طلاق دے کر اس کا پیچھا چھوڑتے ہیں، وہ اپنی عمر کیونکر گزارتی ہیں۔ ہم نے خود دیکھا کہ ان کی پاک دامنی پر، عمر بھر کوئی داغ نہ آیا، مرتے مر گئیں مگر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ دیا۔ باپ دادا کی عزت سینے سے چمٹائے رہیں اور خدا کو پیاری ہو گئیں اور جنہیں بگڑنا ہی ہے وہ شوہروں کی موجودگی کے باوجود بد چلنی میں ملوث ہو جاتی ہیں۔

خدا اور رسول کی بارگاہ میں بازپرس کا خوف ہو تو قدم نہیں ڈگمگاتے اور یہ جو بعض کا زعم ہے کہ شوہر کی گمشدگی کو چار سال گزرنے پر عورت کو نکاحِ ثانی کا اختیار امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب میں حاصل ہو جاتا ہے، محض جہل اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب سے ناواقفی ہے۔ ان کے یہاں بھی قاضی شرع کے روبرو عورت کے دعویٰ کرنے اور اس کے حکم سے پہلے اگر بیس برس گزر جائیں تو وہ معتبر نہیں۔ عورت پہلے مدعیہ ہو اور قاضی شرع تفتیش کرائے۔ اب ثابت ہو جائے کہ واقعی وہ لاپتہ ہے تو عورت کو چار سال کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے گزرنے پر قاضی تفریق کرتا ہے۔ اب عورت عدت گزار کر نکاح کر سکتی ہے اور دعویٰ و حکمِ قاضی نہ ہو تو تفریق نہ نکاح ثانی۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

عدّت کا بیان

شوہر کے طلاق دینے یا اس کے وفات پا جانے کے بعد، عورت کا نکاح ممنوع ہونا،

اور ایک زمانۂ معینہ تک انتظار کرنا۔ اسے اصطلاحِ شرع میں عدت کہتے ہیں۔ عورت کے لیے اس انتظار کی مدت متعین میں متعدد حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک طرف تو شوہر کو ٹھنڈے دل سے غور و فکر کا پورا موقع مل جاتا ہے اور طلاقِ رجعی کی صورت میں وہ رجعت کے ذریعے اور بائنہ (جبکہ مغلظہ نہ ہو) کی صورت میں بذریعہ نکاح وہ اپنا گھر دوبارہ آباد کر سکتا ہے اور یہ دوسری طرف عورت کے حمل کی بابت پوری تحقیق ہو جاتی ہے اور دونوں عمر بھر کی ایک خلش سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور طلاقن کے بعد بیوہ کا مسئلہ بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بیوہ کے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے مذہب نے کوئی خاص توجہ برتی ہی نہیں ہے بلکہ بعض مذہبوں نے توستی وغیرہ کو جائز کر کے بیوہ کو زندہ ہی جلا دیا ہے۔ اسلام نے بیوہ کو زندہ رہنے، پوری طرح زندہ رہنے، سہاگنوں کی طرح زندہ رہنے کا حق عطا کیا ہے۔ البتہ اسے اس کا پابند بنایا کہ وہ زمانہ عدت میں باہر نہ نکلے، بناؤ سنگھار نہ کرے۔ ہاں زمانۂ متعینہ گزر جانے پر اسے اختیار ہے کہ جس جائز و شرعی طور پر چاہے، اپنی زندگی گزارے۔ عدت وفات میں صرف یہی مقصود نہیں کہ عورت کا حاملہ، غیر حاملہ ہونا معلوم ہو جائے بلکہ شوہر کی موت کا سوگ بھی ہے۔

مسئلہ: حائضہ، غیر حائضہ، حاملہ، غیر حاملہ، صغیرہ، کبیرہ، مدخولہ، غیر مدخولہ کے لیے عدت کے احکام جداگانہ ہیں، جن کی تفصیل بڑی کتابوں سے معلوم کریں یا سنی علمائے کرام کی طرف متوجہ ہوں۔ ہم ضروری و اہم مسائل پر اکتفا کرتے ہیں۔

مسئلہ: نکاح زائل ہونے کے بعد اس وقت عدت ہے کہ شوہر کا انتقال ہوا ہو یا خلوت صحیحہ ہوئی ہو۔ زانیہ کے لیے عدت نہیں، اگرچہ حاملہ ہو اور یہ نکاح کر سکتی ہے مگر جس کے زنا سے حمل ہے، اس کے سوا دوسرے سے نکاح کرے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو وطی جائز نہیں، اور جس کا حمل ہے اسی سے نکاح کرے تو شوہر وطی بھی کر سکتا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: طلاق کی عدت جبکہ (۱) عورت مدخولہ ہو یا (۲) خلوت واقع ہو چکی اور (۳) عورت کو حیض آتا ہو اور اسے حمل بھی نہ ہو (بالفاظ دیگر حائضہ مدخولہ، غیر حاملہ) کی

عدت پورے تین حیض ہے۔

مسئلہ: طلاق کی عدت غیرمدخولہ پر اصلاً نہیں اگرچہ کبیرہ ہو۔

مسئلہ: طلاق وفسخ نکاح کی صورت میں، غیر حیض والی کے لیے عدت، تین مہینے ہیں، خواہ عورت نابالغہ صغیرہ ہو کہ ابھی حیض آیا ہی نہیں۔ یا کبیرہ آئسہ (جو سن ایاس کو پہنچ چکی یعنی) اب عمر حیض کی نہ رہی۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: اگر طلاق یا فسخ چاند کی پہلی تاریخ کو ہوا اگرچہ عصر کے وقت تو چاند کے حساب سے تین مہینے، ورنہ ہر مہینہ تیس (۳۰) دن کا قرار دیا جائے یعنی عدت کے کل دن نوے (۹۰) ہوں گے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: طلاق کی عدت وقتِ طلاق سے ہے۔ اگرچہ عورت کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے اور تین حیض آنے کے بعد معلوم ہوا تو عدت ختم ہو چکی۔ (جوہرہ نیرہ)

مسئلہ: مرد طلاق دے کر مکر گیا۔ عورت نے قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور گواہوں سے طلاق دینا ثابت کر دیا اور قاضی نے دونوں میں علیحدگی کا حکم دیا تو عدت وقت طلاق سے ہے۔ اس وقت سے نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا کہ طلاق کی عدت (حائضہ کے لیے) تین حیض کامل ہیں۔ یعنی بعد طلاق کے ایک نیا حیض آئے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، جب یہ تیسرا حیض ختم ہو گا، اس وقت عدت سے نکلے گی اور اسے جس سے چاہے، نکاح کرنا روا ہو گا۔ (عامہ کتب وفتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عورت حاملہ ہے تو عدت وضعِ حمل ہے۔ عدت خواہ طلاق کی ہو یا وفات کی اور وضع حمل سے عدت پوری ہونے کے لیے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ موت یا طلاق کے بعد جس وقت بچہ پیدا ہو، عدت ختم ہو جائے گی۔ اگرچہ ایک منٹ بعد۔
(جوہرہ نیرہ)

مسئلہ: حمل ساقط ہو گیا اور اعضاء بن چکے ہیں تو عدت پوری ہو گئی ورنہ نہیں اور اگر دو یا تین بچے ایک حمل سے ہوئے تو پچھلے کے پیدا ہونے سے عدت پوری ہو گی۔
(جوہرہ نیرہ)

مسئلہ: وفات کی عدت چار مہینے دس دن ہے یعنی دسویں رات بھی گزرے۔ عورت خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، یا اگرچہ شوہر نابالغ ہو، مگر اس عدت میں شرط یہ ہے کہ عورت کو حمل نہ ہو۔ (جوہرہ نیرہ)

مسئلہ: شوہر کی وفات پہلی تاریخ کو ہو تو چاند سے مہینے لیے جائیں، ورنہ آزاد عورت کے لیے ایک سو تیس دن، یعنی ہر مہینہ تیس دن کا قرار دیا جائے جیسا کہ عدت طلاق غیر حائضہ میں گزرا۔ (درمختار وغیرہ)

ضروری نہایت ضروری

عدت میں نکاح حرام قطعی ہے بلکہ نکاح تو بڑی چیز ہے قرآن عظیم نے عدت میں نکاح کے صریح پیام کو بھی حرام فرمایا بلکہ عدت گزرنے کے بعد نکاح کے وعدہ کو بھی حرام فرمایا صرف اس کی اجازت دی ہے کہ دل میں خیال رکھو یا کوئی پہلو دار بات ایسی کہو جس سے بعد عدت ارادہ نکاح کا اشارہ نکلتا ہو۔ صاف صاف یہ ذکر نہ ہو کہ میں بعد عدت تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں تک کہنا بھی حرام ہے تو خود نکاح کر لینا کیونکر حلال ہو گا۔ پھر پہلو دار بات بھی عدت وفات والی سے کہنا جائز ہے۔ عدت طلاق والی سے باجماعِ امت وہ بھی جائز نہیں۔

یونہی جب تک شوہر زندہ ہے، اگرچہ نہ وہ عورت کی خبر گیری کرتا ہے، نہ نان نفقہ دیتا ہے، نہ باوجود مطالبہ اسے طلاق دیتا ہے، اگرچہ وہ کسی عورت سے نکاح کر چکا ہے۔ عورت کے لیے دوسرا نکاح کرنا حرام، حرام، حرام، زنا، زنا، زنا ہے۔

اور یہ وسوسے کہ عورت کو کوئی کھانا کپڑے دینے والا نہیں ہے۔ نہ اسے کوئی

قرض دیتا ہے نہ اس کے پاس کوئی اثاثہ ہے کہ اسے فروخت کرکے بسر اوقات کرے۔ نہ وہ دست کار ہے کہ اس کی اجرت سے اپنی ضروریات پوری کرسکے، اگر نکاح ثانی نہ کرے گی تو زناکاری میں مبتلا ہو جائے گی، محض شیطانی وسوسے اور لایعنی خطرے ہیں۔ زنا کے آئندہ وہم سے بچنے کے لیے، نام نکاح کی آڑ میں زنا کراؤ یہ کون سا دین ہے۔

عزیز بیبیو! رزق اللہ پر ہے۔ شوہر رازق نہیں اور اس کا وعدہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے رزق پہنچائے گا کہ اسے گمان بھی نہ ہوگا اور بے شک اللہ سچا اور اس کے وعدے سچے، اور شیطان جھوٹا اس کے ڈراوے جھوٹے۔

مسئلہ: عورت کو شوہر سے جدا ہوئے خواہ کتنی ہی مدت کیوں نہ گزر جائے۔ بہ حکم قرآن عدت ضروری ہے۔

مسئلہ: جو عورت طلاق رجعی یا بائن کی عدت میں ہے، اسے گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں، نہ دن میں نہ رات میں جبکہ وہ آزاد عاقلہ بالغہ مسلمہ ہو، اگرچہ شوہر نے اسے نکلنے کی اجازت بھی دی ہو اور نابالغہ لڑکی طلاق رجعی کی عدت میں شوہر کی اجازت سے باہر جاسکتی ہے، بغیر اجازت نہیں۔ اور بائن طلاق کی عدت میں نابالغہ لڑکی اجازت اور بے اجازت، دونوں صورتوں میں جاسکتی ہے۔ ہاں اگر وہ بالغ ہونے کے قریب ہے تو بغیر اجازت نہیں جاسکتی۔ (عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: طلاق کی عدت، ختم ہونے تک نان نفقہ شوہر کے ذمہ ہے اور عورت شوہر ہی کے مکان میں عدت پوری کرے گی جبکہ قبل از طلاق وہی مکان اس کے رہنے کا تھا۔ زوال نکاح کے باعث بالکل غیر اجنبی عورت کی طرح رہے اور شوہر سے پردہ کرے۔
(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: شوہر طلاق کے بعد عورت کو ظلماً اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وہ عدت پوری کرے اور اگر وہ مکان کرایہ کا ہو تو تمام عدت تک کرایہ شوہر کے ذمہ ہے اور جب شوہر اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اس کے

لیے بتائے تو عورت پر لازم ہے کہ فوراً اس مکان میں چلی جائے اور ختم عدت تک ہرگز اس سے باہر نہ آئے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

تنبیہ: یہ ہیں اسلامی شریعت میں حقوق نسواں کی مثالیں، کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد بھی شریعت کا حکم ہے کہ عدت بھر، بیوی کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا جائے، مطلقہ بیویوں کی سکونت کے لیے مکان ہی دینا نہیں، بلکہ عدت بھر ان کے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری مصارف بھی شوہر کے ذمہ ہیں۔ یہ نہ ہو کہ طلاق کے بعد عورت کو ننگا بوچا کر کے، بھوکا پیاسا اس وقت گھر سے نکال دیا جائے۔

مسئلہ: عورت اپنے شوہر کی اجازت سے والدین کے گھر گئی۔ اس کے پیچھے اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تو اس پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کی خبر مرگ سنتے ہی فوراً اس کے گھر یعنی جہاں وہ رہتا تھا، چلی جائے اور ختم عدت تک وہیں رہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: وفات کی عدت میں نفقہ واجب نہیں، خواہ عورت کو حمل ہو یا نہیں، اس کے دینے سے شوہر کے دوسرے ورثہ انکار کریں تو بے شک بجا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: جو عورت بے اجازت شوہر کے گھر سے چلی جایا کرتی ہے، اس بناء پر اسے طلاق دے دی تو عدت کا نفقہ نہیں پائے گی۔ ہاں اگر بعد طلاق، شوہر کے گھر رہی اور باہر جانا چھوڑ دیا تو پائے گی۔ (عالمگیری)

بچہ کی پرورش کا بیان

مال و متاعِ زندگی کی محبت بعض اوقات انسان پر ایسی غالب آجاتی ہیں کہ اپنے اہل و عیال و اولاد پر بھی مال خرچ کرنا، اسے گوارا نہیں ہوتا۔ یہاں تک زمانۂ جاہلیت میں اولاد پر خرچ کرنے کے مقابلہ میں، اولاد کو قتل کر ڈالنا تک گوارا کرلیا جاتا تھا۔ شریعتِ اسلامیہ نے اس شجرِ خبیث کی بھی جڑ کاٹ دی اور بار بار بہ تاکید یہ احکام دیئے کہ جو امیر ہیں وہ اپنی امارت کے لائق اور جو غریب ہیں وہ اپنی بساط کے موافق اولاد کی

تربیت و پرورش میں دریغ نہ کریں۔

اس سلسلہ کے بعض احکام یہ ہیں:

مسئلہ: بچہ کی پرورش کا حق ماں کے لیے ہے۔ خواہ وہ نکاح میں ہو یا نکاح سے باہر ہو گئی ہو۔ ہاں اگر وہ بد چلن ہے تو بچہ اس کی پرورش میں اس وقت تک رہے گا کہ نا سمجھ ہو جب کچھ سمجھنے لگے تو علیحدہ کرلیں کہ بچہ ماں کو دیکھ کر وہی عادتیں اختیار کرے گا جو اس کی ماں میں ہیں۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: اگر بچے کی ماں نے بچہ کے نسب میں غیر محرم سے نکاح کر لیا تو اسے پرورش کا حق نہ رہا۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر بچہ کی ماں دودھ پلانے سے انکار کرے اور بچہ دوسری عورت کا دودھ نہ لیتا ہو، مفت کوئی دودھ نہیں پلاتی اور بچہ یا اس کے باپ کے پاس مال نہیں تو ماں دودھ پلانے پر مجبور کی جائے گی۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ماں کی پرورش میں بچہ ہو اور وہ اس کے باپ کے نکاح یا عدت میں ہو تو پرورش کا معاوضہ نہیں پائے گی، ورنہ اس کا بھی حق لے سکتی ہے، اور دودھ پلانے کی اجرت اور بچہ کا نفقہ بھی؛ اور اگر اس کے پاس رہنے کا مکان نہ ہو تو یہ بھی۔ اور بچہ کو خادم کی ضرورت ہو تو یہ بھی۔ اور یہ سب اخراجات اگر بچہ کا مال ہو تو اس سے دیئے جائیں ورنہ جس پر بچہ کا نفقہ ہے، اس کے ذمہ یہ سب بھی ہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: ماں اگر نہ ہو یا پرورش کی اہل نہ ہو یا اس نے انکار کر دیا، یا اجنبی سے نکاح کرلیا تو اب حق پرورش نانی کے لیے ہے۔ یہ بھی نہ ہو تو نانی کی ماں، اس کے بعد دادی، پھر حقیقی بہن، پھر مادری بہن یعنی جو اس بچہ سے صرف ماں میں شریک ہو اور باپ میں جُدا، پھر سوتیلی بہن، پھر حقیقی اور مادری بہن کی بیٹیاں، پھر سگی خالہ پھر مادری خالہ، پھر سوتیلی خالہ، پھر سوتیلی بھانجی یا سوتیلی بہن کی بیٹی، پھر سگی بھتیجی، پھر ماں شریک بھائی کی بیٹی، پھر سوتیلے بھائی کی بیٹی، پھر اسی ترتیب سے پھوپھیاں۔

پھر ماں کی خالہ، پھر باپ کی خالہ، پھر ماں کی پھوپیاں، پھر باپ کی پھوپیاں اور ان سب میں بھی وہی ترتیب ہے کہ پہلے حقیقی پھر اخیافی، پھر سوتیلی۔ یہ سب مل کر بتیس (۳۲) عورتیں ہیں۔

اور اگر کوئی عورت پرورش کرنے والی نہ ہو یا ہو مگر اس کا حق ساقط ہو تو حق پرورش، بہ ترتیبِ وراثت بچہ کے مرد عصبات کو ہے۔ ان میں سب سے مقدم باپ ہے، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا بھائی، پھر سگا بھتیجا، پھر سوتیلا، پھر سگا چچا پھر سوتیلا، پھر چچا کے بیٹے، مگر لڑکی کو چچا زاد بھائی کی پرورش میں نہ دیں، خصوصاً جب کہ مشتہاۃ (قابلِ شہوت) ہو۔

اور اگر عصبات بھی نہ ہوں تو حق پرورش ذی الارحام کو ہے۔ عصبہ مردوں کے ہوتے ہوئے نانا ماموں وغیرہم کو حق پرورش حاصل نہیں، اور ان بتیس عورتوں میں سے جنہیں حق پرورش حاصل ہے، کسی عورت کے ہوتے بچہ کے باپ دادا پردادا چچا وغیرہم عصبات کو پرورش کا حق نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ردالمحتار وغیرہما)

مسئلہ: جس عورت کو حقِ پرورش حاصل ہے، اس کے پاس لڑکے کو اس وقت تک رہنے دیں کہ اب اسے اس کی حاجت نہ رہے یعنی آپ کھاتا پیتا، پہنتا اور استنجا کر لیتا ہو۔ اس کی مقدار سات برس کی عمر ہے اور لڑکی اس وقت تک عورت کی پرورش میں رہے گی کہ حد شہوت کو پہنچ جائے۔ اس کی مقدار نو برس کی عمر ہے۔
(خانیہ، بحرالرائق وغیرہما)

مسئلہ: لڑکا بالغ نہ ہوا مگر کام کے قابل ہو گیا ہے تو اسے کسی کام میں لگانے یا کام سکھانے یا نوکری و مزدوری کے قابل ہو اور باپ اس سے نوکری یا مزدوری کرانا چاہے تو ان سب سے مقدم یہ ہے کہ بچوں کو قرآن کریم پڑھائیں۔ دین کی ضروری باتیں سکھائیں، نماز، روزہ، طہارت، خرید و فروخت اور دیگر معاملات کے مسائل جن کی روزمرہ حاجت پڑتی ہے، ان کی تعلیم دیں اور ناواقفی کے باعث، خلافِ شرع باتوں میں مبتلا ہونے سے بچائیں کہ اسی میں دنیا و دین کا بھلا ہے اور اسی میں خدا و رسول کی

خوشنودی۔

یونہی لڑکی کو بھی عقائد اہل سنت و جماعت اور ضروری مسائل سکھانے کے بعد، کسی عورت سے سینا پرونا، کاڑھنا اور نقش و نگار وغیرہ ایسے کام سکھائیں جن کی عورتوں کو اکثر ضرورت پڑتی ہے اور کھانے پکانے اور خانہ داری کے کاموں میں اسے سلیقہ مند اور سگھڑ بنانے کی کوشش کریں کہ سلیقہ والی عورت جس خوبی سے زندگی بسر کر سکتی ہے، بد سلیقہ نہیں کر سکتی۔ آج کی صحیح تربیت پر آئندہ کی خوش حال زندگی کا بڑا دارومدار ہے۔

مسئلہ: لڑکی کو نوکر نہ رکھائیں جس کے پاس نوکر رہے گی کبھی ایسا بھی ہو گا کہ مرد کے پاس تنہا رہے اور یہ بڑے عیب کی بات ہے۔ (ردالمحتار) تنہا لڑکی کا کسی غیر کے ساتھ رہنا ایسا ہے جیسے آگ بازود کہ ذرا دیر میں بھڑک سکتی ہے اور لڑکی کا بھڑکنا اس کی تباہی و بربادی ہے۔

مسئلہ: لڑکا سات برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک جن عورتوں کے پاس رکھے جائیں گے اگر ان میں کوئی بے تنخواہ نہ مانے اور بچہ نادار، باپ مالدار ہے تو جبراً تنخواہ دلائی جائے گی اور اس عمر کے بعد بچہ کو اپنی حفاظت میں لینا باپ پر واجب ہے اگر نہ لے گا، حاکم مجبور کرے گا۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جب پرورش کا زمانہ پورا ہو چکا اور بچہ باپ کے پاس گیا تو باپ پر یہ واجب نہیں کہ بچہ کو اس کی ماں کے پاس بھیجے، نہ پرورش کے زمانہ میں ماں پر باپ کے پاس بھیجنا لازم تھا۔ ہاں اگر ایک کے پاس ہے اور دوسرا اسے دیکھنا چاہتا ہے تو دیکھنے سے منع نہیں کیا جا سکتا۔ (درمختار)

نفقہ کا بیان

نفقہ سے مراد کھانا کپڑا اور رہنے کا مکان ہے اور کس کا نفقہ، کس پر، کتنا اور

کن حالات میں لازم و ضروری ہے۔ شریعت مطہرہ نے اسے تفصیل سے بیان فرمایا اور بتایا کہ نفقہ واجب ہونے کے تین سبب ہیں:

(۱) زوجیت یعنی میاں بیوی کا رشتہ۔ (۲) نسب۔ (۳) ملک۔

ہم یہاں صرف زوجیت اور نسب سے متعلق چند مسائل پر اکتفا کرتے ہیں۔

مسئلہ: جس عورت سے نکاحِ صحیح ہوا، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اگرچہ وہ نابالغہ ہو، مگر نابالغہ میں شرط یہ ہے کہ جماع کی طاقت رکھتی ہو یا مشتہاۃ ہو کہ حد شہوت کو پہنچ جائے اور شوہر کی جانب کوئی شرط نہیں اگرچہ صغیر السن (کم سن) ہو۔ (عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: ہم بستری کے بعد اگر عورت، شوہر کے یہاں آنے سے انکار کرتی ہے تو اگر مہر معجل کا مطالبہ کرتی ہے کہ دے دو تو چلوں۔ تو نفقہ کی مستحق ہے ورنہ نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: جس مکان میں عورت رہتی ہے۔ وہ اس کی ملک ہے اور شوہر کا آنا، وہاں بند کر دیا تو نفقہ نہیں پائے گی۔ ہاں اگر اس نے شوہر سے کہا کہ مجھے اپنے مکان میں لے چلو یا میرے لیے کرایہ کا کوئی مکان لے دو اور شوہر نہ لے گیا تو نفقہ کی مستحق ہے کہ قصور شوہر کا ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت شوہر کے گھر بیمار ہوئی یا میکہ میں تھی اور بیمار ہو کر اس کے یہاں گئی یا اپنے ہی گھر رہی مگر شوہر کے یہاں جانے سے انکار نہ کیا تو نفقہ واجب ہے اور اگر شوہر کے یہاں بیمار ہوئی اور اپنے میکہ چلی گئی اور اگر اتنی بیمار ہے کہ ڈولی وغیرہ پر بھی نہیں آ سکتی تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر آ سکتی ہے مگر نہیں آتی تو نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: عورت شوہر کے یہاں سے ناحق چلی گئی تو نفقہ نہیں پائے گی جب تک واپس نہ آئے اور اگر اس وقت واپس آئی کہ شوہر مکان پر نہیں بلکہ پردیس چلا گیا ہے جب بھی نفقہ کی مستحق ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر مرد و عورت دونوں مالدار ہوں تو نفقہ مالدار کا سا ہو گا اور دونوں محتاج

ہوں تو محتاجوں کا سا۔ اور ایک مالدار ہے اور دوسرا محتاج تو متوسط درجے کا یعنی محتاج جیسا کھاتے ہوں اس سے عمدہ اور اغنیاء (مالدار) جیسا کھاتے ہوں اس سے کم۔ (درمختار)

مسئلہ: نفقہ کا تعین روپوں سے نہیں کیا جا سکتا کہ ہمیشہ اتنے ہی روپے دیئے جائیں اس لیے کہ نرخ بدلتا رہتا ہے۔ ارزانی اور گرانی دونوں کے مصارف یکساں نہیں ہو سکتے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت جب رخصت ہو کر آئی تو اس وقت سے شوہر کے ذمہ اس کا لباس ہے۔ اگرچہ عورت کے پاس کتنے ہی جوڑے ہوں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: سال میں کم از کم دو جوڑے دینا واجب ہے۔ ہر ششماہی پر ایک جوڑا، مگر اس کا لحاظ ضروری ہے کہ اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں کے سے کپڑے ہوں اور محتاج و غریب ہوں تو غریبوں کے سے اور ایک مالدار ہو ایک محتاج تو متوسط ہوں جیسے کھانے میں تینوں باتوں کا لحاظ ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: لباس میں اس شہر کے رواج کا اعتبار ہے۔ جاڑے گرمی میں جیسے کپڑوں کا وہاں چلن ہے وہ دے۔ اور اونی موزے جو جاڑوں میں سردی کی وجہ سے پہنے جاتے ہیں۔ یہ دینے ہوں گے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: نفقہ کا تیسرا جز و سکنٰی ہے یعنی رہنے کا مکان کہ شوہر جو رہنے کے لیے مکان دے وہ خالی ہو یعنی شوہر کے متعلقین وہاں نہ رہیں اور اگر اس مکان میں شوہر کے متعلقین رہتے ہوں اور عورت نے اسی کو اختیار کر لیا کہ سب کے ساتھ رہے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسا کہ عام طور پر ہمارے اطراف و بلاد میں دستور ہے۔ ہاں یہ لحاظ ضروری ہے کہ شوہر کے رشتہ دار اسے ناحق ایذا نہ دیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: عورت اپنی سوت یا شوہر کے متعلقین کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو اگر مکان میں کوئی ایسا دالان اس کو دے دے جس میں دروازہ ہو اور عورت اسے بند کر سکتی ہو کہ اس کا سامان محفوظ رہے تو اب دوسرا مکان طلب کرنے کا اسے اختیار نہیں۔

بشرطیکہ شوہر کے رشتہ دار، عورت کو تکلیف نہ پہنچاتے ہوں۔ (عالمگیری، ردالمحتار)

مسئلہ: عورت تنہا مکان چاہتی ہے اور شوہر مالدار ہے تو اسے ایسا مکان دے جس میں پاخانہ، غسل خانہ، باورچی خانہ وغیرہ ضروریات علیحدہ ہوں اور غریبوں میں خالی ایک کمرہ دے دینا کافی ہے۔ اگرچہ غسل خانہ وغیرہ مشترک ہو۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: یہ بات ضروری ہے کہ عورت کو ایسے مکان میں رکھے جس کے پڑوسی صالحین ہوں کہ فاسقوں بدچلنوں میں خود بھی رہنا اچھا نہیں نہ کہ ایسے مقام پر عورت کا ہونا۔ اگر مکان بہت بڑا ہو کہ عورت وہاں تنہا رہنے سے گھبراتی اور ڈرتی ہے تو وہاں کوئی ایسی نیک عورت رکھے جس سے دل وابستگی ہو اور جی بہلا رہے یا عورت کو کوئی دوسرا مکان دے جو اتنا بڑا نہ ہو اور اس کے ہمسایہ نیک لوگ ہوں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: عورت کے والدین ہر ہفتہ میں ایک بار اپنی لڑکی کے یہاں آ سکتے ہیں۔ شوہر منع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر رات میں وہاں رہنا چاہتے ہوں تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے۔ یونہی عورت اپنے والدین کے یہاں ہر ہفتہ میں ایک بار جا سکتی ہے مگر رات بغیر اجازت اپنے شوہر وہاں نہیں رہ سکتی اور غیروں کے یہاں جانے یا ان کی عیادت کرنے یا شادی وغیرہ تقریبوں کی شرکت سے منع کر دے عورت بغیر اجازت جائے گی تو گناہ گار ہو گی اور اجازت سے گئی اور وہاں پردہ خیال نہ رکھا اور شوہر کو یہ بات معلوم ہے تو دونوں گنہگار ہوئے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: جس کام میں شوہر کی حق تلفی نہ ہوتی ہو، نہ اس میں کوئی نقصان ہو اگر عورت گھر میں وہ کام کر لیا کرے جیسے کپڑا سینا پرونا کاڑھنا یا ایسے ہی اور دوسرے کام جن کے لیے گھر سے باہر نہ جانا پڑے تو ایسے کاموں سے منع کرنے کی حاجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ شوہر گھر نہ ہو کہ ان کاموں سے جی بہلتا رہے گا اور بے کار بیٹھے گی تو وسوسے اور خطرے پیدا ہوتے رہیں گے اور لایعنی و فضول باتوں میں مشغول ہو گی۔
(ردالمحتار)

مسئلہ: نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے جب کہ اولاد کی ملک میں مال نہ ہو اور بالغ بیٹا اگر اپاہج یا مجنون یا نابینا ہو، کمانے سے عاجز ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ بھی باپ پر ہے اور لڑکی جبکہ مال نہ رکھتی ہو اور شادی شدہ بھی نہ ہو تو اس کا نفقہ بہرحال باپ پر ہے۔ اگرچہ اس کے اعضاء سلامت ہوں اور لڑکی جب جوان ہو گئی اور اس کی شادی کر دی تو اب شوہر پر نفقہ ہے۔ باپ سبک دوش ہو گیا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: اگر باپ مفلس ہے تو کمائے اور بچوں کو کھلائے اور کمانے سے بھی عاجز ہے مثلاً اپاہج ہے تو دادا کے ذمہ نفقہ ہے کہ خود باپ کا نفقہ بھی اس صورت میں اسی کے ذمہ ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: کسی شخص کے مثلاً دو بیٹے ہیں، ایک فقط مالک نصاب ہے اور دوسرا بہت مالدار ہے تو نفقہ دونوں پر برابر برابر ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: ماں کا نفقہ بھی بیٹے پر ہے، اگرچہ اپاہج نہ ہو، اگرچہ بیٹا نادار ہو یعنی جبکہ وہ بیوہ ہو اور اگر نکاح کر لیا ہے تو اس کا نفقہ شوہر پر ہے اور اگر اس کے باپ کے نکاح میں ہے اور باپ اور ماں دونوں محتاج ہوں تو دونوں کا نفقہ بیٹے پر ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: باپ اگر تنگ دست ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں اور یہ بچے محتاج ہوں اور بڑا بیٹا مالدار ہے تو باپ اور اس کی سب اولاد کا نفقہ اس پر واجب ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: بیٹا اگر ماں باپ دونوں کو نفقہ نہیں دے سکتا مگر ایک کا دے سکتا ہے تو ماں زیادہ مستحق ہے اور اگر والدین میں سے کسی کا پورا نفقہ نہ دے سکتا ہو تو دونوں کو اپنے ساتھ کھلائے جو وہ خود کھاتا پیتا، پہنتا ہو۔ اسی میں سے انہیں بھی کھلائے پلائے اور پہنائے۔

مسئلہ: باپ بیٹے دونوں نادار ہیں مگر بیٹا کمانے والا ہے تو بیٹے کو حکم دیا جائے گا کہ باپ کو بھی ہمراہ لے لے جبکہ تنہا ہو اور اگر بال بچوں والا ہے تو مجبور کیا جائے گا کہ باپ کو بھی ہمراہ لے لے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جو رشتہ دار محارم ہوں (یعنی وہ کہ ان سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے) ان کا بھی نفقہ واجب ہے جبکہ وہ حاجت مند ہوں یا نابالغ یا عورت اور رشتہ دار۔ بالغ مرد ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ وہ کمانے سے عاجز ہو مثلاً دیوانہ ہے یا اس پر فالج گرا ہے یا اپاہج ہے یا نابینا اور اگر یہ عاجز نہ ہو تو واجب نہیں، اگرچہ محتاج ہو اور عورت میں بالغہ نابالغہ کی قید نہیں بلکہ اگر کمانے پر قادر ہے۔ جب بھی نفقہ واجب ہے۔

ہاں اگر وہ کوئی کام کرتی ہے جس سے اس کا خرچ چلتا ہے تو اب اس کا نفقہ رشتہ دار پر فرض نہیں۔ یونہی اندھا وغیرہ بھی کماتا ہو تو اب کسی اور پر اس کا نفقہ فرض نہیں۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: عورت کا شوہر تنگ دست ہے اور بھائی مالدار ہے تو بھائی کو خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر جب شوہر کے پاس مال ہو جائے تو واپس لے سکتا ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: قریبی رشتہ دار غائب ہے اور دور والا موجود ہے تو نفقہ اس دور کے رشتہ دار پر واجب ہے۔ (درمختار)

مجالسِ خیر کا بیان

مسئلہ: میلاد شریف یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اقدس کا بیان جائز بھی ہے اور بہت سی برکتوں اور رحمتوں کے نازل ہونے کا اعلیٰ ذریعہ بھی۔ اس مجلس پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و معجزات، آپ کی سیرتِ مبارکہ، آپ کی مبارک زندگی کے واقعات بھی بیان ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کا بیان احادیث میں بھی ہے اور قرآنِ مجید میں بھی۔ اگر مسلمانانِ اہلِ سنت اپنی محفل میں بیان کریں۔ بلکہ خاص ان باتوں کے بیان کرنے کے لیے محفلیں منعقد کریں۔ اس کے لیے فرش و روشنی کا اچھا انتظام کریں، لوگوں کو بلاوے دیں۔ اس کے لیے تاریخ مقرر کریں۔ پڑھنے والے خوش الحانی سے حمد و نعت پڑھیں تو یہ سب باتیں جائز ہیں۔ ان کے ناجائز ہونے

کی کوئی وجہ نہیں۔

اس مجلس کے لیے لوگوں کو بلانا اور شریک کرنا خیر کی طرف بلانا ہے جس طرح وعظ اور جلسوں کے اعلان کیے جاتے ہیں۔ اشتہارات چھپوا کر تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اخبارات میں اس کے متعلق مضامین شائع کیے جاتے ہیں اور ان کی وجہ سے وہ وعظ اور جلسے ناجائز نہیں ہو جاتے۔ اسی طرح ذکر پاک صاحب لولاک کے لیے بلاوا دینے سے اس مجلس کو ناجائز و بدعت نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح میلاد شریف میں شیرینی بانٹنا بھی جائز ہے، مٹھائی بانٹنا ایک نیکی و صلہ رحمی ہے۔ جب یہ محفل جائز ہے تو شیرینی تقسیم کرنا جو ایک جائز امر تھا اس مجلس کو ناجائز نہیں کر دے گا اور یہ کہنا کہ لوگ اسے ضروری سمجھتے ہیں اس وجہ سے ناجائز ہے یہ بھی غلط ہے۔ کوئی بھی اسے فرض یا واجب و ضروری نہیں جانتا۔ بیسیوں کیا عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم برپا کرنے والی کمیٹیوں کے انتظام میں سینکڑوں محفلیں ایسی ہوتی ہیں کہ میلاد شریف ہوا اور مٹھائی تقسیم نہیں ہوئی۔

اس مجلس میں ذکر ولادت کے وقت قیام کیا جاتا ہے یعنی کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھتے ہیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ جب ہمارا درود و سلام حضور کی بارگاہ میں پیش ہو تو اسی تعظیمی ہیئات کے ساتھ پیش ہو۔ علمائے کرام نے اس قیام کو مستحسن اور باعثِ ثواب فرمایا ہے۔ بعض بزرگان دین کو اس مجلس پاک میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضور اس موقع پر تشریف لاتے ہی ہیں مگر کسی غلام پر اپنا کرمِ خاص فرمائیں اور تشریف لے آئیں تو ان کے کرم سے کچھ بعید بھی نہیں۔

مسئلہ: مجلسِ میلاد شریف میں یا اور دوسری مجلسوں میں وہی روایات بیان کی جائیں جو مستند اور قابلِ اعتماد کتابوں میں مذکور ہیں، افسانے اور گڑھے ہوئے قصے ہرگز ہرگز بیان نہ کیے جائیں کہ خیر و برکت کی بجائے ایسی باتوں کے بیان کرنے میں اور گناہ ہوتا ہے۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: عورتیں اگر خود میلاد شریف پڑھیں تو ان تمام باتوں کے علاوہ انہیں اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ ان کی آواز گھر سے باہر نہ جائے۔ اجنبیوں یا غیر مردوں کے کانوں میں نہ پہنچنے پائے اور جو کتابیں پڑھی جائیں یا روایتیں بیان کی جائیں وہ بے سروپا کہانیاں نہ ہوں، اسی طرح جو نعتیں اور حمد وغیرہ پر مشتمل نظمیں پڑھی جائیں وہ کسی جاہل مغرور یا شاعر بے شعور کی نہ ہوں کہ ایسوں میں وہ ادب و تعظیم کہاں جو اس جناب پاک کی شایانِ شان ہے۔ نہ عقیدوں نہ شرع کی باتوں کا خیال ہوتا ہے، نہ خدا و رسول سے شرم نہ بزرگان دین کا لحاظ، یونہی اس امر کا بطورِ خاص اہتمام کریں کہ عورتیں پوری توجہ سے باادب اس محفل میں شریک ہوں یہ نہ ہو کہ نام ہے میلاد شریف میں شرکت کا اور کچھ سنیں نہ سنائیں بیٹھی بیٹھی اپنی کھچڑیاں پکائیں۔ اپنی مجلس الگ جمائیں اور بے سروپا باتوں میں وقت گنوائیں بلکہ غیبت و عیب جوئی کے دروازے کھولیں، اپنے کرتوتوں پر نظر نہ ہو دوسروں کے اعمال تولیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسئلہ: خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وفات کی تاریخوں میں مجلس منعقد کرنا اور ان کے حالات و کمالات سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا بھی جائز ہے کہ وہ حضرات اہل اسلام کے مقتدا و پیشوا ہیں۔ ان کی زندگی کے کارنامے مسلمانوں کے لیے مشعل ہدایت ہیں اور ان کا ذکر باعثِ خیر و برکت اور سبب نزولِ رحمت ہے۔

مسئلہ: عشرۂ محرم میں مجلس منعقد کرنا اور واقعات کربلا بیان کرنا جائز ہے جب کہ روایات صحیحہ بیان کی جائیں۔ ان واقعات میں صبر و تحمل رضا و تسلیم کا بہت مکمل درس ہے اور پابندی احکام شریعت واتباعِ سنت کا زبردست عملی ثبوت ہے کہ دین حق کی حفاظت میں تمام عزیزوں رفیقوں اور خود اپنے کو راہ خدا میں قربان کیا اور جزع فزع کا نام بھی نہ آنے دیا مگر اس مجلس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بھی ذکر خیر ہونا چاہیے۔ تاکہ اہلِ سنت اور شیعوں کی مجلسوں میں فرق و امتیاز رہے۔

ان مجالس میں لوگ اظہارِ غم کے لیے سر کے بال بکھیرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے

ہیں، سر پر خاک ڈالتے اور بھوسا اڑاتے ہیں۔ یہ سب ناجائز اور جاہلیت کے کام ہیں۔ سنی مسلمانوں کو ان سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ احادیث میں ان کی سخت ممانعت آئی ہے۔ مسلمان مردوں اور عورتوں پر لازم ہے کہ ایسے امور سے بچیں اور ایسے کام کریں جن سے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں کہ یہی نجات کا راستہ ہے۔

عقیقہ اور ختنہ سے متعلق چند مسائل

مسئلہ: بچہ پیدا ہونے کے شکریہ میں جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اس کو عقیقہ کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک عقیقہ مباح و مستحب ہے، نہ لازم و ضروری ہے نہ سنتِ مؤکدہ۔ یہ نہیں کہ نہ کرنے پر خدا کے یہاں گرفت ہو اور آدمی پکڑا جائے یا مجرم قرار پائے۔ ہاں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے ایک یا دو مینڈھے کا عقیقہ کیا۔ (ابوداؤد و نسائی) تو ہمارے لیے بھی باعثِ برکت ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بچہ کی سلامتی، اس کی نشوونما اور اس میں اچھے اوصاف ہونا عقیقہ کے ساتھ وابستہ ہیں تو جسے اولاد عزیز ہو عقیقہ نہ چھوڑے۔

مسئلہ: جب بچہ پیدا ہو تو مستحب یہ ہے کہ داہنے کان میں چار مرتبہ اذان اور بائیں میں تین مرتبہ اقامت کہی جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بلائیں دور ہو جائیں گی۔ بہت سے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اذان کہی جاتی ہے اور لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اذان نہیں کہتے۔ یہ نہ چاہیے۔ بلکہ لڑکی پیدا ہو جب بھی اذان و اقامت کہی جائے۔ ساتویں دن اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈھا جائے اور سر مونڈنے کے وقت عقیقہ کیا جائے۔ کہ ادھر بچہ کے سر پر استرا چلے ادھر جانور کی گردن پر چھری، اور بالوں کو وزن کر کے اتنی چاندی، اور خدا دے تو سونا خیرات کیا جائے۔

(افاداتِ رضویہ، بہارِ شریعت)

مسئلہ: بچہ کا اچھا نام رکھا جائے۔ ہندوپاک کے مسلمانوں میں ایسے نام رکھنے کا

شوق پیدا ہو گیا ہے جن کے کچھ معنی نہیں یا ان کے برے معنی نکلتے ہیں ایسے ناموں سے پرہیز کیا جائے۔ انبیائے علیہم الصلوۃ والسلام کے اسمائے مبارکہ اور صحابہ و تابعین و بزرگانِ دین کے نام پر نام رکھنا بہتر ہے۔ امید ہے کہ ان کی برکت شاملِ حال ہو۔ ایسا نام رکھنا جس کا ذکر نہ قرآن پاک میں آیا ہو نہ حدیثوں میں ہو اور نہ مسلمانوں میں ایسا نام مستعمل ہو، نہ رکھنا چاہیے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: جو نام بُرے ہوں ان کو بدل کر اچھا نام رکھنا چاہیے۔ حدیثوں میں ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے باپوں کے نام سے پکارے جاؤ گے۔ لہٰذا اپنے نام اچھے رکھو۔ محمد بہت پیارا نام ہے اس نام کی حدیثوں میں بڑی تعریف آئی ہے۔

(ردالمحتار، عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: عقیقہ کے لیے ساتواں دن بہتر ہے اور ساتویں دن نہ کر سکیں تو جب چاہیں کریں۔ سنت ادا ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ جس دن بچہ پیدا ہو اس دن کو یاد رکھیں، اس سے ایک دن پہلے والا دن جب آئے وہ ساتواں دن ہو گا۔ مثلاً جمعہ کو پیدا ہوا تو جمعرات ساتواں دن ہے جس جمعرات کو عقیقہ کرے گا۔ ساتویں دن کا حساب ضرور آئے گا۔ (بہارِ شریعت وغیرہ)

مسئلہ: لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے اور لڑکی میں ایک بکری ذبح کی جائے یعنی لڑکے میں نر جانور اور لڑکی میں مادہ مناسب ہے اور لڑکے کے عقیقہ میں بکریاں اور لڑکی میں بکرا کیا جب بھی حرج نہیں۔ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکری کی جگہ ایک ہی بکری کسی نے ذبح کی تو یہ بھی جائز ہے اور عقیقہ میں گائے ذبح کی جائے تو سات حصوں میں سے دو حصے لڑکے کے لیے اور ایک حصہ لڑکی کے لیے کافی ہے۔ گائے کی قربانی ہوئی تو اس میں عقیقہ کی شرکت ہو سکتی ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: بچہ کا سر مونڈنے کے بعد سر پر زعفران پیس کر لگا دینا بہتر ہے۔ (حدیث)

مسئلہ: عقیقہ کا جانور انہیں شرائط کے ساتھ ہونا چاہیے جیسا قربانی کے لیے ہوتا

ہے اس کا گوشت فقراء، عزیز و قریب اور دوست احباب کو کچا تقسیم کر دیا جائے یا پکا کر دیا جائے یا ان کو بطور ضیافت و دعوت کھلایا جائے یہ سب صورتیں جائز ہیں اور عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ اور دادا، دادی، نانا، نانی نہ کھائیں۔ یہ محض غلط ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: عقیقہ میں جانور ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ فُلَانٍ (بِنْت) ابن فُلَانٍ (یہاں بچہ اور اس کے باپ کا نام لیں) دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَآءً لَّہٗ مِنَ النَّارِ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ لڑکی کے لیے ہ کی بجائے ھا پڑھیں مثلاً دَمُھَا بِدَمِھَا لَحْمُھَا بِلَحْمِھَا الخ

مسئلہ: اگر دعا نہ پڑھی اور دل میں عقیقہ کی نیت ہے۔ تب بھی بچہ کا عقیقہ ہو جائے گا۔

مسئلہ: یہ خیال محض لغو اور بے اصل ہے کہ جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ قربانی نہیں کر سکتا۔

مسئلہ: بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں۔ اس میعاد تک کتنے ہی بار بچے کا سر مونڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں۔ پھر میعاد گزار کر مزار پر لے جا کر وہ بال اتارتی ہیں۔ یہ محض بے اصل بات ہے بلکہ جاہلانہ رسم و بدعت۔ ہاں بچہ کی پیدائش کے بعد نہلا دھلا کر سر کے بال گھر پر دور کرا کر اولیائے کرام کے مزارات پر حاضر کیا جائے اور لے جانے والے مرد ہوں جو وہاں جا کر اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ باعثِ برکت ہے۔ (افاداتِ رضویہ)

مسئلہ: بعض جاہل عورتیں لڑکوں کے کان، ناک چھدوانے اور بچوں کی چٹیا رکھنے

کی منت یا اور طرح طرح کی ایسی منتیں مانتی ہیں جن کو کسی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا۔ ایسی واہیات منتوں سے بچیں اور اور مان لی ہو تو پوری نہ کریں اور شریعت کے معاملہ میں اپنے لغو خیالات کو دخل نہ دیں، نہ یہ کہ ہمارے بڑے بوڑھے یونہی کرتے چلے آئے ہیں اور یہ کہ اگر پوری نہ کریں گے تو بچہ مرجائے گا۔ بچہ مرنے والا ہو گا تو یہ ناجائز منتیں اسے بچانہ لیں گی۔ منت ماننا کرو تو نیک کام، نماز روزہ، خیرات کرنے، درود شریف، کلمہ شریف، قرآن مجید پڑھنے، فقیروں کو کھانا دینے اور کپڑا پہنانے وغیرہ کی منت مانو اور اپنے یہاں کے کسی سنی عالم سے دریافت بھی کر لو کہ یہ منت ٹھیک ہے یا نہیں۔ وہابی یا شیعہ وغیرہ سے نہ پوچھنا کہ وہ گمراہ بد دین ہیں وہ صحیح مسئلہ نہ بتائیں گے بلکہ اینچ پینچ سے جائز امر کو ناجائز یا ناجائز کو جائز بتا بتا کر تمہیں غلط راستے پر ڈال دیں گے۔ (بہارِ شریعت وغیرہ)

مسئلہ: علَم اور تعزیہ بنانے، پیک بننے اور محرم میں بچوں کو فقیر بنانے اور بدھی پہنانے، مرثیہ کی مجلس کرنے اور تعزیوں پر نیاز دلوانے وغیرہ خرافات جو رافضی اور تعزیہ دار لوگ کرتے ہیں ان کی منت سخت جہالت ہے۔ ایسی منت ماننی نہ چاہیے اور مانی ہو تو پوری نہ کرے۔ ان سب سے بدتر شیخ سدو کا مرغا اور کڑاہی ہے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: ختنہ کرنا سنت ہے اور یہ اسلام کے شعائر میں ہے کہ مسلم و غیر مسلم میں اس سے امتیاز ہوتا ہے۔ اسی لیے عرف عام میں اسے مسلمانی بھی کہتے ہیں۔ ختنہ کی مدت سات سال سے بارہ سال کی عمر تک ہے اور بعض علما نے یہ فرمایا کہ پیدائش سے ساتویں دن کے بعد ختنہ کرنا جائز ہے۔ (عالمگیری) اور عموماً مسلمانوں کا عمل بھی اسی پر ہے۔ بچہ پیدا ہی ایسا ہوا کہ ختنہ میں جو کھال کاٹی جاتی ہے وہ اس میں نہیں ہے تو ختنہ کی حاجت نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: سنا جاتا بلکہ دیکھا گیا ہے کہ جس بچہ میں پیدائشی ختنہ کی کھال نہیں ہوتی، اس کے باپ وغیرہ، اولیاء اپنے اعزہ اقرباء کو بلاتے ہیں اور ختنہ کے قائم مقام پان کی

گلوری کاٹی جاتی ہے گویا اس سے ختنہ کی رسم ادا کی گئی یہ ایک لغو حرکت ہے جس کا نہ کچھ حاصل ہے نہ فائدہ۔

مسئلہ: ختنہ کی تقریب میں رشتہ داروں کے یہاں سے جوڑے وغیرہ آتے ہیں۔ سہرے پر روپے وغیرہ دیئے جاتے ہیں اور جوڑے بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو کہ بچہ کے لیے مثلاً چھوٹے کپڑے جو بچوں کے مناسب ہیں یہ اسی بچہ کے لیے ہیں ورنہ والدین کے لیے۔ (درمختار) اور اگر بھیجنے والے نے نام بنام جوڑے یا تحفے بھیجے ہیں تو جس کے لیے جو چیز آئی ہے وہی لے سکتا ہے۔ دوسرا نہیں لے سکتا۔ یہاں تک کہ ملازمین کے لیے جو جوڑے وغیرہ آئیں وہ انہیں کو دیئے جائیں، روکنا یا کسی اور کو نہ دینا چاہیے۔

زینت کا بیان

مسئلہ: لڑکیوں کے کان، ناک چھدوانے میں حرج نہیں۔ اس لیے کہ زمانۂ رسالت میں کان چھدتے تھے اور اس پر انکار نہیں ہوا۔ (عالمگیری) بلکہ کان چھدوانے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ صرف بعض گھرانوں میں نصرانی عورتوں کی تقلید میں اسے موقوف کر دیا گیا ہے اس کا اعتبار نہیں۔

مسئلہ: بعض گھرانوں میں لڑکوں کے بھی کان چھدواتے اور دُریا پہناتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے یعنی کان چھدوانا بھی ناجائز اور اسے زیور پہنانا بھی ناجائز۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: عورتوں کو ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا جائز ہے کہ یہ زینت کی چیز ہے۔ بے ضرورت چھوٹے بچوں کے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانا نہ چاہیے۔ (عالمگیری) لڑکیوں کے ہاتھ پاؤں میں لگا سکتے ہیں جس طرح ان کو زیور پہنا سکتے ہیں۔

مسئلہ: عورتیں اپنی چوٹیوں میں پوت اور چاندی سونے کے دانے لگا سکتی ہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت کا اپنے شوہر کے لیے گہنا پہننا، بناؤ سنگھار کرنا عظیم ثواب کا باعث اور ان کے حق میں نمازِ نفل سے افضل ہے۔ ایک پارسا بی بی کہ وہ خود اور ان کے شوہر دونوں صاحب اولیاء کرام سے تھے۔ ہر شب بعد نماز عشاء پورا سنگھار کر کے دلہن بن کر اپنے شوہر کے پاس آتیں وہیں حاضر رہتیں۔ اگر انہیں اپنی طرف راغب پاتیں خدمت بجالاتیں ورنہ زیور و لباس اتار کر مصلیٰ بچھاتیں اور نماز میں مشغول ہو جاتیں۔ اور دلہن کو سجانا تو مسلمانوں میں قدیم سے رائج اور بہت احادیث سے ثابت ہے۔ بلکہ کنواری لڑکیوں کو زیور و لباس سے آراستہ رکھنا کہ ان کی منگنیاں آئیں یہ بھی سنت ہے۔ بلکہ عورت کا قدرت رکھنے کے باوجود بالکل بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ یہ مردوں سے تشبہ ہے۔ ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورت کا بے زیور نماز پڑھنا مکروہ جانتیں اور فرماتیں اور کچھ نہ پائے تو ایک ڈورا ہی گلے میں باندھ لے اور بجنے والا زیور عورت کے لیے اس حالت میں جائز ہے کہ نامحرموں مثلاً خالہ ماموں، چچا پھوپھی کے بیٹوں، جیٹھ دیور، بہنوئی کے سامنے نہ آتی ہو نہ اس کے زیور کی جھنکار نامحرم تک پہنچے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ مثلاً لوہا، پیتل، تانبا جست وغیرہ۔ ان دھاتوں کی انگوٹھیاں مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ عورت سونا بھی پہن سکتی ہے اور مرد نہیں پہن سکتا۔ اور نگینہ ہر قسم کے پتھر کا، مرد و عورت دونوں کے لیے ہو سکتا ہے۔ عقیق، زمرد، یاقوت، فیروزہ وغیرہ سب کا نگینہ جائز ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: لوہے کی انگوٹھی پر چاندی کا (عورت کے لیے سونے کا) خول چڑھا دیا کہ لوہا بالکل دکھائی نہ دے اس انگوٹھی کے پہننے کی ممانعت نہیں۔ (عالمگیری) اس سے معلوم ہوا کہ سونے کے زیوروں میں جو اندر تانبے یا لوہے کی سلاخ رکھتے ہیں اور اوپر سے سونے کا خول یا پتر چڑھا دیتے ہیں، اس کو پہننا جائز ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: عورتیں انگوٹھی پہنیں تو نگینہ ہاتھ کی پشت کی طرف رکھیں کہ ان کو پہننا

زینت کے لیے ہے اور زینت اسی صورت میں زیادہ ہے کہ نگینہ باہر کی جانب رہے۔

(ہدایہ)

مسئلہ: ہلتے ہوئے دانتوں کو سونے کے تار سے بندھوانا جائز ہے اور اگر کسی کی ناک کٹ گئی ہو تو سونے کی ناک بھی لگانے کی اجازت ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ضرورت کی وجہ سے مردوں کے لیے بھی سونے کو جائز کیا گیا کیونکہ چاندی کے تار سے دانت باندھے جائیں یا چاندی کی ناک لگائی جائے تو اس سے تعفن (بدبو) پیدا ہوگا۔ (عالمگیری) اور دانت گر گیا تو اسی دانت کو سونے یا چاندی کے تار سے بندھوا سکتا ہے۔ دوسرے شخص کا دانت اپنے منہ میں نہیں لگا سکتا۔ (عالمگیری)

مسئلہ: گھنگرو والے زیورات کا استعمال عورت کے لیے منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر گھنگرو کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور جس گھر میں گھنگرو والے زیورات استعمال کیے جاتے ہیں اس گھر میں فرشتے نہیں آتے۔ (ابوداؤد)

مسئلہ: کہیں کہیں موسم کی تبدیلی یا مزاج میں نقص یا کسی بیماری کے باعث سر کے بال سفید ہو جاتے ہیں اور عورتیں وقت سے پہلے ہی بوڑھی معلوم ہونے لگتی ہیں، ایسی عورتیں شوہر کی خوشنودی اور اس کی رغبت بڑھانے کی نیت سے اگر سیاہ خضاب سے سر کے بال رنگ لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس میں حرج نہیں۔

مسئلہ: ایسے چست کپڑے جن سے جسم کا نقشہ کھنچ جاتا ہو مثلاً چست پاجامہ میں پنڈلی اور ران کی پوری ہیئت نظر آتی ہے اور اس پر کوئی اور ڈھیلا کپڑا شلوار وغیرہ نہ ہو تو عورتیں ایسے موقعوں پر استعمال نہ کریں کہ غیروں کی نظریں ان پر پڑیں۔ مثلاً گھر میں دیور، جیٹھ، چچا، پھوپا، ماموں، خالہ کے بیٹوں یا ایسے ہی دور کے رشتہ داروں کا آنا جانا ہو یا وہ موجود ہوں۔ اسی طرح بعض عورتیں بہت باریک کپڑے پہنتی ہیں مثلاً جارجٹ آب رواں یا جالی یا باریک ململ ہی کا دوپٹہ، جس سے سر کے بال یا بالوں کی سیاہی یا گردن یا کان نظر آتے ہیں، یا کرتے میں سے پیٹ اور پیٹھ بالکل نظر آتی ہے، اس قسم کے کپڑے پہننا بھی ناجائز ہیں اور مردوں کو اس حالت میں ان کی طرف نظر کرنا بھی حرام۔ (عالمگیری)

مسئلہ: عورت کو داڑھی یا مونچھ کے بال نکل آئیں تو ان کا نوچنا جائز بلکہ مستحب ہے کہ کہیں اس کے شوہر کو اس سے نفرت نہ پیدا ہو۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ناخن کاٹنے کا ایک آسان طریقہ جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی کلمے کی انگلی سے شروع کرے اور چھنگلیا پر ختم کرے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے اس کے بعد داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن تراشے یا ترشوائے۔ اس صورت میں داہنے ہی ہاتھ سے شروع ہوا اور داہنے پر ہی ختم ہوا۔ (درمختار)

مسئلہ: پاؤں کے ناخن ترشوانے میں کوئی ترتیب منقول نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنے کی جو ترتیب ہے اسی ترتیب سے ناخن تراشے۔ یعنی داہنے پاؤں کی چھنگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے۔ پھر بائیں پاؤں کے انگوٹھے سے شروع کر کے چھنگلی پر ختم کرے۔ (درمختار)

مسئلہ: دانت سے ناخن نہ کھٹنا چاہیے کہ مکروہ ہے اور اس میں مرض برص (معاذ اللہ) پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ (عالمگیری) اور مشہور ہے کہ اس سے برکت جاتی ہے۔

مسئلہ: ہر جمعے کو اگر ناخن نہ تراش سکے تو پندرھویں دن تراشے اور اس کی انتہائی مدت چالیس دن ہے۔ (حدیث شریف) کچھ لڑکیوں میں ناخن بڑھانے انہیں نوکیلے بنانے اور پھر ان پر "نیل پالش" کا فیشن بڑھتا جا رہا ہے، ماں باپ اور گھر کے بڑوں کو چاہیے کہ اس وبا کو جو زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے سختی سے مٹا دیں۔

مسئلہ: کنگھا کرنے یا سر دھونے میں جو بال سر سے جدا ہوں، یونہی عورت پاؤں کے ناخن کاٹے تو عورتوں پر لازم ہے کہ انہیں زمین میں دفن کر دیں یا کہیں چھپا دیں یا ایسی جگہ ڈال دیں کہ ان پر کسی اجنبی کی نظر نہ پڑے۔ (درمختار)

مسئلہ: موئے زیر ناف دور کرنا سنت ہے اور بہتر جمعہ کے جمعہ ہے۔ اور پندرھویں دن کرنا بھی جائز ہے اور چالیس روز سے زیادہ گزار دینا مکروہ و ممنوع ہے اور غسل

ضروری ہو تو ایسی حالت میں نہ بال مونڈے اور نہ ناخن ترشوائے کہ یہ مکروہ ہے۔
(عالمگیری) ناک کے بال نہ اکھاڑے کہ اس سے مرض آکلہ پیدا ہونے کا ڈر ہے۔

(عالمگیری)

مسئلہ: عورت کو سر کے بال کٹوانے جیسا کہ اس زمانہ میں نصرانی عورتیں کٹواتی ہیں، ناجائز و گناہ ہے اور اس پر لعنت آئی۔ شوہر نے ایسا کرنے کو کہا جب بھی یہی حکم ہے کہ عورت ایسا کرنے میں گناہ گار ہوگی کیونکہ شریعت کی نافرمانی کرنے میں کسی کا کہنا نہیں مانا جائے گا۔ (درمختار) آہستہ آہستہ یہ بلا مغربی تہذیب کے دلدادہ گھرانوں میں پھیلتی جارہی ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو عورت مردانہ ہیئت میں ہو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ تو یہ بال کٹواتی ہیں اور اللہ کی لعنت میں گرفتار ہوتی ہیں۔

مسئلہ: انسان کے بالوں کی چوٹی بنا کر عورت اپنے بالوں میں گوندھے یہ حرام ہے۔ حدیث میں اس پر لعنت آئی بلکہ اس پر بھی لعنت جس نے کسی عورت کے سر میں ایسی چوٹی گوندھی اور اگر وہ بال جس کی چوٹی بنائی گئی خود اسی عورت کے سر کے ہیں جس کے سر میں جوڑی گئی جب بھی ناجائز۔ کہ بات وہی نصرانی عورتوں کی ریس کی ہوئی اور اگر اون یا سیاہ تاگے کی چوٹی بنا کر لگائے تو اس کی ممانعت نہیں۔ سیاہ کپڑے کا موباف باندھنا بھی جائز ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: سیاہ سرمہ یا کاجل آنکھوں میں استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں مرد بہ قصد زینت نہ لگائیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: مکان میں جاندار کی تصویر (پوری ہو یا آدھی یا صرف چہرہ) لگانا یا اسے اعزاز و تعظیم سے رکھنا یونہی ایسے پردے دروازوں پر ڈالنا جائز نہیں اور غیر جاندار کی تصویر سے مکان آراستہ کرنا جائز ہے جیسا کہ طغرے اور کتبوں سے مکان سجانے کا رواج ہے۔ (عالمگیری) حدیث شریف میں ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ ہم ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتایا تصویر ہو۔ (بخاری و مسلم)

مسئلہ: بعض گھروں میں خاندانی بزرگوں یا بزرگان دین کی مصنوعی تصویریں دیواروں پر لٹکاتے یا میز وغیرہ ایسی چیز پر رکھتے ہیں کہ وہ نمایاں نظر آتی ہیں یہ اور بھی برا اور سخت تر گناہ ہے۔ بت پرستی کی ابتدا ہوئی تو انہیں بزرگوں کی تصویروں کی تعظیم سے۔ قرآن کریم میں جو پانچ بتوں کا سورۂ نوح میں فرمایا یہ پانچوں بندگانِ صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد ابلیس لعین کے بہکائے میں آکر ان کی تصویریں بنا کر مجلسوں میں قائم کیں۔ پھر بعد کی آنے والی نسلوں نے انہیں معبود سمجھ لیا اور ان کی پوجا پاٹ شروع ہوگئی۔ (بخاری)

مسئلہ: حضور سیّد البشر علیہ افضل الصلوۃ و اکمل السلام کے نعل (پاپوش) مطہر اور روضۂ معطر کے نقشے مکانوں میں آویزاں کرنا انہیں عزت و تکریم سے رکھنا، انہیں بوسہ دینا، آنکھوں سے لگانا، سر پر رکھنا یہ سب جائز ہے اور دنیا و آخرت میں عزت و سرور کا باعث اور تکمیلِ ایمان کا اعلیٰ ذریعہ کہ جس چیز کو محبوبانِ خدا بالخصوص سید المحبوبین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے وہ خود بھی معظم شرعی ہو جاتی ہے جیسے غلافِ کعبہ کی تعظیم و تکریم سب ہی کرتے چلے آرہے ہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ان نقشوں میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضۂ عالیہ کی زیارت نہ ملی وہ اس کی زیارت کرلے کہ یہ مثال و تصویر اس اصل کے قائم مقام ہے۔ یونہی نعل مقدس کا نقشہ، اصل نعلِ مقدس کے قائم مقام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دلائل الخیرات شریف میں روضۂ انور کا نقشہ شامل کیا جاتا ہے اور صدیوں سے علماء و مشائخ میں معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو حسنِ ادب عطا فرمائے۔ (آمین)

مسئلہ: لڑکیوں کے لیے گڑیوں سے کھیلنے کی اجازت ہے کہ اس بہانے ان میں سینے پرونے، کھانے پینے اور قرینے سے رہنے سہنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ خواہ یہ گڑیاں یا ایسے ہی دوسرے کھلونے کپڑے کے ہوں یا ٹین وغیرہ کسی دھات کے یا مٹی اور پلاسٹک کے لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ چیزیں کھلونوں کی حد تک رہیں کہ بچے پھینکے توڑیں تاکہ ان میں بت شکنی کی عادت پیدا ہو۔ انہیں شیشے کی الماریوں میں سجا سجا کر گھر اور کمرے میں

زینت کا سامان بنانا کسی طرح جائز و درست نہیں۔ یہ مسئلہ خوب ذہن نشین رکھیں۔

ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا خیبر سے تشریف لائے (اس وقت آپ کی عمر شریف قریباً نو سال تھی، گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور آپ کے پاس آپ کی سہیلیاں بھی آجاتی تھیں) اس وقت آپ کی گڑیاں طاق میں رکھی ہوئی تھیں اور ان پر پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا چلی اور پردہ ہٹ گیا۔ حضرت عائشہ کی گڑیاں دکھائی دیں تو حضور نے فرمایا۔ عائشہ یہ کیا ہیں؟ عرض کی میری گڑیاں ہیں۔ ان گڑیوں کے درمیان کپڑے کا ایک گھوڑا تھا جس کے دو بازو تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھوڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ گڑیوں کے بیچ میں یہ کیا ہے؟ عرض کی یہ گھوڑا ہے۔ ارشاد فرمایا گھوڑے کے یہ کیا ہیں؟ عرض کی یہ گھوڑے کے بازو ہیں۔ ارشاد فرمایا گھوڑے کے لیے بازو؟ حضرت عائشہ نے عرض کی کیا آپ نے نہیں سنا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے بازو تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کو گڑیوں سے کھیلنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انہیں رکھنا ہو تو پردے سے چھپا دیا جائے تاکہ ان پر نظر نہ پڑے اور ان کا شمار زینت کی چیزوں میں نہ ہو اور بچوں میں چونکہ اتنی سمجھ نہیں ہوتی، اس لیے گھر کے بڑوں کو اس کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی غفلت سے رحمت کے فرشتوں سے گھر محروم رہے اور برکتیں رخصت ہو جائیں۔

اصلاح الرسوم

بچے کی پیدائش، ختنہ، عقیقہ، بسم اللہ خوانی، شادی بیاہ اور دوسری تمام تقریبات سے لے کر انسان کے آخری انجام یعنی موت تک مسلمان گھرانوں میں طرح طرح کی رسمیں برتی جاتی ہیں۔ ہر ملک میں نئی رسوم ہیں اور ہر قوم و خاندان کے رواج اور طریقے، جداگانہ رسوم کی بنیاد عرف پر ہے۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ شرعاً واجب یا سنت

یا مستحب ہیں۔ لہٰذا جب تک کسی رسم کی ممانعت، شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اسے حرام و ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ کھینچ تان کر اسے ممنوع قرار دینا بڑی زیادتی ہے۔

دراصل شرع شریف کا ایک کلّیہ قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری ہے اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلی نہ برائی کہ نہ اس کی ممانعت شریعتِ مطہرہ سے ثابت ہے نہ شریعت نے اس کے کرنے کا حکم دیا تو وہ چیز اباحتِ اصلیہ پر رہتی ہے اور اسے مباح قرار دیا جائے گا کہ اس کے کرنے میں کوئی ثواب نہیں اور نہ کرنے پر کوئی عذاب و عتاب نہیں۔ یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر جگہ کام آئے گا۔ آج کل مخالفین حق اور اہلِ سنت و جماعت سے کٹ کر نئی راہوں پر چلنے والوں مثل وہابیہ دیوبندیہ نے یہ روش اختیار کرلی ہے کہ جس چیز کو چاہا، شرک، حرام، بدعت ضلالت کہنا شروع کر دیا۔ اس پر طرہ یہ کہ اہلِ سُنّت سے پوچھتے ہیں تم جو ان چیزوں کو جائز بتاتے ہو قرآن و حدیث میں کہاں جائز لکھا ہے۔ حالانکہ ان کو اپنی خوش فہمی سے اتنی خبر نہیں کہ جائز کہنے والا کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ جو ناجائز کہے وہ قرآن و حدیث میں دکھلائے کہ ان افعال کو کہاں ناجائز لکھا ہے۔ ورنہ شریعت کسی کی زبان کا نام نہیں کہ جسے چاہے آدمی بے دلیل حرام و ناجائز و ممنوع کہہ دے۔

اور فرقہ وہابیہ کے مبلغ اور ان کے بہی خواہ جو اس قسم کے مسائل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔

یعنی جو شخص دین میں نئی بات پیدا کرے وہ بات مردود ہے۔

تو یہ محض بے محل اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا ایک بہانہ ہے، ورنہ ان کے بڑے بھی یہ بات خوب جانتے ہیں کہ بدعت ضلالت وہی ہے جو دین میں نئی پیدا ہو اور دنیاوی رسوم وعادات پر حکم بدعت نہیں ہو سکتا مثلاً انگرکھا و شیروانی پہننا، بریانی مزعفر متنجن شیر مال وغیرہ لذیذ کھانا، عالیشان مکانوں، بنگلوں کے نام تجویز کرنا اور ان میں رہنا سہنا، دولہا کو عمدہ پوشاک پہنانا، بنا سنوار کر پورے اہتمام سے دلہن کے گھر لے جانا اور

ان کا جائز طریقوں پر استقبال کرنا اور خاطر و مدارات میں پیش پیش رہنا۔ دلہن کو بوقت رخصت پالکی یا موٹر وغیرہ میں بٹھانا۔ اسی طرح دلہن اور دولہا کے سر پر سہرا باندھنا؛ جبکہ سہرے میں نلکیاں اور پنی وغیرہ نہ ہو کہ کوئی بھی ان چیزوں کو دینی بات سمجھ کر نہیں کرتا۔ نہ بغرض ثواب انہیں کیا جاتا ہے بلکہ سب ایک دنیاوی رسم ہی جان کر کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جاہل اور ناواقف محض ایسا ہو کہ انہیں دینی بات جانے اور نہ کرنے کو شرعاً برا یا گناہ مانے تو اس کی اس بے ہودہ سمجھ پر اعتراض صحیح ہے۔

یونہی دولہا دلہن کو ابٹنا ملنا، خوشبو لگانا، دلہن کو مائیوں بٹھانا اور ڈال بری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں، جائز ہے۔ اسی طرح دولہا دلہن کے گلوں میں خالص پھولوں کے ہار پہنانا کہ ان میں پھولوں سے بس اتنی بات زائد ہے کہ انہیں ایک ڈورے میں پرو لیا ہے اور گلے میں ڈالنا خوشبو سے خود فائدہ لینا اور اپنے ساتھیوں کو فرحت پہنچانا ہے اور خوشبو لگانا سنت ہے اور خوشبو کی چیزیں پھول پتی وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پسند ہیں اور پھول اگر ہاتھ میں لیے رہیں تو ہاتھ بھی رکے اور پھول بھی جلد کملا جائیں۔ اسی لیے ڈورے میں پرو کر گلے میں ڈالنے سے کوئی حرج نہیں تو اس میں حرمت یا ممانعت و ناجوازی کس طرف سے آگئی۔

اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر نبوٹ کھیلنا لکڑی پھینکنا، بندوقیں چھوڑنا اور اسی قسم کے سب کھیل جائز ہیں جبکہ اپنے یا کسی دوسرے کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو۔ اور ان سے مقصود، کوئی غرض محمود ہو جیسے فن سپاہ گری میں مہارت اور اگر صرف کھیل کود مقصود ہو تو ضرور ممنوع و مکروہ ہے۔

غرض یہ کہ ان جائز رسوم و عادات کو جو بلا دلیل شرعی ناجائز و حرام اور بدعت و ضلالت کہتا ہے وہ شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرتا ہے اگر سچا ہے تو بتائے کہ اللہ و رسول نے قرآن و حدیث میں اسے کہاں ناجائز کہا اور کہاں منع فرمایا ہے اور جب اللہ و رسول نے منع نہیں فرمایا تو دوسرا اپنی طرف سے منع کرنے والا کون۔ جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اسی حد تک کر سکتا ہے کہ کسی فعل حرام میں مبتلا نہ ہو اس کے برخلاف بعض لوگوں کو ان رسوم و عادات اور اپنے باپ دادا سے ورثہ

میں پائی ہوئی رسم و رواج کی پابندی کا اس حد تک خیال رہتا ہے کہ ناجائز و حرام فعل کرنا پڑے تو پڑے مگر خاندانی رسم و رواج کا چھوڑنا گوارا نہیں کرتے۔ میں مانتا ہوں کہ رسم و رواج کی جڑیں جب کسی قوم یا خاندان یا اس کے افراد و اشخاص کی رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہیں اور ان رسوم و عادات کے پاؤں مضبوطی سے ان میں جم جاتے ہیں تو انہیں ترک کرنا نفس پر بڑا شاق گزرتا ہے اور آدمی کسی طرح انہیں چھوڑنا گوارا نہیں کرتا۔ لیکن یہ تو سوچو تم مسلمان ہو اور مسلمانی، اطاعت و فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد گرامی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً۔ الآیہ۔ — اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

تو اسلام کا کلمہ پڑھنے، قرآن و حدیث کو اپنا امام ماننے اور خدا اور رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل فرماں گزاری کا اقرار کرنے کے بعد، جاہل بے شعور بننا اور اپنی جھوٹی عزت و ناموس اور خاندانی عز و وقار کا ایسی رسوم و عادات کے درمیان نام لانا اسی شیطان لعین کے قدموں پر چلنا ہے جس سے دور رہنے کا قرآنِ عظیم حکم دیتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنی نفسیاتی خواہشات پر قرآنِ عظیم و حدیثِ کریم کے احکام کو حاکم بنائیں۔ اور ہر حال میں خدا اور رسول کی رضا و خوشی کے طالب رہیں۔ اسی پر جئیں اسی پر مریں اور ہمیشہ اسی کا دم بھریں۔

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے "رسوم و عادات" کے بارے میں ایک بنیادی چیز تھی۔ اب ہم اپنے عنوان "اصلاح رسوم" کی طرف آتے ہیں اور چند رسوم کا ذکر کرتے ہیں جن کی پابندی سے دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

(۱) شادی میں ٹال مٹول

مثلاً لڑکی جوان ہے، مناسب رشتہ بھی مل رہا ہے لیکن رسوم ادا کرنے کو روپیہ

نہیں تو یہ نہ ہو گا کہ رسوم چھوڑ دیں۔ لڑکی کی شادی کر کے اس کے ہاتھ پیلے کر کے اس
بوجھ سے سبکدوش ہو جائیں اور فتنوں کا دروازہ بند ہو۔ اب خاندانی رسوم کے پورا
کرنے کو بھیک مانگنے کو طرح طرح کی فکریں کرتے ہیں اور اس خیال میں کہ کہیں سے
کچھ مل جائے تو لڑکی کا بیاہ رچائیں، شادی کی خوشیاں منائیں تاکہ برادری میں نام پائیں،
برسوں گزار دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی کی تندرستی بگڑتی ہے اس کی جوانی ڈھلتی
ہے، اس کا دل بجھ جاتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ طرح طرح کی باتیں اڑائی جاتیں اور
افواہیں پھیلائی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب ایسا شخص پیغام
بھیجے جس کے خلق اور دین کو تم پسند کرتے ہو تو نکاح کر دو اگر نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ
اور فساد عظیم برپا ہو گا۔ ایک اور حدیث شریف میں فرمایا کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو۔
(دیر نہ لگاؤ) نماز کا جب وقت آ جائے، جنازہ جب موجود ہو، شوہر والی کا جب کفو ملے۔
(ترمذی) کفو کے یہ معنی ہیں کہ مرد، عورت سے نسب وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس سے
نکاح عورت کے اولیا کے لیے ننگ و عار کا باعث ہو۔

(۲) بلائے قرض

ضرورت اگر واقعی ہو تو قرض لینے میں کوئی گناہ بھی نہیں بشرطیکہ اس کی ادائیگی
بآسانی ہو سکے لیکن بعض لوگ قرض لیتے ہیں تو صرف اس لیے کہ ان رسوم کو انجام
دینا ہے۔ اگر قرض نہ لیں گے اور ان رسوم کو ادا نہ کریں گے تو خاندان کی عزت اور
ہمارے نام کو بٹہ لگ جائے گا۔ غرض اسی قسم کے حیلے بہانے کو قرض کا ذریعہ بناتے ہیں۔
ظاہر ہے کہ مفلس کو قرض کون دے۔ جب یوں نہیں ملتا تو سودی قرضے لیتے ہیں
جو آسانی سے دستیاب ہو تو جاتا ہے مگر جس طرح سود لینا حرام، یونہی دینا بھی حرام۔
حدیث شریف میں دونوں پر لعنت آئی۔ اس سودی قرض سے رسوم تو انجام پائیں لیکن
نہ سوچا کہ شریعت کی مخالفت کے ساتھ اللہ و رسول کی لعنت بھی خرید لی اور اس کے
نتیجے میں دنیا میں بھی بربادی آخرت میں بھی رسوائی۔ اگر باپ دادا کی کمائی ہوئی کچھ

جائیداد ہے تو اسے سودی قرضے میں بہا دیا ورنہ رہنے کا جھونپڑا ہی گروی رکھ دیا۔
تھوڑے دنوں سود کا سیلاب سب کو بہا کر لے گیا۔ جائیداد نیلام ہوئی، مکان سود خوار کے
قبضے میں گیا۔ اب دربدر مارے مارے پھرتے ہیں، نہ کھانے کا ٹھکانہ، نہ رہنے کی جگہ۔
اس کی مثالیں بہ کثرت ہر جگہ ملیں گی کہ ایسے ہی غیر ضروری مصارف کی وجہ
سے مسلمانوں کی بیشتر جائیدادیں سود کی نذر ہو گئیں۔ پھر قرض خواہ کے تقاضے اور اس
کے تشدد آمیز لہجے سے رہی سہی عزت پر بھی پانی پڑ جاتا ہے۔ یہ ساری تباہی بربادی
آنکھوں دیکھ رہے ہیں مگر عبرت نہیں ہوتی۔ آنکھیں نہیں کھلتیں اور مسلمان اپنی
فضول خرچیوں سے باز نہیں آتے۔ پھر ان فضول خرچیوں کا وبال یہی نہیں کہ اسی دنیا کی
زندگی تک محدود ہو بلکہ آخرت کا وبال الگ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ و عافیت
میں رکھے۔ (آمین)

(۳) ڈھول تماشا گانا بجانا

عام طور پر جاہل گھرانوں میں رواج ہے کہ محلّہ یا رشتہ کی عورتیں جمع ہوتی اور
گاتی بجاتی ہیں۔ یہ حرام ہے کہ اولاً ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا مزید برآں
عورت کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی۔ اور وہ بھی عشق و ہجر و وصال کے
اشعار یا گیت۔ جو عورتیں اپنے گھروں میں چلا کر بات کرنا پسند نہیں کرتیں گھر سے باہر
آواز جانے کو برا اور بڑا عیب جانتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ بھی اس محفل میں شریک ہو
جاتی ہیں گویا ان کے نزدیک گانا کوئی عیب نہیں۔ گانے بجانے کی آواز کتنی ہی دور تک
جائے اس میں کوئی حرج نہیں۔
نیز ایسے گانوں میں جوان کنواری لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، ان کا ایسے اشعار پڑھنا یا
سننا، کس حد تک ان کے دبے ہوئے جوش کو ابھارے گا اور کیسے کیسے ولولے پیدا کرے
گا اور ان کے اخلاق و عادات پر کہاں تک اس کا اثر پڑے گا۔ یہ باتیں ایسی نہیں جن
کے سمجھانے کی ضرورت ہو یا ثبوت پیش کرنے کی حاجت ہو۔ گانے باجے کی ان تمام

ناجائز و حرام رسموں میں ایک اور ناپاک ملعون رسم ہے جو بے تمیز احمق جاہل گھرانوں نے ہندوؤں سے سیکھی۔ یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس میں موجود مردوں عورتوں کو لچھے دار سنانا، سمدھیانے کی پاکدامن عورتوں کو الفاظِ زنا سے تعبیر کرنا کرانا۔ خصوصاً اس ملعون بے حیا رسم کا عورتوں کے مجمع میں ہونا۔ ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا، قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بد لحاظیاں سکھانا، بے حیا بے غیرت بے حمیت مردوں کا اس شہدپن کو جائز رکھنا کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا مگر بندوبست قطعی نہ کرنا۔ یہ وہ گندی مردود رسم ہے جس پر صدہا لعنتیں اللہ عزوجل کی اترتی ہیں۔ اس کے کرنے والے، اس پر راضی ہونے والے، اپنے یہاں اس کی روک تھام کا کافی انتظام نہ کرنے والے سب گناہ گار، سخت گناہ گار، کبیرہ گناہوں میں گرفتار اور غضبِ خداوندی کے سزاوار ہیں۔ والعیاذ باللہ تبارکٔ وتعالی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشے۔ (آمین)

(۴) ناچ باجا

شادی بیاہ میں عموماً ناچ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، گھروں میں ڈومنیوں اور میراثنوں کا اور گھر سے باہر مردانی محفلوں میں بازاری فاجرہ فاحشہ عورتوں رنڈیوں یا پھر دونوں جگہ ہجڑوں کا، ایسی محفلوں میں شریف زادیوں کا خواہ کنواری ہوں یا بیاہی، شوہر والی ہوں یا بیوہ، شریک ہونا درکنار ان کا ان آوارہ بد وضعوں کے سامنے آنا ہی سخت بے ہودہ و بے جا ہے۔ صحبتِ بد، زہر قاتل ہے اور عورتیں نازک شیشیاں جن کے ٹوٹنے کو ادنیٰ ٹھیس بہت ہوتی ہے تو ایسوں کو تو گھر میں ہرگز قدم نہ رکھنے دیں۔ وہ بے حیائیوں کی عادی ہیں، منع کرتے کرتے اپنا کام کر گزریں گی۔

ناچ رنگ کی یہ محفلیں جس طرح شریف گھرانوں اور شریف زادیوں کے حق میں زہر قاتل ہیں، یوں ہی مردوں اور شریف زادوں کے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہیں۔ بازاری عورتوں اور رنڈیوں میں جو بے حیائی، بے شرمی اور بد لحاظی پائی جاتی ہے۔

اس سے کون واقف نہیں۔ پھر جب یہ بے حیا و بے شرم عورتیں جب مردوں کی محفلوں میں آتی اور کولہا کمر مٹکا کر، آنکھیں چمکا کر نیم برہنہ لباس میں اپنا جوہر دکھاتی اور اپنی رسیلی آواز کا رس کانوں میں گراتی ہیں تو وہاں کون سا مرد ایسا ہوتا ہے جو ٹکٹکی باندھ کر اس کی اداؤں کا جائزہ نہیں لیتا اور اس کے گانوں کو مزے لے لے کر نہیں سنتا۔ نامحرم عورت کو مرد دیکھتے ہیں اور گھور گھور کر دیکھتے ہیں یہ آنکھوں کا زنا ہوا۔ نامحرم عورت کی آواز سنتے اور پوری توجہ سے سنتے ہیں یہ کانوں کا زنا ہوا اور جب وہ اپنی بے حیائی کا مظاہرہ کرتی ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی ہے تو یہ اس سے باتیں کرنے یا آواز کسنے یا فقرے چست کرنے میں نہیں شرماتے یہ زبان کا زنا ہوا پھر ان کی برہنہ جسم کے ساتھ، فحش حرکتوں کے باعث ان مردوں کے دلوں میں برے خیالات آتے ہیں یہ دل کا گناہ ہوا۔ کبھی کبھی جوش و ولولے میں آکر اس کے جسم کو ہاتھ بھی لگا لیتے یا اپنی سی پوری کوشش اسے چھونے کی کرتے ہیں اور کبھی باکمالِ اشتیاق اس کی طرف جاتے ہیں یہ ہاتھ پیروں کا زنا ہوا۔

غرض ناچ رنگ کی ان محفلوں میں جن فاحشہ حرکتوں، بدکاریوں اور دین و اخلاق کو تباہ کرنے والی باتوں کا اجتماع ہوتا ہے یہ ایسی باتیں نہیں جنہیں بتایا گنایا جائے۔ ایسی ہی مجلسوں میں شرکت کے باعث اکثر نوجوان بالخصوص وہ جن میں خود سری کا مادہ ہوتا ہے جنہیں کسی کی پرسش کا خطرہ نہیں ہوتا، جذبات کی رو میں بے قابو ہو جاتے ہیں۔ طوائفوں کے دام فریب کا شکار ہو جاتے ہیں، آوارگی کو اپنا مشغلہ بنا لیتے ہیں۔ دولت برباد کر بیٹھتے ہیں، کمائی لٹاتے ہیں، بازاریوں سے تعلق ہی میں زندگی کی ساری لذتیں اور مسرتیں ڈھونڈتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر والوں اور پاک دامن بیبیوں سے دور رہتے ہیں اور یوں اپنی بربادی و تباہی اپنے ہی ہاتھوں خریدتے ہیں اور اگر ان بے ہودگیوں اور آوارہ گردیوں سے کوئی بندۂ خدا بچ بھی گیا تو اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ حیاء و غیرت کی چادر اتار کر سر سے پیر تک بے حیائی اور بے غیرتی کا مجسمہ بن جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کے متعلق تو یہاں تک سننے اور دیکھنے میں آیا کہ خود بھی ان مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ ساتھ جوان بیٹوں اور بیوی بیٹیوں تک کو لے

جاتے ہیں۔ ایسی بد تہذیبی کے مجمع میں باپ بیٹے اور ماں بیٹی کا ساتھ ساتھ رہنا جس بے غیرتی اور بے حمیتی کا پتا دیتا ہے وہ بیان کا محتاج نہیں۔

اس سے بڑھ کر رونا اس بات کا ہے کہ اپنی جھوٹی کھوئی ناموری اور شہرت کو آڑ بنا کر لڑکی والے، لڑکے والوں پر دباؤ ڈالتے بلکہ نسبت کے وقت ہی طے کر لیتے ہیں کہ ناچ باجا لانا ہوگا ورنہ ہم شادی نہ کریں گے۔ لڑکی والا یہ خیال نہیں کرتا کہ بے جا صرف نہ ہو تو اسی کی لڑکی کے کام آئے گا۔ ایک وقتی خوشی کے لیے یہ سب کچھ کر لیا لیکن یہ نہ سمجھا کہ لڑکی جہاں بیاہ کر گئی وہاں تو اب اس کے بیٹھنے کا ٹھکانا نہ رہا۔ ایک مکان تھا وہ بھی قرض کا سیلاب بہا کر لے گیا۔ اب تکلیف ہوئی تو میاں بیوی میں لڑائی ٹھنی اور اس کا سلسلہ دراز ہوا تو اچھی خاصی جنگ قائم ہوگئی اور نتیجہ نکلا، دونوں کے درمیان طلاق و جدائی یہ شادی ہوئی یا خانہ بربادی۔ ہم نے مانا کہ یہ خوشی کا موقع ہے اور مدت کی آرزو کے بعد یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے بے شک خوشی کرو مگر حد سے گزرنا اور حدودِ شریعت سے باہر ہو جانا کسی عقلمند کا کام نہیں۔ کام وہ کرو جس سے دنیا میں بول بالا اور آخرت میں منہ اجالا ہو اور وہ ہے ہر کام خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا جوئی کے لیے انجام دینا اور شریعت مطہرہ کا دامن مضبوطی سے تھام کر اپنی ناجائز خواہشوں سے ہمیشہ ہمیش کے لیے دست بردار ہو جانا۔

اور آہ صد آہ

کہ بعض تو اتنے باک ہیں کہ اگر شادی میں یہ خرافات نہ ہوں تو اسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک گناہ اور شریعت کی مخالفت ہے دوسرے تمام شرکت کرنے والوں اور تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے گناہوں کے برابر، اس تنہا پر گناہوں کا بوجھ کہ اگر یہ ان خرافات کی سختی سے روک تھام کرتا اور گناہوں کے یہ سامان اپنے یہاں نہ پھیلاتا تو آنے والے یا تماشائی ان گناہوں میں کیوں پڑتے۔ اور بے حیائیوں اور بے شرمیوں کا یہ بازار کیوں گرم ہوتا

جن میں اللہ تعالیٰ کی صدہا نعمتیں اترتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ہدایت بخشے اور اپنی پناہ و حفاظت میں رکھے۔ (آمین) جس شادی میں ایسی ناپاک حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز ہرگز شریک نہ ہوں۔ اگر دانستہ شریک ہوگئے ہیں تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو سب مسلمان مردوں عورتوں پر لازم ہے فوراً فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی بیویوں بیٹیوں، ماؤں، بہنوں کو گالیاں نہ دلوائیں۔ فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضبِ الٰہی سے حصہ لیں گے۔ والعیاذ باللہ۔ ہرگز ہرگز اس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت و مروت روا نہ رکھیں کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں۔ اے رب ہمارے! ہمیں قبول حق کی توفیق عطا فرما۔ (آمین)

فلمی ریکارڈنگ

اور اب ہمارے اس دور میں ایک نئی بلا نے گھر گھر جنم لیا ہے اور وہ ہے فلمی گانوں اور فضول آوازوں کی ریکارڈنگ۔ گانے بجانے کی آواز اور ڈھول سارنگی کی ڈھب ڈھب روں روں تو خیر اسی مجلس اسی گھر یا زیادہ سے زیادہ دو چار پاس پڑوس کے گھروں تک محدود رہتی تھی مگر یہ ریکارڈنگ تو خدا کی پناہ فلمی گانے خود اپنی جگہ تنہائی میں جوان لڑکوں اور نوجوان لڑکیوں کے لیے زہر قاتل اور بڑے بوڑھوں کے لیے سوہانِ روح ہوتے ہیں نہ کہ پوری آواز سے ان کی تشہیر نہ یہ خیال کہ نوجوان شریف زادیوں اور شریف زادوں کے جذبات میں ان سے کیسا ہیجان پیدا ہوگا۔ نہ اس کا لحاظ کہ بڑے بوڑھوں کے دلوں پر ان گانوں کا کیا اثر ہوگا۔ نہ اس کا پاس کہ بیماروں، غم کے ماروں کو ان سے کیسی تکلیف پہنچے گی۔ نہ خدا اور رسول کا خوف نہ قیامت میں گرفت کی پرواہ۔ اور لعنت پوری لعنت یہ ہے کہ ان شوقین مزاجوں کو نہ اذان کا دھیان آئے نہ نمازوں اور جماعتوں کا احساس ہو۔ اپنی دھن میں مست، اپنے ناجائز شوق کی تکمیل میں مصروف، اپنے پیسے اور وقت کے ضیاع میں مشغول، دنیا و مافیہا سے بے خبر خدا اور

رسول کے احکام کی خلاف ورزی کے باعث عذاب خداوندی میں مبتلا ہیں۔ لیکن آنکھ نہیں کھولتے۔ خدا اور رسول سے نہیں شرماتے اور کوئی منع کرے تو اس کی توہین و تذلیل کرتے ان پر پھبتیاں کستے اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ سچ ہے۔

بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

آتش بازی

شادی بیاہ کی تقریبوں میں عموماً اور شب برأت کے موقع پر خصوصاً آتش بازی کی رسم، وبا کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ کپڑے جلیں، بدن جھلسیں، کچے پکے مکانوں چھپروں میں آگ لگے، بچے بوڑھے جوان ناگہانی زخمی ہو جائیں، جسموں پر آبلے پڑ جائیں، یہ سب کچھ گوارا ہے اور گوارا نہیں تو اس بے ہودہ رسم کو چھوڑنا۔ حالانکہ یہ حرام ہے اور سخت حرام کہ اس میں مال بھی ضائع ہوتا ہے اور جان کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ قرآن کا صاف صاف ارشاد گرامی ہے کہ اپنا مال ضائع کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا

یعنی مال کو فضول کاموں میں نہ اڑا، بیشک فضولیات میں اڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

کسی انسان کی برائی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسے شیطان سے تشبیہ دی جائے اور اسے شیطان کا بھائی بند کہا جائے۔ "گھر پھونک تماشہ" اسی کا نام ہے۔

عزیزو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام دیا، عقل عطا فرمائی، دولت بخشی تو اس لیے کہ دولت کو طاعت و بندگی کے کاموں میں صرف کرو۔ اپنی ضروریات اور مفید کاموں میں صرف کرو اور اپنے پروردگار کا شکر بجا لاؤ، اب تم اس دولت کو فضول کاموں میں اڑاتے اور خدا کی نافرمانیوں میں کام لاتے ہو تو تم خود سوچو کہ دولت کو غلط راستوں پر

بہانے والے بڑے ناشکرے اور شیطان کے بھائی بند ہوئے یا نہیں۔ کہو ہوئے ضرور ہوئے تو پھر فخر و ریا و نمائش اور اک ذرا سی واہ واہ کے لیے یہ فضول خرچیاں اور مالی عیاشیاں آخر کیوں نہیں چھوڑتے۔ جبکہ ان کا وبال تم اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہو۔ خدا کے بندو اپنی آنکھیں کھولو اور خدا اور رسول کا خوف کرو۔ مائیں اور گھروں کی بڑی بوڑھیاں اگر خدا و رسول کے احکام کی تعمیل پر اڑ جائیں اور اپنے چھوٹوں کو ان واہی تباہی فضول خرچیوں سے سختی سے روک دیں تو دین و دنیا میں اِن کا بھی بھلا اُن کا بھی بھلا۔ پھر شب برأت کے موقع پر ایسی بدعتوں اور خرافات میں مصروف رہنا، اپنا پیسہ اڑانا، بچوں کو آتش بازی کے لیے پیسے دینا جیسا کہ عام رواج ہوتا جا رہا ہے اور بھی زیادہ برا اور بھی گناہ اور بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین)

مسئلہ: مسجد میں چراغ جلانے، یا طاق بھرنے یا کسی بزرگ کے مزار شریف پر چادر چڑھانے یا گیارہویں کی نیاز دلانے، یا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ یا شاہ عبدالحق ردولوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ یا حضرت جلال بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کونڈا بھرنے یا محرم کی نیاز یا شربت یا سبیل لگانے یا میلاد شریف کرنے کی منت مانی تو یہ شرعی منت نہیں۔ سب اس میں سے کھا پی سکتے ہیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: یہ اور اسی قسم کے دوسرے خیر خیرات، درود فاتحہ یا نذر و نیاز کے طریقے منع نہیں ہیں۔ کریں تو اچھا ہے البتہ اس کا خیال ہمیشہ رکھنا چاہیے کہ کوئی بات خلافِ شرع اس کے ساتھ نہ ملائے۔ مثلاً طاق بھرنے میں رت جگا ہوتا ہے جس میں کنبہ اور رشتہ اور پاس پڑوس کی عورتیں اکٹھا ہو کر گاتی بجاتی ناچتی کودتی اور شور و غوغا مچاتی ہیں۔ دوسروں کی نیندیں خراب اور اپنا وقت فضول و لغو کاموں میں ضائع و برباد کرتی ہیں۔ یہ حرام اور گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطانی کاموں سے ہم سب کو دور رکھے۔ (آمین) یونہی چادر چڑھانے کے لیے بعض لوگ تاشے باجے کے ساتھ جاتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے اور مسجد میں چراغ جلانے میں عموماً عورتیں آٹے کا چراغ جلاتی ہیں اور تیل کی بجائے اس میں گھی استعمال کرتی ہیں، یہ خواہ مخواہ مال ضائع کرنا ہے اور ناجائز ہے۔ مٹی کا چراغ کافی ہے

اور گھی کی بھی ضرورت نہیں۔ مقصود روشنی ہے وہ تیل سے حاصل ہے پھر عورتوں کا گاتے ہوئے مسجد تک جانا اور بھی زیادہ بُرا اور سخت گناہ ہے۔



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فضائل و مسائلِ درود شریف

قرآن کریم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں، اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے۔

علماء نے اللھم صل علی سیدنا محمد کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یارب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عظمت عطا فرما۔ آپ کے کام میں برکت دے۔ آپ کا نام بلند فرما اور آپ پر اپنی رحمتوں کی بارش نازل کر۔ دنیا میں ان کا دین بلند اور ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو فروغ اور بقا عنایت کر کے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر۔ ان کا ثواب زیادہ کر کے اور اولین و آخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیاء و مرسلین و ملائکہ اور تمام خلق پر ان کی شان بلند کر کے اور آپ کو مقام محمود پر پہنچا کر۔

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن نشین رکھیں کہ رب عزوجل کا یہ حکم مطلق ہے۔

کسی زمان کسی مکان، کسی وقت اور کسی حالت کا اس میں استثناء نہیں کہ فلاں وقت فلاں جگہ فلاں حالت میں نہ پڑھو تو ہروہ محل ہروہ موقع اور ہروہ حال کہ شرعاً ذکرواذکار کی ممانعت وارد نہ ہو، جب بھی درود شریف پڑھا جائے گا، اسی حکمِ الٰہی کی تعمیل میں شمار ہوگا، اسی لیے ہربار درود شریف پڑھنے میں ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے کہ وہ سب اسی مطلق فرض کے تحت میں داخل ہے جس کا قرآن کریم حکم دے رہا ہے تو جتنا بھی پڑھیں گے، فرض ہی میں شامل ہوگا۔ نظیر اس کی تلاوت قرآن کریم ہے کہ ویسے تو فرض نماز میں ایک ہی آیت کا پڑھنا ہے اور اگر ایک رکعت میں سارا قرآن عظیم تلاوت کرلیا تو سب فرض میں داخل ہوگا اور فرض ہی کا ثواب ملے گا۔ (فتاویٰ رضویہ)

وہابیہ کی اوندھی مت کہ وہ قدم قدم پر شان رسالت کی توہین کرتے اور سنی مسلمانوں کو اس سے روکتے بلکہ ان سے جھگڑتے ہیں۔ درود شریف کی بہت برکتیں اور فضیلتیں ہیں۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں جو مجھ پر درود بھیجے اس کا دل نفاق سے ایسا پاک ہو جائے جیسا کپڑا پانی سے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو کہے صلی اللہ علی (سیدنا) محمد اس نے ستر دروازے رحمت کے اپنے اوپر کھول لیے۔ اللہ عزوجل اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا۔ اس سے بغض نہ رکھے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق ہوگا۔ (کشف الغمہ)

ایک حدیث میں ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجے، اللہ عزوجل اس پر دس درودیں نازل فرمائے۔ اس کی دس خطائیں محو فرمائے گا اور دس درجے بلند فرمائے گا۔ (نسائی) نیز فرمایا کہ پورا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ بھیجے۔ (ترمذی) اسی میں ہے کہ فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب میں زیادہ قریب وہ ہوگا جس نے سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجا ہے۔

نسائی شریف میں ہے کہ فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ اللہ کے کچھ فارغ فرشتے ہیں جو زمین میں سیر کرتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی:

یا رسول اللہ! میں بہ کثرت دعا مانگتا ہوں کہ اس میں سے حضور پر درود کے لیے کتنا وقت مقرر کروں: "فرمایا جو تم چاہو۔" عرض کی "چوتھائی۔" فرمایا جو تم چاہو اور اگر زیادہ وقت کرو تو تمہارے لیے بہتری ہے۔

میں نے عرض کی "نصف" فرمایا جو تم چاہو اور زیادہ کرو تو تمہارے لیے بہتری ہے۔" میں نے عرض کی تو کل درود ہی کے لیے مقرر کروں۔ فرمایا: ایسا ہے تو اللہ تمہارے کاموں کی کفایت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (ترمذی شریف)

الغرض فرائض و واجبات کی ادائیگی، نفل نمازوں اور تلاوت قرآن عظیم کے بعد درود شریف کی قرأت ثوابِ عظیم کی باعث اور رحمتِ ربِ کریم کی موجب ہے اور مسلمانوں کے لیے بڑی نعمت و دولت۔ مولائے کریم ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور ہر فتنہ، ہر فتین اور ہر گمراہی و گمراہ سے۔ آمین۔

چند مسائل

مسئلہ: عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ اور ہر جلسۂ ذکر میں درود شریف پڑھنا واجب۔ خواہ خود نام اقدس لے یا دوسرے سے سنے اور اگر مجلس میں سو بار ذکر آئے تو ہر بار درود شریف پڑھنا چاہیے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: جہاں تک بھی ممکن ہو، درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور خصوصیت کے ساتھ ان جگہوں میں:

روز جمعہ، شب جمعہ، صبح، شام، جواب اذان کے بعد، دعا کے اول آخر میں، اجتماع و فراق کے وقت، وضو کرتے وقت جب کوئی چیز بھول جائے اس وقت۔

مسئلہ: نام اقدس لکھے تو درود ضرور لکھے کہ بعض علمائے کے نزدیک اس وقت درود شریف لکھنا واجب ہے۔ (ردمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: اکثر لوگ آج کل ویسے درود شریف کے بدلے صلعم، علیہ السلام کے

بدلے عم یا ص ، ؑ لکھ دیا کرتے ہیں یہ ناجائز و سخت حرام ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے ایسا لکھا، اس کے ہاتھ قلم کر دیئے گئے کہ ایسے مقدس نام کے لیے ذرا سے وقت، ذرا سے کاغذ اور ذرا سی سیاہی میں اتنا بخیل۔ یونہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ رضؓ ، رحمتہ اللہ علیہ کی جگہ رح لکھتے ہیں، یہ بھی نہ چاہیے۔ جن لوگوں کے نام محمد، احمد، علی، حسن، حسین وغیرہ ہوتے ہیں، ان ناموں پر ص یا ؑ بناتے ہیں، یہ بھی ممنوع ہے کہ اس جگہ تو یہ شخص مراد ہے۔ اس پر درود شریف یا دوسرے الفاظ کے اشاروں کا کیا مطلب؟ (طحطاوی، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

قرآن مجید پڑھنے کے فضائل و آداب

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس پر اسلام اور احکام اسلام کا دارومدار ہے۔ اس کی تلاوت کرنا اس کے معنی و مفہوم کو سمجھنا اور اس کے معانی و مطالب میں غور و فکر آدمی کو خدا کا مقرب بناتا اور اس کی دنیا و آخرت سنوارتا ہے۔

یہی وہ کتاب ہے جس کا دیکھنا ثواب، چھونا ثواب، پڑھنا ثواب اور سمجھنا موجب نجات ہے۔ اس موقع پر چند احادیث ذکر کی جاتی ہے:

حضور اقدس نور مجسم نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ (بخاری)

(۲) جو مومن قرآن پڑھتا ہے۔ اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی اچھا اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا وہ کھجور کی مثل ہے کہ اس میں خوشبو نہیں مگر مزہ شیریں ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا وہ اندرائن کی مثل ہے کہ اس میں خوشبو بھی نہیں اور مزہ کڑوا ہے اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے وہ پھول کی مثل ہے کہ اس میں خوشبو ہے مگر مزہ کڑوا۔ (بخاری و مسلم)

(۳) جو قرآن پڑھنے میں ماہر ہے (کہ خوب آسانی و روانی سے پڑھتا ہے) وہ کراما کاتبین کے ساتھ ہے اور جو شخص رک رک کر پڑھتا ہے اور وہ اس پر شاق ہے یعنی

اس کی زبان آسانی سے نہیں چلتی، تکلیف کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اس کے لیے دو اجر اور (دوہرے ثواب) ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(۴) جس کے پیٹ میں کچھ قرآن نہیں ہے، وہ ویرانے مکان کی مثل ہے۔ (ترمذی)

(۵) جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے گا اس کو ایک نیکی ملے گی جو دس کے برابر ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام دوسرا حرف اور میم تیسرا حرف ہے۔

(۶) جس نے قرآن پڑھا اور جو کچھ اس میں ہے، اس پر عمل کیا، اس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج سے اچھی ہے اگر وہ تمہارے گھروں میں ہوتا، تو اب خود اس عمل کرنے والے کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے۔

(ابوداؤد)

(۷) جس نے قرآن پڑھا اور اس کو یاد کر لیا، اس کے حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام جانا، اس کے گھر والوں میں سے دس شخصوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکا تھا۔ (ترمذی)

(۸) ان دلوں میں بھی زنگ لگ جاتی ہے جس طرح لوہے میں پانی لگنے سے زنگ لگتی ہے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کی جِلا (صفائی) کس چیز سے ہوگی؟ فرمایا کثرت سے موت کو یاد کرنے اور تلاوتِ قرآن سے۔

(۹) اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم شریف)

(۱۰) جو شخص سورہ کہف، جمعہ کے دن پڑھے گا اس کے لیے دو جمعہ کے مابین نور روشن ہوگا۔ (بیہقی)

(۱۱) ہر چیز کے لیے دل ہے اور قرآن کا دل یاسین ہے جس نے یاسین پڑھی، دس مرتبہ قرآن پڑھنا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے لکھ دے گا۔ (ترمذی)

(۱۲) جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یاسین پڑھے گا اس کے اگلے گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔ لہٰذا اس کو اپنے مردوں کے پاس پڑھو۔ (بیہقی)

(۱۳) قرآن کی تیس آیات کی ایک سورت ہے۔ آدمی کے لیے شفاعت کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۴) جو شخص سورہ واقعہ ہر رات میں پڑھ لے گا، اس کو کبھی فاقہ نہیں پہنچے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صاحبزادیوں کو حکم فرماتے تھے کہ رات میں اس کو پڑھا کریں۔ (بیہقی)

(۱۵) سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی دو آیتیں، اللہ تعالیٰ کے اس خزانہ میں سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ دونوں آیتیں دیں۔ انہیں سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ کہ وہ رحمت ہیں اور اللہ سے نزدیکی اور دعائیں۔ (دارمی)

(۱۶) جو ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھ لے، اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں سوا موت کے۔ یعنی مرتے ہی جنت میں چلا جائے گا اور لیٹتے وقت جو اسے پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے پڑوسی کے گھر کو اور آس پاس کے گھر والوں کو شیطان اور چور سے امن دے گا۔ (بیہقی)

آدابِ تلاوت و مسائلِ قرأت

مسئلہ: قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا، زبانی پڑھنے سے افضل ہے کہ یہ پڑھنا بھی ہے اور دیکھنا اور ہاتھ سے اس کا چھونا بھی اور یہ سب عبادت ہیں۔

مسئلہ: تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے اور سورت سے پہلے جہاں بسم اللہ قرآن میں لکھی ہوئی ہے۔ بسم اللہ پڑھنا سنت ہے ورنہ مستحب۔

مسئلہ: تلاوت کے دوران کوئی دنیاوی کام کرے تو اعوذ باللہ، بسم اللہ پھر پڑھ لے اور دینی کام کیا مثلاً سلام یا اذان کا جواب دیا یا کلمہ طیبہ وغیرہ اذکار پڑھے تو اعوذ باللہ پھر پڑھنا اس کے ذمہ نہیں۔ (غنیہ وغیرہ)

مسئلہ: سورۃ براءت (توبہ) سے اگر تلاوت کی تو اعوذ باللہ بسم اللہ کہہ لے اور جو اس کے پہلے سے تلاوت شروع کی اور سورہ براءت آ گئی تو بسم اللہ پڑھنے کی حاجت نہیں۔ (غنیہ) اور سورہ توبہ کی ابتداء میں نیا اعوذ باللہ جو آج کل کے حافظوں نے نکالا ہے بے اصل ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ سورۃ توبہ ابتداءً پڑھے جب بھی بسم اللہ نہ پڑھے۔ یہ محض غلط ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: گرمیوں میں صبح کو قرآن مجید ختم کرنا بہتر ہے اور جاڑوں میں اول شب کو کہ حدیث شریف میں ہے "جس نے شروع دن میں قرآن ختم کیا، شام تک فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں اور جس نے ابتدائے شب میں ختم کیا۔ صبح تک فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔" تو گرمیوں میں چونکہ دن بڑا ہوتا ہے تو صبح کے ختم کرنے میں استغفار ملائکہ زیادہ ہوگی اور جاڑوں کی راتیں بڑی ہوتی ہیں تو شروع رات میں ختم کرنے سے استغفار زیادہ ہوگی۔ (غنیہ)

مسئلہ: جب ختم ہو تو تین بار قل ھو اللہ پڑھنا بہتر ہے۔ (غنیہ)

مسئلہ: لیٹ کر قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ پاؤں سمٹے ہوں اور منہ کھلا ہو تو یونہی چلنے اور کام کرنے کی حالت میں بھی تلاوت جائز ہے۔ جبکہ دل نہ بٹے اور دل بٹے تو مکروہ ہے۔ (غنیہ)

مسئلہ: غسل خانے اور نجاست کی جگہوں پر قرآن مجید پڑھنا ناجائز ہے۔ (غنیہ)

مسئلہ: قرآن کریم جب بلند آواز سے پڑھا جائے تو تمام حاضرین پر سننا فرض ہے جبکہ وہ مجمع سننے کی غرض سے حاضر ہو۔ ورنہ ایک کا سننا کافی ہے۔ اگرچہ اور اپنے کاموں میں ہوں۔ (غنیہ، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: مجمع میں سب لوگ بلند آواز سے پڑھیں کہ آوازیں ٹکرائیں گی یہ حرام ہے۔ اکثر مجمعوں میں جہاں قرآن خوانی ہوتی ہے۔ مثلاً تیجوں میں سب بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ یہ حرام ہے۔ ایسے موقعوں پر کہ پڑھنے والے جمع ہوں حکم ہے کہ آہستہ

پڑھیں۔

مسئلہ: عورت کو عورت سے قرآن مجید پڑھنا، غیر محرم نابینا سے پڑھنے سے بہتر ہے کہ اگرچہ وہ اسے نہیں دیکھتا مگر آواز تو سنتا ہے اور عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ یعنی غیر محرم کو بلا ضرورت سنانے کی اجازت نہیں۔ (غنیتہ المستملی)

مسئلہ: قرآن کریم پڑھ کر بھلا دینا گناہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے ثواب (کے کام) مجھ پر پیش کیے گئے یہاں تک کہ تنکا جو مسجد سے آدمی نکال دیتا ہے اور میری امت کے گناہ مجھ پر پیش ہوئے تو اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ آدمی کو سورت یا آیت دی گئی (اس نے یاد کرلی) اور بھلا دیا۔

مسئلہ: آدابِ تلاوت میں سے یہ بات بھی ہے کہ تلاوت کرنے والا باوضو، قبلہ رو، یک جہت ہو کر کہ تلاوت میں خلل ڈالنے والی چیزیں روبرو نہ ہوں؛ اچھے کپڑے پہن کر قرآن کریم کو کسی پاک صاف اونچی چیز یا مثلاً تکیہ پر رکھ کر اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرے۔ صحیح ترجمہ والا قرآن کریم مثلاً امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کامل جائے اور ہر جگہ ملتا بھی ہے تو اس کے ترجمہ اور معانی کو بھی غور سے پڑھے کہ قلب و قبر کی روشنی اور بڑھے اور تلاوت سے فارغ ہو کر اپنے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے دعا کرنا نہ بھولے۔

مسئلہ: جُنُب اور حیض و نفاس والی عورت، اگرچہ خود نہ قرآن شریف پڑھ سکتی ہے نہ چھو سکتی ہے لیکن اگر کوئی قرآن کریم پڑھے اور اس کے پاس کوئی جُنُب یا حیض و نفاس والی یا حیض و نفاس سے نکلی ہوئی بے نہائی عورت بیٹھی ہو تو قرآن عظیم کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: قرآن مجید پرانا بوسیدہ ہوگیا اس قابل نہ رہا کہ اس میں تلاوت کی جائے اور یہ اندیشہ ہے کہ اس کے اوراق منتشر ہو کر ضائع ہوں گے تو کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر احتیاط کی جگہ دفن کر دیا جائے اور دفن کرنے میں اس کے لیے لحد بنائی جائے

تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے، یا اس پر تختہ لگا کر چھت بنا کر مٹی ڈالیں کہ اس پر مٹی نہ پڑے۔ ہاں مصحف شریف پرانا بوسیدہ ہو جائے تو اس کو جلایا نہ جائے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: قرآن کریم کو دوسری کتابوں مثلاً فقہ و تفسیر، سب سے اوپر رکھیں اور قرآن کریم جس صندوق میں ہو، اس پر کپڑا وغیرہ نہ رکھیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کسی نے محض خیر و برکت کے لیے اپنے مکان یا دکان میں قرآن مجید رکھ چھوڑا ہے اور تلاوت نہیں کرتا تو یہ گناہ نہیں بلکہ اس کی یہ نیت باعثِ ثواب ہے مگر تلاوتِ قرآن سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ (خانیہ وغیرہ)

مسئلہ: جس کمرہ میں قرآن مجید رکھا ہو، اس میں بی بی سے صحبت کرنا جائز ہے جبکہ قرآن کریم پر پردہ پڑا ہو۔ (عالمگیری)

مسئلہ: مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت اگر اٹھ کر کہیں جاتے ہیں تو بند کر دیتے ہیں، کھلا ہوا چھوڑ کر نہیں جاتے۔ یہ ادب کی بات ہے، مگر بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اگر کھلا ہوا چھوڑ دیا جائے گا تو شیطان پڑھے گا، اس کی اصل نہیں۔ ممکن ہے کہ بچوں کو اس ادب کی طرف توجہ دلانے کے لیے کسی نے اپنی طرف سے یہ بات کہہ دی ہو جو مسئلہ بن گئی۔

مسئلہ: قرآن کریم کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس کی طرف پیٹھ نہ کی جائے، نہ پاؤں کو اس سے اونچا کریں، نہ یہ کہ خود اونچی جگہ پر ہو اور قرآن مجید نیچے ہو۔

(بہارِ شریعت)

مسئلہ: قرآن مجید کو جزودان اور غلاف میں رکھنا ادب ہے۔ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانہ سے اس پر مسلمانوں کا عمل ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: مصحف یعنی قرآن شریف کو بوسہ دینا بھی صحابہ کرام کے فعل سے ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ صبح بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے: یہ میرے رب کا عہد اور اس کی کتاب ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مصحف کو

بوسہ دیتے اور چہرے سے مس کرتے تھے۔ (درمختار)

مسئلہ: قرآن کی قسم بھی قسم ہے۔ اگر اس کا خلاف ہوگا، کفارہ لازم آئے گا۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: قرآن کی کسی آیت کو عیب لگانا یا اس کی توہین کرنا یا اس کے ساتھ مسخرہ پن کرنا یا مذاق و دل لگی میں قرآن مجید کی آیتیں بے موقع پڑھ دینا کہ لوگ سن کر ہنسیں، یہ سب باتیں کفر ہیں۔ (بہار شریعت وغیرہ) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام اور مذہب اہلِ سُنّت و جماعت پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

بجاہ النبی الامی الامین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔

مسئلہ ضروریہ

یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ قراءت و تلاوت میں اتنی آواز آہستہ پڑھنے میں بھی ضروری ہے کہ پڑھنے والا خود سن سکے۔ اگر کسی نے نماز و تلاوت میں اس قدر آہستہ پڑھا کہ خود نہ سن سکا اور کوئی مانع مثلاً شور و غل یا ثقل سماعت (اونچا سننا) بھی نہیں تو نہ نماز ہوگی نہ تلاوت۔

اسی طرح جن معاملات میں نطق کو دخل ہے، یعنی جہاں کچھ پڑھنا یا کہنا مقرر کیا گیا ہے۔ اس سے یہی مقصود ہے کہ کم از کم اتنا ہو کہ خود سن سکے۔ مثلاً جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا یا طلاق دینا یا مثلاً آیت سجدہ پڑھنے پر سجدہ واجب ہونا وغیرہ۔ (عالمگیری)

دُعا اور اس کے فضائل و آداب

دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات و عرضِ حاجت کا دوسرا نام ہے۔ دُعا ایک عجیب

نعمت اور عمدہ دولت ہے کہ پروردگار اعلیٰ نے اپنے بندوں کو عنایت فرمائی اور انہیں تعلیم دی۔

مشکلات کو حل کرنے میں اس سے زیادہ کوئی چیز موثر نہیں اور بلا و آفت کے ٹالنے میں کوئی بات اس سے بہتر نہیں کہ عبادت بھی ہے اور مغزِ عبادت بھی۔ ایک عبادت سے آدمی کو پانچ فائدے حاصل ہوتے ہیں:

(۱) آدمی عبادت گزاروں کے گروہ میں داخل ہوتا ہے۔

(۲) جو شخص دعا کرتا ہے، وہ اپنے عجز و احتیاج کا اقرار اپنے پروردگار کے کرم و قدرت کا اعتراف کرتا ہے۔

(۳) دعا کرنے والا، حکم شرعی کی تکمیل کرتا ہے کہ شریعت نے اس پر تاکید فرمائی اور دعا نہ کرنے والوں پر غضبِ الٰہی کی وعید آئی۔

(۴) اتباعِ سُنّت بھی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکثر اوقات دعا مانگتے اور دوسروں کو بھی تاکید فرماتے۔

(۵) دعا سے بلائیں ٹلتی ہیں اور مدعا بھی حاصل ہوتا ہے۔ آدمی اگر بلا سے پناہ چاہتا ہے خدائے تعالیٰ پناہ دیتا ہے اور جو کسی بات کی طلب کرتا ہے اپنی رحمت سے اس کو عطا فرماتا ہے یا آخرت میں ثواب بخشتا ہے۔

سرورِ معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے دعا بندے کی تین باتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ یا اس کا گناہ بخشا جاتا ہے یا دنیا میں اسے فائدہ حاصل ہوتا ہے یا اس کے لیے آخرت میں بھلائی جمع کی جاتی ہے کہ جب بندہ اپنی ان دعاؤں کا ثواب دیکھے گا جو دنیا میں مستجاب (مقبول) نہ ہوئی تھیں، تمنا کرے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول نہ ہوتی اور سب یہیں کے واسطے جمع رہتیں۔ (احسن الوعاء)

مگر ایسے شخص کو جو اپنی دعا کا قبول ہونا اور مدعا حاصل نہ ہونے کی صورت میں ثواب آخرت اس کے عوض لینا چاہتا ہے، مناسب ہے کہ دعا میں اس کے آداب کی رعایت کرے کہ جب آداب دعا، دعا کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں تو قبولیت کی توقع زیادہ ہوتی ہے جبکہ مولائے کریم کے فضل و کرم کی کوئی نہایت نہیں۔

آدابِ دعا جو بڑی کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں بعض یہ ہیں:

(۱) دل کو حتی الامکان، دوسرے خیالات سے پاک رکھو۔

(۲) بدن لباس اور مکان پاک صاف ہوں۔

(۳) دعا سے پہلے کوئی عمل صالح، نماز تلاوت قرآن وغیرہ کرلو کہ خدائے کریم کی رحمت متوجہ ہو، صدقہ خصوصاً پوشیدہ دعا میں بڑا اثر رکھتا ہے۔

(۴) دعا سے قبل گزشتہ گناہوں سے توبہ کرو کہ نافرمانی پر قائم رہ کر، عطا مانگنا بے حیائی ہے۔

(۵) وقتِ کراہت نہ ہو تو دو رکعت نماز خلوصِ قلب سے پڑھو کہ رحمت متوجہ ہو۔

(۶) دعا کے وقت باوضو قبلہ رو، آداب کے ساتھ جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں، بیٹھو۔ دل حاضر اور نگاہ نیچی رکھو۔

(۷) دعا کے لیے اول آخر حمد الٰہی بجالاؤ اور درود شریف پڑھو کہ اس کے بغیر دعا بلند نہیں ہونے پاتی۔

(۸) اب کہ مانگنے کا وقت آیا جلال الٰہی کے تصور میں ڈوب جاؤ۔ اس کی عظیم رحمتوں کو جو باوجود گناہ تمہارے حال پر فرماتا رہا یاد کر کے شرمندہ ہو اور بڑے ادب کے ساتھ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاؤ اور سینے کے مقابل اور کھلے رکھو۔

(۹) جس قدر عاجزی کا اظہار کر سکتے ہو، اتنی ہی بہتر ہے اور دعا میں بھی اس قدر آواز ضرور ہے کہ اپنے کان تک پہنچ سکے۔

(۱۰) جب اپنے لیے دعا مانگو تو سب اہل اسلام کو اس میں شریک کرلو، ساتھ ہی والدین اور مشائخ کے لیے بھی ضرور دعا کرو کہ اگر خود قابل عطا نہیں تو کسی بندے کا طفیلی ہو کر مراد کو پہنچ جاؤ گے۔

(۱۱) آمین پر ختم کرو کہ دعا کی مہر ہے اور فارغ ہو کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لو کہ خدائے تعالیٰ شرم و کرم والا ہے۔ جب بندہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا اور سوال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خالی پھیرنے سے شرماتا ہے۔ کسی طرح کی خیر و خوبی ضرور مرحمت فرماتا ہے تو بہ

نظر اس نعمت و برکت کے دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرلینا مقرر ہوا۔

(۱۲) تنہا اپنی دعا پر قناعت نہ کرو بلکہ اللہ کے نیک بندوں، بچوں، مسکینوں اور بیوہ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کر کے ان سے بھی دعا چاہو کہ جلد قبول ہوتی ہے کہ جب احسان کیا، وہ راضی ہوں گے اور دل سے اس کے لیے دعا کریں گے اور مسلمان کی دعا مسلمان کے لیے اس کی غیر موجودگی میں نہایت جلد قبول ہوتی ہے کہ ان کی رضامندی سے اللہ راضی ہو گا اور ان کا منہ اس کے لیے دعا میں اس کے منہ سے بہتر ہو گا۔ امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے بچوں سے اپنے لیے دعا کراتے کہ دعا کرو عمر بخشا جائے۔

قبولیت دُعا کے اوقات

احادیث اور ائمۂ دین کے ارشادات کے مطابق جن اوقات و حالات میں، قبولیت کی امید قوی ہے، ان میں چند یہ ہیں:

(۱) شب قدر کہ اکثر علماء کے نزدیک رمضان المبارک کی ۲۷ویں شب ہے۔

(۲) شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ بالخصوص سورج ڈوبنے سے کچھ ہی پہلے۔

(۳) روزِ عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔

(۴) ٹھیک آدھی رات کو، کہ اس وقت تجلی خاص ہوتی ہے۔

(۵) پنجگانہ فرضوں بلکہ ہر نماز کے بعد۔

(۶) تلاوتِ قرآنِ کریم کے بعد اور ختمِ قرآنِ کریم کے وقت۔

(۷) روزہ افطار کرتے وقت۔

(۸) جب مرغ اذان دے کہ حدیث میں آیا وہ رحمت کے فرشتوں کو دیکھ کر بولتا ہے۔ اس وقت اللہ کا فضل مانگو۔

(۹) اذان کے وقت، حدیث میں ہے اس وقت آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

(۱۰) رجب کی چاند رات۔

(۱۱) شبِ براءت، شبِ عید الفطر اور شبِ عید الاضحیٰ۔

بشارتیں

(۱) حدیث شریف میں آیہ کریمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کی نسبت فرمایا کہ یہ اسم اعظم ہے جو اس کے ساتھ دعا کرے قبول ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں: یہ آیہ کریمہ دعا کی قبولیت اور بلاؤں کو دفع کرنے میں عظیم اثر رکھتی ہے۔

(۲) حدیث شریف میں آیا کہ جب بندہ یَارَبِّ یَارَبِّ (بار بار) کہتا ہے تو رب عزوجل فرماتا ہے: اے میرے بندے مانگ تجھے دیا جائے گا۔

(۳) جو شخص یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ تین بار کہے۔ فرشتہ کہتا ہے مانگ کہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ نے تیری طرف توجہ فرمائی۔

(۴) حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو کسی تکلیف میں مجھ سے مدد مانگے، وہ تکلیف دور ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر پکارے وہ سختی دفع ہو اور جو کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے، وہ حاجت روا ہو۔

اسی لیے علمائے کرام نے فرمایا کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔

مفید نہایت مفید

دعا کے قبول میں جلدی نہ کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ خدائے تعالیٰ تین آدمیوں کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ (۱) ایک وہ کہ گناہ کی دعا مانگے۔ (۲) دوسرا وہ کہ ایسی بات چاہے کہ قطع رحم (رشتہ داروں سے قطع تعلق) ہو۔ (۳) تیسرا وہ کہ قبول میں جلدی کرے کہ میں نے دعا مانگی اب تک قبول نہ ہوئی۔ ایسا شخص گھبرا کر دعا چھوڑ دیتا ہے اور

مطلب سے محروم رہتا ہے۔

اے عزیز! تیرا پروردگار فرماتا ہے:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ مجھ سے دعا مانگو میں قبول فرماؤں۔

پس یقین سمجھ کہ وہ تجھے اپنے در سے محروم نہیں کرے گا اور اپنے وعدے کو وفا فرمائے گا بلکہ وہ تیرے اوپر نظر کرم رکھتا ہے کہ تیری دعا کے قبول کرنے میں دیر کرتا ہے تو کیا جانے کہ تیرے لیے بھلائی کا ہے میں ہے تو کیا جانے کہ کیسی سخت بلا آنے والی تھی کہ اس دعا نے دفع کی۔ تو کیا جانے کہ اس دعا کے عوض کیسا ثواب تیرے لیے ذخیرہ ہو رہا ہے۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ ہاں بے اعتقادی آئی تو یقین جان کہ مارا گیا اور ابلیس لعین نے تجھے اپنا سا کرلیا۔ والعیاذ باللہ۔

اور ہرگز ہرگز اپنے اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں بلکہ ملنے جلنے والوں کی جان و مال، اولاد اور اہل و عیال پر بددعا نہ کرو کیا معلوم کہ قبولیت کا وقت ہو اور جو تم نے مانگا وہ واقع ہو جائے تو ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ (احسن الوعاء الامام احمد رضا بریلوی)

قسم اور اس کے کفارہ کا بیان

مسئلہ: قسم کھانا جائز ہے مگر جہاں تک ہو کمی بہتر ہے اور بات بات پر قسم کھانا نہ چاہیے۔ بعض لوگوں نے قسم کو تکیہ کلام بنا رکھا ہے کہ قصد و بلا قصد زبان پر جاری رہتی ہے اور اس کا بھی خیال نہیں رکھتے کہ بات سچی ہے یا جھوٹی، یہ سخت معیوب اور بڑے عیب کی بات ہے اور خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانا مکروہ اور بری بات ہے اور یہ شرعاً قسم بھی نہیں۔ یعنی اس کے توڑنے سے کفارہ لازم نہیں۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: یہ الفاظ قسم نہیں اگرچہ آدمی ان کے بولنے سے گناہ گار ہو گا جب کہ اپنی بات میں جھوٹا ہو۔ اگر ایسا کروں تو مجھ پر خدا کا غضب ہو اس کی لعنت ہو۔ اس کا عذاب ہو۔ خدا کا قہر ٹوٹے۔ مجھ پر آسمان پھٹ پڑے وغیرہا۔ یوں ہی رسول اللہ کی شفاعت نہ ملے۔ خدا کا دیدار مجھے نصیب نہ ہو۔ مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: جو شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرے مثلاً کہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے تو اس کہہ دینے سے وہ چیز حرام نہیں ہوگی کہ اللہ نے جس چیز کو حلال کیا اسے کون حرام کرسکے، مگر اس کے برتنے سے کفارہ لازم آئے گا یعنی یہ بھی قسم ہے۔
(تبیین الحقائق)

مسئلہ: تجھ سے بات کرنا حرام ہے یہ قسم ہے بات کرے گا تو کفارہ لازم آئے گا۔
(عالمگیری)

مسئلہ: خدا و رسول کی قسم یہ کام نہ کروں گا، یہ قسم نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: دوسرے کے قسم دلانے سے قسم نہیں ہوتی مثلاً کہا تمہیں خدا کی قسم یہ کام کردو تو اس کہنے پر اس پر قسم نہ ہوئی یعنی نہ کرنے سے کفارہ لازم نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائی جسے غموس کہتے ہیں تو یہ سخت گناہ ہے۔ اس پر توبہ و استغفار فرض ہے مگر کفارہ لازم نہیں۔

اور اگر اپنے خیال میں تو اس نے سچی قسم کھائی تھی مگر حقیقت میں جھوٹی ہے مثلاً جانتی تھی (جانتا تھا) کہ فلاں شخص نہیں آیا ہے اور قسم کھائی کہ نہیں آیا ہے اور حقیقت میں وہ آگیا ہے تو ایسی قسم کو لغو کہتے ہیں اس میں کفارہ بھی نہیں اور اگر آئندہ کے لیے قسم کھائی تو اس کو منعقدہ کہتے ہیں۔ ایسی قسم اگر توڑے گی کفارہ دینا پڑے گا اور بعض صورتوں میں گناہ گار بھی ہوگی۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: قسم توڑنے کا کفارہ، غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ان کو کپڑے پہنانا ہے۔ یعنی یہ اختیار ہے کہ ان تینوں باتوں میں سے جو چاہے کرے اور جو شخص ان میں سے کسی بات پر قادر نہ ہو تو پے درپے تین روزے رکھے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: عورت کو ان روزوں کے درمیان حیض آگیا تو پہلے کے روزہ کا اعتبار نہ ہوگا یعنی اب پاک ہونے کے بعد لگاتار تین روزے رکھے۔ (درمختار)

مسئلہ: قسم توڑنے سے پہلے کفارہ نہیں اور دیا تو ادا نہ ہوگا۔ یعنی اگر کفارہ دینے کے بعد قسم توڑی تو اب پھر کفارہ دے کہ جو پہلے دیا ہے وہ کفارہ نہیں، مگر فقیر کے دیئے ہوئے کو واپس نہیں لے سکتی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کفارہ انہیں مساکین کو دے سکتی ہے جن کو زکوۃ دے سکتی ہے، یعنی اپنے ماں باپ اولاد وغیرہم کو جن کو زکوۃ نہیں دے سکتی کفارہ بھی نہیں دے سکتی یونہی کفارہ کی قیمت مسجد میں صرف نہیں کرسکتی نہ مردے کے کفن میں لگا سکتی ہے یعنی جہاں جہاں زکوۃ نہیں خرچ کرسکتی وہاں کفارہ کی قیمت بھی نہیں دے سکتی۔ (درمختار، عالمگیری)

مسئلہ: قسم میں ایک قاعدہ یہ یاد رکھنا چاہیے جس کا قسم میں ہر جگہ لحاظ ضروری ہے کہ قسم کے تمام الفاظ سے وہ معنی لیے جائیں گے جن میں اہل عرف استعمال کرتے ہوں، مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ کسی مکان میں نہیں جاؤں گی اور مسجد یا کعبہ معظمہ میں گئی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اگرچہ یہ بھی مکان ہیں یونہی لفظوں کے بول چال میں جو معنی ہیں وہ مراد لیے جائیں گے، قسم کھانے والے کی نیت اور قصد کا اعتبار نہ ہوگا مثلاً قسم کھائی کہ دروازہ سے باہر نہ جاؤں گی اور دیوار کود کر یا سیڑھی لگا کر باہر چلی گئی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اگرچہ اس سے مراد یہ ہے کہ گھر سے باہر نہ جاؤں گی۔ (عالمگیری، درمختار وغیرہ)

مسئلہ: قسم کھائی کہ فلاں کے گھر نہ جاؤں گی تو جس گھر میں وہ رہتا ہے اس میں جانے سے قسم ٹوٹ گئی اگرچہ وہ مکان اس کا نہ ہو بلکہ کرایہ پر یا عاریتاً اس میں رہتا ہو۔ یونہی جو مکان اس کی ملک میں ہے، اگرچہ اس میں رہتا نہ ہو، اس میں جانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جو چیز ایسی ہو کہ چبا کر حلق سے اتاری جاتی ہو، اس کے حلق سے اتارنے کو کھانا کہتے ہیں اگرچہ اس نے بغیر چبائے اتار لی اور پتلی چیز، بہتی ہوئی کو حلق سے اتارنے کو پینا کہتے ہیں مگر قسم میں یہاں بھی محاورات کا ضرور خیال کرنا ہوگا کہ کہاں کھانے کا لفظ بولتے ہیں اور کہاں پینے کا۔ مثلاً اردو میں دودھ پینے کو بھی دودھ کھانا کہتے ہیں لہٰذا اگر قسم کھائی کہ دودھ نہیں کھاؤں گی تو پینے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر

کوئی ایسی چیز کھائی جس میں دودھ ملا ہوا ہے، مگر اس کا مزہ محسوس نہیں ہوتا تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹتی۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: چکھنے کے معنی ہیں کسی چیز کو منہ میں رکھ کر اس کا مزہ معلوم کرنا اردو محاورہ میں اکثر مزہ دریافت کرنے کے لیے تھوڑا سا کھالینے کو بھی چکھنا کہتے ہیں۔ اگر قرینہ سے یہ بات معلوم ہو کہ اس کلام میں چکھنے سے مراد تھوڑا سا کھا کر مزہ معلوم کرنا ہے تو یہ مراد لیں گے مثلاً کوئی شخص کچھ کھا پی رہا ہے۔ اس نے دوسرے کو بلایا۔ اس نے انکار کیا۔ اس نے کہا: ذرا چکھ کر تو دیکھو کیسی ہے تو یہاں چکھنے سے مراد تھوڑی کھالینا ہے اور اگر قرینہ نہ ہو تو مطلقاً مزہ معلوم کرنے کے لیے منہ میں رکھنا مراد ہوگا کہ اس معنی میں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: قسم کھائی کہ کھانا نہیں کھاؤں گی اور کوئی ایسی چیز کھالی جسے عرف میں کھانا نہیں کہتے مثلاً دودھ پی لیا یا مٹھائی کھالی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: کسی سے کلام نہ کرنے کی قسم کھائی تو خط بھیجنے یا کسی کے ہاتھ کچھ کہلا بھیجنے یا اشارہ کرنے سے قسم ٹوٹے گی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: قسم کھائی کہ فلاں کا خط نہ پڑھوں گی اور خط کو دیکھا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے سمجھا تو قسم ٹوٹ گئی کہ خط پڑھنے سے یہی مقصود ہوتا ہے۔ زبان سے پڑھنا نہیں جیسا کہ یہاں کا عام محاورہ ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: قسم کھائی کہ میں اس کے پاس نہیں پھٹکوں گی تو اس کا وہی حکم ہے جیسے یہ کہا کہ میں اس سے کلام نہ کروں گی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: قسم کھائی کہ تیرے مکان کا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے یا کہا کہ تیرے مٹکے کا پانی پینا حرام ہے تو یہ قسم ہے اگر اس کے گھر کا کھائے گی پئے گی یا دوسری صورت میں اس کے مٹکے کا پانی پئے گی تو قسم کا کفارہ دینا آئے گا۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گی تو مچھلی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔

یونہی کلیجی، تلی پھیپھڑا، دل، گردہ، اوجھڑی، دنبہ کی چکتی کے کھانے سے بھی نہیں ٹوٹے گی کہ ان چیزوں کو عرف میں گوشت نہیں کہتے اور اگر کسی جگہ ان چیزوں کا بھی گوشت میں شمار ہو تو وہاں ان کے کھانے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: منت کی بعض صورتوں میں بھی کفارہ ہوتا ہے مثلاً کہا کہ اگر میں تم سے بات کروں یا تمہارے گھر آؤں تو مجھ پر اتنے روزے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں تم سے بات نہیں کروں گی یا تمہارے یہاں نہیں آؤں گی۔ ایسی صورت میں اگر شرط پائی گئی یعنی اس کے یہاں گئی یا اس سے بات کی تو اختیار ہے کہ جتنے روزے کہے تھے، وہ رکھ لے یا کفارہ دے دے۔ (درمختار)

مسئلہ: جس منت میں شرط کا ذکر نہ ہو تو منت کا پورا کرنا ضروری ہے۔ حج یا عمرہ یا روزہ یا نماز یا خیرات یا اعتکاف، جس کی منت مانی ہو، وہ کرے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: منت یا قسم میں انشاء اللہ تعالیٰ کہا تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں، بشرطیکہ انشاء اللہ کا لفظ اس کے کلام سے متصل ہو اور اگر فاصلہ ہو گیا مثلاً قسم کھا کر چپ ہو گئی یا درمیان میں کچھ اور بات کی پھر انشاء اللہ کہا تو قسم باطل نہ ہوئی۔ یونہی ہر وہ کام جو کلام کرنے سے ہوتا ہے، مثلاً طلاق، وعدہ، اقرار وغیرہ یہ سب انشاء اللہ کہہ دینے سے باطل ہو جاتے ہیں۔ (درمختار) یعنی اس کے خلاف کرنے سے کفارہ وغیرہ لازم نہیں آتا۔

فائدہ جلیلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خدا کی قسم! انشاء اللہ تعالیٰ میں کوئی قسم کھاؤں اور اس کے غیر میں بھلائی دیکھوں تو وہ کروں گا جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دے دوں گا۔ (بخاری و مسلم)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص قسم کھائے اور دوسری چیز اس سے بہتر پائے تو قسم کا کفارہ دے دے اور وہ کام کرے۔ (مسلم و ترمذی)

تو وہ جو بعض مردوں اور عورتوں میں عادت ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں بلکہ بعض تو ایسے بے باک ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد جنازہ پر نہ جانے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے عزیز اور مسلمان ہوتے ہیں۔ انہیں ان حدیثوں سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ قسم توڑ دیں، کفارہ ادا کریں اور تعلقات کو برقرار رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر عطا فرمائے۔ بجاہ النبی الامی الامین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم۔

حدود اور تعزیرات (جُرم و سزا) کا بیان

حد ایک قسم کی سزا ہے جس کی مقدار شریعت کی جانب سے مقرر ہے۔ اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس سے مقصود لوگوں کو ایسے کام سے باز رکھنا ہے جس کی یہ سزا ہے۔ حد قائم کرنا بادشاہِ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے یعنی باپ اپنے بیٹے پر یا مثلاً استاد اپنے شاگرد پر، شوہر اپنی بی بی پر یا بڑا اپنے چھوٹے پر قائم نہیں کر سکتا۔

اور تعزیر اس سزا کو کہتے ہیں جو کسی گناہ پر بغرضِ تادیب دی جائے۔ شریعتِ مطہرہ میں اس کے لیے کوئی مقدار معین نہیں بلکہ اسے حاکم اسلام (قاضی) کی رائے پر چھوڑا ہے جیسا موقع ہو اس کے مطابق عمل کرے۔ تعزیر کا اختیار صرف بادشاہ اسلام ہی کو نہیں بلکہ شوہر بی بی کو، ماں باپ اپنی اولاد کو اور استاد شاگرد کو تعزیر کر سکتا ہے۔

قابلِ حفظ فائدہ جلیلہ

اسلام نے انسانی برادری کو جو قوانین عطا فرمائے ہیں وہ اپنی جگہ اتنے کامل اور مکمل ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے والا انسان اپنی زندگی بڑی آسائش و سہولت اور فارغ البالی سے بسر کر سکتا ہے۔ اب جو لوگ ان آسائشوں اور معاشرہ میں پائی جانے والی نعمتوں کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ دراصل امن عامہ پر ڈاکہ ڈالنا اور نظامِ

حیات کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ مستحق بھی ایسی ہی سزاؤں کے ہیں جو شریعتِ مطہرہ نے مقرر کی ہیں۔ یا جن کا اختیار حاکم اسلام کو دیا گیا ہے۔

مثلاً عورت کی عزت و ناموس، خانگی زندگی کی جان ہے۔ اب اگر ایک مرد اور ایک عورت بغیر اس کے کہ ان کے درمیان جائز رشتہ، میاں بیوی کا ہو، باہم مباشرت و ہم بستری کا ارتکاب کریں تو یہ کوئی معمولی بات اور قابلِ معافی جُرم نہیں۔ بلکہ غور کریں تو یہ وہ جرم ہے ہے جس سے اجتماعی زندگی کی جڑ ہی کٹ کر رہ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ہر زمانے میں انسانی برادری بشرطیکہ وہ نفس پرستی کی اسیر نہ ہو، انسانی معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے کے لیے نکاح کو (خواہ وہ کسی بھی صورت میں انجام پذیر ہو) رواج دیتی رہی اور ساتھ ہی ساتھ ناجائز میل میلاپ کو ختم کرنے کے لیے کوششوں میں مصروف رہی۔

اسلامی قانون نے زنا کو ایک بدترین معاشرتی جرم قرار دے کر، زانی و زانیہ کے لیے سخت سزائیں تجویز کیں اور منشاء اس کا یہ ہے کہ لوگ ان سزاؤں کے خوف سے اس جرم خبیث کا ارتکاب نہ کریں اور کسی کو اس پر سزا دینے کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ یہاں یہ بنیادی نکتہ یاد رہے کہ اسلام نے معاشرہ کی بنیاد خاندان ہی کو قرار دیا ہے۔ اگر خاندان کا نظام صحیح اصول پر قائم ہو گیا تو اصلاح سارے معاشرہ کی ہو کر رہے گی۔ یونہی چوری شریعتِ اسلامیہ میں ایک بدترین جرم ہے۔ اسلام نے فرد و جماعت دونوں کے لیے امن و امان اور سکونِ خاطر کا جو بہترین و کامل ترین نظام قائم کیا ہے، چور اس میں رخنہ ڈالنا اور اس ساری فضا کو درہم برہم کر ڈالنا چاہتا ہے تو چور بدبخت مجرم، ہے ہی ایسی سزا کا مستحق۔ اسی لیے اس سزا میں تخفیف یا ترحم کا حق حاکم اسلام کو بھی حاصل نہیں جبکہ جرم اس کی عدالت میں بطریقِ شرعی ثابت ہو جائے۔

یونہی کسی عفیف و عفیفہ (پاک دامن مرد خواہ عورت) کی جانب زنا و بدچلنی جیسے بدترین جرم کی نسبت بھی وہی لوگ کر سکتے ہیں جو بے باک ہوں۔ جب زناکاری خود ایک شدید گناہ ٹھہرا تو اس کی تہمت بھی کسی کلمہ گو کے حق میں اس کی شدید توہین و تذلیل کے ہم معنی ہوئی اور سزا بھی اس کے لیے ایسی ہی سخت لازم آئی۔

اللہ اللہ، اللہ تعالیٰ کو مسلمان مرد اور مسلمان عورت کی عزت و عصمت اور اس

کے ناموس تحفظ کا کس قدر اہتمام ہے کہ گواہ ایک نہیں، دو بھی نہیں، تین بھی نہیں۔ اکٹھے چار گواہ، وہ چشم دید ہونا چاہیے۔ اگر اس تعداد میں ایک کی بھی کمی رہ جائے گی تو جس پر زنا کو تہمت لگائی وہ نہ زانی قرار دیا جائے گا نہ اس پر حد زنا لازم آئے گی۔ تو جو بلا ضرورت ایسی بات زبان سے نکالتا ہے وہ ایک مسلمان کی خواہ مخواہ آبروریزی کرتا ہے جو شریعتِ اسلامیہ کی نظر میں سخت ناپسندیدہ بات ہے۔

منشا اس حکم کا یہ ہے کہ معاشرہ میں لوگوں کی ''آشنائیوں'' اور ناجائز تعلقات کے چرچے قطعی طور پر بند کر دیئے جائیں کیونکہ اس سے بے شمار برائیاں پھیلتی ہیں۔ شریعت اس چیز کا سدباب پہلے ہی قدم پر کر دینا چاہتی ہے۔ ایک طرف وہ حکم دیتی ہے کہ اگر کوئی زنا کرے اور شہادتوں سے اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس کو وہ انتہائی سزا دو جو کسی اور جرم پر نہیں دی جاتی اور دوسری طرف وہ فیصلہ کرتی ہے کہ جو شخص کسی پر زنا کا الزام لگائے وہ یا تو شہادتوں سے اپنا الزام ثابت کرے ورنہ اس پر اسی(۸۰) کوڑے برسا دو تاکہ آئندہ وہ یا کوئی اور اپنی زبان سے ایسی بات بلا ثبوت نکالنے کی جرأت نہ کر سکے۔ بالفرض اگر الزام لگانے والے نے کسی کو اپنی نگاہوں سے بدکاری کرتے دیکھ بھی لیا ہو تب بھی اسے خاموش رہنا چاہیے اور دوسروں تک اسے نہ پہنچانا چاہیے تاکہ گندگی جہاں ہے وہیں پڑی رہے آگے نہ پھیل سکے۔ البتہ اگر اس کے پاس گواہ موجود ہوں تو معاشرہ میں بے ہودہ چرچے کرنے کے بجائے معاملہ حکام کے پاس لے جائے اور عدالت میں ملزم کا جرم ثابت کر کے اسے سزا دلوا دے۔

کیا آج دنیا کے کسی قانون میں معاشرہ کی پاکیزگی و صفائی کا اس درجہ اہتمام و لحاظ ہے جتنا قدم قدم پر شریعتِ اسلامیہ میں پایا جاتا ہے اور عقل کے کورے ان سزاؤں کو ظلم سے تعبیر کرتے نہیں شرماتے۔

اسی طرح معاشرہ میں آج تک جتنے فسادات، شراب نوشی سے پیدا ہو چکے ہیں، اظہر من الشمس ہیں۔ گالیاں یہ بکوائے، بے حیائی یہ پھیلائے۔ حرام کاری کی طرف یہ لائے۔ بلوے دنگے یہ کرا دے۔ چوری ٹھگی پر یہ آمادہ کرے۔ قتل و غارت کی نوبت یہ لے آئے۔ گھرانوں کی رونقیں یہ اجاڑے۔ زندگی کے لہلہاتے چمن کو یہ بگاڑے۔ ہر

عبادت سے، طہارت سے پاکیزہ منشی سے یہ روک دے اور اتلافِ مال تو اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں۔

اس لیے عقلِ سلیم کے لحاظ سے شراب قابلِ ترک اور واجب الاحتراز ہے اور یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے حدودِ مملکت سے اس ام الخبائث (شراب) کا خاتمہ ہی کر دیا اور امت کی نگاہوں میں ''شرابی'' کو انتہائی تحقیر اور تذلیل کا لقب قرار دیا۔ یہاں تک کہ دنیائے عیسائیت کو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ ''دنیا میں انسدادِ مے نوشی (شراب بندی) کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ برخلاف اس کے یورپین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچتے جاتے ہیں، مے نوشی و بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔''

اب شراب بندی کے لیے ذلیل و کمینہ صفت انسانوں کی کمر پر اگر کوڑے برسا دیئے جائیں تو اس میں شرمانے اور لجانے کی کیا بات ہے۔

فقہی مسائل متعلق بہ زنا

مسئلہ: جس مرد یا عورت سے زنا سرزد ہو، اور ہو وہ مکلف یعنی آزاد عاقل بالغ اور نکاح صحیح کے ساتھ منکوحہ سے صحبت و ہم بستری کر چکا ہو خواہ ایک ہی مرتبہ۔ ایسے شخص سے زنا ثابت ہو، اس کے لیے سزائے زنا رجم یا سنگساری ہے تاآنکہ وہ مر جائے۔

اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو مثلاً آزاد نہ ہو یا مسلمان نہ ہو یا عاقل بالغ نہ ہو یا عاقل بالغ ہو لیکن ہنوز اس کا نکاح نہ ہوا ہو یا نکاح تو ہو چکا ہو لیکن ہم بستری کی نوبت ابھی نہ آئی ہو یا جس کے ساتھ صحبت کی ہو، اس کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو، ایسوں سے زنا ثابت ہونے کی صورت میں سو کوڑے مارنے کی سزا ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: زنا کا ثبوت یا تو چار مردوں کی گواہیوں سے ہوتا ہے یا زنا کرنے والے کے چار مرتبہ اقرار کر لینے سے۔ پھر بھی امام بار بار سوال کرے گا اور دریافت کرے گا کہ زنا سے کیا مراد ہے، کہاں کیا، کس سے کیا، کب کیا۔ اگر ان سب کا بیان کر دیا تو زنا ثابت ہو گا

ورنہ نہیں۔ (در مختار)

مسئلہ: گواہوں سے ثبوتِ زنا کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ چار مرد عاقل بالغ مسلمان، پرہیزگار دیندار جو نہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے ہوں نہ کسی صغیرہ پر اصرار رکھتے ہوں، نہ خفیف الحرکات ہوں کہ کوئی بات خلاف مروت چھچھورے پن کی (مثلاً سر بازار کھانا کھانا یا عام گزر گاہوں پر سب کے سامنے پیشاب کرنا) ان سے صادر نہیں ہوتیں۔ حلف شرعی کے ساتھ شہادت دیں اور ایک ہی مجلس میں صراحتاً اپنا معائنہ بیان کریں کہ انہوں نے ایک ہی وقت میں فلاں مرد کو فلانی عورت سے زنا کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے اس کا اندام اس کے جسم میں اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی۔ ان شرطوں میں سے ایک بات بھی کم ہوگی تو خود گواہی دینے والوں پر حدِ قذف جاری ہوگی اور وہ شرعاً ۸۰، ۸۰ کوڑوں کے مستحق ہوں گے، مثلاً گواہوں میں تین دین دار مسلمانوں نے ویسی ہی گواہی دی جیسی کہ شرعاً درکار، مگر چوتھے نے یہ گواہی دی کہ میں نے دونوں کو، بالکل سراپا برہنہ ایک پلنگ پر بیٹھے ہوئے اور باہم لپٹے ہوئے دیکھا تو زنا ثابت نہ ہوگا۔ یا دو نے کہا کل دیکھا۔ دو نے کہا آج۔ یا تین نے کہا صبح دیکھا ایک نے کہا تیسرے پہر تو سب کی گواہیاں مردود اور زنا ثابت نہ ہوگا۔ یونہی بے ہودہ و بے معنی و بے اصل گواہوں سے زنا کا ثبوت قیامت تک نہیں ہو سکتا اور عورتوں کی گواہیاں زنا کے بارے میں بالکل قابل اعتبار نہیں بلکہ مردود ہیں۔ یونہی بازاری افواہ سے بھی زنا کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لوگ محض اپنے قیاس و قرینے کے گھوڑے دوڑاتے اور اپنی طرف سے خیالاتِ باطلہ باندھ لیتے۔ یا فقط دو ایک شخصوں یا صرف عورتوں کے کہنے پر اڑا دیتے ہیں کہ فلاں ایسا ہے، فلانی ایسی ہے۔ یہ نہ شرعاً معتبر ہے نہ اس پر سننے والوں کو اعتبار حلال۔ (فتاویٰ رضویہ)

حدِ قذف کا بیان

مسئلہ: کسی کو زنا کی تہمت لگانے کو قذف کہتے ہیں اور جو شخص مرد ہو یا عورت،

کسی پارسا مسلمان، مرد و خواہ عورت کو جبکہ وہ آزاد عاقل بالغ ہوں، زنا کی تہمت لگائے اور اس پر چار معائنہ کے گواہ پیش نہ کر سکے اس پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ حدِ قذف آزاد پر اسّی (۸۰) کوڑے ہے اور غلام پر چالیس (۴۰) (در مختار، رد المحتار وغیرہ)

مسئلہ: قذف کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ صراحتاً کسی کو زانی کہے، یا غصہ میں یہ کہے کہ تو اپنے باپ سے نہیں ہے یا اس کے باپ کا نام لے کر کہے کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں ہے۔ یا اس کو زانیہ کا بیٹا کہہ کر پکارے اور ہو اس کی ماں پارسا، تو ایسے شخص پر تہمت کی حد جاری کی جائے گی۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: کسی پارسا عورت کو رنڈی یا کسبی کہا (جیسا کہ جاہل عورتیں ایک دوسرے کو کہہ دیتی ہیں) تو یہ قذف ہے اور جس نے کہا، وہ حد کی مستحق ہے کہ یہ لفظ انہیں کے لیے ہے جنہوں نے زنا کو پیشہ کر لیا ہے۔

مسئلہ: بعض اوقات تنبیہ اور سرزنش کے لیے، باپ کا نام لے کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ تو عادت و خصلت میں اپنے باپ جیسا نہیں تو اس صورت میں حد نہیں۔ (در مختار)

مسئلہ: عورتوں بلکہ بعض مردوں میں بھی واہی تباہی باتیں منہ سے نکالنے اور خواہ مخواہ بک بک جھک جھک کی عادت ہوتی ہے منہ سے ایسے کریہہ اور فحش الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔ جنہیں سننا بھی کوئی شریف برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر نام دیا جاتا ہے ان بے ہودگیوں، بد زبانیوں اور گالیوں کو مذاق کا دل لگی کا بھئی یہ کون سا مذاق ہے کہ تم نے بلا بات دوسرے کو حرام زادہ، بھڑوا، حرامی، حرام کا بچہ، یا کتا، گدھا، سور، بندر، الو وغیرہ کہہ دیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ایسے الفاظ سے دوسروں کو کتنی اذیت و تکلیف بلکہ عزت والے کی کیسی توہین و ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں گناہ کی باتیں ہیں اور کہنے والے تعزیر کے مستحق ہوتے ہیں جس کا اختیار حاکم شرع کو ہے جو سزا مناسب جانے دے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہر وہ گناہ جس پر شریعت نے کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی ہے خواہ وہ کہنے میں آئے یا کرنے میں حاکم اسلام مختار ہے کہ اس پر جو چاہے،

سزادے۔ (درمختار)

تعزیر کابیان

مسئلہ: تعزیر کی بعض صورتوں میں محض زجر و توبیخ اور تفہیم و تنبیہہ بھی کافی ہوسکتی ہے تو یہی درکار ہے، کوڑے مارنا ہی ضروری نہیں۔ یوں ہی حاکم اسلام ہی کی طرف ہر معاملہ میں رجوع نہ کیا جائے گا۔ مثلاً چھوٹے بچے کو بھی تعزیر کرسکتے ہیں اور اس کو سزا اس کا باپ یا دادا یا ان کا وصی یا معلم دے گا اور ماں کو بھی سزا دینے کا اختیار ہے۔ قرآن پڑھنے اور ادب حاصل کرنے اور علم سیکھنے کے لیے بچہ کو اس کے ماں باپ مجبور کرسکتے ہیں۔ یونہی یتیم بچہ جو کسی کی پرورش میں ہے، اسے بھی ان باتوں پر مار سکتا ہے جن پر اپنے لڑکے کو مارتا۔ (درمختار، ردالمحتار) کیونکہ اگر یتیم بچہ کو مطلق العنان، بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کی کسی حرکت پر باز پرس نہ کی جائے تو وہ علم و ادب اور شرم و لحاظ سے بالکل رہ جائے گا اور عموماً بچے بغیر تنبیہہ قابو میں نہیں آتے اور جب تک انہیں خوف نہ ہو، کہنا نہیں مانتے مگر مارنے کا مقصد صحیح ہونا ضروری ہے۔ ایسے ہی موقع پر فرمایا گیا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔ — اللہ کو معلوم ہے کون مفسد ہے اور کون مصلح۔

اساتذہ بھی بچوں کو نہ پڑھنے یا شرارتیں کرنے پر سزائیں دے سکتے ہیں مگر کلیہ ان کے پیش نظر بھی ہونا چاہیے کہ اپنا بچہ ہوتا تو اسے بھی اس قصور پر اتنی ہی سزا دیتے جتنی اپنے شاگرد کو دی ہے۔ بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے بچہ کی تعلیم و تربیت کا جتنا خیال ہوتا ہے، دوسرے کا اتنا خیال نہیں ہوتا تو اگر اس کام پر اپنے بچے کو نہ مارا یا کم مارا اور دوسرے کے بچے کو دھن ڈالا تو یہ مارا محض غصہ اتارنے کے لیے ہے، سدھارنا مقصود نہیں۔ ورنہ اپنے بچے کے سدھارنے کا خیال زیادہ ہوتا۔ بچے اگر سادات کرام کے ہوں اور ایسی ویسی حرکتیں کریں یا پڑھنے میں جی نہ لگائیں یا استاد کا ادب بڑوں کی

تعظیم بجانہ لائیں تو سزا انہیں بھی دی جاسکتی ہے مگر یہاں نیت اصلاح کے ساتھ یہ بھی خیال دل میں رہنا چاہیے کہ صاحبزادے کے کپڑوں پر کیچڑ لگ گئی ہے میں اسے چھٹا رہا ہوں۔ (بہار شریعت وغیرہ)

مسئلہ: بعض حالتوں میں شوہر اپنی بیوی کو اسی اصلاح کی نیت سے سزا دے سکتا ہے۔ مثلاً اگر عورت باوجود قدرت بناؤ سنگھار نہ کرے، سر جھاڑ منہ پھاڑ رہے یا غسلِ جنابت نہ کرے یا جس موقع پر اسے اجازت لینے کی ضرورت ہے، بلا اجازت گھر سے چلی جائے یا شوہر نے اپنے پاس بلایا اور نہیں آئی جبکہ حیض و نفاس سے پاک تھی اور فرض روزہ بھی رکھے ہوئے نہ تھی یا چھوٹے ناسمجھ بچے کو مار دیا یا غیر محرم کے سامنے چہرہ کھول دیا یا اجنبی مرد سے کلام کیا یا شوہر کو گالی دی یا اس کے کپڑے پھاڑ دیئے۔

مسئلہ: شوہر کو جہاں یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ عورت کی کوتاہیوں پر اسے مار سکتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ شوہر اس کمزور مخلوق پر زور آزمائی کرے اور لاٹھی یا ڈنڈا اٹھا کر اس پر برسانا شروع کردے کہ یہ سلوک تو جانوروں سے بھی ناحق روا نہیں تو اگر کسی بے رحم نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا کھال پھٹ گئی یا نہ سہی اس کے جسم پر نیلا داغ پڑ گیا تو اب لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ فرض کرلو عورت نے کھسیا کر حاکم اسلام کے یہاں دعویٰ کردیا اور اپنے دعویٰ کے ثبوت میں گواہوں کو پیش کردیا اور ان کی گواہی سے شوہر کی یہ حرکت ثابت ہوگئی تو شوہر کی اس بے جا مار پیٹ کی وجہ سے تعزیر ہوگی۔ حاکم اسلام جو چاہے گا اسے مناسب سزا دے گا۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: کسی جاہل خبیث کے بہکائے میں آکر یا خود عورت اس غرض سے معاذ اللہ کفر کی کوئی بات زبان سے نکال بیٹھی یا کوئی اور ایسی حرکت کر بیٹھی جس سے کفر لازم آتا ہے اور یہ سب کیا اس نیت و غرض سے کہ شوہر سے پیچھا چھوٹ جائے تو اسے سزا دی جائے گی اور اسے دوبارہ از سر نو اسلام لانے اور پھر اسی شوہر سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ وہ ہرگز دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔ اسے کہتے ہیں گو، کھایا اور کال بھی نہ کٹا۔ (درمختار وغیرہ)

ایک نفیس فائدہ

گناہ تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ہلکے کہ حد کی حد تک نہ پہنچے جیسے اجنبیہ سے بوس و کنار۔ ان پر حد مقرر نہیں ہوگی کہ حد ایسے گناہوں کی مقدار سے زائد ہے اور مولیٰ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کی حد جرم سے زیادہ سزا دے۔ ایسے گناہوں پر تعزیر رکھی جاتی ہے۔ دوسرے وہ اخبث درجہ کے گناہ کہ حد کی حد سے گزرے ہوئے ہوں (جیسے ماں بہن وغیرہ ابدی محرمات سے جان بوجھ کر نکاح اور ہم بستری) ان پر حد نہیں رکھی جاتی کہ حد اس گناہ سے پاک کرنے کی ہوتی ہے اور ایسا خبیث گناہ اس حد سے پاک نہیں ہوتا۔ تیسرے متوسط درجہ۔ ان پر حدود ہیں۔ اس کی نظیر پیشاب اور شراب۔ پیشاب شراب سے خبیث تر ہے کہ کبھی کسی شریعت میں اس کی ایک بوند حلال یا طاہر نہ ٹھہر سکی۔ بایں ہمہ شراب پینے پر حد ہے اور پیشاب پینے پر حد نہیں۔ یونہی اجنبیہ پر زنا سے حد ہے اور محارم (وہ عورتیں جو ہمیشہ حرام ہیں ان سے) نکاح (و ہم بستری) پر نہیں کہ وہ خبیث کام ہے جسے حد سنبھال نہیں سکتی۔ (فتاویٰ رضویہ)

شراب نوشی کی حد کا بیان

شراب نوشی ایک ایسی لعنت ہے جسے قرآن کریم نے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فرمایا۔ یعنی گندا شیطانی کام۔ محض تحریک شیطانی کا نتیجہ۔ شراب نوشی کے نقصان رساں اثرات، شر و فساد کی شکل میں ہمارے روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔

حدیث شریف میں اسے ام الخبائث اور برائی کی کنجی فرمایا۔ بعض احادیث میں ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس شخصوں پر لعنت فرمائی۔ بنانے والا، بنوانے والا، پینے والا، اٹھانے والا، جس کے پاس اٹھا کر لائی گئی، پلانے والا، بیچنے والا، اس کی کمائی کھانے والا، خریدنے والا اور جس کے لیے

خریدی گئی۔ (ترمذی) غرض جس طرح شراب پینا ناجائز و حرام اور موجب لعنتِ الٰہی ہے، اسی طرح اس کے کاروبار میں حصہ لینا اور اس سے کسی بھی طرح نفع اٹھانا حرام، حرام، حرام اور لعنتِ خداوندی کا باعث ہے۔

یہاں تک کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب پی جاتی ہے۔ (طبرانی) ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا یارسول اللہ ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ ہم گیہوں کی شراب بناتے ہیں اور اس سے تکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم کام کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور سردی کا بھی اثر نہیں ہوتا۔ ارشاد فرمایا: کیا اس میں نشہ ہوتا ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا: تو اس سے پرہیز کرو۔ انہوں نے عرض کیا: مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہ چھوڑیں گے۔ فرمایا: اگر وہ نہ مانیں تو ان سے قتال کرو۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہم تو شراب کو دوا کے لیے بناتے ہیں تو کیا بطور دوا اس کے استعمال کی اجازت ہے۔ فرمایا: وہ دوا نہیں یہ تو خود ایک بیماری ہے۔

دنیاوی نقصانات جو مے نوشی کا نتیجہ ہوتے ہیں وہی عبرت کے لیے بہت کافی ہیں۔ لیکن اخروی قباحتیں جو سزا کے طور پر کل شراب نوشوں کو بھگتنی پڑیں گی ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص نشہ پئے گا اسے اللہ طِيْنَةُ الْخَبَالِ سے پلائے گا۔ لوگوں نے عرض کی: طِيْنَةُ الْخَبَالِ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ جہنمیوں کا پسینہ یا ان کا عصارہ (نچوڑ) (مسلم شریف) امام احمد نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قسم ہے میری عزت کی میرا جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پئے گا میں اس کو اتنی ہی پیپ پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے اسے چھوڑ دے گا اس کو حوضِ قدس سے پلاؤں گا۔

امام احمد ہی کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

شراب کی مداومت کرنے والا (عادی شرابی) خدا سے ایسے ملے گا جیسا بت پرست۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ افسوس کہ مغربی تہذیب نے عورتوں میں بھی اس لعنت کو رواج دے دیا۔

چند مسائل متعلقہ

مسئلہ: مسلمان عاقل بالغ کہ نہ گونگا ہو اور نہ کسی نے اسے شراب پینے پر مجبور کیا ہو اگر خمر یعنی انگوری کچی شراب کا ایک قطرہ بھی پئے یا اور دوسری کوئی شراب پی کر اسے نشہ آجائے تو اس پر حد قائم کی جائے گی۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: نشہ یہ ہے کہ بات چیت صاف نہ کرسکے اور کلام کا اکثر حصہ ہذیان (بکواس) ہو اگرچہ کچھ باتیں ٹھیک بھی ہوں۔ (عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: شراب نوشی کا ثبوت، دو مردوں کی گواہی سے ہوگا۔ اور اگر خود اقرار کرتا ہو تو ایک بار اقرار کافی ہے۔ حد قائم کردیں گے جبکہ اقرار ہوش میں کرتا ہو اور نشہ میں اقرار کیا تو کافی نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: کسی جگہ چند اشخاص بیٹھے ہیں اور وہاں شراب بھی رکھی ہے اور ان کی مجلس اس قسم کی ہے جیسے شراب پینے والے، شراب پینے بیٹھتے ہیں اگرچہ انہیں پیتے ہوئے کسی نے نہ دیکھا تو ان پر حد نہیں مگر سزا سب کو دی جائے گی۔ (ردالمحتار) شراب نوشی کی حد میں اسّی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے۔ (درمختار)

مسئلہ: مجبوری کے یہ معنی ہیں کہ جان جانے یا عضو کٹنے یا ضرب شدید کا صحیح اندیشہ ہو۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: نشہ کی حالت میں وہ تمام احکام جاری ہوں گے جو ہوش میں ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق ہوگئی یا اپنا کوئی مال بیچ ڈالا تو بیع ہوگئی۔ ہاں چند

باتوں میں اس کے احکام ہوش کی حالت کے احکام سے علیحدہ ہیں۔ مثلاً نشہ کی حالت میں کوئی کلمہ کفر بکا تو اس کے مرتد ہونے کا حکم نہ دیں یعنی اس کی عورت بائن نہ ہوگی۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: بھنگ اور افیون پینے سے نشہ ہو تو حد قائم نہ کریں گے مگر سزا دی جائے گی اور ان سے نشہ کی حالت میں طلاق دی تو ہو جائے گی جبکہ نشہ کے لیے استعمال کی ہو، اور اگر علاج کے طور پر استعمال ہو تو نہیں۔ (ردالمحتار)

تنبیہہ

اگر شراب نوشی، زنا، چوری اور الزام زنا پر کہیں حدود جاری نہ ہوں تو چارۂ کار ترکِ تعلق ہے کہ اولاً اسے سمجھائیں، تنبیہہ کریں، توبہ کرائیں۔ وہ باز آجائیں فبہا ورنہ مسلمان مرد اور مسلمان بیبیاں ایسوں سے ملنا جلنا، ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا، ان کے یہاں شادی بیاہ میں شریک ہونا، انہیں اپنے یہاں کی تقاریب میں شریک کرنا، یک قلم سب چھوڑ دیں بلکہ جو لوگ ان کے ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوں اور حرکتوں سے باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں کہ یہاں ترکِ تعلق کے سوا کوئی سزا جاری نہیں ہو سکتی۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کنوئیں میں گر جائے پھر اس جگہ منارہ بنایا جائے تو میں اس پر اذان نہ کہوں اور اگر دریا میں شراب کا قطرہ پڑے پھر دریا خشک ہو اور وہاں گھاس پیدا ہو اس میں اپنے جانوروں کو نہ چراؤں۔ سبحان اللہ، گناہ سے اس درجہ نفرت اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی مقربین بارگاہ اور صالحین کا حصہ ہے۔ مولائے کریم ہمیں ان کے زمرے میں شمار فرمائے، آمین۔

مرتد کا بیان

مرتد وہ شخص ہے کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے خواہ یوں کہ پہلے مسلمان تھا پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا۔ کلمۂ اسلام کا منکر ہو گیا یا یوں کہ کلمۂ اسلام اب بھی پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے مگر ضروریاتِ دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے غرض زبان سے کلمۂ کفر بکتا ہے جس میں صحیح تاویل کی گنجائش نہیں یا دین کا مذاق اڑاتا اور ضروریاتِ دین بلکہ تعلیماتِ اسلام کو مضحکہ خیز سمجھتا ہے۔ بلکہ علمائے کرام نے فرمایا: جو شخص بطور تمسخر اور ہنسی مذاق میں کفر کرے گا وہ بھی کافر ہے اگرچہ کہتا ہے کہ ایسا اعتقاد نہیں رکھتا۔ بعض افعال بھی ایسے ہیں جن سے آدمی اسلامی برادری سے نکل کر کافر ہو جاتا ہے۔ مثلاً بت کو سجدہ کرنا، قرآن شریف کو نجاست کی جگہ پھینک دینا۔ یونہی وہ اعمال جو قطعاً ایمان کے منافی ہوں ان کے مرتکب کو کافر کہا جائے گا۔ جیسے کسی بت کو یا چاند سورج کو سجدہ کرنا، انبیاء و مرسلین میں سے کسی کی توہین کرنا یا مصحف شریف یا کعبہ معظمہ کی توہین کرنا یا زنار باندھنا، سر پر چوٹیاں رکھنا، قشقہ لگانا کہ یہ اعمال کفر کی علامت ہیں۔

اور ضروریاتِ دین، وہ مسائل دین ہیں جن کو ہر خاص و عام جانتے ہوں کہ انہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے رب کے پاس سے لائے۔ جیسے اللہ عزوجل شانہ کی وحدانیت، انبیاء کی نبوت، جنت و دوزخ، حشر نشر وغیرہ یا مثلاً یہ اعتقاد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں، حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا، غرض اسلام کے بعد دین کی ایسی باتوں کا انکار ارتداد ہے اور اس کے مرتکب کو مرتد کہا جاتا ہے۔ ارتداد کفر کی بدترین صورت ہے۔ قرآن کریم نے ایسوں ہی کے لیے فرمایا:

فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ — کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے۔

اعمال کی بربادی کا اثر، آخرت میں تو یوں ظاہر ہو گا کہ یہ بد نصیب مرتد اپنے کو ہر عبادت کے ثواب اور ہر ایک نیک عمل کے اجر سے محروم پائے گا اور دنیا میں اس کا ظہور یہ ہو گا کہ نہ مسلمان بیوی سے اس کا نکاح قائم رہ سکتا ہے نہ مسلمان کی میراث میں اسے حصہ مل سکتا ہے۔ بلکہ حکومت اگر اسلامی ہو تو ایسے بدعہد باغی و غدار کو زندہ رہنے کا بھی حق باقی نہیں رہتا۔ اگر وہ مسلمان ہو جائے اور اپنے کفر سے توبہ کر لے فبہا ورنہ قتل کر دیا جائے۔ (درمختار، عالمگیری وغیرہ) حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بدل دے (کلمہ گو ہو کر اسلام سے پھر جائے) اسے قتل کر ڈالو۔ (بخاری)

امام بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "بندہ کبھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بات کہتا ہے اور اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا (یعنی اپنے نزدیک ایک معمولی بات سمجھتا ہے) اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بہت درجے بلند کرتا ہے اور کبھی اللہ کی ناراضگی کی بات کرتا ہے اور اس کا خیال بھی نہیں کرتا اس کی وجہ سے جہنم میں گرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ شرق و غرب کے درمیان جو فاصلہ ہے اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر گرتا ہے۔" والعیاذ باللہ۔

تنبیہ ضروری

کفر و شرک سے بدتر کوئی گناہ نہیں اور وہ بھی ارتداد، کہ یہ کفر اصلی سے بھی باعتبارِ احکام سخت تر ہے۔ جیسا کہ اس کے احکام سے معلوم ہو گا۔ مسلمان کو چاہیے کہ اس سے پناہ مانگتا رہے کہ شیطان ہر وقت ایمان کی گھات میں ہے اور حدیث میں فرمایا کہ شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح تیرتا ہے۔ آدمی کو کبھی اپنے اوپر یا اپنی طاعت و اعمال پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے۔ ہر وقت خدا پر بھروسہ کرے اور اسی سے بقائے ایمان کی دعا چاہے کہ اسی کے ہاتھ میں قلب ہے اور قلب کو قلب اسی وجہ سے کہتے

ہیں کہ لوٹ پوٹ ہوتا رہتا ہے۔ ایمان پر ثابت قدم رہنا اسی کی توفیق سے ہے جس کے دست قدرت میں قلب ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا کہ شرک سے بچو کہ وہ چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ہے اور اس سے بچنے کی حدیث شریف میں ایک دعا ارشاد فرمائی ہے۔ اسے ہر روز تین مرتبہ پڑھ لیا کرو کہ شرک سے محفوظ رہو گے۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ وَاسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔

ارتداد سے متعلق چند احکام

مسئلہ: عورت یا نابالغ سمجھدار بچہ مرتد ہو جائے تو اس کو قتل نہ کریں گے بلکہ قید کریں گے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اور مسلمان ہو جائے۔ اور عورت مرتد ہو گئی پھر اسلام لائی تو شوہر اول سے نکاح کرنے پر مجبور کی جائے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے سے نکاح کرے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ (درمختار، عالمگیری)

مسئلہ: مرتد اگر اپنے ارتداد سے توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول ہے مگر بعض مرتدین مثلاً کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا کہ اس کی توبہ مقبول نہیں، توبہ قبول کرنے سے مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد بادشاہ اسلام اسے قتل نہ کرے گا۔

(ردالمحتار)

مسئلہ: مرتد کا نکاح بالاتفاق باطل ہے، وہ کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، نہ مسلمہ سے، نہ کافرہ سے، نہ مرتدہ سے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: مرتد کا ذبیحہ مردار ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے۔ مرتد کسی معاملہ میں گواہی نہیں دے سکتا اور کسی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ یونہی ارتداد سے ملک جاتی رہتی ہے یعنی جو کچھ اس کے املاک و اموال تھے، سب اس کی ملک سے خارج ہو

جائیں گے، اور زمانۂ ارتداد میں جو کچھ کمایا ہے اس میں مرتد کا کوئی وارث نہیں۔ ہاں عورت کو طلاق دی تھی وہ ابھی عدت میں ہی تھی کہ شوہر مرتد ہو گیا اور اسی حالت میں اسے قتل کر دیا گیا تو وہ عورت وارث ہو گی۔ (درمختار، ردالمحتار، ہدایہ وغیرہ)

مسئلہ: کسی دین باطل کو اختیار کیا مثلاً یہودی یا نصرانی ہو گئی تو دوبارہ وہ مسلمان اس وقت سمجھی جائے گی کہ اس دین باطل سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرے اور دینِ اسلام قبول کرے اور اگر ضروریاتِ دین میں سے کسی بات کا انکار کیا ہو تو جب تک اس کا اقرار نہ کرے جس سے انکار کیا تھا محض کلمۂ شہادت پڑھ لینے پر اس کے اسلام کا حکم نہ دیا جائے گا کہ کلمۂ شہادت کا اس نے بظاہر انکار نہ کیا تھا۔ مثلاً نماز یا روزے کی فرضیت کا انکار کر دے یا شراب اور سور کی حرمت نہ مانے تو اس کے اسلام کے لیے یہ شرط ہے کہ جب تک خاص اس امر کا اقرار نہ کرے اس کا اسلام مقبول نہیں۔ یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں گستاخی کرنے سے کافر ہو تو جب تک خاص اس سے توبہ نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتی۔ (درمختار، ردالمحتار)

ضروری نصیحت

مرتد کو قید کرنا اور اسلام قبول نہ کرنے پر قتل کر ڈالنا بادشاہ اسلام کا کام ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص اگر زندہ رہا اور اس سے باز پرس نہ کی گئی تو ملک میں طرح طرح کے فتنے ہوں گے اور فتنوں کا سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہو گا جس کی وجہ سے امن عامہ میں خلل پڑے گا۔ لہٰذا ایسے شخص کو ختم کر دینا ہی مقتضائے حکمت تھا۔ اب چونکہ حکومت اسلام باقی نہیں، کوئی روک تھام کرنے کا موثر ذریعہ نہیں، ہر شخص جو چاہتا کرتا اور بکتا پھرتا ہے اور اسی باعث آئے دن مسلمانوں میں سر پھٹول اور دھینگا مشتی کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ نئے نئے مذہب پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک خاندان بلکہ بعض جگہ ایک گھر میں کئی مذہب کے ماننے والے موجود ہیں اور بات بات پر لڑائی جھگڑے ہیں۔ ان تمام خرابیوں کے باعث یہی نئے نئے مذہب اور نئی نئی مذہبی ٹولیاں

ہیں جو نئی تراش خراش سے اور چولے بدل بدل کر رونما ہوتی رہتی ہیں۔

ایسی صورت میں سب سے بہتر ترکیب وہ ہے جو ایسے وقت کے لیے قرآن و حدیث میں ارشاد ہوئی۔ اگر مسلمان اس پر عمل کریں تو تمام فتنوں سے نجات پائیں اور دنیا و آخرت کی بھلائی مفت کمائیں۔ خاندانوں اور گھرانوں کے خرخشے ختم ہوں اور خدا اور رسول کی رضا ہاتھ آئے۔

اور وہ ترکیب یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے بالکل میل جول چھوڑ دیں۔ سلام کلام ترک کر دیں۔ ان کے پاس اٹھنا، بیٹھنا، ان کے ساتھ کھانا پینا، ان کے یہاں شادی بیاہ یا ان کی تقریبوں میں، غرض ہر قسم کے تعلقات ان سے قطع کر لیں گویا سمجھیں کہ اب وہ دنیا میں رہا ہی نہیں۔ واللہ الموفق۔ (بہار شریعت وغیرہ)

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

دشمنانِ دین کہ خود ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں، اپنے اوپر سے صریح کفر کے باوجود، نام کفر مٹانے کے لیے خدا اور رسول کے احکام میں، من گھڑت تاویلیں کر کے، مسلمانوں کو اپنے مکر و فریب کی باتوں میں پھانس لیتے ہیں اور عوام الناس بالخصوص ان کی عورتیں ان کے مکر کا شکار ہو کر، اسلام سے دور جا پڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام و ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ان نام کے کلمہ گویوں کے اغوا و تلبیس سے بچائے۔ آمین۔

مسلمانوں کے یہ دشمن عوام کو چھلنے اور خدائے واحد قہار کا دین بدلنے کے لیے چند شیطانی مکر پیش کرتے ہیں۔

پہلا مکر: اسلام کلمہ گوئی کا نام ہے۔ حدیث میں فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا، وہ جنت میں جائے گا۔ پھر کسی قول یا فعل کی وجہ سے کیسے کافر ہو سکتا ہے۔ مسلمانو! ذرا ہوشیار خبردار۔ اس مکر ملعون کا حاصل یہ ہے کہ اسلام فقط طوطے کی طرح زبان سے کلمہ رٹ لینے کا نام ہے۔ کلمۂ اسلام زبان سے کہہ لینا، گویا خدا کا بیٹا بن جانا ہے کہ آدمی کا بیٹا

کچھ بھی کرے اس کے بیٹے ہونے سے نہیں نکل سکتا۔ یونہی جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا، اب وہ چاہے خدا کو جھوٹا کہے، رسول کو سڑی سڑی گالیاں دے، قرآن کو جھٹلائے، اسلام کا مذاق اڑائے، کفر و اسلام کو حقیقت میں ایک بتائے، اس کا اسلام نہیں بدل سکتا۔

اس مکر کا جواب خود قرآن کریم نے جابجا دیا۔ منافقین کیسی کیسی تاکیدوں سے مؤکد اور کیسی کیسی قسموں سے مؤید، اسلام کا دعویٰ کرتے اور کلمۂ اسلام پڑھتے لیکن ان کی یہ لمبی چوڑی کلمہ گوئی، ان کے حق میں ہرگز موجبِ اسلام نہ ہوئی اور اللہ واحد قہار نے ان کے جھوٹے کذاب ہونے کی گواہی دی تو حدیث کا وہ مطلب گھڑنا صراحتاً قرآن عظیم کا رد کرنا ہے۔

ہاں جو کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اسے مسلمان جانیں گے جب تک اس سے کوئی کلمہ، کوئی حرکت، کوئی فعل اسلام کے منافی نہ صادر ہو۔ منافیٔ اسلام کسی بات کے صادر ہونے کے بعد ہرگز کلمہ گوئی کام نہ دے گی۔

مثلاً ہر مسلمان جانتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مدارِ ایمان بھی ہے، مدارِ نجات بھی ہے اور مدارِ قبولِ اعمال بھی۔ اور قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے کہ آدمی کیسا ہی کلمہ گو ہو، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ نبی کی شان میں بے ادبی کا لفظ کلمۂ کفر ہے اور اس کا کہنے والا اگرچہ لاکھ مسلمانی کا مدعی ہو، کروڑ بار کلمہ پڑھے، کافر ہو کر، اسلامی برادری سے نکل جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ۔

دوسرا مکر یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے کہ ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے اور حدیث میں ہے جو ہماری سی نمازیں پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے۔

مسلمانو! اس مکر خبیث میں ان لوگوں کی نری کلمہ گوئی سے ہٹ کر اب صرف قبلہ روئی کا نام ایمان رکھ دیا۔ یعنی جو قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ لے، مسلمان ہے۔ اگر اللہ عزوجل کو جھوٹا کہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے، کسی

صورت، کسی طرح اس کا ایمان نہیں ٹلتا۔ ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز

حالانکہ قرآن کریم نے صاف فرمادیا کہ ضروریاتِ دین پر ایمان لانا ہی اصل کار ہے۔ بغیر اس کے نماز میں قبلہ کو منہ کرنا کوئی چیز نہیں۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (الآیہ)

اور ایک جگہ قرآن کریم نے منافقوں کا نماز پڑھنا بیان کیا اور پھر انہیں کافر فرمایا۔ کیا وہ قبلہ کو نماز نہیں پڑھتے تھے۔ فقط قبلہ کیسا، قبلہ دل و جان، کعبۂ دین و ایمان، سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جانب قبلہ نماز پڑھتے تھے۔ بلکہ اسی قماش کے لوگوں کو خود قرآن کریم میں کفر کا پیشوا، کافروں کا سرغنہ فرمایا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ نماز روزہ والے ہو کر، دین پر طعن کرتے اور آیاتِ الٰہیہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ۔ (الآیہ)

اصل بات یہ ہے کہ ائمہ دین کی اصطلاح میں اہلِ قبلہ وہ ہے کہ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہو۔ ان میں سے ایک بات کا بھی منکر ہو تو قطعی یقینی اجماعی طور پر کافر مرتد ہے۔ ایسا کہ جو اسے کافر نہ کہے، خود کافر ہے۔

بھلا سوچو تو سہی کہ رافضی جو بکتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوۃ والسلام کو وحی میں دھوکا ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی طرف بھیجا اور وہ چلے گئے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب اور بعض تو مولا علی کو خدا کہتے ہیں۔ کیا وہ مسلمان کہے جاسکتے ہیں؟

یونہی جو شخص کلمہ گو ہو کر، مدعی اسلام بن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی بھی طرح سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقیناً کافر ہو کر اسلامی برادری سے نکل جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کے ساتھ نہ قبلہ قبول نہ کلمہ مقبول۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

آدمی عقل سے کام لے تو خود سمجھ سکتا ہے کہ نری قبلہ روئی کوئی چیز نہیں۔ کیا جو شخص پانچ وقت قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور ایک وقت کسی مہادیو کو سجدہ کر لیتا ہو کسی

عاقل کے نزدیک مسلمان ہو سکتا ہے۔ حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرنا مہادیوں کے سجدے سے کہیں بدتر ہے۔ اگرچہ کفر ہونے میں برابر ہے۔ علانیہ کفر کر کے مسلمانوں سے کہنا کہ کسی کو کافر نہ کہو، اپنی تکفیر سے روکنا اور دین اسلام کے علاوہ دوسرا دین گھڑنا ہے اور یہ کام نہیں مگر نیچریوں بے دینوں کا۔

تیسرا مکر یہ کہ فقہ میں لکھا ہے جس میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی، تو اسے کافر نہ کہنا چاہیے۔

مسلمانو! ہوشیار خبردار۔ یہ مکر خبیث سب مکروں سے بدتر و ضعیف ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دن میں ایک بار اذان دے، یا دو رکعت نماز پڑھ لے اور ننانوے بار بت پوجے، سنکھ پھونکے، گھنٹی بجائے اور کفر کو اپنائے، وہ مسلمان ہے کہ اس میں ننانوے باتیں کفر کی ہیں تو ایک اسلام کی بھی ہے۔ یہی کافی ہے۔

حالانکہ مومن تو مومن اس کے لیے خدا اور رسول کی امان ہے۔ کوئی غافل اسے مسلمان نہیں کہہ سکتا بلکہ اس کی رو سے، سوا دہریے کے، گو سرے سے خدا کے وجود کا منکر ہو، تمام کافر، مشرک، مجوسی، نصرانی، یہودی وغیرہم دنیا بھر کے کفار، سب کے سب مسلمان ٹھہرے جاتے ہیں کہ اور باتوں کے منکر سہی، آخر وجود خدا کے قائل ہیں اور ایک یہی بات، سب سے بڑھ کر اسلام کی بات، بلکہ تمام اسلامی باتوں کی اصل الاصول ہے۔ اور یہود و نصاریٰ تو بڑے بھاری مسلمان ٹھہریں گے کہ توحید کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بہت سے کلاموں اور ہزاروں نبیوں اور قیامت و حشر و حساب و ثواب و عذاب، جنت و دوزخ وغیرہا بکثرت اسلامی باتوں کے قائل ہیں تو یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ قرآن گواہ ہے کہ خود صریح کفر ہے۔

فرض کرلیں کہ کلام الٰہی میں اگر ہزار باتیں ہوں تو ان میں سے ہر ایک بات کا ماننا ایک اسلامی عقیدہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص ۹۹۹ مانے اور صرف ایک نہ مانے تو قرآن عظیم کا فیصلہ ہے کہ وہ ان ۹۹۹ کے ماننے سے مسلمان نہیں بلکہ صرف ایک کے نہ ماننے سے کافر ہے۔ دنیا میں اس کی رسوائی ہوگی اور آخرت میں اس پر سخت عذاب۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔

اصل بات یہ ہے کہ فقہائے کرام پر ان لوگوں نے کھلا افترا اٹھایا۔ انہوں نے کہیں ہرگز ایسا نہ فرمایا بلکہ ان لوگوں نے یہودیوں کی پیروی میں تحریف و تبدیل کر کے کچھ کا کچھ بنا لیا۔ فقہاء نے یہ نہیں فرمایا کہ جس شخص میں ننانوے باتیں کفر کی اور ایک اسلام کی ہو، وہ مسلمان ہے۔ حاشاللہ بلکہ تمام امت کا اجماع ہے کہ جس میں ننانوے ہزار باتیں اسلام کی ہوں اور ایک کفر کی ہو تو یقیناً قطعاً کافر ہے۔

ننانوے قطرے گلاب میں ایک بوند پیشاب پڑ جائے، سب پیشاب ہو جائے گا۔ مگر یہ جاہل کہتے ہیں کہ ننانوے قطرے پیشاب میں ایک بوند گلاب ڈال دو سب طیب و طاہر ہو جائے گا۔ حاشا فقہاء تو فقہاء کوئی ادنیٰ تمیز والا بھی ایسی جہالت کی بات منہ سے نہیں نکال سکتا۔ بلکہ فقہائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے ایسی بات کہی جس میں سو پہلو نکل سکیں، ان میں ننانوے پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف، تو اسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی ہے۔ کیا معلوم شاید اس کی مراد یہی پہلو ہو۔ ہاں اگر معلوم و ثابت ہو جائے کہ کہنے والے نے وہی کفری معنیٰ کا کوئی پہلو مراد لیا ہے۔ مثلاً وہ خود کہتا ہے کہ میری مراد یہی ہے تو ہماری تاویل سے اسے کوئی فائدہ نہ ملے گا۔ وہ عنداللہ کافر ہی ہوگا۔

کہاں یہ صاف ستھری نکھری پاکیزہ تعلیم اور کہاں یہ گندی گھناؤنی ناپاک بات۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چوتھا مکر یہ ہے کہ ہم تو کافر کو بھی کافر نہ کہیں گے۔ ہمیں کیا معلوم کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ مسلمانو! اعدائے دین کا یہ مکر بھی قطعاً یقیناً قرآنی احکام کے خلاف ہے۔ قرآن عظیم نے فرمایا ہے: قُلْ يَآاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ یہاں قرآن کریم، حضور پرُنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب! تم کافروں کو یہ کہہ کر پکارو کہ اے کافرو۔ یعنی کافروں کو کافر کہہ کر خطاب کرنا، مطلوبِ شرع اور مقصودِ شرع ہے۔ کافر کو بحکمِ شریعت اسی وقت تک کافر کہا جائے گا جب تک وہ کافر ہے۔ اور جب بتوفیقہٖ تعالیٰ وہ مسلمان ہو جائے گا اس وقت اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا۔ مسلمان کو

اسی وقت تک مسلمان کہیں گے جب تک وہ مسلمان ہے اور جس وقت کوئی مسلمان معاذاللہ کسی ضروری دینی بات کا انکار کر کے کافر ہو جائے۔ اس وقت اس کو کافر و مرتد ہی کہیں گے، مسلمان نہیں۔

اور یہ کہنا کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا، ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے مسلمان کو مسلمان مت کہو شاید وہ کبھی معاذاللہ اسلام سے نکل جائے۔ ہمیں کیا معلوم کہ اس کا خاتمہ اسلام و ایمان پر ہوگا۔

یعنی شربتِ انگور کو شربتِ انگور مت کہو۔ شاید کبھی اس میں نشہ پیدا ہو جائے اور شراب بن جائے۔ شراب کو شراب مت کہو شاید کسی وقت سرکہ ہو جائے۔ سور کو سور مت کہو، گدھے کو گدھا مت کہو، شاید کبھی کانِ نمک میں جا کر نمک بن جائے۔ حتیٰ کہ بیوی کو بیوی مت کہو شاید کسی وقت طلاق دے بیٹھو اور وہ اجنبیہ بن جائے۔ (ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم)

مسلمانو! اصل بات یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر جاننا، ضروریاتِ دین سے ہے۔ اگرچہ کسی خاص شخص کی نسبت یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا خاتمہ ایمان یا معاذاللہ کفر پر ہوا تاوقتیکہ اس کے خاتمہ کا حال دلیلِ شرعی سے ثابت نہ ہو مگر اس سے یہ نہ ہوگا کہ جس شخص نے قطعاً کفر کیا ہو اس کے کفر میں شک کیا جائے کہ قطعی کافر کے کفر میں شک بھی آدمی کو کافر بنا دیتا ہے۔ خاتمہ پر بنا روزِ قیامت اور ظاہر پر احکامِ شرعی کا دارومدار ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ کوئی کافر مثلاً یہودی یا نصرانی یا بت پرست مر گیا تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ کفر پر مرا مگر ہم کو خدا اور رسول کا حکم یہی ہے کہ اسے کافر ہی جانیں اور اس کی زندگی و موت میں تمام وہی معاملات اس کے ساتھ برتیں جو کافروں کے لیے ہیں۔

مثلاً میل جول، شادی بیاہ، نماز جنازہ، کفن دفن۔ جب اس نے کفر کیا تو فرض ہے کہ ہم اسے کافر ہی جانیں اور خاتمہ کا حال علمِ الٰہی پر چھوڑ دیں۔ جس طرح جو ظاہراً مسلمان ہو اور اس سے کوئی قول و فعل خلافِ اسلام سرزد نہ ہو، فرض ہے کہ ہم اسے مسلمان ہی جانیں۔ اگرچہ ہمیں اس کے خاتمہ کا بھی حال معلوم نہیں۔ خاتمہ کا حال تو

خدا جانے اور اس کے بتائے سے اس کا رسول۔ مگر شریعت اسلامیہ نے کافر و مسلم میں
فرق رکھا ہے۔ اگر کافر کو کافر نہ جانا جائے تو کیا اس کے ساتھ وہی معاملات کرو گے جو
مسلم کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حالانکہ بہت سے امور ایسے ہیں جن میں کفار کے احکام
مسلمانوں سے بالکل جدا ہیں۔ مثلاً ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا، ان کے لیے استغفار نہ
کرنا، ان کو مسلمانوں کی طرح دفن نہ کرنا، ان کو اپنی لڑکیاں نہ دینا، ان پر جہاد کرنا وغیرہا۔
(حسام الحرمین، بہار شریعت وغیرہما)

تنبیہ: بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ عالم لوگ جانیں وہ کافر
کہیں۔ مگر کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ عوام کے تو وہی عقائد ہوں گے جو قرآن حدیث
وغیرہما سے علماء نے انہیں بتائے یا عوام کے لیے کوئی شریعت جداگانہ ہے۔ جب ایسا
نہیں تو پھر عالم دین کے بتائے پر کیوں نہیں چلتے۔ نیز یہ کہ ضروریاتِ دین کا انکار کوئی ایسا
امر نہیں جو علماء ہی جانیں۔ عوام جو علماء کی صحبت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں، وہ ان
سے بے خبر نہیں ہوتے۔ پھر ایسے معاملہ میں پہلو تہی اور اعراض کے کیا معنی۔ اس زمانہ
میں بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میاں جتنی دیر اسے کافر کہو گے ۔۔۔ اتنی دیر اللہ
اللہ کرو۔ یہ ثواب کی بات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم کب کہتے ہیں کافر کافر کا وظیفہ
کر لو۔ مقصود یہ ہے کہ اسے کافر جانو اور پوچھا جائے تو قطعاً کافر کہو کافر جانو۔ یہ نہ ہو کہ
اپنی صلح کن روش کے ماتحت اس کے کفر پر پردہ ڈالو۔ (بہار شریعت) مولائے کریم ہمیں
قبولِ حق اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

ایک اور نصیحت

مسلمانو! ماؤ، بہنو اور بیٹیو! ذرا ادھر خدا اور رسول کی خاطر، تعصب اور ناحق
پاسداری سے ہٹ کر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر، انصاف کی نگاہوں سے دیکھو اور
فیصلہ کرو کہ اگر کچھ لوگ تمہارے کسی معظم دینی و دنیاوی مثلاً تمہارے پیر، تمہارے
استاذ، یا تمہارے ماں باپ، تمہارے آباء و اجداد، تمہارے بھائی برادر یا تمہارے کسی

جگری دوست کو، رات دن بلا وجہ محض فحش مغلظہ گالیاں دینا، ان کی برائیاں کرنا،
ان پر تہمتیں تراشنا، ان پر لعن طعن کرنا، اپنا وطیرہ، اپنا پیشہ بلکہ اپنا دین ٹھہرالیں۔ کیا تم
ان سے بکشادہ پیشانی ملنا پسند کرو گی؟ کیا عظمت و عزت کے ساتھ ان کا خیال تمہارے
ذہنوں میں آئے گا اور کیا تم صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاؤ گی کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ
دِيْنِ۔ یا صرف اتنا کہنا کافی جانو گی کہ ہمیں کیا وہ اپنی قبر میں جائیں گے ہم اپنی قبر میں۔ کیا
صرف اتنا کہنے سے تمہارے دل کی تسکین ہو جائے گی کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ حاشا و کلا
ہرگز نہیں۔ اگر تم میں نام کو غیرت باقی ہے، اگر تم میں انسانیت باقی ہے، اگر تمہارے
دلوں میں عظمتِ مصطفیٰ کا فانوس روشن ہے، اگر تمہیں معظمانِ دینی، اپنے آباء و اجداد،
اپنے ماں باپ کی عزتوں کا پاس ہے، اگر تمہیں اپنے شوہروں، بھائیوں، اپنے بڑوں یا
اپنے جگری دوستوں کی بڑائی یا محبت اور چاہت کا لحاظ ہے تو یہ باتیں سن کر تمہارے دماغ
کھول جائیں گے۔ انہیں دیکھ کر تمہارے دل بھر جائیں گے۔ تمہاری آنکھوں میں خُون
اتر آئے گا اور تم اگر کچھ بھی نہ کر سکو تو ان کی طرف نگاہ اٹھانا بھی تمہیں گوارا نہ ہو گا۔
تنکا توڑ اس سے الگ ہو جاؤ گی اور ان سے منہ پھیر لو گی۔

للہ انصاف: محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم
اجمعین، ان کی ازواجِ مطہرات، ان کے اہلِ بیت، ان کے اصحاب، ان کے دین کے
اولیاء، ان کی شریعت کے علماء، خلفائے راشدین، بالخصوص صدیق اکبر و فاروق اعظم،
ان کی اولاد امجاد خصوصاً شہزادۂ گلگوں قبا امام حسین شہید کربلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
اجمعین کی عزتیں، عظمتیں، وجاہتیں، رفعتیں، زائد یا تمہارے آباء و اجداد تمہارے
باپ، تمہارے برادر اور خواہر شوہر کی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہا جن کی پاک دامنی پر قرآن گواہ ہے، زائد یا تمہاری ماں۔ ہم رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و سلم کے امتی، صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے غلام، باندیاں
اور ام المومنین کے بیٹے، بیٹیاں کہلاتے اور پکارے جاتے ہیں۔ ان کی عزتوں پر حملہ
کرنے والوں، ان کو گالیاں دینے والوں، انہیں غاصب و باغی و چنین و چناں کہلانے
والوں سے اگر ترک تعلق نہ کریں اور وہ برتاؤ نہ برتیں جو ایسے دشمنانِ دین و اعدائے

اسلام کے ساتھ برتنا چاہیے اور جو ہم اپنے بدگویوں، بدکرداروں، بدقماشوں بدمعاشوں سے برتتے ہیں تو پھر کیا ہم ان کے نمک حلال غلام، باندی اور لائق و قابل فخر بیٹے بیٹی کہلائے جانے کے مستحق ہیں، اور کیا ہمیں یہ حق ہے کہ ہم ان عالی مرتبہ جنابوں سے اپنی نسبتوں کو زبان پر لائیں۔ نہیں ہرگز نہیں، توبس اب فیصلہ یہی ہے کہ جو ان مقربانِ بارگاہ سے جتنا دور ہے، اتنی ہی نفرت و حقارت کا مستحق ہے نہ کہ عزت و کرامت کا۔

قادیانی ہوئے، رافضی ہوئے، وہابی ہوئے، چکڑالوی ہوئے، نیچری ہوئے اور ایسے ہی اور ہوئے۔ ان کے اقوال و احوال اور عقائد و اعمال ان کی کتابوں سے ظاہر ہیں۔ انہیں اٹھا کر دیکھ لو۔ تمہارا دین، تمہارا ایمان آپ ہی بتا دے گا کہ جن کے یہ عقیدے، یہ اقوال ہیں، وہ اللہ و رسول کے دشمن ہیں یا دوست۔ اور ان کے دلوں میں اسلام کا مغز ہے یا پوست۔ اور جو انصاف نہ کرے اس کا حساب اللہ واحد قہار کے یہاں ہے۔ اور جو اللہ و رسول کی سچی محبت سامنے رکھ کر جانچے تو بحمدہٖ تعالیٰ حق آفتاب سے زیادہ عیاں ہے۔ وعیاں راچہ بیاں۔

فقیر گناہ گار امید کرتا ہے کہ ہماری مائیں بہنیں اور بیٹیاں اس تمام بیان کو ہمیشہ ذہن نشین رکھیں گی اور دوسروں کو بتانے اور اپنی اولاد کو اس نہج پر تربیت دینے میں دریغ نہ کریں گی کہ آج کی تعلیم بچوں کے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔
مولائے کریم ہم سب کو حق و صداقت پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔

چند کفریہ کلمات

اپنی زبان کو قابو میں نہ رکھنا اور بے باکی سے ہر بات زبان سے نکال دینا بعض اوقات آدمی کو اسلام و شرع کا مجرم بنا دیتا ہے۔ ہنسی مذاق، دل لگی یا غضب و غصہ کے عالم میں بعض اوقات ایسے کلمات منہ سے نکل جاتے ہیں جس سے ایمان کے لالے پڑ جائیں۔

ہم چند کلمات اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ ہماری بی بیاں ان سے واقف رہیں۔ خود

بھی ان سے بچیں، دوسروں کو بھی بچائیں اور کبھی غلطی ہو جائے تو صدق دل سے خدا کی بارگاہ میں توبہ کریں، اوروں سے کرائیں۔ نئی تہذیب نے ایسے گندہ ذہن بہت سے پیدا کر دیئے ہیں۔ ان سے دور ہی سے دعا سلام بھلی کہ شیطان کو بہکاتے اور بری بات دل میں اترتے دیر نہیں لگتی۔

مسئلہ: جس شخص کو اپنے ایمان میں شک ہو یعنی کہتا ہو کہ مجھے اپنے مومن ہونے کا یقین نہیں یا کہتا ہے معلوم نہیں میں مومن ہوں یا کافر تو وہ کافر ہے۔ ہاں اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ معلوم نہیں میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں تو کافر نہیں۔ (عالمگیری)

مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں سے ڈرے اور رحمتِ خداوندی پر بھروسہ رکھے اور ہر وقت اس سے اس کے فضل کا سوال کرتا رہے۔

مسئلہ: کوئی شخص بیمار نہیں ہوتا یا بہت بوڑھا ہے مرتا نہیں۔ اس کے لیے یہ کہنا کہ اسے اللہ میاں بھول گئے ہیں یا کسی زبان دراز آدمی سے یہ کہنا کہ خدا تمہاری زبان کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا میں کس طرح کروں، یہ کفر ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ)

مسئلہ: کسی بااثر یا مالدار آدمی یا حاکم کی توجہ حاصل کرنے کے لیے لوگ کہہ بیٹھتے ہیں اوپر خدا ہے نیچے تم۔ یہ کلمہ کفر ہے۔ (خانیہ) ہرگز یہ بات منہ سے نہ نکالیں۔

مسئلہ: ایک نے دوسرے سے کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا اس نے غصہ میں کہا "نہیں" یا کہا خدا اس کے سوا کیا کر سکتا ہے کہ دوزخ میں ڈال دے یا اس نے کہا خدا سے ڈر۔ اس نے کہا خدا کہاں ہے۔ یہ سب کفریہ کلمات ہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: کسی مسکین نے اپنی محتاجی و پریشان حالی کو دیکھ کر یہ کہا کہ "اے خدا فلاں بھی تیرا بندہ ہے اس کو تو نے کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں اور میں بھی تیرا بندہ ہوں مجھے کس قدر رنج و تکلیف دیتا ہے، آخر یہ انصاف ہے، ایسا کہنا کفر ہے۔ (عالمگیری)

حدیث میں ایسوں ہی کے لیے فرمایا: كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔ محتاجی کفر کے قریب ہے کہ جب محتاجی کے سبب ایسے ناملائم اور خلاف شرع کلمات منہ سے نکلیں جو

کفرہیں تو گویا خود محتاج قریب بہ کفر ہے۔

مسئلہ: اللہ عزوجل کے نام کی تصغیر کرنا کفر ہے۔ جیسے کسی کا نام عبداللہ یا عبدالخالق یا عبدالرحمٰن ہو۔ اسے پکارنے میں آخر میں الف وغیرہ ایسے حروف ملا دیں جن سے تصغیر سمجھی جاتی ہے۔ (بحرالرائق)

مسئلہ: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی توہین کرنا۔ ان کی جناب میں گستاخی کرنا یا ان کی فواحش و بے حیائی کی طرف نسبت کرنا کفر ہے۔ مثلاً معاذ اللہ یوسف علیہ السلام کی زنا کی طرف نسبت کرنا۔

مسئلہ: جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء میں آخری نبی نہ مانے، یا حضور کے زمانہ میں یا حضور کے بعد کسی کو نبوت ملنا مانے یا جائز جانے یا کسی بھی طور پر ختم نبوت کا انکار کرے...... معاذ اللہ مسیح موعود یا مہدی یا مجدد بلکہ اسے ادنیٰ درجہ کا مسلمان مانے یا کسی مدعیٔ نبوت کے اقوالِ ملعونہ پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں ادنیٰ شک کرے وہ کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے قطعاً خارج۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب کسی چیز کی توہین کرے یا عیب لگائے مثلاً آپ کے موئے مبارک کو تحقیر سے یاد کرے یا آپ کے لباس مبارک کو گندہ اور میلا بتائے یا حضور کے ناخن بڑے بڑے کہے، یہ کفر ہے۔ بلکہ اگر کسی کے اس کہنے پر کہ حضور کو کدو پسند تھا' کوئی یہ کہے کہ مجھے پسند نہیں تو بعض علماء کے نزدیک کافر ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر اس حیثیت سے اسے ناپسند ہے کہ حضور کو پسند تھا تو وہ کافر ہے۔ یونہی کسی نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول فرمانے کے بعد تین بار انگشت ہائے مبارک چاٹ لیا کرتے تھے۔ اس پر کسی نے کہا یہ ادب کے خلاف ہے تو یہ کہنا علماء کے نزدیک کفر ہے۔

مسئلہ: حضرت جبرئیل علیہ السلام یا حضرت میکائیل علیہ السلام کو کہ سب ملائکہ پر فضیلت رکھتے ہیں یا کسی بھی فرشتے کے ساتھ ادنیٰ گستاخی کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی

دشمن یا مبغوض کو دیکھ کر کہہ بیٹھتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آگیا' یہ قریب قریب کلمۂ کفر ہے، ہرگز منہ سے نہ نکالیں۔

مسئلہ: قرآن پاک کی کسی آیت کو عیب لگانا یا اس کی توہین کرنا یا اس کے ساتھ مسخرہ پن کرنا کفر ہے۔ مثلاً داڑھی منڈانے سے منع کرنے پر، اکثر داڑھی منڈھے کہہ دیتے ہیں: کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ اور مطلب اس کا یہ بیان کرتے ہیں کلا صاف کرو۔ یہ قرآن مجید کی تحریف و تبدیل بھی ہے اور اس کے ساتھ مذاق و دل لگی بھی اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔

مسئلہ: جو شخص یہ کہے کہ قرآن کے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں بلکہ ایک حرف بھی کسی نے کم کر دیا یا بڑھا دیا، یا بدل دیا وہ قطعاً کافر ہے۔

مسئلہ: کسی سے نماز پڑھنے کو کہا اس نے جواب دیا پڑھتا تو ہوں لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہیں یا کہا تم نے نماز پڑھی تو کیا فائدہ ہوا یا کہا نماز پڑھ کے کیا کروں، کس کے لیے پڑھوں ماں باپ تو مر گئے، یا کہا بہت پڑھ لی اب دل گھبرا گیا یا کہا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہے۔ غرض اس قسم کی باتیں کرنا جن سے نماز کی فرضیت کا انکار سمجھا جاتا ہو، یا نماز کی تحقیر ہوتی ہو یہ سب کفر ہے۔

مسئلہ: روزہ رمضان نہیں رکھتی اور کہتی ہے کہ روزہ وہ رکھے جسے روزی نہ ملے یا کہتی ہے جب خدا نے کھانے کو دیا ہے تو بھوکے کیوں مریں یا اسی قسم کی اور باتیں بک دیں جن سے روزہ کی ہتک یا تحقیر ہوتی ہے، یہ کفر ہے۔

مسئلہ: کسی شخص کو شریعت کا کوئی حکم بتایا گیا' اس نے کہا ہم شریعت پر عمل نہیں کریں گے، ہم تو خاندانی رسم و رواج کی پابندی کریں گے یا کہا شریعت دیکھیں کہ رسم و رواج کو دیکھیں۔۔۔ ایسی باتیں بھی منہ سے نکالنا علماء کے نزدیک کفر ہے۔

مسئلہ: دو شخص جھگڑ رہے تھے۔ ایک نے کہا لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ دوسرے نے کہا یہاں لاحول کا کیا کام یا کہا لاحول کو میں کیا کروں، یا لاحول روٹی کی جگہ کام نہ

دے گا۔ یونہی سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کے متعلق اسی قسم کے الفاظ زبان سے نکالنا کفر ہے۔

مسئلہ: بیماری میں گھبرا کر کہنے لگی تجھے اختیار ہے چاہے کافر مار یا مسلمان مار۔ یہ کفر ہے، یونہی مصیبتوں سے گھبرا کر یہ کہنا کہ تو نے مال لیا، اولاد لی اور یہ لیا، وہ لیا، اب کیا کرے گا، اسی طرح بکنا کفر ہے۔

مسئلہ: مسلمان مرد خواہ عورت کو، کلماتِ کفر کی تعلیم و تلقین کرنا کفر ہے۔ اگرچہ کھیل اور مذاق میں ایسا کرتے۔ یونہی کسی کی عورت کو کفر کی تعلیم کی اور یہ کہا کہ تو کافر ہو جا تاکہ ایسے شوہر سے پیچھا چھوٹے، تو عورت کفر کرے یا نہ کرے، یہ کہنے والا کافر ہو گیا۔

مسئلہ: ہولی اور دیوالی پوجنا کفر ہے کہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔ کافروں کے میلوں، تہواروں میں شریک ہو کر ان کے میلے اور مذہبی جلوس کی شان و شوکت بڑھانا کفر ہے۔ جیسے رام لیلا اور جنم اشٹمی اور رام نومی وغیرہ کے میلوں جھمیلوں میں شریک ہونا۔ یونہی ان کے تہواروں کے دن محض اس وجہ سے چیزیں خریدنا کہ کافروں کا تہوار ہے یہ بھی کفر ہے۔ جیسے دیوالی میں کھلونے اور مٹھائیاں خریدی جاتی ہیں کہ ان دنوں میں خریدنا دیوالی منانے کے سوا کچھ نہیں۔ یونہی کوئی چیز خرید کر اس روز مشرکین کے پاس ہدیہ کرنا یا انہیں مبارک بادی دینا جبکہ مقصود اس دن کی تعظیم ہو تو کفر ہے۔ (بحر الرائق خانیہ، عالمگیری، بہار شریعت وغیرہ) عزیز ماؤں! پیاری بہنو! لاڈلی بیٹیو! اور مسلمان بھائیو! قرآن کریم کا یہ ارشاد ذرا کان لگا کر، غور سے، پوری توجہ سے سنو اور دل نشین کر لو:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

یعنی مسلمان مردوں اور عورتوں پر لازم ہے کہ اسلام کے احکام کا پورا پورا اتباع کریں۔ اپنی پوری زندگی اسلامی احکام کے تحت لائیں یہاں تک کہ ان کے خیالات، ان کے نظریات، ان کے طور طریقے، ان کے معاملات اور تمام ترسعی و عمل کے راستے سب کے سب، مکمل طور پر اسلامی تعلیمات، اسلامی قوانین اور اسلامی دستور کے موافق ہوں۔

عزیزو! اسلام صرف چند عقائد یا صرف چند عبادات یا صرف قوانین کا نام نہیں، وہ تو ایک جامع و مانع نظام حیات ہے، ایک مکمل و منظم دستورِ زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ پر اور ہر ہر گوشہ پر حاوی ہے۔ کسی اور دین، کسی اور نظریہ کی پیوند کاری اس کے ساتھ نبھ ہی نہیں سکتی۔

شیطان کے نقش قدم پر چلنا یہی ہے کہ اسلام میں غیر اسلام کی آمیزش کی جانے لگے اور یہود و نصاریٰ کے طور طریق، اور دوسرے غیر مسلموں کے طرزِ زندگی کو "روشن خیالی" کا نام دے کا ماڈرن اسلام کے نام پر اسے اپنے کردار و گفتار اور اپنے نظامِ حیات پر غالب کر لیا جائے۔

مولائے کریم ہمیں، تمہیں اور سب مسلمانوں کو حق قبول کرنے اور حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا، تمہارا معاون و مددگار ہو، آمین۔

لُقطہ کا بیان

لُقطہ اس مال کو کہتے ہیں جو کہیں پڑا ہوا مل جائے۔

مسئلہ: پڑا ہوا مال کہیں مل جائے اور یہ خیال ہو کہ اس کے مالک کو تلاش کر کے میں یہ مال اسے دے دوں گی تو اٹھا لینا مستحب ہے اور اگر اندیشہ ہو کہ شاید میں خود ہی رکھ لوں اور مالک کو تلاش نہ کروں تو چھوڑ دینا بہتر ہے۔ اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ میں مالک کو نہ دوں گی تو اٹھانا ناجائز ہے اور اپنے لیے اٹھانا حرام ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کسی کا مال جھپٹ لینا جسے غصب کہتے ہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: لقطہ، اٹھانے والے کے ہاتھ میں امانت ہے۔ یعنی اگر تلف ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں بشرطیکہ اٹھاتے وقت کسی کو گواہ بنالیا یعنی دوسرے سے کہہ دیا کہ اگر کوئی شخص اپنی گمی ہوئی چیز کو تلاش کرتا ہوا آئے تو میرے پاس بھیج دینا اور اگر گواہ نہ کیا اور چپ چاپ چیز اٹھالی تو تلف ہونے کی صورت میں تاوان دینا پڑے گا۔ ہاں وہاں کوئی تھا ہی نہیں تو بے شک تاوان نہیں یا اندیشہ ہو کہ گواہ بنائے تو کوئی ظالم چھین لے گا تو بھی ضمان نہیں۔ (بحرالرائق)

مسئلہ: مُلتقِط، یعنی پڑی ہوئی چیز پانے والے پر تشہیر لازم ہے یعنی بازاروں، عام گزرگاہوں اور مسجدوں میں اتنے زمانہ تک اعلان کرے یا کرائے کہ گمان غالب ہو جائے کہ مالک اب تلاش نہ کرتا ہوگا۔ یہ مدت پوی ہونے کے بعد اسے اختیار ہے کہ لقطہ کی حفاظت کرے کہ جب بھی مالک آئے گا اپنی چیز لے لے گا یا کسی مسکین پر تصدق کر دے۔ اب اگر مالک آگیا تو اپنی چیز طلب کرتا ہے اور وہ چیز بھی موجود ہے تو اپنی چیز لے اور ہلاک ہو گئی ہے تو تاوان لے سکتا ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: بچہ کو کوئی چیز پڑی ہوئی ملی اور اٹھالایا تو اس کا ولی یا وصی تشہیر کرے اور مالک کا پتا نہ ملا اور بچہ خود فقیر ہے تو ولی یا وصی خود اس بچہ پر تصدق کر سکتا ہے اور بعد میں مالک آیا اور اپنی چیز مانگتا ہے تو ولی یا وصی کو ضمان دینا ہوگا۔ (بحرالرائق)

مسئلہ: اٹھانے والا اگر فقیر ہے تو مدت مذکورہ تک اعلان کے بعد خود اپنے صرف میں بھی لا سکتا ہے اور مالدار ہے تو اپنی رشتہ والے فقیر یعنی نادار کو کہ صاحب نصاب نہیں، دے سکتا ہے۔ مثلاً اپنے ماں باپ، بیٹے بیٹی وغیرہ کو جبکہ وہ بالغ ہوں۔ (درمختار)

مسئلہ: لُقطہ کا دعویدار پیدا ہو گیا اور وہ نشان اور پتا بتاتا ہے جو لُقطہ میں موجود ہے تو دے دینا جائز ہے، ہاں اس کا ضامن لے سکتا ہے اور علامت بتانے کی صورت میں اگر دینے سے انکار کر دیا تو دعویدار کو گواہ سے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ اسی کی مِلک ہے۔ (ہدایہ)

لُقطہ کے مناسب کچھ اور مسائل

مسئلہ: نکاح میں چھوارے لٹائے جاتے ہیں۔ ایک کے دامن میں گرے تھے اور دوسرے نے اٹھالیے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: جس کے دامن میں گرے تھے اگر اس نے اسی غرض سے دامن وغیرہ پھیلایا تھا تو دوسرے کو لینا جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: شادی بیاہ وغیرہ تقریبوں میں روپے پیسے لٹانے کے لیے جس کو دیئے وہ خود لٹائے، دوسرے کو لٹانے کے لیے نہیں دے سکتا اور کچھ بچا کر اپنے لیے رکھ لے یا گرا ہوا خود اٹھالے یہ جائز نہیں اور شکر چھوارے وغیرہ لٹانے کو دیئے تو بچا کر کچھ رکھ سکتا ہے اور دوسرے کو بھی لٹانے کے لیے دے سکتا ہے اور دوسرے نے لٹائے تو اب وہ بھی لوٹ سکتا ہے۔ (خانیہ)

مسئلہ: مجمعوں یا مسجدوں میں اکثر جوتے بدل جاتے ہیں، ان کو کام میں لانا جائز نہیں یا اس کا اچھا جوتا کوئی لے گیا اور اپنا خراب چھوڑ گیا اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قصداً ایسا کیا ہے دھوکے سے نہیں ہوا ہے تو جب یہ شخص خراب جوڑا اٹھالایا اس کو پہن سکتا ہے کہ یہ اس کا عوض ہے۔ (بحرالرائق)

مسئلہ: مکان خریدا اور اس کی دیوار وغیرہ میں روپے ملے۔ اگر بائع کہتا ہے کہ یہ میرے ہیں تو اسے دے دے ورنہ لقطہ ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے اس نے اعلان کیا کہ جو اس کا پتا بتائے گا اس کو اتنا دوں گا اور کسی نے پتا بتا دیا تو وہ رقم بطور انعام دینا چاہے تو دے سکتا ہے، شرعاً یہ اجارہ نہیں نہ اس پر اجارہ کے احکام۔ (بحرالرائق)

مسئلہ: لوگوں کے دَین (قرض) یا حقوق اس کے ذمہ ہیں مگر نہ ان کا پتا ہے نہ ان

کے ورثہ کا (جیسا کہ عموماً رشوت وغیرہ کے لین دین میں ہوتا ہے کہ رشوت لی جاتی ہے، دی جاتی ہے مگر دینے والے کا پتا معلوم نہیں ہوتا نہ اس کی فکر ہوتی ہے)، تو اتنا ہی اپنے مال میں سے فقیروں پر صدقہ کرے کہ آخرت کے مواخذے (پکڑ) سے بچ جائے اور اگر قصداً غصب کیا اور کسی کا مال دبالیا ہے تو، توبہ بھی کرے اور اگر کسی کا مطالبہ اس کے ذمہ ہے اور اس کے پاس مال نہیں کہ ادا کرے اور مالک کا پتا بھی نہیں کہ معاف کرائے تو توبہ و استغفار کرے اور مالک کے حق میں دعائے خیر کرے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے بری کردے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: چور نے اگر کسی کو کوئی چیز دی اس نے لے لی۔ اگر معلوم ہے کہ یہ فلاں کی چیز ہے تو مالک کو دے دے ورنہ صدقہ کردے، خود اس چور کو واپس نہ کرے۔ (البحرالرائق)

مسئلہ: کسی کے مکان پر کوئی اجنبی مسافر آیا اور مرگیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد اس کے ترکہ میں کچھ روپیہ بچا تو مالک مکان اگرچہ فقیر ہو ان روپوں کو اپنے صرف میں نہیں لاسکتا کہ یہ لقطہ نہیں۔ (عالمگیری)

ہاں اگر اس کا ترکہ پانچ درہم تک ہے اور ورثہ کا پتا نہ چلے اور یہ خود محتاج ہے تو اپنے صرف میں لاسکتا ہے ورنہ مساکین کو دے دے اور اس سے زائد ہو اور ورثہ کا پتا نہ چلے تو بیت المال میں جمع کردے۔ (درمختار) اور اگر بیت المال نہ ہو تو دوسرے مسلمانوں کے مشورہ پر عمل کرے۔

مسئلہ: بارش میں اس لیے برتن رکھ دیئے کہ ان میں پانی جمع ہو تو دوسرے کو بغیر اجازت ان برتنوں کا پانی لینا جائز نہیں اور اگر اس لیے نہیں رکھے ہیں تو جائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جنگلی کبوتر نے کسی کے مکان میں انڈے دیئے، اگر مالک نے پکڑنے کے لیے دروازہ بھیڑا تھا کہ دوسرے نے آکر پکڑلیا تو یہ مالک مکان کا ہے ورنہ جو پکڑے اس کا ہے۔ (عالمگیری)

فائدہ: جب کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے تو یہ دعا پڑھے:

يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ○ اِجْمَعْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ ضَالَّتِيْ۔

ضالتی کی جگہ پر اس چیز کا نام لے، ان شاء اللہ تعالیٰ وہ چیز مل جائے گی۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس کو میں نے آزمایا ہے، گمی ہوئی چیز جلد مل جاتی ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ بلند جگہ قبلہ منہ کرکے کھڑی ہو اور فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نذر کرے پھر سیدی احمد بن علوان کو ہدیہ کرکے یہ کہے:

يَا سَيِّدِيْ اَحْمَدُ يَا ابْنَ عَلْوَان رُدَّ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ وَاِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الْاَوْلِيَاءِ۔

ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے وہ چیز مل جائے۔ (بہار شریعت) کسی چیز کی گمشدگی کا علم ہوتے ہی فوراً اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ○ پڑھ لیں۔ خدا اور رسول نے چاہا تو وہ چیز مل جائے گی خواہ جلد یا بدیر۔ واللہ اعلم۔

مفقود کا بیان

مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جس کا کوئی پتا نہ ہو۔ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مرگیا۔

مسئلہ: مفقود خود اپنے حق میں زندہ قرار پائے گا لہٰذا اس کا مال تقسیم نہ کیا جائے اور اس کی عورت نکاح نہیں کرسکتی اور اس کا اجارہ فسخ نہ ہوگا۔ (درمختار)

مسئلہ: مفقود پر جب لوگوں کا نفقہ واجب ہے یعنی اس کی زوجہ، اس کی اولاد اور اس کے ماں باپ، ان کو نفقہ اس کے مال سے دیا جائے گا۔ یعنی روپیہ، سونا چاندی، جو

کچھ گھر میں ہے یا کسی کے پاس امانت یا دَین ہے، ان سے نفقہ دیا جائے۔ ہاں نفقہ کے لیے اس کی جائیداد منقولہ خواہ غیر منقولہ بیچی نہ جائے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: دوسروں کے حق میں مفقود مردہ ہے یعنی اس زمانہ میں کسی کا وارث نہیں ہوگا یعنی دوسروں کے اموال لینے کے لیے، مفقود کو مردہ تصور کیا جائے۔ مورث کی موت کے وقت جو لوگ زندہ تھے وہی وارث ہوں گے، مفقود کو وارث قرار دے کر اس کے ورثہ کو وہ اموال نہیں ملیں گے۔ (درمختار) یہ اس وقت ہے کہ جب سے گم ہوا ہے اس کا اب تک کوئی پتا نہ چلا ہو، اگر درمیان میں کبھی اس کی زندگی کا علم ہوا ہے تو اس وقت سے پہلے جو لوگ مرے ہیں ان کا وارث ہے، بعد میں جو مریں گے ان کا وارث نہیں ہوگا۔ (البحرالرائق)

خرید و فروخت کا بیان

وہ خلاقِ عالم جس کی قدرتِ کاملہ کا ادراک انسانی طاقت سے باہر ہے۔ عرش سے فرش تک جدھر نظر کیجئے اسی کی قدرت جلوہ گر ہے۔ حیوانات، نباتات، جمادات اور تمام مخلوقات اسی کے مظہر ہیں۔ اسی نے اپنی مخلوقات میں انسان کے سر پر تاجِ کرامت و عزت رکھا اور اس کو مدنی الطبع بنایا یعنی یہ کہ زندگی بسر کرنے میں یہ اپنی نوع کا محتاج ہے کیونکہ انسانی ضروریات اتنی زائد اور ان کے تحصیل میں اتنی دشواریاں ہیں کہ ہر شخص اگر اپنی تمام ضروریات کا تنہا متکفل (کفیل) ہونا چاہے غالباً عاجز ہو کر بیٹھ رہے گا اور اپنی زندگی کے ایام خوبی کے ساتھ نہ گزار سکے گا۔ لہٰذا اس حکیم مطلق نے انسانی جماعت کو مختلف شعبوں اور متعدد قسموں پر منقسم فرمایا کہ ہر ایک جماعت ایک ایک کام انجام دے اور سب کے مجموعہ سے ضروریات پوری ہوں۔ مثلاً کوئی کھیتی کرتا ہے، کوئی کپڑا بنتا ہے، کوئی دوسری دست کاری کرتا ہے۔

جس طرح کھیتی کرنے والے کو کپڑے کی ضرورت ہے، کپڑا بننے والوں کو غلہ کی حاجت ہے۔ نہ یہ اس سے مستغنی، نہ وہ اس سے بے نیاز، بلکہ ہر ایک کو دوسرے کی

طرف احتیاج۔ لہٰذا یہ ضرورت پیدا ہوئی کہ اس کی چیز اس کے پاس جائے اور اس کی اس کے پاس آئے تاکہ سب کی حاجتیں پوری ہوں اور کاموں میں دشواریاں پیش نہ آئیں۔ یہاں سے معاملات کا سلسلہ شروع ہوا اور بیع وغیرہ وغیرہ ہر قسم کے معاملات وجود میں آئے۔

اسلام چونکہ مکمل دین ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اس کا حکم نافذ ہے۔ جہاں عبادات کے طریقے بتاتا ہے، معاملات کے متعلق بھی پوری روشنی ڈالتا ہے تاکہ زندگی کا کوئی شعبہ تشنہ باقی نہ رہے اور مسلمان کسی عمل میں اسلام کے سوا دوسرے کا محتاج نہ رہے۔

جس طرح عبادات میں بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز، اسی طرح تحصیلِ مال کی بھی بعض صورتیں جائز ہیں اور بعض ناجائز اور حلال روزی کی تحصیل اس پر موقوف کہ جائز و ناجائز کو پہچانے۔ جائز طریقے سے عمل کرے، ناجائز سے دور بھاگے کہ قرآن مجید میں ناجائز طور پر مال حاصل کرنے کی سخت ممانعت آئی۔

تحصیل مال کے ذرائع میں جس کی سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے اور غالباً روزانہ جس سے سابقہ پڑتا ہے وہ خرید و فروخت ہے۔

فائدہ ضروریہ

تجارت بہت عمدہ اور نفیس کام ہے۔ مگر اکثر تجار (تجارت پیشہ حضرات) کذب بیانی سے کام لیتے بلکہ جھوٹی قسمیں کھالیتے ہیں۔ اسی لیے اکثر احادیث میں جہاں تجارت کا ذکر آتا ہے، جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی ساتھ ہی ساتھ ممانعت بھی آئی ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اگر تاجر اپنے مال میں برکت دیکھنا چاہتا ہے تو ان بری باتوں سے گریز کرے۔ تاجروں کی انہیں بدعنوانیوں کی وجہ سے بازار کو بدترین بقعۂ زمین فرمایا گیا ہے اور یہ کہ شیطان ہر صبح کو اپنا جھنڈا لے کر بازار میں پہنچ جاتا ہے اور بے ضرورت بازار میں جانے کو بُرا بتایا گیا ہے۔

قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تجارت و بیع، یادِ خدا سے غافل کرنے والی چیز ہے اور اس سے دلچسپی غفلت لانے والی ہے۔ لہٰذا فرض ہے کہ تجارت میں اتنا انہماک (مصروفیت) نہ ہو کہ یادِ خدا سے غفلت کا موجب ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ صحابہ کرام خرید و فروخت و تجارت کرتے تھے۔ مگر جب حقوق اللہ میں سے کوئی حق پیش آجاتا تو تجارت و بیع ان کو ذکر اللہ سے نہیں روکتی تھی وہ اس حق کو ادا کرتے تھے۔

(بہارِ شریعت)

ایک نفیس دُعا

بازار میں داخل ہونے کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بازار میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک لاکھ نیکی لکھے گا اور ایک لاکھ گناہ مٹا دے گا اور ایک لاکھ درجے بلند فرمائے گا اور اس کے لیے ایک گھر جنت میں بنائے گا۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

کسبِ حلال کی فضیلت

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی اسی کا حکم دیا جس کا رسولوں کو حکم دیا۔ اس نے رسولوں سے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اے رسولو! پاک چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔" اور مومنین

سے فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ان میں پاک چیزوں میں سے کھاؤ، پھر بیان فرمایا کہ ایک شخص طویل سفر کرتا ہے جس کے بال پریشان ہیں اور بدن گرد آلود ہے۔ (یعنی اس کی حالت ایسی ہے کہ جو دعا کرے وہ قبول ہو) وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یارب یارب کہتا ہے۔ (دعا کرتا ہے) مگر حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور غذا حرام۔ پھر اس کی دعا کیوں کر قبول ہو۔ (یعنی اگر قبول کی خواہش ہو تو کسبِ حلال اختیار کرو کہ بغیر اس کے قبولِ دعا کے اسباب بے کار ہیں)

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ تمام کمائیوں میں زیادہ پاکیزہ ان تاجروں کی کمائی ہے کہ جب وہ بات کریں جھوٹ نہ بولیں اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے، خیانت نہ کریں اور جب وعدہ کریں اس کا خلاف نہ کریں اور جب کسی چیز کو خریدیں تو اس کی مذمت (برائی) نہ کریں اور جب اپنی چیز بیچیں تو ان کی تعریف میں مبالغہ نہ کریں اور ان پر کسی کا آتا ہو تو دینے میں ڈھیل نہ ڈالیں اور جب ان کا کسی پر آتا ہو تو سختی نہ کریں۔ (بیہقی شعب الایمان)

مسائلِ متعلقہ

مسئلہ: اصطلاحِ شرع میں بیع کے معنی یہ ہیں کہ دو شخصوں کا باہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔

بیع کبھی قول سے ہوتی ہے اور کبھی فعل سے۔ اگر قول سے ہو تو اس کے ارکان ایجاب و قبول ہیں۔ مثلاً ایک نے کہا میں نے بیچا دوسرے نے کہا میں نے خریدا، اور فعل سے ہو تو چیز کا لے لینا اور دے دینا اس کے ارکان ہیں اور یہ فعل ایجاب و قبول کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ مثلاً ترکاری وغیرہ کی گڈیاں بنا کر اکثر بیچنے والے رکھ دیتے ہیں اور ظاہر کر دیتے ہیں کہ آنے آنے یا مثلاً دو دو آنے کی گڈی ہے۔ خریدار آتا ہے، مقررہ پیسے ڈال دیتا ہے اور ایک گڈی اٹھا لیتا ہے۔ طرفین باہم کوئی بات نہیں کرتے۔ مگر دونوں

کے فعل ایجاب و قبول کے قائم مقام شمار ہوتے ہیں۔ شریعت میں اس قسم کی بیع کو بیع تعاطی کہتے ہیں۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: یہ ضروری نہیں کہ خریدنا اور بیچنا ہی کہیں تو بیع ہو ورنہ نہ ہو۔ بلکہ یہ مطلب اگر دوسرے الفاظ سے ادا ہوتا ہو تب بھی بیع ہو سکتی ہے۔ مثلاً دکاندار نے پوچھنے پر کسی چیز کے دس روپے بتائے۔ اس نے کہا دس روپیہ۔ اس نے کہا آٹھ روپیہ میں دو، اس نے جواب دیا لے لو۔ بیع ہو گئی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جو چیز موجود ہی نہ ہو بلکہ اس کے موجود نہ ہونے کا اندیشہ ہو، اس کی بیع نہیں ہو سکتی۔ مثلاً تھن میں جو دودھ ہے اس کی بیع ناجائز ہے کہ ہو سکتا ہے اس میں دودھ نہ ہو۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: جو چیز بیچی یا خریدی جائے اس کی قیمت صاف صاف اس طرح معلوم ہو کہ نزاع اور جھگڑا بکھیڑا نہ پڑے اور اگر بات مجہول یعنی گول مول رہی کہ نزاع ہو سکتا ہے تو بیع صحیح نہیں۔ مثلاً اس ریوڑ میں سے ایک بکری بیچی اور یہ معلوم نہیں کہ کون سی بیچی یا کہا میں نے اس چیز کو واجبی قیمت میں بیچا یا خریدار نے کہا کہ جو کچھ میری مٹھی میں ہے اس کے بدلے میں نے فلاں چیز خریدی اور معلوم نہیں کہ مٹھی میں کیا ہے تو یہ بیع درست نہ ہوئی۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: ایک شخص نے کہا یہ سامان لے جاؤ اور اس کے متعلق آج غور کر لو اگر تم کو پسند ہو تو ایک ہزار کو ہے۔ دوسرا اسے لے گیا۔ بیع جائز ہو گئی۔ (خانیہ)

مسئلہ: دکانداروں کے ہاں سے خرچ کے لیے چیزیں منگوالی جاتی ہیں اور خرچ کر ڈالنے کے بعد قیمت کا حساب ہوتا ہے، ایسا کرنا جائز ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) ان دونوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعی طور پر بیع نہ کریں بلکہ عقد میں یعنی بیچتے خریدتے وقت یہ شرط کر دیں کہ اگر منظور نہ ہوا یا چیز پسند نہ آئی تو بیع باقی نہ رہے گی۔ اسے خیارِ شرط کہتے ہیں اور اس کی

ضرورت طرفین کو ہوا کرتی ہے کیونکہ کبھی بائع اپنی ناواقفی سے کم داموں میں چیز بیچ دیتا ہے یا مشتری اپنی نادانی سے زیادہ داموں میں خرید لیتا ہے۔ یا چیز کی اسے شناخت نہیں ہے ضرورت ہے کہ دوسرے سے مشورہ کر کے صحیح رائے قائم کرے اور اگر اس وقت نہ خریدے تو چیز جاتی رہے گی۔ یا بائع کو اندیشہ ہے کہ گاہک ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ایسی صورت میں شرعِ مطہر نے دونوں کو یہ موقع دیا ہے کہ غور کر لیں اگر نامنظور ہو تو خیار کی بناء پر بیع کو نامنظور کر دیں۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: خیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے۔ اس سے کم ہو سکتی ہے زیادہ نہیں۔ اگر کوئی ایسی چیز خریدی ہے جو جلد خراب ہو جانے والی ہے اور مشتری (خریدار) کو تین دن کا خیار تھا تو اس سے کہا جائے گا کہ بیع کو فسخ کر دے یا بیع کو جائز کر دے۔ اور اگر خراب ہونے والی چیز کسی نے بلاخیار خریدی اور بغیر قبضہ کیے اور بغیر ثمن (قیمت جو طے پائی) ادا کیے چل دیا اور غائب ہو گیا تو بائع اس چیز کو دوسرے کے ہاتھ بیع کر سکتا ہے اور اس دوسرے خریدار کو یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی خریدنا جائز ہے۔
(درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: اگر خیار کی کوئی مدت ذکر نہیں کی صرف اتنا کہا مجھے خیار ہے یا مدت مجہول ہے۔ مثلاً مجھے چند دن کا اختیار ہے یا ہمیشہ کے لیے خیار رکھا ان سب صورتوں میں خیار فاسد ہے۔ (عالمگیری)

خیارِ رویت کا بیان

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بغیر دیکھے بھالے چیز خرید لیتے ہیں اور دیکھنے کے بعد وہ چیز ناپسند ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں شرعِ مطہر نے مشتری کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر دیکھنے کے بعد چیز کو نہ لینا چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اس کو خیارِ رویت کہتے ہیں۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: بائع نے ایسی چیز بیچی جس کو اس نے دیکھا نہیں۔ مثلاً اسے میراث میں کوئی

شے ملی ہے اور بن دیکھے بیچ ڈالی تو بیع صحیح ہے مگر اس کو یہ اختیار نہیں کہ دیکھنے کے بعد بیع کو فسخ کر دے۔ (درر غرر)

مسئلہ: خیارِ رویت کے لیے کسی وقت کی حد شرعاً مقرر نہیں کہ اس کے گزرنے کے بعد خیار باقی نہ رہے بلکہ یہ خیار دیکھنے پر ہے جب دیکھے۔ اور دیکھنے کے بعد فسخ کا حق اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک صراحتاً یا کسی اور طور پر رضامندی نہ پائی جائے۔
(درمختار، درر)

مسئلہ: بن دیکھے چیز خریدی ہے تو دیکھنے سے پہلے بھی اس کی بیع فسخ کر سکتا ہے کیونکہ یہ بیع مشتری (خریدار) کے ذمہ لازم نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: اگر مشتری نے مبیع (خریدی ہوئی چیز) پر قبضہ کر لیا اور دیکھنے کے بعد اپنی رضامندی ظاہر کر دی یا اس میں ایسا تصرف کر دیا جو قابلِ فسخ نہیں ہے تو ان سب صورتوں میں خیارِ رویت جاتا رہا اب بیع کو فسخ نہیں کر سکتا۔ (عالمگیری، درمختار)

مسئلہ: نابینا (اندھے) کی بیع و شرا (خرید و فروخت) دونوں جائز ہیں۔ اگر کسی چیز کو بیچے گا تو خیار حاصل نہ ہو گا اور خریدے گا تو خیار حاصل ہو گا اور مبیع (خریدی ہوئی چیز) کو الٹ پلٹ کر ٹٹولنا دیکھنے کے حکم میں ہے کہ ٹٹول لیا اور پسند کر لیا تو خیار ساقط ہو گیا اور کھانے کی چیز کا چکھنا اور سونگھنے کی چیز کا سونگھنا اور جو چیز ٹٹولنے سے معلوم نہ ہو نہ چکھنے سونگھنے سے وہاں اس چیز کے اوصاف بیان کرنے ہوں گے۔ جو اوصاف بیان کر دیئے گئے مبیع ان کے مطابق ہے تو فسخ نہیں کر سکتا ورنہ فسخ کر سکتا ہے۔ اندھا مشتری یہ بھی کر سکتا ہے کہ کسی کو قبضہ کرنے یا خریدنے کے لیے وکیل کر دے۔ وکیل کا دیکھ لینا اس کے دیکھنے کے قائم مقام ہو جائے گا اور اندھا کسی چیز کو اپنے لیے خریدے یا دوسرے کے لیے مثلاً کسی نے اندھے کو وکیل کر دیا کہ ہمارے لیے فلاں چیز خرید لینا اور اس نے خرید لی تو دونوں صورتوں میں اسے خیار حاصل ہو گا۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: شے معین کی بیع، شے معین سے ہوئی مثلاً کتاب کو کپڑے کے بدلے میں

خریدا یا بیچا تو ایسی صورت میں بائع و مشتری دونوں کو خیارِ رویت حاصل ہے کیونکہ یہاں دونوں مشتری بھی ہیں۔ (درمختار، بہارِ شریعت)

خیارِ عیب کا بیان

شریعت کی زبان میں عیب جس کی وجہ سے مبیع کو واپس کر سکتے ہیں وہ ہے جس سے تاجروں کی نظر میں قیمت کم ہو جائے۔

مبیع میں عیب ہو تو اس کا ظاہر کر دینا بائع پر واجب ہے چھپانا گناہ کبیرہ ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عیب والی چیز بیع کی اور اس کو ظاہر نہ کیا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں ہے یا فرمایا کہ ہمیشہ فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ) ایک اور حدیث شریف میں فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور جب مسلمان اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی چیز بیچے جس میں عیب ہو تو جب تک بیان نہ کرے اسے بیچنا حلال نہیں۔ (امام احمد ابن ماجہ) یوں ہی ثمن کا عیب (یعنی جس کے بدلے میں کوئی چیز خریدی اس کا عیب) مشتری پر ظاہر کر دینا واجب ہے اگر بغیر عیب ظاہر کیے چیز بیع کر دی تو معلوم ہونے کے بعد واپس کر سکتے ہیں، اس کو خیارِ عیب کہتے ہیں۔

خیارِ عیب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وقت عقد یہ کہہ دے کہ عیب ہو گا تو پھیر دیں گے کہا ہو یا نہ کہا، بہرحال عیب معلوم ہونے پر مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ لہٰذا اگر مشتری کو نہ خریدنے سے پہلے عیب پر اطلاع تھی نہ وقت خریداری اس کے علم میں یہ بات آئی بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں عیب ہے۔ تھوڑا عیب ہو یا زیادہ، خیارِ عیب حاصل ہے کہ مبیع کو لینا چاہے تو پورے دام پر لے لے واپس کرنا چاہے واپس کر دے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ واپس نہ کرے بلکہ دام کم کر دے۔ (عالمگیری) ہاں بائع خود قیمت کم کر دے تو اور بات ہے۔

مسئلہ: خریدار کو عقد یا قبضہ کے وقت عیب پر اطلاع ہو گئی اس کے باوجود عیب دار جان کر خرید لیا یا قبضہ کیا تو خیارِ عیب نہ رہا۔ یونہی اگر بائع نے عیب سے برأت کر دی

اور کہہ دیا کہ میں اس کے کسی عیب کا ذمہ دار نہیں اور خریدار نے منظور کر لیا، تب بھی خیارِ عیب ثابت نہیں۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: کوئی چیز غبنِ فاحش کے ساتھ خریدی ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ دھوکا دے کر نقصان پہنچایا ہے یا نہیں۔ اگر غبنِ فاحش کے ساتھ دھوکا بھی ہے تو واپس کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

غبنِ فاحش کا مطلب یہ ہے کہ اتنا ٹوٹا ہے جو قیمت لگانے والوں کے اندازہ سے باہر ہو مثلاً ایک چیز دس روپیہ میں خریدی کوئی اس کی قیمت پانچ بتاتا ہے، کوئی چھ کوئی سات، تو یہ غبنِ فاحش ہے اور اگر کوئی اس کی قیمت آٹھ بتاتا ہے کوئی نو کوئی دس تو یہ غبنِ یسیر (معمولی نقصان) ہے۔ دھوکے کی تین صورتیں ہیں۔ کبھی بائع مشتری کو دھوکا دیتا اور پانچ کی چیز دس میں بیچ دیتا ہے اور کبھی مشتری بائع کو، کہ دس کی چیز پانچ میں خرید لیتا ہے۔ کبھی دلال دھوکا دیتا ہے، ان صورتوں میں جس کو غبنِ فاحش کے ساتھ نقصان پہنچا ہے وہ چیز کو واپس کر سکتا ہے، اور کسی اجنبی شخص نے دھوکا دیا کہ خواہ مخواہ چیز کی قیمت بڑھا چڑھا کر بیان کر دی اور یہ اس کے چکر میں آگیا تو اب واپس نہیں کر سکتا۔

(درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: موزے یا جوتے خریدے وہ اس کے پاؤں میں نہیں آتے واپس کر سکتی ہے۔ اگرچہ خریدتے وقت یہ نہ کہا ہو کہ پہننے کے لیے خریدتی ہے کیونکہ عادتاً ایک جوڑا موزہ یا جوتا پہننے ہی کے لیے خریدا جاتا ہے۔ ہاں اگر جوتا خریدا جو تنگ تھا، بائع نے کہہ دیا کہ پہن لو ٹھیک ہو جائے گا اس نے ایک دن پہنا مگر ٹھیک نہ ہوا تو اب واپس نہیں کر سکتی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: انڈا خریدا، اسے توڑا تو گندا نکلا تو کل واپس ہوں گے کہ وہ چیز بے کار ہے۔ بیع کے قابل نہیں۔ خربوزہ تربوز کھیرا ککڑی وغیرہ کوئی چیز خریدی اور کاٹی تو خراب نکلی۔ یا بادام، اخروٹ خریدا، توڑنے پر معلوم ہوا کہ خراب ہے مگر باوجود خرابی کے، کام کے لائق ہے۔ کم از کم یہ کہ جانور ہی کے کھلانے میں آسکتا ہے۔ تو واپس نہیں کر سکتی

نقصان لے سکتی ہے، اور اگر بائع اسی حالت میں واپس لینے کو تیار ہے تو واپس کر دے نقصان نہیں لے سکتی یہاں محض چکھ کر دیکھا اور کھایا نہیں تو اب نقصان لے سکتی ہے اور اگر کاٹنے توڑنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ چیزیں بالکل بے کار ہیں۔ مثلاً کھیرا کڑوا ہے یا بادام اخروٹ میں گری نہیں ہے، تربوز یا خربوزہ سڑا ہوا ہے تو پورے دام واپس لے کہ یہ بیع بالکل ہوئی نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

بیع باطل و بیع فاسد کا بیان

جس صورت میں بیع کا کوئی رکن نہ پایا جائے یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو شریعت میں اسے بیع باطل کہتے ہیں۔ یعنی ایسی بیع جو شرعاً محض ناقابلِ اعتبار ہے گویا کہ یہ بیع وجود میں آئی ہی نہیں۔ نہ بیچی گئی نہ خریدی گئی، پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ مجنوں یا بالکل ناسمجھ بچہ نے ایجاب یا قبول کیا کہ ان کا قول شرعاً معتبر ہی نہیں۔ دوسری صورت کہ مبیع، بیع کے قابل ہی نہیں اس کی مثال یہ ہے کہ مبیع مردار یا خون یا شراب ہو کہ یہ چیزیں بیع کے قابل نہیں ہیں۔ اور اگر بیع کے رکن یا محلِ بیع (جس کی بیع کی جارہی ہے) میں تو کوئی خرابی نہیں بلکہ اس کے علاوہ کوئی خرابی پائی جاتی ہے تو وہ بیع فاسد کہلاتی ہے۔ مثلاً شراب کا بطور قیمت دینا طے پایا۔ یا بیع میں کوئی ایسی شرط لگا دی جس کا پورا کرنا بیع میں شامل نہیں یا شریعت نے اسے جائز نہیں رکھا یا دین دار مسلمانوں کا اس پر عمل نہیں مثلاً کپڑا خریدا اور یہ شرط کر لی کہ بائع اس کو کاٹ کر سی دے گا۔ (عالمگیری) تو یہ بیع فاسد ہے۔

مسئلہ: بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ اس چیز پر مشتری کا قبضہ بھی ہو جائے جب بھی مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا وہ چیز اب تک بائع کی ملک ہے اور مشتری کا یہ قبضہ ایسا ہے جیسے کسی امانت پر قبضہ۔ ولہٰذا اس میں سے خریدار کو کھانا، پینا، یا اسے کسی طرح اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں۔ مشتری پر لازم ہے کہ وہ چیز واپس کرے اور اپنی قیمت واپس لے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا تو وہ مبیع کا مالک ہو گیا۔ مگر یہ مِلک خبیث ہے کیونکہ جو چیز بیع فاسد سے حاصل ہوگی اسے واپس کرنا واجب ہے اور مشتری کو اس میں تصرف کرنا منع ہے۔ لہٰذا اگر وہ کھانے کی چیز ہے تو اس کا کھانا اور پہننے کی چیز ہے تو اس کا پہننا حلال نہیں۔ ہاں اگر یہ اسے بیچ ڈالے تو ثمن (قیمت) کا مالک یہی ہوگا کہ اگرچہ ملک خبیث ہے مگر مالک تو یہی ہے۔ بیع فاسد کا فسخ کرنا بائع و مشتری دونوں پر واجب ہے اور اگر بیع فاسد کی صورت میں مشتری نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا تو اس کی ملک ثابت نہیں ہوگی اور نہ اس پر اس کی ملکیت کے احکام جاری ہوں گے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: بیع فاسد میں اگر مشتری نے مبیع پر بائع کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لیا تو نہ قبضہ ہوا نہ یہ مالک ہوا اور نہ اس کے تصرفات جاری ہوں گے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: بیع فاسد میں مشتری نے قبضہ کرنے کے بعد اس چیز کو بائع کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالا یا ہبہ کر کے قبضہ دلا دیا۔ یا غلہ تھا اسے دوسرے غلہ میں ملا دیا یا پسوا لیا یا جانور تھا ذبح کر ڈالا یا وصیت کر کے مر گیا یا صدقہ دے ڈالا۔ غرض یہ کہ کسی طرح مشتری کی ملک سے وہ چیز نکل گئی تو اب وہ بیع فاسد نافذ ہو جائے گی اور اب فسخ نہیں ہو سکتی۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: بائع و مشتری میں سے کوئی مر گیا جب بھی (بیع باطل و فاسد کی صورت میں) فسخ کا حکم بدستور باقی ہے اس کا وارث اس کے قائم مقام ہے۔ وہ فسخ کرے۔ (درمختار)

بیع فاسد و باطل کی چند صورتیں

مسئلہ: بیع میں ثمن کا ذکر نہ ہوا یعنی بائع نے مشتری سے یہ کہہ دیا کہ جو نرخ بازار میں ہے وہ دے دینا، یہ بیع فاسد ہے اور اگر یہ کہا کہ ثمن کچھ نہیں تو بیع باطل ہے کہ بغیر ثمن بیع نہیں ہو سکتی۔ (درمختار)

مسئلہ: تالابوں جھیلوں کا مچھلیوں کے شکار کے لیے ٹھیکہ دینا جیسا کہ بہت زمیندار کرتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: جو دودھ تھن میں ہے اس کی بیع ناجائز ہے، اسی طرح اس اون کی بیع جو دنبہ یا بھیڑ کے جسم میں ہے، ابھی کاٹی نہ ہو یا گھی کی بیع جو ابھی دودھ سے نکالا نہ ہو ناجائز ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: پانی جب تک کنویں یا نہر میں ہے اس کی بیع جائز نہیں اور جب اس کو گھڑے، مٹکے، بالٹی، ڈول وغیرہ میں بھر لیا تو بھرنے والا مالک ہو گیا۔ بیع کر سکتا ہے۔ یوں ہی بارش کا پانی جمع کر لینے سے مالک ہو جاتا ہے۔ بیع کر سکتا ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: بہشتی سے پانی کی مشکیں مول لیں یعنی ابھی اس نے بھری بھی نہیں ہیں ان کو خرید لینا درست ہے کہ مسلمانوں کا اس پر عمل درآمد ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: انسان کے بال کی بیع درست نہیں اور انہیں کام میں لانا جائز نہیں مثلاً ان کی چوٹیاں بنا کر عورتیں استعمال کریں حرام ہے۔ حدیث شریف میں اس پر لعنت فرمائی۔ (عامہ کتب)

فائدہ نفیسہ

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے موئے مبارک جس کے پاس ہوں، اس سے دوسرے نے لیے اور ہدیہ میں کوئی چیز پیش کی، یہ درست ہے۔ جب کہ بطور بیع نہ ہو۔

اور موئے مبارک سے برکت حاصل کرنا، اس کا غسالہ (جس پانی میں موئے مبارک کو غسل دیا جائے یعنی اس میں حصولِ برکت کے لیے ڈال دیا جائے اس پانی کا) پینا، آنکھوں پر ملنا اور بغرضِ شفا مریض کو پلانا درست ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے

ثابت ہے۔ (بہارِ شریعت)

حضرت خالد بن ولید سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ ادا فرمانے کے بعد سر مبارک کا حلق کرایا۔ (یعنی سر اقدس سے موئے مبارک اتارے گئے) تو صحابہ کرام نے موئے مبارک کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ میں نے ان سب پر سبقت کی اور پیشانی کے موئے مبارک حاصل کر لیے اور انہیں اپنی ٹوپی میں رکھ لیا۔ اس کی یہ برکت ہوئی کہ جب بھی کسی جنگ میں شامل ہوا اور یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوئی ضرور مجھے فتح مبین حاصل ہوئی۔

(سیرۃ نبویہ)

اس حدیث سے صاف صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارک سے انتہا درجہ کا عشق تھا۔ انہیں جان کی طرح ساتھ رکھتے تھے، سر پر رکھتے، ان کی حفاظت کرتے، ان سے برکتیں حاصل کرنے، نفع پانے اور اعدائے دین پر کامیاب ہونے کا اعتقاد رکھتے اور ہمیشہ اس اعتقاد کے مطابق کامیاب ہوتے اور مرادیں پاتے تھے۔ بلکہ انہیں جان کی طرح عزیز رکھتے بلکہ ان کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں خطرہ میں ڈال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہیں خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ کلاہ مبارک یعنی ٹوپی جس میں موئے مبارک تھے، ایک معرکہ میں گر گئی۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو نہایت تیزی سے پلٹ کر، دشمنوں پر سخت حملہ کیا اور اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اس ٹوپی کو حاصل کر لیا۔

بعض صحابہ کرام نے اس واقعہ سے، زیادہ مسلمانوں کے شہید ہو جانے کے باعث اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ جو کچھ کیا، اپنی ٹوپی کے لیے نہیں کیا بلکہ ان مبارک بالوں کی وجہ سے کیا جو اس ٹوپی میں موجود تھے۔ تاکہ میں ان موئے مبارک کی برکتوں سے محروم نہ ہو جاؤں اور دشمنوں کے ہاتھ نہ آجائیں۔ درحقیقت یہی اقتضائے محبت ہے اور یہی تقاضائے ایمان۔

حضرات علماء کرام کا ارشادِ گرامی ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور سے کچھ علاقہ ہو۔ حضور کی طرف

منسوب ہو۔ حضور نے اسے چھوا ہو یا حضور کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو، اس سب کی تعظیم کی جائے۔ (شفا شریف علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

یہاں تک کہ ائمہ دین اور علمائے متقدین و متاخرین، جن کے علمی و روحانی اور تبلیغی کارناموں پر تاریخ اسلام گواہ ہے، نعلِ اقدس کی شبیہ و مثال، اس کے نقشے اور خاکوں کی برابر تعظیم فرماتے رہے۔ اس سے برکتیں اور غیبی مددیں پاتے رہے۔ جب نقشہ کی یہ برکت و عظمت ہے تو خود نعلِ اقدس کی عظمت و برکت کا خیال کیجئے پھر ردائے اقدس (چادر مبارک) جبہ مقدسہ اور عمامہ مکرمہ پر نظر کیجئے پھر ان تمام آثار و تبرکات شریفہ سے ہزاروں درجے اعظم و اعلیٰ و اکرم و اولیٰ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناخن پاک کا تراشہ ہے کہ وہ سب ملبوسات (استعمال میں آنے والی چیزیں جو بدن سے مس رہیں) تھے اور یہ جزءِ بدن والا ہے۔ یونہی روضۂ منورہ حضور پرُنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقلِ صحیح بلاشبہ ان چیزوں میں سے ہے جو شرعاً واجب التعظیم ہیں۔ اس کی تعظیم و تکریم، بروجہِ شرعی ہر مسلمان صحیح الایمان کا مقتضائے ایمان ہے۔

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

مسئلہ: تیل ناپاک ہو گیا اس کی بیع جائز ہے اور کھانے کے علاوہ اس کو دوسرے کام میں لانا بھی جائز ہے۔ (درمختار) مگر یہ ضرور ہے کہ مشتری کو اس کے نجس ہونے کی اطلاع دے دے تاکہ وہ کھانے کے کام میں نہ لائے اور یہ بھی وجہ ہے کہ نجاست عیب ہے اور عیب پر مطلع کرنا ضروری ہے۔ ناپاک تیل مسجد میں جلانا منع ہے، گھر میں جلا سکتے ہیں اس کا استعمال اگرچہ جائز ہے مگر بدن یا کپڑے میں جہاں لگ جائے گا، ناپاک ہو جائے گا۔ پاک کرنا پڑے گا۔ بعض دوائیں اس قسم کی بنائی جاتی ہیں جس میں کوئی ناپاک چیز شامل کرتے ہیں۔ مثلاً جانور کا پتہ۔ اس کو اگر بدن پر لگایا تو پاک کرنا ضروری ہے۔

(بہارِ شریعت)

مسئلہ: جس بیع میں مبیع یا ثمن مجہول (نامعلوم) ہو وہ بیع فاسد ہے جبکہ ایسی جہالت

ہو کہ اسے سونپتے وقت جھگڑا پیدا ہو جائے اور اگر مبیع کو سونپنے میں کوئی دشواری نہ ہو تو
بیع فاسد نہیں۔ مثلاً گیہوں کی پوری بوری مثلاً سو روپیہ میں خریدی اور معلوم نہیں کہ
اس میں کتنے گیہوں ہیں۔ یا کپڑے کی گانٹھ خرید لی معلوم نہیں کہ اس میں کتنے تھان
ہیں، یہ بیع درست ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: تیل بیچا اور یہ ٹھہرا کہ برتن سمیت تولا جائے گا اور برتن کا اتنا وزن کاٹ دیا
جائے گا۔ مثلاً ایک سیر، یہ ناجائز ہے اور اگر یہ ٹھہرا کہ برتن کا جو وزن ہے وہ کاٹ دیا
جائے گا۔ مثلاً ایک سیر ہے تو ایک سیر اور ڈیڑھ سیر ہے تو ڈیڑھ سیر۔ یونہی اگر دونوں کو
معلوم ہے کہ برتن کا وزن ایک سیر ہے اور ٹھہرا کہ برتن کا وزن ایک سیر مُجرا کیا جائے گا،
یہ بھی جائز ہے۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: بیع میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقررہ قیمت ادا کرنے کی کوئی مدت مقرر ہوتی
ہے اور کبھی نہیں۔ اگر مدت مقررہ نہ ہو تو ثمن کا مطالبہ بائع جب چاہے کرے اور جب
تک مشتری ثمن نہ ادا کرے مبیع کو روک سکتا ہے اور دعویٰ کر کے وصول کر سکتا ہے
اور اگر مدت مقرر ہے تو قبل مدت مطالبہ نہیں کر سکتا۔ مگر مدت ایسی مقرر ہو جس میں
جہالت (ناواقفی) نہ رہے کہ جھگڑا ہو۔ اور اگر مدت ایسی مقرر کی جو فریقین نہ جانتے ہوں
یا ایک کو اس کا علم نہ ہو تو بیع فاسد ہے۔ مثلاً نوروز، مہرگاں یا ہولی دیوالی کہ اکثر مسلمان
یہ نہیں جانتے کہ کب ہوگی اور جانتے ہوں تو ہو جائے گی مگر مسلمانوں کو اپنے کاموں
میں کفار کے تہواروں کی تاریخ مقرر کرنا بہت بری بات ہے۔ یونہی حاجیوں کی واپسی کا
دن مقرر کرنا، کھیت کٹنے اور پیڑ میں سے غلہ اٹھنے کی تاریخ مقرر کرنا بیع کو فاسد کردے گا
کہ یہ چیزیں آگے پیچھے ہوتی رہتی ہیں۔ (ہدایہ، درمختار)

مسئلہ: مشتری نے مبیع کو واپس دے دیا یعنی بائع کے پاس رکھ دیا کہ بائع لینا چاہے تو
لے سکتا ہے۔ بائع نے اسے لینے سے انکار کر دیا مگر مشتری اس کے پاس چھوڑ کر چلا گیا تو
وہ بری الذمہ ہوگیا۔ وہ چیز اگر ضائع ہوگی تو مشتری تاوان نہیں دے گا اور اگر بائع کے
انکار پر مشتری چیز کو واپس لے گیا تو بری الذمہ نہیں کہ اس صورت میں اسے لے جانا

جائز نہ تھا کہ بیع فسخ ہو چکی اور پھر لے جانا غصب ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: ایک شخص نے دوسرے پر ایک مال کا دعویٰ کیا۔ مدعا علیہ نے دے دیا۔
اس مال سے مدعی نے کچھ نفع حاصل کیا پھر دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ مال
نہیں چاہیے تھا۔ تو جو کچھ نفع اٹھایا ہے مدعی کے لیے حلال ہے۔ (ہدایہ) مگر یہ اس وقت
ہے کہ مدعی کے خیال میں یہی تھا کہ یہ مال میرا ہے اور اگر قصداً غلط طور پر مطالبہ کیا اور
مدعا علیہ نے کسی بھی وجہ سے دے دیا اور اس نے لے لیا تو یہ لینا حرام ہے اور اس کا نفع
بھی ناجائز و خبیث۔ غصب کرنے والے نے جھپٹی ہوئی چیز سے جو کچھ کمایا یا نفع اٹھایا وہ
بھی حرام ہے۔ (فتح القدیر، درمختار)

مسئلہ: مورِث (یعنی مرنے والا جس نے اپنے وارث چھوڑے اس) نے حرام
طریقہ پر مال حاصل کیا تھا اب وارث کو ملا۔ اگر وارث کو معلوم ہے کہ یہ مال فلاں کا ہے
تو دے دینا واجب ہے اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس کا ہے تو مالک کی طرف سے صدقہ کر
دے اور اگر مورث کا مالِ حرام اور مالِ حلال خلط ملط ہو گیا ہے یہ نہیں معلوم کہ کون سا
حرام ہے، کون سا حلال، مثلاً اس نے رشوت لی ہے یا سود لیا ہے اور یہ مالِ حرام، مالِ
حلال سے جدا و ممتاز نہیں ہے تو فتویٰ کا حکم یہ ہے کہ وارث کے لیے حلال ہے اور
دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے بچنا چاہیے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: مشتری پر لازم نہیں ہے کہ بائع سے دریافت کرے کہ یہ مالِ حلال ہے یا
حرام۔ ہاں اگر بائع ایسا شخص ہے کہ حلال و حرام یعنی چوری غصب وغیرہ سب ہی طرح
کی چیزیں بیچتا ہے تو احتیاط یہ ہے کہ دریافت کرے۔ حلال ہو تو خریدے ورنہ خریدنا
جائز نہیں۔ (عالمگیری)

بیع مکروہ کا بیان

بیع سے متعلق جو مسائل آپ نے اب تک پڑھے ان سے بخوبی اس امر کا اندازہ

آپ کو ہوگیا ہوگا کہ اسلامی شریعت ایک ایسا پاکیزہ ماحول ایسا صاف ستھرا اور نکھرا ہوا معاشرہ قائم کرتی ہے جس میں فرد سے لے کر جماعت تک حق پرستی اور خدا ترسی کی جلوہ گری ہو ہر ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی و ہمدردی کا سلوک کرے اور کسی مرحلہ میں بد دیانتی، دھوکا فریب، ملمع کاری اور ناحق ستانی کا وجود باقی نہ رہے۔

بیع مکروہ بھی شرعاً ممنوع ہے اور اس کا کرنے والا گناہ گار، فقہائے کرام نے اس کا مرتبہ اگرچہ بیع فاسد سے کم رکھا ہے۔ پھر بھی حکم یہ دیا ہے کہ ایسی بیع کو فسخ کر دینا چاہیے۔ یہی دیانت کا تقاضہ اور غیرت ایمانی کا مقتضاء ہے۔

بیع فاسد اور بیع مکروہ میں فرق اتنا ہے کہ:

(۱) بیع فاسد کو اگر عاقدین (بائع و مشتری) فسخ نہ کریں تو قاضی جبراً فسخ کر دے گا اور بیع مکروہ کو قاضی فسخ نہ کرے گا۔ بلکہ عاقدین کے ذمہ دیانتاً فسخ کر دینا ہے۔

(۲) بیع فاسد میں قیمت (بازاری نرخ) واجب ہوتی ہے اور بیع مکروہ میں ثمن (طے شدہ بدل) واجب ہوتا ہے۔

(۳) بیع فاسد میں بغیر قبضہ ملک نہیں ہوتی بیع مکروہ میں مشتری قبلِ قبضہ مالک ہو جاتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسائل متعلقہ

مسئلہ: اذانِ جمعہ کے شروع سے ختم نماز تک بیع مکروہ تحریمی ہے اور اذان سے مراد پہلی اذان ہے کہ اسی وقت سعی (نماز کی تیاری) واجب ہو جاتی ہے۔ مگر وہ لوگ جن پر جمعہ واجب نہیں۔ مثلاً عورتیں یا مریض، ان کی بیع میں کراہت نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ: نَجَش مکروہ ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ نجش یہ ہے کہ کوئی مبیع کی قیمت بڑھائے اور خود خریدنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو حالانکہ خریدار واجبی قیمت دے کر خرید رہا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دوسرے گاہک کو رغبت پیدا ہو اور وہ قیمت سے زیادہ دے کر چیز خریدے اور یہ حقیقتاً خریدار کو دھوکا

دینا ہے۔ گاہک کے سامنے مبیع کی تعریف کرنا اور اس کے ایسے اوصاف بیان کرنا جو اس میں نہ ہوں تاکہ خریدار دھوکا کھا جائے یہ بھی نَجَش ہے۔ (ہدایہ وغیرہ)

بعض دکانداروں کے یہاں اس قسم کے آدمی لگے رہتے ہیں۔ گاہک کو دیکھ کر چیز کے خریدار بن کر دام بڑھا دیا کرتے ہیں اور ان کی اس حرکت سے گاہک دھوکا کھا جاتا ہے۔

مسئلہ: خریدار واجبی قیمت سے کم دے کر لینا چاہتا ہے اور ایک شخص غیر خریدار اس لیے دام بڑھا رہا ہے کہ اصلی قیمت تک خریدار پہنچ جائے یہ ممنوع نہیں کہ ایک مسلمان کو نفع پہنچایا ہے بغیر اس کے کہ دوسرے کو نقصان پہنچائے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: ایک شخص کے دام چکا لینے کے بعد، دوسرے کو دام چکانا ممنوع ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بائع و مشتری ایک ثمن پر راضی ہوگئے۔ صرف ایجاب و قبول ہی یا مبیع کو اٹھا کر دام دے دینا ہی باقی رہ گیا ہے دوسرا شخص دام بڑھا کر لینا چاہتا ہے، دام اتنے ہی دے گا مگر دکاندار سے اس کا میل ہے یا یہ دوسرا بااثر ذی وجاہت شخص ہے، دکاندار اسے چھوڑ کر پہلے کو نہیں دے گا۔

اور اگر دام اب تک طے نہیں ہوا ایک ثمن پر دونوں کی رضامندی نہیں ہوتی ہے تو دوسرے کو دام چکانا منع نہیں جیسا کہ نیلام میں ہوتا ہے اس کو بیع من یزید کہتے ہیں۔ یعنی بیچنے والا کہتا ہے کہ جو زیادہ دے وہ لے لے۔ اس قسم کی بیع حدیث سے ثابت ہے۔

پھر جس طرح خریدار کے لیے یہ صورت ممنوع ہے، بائع کے لیے بھی اس کی ممانعت ہے۔ مثلاً ایک دکاندار سے دام طے ہوگئے دوسرا دکاندار کہتا ہے میں اس سے کم دوں گا یا وہ اس کا ملاقاتی ہے کہتا ہے میرے یہاں سے لے لو میں بھی اتنے ہی دوں گا، یہ سب صورتیں ممنوع ہیں۔ (فتح القدیر، ردالمحتار)

مسئلہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تَلَقِّیْ جَلَبْ سے ممانعت فرمائی۔ یعنی باہر سے تاجر جو غلہ لا رہے ہیں ان کے شہر پہنچنے سے قبل، باہر جا کر خرید لینا،

اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اہلِ شہر کو غلہ کی ضرورت ہے اور یہ اس لیے ایسا کرتا ہے کہ غلہ ہمارے قبضہ میں ہوگا، نرخ زیادہ کرکے بیچیں گے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غلہ لانے والے تاجروں کو شہر کا غلط نرخ بتا کر خریدے۔ مثلاً شہر میں گیہوں چالیس روپیہ من ملتے ہیں اس نے کہہ دیا پینتیس روپیہ کا بھاؤ ہے گویا دھوکا دے کر خریدنا چاہتا ہے یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں، اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو ممانعت نہیں۔ (ہدایہ، فتح القدیر)

مسئلہ: احتکار یعنی غلہ روکنا منع ہے اور سخت گناہ۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ گرانی کے زمانہ میں غلہ خریدے اور اسے فروخت نہ کرے بلکہ روک رکھے کہ لوگ جب خوب پریشان ہوں گے تو خوب گراں کرکے بیچوں گا۔

اور اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ فصل میں غلہ خریدتا ہے اور رکھ چھوڑتا ہے۔ کچھ دنوں بعد جب گراں ہو جاتا ہے، بیچتا ہے۔ یہ نہ احتکار ہے نہ اس کی ممانعت ہے۔ (عامہ کتب)

مسئلہ: احتکار انسان کے کھانے کی چیزوں میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اناج انگور بادام وغیرہ اور جانوروں کے چارے میں بھی جیسے گھاس، بھوسہ، خشک و تر چارہ اور دلا ہوا دانہ وغیرہ۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: جو شخص راستہ پر خرید و فروخت کرتا ہے اگر راستہ کشادہ ہے کہ اس کے بیٹھنے یا کاروبار کرنے سے راہ گیروں اور آنے جانے والوں پر تنگی نہیں ہوتی تو حرج نہیں، اور اگر گزرنے والوں کو اس کی وجہ سے تکلیف ہو جائے تو اس سے سودا خریدنا نہ چاہیے کہ گناہ پر مدد دینا ہے۔ کیونکہ جب کوئی خریدے گا نہیں تو بیٹھے گا کیوں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: لوہے، پیتل، تانبے، جست وغیرہ کی انگوٹھی، چھلے، بالیاں، جھومر، نیکلس وغیرہ کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے تو ان کا بنانا اور بیچنا بھی ممنوع ہے۔ ہاں بیع کی ممانعت ویسی نہیں جیسی پہننے کی ممانعت ہے۔ (درمختار وغیرہ)

خرید و فروخت کے متفرق مسائل

مسئلہ: عورت کے دودھ کو بیچنا ناجائز ہے اگرچہ اسے نکال کر کسی برتن میں رکھ لیا ہو۔ (ہدایہ وغیرہ)

مسئلہ: ہاتھی کے دانت اور ہڈی کو فروخت کرنا، اسے خریدنا اور اس سے بنی ہوئی چیز استعمال کرنا جائز ہے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جب تک خرید و فروخت کے مسائل معلوم نہ ہوں کہ کون سی بیع جائز ہے اور کون سی ناجائز اس وقت تک تجارت نہ کرے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: انسان کے پاخانہ کا بیع کرنا ممنوع ہے۔ گوبر کا بیچنا ممنوع نہیں اور انسان کے پاخانہ میں مٹی یا راکھ مل کر غالب ہو جائے جیسے کھاد میں مٹی کا غلبہ ہو جاتا ہے تو بیع بھی جائز ہے اور اس کو کام میں لانا مثلاً کھیت میں ڈالنا بھی جائز ہے اور جب گوبر لید کی بیع جائز ہے اگرچہ دوسری چیز کی ان میں آمیزش نہ ہو تو اپلے (گنڈے) کا بیچنا اور خریدنا یا اس کا استعمال کرنا مکروہ ممنوع نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار) لہٰذا اپلے کا دھواں روٹی میں لگا تو روٹی ناپاک نہ ہوئی۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: جو شخص کوئی چیز بیچ کر رہا ہے اور وہ چیز ایسی ہے کہ اس جیسے شخص کی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً وہ چیز بیش قیمت ہے اور یہ شخص ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اس کی ہوگی تو اس صورت میں اس کی خریداری سے بچنا چاہیے اور اس کے باوجود اگر اس نے خرید ہی لی تو خریدنا جائز ہے کیونکہ خریدار نے اس دلیل شرعی پر اعتماد کرکے خریدا ہے کہ اس کے قبضہ میں ہونا، اس کی مِلک کی دلیل ہے اور اس کے خلاف کوئی بات پائی نہیں گئی۔ (ہدایہ)

مسئلہ: نجس کپڑے کو بیچ سکتا ہے مگر جب یہ گمان ہو کر خریدار اس میں نماز پڑھے

گاتو اس پر ظاہر کردے کہ یہ ناپاک کپڑا ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جتنے میں چیز خریدی، بائع کو اس سے زیادہ کچھ دے دیا تو جب تک یہ نہ کہہ دے کہ یہ زیادتی تمہارے لیے حلال ہے یا یہ کہ میں نے تمہیں اس کا مالک کر دیا اس زیادتی کو لینا جائز نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: خریدنے کے بعد بہت سے لوگ روکھ لیتے ہیں کہ مبیع جتنی طے ہوئی ہے اس سے کچھ زیادہ روکھ مانگنا بھی نہ چاہیے کہ یہ ایک قسم کا سوال ہے اور بغیر حاجت، سوال کی اجازت نہیں۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: اچھے صاف گیہوں وغیرہ میں خاک دھول ملا کر بیچنا ناجائز ہے اگرچہ وہاں ملانے کی عادت ہو۔ (عالمگیری) اسی طرح دودھ میں پانی ملا کر بیچنا یا دوسری استعمالی چیزوں میں غلط سلط چیزیں خلط ملط کر دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ یہ دھوکا بھی ہے۔ ناجائز منافع بھی اور انسانی برادری کو ناحق ایذا دینا بھی۔ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ رزق حلال کی طلب میں رہے اور خدا پر بھروسہ رکھے۔

مسئلہ: اپنی زمین کا غلہ روک لینا احتکار نہیں۔ ہاں اگر یہ شخص گرانی یا قحط کا منتظر ہے تو اس بری نیت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور اس صورت میں بھی اگر عام لوگوں کو غلہ کی حاجت ہو اور غلہ دستیاب نہ ہوتا ہو تو قاضی (حاکم اسلام) اسے بھی بیع کرنے پر مجبور کرے گا اور یہ حکم دے گا کہ اپنے گھر والوں کے خرچ کے قابل غلہ رکھ لے اور باقی فروخت کر دے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: تاجروں نے اگر چیزوں کا نرخ بہت زیادہ کر دیا ہے اور بغیر نرخ مقرر کیے کام چلتا نظر نہ آتا ہو تو اہل الرائے سے مشورہ لے کر قاضی نرخ مقرر کر سکتا ہے اور مقرر شدہ نرخ (کنٹرول پرائس) کے مطابق جو بیع ہوئی یہ بیع جائز ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بیع مکرہ (زبردستی کی خرید و فروخت) ہے کیونکہ یہاں بیع پر اکراہ نہیں۔ قاضی نے اسے بیچنے پر مجبور نہیں کیا۔ اسے اختیار ہے کہ اپنی چیز بیچے یا نہ بیچے۔ صرف یہ کہا ہے کہ

اگر بیچے تو جو نرخ مقرر ہوا ہے اس سے گراں نہ بیچے۔ (ہدایہ) پھر عوام الناس کو نقصان و پریشانی سے بچانے کی صورت اگر یہ اختیار نہ کی جائے تو مفاد پرست، بدن کی کھال بھی نوچ ڈالیں۔

مسئلہ: چھوٹے بچے جن کی پرورش میں ہوں ان کے لیے یہ جائز ہے کہ بچے کے مال سے اس کی ضرورت کے مطابق خرید و فروخت کریں اور ان کے لیے کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات مہیا کریں مگر اس کا خیال رکھیں کہ فضول خرچی نہ ہو ورنہ ان کی گرفت ہوگی۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

قرض کا بیان

بعض ضرورتیں ایسی درپیش آجاتی ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے دوسروں سے قرض لینا پڑتا ہے۔ ضرورت اگر واقعی، ضرورت ہو تو اس کے لیے قرض لینا بھی اور دینا بھی روا۔ احادیث میں وارد ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مال قرض لیا اور جب مال آیا ادا فرمادیا اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تیرے اہل و مال میں برکت دے اور فرمایا قرض کا بدلہ شکریہ اور ادا کر دینا ہے۔ (نسائی) بلکہ قرض مانگنے والا اگر جائز ضرورت کے لیے قرض مانگتا ہے تو اس کی ضرورت بھر، اسے قرض دینا، مستحب اور کارِ ثواب بھی ہے۔ کہ تم دوسروں کے کام آؤ گی۔ خداوند تعالیٰ تمہاری دستگیری فرمائے گا اور تمہارے کام بنائے گا۔ بلکہ قرض لینے والا اگر ادا میں ٹال مٹول کرے تب بھی اس کے حق میں بہتر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کا دوسرے پر حق ہو اور وہ ادا کرنے میں تاخیر کرے تو دینے والا ہر روز اتنے ہی مال کے صدقہ کرنے کا ثواب پائے گا۔ (امام احمد) اس کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ جس سے قرض لو، ادا کرنے کی نیت سے لو۔ وقت پر ادا نہ کر سکو تو نرمی اور خوش اخلاقی سے معذرت کر لو۔ خواہ مخواہ ٹال مٹول نہ کرو۔ ورنہ مفت کا گناہ نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہ جن سے اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی ہے ان

کے بعد اللہ کے نزدیک سب گناہوں سے بڑا یہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر دَین چھوڑ کر مرے اور اس کے ادا کے لیے کچھ نہ چھوڑا ہو۔ (امام احمد)

ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ مالدار کا دَین ادا کرنے میں تاخیر کرنا اس کی آبرو اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ آبرو کو حلال کرنا یہ ہے کہ اس پر سختی کی جائے گی اور سزا کا حلال کرنا یہ ہے کہ قید کیا جائے گا۔

دوسری طرف تنگ دست کو مہلت دینے، اسے معاف کرنے اور خوش اخلاقی سے تقاضہ کرنے والوں کی احادیث میں بڑی تعریف آئی اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو یہ بات پسند ہو کہ قیامت کی سختیوں سے اللہ تعالیٰ اسے نجات بخشے وہ تنگ دست کو مہلت دے یا معاف کر دے۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص تنگ دست کو مہلت دے گا یا اسے معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں رکھے گا۔ (مسلم)

مسئلہ: اب قرضہ سے متعلق کچھ مسائل بھی سن لو تاکہ یہ لین دین بھی شرعی اور اسلامی احکام کی حدود میں رہے۔

مسئلہ: جو چیز قرض لی جائے یا دی جائے اس کا مثلی ہونا ضروری ہے۔ یعنی وہ چیز ماپ کی ہو یا تول کی یا گنتی کی۔ مگر گنتی کی چیز میں شرط یہ ہے کہ اس کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے انڈے، اخروٹ، بادام وغیرہ۔ اور اگر گنتی کی چیز میں اتنا فرق ہو کہ اس کی وجہ سے قیمت میں کمی بیشی ہو جائے جیسے آم، امرود، موسمی اور ایسی ہی دوسری چیز، ان کو نہ قرض دے سکتے ہیں نہ لے سکتے ہیں۔ یونہی ہر قیمتی چیز جیسے جانور مکان زمین ان کو قرض دینا لینا صحیح نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: قرض کا حکم یہ ہے کہ جو چیز لی گئی اس کی مثل ادا کی جائے۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: روٹیوں کو گن کر بھی قرض لے سکتے ہیں اور تول کر بھی۔ اور گوشت وزن کر کے قرض لیا دیا جائے۔ (درمختار)

مسئلہ: آٹے کو ناپ کر قرض لینا دینا چاہیے اور اگر عرف اور معمول، وزن سے قرض لینے کا ہو جیسا کہ عموماً ان علاقوں میں مروج ہے تو وزن سے بھی قرض جائز ہے۔ (عالمگیری) یہی حکم دال، چاول، چینی، شکر، گھی، تیل وغیرہ اشیاء کا ہونا چاہیے۔

مسئلہ: پیسے (یا نوٹ اور ایسے ہی تانبے، پیتل وغیرہ کے سکے جو ادلتے بدلتے رہتے ہیں) قرض لیے تھے اور اب ان کا چلن جاتا رہا تو ویسے ہی پیسے (یا نوٹ وغیرہ) اسی تعداد میں دے دینے سے قرض ادا نہ ہوگا۔ بلکہ ان کی قیمت کا اعتبار ہے مثلاً آٹھ آنے کے پیسے (یا دس بیس پچاس، سو کے نوٹ) قرض لیے تھے تو چلن بند ہو جانے کے بعد اٹھنی یا دوسرا سکہ اس قیمت کا دینا ہوگا۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: ادائے قرض میں چیز کے سستے مہنگے ہونے کا اعتبار نہیں۔ مثلاً دس سیر گیہوں قرض لیے تھے ان کی قیمت اس روز کچھ اور تھی اور ادا کرنے کے دن اس سے کم یا زیادہ ہے تو اس کا بالکل لحاظ نہ کیا جائے گا۔ وہی دس سیر گیہوں دینے ہوں گے۔ (درمختار) اور اگر دونوں قیمت لینے دینے پر راضی ہو جائیں تو اس روز ادائیگی کی قیمت ادا کر دی جائے۔

مسئلہ: قرض دار نے قرض کی چیز پر قبضہ کر لیا تو اس چیز کا مالک ہو گیا۔ فرض کرو کہ ایک چیز قرض لی تھی اور ابھی خرچ نہیں کی ہے کہ اپنی آگئی۔ مثلاً روپیہ قرض لیا تھا اور روپیہ آگیا یا آٹا قرض لیا، پکنے سے پہلے آٹا پاس کر آگیا اب قرض دار کو اختیار ہے کہ اس کی چیز رہنے دے اور اپنی چیز ادا کر دے یا اس کی ہی چیز واپس کر دے، جس نے قرض دیا ہے وہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جو چیز دی تھی وہ تمہارے پاس موجود ہے میں وہی لوں گا۔ (درمختار عالمگیری)

مسئلہ: واپسیٔ قرض میں اس چیز کی مثل دینی ہوگی جو لی ہے نہ اس سے بہتر اور نہ کمتر۔ ہاں یونہی جتنا لیا ہے ادا کرتے وقت اس سے زیادہ دیتا ہے مگر اس کی شرط نہ تھی یہ بھی جائز ہے۔ (درمختار)

مسئلہ: قرض دیا اور ٹھہرالیا کہ جتنا دیا ہے اس سے زیادہ لے گا جیسا کہ آج کل سود خواروں کا قاعدہ ہے کہ روپیہ دو روپیہ سینکڑہ ماہوار سود ٹھہرالیتے ہیں یہ حرام ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جس پر قرض ہے اس نے قرض دینے والے کو کچھ ہدیہ دیا تو لینے میں حرج نہیں جب کہ ہدیہ دینا قرض کی وجہ سے نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہو کہ دونوں میں قرابت یا دوستی ہے۔ یا اس کی عادت ہی ایسی ہے کہ لوگوں کو ہدیہ کیا کرتا ہے۔ اور اگر قرض کی وجہ سے ہدیہ دیتا ہے تو اس کے لینے سے بچنا چاہیے۔ جب تک یہ بات ظاہر نہ ہو جائے کہ قرض کی وجہ سے نہیں ہے، اس کی دعوت کا بھی یہی حکم ہے کہ قرض کی وجہ سے نہ ہو تو قبول کرنے میں حرج نہیں اور قرض کی وجہ سے ہے یا پتا نہ چلے تو بچنا چاہیے۔

اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ قرض نہیں دیا تھا جب بھی وہ دعوت کرتا تھا تو معلوم ہوا کہ یہ دعوت قرض کی وجہ سے نہیں اور اگر پہلے نہیں کرتا تھا اور اب کرتا ہے یا پہلے مہینہ میں ایک بار کرتا تھا اب دوبارہ کرنے لگا یا اب سامانِ ضیافت زیادہ کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قرض کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: ایک نے دوسرے سے کہا کہ مجھے اتنے روپیہ قرض دو، میں اپنی زمین تمہیں عاریت دیتا ہوں جب تک میں روپیہ ادا نہ کروں تم اس کی کاشت کرو اور نفع اٹھاؤ یہ ممنوع ہے۔ (عالمگیری) یونہی مشین وغیرہ کوئی بھی چیز عاریت کے نام سے دینا اور قرض لینا کہ قرض دینے والا اس سے کام لیتا اور نفع اٹھاتا رہے ممنوع ہے۔

تنبیہ: آج کل سود خواروں کا عام طریقہ یہ ہے کہ قرض دے کر مکان یا کھیت رہن رکھ لیتے ہیں، مکان ہے تو اس میں مرتہن (رہن رکھنے والا) سکونت کرتا یا اس کو کرایہ پر چلاتا ہے اور کھیت ہے تو اس کی خود کاشت کرتا ہے یا اجارہ پر دے دیتا ہے اور نفع خود کھاتا ہے یہ سود ہے اور اس سے بچنا لازم۔ (بہارِ شریعت)

ضروری فہمائش

جو دین و دنیا دونوں میں مفید و کار آمد ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے جس طرح سود لینا حرام فرمایا ہے سود دینا بھی حرام کیا ہے۔ حدیثوں میں دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ دونوں برابر ہیں۔

آج کل سود کی اتنی کثرت ہے کہ قرض حسن جو بغیر سودی ہوتا ہے بہت کم پایا جاتا ہے۔ دولت والے کسی کو بغیر نفع روپیہ دینا نہیں چاہتے اور اہلِ حاجت اپنی حاجت کے سامنے اس کا لحاظ بھی نہیں کرتے کہ سودی روپیہ لینے میں آخرت کا کتنا عظیم وبال ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

لڑکے لڑکی کی شادی ختنہ اور دیگر تقریباتِ شادی و غمی میں اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا چاہتے ہیں۔ برادری اور خاندان کے رسوم میں اتنے جکڑے ہوئے ہیں کہ ہر چند کہئے، ایک نہیں سنتے۔ رسوم میں کمی کرنے کو اپنی ذلت سمجھتے ہیں۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو اولاً تو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ ان رسوم کے جنجال سے نکلیں، پاؤں نہ پھیلائیں اور دنیا و آخرت کے تباہ کن نتائج سے ڈریں۔ تھوڑی دیر کی مسرت یا ابنائے جنس میں نام آوری کا خیال کر کے آئندہ زندگی کو تلخ نہ کریں۔

اگر یہ لوگ اپنی ہٹ سے باز نہ آئیں۔ قرض کا بارِ گراں اپنے سر ہی رکھنا چاہتے ہیں بچنے کی سعی نہیں کرتے جیسا کہ مشاہدہ اسی پر شاہد ہے تو اب ہماری دوسری فہمائش ان مسلمانوں کو یہ ہے کہ سودی قرض کے قریب نہ جائیں کہ بانص قرآنی اس میں برکت نہیں اور مشاہدے و تجربے بھی یہی ہیں کہ بڑی بڑی جائیدادیں سود میں تباہ ہو چکی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ اگر قرض سود پر نہ لیا جائے تو بغیر سود، قرض کون دے گا تو اولاً تو اس کا جواب وہی ہے جو اوپر گزرا کہ خاندانی رسوم اور برادری کے معمولات کو نہ دیکھیں، دنیا و آخرت کے وبال کو دیکھیں۔ عذاب دوزخ کے وہ جھٹکے کون برداشت کر سکتا

ہے جو بلاوجہِ شرعی سود پر قرض لینے والوں کے منتظر ہیں۔ ہم نے خود دیکھا کہ ایسے موقعوں پر غریب آدمی نے کھل کر خاندان کے بااثر بزرگوں سے کہہ دیا کہ میں ان رسوم پر عمل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بزرگوں نے مان لیا اور دوسروں کو سمجھادیا اور خاندان والوں نے خوبصورتی سے نبھادیا۔ اس کی عزت بھی رہ گئی اور وبال آخرت سے بھی بچ گیا۔

ثانیاً ہمارے علمائے کرام نے چند صورتیں ایسی تحریر فرمائی ہیں کہ ان طریقوں پر عمل کیا جائے تو سود کی نجاست و نحوست سے پناہ ملتی ہے اور قرض دینے والا جس ناجائز نفع کا خواہش مند تھا اس کے لیے جائز طریقہ پر نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ صرف لین دین کی صورت میں کچھ ردو بدل کرنا پڑے گا مگر ناجائز و حرام سے بچاؤ ہو جائے گا۔ (بہار شریعت وغیرہ) تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ یا بہار شریعت ص۱۱ دیکھیں یا علمائے اہلسنت سے رجوع کریں۔

متفرقات

مسئلہ: یادداشت کے لیے یعنی اس غرض سے کہ بات یاد رہے بعض لوگ رومال یا کمر بند میں گرہ لگا لیتے ہیں یا کسی جگہ انگلی وغیرہ پر ڈورا باندھ لیتے ہیں، یہ جائز ہے اور بلاوجہ ڈورا باندھ لینا مکروہ ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: بعض لوگ کسی بیماری کی وجہ سے پاؤں کے انگوٹھوں میں اس قدر کھینچ کر تاگا باندھ دیتے ہیں کہ وضو یا غسل کرتے وقت پانی کا بہنا درکنار، تاگے کے نیچے کا حصہ تر بھی نہیں ہوتا۔ اس سے بچنا لازم ہے کہ اس صورت میں وضو نہیں ہوتا اور غسل کی حاجت ہو تو غسل نہیں اترتا اور ظاہر ہے کہ اس برائے نام وضو یا غسل سے جو نماز پڑھی جائے گی وہ نماز نہ ہوگی۔ نماز کے لیے طہارت شرط ہے اور یہ حاصل نہ ہوئی۔

(بہارِ شریعت وغیرہ)

مسئلہ: گلے میں تعویذ لٹکانا جائز ہے۔ جبکہ وہ تعویذ جائز ہو یعنی آیاتِ قرآنیہ یا اسمائے الٰہیہ یا ان دعاؤں یا تحریروں پر مشتمل ہو جو بزرگانِ دین سے ماثور و منقول ہیں یا کسی اسم کا نقش مظہر یا مضمر (ہندسوں میں) لکھا جائے اور اگر اس تعویذ میں ناجائز الفاظ لکھے ہوں یا شرک و کفر کے الفاظ پر مشتمل ہوں یا تعویذ دینے والا قابلِ اعتبار آدمی نہیں، حلال حرام اور جائز و ناجائز میں امتیاز نہیں رکھتا تو ایسا تعویذ لکھنا بھی ناجائز ہے اور اس کا لینا اور باندھنا بھی ناجائز اور گناہ ہے۔ عورتیں کہ بعض اوقات تعویذ گنڈوں کے لیے ماری ماری پھرتی ہیں اور غلط جگہ پر پہنچ جاتی ہیں، ان باتوں کا خاص خیال رکھیں ورنہ فائدہ درکنار، الٹا نقصان اٹھائیں گی اور خواہ مخواہ گناہ میں پڑیں گی۔

مسئلہ: ریشم کے کپڑے میں تعویذ سی کر گلے میں لٹکانا یا بازو پر باندھنا مرد کے لیے ناجائز ہے کہ یہ پہننے میں داخل ہے۔ اسی طرح سونے اور چاندی میں رکھ کر پہننا بھی ناجائز ہے اور سونے یا چاندی پر تعویذ کھدا ہوا ہو تو یہ بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے۔

(بہار شریعت)

مسئلہ: سونے چاندی پر کھدے ہوئے تعویذات اور نقوش کو کپڑے میں سی کر استعمال کیا جائے تو اب ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: بعض احادیث میں تعویذوں کے استعمال سے ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو ناجائز الفاظ پر مشتمل ہوں اور جو زمانہ جاہلیت میں کیے جاتے تھے۔

مسئلہ: وہ تعویذات اور آیات و احادیث یا دعائیں جو بزرگانِ دین کے معمولات میں رہیں، رکابی میں لکھ کر مریض کو بہ نیتِ شفا پلانا بھی جائز ہے۔ جُنُب اور حیض و نفاس والی عورتیں بھی تعویذات کو گلے میں پہن سکتی ہیں۔ یونہی مرد بھی بلکہ مردوں میں عموماً تعویذ بازو پر بھی باندھ سکتے ہیں جبکہ تعویذات غلاف میں ہوں۔ (درمختار، ردالمحتار)

مسئلہ: تعویذ اگر غلاف میں ہو یا موم جامہ میں ہو تو اسے پہن کر بیت الخلا میں جانا

مکروہ نہیں پھر بھی اس سے بچنا افضل اور جس انگشتری پر کوئی متبرک نام لکھا ہو، اسے پہن کر بیت الخلاء میں جانا مکروہ ہے اور وقتِ استنجا اس کا اتار لینا بہت ضروری ہے۔
(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: کسی کو سانپ نے یا بچھو نے کاٹا ہو اس کے جھاڑنے کی اجرت لینا، جائز ہے۔ اگرچہ قرآن مجید ہی کی آیت یا سورت پڑھ کر جھاڑتا ہو کہ یہ اجرت بر تلاوت نہیں بلکہ علاج کے قبیل سے ہے۔ حدیث شریف میں ایک صحابی کا سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا اور اس کا اچھا ہو جانا اور ان کا پہلے ہی سے اجرت مقرر کر لینا اور اس کے اچھا ہونے کے بعد لینا، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس معاملہ پیش ہونا اور حضور کا انکار نہ فرمانا بلکہ جائز رکھنا اس کے جائز ہونے کی صریح دلیل ہے۔ (ردالمحتار) اور جب لینا جائز تو دینا جائز یونہی تعویذوں، گنڈوں اور نقوش کا معاوضہ لینا بھی جائز۔

مسئلہ: بچھونے یا مصلّے پر کچھ لکھا ہوا ہو تو اس کو استعمال کرنا، ناجائز ہے۔ یہ عبارت اس کی بناوٹ میں ہو یا کاڑھی گئی ہو یا روشنائی سے لکھی ہو۔ اگرچہ الگ الگ حروف لکھے ہوں کیونکہ حروف مقررہ (حروف تہجی) کا بھی احترام ہے۔ (ردالمحتار) اکثر دسترخوانوں پر جو عموماً بڑی دعوتوں میں استعمال کیے جاتے ہیں، اردو یا فارسی میں اشعار لکھے ہوتے ہیں۔ ایسے دسترخوان کو استعمال میں لانا، ان پر کھانا کھانا نہ چاہیے۔ ہم نے مانا کہ کھانا اتارنے والے کھانا اتارتے وقت احتیاط سے پاؤں رکھیں گے اور لکھی ہوئی جگہ بچالیں گے لیکن کہاں تک پھر اس پر روٹی، سالن کے برتن، ڈونگے، ڈشیں، پلیٹیں وغیرہ تو رکھنے ہی پڑیں گے تو ان حروف کی تعظیم کہاں رہی۔ لہٰذا ان سے دور رہنا ہی ٹھیک ہے یوں ہی بعض لوگوں کے تکیوں پر عشقیہ یا دعائیہ اشعار لکھے ہوتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے کہ استعمال نہ کیا جائے کہ حروف تہجی کی بے ادبی پائی جاتی ہے اور بعض جگہ چادروں پر بھی اشعار لکھے پائے جاتے ہیں۔ ایسی چادروں کا استعمال میں لانا اور بھی زیادہ برا اور ممنوع کہ ان پر آدمی کا پیر بھی پڑے گا۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: کسی سے وعدہ کر کے، اس کا خلاف کرنا شرعاً بہت برا اور بلاوجہ شرعی ہو تو اسے نفاقِ عملی کی علامت قرار دیا گیا ہے لیکن وعدہ پورا کرنے میں کوئی شرعی قباحت تھی، اس وجہ سے پورا نہیں کیا تو اس کو وعدہ خلافی نہیں کہا جائے گا اور وعدہ خلافی کا جو وبال و گناہ ہے وہ اس صورت میں اس پر نہ آئے گا۔ اگرچہ وعدہ کرتے وقت اس نے استثناء (انشاء اللہ تعالیٰ یا کوئی اور کلمہ وغیرہ کہنا) نہ کیا ہو کیونکہ یہاں شریعت کی طرف سے استثناء موجود ہے اس کو زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً تم نے اپنی کسی سہیلی سے وعدہ کیا تھا کہ میں فلاں جگہ مثلاً اپنے ماں باپ یا بھائی یا چچا تایا کے گھر ملوں گی اور وہاں تمہارا انتظار کروں گی، مگر جب وہاں گئی تو دیکھا کہ ناچ رنگ، ڈھول تماشے کی محفل جمی ہوئی ہے یا گھر والے ایسے ہی دوسرے کاموں میں مصروف ہیں جو شرعاً جائز نہیں، اس لیے تم وہاں سے چلی آئیں تو یہ وعدہ خلافی نہیں اور نہ کوئی تم پر وعدہ خلافی کا الزام دے سکتا ہے کہ شریعت ایسے مقامات سے دور بھاگنے کا حکم دیتی ہے نہ کہ وہاں شرکت کرنے اور ایسی محفلوں کی رونق بڑھانے کا۔ (طحاوی شریف وغیرہ)

مسئلہ: بعض کاشت کار اپنے کھیتوں میں کپڑا لپیٹ کر، کسی لکڑی پر لگا دیتے ہیں اور اس سے مقصود، نظر بد سے کھیتوں کو بچانا ہوتا ہے کیونکہ دیکھنے والے کی نظر پہلے اس پر پڑے گی اس کے بعد کھیتی پر، اور اس صورت میں نظر نہیں لگے گی۔ ایسا کرنا، ناجائز نہیں کیونکہ نظر کا لگنا صحیح ہے۔ احادیث سے ثابت ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب اپنی یا مسلمان بھائی کی کوئی چیز دیکھے اور پسند آ جائے تو برکت کی دعا کرے یہ کہے کہ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ یا اردو میں کہہ دے کہ اللہ برکت کرے یا اللہ نظر بد سے بچائے یا ماشاء اللہ وغیرہ کلماتِ طیبہ زبان سے ادا کرے۔ امید ہے کہ اس طرح کہنے سے نظر نہیں لگے گی (ردالمحتار وغیرہ) بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنائیں تو ان کی حفاظت کے لیے یہ کلمے ضرور کہہ دیں۔ انشاء اللہ بچے نظر بد سے محفوظ رہیں گے۔

مسئلہ: ہندوؤں یا نصرانیوں کے استعمالی برتن اگر خریدے یا کسی طرح سے ملے۔

ان میں پاک کیے بغیر کھانا پینا مکروہ ہے جبکہ برتن کا نجس ہونا معلوم نہ ہو اور معلوم ہو تو اس میں کھانا پینا حرام ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

مسئلہ: رافضی کے یہاں کچھ کھانا پینا ہرگز نہ چاہیے کہ وہ اہل سنت کو قصداً نجاست کھلانے پلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ) تو عوام الناس میں جو مشہور ہے کہ رافضی ایسا کرتے ہیں وہ بے اصل نہیں۔

مسئلہ: عجیب و غریب قصے کہانی تفریح کے طور پر سننا سنانا جائز ہے بلکہ جو یقیناً جھوٹ ہوں ان کو بھی سنا جا سکتا ہے جبکہ مقصود ان سے نصیحت ہو کہ سننے والے ان سے عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں جیسا کہ مثنوی شریف وغیرہ میں بہت سے فرضی قصے کہانیاں، وعظ و نصیحت کے لیے درج کیے گئے ہیں۔ اسی طرح طوطا مینا، شیر لومڑی، کچھوا خرگوش اور دوسرے جانوروں بلکہ کنکر پتھر وغیرہ کی باتیں فرضی طور پر بیان کرنا اور سننا بھی جائز ہے مثلاً گلستاں میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے لکھا "گلے خوشبوئے در حمام روزے۔۔۔ الخ۔" کہ مقصود اس کہانی سے بری صحبت سے بچانا اور نیک صحبت میں رہنے کی ترغیب دینا ہے۔ ورنہ کہاں مٹی اور کہاں یہ سوال جواب۔
(درمختار، بہار شریعت وغیرہ)

مسئلہ: ہنسی مذاق میں اگر بے ہودہ باتیں، گالی گلوچ اور کسی مسلمان کی ایذاء رسانی نہ ہو، محض پرلطف اور دل خوش کن باتیں ہوں جن سے اہل مجلس کو ہنسی آئے اور خوش ہوں اس میں حرج نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: تمام زبانوں میں عربی زبان افضل ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہی زبان ہے۔ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ اہلِ جنت کی، جنت میں عربی ہی زبان ہوگی جو اس زبان کو خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے، اسے ثواب ملے گا۔ (درمختار)

یہ جو کہا گیا صرف زبان کے لحاظ سے کہا گیا ورنہ ایک مسلمان کو خود سوچنے کی ضرورت ہے کہ عربی زبان کا جاننا مسلمان کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ قرآن و حدیث

اور دین کے تمام اصول و فروغ اسی زبان میں ہیں۔ اس زبان سے ناواقفی کتنی کمی اور نقصان کی چیز ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: خطبۂ جمعہ میں اردو کے اشعار جو وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوتے ہیں پڑھے جاتے ہیں۔ یہ امر اس سُنّت کے خلاف ہے جو مسلمانوں میں صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک رائج ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں بحمد اللہ تعالیٰ ہزاروں شہر عجمیوں (غیر عرب) کے فتح ہوئے۔ ہزارہا منبر نصب کیے گئے۔ ہزاروں عجمی کہ ہنوز زبان عربی سے واقف نہ تھے، مسجدوں میں موجود ہوتے مگر کہیں منقول نہیں کہ صحابہ کرام نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا ہو یا اس میں دوسری زبانوں کو خلط کر دیا تو پھر اب کیوں ایسا ہو اور عوام کا عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی جب صحابہ کرام کے نزدیک لائق لحاظ نہ تھا اب کیوں قابل قبول ہونے لگا۔ بات یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا ہے۔ عوام کہ نہیں سمجھتے یا نہیں سیکھتے تو قصور ان کا ہے نہ کہ امام و خطیب کا۔ آخر عوام قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے کیا ان کے لیے قرآن، اردو میں پڑھا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ) غرض یہ کہ مسلمان مرد و عورت پر لازم کہ عربی زبان پڑھیں اور سیکھیں۔

مسئلہ: عورت رخصت ہو کر آئی اور عورتوں نے دولہا سے کہہ دیا کہ یہ عورت تمہاری دلہن ہے، اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ اگرچہ یہ خود اسے نہ پہچانتا ہو۔ (درمختار) اسی طرح عورتوں نے شب زفاف (شوہر اور بیوی کی یکجائی کی پہلی رات) میں اس کے کمرہ میں جس عورت کو دلہن بنا کر بھیج دیا، اگرچہ یہ نہیں کہا کہ یہ تمہاری عورت ہے، اس سے صحبت جائز ہے کہ اس کو یوں بنا سنوار کر اور دلہن کی صورت میں مرد کے کمرہ میں پہنچانا ہی اس کی دلیل ہے کہ یہ اس کی دلہن ہے۔ دوسری کسی عورت کو اس طرح کہیں نہیں بھیجا جاتا۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: لڑکی نے ماں باپ کے مال اور اپنی دست کاری سے کوئی چیز جہیز کے لیے تیار کی اور اس کی ماں مرگئی۔ باپ نے وہ چیز جہیز میں دے دی تو اس کے بھائیوں کو یہ

حق نہیں پہنچتا کہ اس چیز میں ماں کی طرف سے وراثت کا دعویٰ کریں۔ یونہی اس کا باپ جو کپڑے لاتا رہا اس میں سے یہ اپنے جہیز کے لیے بنا کر رکھتی رہی، اور بہت کچھ جمع کر لیا کہ باپ مر گیا تو یہ اسباب سب لڑکی کا ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: معاذ اللہ، جو بات ہولناک ہو جیسے سخت آندھی، کڑک، زلزلہ، بارش یا برف لگاتار برسے جانا، دن میں سخت اندھیری یا رات کو خوفناک روشنی۔ ان سب میں مستحب ہے کہ مسلمان مرد و عورت نفل نماز سے اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔
(فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: جب دلہن کو بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر پانی مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں، اس سے برکت ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: عورت کا زوجہ ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ شوہر کو ہر حال میں اس سے صحبت جائز ہو۔ نماز ہے، روزہ ہے، احرام ہے، اعتکاف ہے، حیض ہے، نفاس ہے اور بہت صورتیں ہیں کہ ان میں منکوحہ سے بھی صحبت حرام ہے۔ مثلاً وقت ایسا ہے کہ جماع کے بعد غسل کر کے نماز کا وقت نہ ملے گا تو ایسی صورت میں جماع ہی حرام ہے کہ جان بوجھ کر نماز کو فوت کرنا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: بیٹا باپ کے کام میں اسے مدد دیتا ہے۔ دونوں کے کام سے مال بڑھا تو تمام مال کا مالک صرف باپ ہے، بیٹا فقط مددگار سمجھا جائے گا۔ یونہی اگر زن و مرد میں کام مرد کا ہے اور عورت مدد دیتی ہے تو مال میں حصہ دار نہ ٹھہرے گی۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: باپ کے انتقال کے بعد سب بھائی ترکہ میں مل کر کام کرتے رہے اور مال بڑھا تو وہ سب کا برابر ہے۔ اگرچہ بعض نے کام کم کیا ہو، بعض نے زیادہ۔ بعض نے تدبیریں اچھی بتائی ہوں جن سے نفع ہوا بعض نے نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: کھانے پینے کی چیز جو بچوں کا نام کر کے بھیجتے ہیں، اس میں سے ماں باپ کھا سکتے ہیں کہ اصل مقصود ماں باپ کو بھیجنا ہوتا ہے اور چیز تھوڑی سمجھ کر بچوں کا نام لیا جاتا

ہے۔ ہاں اگر معلوم ہو کہ دینے والے نے واقعی بچہ ہی کو دی ہے۔ ماں باپ کو دینا مقصود نہیں کہ اس میں سے کھانا حرام ہے، مگر یہ کہ محتاج ہوں۔ (البحر الرائق وغیرہ)

مسئلہ: لڑکا بارہ اور لڑکی نو (۹) برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے اور لڑکا لڑکی دونوں (۱۵) برس کامل کی عمر پر ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں۔ ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں یعنی لڑکے خواہ لڑکی کو، سوتے خواہ جاگتے میں، انزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقیناً بالغ و بالغہ ہیں۔ آثار مذکورہ کے علاوہ بغل یا پنڈلی یا پیڑو پر بالوں کا جمنا، یا لڑکے کی داڑھی مونچھ نکلنا، یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، درمختار وغیرہ)

اس مسئلہ کو خوب ذہن نشین کر لیں، بیسیوں موقعوں پر رہنمائی کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔

مسئلہ: جھوٹ اور غیبت معنوی نجاست ہیں ولہٰذا جھوٹے کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ حفاظت کے فرشتے اس وقت اس کے پاس سے دور ہٹ جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے اس کی بدبو کے باعث فرشتہ ایک میل مسافت تک اس سے دور ہو جاتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ایک بدبو کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ یہ ان کے منہ کی سڑاند ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں۔

اور ہمیں جو جھوٹ یا غیبت کی بدبو محسوس نہیں ہوتی اس کی یہ وجہ ہے کہ ہم اس سے مالوف و مانوس ہو گئے ہیں۔ ہماری ناکیں اس سے بھری ہوئی ہیں۔ جیسا کہ چمڑا پکانے والوں کے محلہ میں جو رہتا ہے، اسے اس کی بدبو سے ایذا نہیں ہوتی۔ دوسرا آئے تو اس سے ناک نہ رکھی جائے۔

مسلمان اس بات کو یاد رکھیں اور اپنے رب سے ڈریں۔ جھوٹ اور غیبت ترک کریں۔ کیا معاذ اللہ منہ سے پاخانہ نکلنا کسی کو پسند ہوگا۔ باطن کی ناک کھلے تو معلوم ہو کہ جھوٹ اور غیبت میں پاخانہ سے بدتر سڑاند ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: شراب خور کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں کہ شراب مونچھ کو لگ گئی تو جب تک مونچھیں دھل کر پاک نہ ہو جائیں، پانی وغیرہ جس چیز کو لگے گی ناپاک کر دے گی اور وہ چیز جس کو اس نے پیا جس برتن میں ہوگی وہ برتن بھی ناپاک ہو جائے گا۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ) اللہ تعالیٰ اس خبیث عادت سے تمام مسلمانوں کو بچائے۔

مسئلہ: دوست، احباب، رشتہ دار، سہیلیاں جن میں آپس میں بے تکلفی ہو، وہ ایک دوسرے کے مال میں ایسا تصرف کر سکتے ہیں، جو دوسرے کو ناگوار نہ ہو۔ یونہی اس کے نوکر نوکرانی سے اتنا کام بے ان کی اجازت کے لینا جو انہیں گوارا ہو جائز ہے۔ اور اگر اتنا انبساط اور بے تکلفی نہ ہو تو بغیر اجازت ایک دوسرے کے مال کو استعمال کریں، نہ خدمت گار سے کام لیں اور دوسرے کے چھوٹے بچے سے سہل معمولی کام لینا مثلاً محلّہ میں فلاں کو بلا دو یا یہ بات کہہ آؤ، اس قدر میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: بلاوجہ شرعی وہ بات نہ کہی جائے جو سننے سے بری معلوم ہو، عذر کی حاجت پڑے اور مسلمانوں کو نفرت دلائے۔ یوں ہی بلاوجہ شرعی وہ بات کرنی مکروہ ہے جس سے اس کی غیبت کا دروازہ کھلے۔ حدیث شریف میں تہمت کی جگہ کھڑے ہونے سے بھی ممانعت آئی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: ماں باپ، دادا دادی اپنے بچے سے کام لے سکتے ہیں۔ یا تو یوں کہ وہ محتاج ہیں، نوکر رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا بچے کو ادب دینے، کام سکھانے اور کام کی عادت ڈالنے کے لیے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: آزاد عورت کو حرام ہے کہ کسی نامحرم مرد کے بدن کو ہاتھ لگائے۔ اگرچہ ہاتھ یا پاؤں کو اور مرد پر حرام ہے کہ اسے اس کی اجازت دے یہاں سے مشائخ زمانہ کہ ان کی جوان مریدات، ان کی قدم لیتیں۔ ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتیں، آنکھوں سے لگاتی ہیں۔ ان پر فرض ہے کہ انہیں ان حرکات سے سختی سے روک دیں۔

یوں ہی آزاد عورت کے منہ کی طرف ٹکٹکی، جس میں کان یا گلے یا بالوں کا کوئی ذرہ داخل نہیں اور ہتھیلیاں اور تلوے دیکھنا اگرچہ حرام نہیں مگر اس کے ان مواضع کا بھی

چھونا مطلقاً حرام ہے ولہٰذا شیخ (پیر) کو حرام ہے کہ اجنبی عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت لے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: کھریا مٹی یا ملتانی مٹی یا طین خراسانی یا کوئی اور سوندھی مٹی خوشبودار، خوش ذائقہ کہ حاملہ عورتیں اسے کھاتی ہیں۔ اطباء کے نزدیک سخت نقصان دہ اور شرعاً اس کا کھانا حرام ہے۔ یوں ہی چولہے کی بھٹ اور تنور کا پیٹ ہاں خاک شفا شریف سے تبرکاً قدرے چکھ لینا بہتر ہے۔ جیسے پان میں چونا۔ یہی حکم سیپ کے چونے کا ہے کہ حرام ہے بلکہ جس پان پر وہ چونا لگا ہو، اس کا کھانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: بلاضرورتِ دوا، منہ پر کوئی ایسی چیز سانا جس سے صورت بگڑے، ناجائز و گناہ ہے۔ بعض نوجوان، جو آپس میں کیچڑ سے کھیلتے ہیں، ایک دوسرے کے منہ پر کیچڑ ملتے ہیں یا ہنسی مذاق میں سوتے جاگتے، کسی کے منہ پر کالک لگاتے ہیں۔ یہ سب حرام ہے۔ نوجوان عورتیں اور سہیلیاں بھی شادی بیاہ کے موقع پر ایسی حرکتیں کرتی ہیں، یہ سب حرام ہے۔ ایسی حرکتوں سے بچنا ضروری ولازم ہے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: جس کے کسی پر مثلاً سو (۱۰۰) روپے آتے ہوں کہ اس نے دبائے یا کسی اور وجہ سے ہوئے اور اس سے روپیہ ملنے کی کوئی امید نہیں تو سو روپیہ کی مقدار تک اس کا جو مال ملے، لے سکتا ہے مگر سچے دل سے، بازار کے بھاؤ سے سو ہی روپیہ کا مال ہو، زیادہ ایک پیسہ کا بھی ہوا تو حرام۔ (ردالمحتار وغیرہ)

مسئلہ: ایک شخص نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے، مگر اپنی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اس کی ایذا رسانی کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا غیبت نہیں کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کی اس حرکت سے واقف ہو جائیں اور اس سے بچتے رہیں کیونکہ ایسا نہ ہو کہ اس کی نماز اور روزے سے دھوکا کھا جائیں اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کیا تم فاجر کے ذکر سے ڈرتے ہو، جو خرابی کی بات اس میں ہے بیان کردو تاکہ لوگ اس سے پرہیز کریں اور بچیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

اور ایسے شخص کا حال حاکم وقت تک پہنچانا کہ وہ اسے مناسب سزا دے اور مسلمانوں کو اس کی ایذا رسانی سے بچائے اور یہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے، چغلی اور غیبت میں داخل نہیں۔ (در مختار)

یہ حکم فاسق و فاجر کا ہے جس کے شر سے بچانے کے لیے لوگوں پر اس کی برائی کھول دینا جائز ہے اور غیبت نہیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ بدمذہبوں اور بدعقیدہ لوگوں کا ضرر، فاسق کے ضرر سے بہت زائد ہے۔ فاسق سے جو ضرر پہنچے گا، وہ اس سے بہت کم ہے جو بدعقیدہ لوگوں سے پہنچتا ہے۔ فاسق سے اکثر دنیا کا ضرر ہوتا ہے اور بدمذہب سے تو دین و ایمان کی بربادی کا ضرر ہے اور بدمذہب اپنی بدمذہبی پھیلانے کے لیے نماز، روزہ کی بظاہر بہت پابندی کرتے بلکہ قریہ قریہ، شہر شہر اس کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں تاکہ ان کا وقار لوگوں میں قائم ہو، مسلمانوں کی نگاہوں میں انہیں عزت کا مقام ملے، عوام الناس ان کی طرف مائل ہوں اور پھر یہ اس جال میں عوام الناس کو چال سے پھانس لیں کہ اب جو گمراہی کی بات کریں گے، اس کا پورا اثر ہوگا اور لوگ آسانی سے شکار ہو جائیں گے۔

اور لطف یہ ہے کہ نماز، روزہ کی تبلیغ اعلانیہ کرتے ہیں اور عقیدہ کی تبلیغ اندرونِ خانہ، تاکہ عوام الناس میں بھی ان کا بھرم قائم رہے، حالانکہ عقیدہ عمل پر مقدم ہے۔ عقیدہ درست ہے تو اعمال بھی مقبول اور عقیدہ غلط ہے تو تمام اعمال مردود۔ تو کہنا یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی بدعقیدگی اور بدمذہبی کا اظہار فاسقوں، فاجروں کے فسق و فجور کے اظہار سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کے بیان میں ہرگز دریغ نہ کریں اور یہ خام خیال دل سے نکال دیں کہ کسی کی برائی کر کے ہم غیبت کے گناہ میں کیوں ملوث ہوں۔ غیبت بے شک گناہ ہے مگر ایسوں کی برائی کا اظہار غیبت ہی نہیں۔

آج کل کے بعض نام نہاد صوفی، پیر، عالم اپنا تقدس یوں ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیں کسی کی بُرائی نہیں کرنی چاہیے، ہم سے سب اچھے ہیں۔ ہمارے ہی گناہ کیا کم ہیں کہ ہم دوسروں کی پگڑی اچھالیں اور ان کی غیبت کرتے پھریں۔ یہ بھی شیطانی فریب ہے اور حق کو ناحق میں ملانا ہے۔ اللہ کے بندوں کو گمراہی اور گمراہوں سے بچانا انبیاء کرام کی

سُنّت کریمہ ہے جس کو ناکارہ اور ناقابلِ قبول تاویلوں سے ایسا نام نہاد صوفی، پیر چھوڑنا چاہتا ہے اور مقصود اس سے اس کا یہ ہوتا ہے کہ میں ہر دل عزیز بن جاؤں، کیوں کسی کو اپنا مخالف کروں۔ (بہارِ شریعت وغیرہ)

یوں ہی اولاد کی بے راہ روی کی اطلاع والدین کو شاگرد کی کجروی کی خبر استاد کو دینا اور بیوی کی بدچلنی سے شوہر کو آگاہ کرنا غیبت نہیں۔ انہیں مطلع کیا جا سکتا ہے اور اگر معلوم ہے کہ یہ کسی کا کہنا مانے گا اور اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے گا یا خود اس کے ماں باپ وغیرہ اس پر تہمت جڑ دیں گے تو نہ کہے کہ بلاوجہ عداوت پیدا ہوگی اور انتشار بڑھے گا۔ (در مختار وغیرہ) مگر یہ ضرور ہے کہ ظاہر کرنے سے اس کی بُرائی مقصود نہ ہو بلکہ اصل مقصد یہ ہو کہ وہ لوگ اس بُرائی کی روک تھام کریں تاکہ اس کی بُری عادتیں چھوٹ جائیں۔ اس گئے گزرے دور میں بھی بزرگوں کی کچھ شنوائی ہو ہی جاتی ہے۔

(بہارِ شریعت وغیرہ)

مسئلہ: غیبت جس طرح زبان سے ہوتی ہے، فعل سے بھی ہوتی ہے۔ صراحت کے ساتھ برائی کی جائے یا اشاروں کنایوں میں۔ سب صورتیں حرام ہیں۔ سر وغیرہ کی حرکت سے بھی غیبت ہو سکتی ہے مثلاً کسی کی خوبیوں کا تذکرہ تھا اسے سر کے اشارے سے یہ بتانا چاہا کہ اس میں جو کچھ بُرائیاں ہیں ان سے تم واقف نہیں، یہ بھی غیبت میں داخل ہے۔ یونہی ہونٹوں، آنکھوں، بھوؤں اور زبان یا ہاتھ کے اشارہ سے بھی غیبت ہو سکتی ہے۔ ایسی تمام حرکتوں اور عادتوں سے بچنا چاہیے۔ (در مختار، ردالمحتار وغیرہ) ایک صورت غیبت کی نقل کی ہے بلکہ زبان سے کہہ دینے سے یہ زیادہ برا ہے کیونکہ نقل کرنے میں پوری تصویر کشی اور بات کو سمجھانا پایا جاتا ہے اور کہنے میں وہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ (در مختار)

مسئلہ: ٹڈی حلال جانور ہے، اسے کھانے کے لیے مار سکتے ہیں اور ضرر سے بچنے کے لیے بھی اسے مار سکتے ہیں۔ چیونٹی نے ایذا پہنچائی اور اسے مار ڈالا تو حرج نہیں ورنہ مکروہ ہے۔ جوں کو مار سکتے ہیں۔ اگرچہ اس نے کاٹا نہ ہو اور آگ میں ڈالنا مکروہ ہے اور

جوں کو بدن یا کپڑے سے نکال کر زندہ پھینک دینا طریقِ ادب کے خلاف ہے۔ (عالمگیری) کھٹمل کو مارنا جائز ہے کہ یہ تکلیف دہ کیڑا ہے۔ (بہار شریعت) مگر کھولتا ہوا پانی ڈال کر کھٹمل نہ مارے۔

مسئلہ: مرد کو اجنبیہ عورت کا جھوٹا اور عورت کو اجنبی مرد کا جھوٹا مکروہ ہے۔ زوجین اور محارم (محرم مرد و عورت) کے جھوٹے میں حرج نہیں۔ (درمختار) اور کراہت اس صورت میں ہے جبکہ تلذذ (لذت حاصل کرنے) کے طور پر ہو اور اگر تلذذ مقصود نہ ہو بلکہ تبرک کے طور پر ہو جیسا کہ عالم باعمل اور باشرع پیر کا جھوٹا کہ لوگ اسے تبرک سمجھ کر کھاتے پیتے ہیں، اس میں حرج نہیں۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: اگر جان، مال، آبرو کا اندیشہ ہو، ان کے بچانے کے لیے رشوت دیتا ہے یا کسی کے ذمہ اپنا حق ہے جو بغیر رشوت دیئے وصول نہیں ہوگا اور یہ اس لیے رشوت دیتا ہے کہ میرا حق وصول ہو جائے۔ یہ دینا جائز ہے۔ یعنی دینے والا گنہگار نہیں، مگر لینے والا ضرور گناہ گار ہے اس کو لینا جائز نہیں۔ اسی طرح جن لوگوں سے زبان درازی کا اندیشہ ہو جیسے بعض لچے شہدے ایسے ہوتے ہیں کہ سر بازار کسی کو گالی دے دینا یا بے آبرو کر دینا ان کے نزدیک معمولی بات ہے ایسوں کو اس لیے کچھ دینا تاکہ ایسی حرکت نہ کریں، یہ جائز ہے۔ (درمختار) ہیجڑے، زنخے، گویئے، شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ بالخصوص لڑکے کی پیدائش کے موقع پر آدھمکتے ہیں، انہیں کچھ نہ کچھ دے کر ٹال دینا چاہیے۔ وہ بلا لیے ٹلیں گے نہیں۔ اور جب تک رہیں زبان درازی کرتے رہیں گے تو ایسی بلا کو ٹال دینا ہی عافیت ہے۔

مسئلہ: ماں باپ، دادا دادی جن کی یہ اولاد میں ہے۔ ان میں سے کسی کا نام لے کر پکارنا ممنوع و مکروہ ہے اور خلافِ ادب بھی ہے اور محرومی و بے برکتی کا موجب بھی، یوں ہی عورت کے لیے یہ بات مکروہ ہے کہ وہ شوہر کا نام لے کر پکارے۔ (درمختار وغیرہ) بعض جاہلوں میں یہ بات مشہور ہے کہ عورت اگر شوہر کا نام لے گی تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے، یہ غلط ہے۔ شاید اس لیے گھڑا ہو کہ اس ڈر سے کہ طلاق ہو جائے گی، شوہر کا نام نہ لے

گی۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: مرنے کی آرزو کرنا اور اس کی دعا مانگنا مکروہ ہے جبکہ کسی دنیاوی تکلیف کی وجہ سے ہو مثلاً تنگی سے بسر اوقات ہوتی ہے یا دشمن کا اندیشہ ہے۔ مال جانے کا خوف ہے اور اگر یہ باتیں نہ ہوں بلکہ لوگوں کی حالتیں خراب ہو گئیں، معصیت میں مبتلا ہیں، اسے بھی اندیشہ ہے کہ گناہ میں پڑ جائے گی تو آرزوئے موت مکروہ نہیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: زلزلہ کے وقت مکان سے نکل کر باہر آجانا جائز ہے۔ اسی طرح اگر دیوار جھکی ہوئی ہے گرنا چاہتی ہے تو اس کے پاس سے بھاگنا جائز ہے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: طاعون جہاں ہو، وہاں سے بھاگنا جائز نہیں اور دوسری جگہ سے وہاں جانا بھی نہ چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمزور اعتقاد کے ہوں اور ایسی جگہ گئے اور مبتلا ہو گئے تو ان کے دل میں یہ بات آئے گی کہ یہاں آنے سے ایسا ہوا۔ نہ آتے تو کاہے کو اس بلا میں پڑتے اور بھاگنے میں بچ گیا تو یہ خیال کرے گا کہ وہاں ہوتا تو نہ بچتا، بھاگنے کی وجہ سے بچا۔ ایسی صورت میں بھاگنا اور جانا دونوں ممنوع۔ طاعون کے زمانہ میں عوام سے اکثر اسی قسم کی باتیں سننے میں آتی ہیں اور اگر اس کا عقیدہ پکا ہے، جانتا ہے کہ جو کچھ مقدر میں ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے نہ وہاں جانے سے کچھ ہوتا ہے، نہ بھاگنے میں فائدہ پہنچتا ہے تو ایسے کو وہاں جانا بھی جائز ہے اور نکلنے میں بھی حرج نہیں کہ اس کو بھاگنا نہیں کہا جائے گا اور حدیث میں مطلقاً نکلنے کی ممانعت نہیں بلکہ بھاگنے کی ممانعت ہے۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: کافر کہ عمر بھر کفر کرتا رہے اور مرتے دم تک کفر سے توبہ نہ کی، اس کی مغفرت و بخشش کی دعا ہرگز ہرگز نہ کرے۔ ہاں ہدایت کی دعا کر سکتا ہے۔ (عالمگیری) کہ اللہ اسے راہِ راست پر لائے۔ یوں ہی بدمذہبوں، بے دینوں کے لیے ہدایت کی دعا کرے۔ انہیں مرحوم و مغفور رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کلمات دعائیہ ہرگز زبان سے ادا نہ کرے۔ عقائد کی کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ جو کسی کافر کے لیے اس کے مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کرے، یا کسی مردہ مرتد کو مرحوم یا مغفور یا کسی مُردہ ہندو (سکھ،

عیسائی، نصرانی، پارسی وغیرہ) کو بے کنٹھ باشی (جنتی) کہے وہ خود کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر استقامت اور ایمان و اسلام اور مذہب اہلسنّت پر خاتمہ نصیب فرمائے، آمین۔

مسئلہ: مکان میں پرندے نے گھونسلا لگایا اور بچے بھی دیئے۔ بچھونے اور کپڑوں پر بیٹ گرتی ہے۔ ایسی حالت میں گھونسلا بگاڑنا اور پرند کو بھگا دینا، نہیں چاہیے بلکہ اس وقت تک انتظار کرے کہ بچے بڑے ہو کر اُڑ جائیں۔ (عالمگیری)

مسئلہ: جماع کرتے وقت کلام مکروہ ہے بلکہ بچے کے گونگے یا توتلے ہونے کا خطرہ ہے۔ یوں ہی اس وقت عورت کی شرمگاہ پر نظر نہ کرے کہ بچے کے اندھے ہونے کا خطرہ ہے اور مرد و زن کپڑا اوڑھ لیں۔ جانوروں کی طرح برہنہ نہ ہوں کہ بچے کے بے حیا و بے شرم ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ مسئلہ عورتیں اپنے شوہروں کو بھی بتا دیں۔
(عالمگیری، فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: نمازِ عشاء سے پہلے سونا اور بعد نمازِ عشاء دنیا کی باتیں کرنا، قصے کہانی کہنا، سننا مکروہ ہے۔ ضروری باتیں اور تلاوتِ قرآن مجید اور ذکر اور دینی مسائل اور صالحین کے قصے اور مہمان سے بات چیت کرنے میں حرج نہیں۔ یونہی طلوعِ فجر سے نمازِ فجر تک بلکہ طلوعِ آفتاب تک ذکرِ الٰہی اور خیر کے سوا ہر بات مکروہ ہے۔

(درمختار، ردالمحتار، عالمگیری)

مسئلہ: قمر در عقرب یعنی چاند جب برج عقرب میں ہوتا ہے تو سفر کرنے کو لوگ برا جانتے ہیں اور نجومی اسے منحوس بتاتے ہیں اور جب برج اسد میں ہوتا ہے تو کپڑے قطع کرانے اور سلوانے کو برا جانتے ہیں۔ ایسی باتوں کو ہرگز نہ مانا جائے۔ یہ باتیں خلافِ شرع اور نجومیوں کے ڈھکوسلے ہیں۔ یوں ہی نجوم کی اس قسم کی باتیں جن میں ستاروں کی تاثیرات بتائی جاتی ہیں کہ فلاں ستارہ طلوع کرے گا تو فلاں بات ہوگی۔ یہ بھی خلافِ شرع ہے۔ (بہارِ شریعت)

مسئلہ: حاکم پر لازم ہے کہ نجومیوں، قرعہ وفال والوں کو دکانوں اور راستوں پر نہ بیٹھنے دے اور نہ اس کام کے لیے اسے لوگوں کے گھروں میں جانے دے۔ (شرح فقہ اکبر) جو عورتیں ان کے پاس آتی جاتی اور فال نکلواتی ہیں۔ وہ دوہرے گناہ میں گرفتار ہوتی ہیں۔

مسئلہ: ایک شخص نے کسی کو اذیت پہنچائی۔ اس سے معافی مانگنا چاہتا ہے، مگر جانتا ہے کہ ابھی اسے غصہ ہے معاف نہیں کرے گا۔ معافی مانگنے میں تاخیر کی تو اس تاخیر میں یہ معذور نہیں۔ فرض کرلو اسی حالت میں مرگیا تو اس پر وبال رہے گا۔ ظالم نے مظلوم کو بار بار سلام کیا اور وہ جواب بھی دیتا رہا اور اس کے ساتھ اچھی طرح پیش آیا۔ یہاں تک کہ ظالم نے سمجھ لیا کہ اب وہ مجھ سے راضی ہے یہ کافی نہیں بلکہ معافی مانگنی چاہیے۔
(عالمگیری)

مسئلہ: ماہِ صفر کو جاہلوں میں منحوس سمجھا جاتا ہے۔ اس میں نہ شادی بیاہ کرتے ہیں نہ کوئی اور جائز تقریب بلکہ لڑکیوں تک کو اس ماہ میں رخصت کرنا معیوب و منحوس خیال کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگوں میں اس ماہ کے دوران سفر کرنے سے بھی سخت پرہیز کیا جاتا ہے۔ خصوصاً ماہ صفر کی ابتدائی تیرہ تاریخیں بہت زیادہ نحس مانی جاتی ہیں اور عورتیں ان کو تیرہ تیزی کے نام سے یاد کرتی ہیں بلکہ عورتوں کی زبان میں اس مہینہ ہی کو تیرہ تیزی کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ لَا صَفَرَ۔ صفر کوئی چیز نہیں یعنی لوگوں کا اسے منحوس سمجھنا غلط ہے۔ فقیر نے اپنے ہی قصبہ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ یو۔پی کے ایک مشہور محلے شیش گراں میں علی الصباح دیکھا کہ ہر گھر کے سامنے گھڑے، مٹکے، مٹی کے پیالے اور دوسرے برتن ٹوٹے پڑے ہیں۔ بڑا تعجب ہوا۔ آخر کار اس محلّے کے چند بوڑھوں سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ جواب ملا کہ آج تیرہ تیزی (صفر) کی تیرہ (۱۳) تاریخ ہے۔ برتنوں میں بلائیں اترتی ہیں اسی لیے انہیں توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا جاتا ہے کہ بلائیں ٹلیں۔ فقیر نے خاص اس موضوع پر ایک جمعہ میں بیان کیا کہ وہ بلائیں بھی خوب ہیں کہ چینی، شیشے اور تانبے کے برتنوں میں

نہیں اترتیں اور گھر والے ہی عجیب ہیں کہ قیمتی برتنوں کو بلاؤں سے محفوظ کر لیتے ہیں، مٹی کے برتنوں کی حفاظت نہیں کر پاتے۔ آخر کار آہستہ آہستہ وہ رواج ختم ہونا شروع ہوا۔

مسئلہ: ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ ہندوستان و پاکستان میں بہت منایا جاتا ہے۔ لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں۔ سیر و تفریح و شکار کو نکل جاتے ہیں۔ قافلوں کی شکل میں خاندان و گھرانے کے افراد، باغوں، دریاؤں کے کناروں یا ایسی ہی دوسری تفریح گاہوں میں ڈیرا جما دیتے ہیں۔ پوریاں بکتی ہیں۔ کڑاہیاں چڑھتی ہیں۔ پکوان تیار ہوتا ہے۔ پھر سب مل کر کھاتے پیتے ہیں۔ نہاتے دھوتے ہیں، خوشیاں مناتے اور دھماچوکڑی مچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس روز غسلِ صحت فرمایا تھا اور بیرون مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرض وفات شریف شدت کے ساتھ تھا۔ یہ باتیں خلافِ واقع ہیں۔ (بہار شریعت وغیرہ)

مسئلہ: بالخصوص عورتیں ذی قعدہ کے مہینے کو بھی بہت بُرا جانتی ہیں اور ان کی زبان میں اس مہینہ کا نام ہی ہے "خالی کا مہینہ۔" گویا یہ تمام برکتوں سے خالی مہینہ ہے اور اسی لیے شادی بیاہ اور رخصتی جیسے اہم امور بھی اس مہینے میں انجام نہیں پاتے۔ یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں۔ یوں ہی ہر ماہ کی ۳، ۱۳، ۲۳ اور ۸، ۱۸، ۲۸ تاریخیں بھی منحوس خیال کی جاتی ہیں۔ یہ بھی محض لغو ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جاہلوں کا یہ جادو پڑھے لکھے خاندانوں میں بھی چل گیا ہے اور ایسا کہ لاکھ سمجھاؤ، بات سمجھنے کا نام نہیں لیتیں، سن لیں گی مگر کریں گی وہی جو ان کے دماغوں پر مسلط ہے۔

روز مرہ زندگی سے متعلق چند اور مسائل

مسئلہ: بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ تانبے کے برتن سے وضو کرنا ناقص ہے

حالانکہ تانبے کے برتن سے وضو کرنا، اس میں کھانا پینا سب بلا کراہت جائز ہے۔ وضو میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ ہاں قلعی کے بعد چاہیے۔ بے قلعی برتن میں کھانا پینا مکروہ ہے کہ جسمانی ضرر کا باعث ہے اور مٹی کا برتن تانبے سے افضل ہے۔ علماء نے وضو کے آداب و مستحبات سے شمار فرمایا کہ مٹی کے برتن سے ہو اور اس میں کھانا پینا بھی تواضع (وانکسار) سے قریب تر ہے۔ حدیث میں ہے جو اپنے گھر کے برتن مٹی کے رکھے، فرشتے اس کی زیارت کریں۔ (فتاویٰ رضویہ، ردالمحتار)

مسئلہ: کھانا کھاتے وقت جوتا اتار لینا سُنّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جب کھانا کھانے بیٹھو تو جوتے اتار لو کہ اس میں تمہارے پاؤں کے لیے راحت ہے اور یہ اچھی سنت ہے۔ ہاں جوتا پہنے کھانا اگر اس عذر سے ہو کہ زمین پر (اکڑوں) بیٹھا کھا رہا ہے اور فرش نہیں تو صرف ایک سُنّتِ مستحبہ کا ترک ہے۔ اس کے لیے بہتر یہی تھا کہ جوتے اتار لیتا، اور اگر میز پر کھانا ہے اور یہ خود کرسی پر تو یہ وضع خاص نصاریٰ کی ہے۔ اس سے دور بھاگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد کرے کہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے (یعنی انہیں کے طور طریق اپنائے) وہ انہیں میں سے ہے۔ اور کھڑے ہو کر کھانا پینا جس کا آج کل فیشن چل نکلا ہے خلافِ سُنّت و خلافِ آدابِ طعام ہونے کے علاوہ پورا اتباعِ نصاریٰ کا ڈھانچہ ہے۔ مغربی تہذیب کے متوالے، اسلامی طور و طریق چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں جبکہ یہ راستہ جہنم کا راستہ ہے۔

مسئلہ: کھانا کھاتے وقت روٹی کے چار ٹکڑے اس نیت سے کرنا کہ دوسرے انہیں سنی مسلمان، چاروں خلفاء کے ماننے والے، چاروں کی خلافت کو حق جاننے والے سمجھیں اور بچوں کے دلوں میں بھی یہ عقیدہ راسخ ہو جائے کہ چاروں خلفاء کا ماننا فرض ہے تو اس میں حرج نہیں۔ بلکہ اگر رافضیوں کے سامنے ان کے چڑانے کو چار کریں تو یہ نیت محمود ہے اور انشاء اللہ اس پر ثواب پائے گا۔ ہاں جو سنی مسلمان ایسا نہ کرے اسے عیب لگانا، خود معیوب ہے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: پان میں تمباکو کا استعمال اگر اس حد تک ہو کہ نقصان پہنچے اور حواس میں خلل پڑے، حرام ہے اور اس طرح کہ منہ سے بدبو آنے لگے مکروہ۔ اور اگر تھوڑا تمباکو خصوصاً مشک وغیرہ سے خوشبو کر کے پان میں کھائیں اور ہر بار کھا کے کلیوں سے خوب منہ صاف کر لیں کہ بو نہ آنے پائے تو خالص مباح ہے۔ بو کی حالت میں کوئی وظیفہ نہ چاہیے۔ منہ اچھی طرح صاف کرنے کے بعد ہو اور قرآن کریم تو حالت بدبو میں پڑھنا اور بھی سخت ہے۔ تلاوت کے وقت ضرور منہ بالکل صاف کر لیں۔ فرشتوں کو قرآنِ عظیم کا بہت شوق ہے اور عام ملائکہ کو تلاوت کی قدرت نہ دی گئی۔ جب مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے فرشتہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ کر تلاوت کی لذت لیتا ہے اور جو آیت اس کے منہ سے نکلتی ہے، فرشتے کے منہ میں داخل ہوتی ہے۔ اس وقت اگر منہ میں کھانے کا کسی چیز کا لگاؤ ہوتا ہے، فرشتے کو ایذا ہوتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

مسئلہ: بیڑی سگریٹ اور حقہ پینا جیسا کہ تمام شہروں یہاں تک کہ علماء و فضلاء میں رائج ہے، اور عرب و عجم، مشرق و مغرب کے عام مسلمانوں میں مروج ہے اور جن کا چرچا آج کل عوام و خواص میں شائع ہے، شرعاً جائز و مباح ہے۔ ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ ہے نہ کراہت کی۔ اگرچہ ان کی بو طبیعت کو ناپسند ہے تو یہ طبعی مکروہ ہو سکتا ہے، شرعاً مکروہ نہیں۔ ہاں اگر ان کو نشہ لانے کی غرض سے خاص طور پر پیا جائے اور اس سے عقل میں فتور پیدا ہو اور جسمانی نقصان پہنچے تو یہ خاص صورت ضرور ناجائز و حرام ہو گی۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: کبوتر پالنا جائز ہے جبکہ دوسروں کے کبوتر نہ پکڑے بلکہ بعض احادیث میں سرخ کبوتروں کے پالنے پر برکت کا وعدہ آیا ہے اور کبوتر اڑانا کہ گھنٹوں ان کو اترنے نہیں دیتے اور انہیں بھوکا پیاسا اڑنے پر مجبور کرتے ہیں، حرام ہے۔ پھر دیکھا گیا ہے کہ کبوتر اڑانے والے کبوتر اڑانے کے لیے مکانوں کی چھتوں پر بھی چڑھتے ہیں، اگر ایسا ہے تو اور بھی زیادہ حرام۔ ظاہر ہے کہ اب اس کی نظریں دوسروں کے مکانوں، کمروں، صحنوں میں بھی پڑیں گی اور عموماً ان میں عورتیں، بوڑھی، جوان، بیاہی، بن بیاہی رہتی

ہیں تو یہ ان کی بے پردگی بھی ہوئی اور یہ اس کا خیال نہیں کرتا تو اس کی بے شرمی اور بے حسی بھی۔ ایسے کو اس شنیع و قبیح حرکت سے سختی سے منع کیا جائے اور اہلِ محلّہ اس سے سخت بازپُرس کریں اور اب یہ زمانہ تو نہیں کہ خود سزا دیں لہٰذا حکومت کو مطلع کریں۔ اب حکومت کے کارندے اس کے تمام کبوتر جنہیں وہ اڑاتا اور ان کے اڑانے کے لیے ان پر کنکریاں پھینکتا اور دوسروں کو ناحق ایذا دیتا تھا، ذبح کر کے خود اسی کو دے دیں کہ کھائے اور کھلائے تاکہ اڑانے کا یہ سلسلہ ہی منقطع ہو جائے۔ دوسروں کو عبرت بھی ہو اور عورتیں اس کی بد نگاہی سے بھی بچیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: مردوں کو دیکھا دیکھی اب عورتیں بھی تاش و شطرنج کھیلنے لگی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں کام مردوں کے لیے ناجائز ہیں تو عورتوں کے لیے ناجائز تر اور تاش کھیلنا شطرنج سے بھی زیادہ بُرا کہ اس میں تصاویر بھی ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

مسئلہ: اندھے سے پردہ ویسا ہی ہے جیسا آنکھ والے سے اور اس کا گھر میں جانا، عورت کے پاس بیٹھنا ویسا ہی ہے جیسا آنکھ والے کے پاس بیٹھنا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔

مسئلہ: آج کل یورپ کی تقلید کی کچھ ایسی ہوا چلی ہے اور مسلمانوں پر یورپ کی تہذیب کا کچھ ایسا بھوت سوار ہے کہ کھانے پینے، پہننے، رہن سہن میں اسی گندی تہذیب کی گندگیاں جگہ جگہ نظر پڑتی ہیں۔ انگریزوں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں بھی چھری کانٹے سے کھانے کا رواج آتا جا رہا ہے۔ عموماً بڑے گھرانے ہی اس تہذیب کا جلدی شکار ہو جاتے ہیں۔ شرعاً یہ نہایت مذموم طریقہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ گوشت کو دانت سے نوچ کر کھاؤ کہ یہ خوشگوار اور زود ہضم ہے اور اگر بوجہ ضرورت چھری سے گوشت کاٹ کر کھایا جائے مثلاً گوشت اتنا گلا ہوا نہیں ہے کہ ہاتھ سے توڑا یا دانتوں سے نوچا جا سکے یا مثلاً مسلم ران بھنی ہوئی ہے کہ دانتوں سے نوچنے میں دقت ہو گی تو اب چھری سے کاٹ کر کھانے میں حرج نہیں۔ اسی قسم کے بعض مواقع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چھری سے کاٹ کر تناول فرمانا آیا ہے۔ اس سے آج کل کے

چھری کاٹنے سے کھانے کی دلیل لانا صحیح نہیں۔

یوں ہی ضرورت ہو تو روٹی کو بھی چھری سے کاٹنا درست ہے۔ مثلاً ڈبل روٹی کو چھری سے کاٹ کر اس کے ٹکڑے کر لیے جاتے ہیں تو حرج نہیں۔ یا دعوتوں میں شیرمال کے دو دو یا چار چار ٹکڑے کر لیے جاتے ہیں تاکہ برباد نہ ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔
(بہار شریعت وغیرہ)

اور روٹی کو دانت سے کاٹ کر کھانا حد درجہ معیوب اور بے برکتی کا باعث ہے۔ یوں ہی کھڑے کھڑے کھانا کہ سنت نصاریٰ بھی ہے۔

مسئلہ: کھانا کھاتے وقت اگر کوئی آجاتا ہے تو رواج یہ ہے کہ اسے کھانے کو پوچھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ آؤ کھانا کھاؤ۔ اگر نہ پوچھیں تو طعن کرتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا تک نہیں۔ یہ بات یعنی دوسرے مسلمان کو کھانے کے لیے بلانا اچھی بات ہے مگر بلانے والے کو یہ چاہیے کہ یہ پوچھنا محض نمائش کے لیے نہ ہو بلکہ دل سے پوچھے بلکہ اگر اسے کوئی معقول عذر نہ ہو تو اصرار کر کے کھلائے کہ مفت کا ثواب ہاتھ آتا ہے وہ کھائے گا تو تمہارے خوان پر اپنا رزق کھاتا ہے تو تمہارے لیے مقام شکر ہے۔ یہ بھی رواج ہے کہ جب پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے "بسم اللہ" یہ نہ کہنا چاہیے۔ یہاں "بسم اللہ" کہنے کے کوئی معنی نہیں کہ مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ہی کھانا شروع کرتا ہے اور وہ پڑھ چکا۔ علماء کرام نے اس موقع پر بسم اللہ کہنے کو بہت سخت ممنوع فرمایا بلکہ ایسے موقع پر دعائیہ الفاظ کہنا بہتر ہے۔ مثلاً بارک اللہ یا اردو میں کہہ دے اللہ تعالیٰ برکت دے، زیادہ دے۔
(بہار شریعت وغیرہ)

اور بزرگوں کا معمول یہ ہے کہ کھانے سے فارغ ہو کر یہ کہتے ہیں کہ کھانا بڑھاؤ یا برتن بڑھاؤ۔ کھانا یا برتن اٹھاؤ نہیں کہتے۔ کھانا بڑھنا یا برتن بڑھنا کھانے میں برکت اور فراخی و وسعت کی ضمناً دعا ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: پانی، نمک اور آگ کا منع کرنا حلال نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جس نے نمک اور آگ دے دی، گویا اس کے اس تمام کھانے کو صدقہ کیا جو اس آگ

اور نمک سے درست کیا گیا اور جس نے مسلمانوں کو اس جگہ پانی کا گھونٹ پلایا جہاں پانی ملتا ہے تو گویا گردن کو آزاد کیا اور جس نے مسلمان کو ایسی جگہ پانی کا گھونٹ پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تو گویا اس نے اسے زندہ کر دیا۔ (ابن ماجہ) تو جتنا ثواب پانی دینے پر ہے بلاوجہ شرعی پانی نہ دینے پر اتنا ہی وبال بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے پانی نہ پلانا شقاوت کی نشانی ہے۔ اور آگ کے قائم مقام آج کل دیا سلائی یا لائٹر قسم کی چیزیں بھی ہیں۔

مسئلہ: ایسی چھوٹی چھوٹی چیزیں جو عادتاً ہمسائے ایک دوسرے سے مانگتے رہتے ہیں اور ان کا مانگنا بری یا ذلت کی بات بھی نہیں سمجھی جاتی کیونکہ امیر و غریب سب ہی کو کسی نہ کسی وقت ان کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے اور ہمسائے ایک دوسرے سے عاریتاً لے کر عموماً جوں کی توں واپس کر دیا کرتے ہیں۔ ایسی چیزوں کو دینے سے بخل برتنا اخلاقاً ایک ذلیل اور گری ہوئی بات سمجھا جاتا ہے اور بات ہے بھی ایسی ہی کہ یہ حرکتیں وہی کرتے ہیں جن کے دل مخلوق خدا کی ہمدردی سے اس قدر خالی ہیں کہ کسی کی معمولی سی اعانت بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی بلکہ گراں گزرتی ہے۔ ایسوں کی برائی کا ذکر سورۃ الماعون میں بھی آیا ہے۔

مسئلہ: مغربی تہذیب کے متوالوں یا ان کے ریس کرنے والوں میں بدستور یہ ہے کہ بالخصوص کھانا کھاتے وقت دائیں ہاتھ سے پانی پینا خلاف تہذیب جانتے ہیں۔ ان کی یہ تہذیب، تہذیب نصاریٰ تو کہی جا سکتی ہے، اسلامی تہذیب یہ ہے کہ پانی بسم اللہ کہہ کر دہنے ہاتھ سے بیٹھ کر پئے اور تین سانس میں پئے اور ہر مرتبہ برتن سے منہ ہٹا کر سانس لے۔ پہلی اور دوسری مرتبہ ایک گھونٹ پئے اور تیسری سانس میں جتنا چاہے، پی لے۔ اس طرح پینا خوشگوار بھی ہے اور زود ہضم بھی۔

گلاس میں بچے ہوئے پانی کو اگرچہ وہ صاف ستھرا ہو، لوگ جھوٹا کہہ کر پھینک دیتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کی تہذیب ہے۔ اسلام میں چھوت چھات نہیں، مسلمان کے جھوٹے سے بچنے کے کوئی معنی نہیں بلکہ یہ خواہ مخواہ صاف اور قابل استعمال پانی کو ضائع کرنا اور اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔

مسئلہ: بچوں کو بسم اللہ پڑھانے کے موقع پر چاندی کی دوات، قلم اور تختی لاکر رکھتے ہیں۔ یہ چیزیں استعمال میں نہیں آتیں بلکہ پڑھانے والے کو دے دیتے ہیں۔ اس میں حرج نہیں۔ (بہار شریعت) بلکہ بہتر ہے کہ احسن طریقہ پر ایک مسلمان کی جو قابل عزت و لائق تعظیم ہے اعانت بھی ہوگی اور دینے والے کی قلبی مسرت کا سامان بھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ریا نہ آنے پائے۔

مسئلہ: جب لڑکے اور لڑکی کی عمر دس سال کی ہو جائے تو ان کو الگ الگ سلانا چاہیے۔ یعنی لڑکا جب اتنا بڑا ہو جائے تو اپنی ماں، بہن یا کسی عورت کے ساتھ نہ سوئے اور لڑکی جب اس عمر تک پہنچ جائے تو وہ اپنے باپ، بھائی یا کسی اور مرد کے پاس نہ سوئے بلکہ میاں بیوی جب ایک چارپائی پر سوئیں تو دس برس کے بچے کو خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اپنے ساتھ نہ سلائیں۔ (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: اگر ایسے مکان میں جانا ہو کہ اس میں کوئی نہیں تو یہ کہنا چاہیے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ سلام ہم پر اور اللہ کے صالح بندوں پر۔

فرشتے اس سلام کا جواب دیں گے۔ (درمختار) یا اس طرح کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ۔ اے اللہ کے نبی آپ پر سلام۔

کیا عجب کہ یہ سلام قبول ہو جائے اور جواب میں سلامتیوں اور رحمتوں سے نوازا جائے کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہے۔ (مرقاۃ)

مسئلہ: اکثر جگہ بالخصوص عورتوں میں یہ طریقہ ہے کہ چھوٹا جب بڑے کو سلام کرتا ہے تو جواب میں کہہ دیتا ہے "جیتے رہو۔" یہ سلام کا جواب نہیں بلکہ یہ جواب زمانہ جاہلیت میں کفار دیا کرتے تھے، وہ کہتے تھے:

حَيَّاكَ اللّٰهُ۔ یعنی اللہ تمہیں جیتا رکھے۔

اسلام نے یہ بتایا کہ جواب میں وعلیکم السلام کہا جائے۔ اگرچہ کسی نے کہا سلام تو

سلام کہہ دینے سے بھی جواب ہو جائے گا۔ (بہار شریعت وغیرہ)

مسئلہ: بہت لوگ چھینک کو بدفالی خیال کرتے ہیں۔ مثلاً آدمی کسی کام کے لیے جا رہا ہے اور کسی کو چھینک آگئی تو سمجھتے ہیں کہ اب وہ کام پورا نہیں ہوگا۔ یہ جہالت ہے کہ بدفالی کوئی چیز نہیں اور ایسی چیز کو بدفالی کہنا جس کو حدیث میں شاہد عدل (سچا گواہ) فرمایا اور بھی سخت غلطی ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: چھت پر چڑھنے میں دوسروں کے گھروں میں نگاہ پہنچتی ہے تو وہ لوگ چھت پر چڑھنے سے منع کر سکتے ہیں جب تک پردہ کی دیوار نہ بنوالے یا کوئی اور ایسی چیز نہ لگالے، جس سے بے پردگی نہ ہو اور اگر دوسرے لوگوں کے گھروں میں نظر نہیں پڑتی، مگر وہ لوگ جب چھت پر چڑھتے ہیں تو سامنا ہوتا ہے تو اس کو چڑھنے سے منع نہیں کر سکتے بلکہ مستورات کو یہ چاہیے کہ وہ خود چھتوں پر نہ چڑھیں تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ (درمختار)

مسئلہ: کسی کے مال پر دباؤ اور دھونس سے علانیہ، اس کے قبضہ کو ہٹا کر اپنا قبضہ میں لے لینا غصب کہلاتا ہے اور حدیث شریف میں فرمایا کہ جو شخص پرایا مال لے گا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھی ہو کر ملے گا۔ (طبرانی)

مسئلہ: اپنا کام نکالنے کے لیے ایک نے دوسرے سے کوئی چیز عاریتاً (مانگ) لی اور وہ چیز ہلاک ہو گئی تو اگر اس نے اس سے اسی طرح کا کام لیا جو کام کا طریقہ ہے اور چیز کی حفاظت کی اور اس پر جو خرچ کرنا مناسب تھا، خرچ کیا تو ہلاک ہونے پر تاوان نہیں۔ اگرچہ عاریت دیتے وقت یہ شرط کرلی ہو کہ ہلاک ہونے پر تاوان دینا ہوگا کہ یہ شرط باطل ہے۔ (البحرالرائق)

مسئلہ: کسی کو کوئی چیز بلاعوض ہبہ یا بخشش کے طور پر دینے کے بعد واپس لینا بہت بری بات ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا اس کی مثال ایسی ہے جس طرح کتا قے کر کے پھر چاٹ لے۔ لہٰذا مسلمان کو اس سے بچنا ہی چاہیے۔ بعض اوقات بعض لوگ اوچھے پن

پر اتر کر ایسا مطالبہ کر بیٹھتے ہیں کہ لاؤ، ہماری فلاں چیز واپس کرو- یہ بڑی اوچھی اور گری ہوئی حرکت ہے-

مسئلہ: آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت سی عورتیں، دوسرے کے برتنوں کو جن میں کوئی چیز بطور تحفہ و ہدیہ آئی اور اس وقت برتن کسی وجہ سے واپس نہ کیے گئے، بلا تکلف اپنے گھر میں استعمال کر لیتی ہیں، حالانکہ ان کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں، وہ اس کے پاس امانت کے طور پر ہیں- (عالمگیری)

مسئلہ: عورت نے ایسے شخص کی ملازمت کی جو بال بچوں والا ہے- اس میں حرج نہیں جیسا کہ عموماً شہروں میں کھانا پکانے اور گھر کے کاموں کے لیے مامائیں نوکر رکھی جاتی ہیں، مگر یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مرد کو اس کے ساتھ تنہائی نہ ہو-

مسئلہ: ناواقف مسلمان مردوں اور عورتوں میں یہ مسئلہ بہت مشہور ہے کہ قطب کی طرف پاؤں نہ پھیلانا چاہیے- قطب عوام میں ایک ستارے کا نام ہے کہ قطب شمالی کے قریب ہے تو ستارے تو چاروں طرف ہیں کسی طرف پاؤں نہ پھیلائیں تو آدمی کرے کیا؟ ہاں اگر یہ خیال کرے کہ ان علاقوں میں جانب شمال میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اقدس ہے اور اس لیے پاؤں ادھر نہ پھیلائے تو اسے لغو حرکت نہ کہنا چاہیے-

مسئلہ: تنکے سے خلال کرنا سنت ہے اور خلال کرنے میں جو کچھ دانتوں سے ریشہ وغیرہ نکلا، بہتر ہے کہ اسے پھینک دے اور نگل گئی تو اس میں بھی حرج نہیں- پھول اور میوے کے تنکے سے خلال نہ کرے بلکہ خلال کے لیے نیم کی سینک بہت بہتر ہے کہ اس کی تلخی سے منہ کی صفائی ہوتی ہے اور یہ مسوڑوں کے لیے بھی مفید ہے- جھاڑو کی سینکیں بھی اس کام میں لا سکتے ہیں جبکہ وہ کوری ہوں، مستعمل نہ ہوں-
(عالمگیری، بہار شریعت)

مسئلہ: سفر پر جانے والے کے بازو پر امام ضامن کا پیسہ باندھا جاتا ہے- اس کی

حقیقت نہیں- (الملفوظ ۳) مسافر کو نیک دعاؤں سے رخصت کرو اور برابر دعائے خیر میں یاد رکھو- ہاں امام ضامن علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کی فاتحہ دلا دی جائے تو امید رکھنی چاہیے کہ خداوند تعالیٰ، امام علی رضا اور دوسرے ائمہ و بزرگانِ دین کے طفیل اسے اپنی امان و ضمان میں رکھے- واللہ اعلم-

مسئلہ: بچہ پیدا ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا جائے کہ نہلا کر اذان و اقامت بچہ کے کان میں کہہ دی جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ بچہ "ام الصبیان" سے (کہ ایک خبیث بلا ہے) عمر بھر محفوظ رہتا ہے- (الملفوظ، حصہ سوم)

مسئلہ: کوئی نامحرم نہ ہو اور گھر کے اندر رہوں اور گانا نہ گائیں تو عورتوں کے واسطے بھی جھولا جھولنا جائز ہے کہ یہ بدن کی ریاضت ہے- بعض امراض میں اطباء مفید بتاتے ہیں- (الملفوظ ۳)

مسئلہ: آفتاب کے غروب ہونے کے بعد چاند جب روشن ہوتا ہے، اس وقت سرکش جن زمین پر منتشر ہوتے ہیں- اسی واسطے حدیث میں آیا ہے اپنے بچوں کو روکے رکھو مغرب سے عشاء تک، یعنی گھر سے باہر نہ نکلنے دو-

مسئلہ: کامدار جوتے پر اگر جھوٹا کام ہو تو مطلقاً مکروہ ہے حتیٰ کہ عورتوں کو بھی اور اگر سچا ہے تو چار انگل سے کم مردوں کو جائز ہے- اس سے زیادہ نہیں اور عورتوں کو مطلقاً جائز ہے- (درمختار وغیرہ)

مسئلہ: عصر کے بعد کھانے پینے سے بہت سے مرد اور عورتیں پرہیز کرتی ہیں، یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں- البتہ صوفیاء کا طریقہ رہا کہ ان کے نزدیک رات طالبان حق کی عید ہے اور عید سے پہلا روزہ ہوتا ہے تو عصر و مغرب کے مابین کو وہ روزہ کی طرح گزارتے ہیں اور شب بیداری میں مصروف رہتے ہیں- اگر یہی نیت رکھی جائے کہ بزرگوں کا اتباع مقصود ہے تو کوئی حرج نہیں-

مسئلہ: سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا اور ان پیالیوں سے تیل لگانا یا ان کے

عطردان سے عطر لگانا یا ان کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا، ان کے آئینہ میں منہ دیکھنا، ان کے قلم دوات سے لکھنا مرد عورت دونوں کے لیے منع ہے۔ عورتوں کو سونے چاندی کے زیور پہننے کی اجازت ہے۔ زیور کے سوا دوسری طرح سونے چاندی کا استعمال مرد و عورت دونوں کے لیے ناجائز ہے۔ سونے چاندی کی آرسی پہننا عورت کے لیے جائز ہے مگر اس آرسی میں منہ دیکھنا عورت کے لیے بھی ناجائز ہے۔ (درمختار وغیرہ) ہاں برتن پر سونے چاندی کا ملمع ہو تو اس کے استعمال میں حرج نہیں۔ (ہدایہ)

مسئلہ: مکان کو چاندی سونے ریشم سے آراستہ کرنا مثلاً دیواروں، دروازوں پر ریشمی پردے لٹکانا اور جگہ جگہ قرینے سے، سونے چاندی کے ظروف اور دوسری چیزیں سجا کر رکھنا، جس سے مقصود محض آرائش و زیبائش ہو تو کراہت ہے اور اگر تکبر یا تفاخر (اترانے) سے ایسا کرتا ہے تو ناجائز ہے۔ (ردالمحتار) غالباً کراہت کی وجہ یہ ہوگی کہ ایسی چیزیں اگرچہ ابتداءً تکبر سے نہ ہوں مگر بالآخر عموماً ان سے تکبر پیدا ہو جایا کرتا ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: مرد کو سونے چاندی کے بٹن کرتے یا اچکن میں لگانا جائز ہے جس طرح ریشم کی گھنڈی جائز ہے۔ (درمختار) یعنی جبکہ بٹن بغیر زنجیر ہوں اور اگر زنجیر والے بٹن ہوں تو ان کا استعمال ناجائز ہے کہ زنجیر زیور کے حکم میں ہے جس کا استعمال مرد کو ناجائز ہے۔ (بہار شریعت)

مسئلہ: نابالغ لڑکوں کو بھی ریشم کے کپڑے پہنانا حرام ہے اور گناہ پہنانے والے پر ہے۔ (عالمگیری) کہ قصور مندیہ ہیں نہ کہ وہ۔

مسئلہ: ایامِ محرم میں یعنی پہلی محرم سے بارہویں تک دو قسم کے رنگ نہ پہنے جائیں۔ (۱) سیاہ کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔ (۲) اور سرخ کہ یہ خارجیوں کا طریقہ ہے کہ وہ معاذ اللہ اظہارِ مسرت کے لیے سرخ پہنتے ہیں۔ (اعلیٰ حضرت قدس سرہ، بہار شریعت)

مسئلہ: عورتوں کو بالخصوص چوڑی دار پاجامہ نہیں پہننا چاہیے کہ اس میں پنڈلیوں

وغیرہ کی پوری ہیئات نظر میں آجاتی ہے۔ عورتوں کے پاجامے ڈھیلے ڈھالے ہوں جیسے کہ شلواریں اور نیچے ہوں کہ قدم چھپ جائیں۔ ان کے لیے جہاں تک پاؤں کا زیادہ حصہ چھپے، اچھا ہے۔ (بہار شریعت وغیرہ)

مسئلہ: آنے والے نے سلام نہیں کیا اور بات چیت شروع کر دی تو اسے اختیار ہے کہ اس کی بات کا جواب نہ دے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سلام سے قبل کلام کیا، اس کی بات کا جواب نہ دو۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: آنے کے وقت بھی سلام کرے اور جاتے وقت بھی۔ (ردالمحتار)

مسئلہ: جس کو چھینک آئی، وہ یہ کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ اور اس کے جواب میں دوسرا شخص یوں کہے یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ یا یہ کہے یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ۔ اس کے سوا کوئی بات نہ کہے۔ (عالمگیری)

اسلامی تہذیب کے چند ابواب

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

مولائے کریم جل جلالہ وعم نوالہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان کہ اس نے اسلام دیا، مسلمان کیا اور اپنی پناہ اور اپنے حبیب لبیب علیہ التحیۃ والثناء کے جوار رحمت میں لیا۔ دولتِ ایمان بخشی اور جوہرِ عقل کو، اس چراغ سے جلا دی اور پھر حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں وہ سیاست و تمدن اور وہ تہذیب عطا فرمائی کہ ہر اعتبار سے کامل و مکمَّل و مکمِّل ہے۔ زندگی کے وہ آداب سکھائے کہ ہر تہذیب و تمدن سے بے نیاز و مستغنی بنا دیا۔ زندگی کے پہلے سانس سے، زیست کی آخری ہچکی تک ہر مرحلہ ہر منزل پر ہدایت و رہنمائی کے فانوس آویزاں کر دیئے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو

ان انوارِ ہدایت سے فیض حاصل کرتے ہیں اور اپنی دنیا، اپنی آخرت، اپنا دین، اپنی عاقبت سنوارتے ہیں اور بد نصیب و بے بہرہ ہیں جو اس دریائے رواں کے قریب رہتے ہوئے بھی سرابِ یورپ پر مرمٹیں اور مغربی تہذیب و تمدن پر فریفتہ ہو کر اپنی جان جی سے گزر جائیں۔

بہرحال ہم اس مختصر کتاب میں رہنے سہنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے وغیرہ ضروری مشاغل سے متعلق بھی چند آداب بیان کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں بالخصوص انہیں غور و توجہ سے پڑھیں گی کہ ان کی گودیں، قوم کے ہونہاروں کی گودیں ہیں۔ آج نہیں تو کل انہیں اولاد کی تربیت اور اپنے معاشرہ و ماحول اور اپنے گھرانے کی اصلاح کرنی ہے اور یہ کتاب انشاء اللہ ان کی بہترین ساتھی ثابت ہوگی۔

رات دن کی مصروفیات اور ضروری مشاغل میں اسلامی تہذیب کے یہ آداب ہمیشہ اور ہر آن آپ کو ذہن نشین رکھنے چاہئیں تاکہ آپ خود بھی اس سے زیادہ سے زیادہ آرام پائیں اور دوسروں کے لیے بھی کسی ناگواری، نفرت یا تکلیف کا باعث نہ بنیں۔ جو کام خوبی، خوبصورتی اور عمدگی سے انجام دیا جاتا ہے وہ اوروں کے لیے بھی جاذبِ نظر اور نمونۂ عمل بنتا ہے، لوگ اسے اچھی نگاہوں سے دیکھتے اور عزت کا مقام دیتے ہیں اور جن کاموں میں پھوہڑپن اور بد سلیقگی اور لاپرواہی و بے توجہی پائی جاتی ہے وہ بگڑتے بھی ہیں اور کرنے والوں کی عزت و آبرو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ خداوندِ قدوس ہماری آپ کی دستگیری فرمائے اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہنے کی توفیق دے۔ (آمین)

کھانے پینے کے آداب

(۱) کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا چاہئیں بعض لوگ صرف ایک ہاتھ یا انگلیاں دھو لیتے ہیں بلکہ صرف چٹکی دھونے پر کفایت کرتے

ہیں، اس سے سنت ادا نہیں ہوتی۔

(۲) کھانے سے پہلے ہاتھ دھو کر پونچھے نہ جائیں اور کھانے کے بعد دھو کر رومال یا تولیہ سے پونچھ لیں کہ کھانے کا اثر، چکنائی وغیرہ لگی نہ رہے۔

(۳) کھانا بسم اللہ پڑھ کر شروع کیا جائے کہ کھانا جو زندگی کی بقا اور جسم کے قیام کا اصلی ذریعہ ہے اس میں نام خدا کی برکتیں شامل رہیں۔ حدیث شریف میں آیا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے تو یہ کہے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَاَبْدِلْنَا خَیْرًا فِیْہِ۔

(۴) اگر بسم اللہ کہنا بھول جائے تو جب یاد آئے یہ کہہ لے بِسْمِ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِہٖ وَ اٰخِرِہٖ۔

(۵) بسم اللہ بلند آواز سے کہے کہ ساتھ والوں کو اگر یاد نہ ہو تو اس سے سن کر انہیں یاد آجائے اور کھانے کی برکتیں سب کو حاصل ہوں۔

(۶) روٹی پر کوئی چیز نہ رکھی جائے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ روٹی کا احترام کرو کہ یہ چیز جب کسی قوم سے بھاگی ہے تو لوٹ کر نہیں آئی۔ یعنی ناشکری کی وجہ سے کسی قوم کا رزق چلا جاتا ہے تو پھر واپس نہیں آتا۔

بعض لوگ سالن کا پیالہ یا چٹنی کی پیالی یا نمک دانی وغیرہ روٹی پر رکھ دیتے ہیں ایسا نہ کرنا چاہیے۔

(۷) روٹی کا کنارہ خواہ مخواہ توڑ کر ڈال دینا اور بیچ کی کھالینا اسراف ہے بلکہ پوری روٹی کھالے۔ ہاں اگر کنارے کچے رہ گئے ہیں، یا جل گئے ہیں کہ کھانے سے نقصان ہوگا تو توڑ سکتا ہے۔

(۸) داہنے ہاتھ سے کھانا کھائے اور پانی پئے اور تین انگلیوں سے کھائے۔ پانچوں انگلیوں سے کھانا گنواروں کا طریقہ ہے اور معیوب بھی۔ صرف کھانے پینے ہی کی خصوصیت نہیں شریعتِ مطہرہ کو اکثر کام داہنی جانب سے، دائیں ہاتھ سے پسند ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ داہنے ہاتھ سے کھائے اور داہنے ہاتھ سے پئے اور دائیں ہاتھ سے لے اور دائیں سے دے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا بائیں ہاتھ سے لیتا اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے۔ (ابن ماجہ) پھر فطرت انسانی کا بھی یہی تقاضہ ہے۔

(۹) ہاتھ سے لقمہ چھوٹ کر دسترخوان وغیرہ پر گر جائے تو اسے چھوڑ دینا اسراف ہے بلکہ پہلے اسے اٹھا کر کھائے۔

(۱۰) بائیں ہاتھ کو زمین پر ٹیک دے کر یا تکیہ لگا کر، یا ننگے سر کھانا نہ کھائے۔ کہ ادب کے خلاف ہے اور اس سے کھانے کی برکت بھی جاتی ہے۔

(۱۱) رکابی یا پیالے کے بیچ میں سے ابتداً نہ کھائے بلکہ ایک کنارہ سے اور جو کنارہ اس کے قریب ہے وہاں سے کھائے۔

کیونکہ اس سے کھانے کی وہ مقدار جو بچ جائے گی گندی نہ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی اس طریقہ سے نہ کھائے تو اس سے اس کی حرص کا پتہ چلتا ہے اور حریص آدمی کبھی سیر نہیں ہوتا۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برکت سے تعبیر کیا اور فرمایا کہ برکت کھانے کے بیچ میں اترتی ہے۔ (ترمذی)

(۱۲) لقمے چھوٹے چھوٹے لے اور خوب چبا کر کھائے۔

(۱۳) کھاتے وقت حاضرین کے چہروں کو نہ تکے۔

(۱۴) کھانے کے دوران موت کا ذکر نہ کرے تاکہ دوسروں کی طبیعت میں بدمزگی نہ آئے اور خواہش کے باوجود، بھوکے اٹھ بیٹھیں۔

(۱۵) جب کھانا ایک قسم کا ہو تو ایک جگہ سے کھائے، ہر طرف ہاتھ نہ مارے ہاں اگر طباق میں مختلف قسم کی چیزیں ہوں تو ادھر ادھر سے کھانے کی اجازت ہے پھر بھی بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے کیونکہ اخلاقی حیثیت سے اس سے حرص اور لالچ کا اظہار ہوتا ہے۔

(۱۶) کھانے کے وقت بایاں پاؤں بچھا دے اور دایاں کھڑا رکھے یا سرین پر بیٹھے اور دونوں گھٹنے کھڑے رکھے کہ تھوڑا کھانا کفایت کرے۔

(۷) گرم گرم کھانا کہ منہ جلتا جائے نہ کھائے، نہ کھانے پر پھونک مارے، نہ کھانے کو سونگھے، زیادہ گرم کھانا نقصان دہ بھی ہے اور اس سے سیری بھی حاصل نہیں ہوتی۔

(۱۸) بالکل چپ چاپ خاموشی سے کھانا مجوسیوں کا طریقہ ہے اس سے بچے، مگر بے ہودہ باتیں نہ بکے بلکہ اچھی باتیں کرے۔

(۱۹) کھانے میں عیب نہ نکالے مرغوب ہو تو کھالے ورنہ ہاتھ اٹھالے۔ کیونکہ گھر والوں اور کام کرنے والوں میں، بات بات میں فیہ نکالنے والے کی طرف سے چڑھ پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے کام سدھرنے کی بجائے اور بگڑتا ہے۔ میاں بیوی میں جھگڑے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے۔

(۲۰) دوست احباب یا گھر کے لوگ، کھانا مل کر سب ایک ساتھ کھائیں تو اس میں برکت بھی ہوتی ہے، تھوڑا کھانا، زیادہ کو کفایت کرتا ہے اور برباد بھی نہیں ہوتا۔

ایک بار چند صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کھاتے ہیں لیکن پیٹ نہیں بھرتا۔ ارشاد فرمایا کہ غالباً تم لوگ الگ الگ کھاتے ہوگے۔ عرض گیا ہاں یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا اکٹھے کھاؤ اور بسم اللہ پڑھو برکت ہوگی۔ (ابن ماجہ)

(۲۱) دسترخوان پر چند اشخاص ہوں تو ان میں جو بزرگ ہو وہ کھانا پہلے شروع کرے پھر اور لوگ۔ اس میں حسن ادب و تعظیم بھی ہے۔

(۲۲) کھانے میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے کر پھینک دینا چاہیے کیونکہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے اور وہ وہی بازو کھانے میں پہلے ڈالتی ہے جس میں بیماری ہے اور دوسرے کو بچاتی ہے۔ لہٰذا پوری کو غوطہ دے دو۔
(حدیث شریف)

مکھی گرے ہوئے کھانے کو، گندا سمجھ کر پھینک دینا اسراف ہے اور نہ کھانا خواہ مخواہ اپنی لطافت پسندی کا اظہار ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہ جان نظافت ہیں ان کی پیروی، شانِ ایمان ہے یہ خود ساختہ نظافت، نظافت و نفاست نہیں۔ اتباعِ سُنّت نصاریٰ ہے۔

(۲۳) کھانے کے بعد برتن کو انگلیوں سے چاٹ لے اور انگلیوں کو منہ سے اچھی طرح صاف کر لے ان میں جھوٹا نہ لگا رہنے دے جو لوگ اسے خلافِ تہذیب جانتے ہیں وہ جھوٹی تہذیب کے متوالے ہیں۔ ان سے زیادہ نہ الجھیں کہ اول فول بکنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہی بات کافی ہے جو حدیث شریف میں ہے کہ کھانے کے بعد جو شخص برتن صاف کر دیتا ہے تو وہ برتن اس کے لیے دعا کرتا ہے کہتا ہے کہ اللہ تجھے جہنم

کی آگ سے آزاد کرے جس طرح تو نے مجھے شیطان سے آزاد کیا اور ایک روایت میں ہے کہ برتن اس کے لیے استغفار کرتا ہے۔

(۲۴) کھانے کی ابتداء نمک سے کی جائے اور ختم بھی اسی پر کریں۔ اس سے ستر بیماریاں دفع ہو جاتی ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے کہ دسترخوان پر نمکین اور میٹھی دونوں قسم کی چیزیں ہوں اور دسترخوان پر صرف نمکین کھانا ہو اور بعد فراغت کچھ میٹھا کھالیا جائے تو مشہور یہ ہے کہ یہ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم کی سنتِ کریمہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲۵) کھانے سے فارغ ہو کر خدا کا شکر بجالائے۔ اس موقع پر بہت سی دعائیں احادیث میں آئی ہیں۔ زیادہ مشہور دعا یہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

اور دوسرے کے یہاں کھایا پیا ہو تو اس دعا کے بعد یہ دعا بھی پڑھ لے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِيْ مَا رَزَقْتَهٗ وَاغْفِرْهُ وَارْزُقْنَا رِزْقًا حَسَنًا وَاسِعًا مُبَارَكًا فِيْهِ۔

(۲۶) جب دسترخوان بڑھ جائے تو اب اٹھ کر ہاتھ دھوئے کہ چکنائی وغیرہ ہاتھوں میں نہ رہے پھر رومال وغیرہ سے پونچھ لے۔

جس برتن میں کھانا کھایا ہے اس میں ہاتھ دھونا، یا ہاتھ دھو کر، کرتے یا تہ بند کے دامن یا آنچل سے پوچھنا، برکت کو اڑا دیتا ہے۔

(۲۷) پانی خواہ درمیان میں پیئے یا بعد فراغت جبکہ خواہش ہو چوس کر پیئے، غٹ غٹ بڑے بڑے گھونٹ نہ پیئے۔ اس طرح پانی پینے سے پوری سیری ہوتی ہے اور پیاس بجھ جاتی ہے۔

(۲۸) پانی کے برتن میں سانس نہ لے کہ اندر سے نکلنے والی گندی ہوا، اس پانی سے نہ لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ برتن میں سانس لیتے وقت منہ یا ناک سے تھوک یا ریزش نکل کر پانی میں گر جائے اور پھر اس کے منہ میں جائے جس سے کراہت آتی ہے۔

(۲۹) مشک کے دھانے یا لوٹے کی ٹونٹی سے، یا بغیر دیکھے ہوئے کسی چیز سے پانی نہ پیا جائے۔ کیا معلوم کوئی مضر چیز اس کے حلق میں چلی جائے۔

(۳۰) پینے کی وہ چیز زیادہ پسندیدہ ہے جو شیریں اور ٹھنڈی ہو مگر چائے کہ وہ گرم ہی پی جاتی ہے لیکن لب دوز، دہن سوز نہیں۔

(۳۱) حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا اکرام کرے۔ ایک دن رات اس کا جائزہ ہے۔ (یعنی جائز حق تو ایک دن رات اس کی پوری خاطر داری کرے اور اپنے مقدور بھر اس کے لیے پر تکلف کھانا تیار کرائے) ضیافت تین دن ہے۔ یعنی ایک دن بعد معمول کے مطابق کھلائے اور جو میسر ہو پیش کرے، اور تین دن کے بعد صدقہ ہے۔ مہمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ اس کے یہاں ٹھہرا رہے اور اسے حرج میں ڈالے۔ (بخاری ومسلم)

(۳۲) مہمان کو چار باتیں ضروری ہیں۔ (۱) جہاں بٹھایا جائے وہیں بیٹھے۔ (۲) جو کچھ اس کے سامنے پیش کیا جائے اس پر خوش ہو اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے میزبان کو تکلیف ہو۔ (۳) بغیر اجازت صاحب خانہ وہاں سے نہ اٹھے۔ (۴) اور جب وہاں سے جائے تو اس کے لیے دعا کرے۔

(۳۳) میزبان کو چاہیے کہ مہمان سے وقتاً فوقتاً کہے کہ اور کھاؤ مگر اتنا اصرار نہ کرے کہ وہ زیادہ کھا جائے اور پھر نقصان اٹھائے۔ (۲) مہمان سے دل خوش کن باتیں بھی کرتا جائے۔ (۳) مہمان کے سامنے اہل خانہ یا خادم پر ناراض نہ ہو۔ (۴) مہمان اگر تھوڑے ہوں تو میزبان ان کے ساتھ کھانے پر بیٹھے کہ یہی تقاضائے محبت ہے اور مہمان زیادہ ہوں تو ان کی نگہداشت اور خدمت میں مشغول رہے۔ (۵) مہمانوں کے ساتھ ایسے کو نہ بٹھائے جس کا بیٹھنا ان پر گراں ہو۔

چلنے پھرنے کے آداب

دولت، اقتدار، حسن، علم و فن میں امتیازی شان، طاقت کا گمان اور ایسی ہی دوسری چیزیں جو انسان میں تکبر پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں وہ لازماً ایک خاص طرز کی چال میں ڈھل کر ظاہر ہوتی ہیں جسے دیکھ کر نہ صرف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آدمی کسی گھمنڈ

میں مبتلا ہے بلکہ چال کی شان یہ تک بتا دیتی ہے کہ اسے کس چیز کا گھمنڈ ہے۔ آدمی کی چال میں اکڑ اور اتراہٹ اور فخر و غرور کی شان لازماً اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے دماغ میں تکبر کی ہوا بھر جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ دوسروں کو اپنی بڑائی محسوس کرائے۔

قرآنِ کریم نے اس گری ہوئی اخلاقی کمزوری کی اصلاح ان الفاظ میں فرمائی کہ "وَلَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا۔" زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔

مقصود اس سے ہر طرح کے فخر و غرور اور تجبّر و تکبر کی روک تھام ہے کہ مسلمان جباروں اور متکبروں کی روش سے بچیں اور بجائے فخر و غرور و تمکنت کے جو جاہلیت اور جاہل قوموں کا شعار ہے، اپنے مزاج میں نرمی اور تواضع پیدا کریں اور یہاں تک کہ چال ڈھال اور رفتار میں تواضع و انکسار کا اثر ظاہر ہونے لگے۔

یہ ہدایت بھی انفرادی طرزِ عمل اور قومی رویے، دونوں پر یکساں حاوی ہے اس سلسلہ میں چند آداب یہ ہیں جو اسلام نے ہمیں بخشے:

(۱) آدمی کو راستہ میں متانت، سنجیدگی، اور خاکساری و انکساری کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے۔

(۲) اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ قدم ظاہری اور معنوی اعتبار سے کہاں پڑ رہا ہے۔

(۳) عورتیں مردوں کے سامنے یا مرد عورتوں کے سامنے آجائیں تو درمیان سے نہ گزریں۔ دائیں یا بائیں کا راستہ لیں۔

(۴) عورت کو بجنے والے زیور مثلاً پازیب، جھانجن پہن کر چلنے میں زمین پر زور زور سے پاؤں نہیں رکھنا چاہئیں کیونکہ اس کی آواز سے سننے والوں کے خیالات میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔

(۵) عورتیں خوشبو لگا کر اور دوسروں کے حواس کو مشتعل کرنے والی چیزیں استعمال کرکے ہرگز گھروں سے نہ نکلیں۔

(۶) عورتیں بلا ضرورت اپنی آواز غیر مردوں کو نہ سنائیں، ضرورت پڑنے پر بات کرنے کی اجازت تو خود قرآنِ کریم میں دی گئی ہے لیکن جہاں نہ اس کی ضرورت ہو اور نہ کوئی دینی یا اخلاقی فائدہ، وہاں اس بات کو پسند نہیں کیا گیا ہے کہ عورتوں کی آوازیں غیر

مردوں کے کانوں سے ٹکرائیں۔

مٹر گشت اور محض تفریحِ طبع کی خاطر بازاروں اور دکانوں پر جانے والی عورتیں ذرا اس کا خیال رکھیں اور یہ بات تو بڑی بے غیرتی کی ہے کہ شوہر نامدار، بصورتِ برخوردار، بچوں کو گود اٹھائے انگلی تھامے ہمراہ ہیں اور بیگم صاحبہ خریداری میں مصروف۔

(۷) شریف عورت جو بہ ضرورت گھر سے باہر نکلے تو کسی بڑی چادر یا برقع سے اپنا سارا بدن، سر سے پاؤں تک چھپا لے جس سے اس کی اصل پوشاک اور زیب و زینت کی ساری چیزیں چھپ جائیں اور چادر یا نقاب کا کچھ حصہ منہ پر بھی آجائے۔

(۸) خوشنما کپڑے، زیور اور سر، منہ، ہاتھ، پاؤں، ابرو، پلکوں اور آنکھوں کی مختلف آرائش و زیبائش جو بالعموم عورتیں کرتی ہیں اور جن کے لیے موجودہ زمانے میں میک اپ کا لفظ بولا جاتا ہے یہ بناؤ سنگھار ہرگز ہرگز غیروں پر ظاہر نہ ہو۔ عورت اپنے منہ کو مسی اور سرمے اور سرخی پاؤڈر سے اور اپنے ہاتھوں کو انگوٹھی، چھلے اور چوڑیوں اور کنگن وغیرہ سے آراستہ رکھ کر لوگوں کے سامنے کھولے پھرے جیسا کہ آج کل صاحبزادیوں میں دستور ہے، شریف مسلمان عورت کے لیے یونہی ننگ و عار ہے۔

(۹) راہ چلتے نگاہیں نیچی رکھیں جس طرح مردوں کو حکم ہے کہ وہ غیر عورتوں پر نظر نہ ڈالیں۔ یونہی عورتوں کو حکم ہے کہ وہ قصداً غیر مردوں کو نہ دیکھیں۔ نگاہ پڑ جائے تو فوراً ہٹا لیں اگرچہ وہ مرد نابینا ہو۔ یہ کسی طرح بھی جائز نہیں کہ عورتیں اطمینان سے مردوں کو گھوریں اور ان کے حسن و جمال یا بدصورتی کو موضوعِ بحث بنا کر ان کے جسمانی ساخت کا جائزہ لیں۔

(۱۰) عورتوں کو وسطِ راہ سے الگ ہو کر، راستہ کے کنارے سے چلنا چاہیے۔

مجلس کے آداب

شریعت کی ہمہ گیری سے زندگی کا کون سا شعبہ بچ سکتا ہے۔ قرآنِ کریم نے

آدابِ مجلس کی بھی تعلیم دی اور مسلمانوں کی تمام مجلسوں کے لیے یہ عام ہدایت دی کہ مجلس میں تہذیب و وقار کی شکل پیدا ہو اور شرکاء مجلس میں سے کسی کو دوسرے سے شکایت پیدا نہ ہو بلکہ یہ مجلس باہمی محبت بڑھانے کا سبب ہو۔

اللہ و رسول نے مسلمانوں کو جو آدابِ مجلس سکھائے ان میں سے چند آداب یہ ہیں:

(۱) جب کسی مجلس میں پہلے سے کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور بعد میں مزید کچھ لوگ آئیں تو جہاں بے تکلف جگہ مل جائے بیٹھ جائیں۔

(۲) پہلے سے بیٹھے ہوؤں کو اس کالحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ خود نئے آنے والوں کو جگہ دیں اور کچھ سمٹ سکڑ کر ان کے لیے کشادگی پیدا کریں اور اتنی شائستگی بعد میں آنے والوں میں ہونی چاہیے کہ وہ مجمع کو چیر کر، زبردستی آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں اور خواہ مخواہ اندر نہ گھسیں۔

(۳) کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرے چونکہ اس سے غرور و نخوت اور اپنی برتری کا احساس پیدا ہوتا ہے اور دوسروں کے دل میں اس سے کدورت بڑھتی ہے۔

(۴) اگر کوئی شخص مجلس میں ایک جگہ بیٹھا تھا اور کسی ضرورت سے خود اٹھ کر چلا گیا تو پلٹنے کے بعد وہی اس جگہ کا مستحق ہے، دوسرا اس جگہ نہیں بیٹھ سکتا۔

(۵) کسی شخص کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر دھس جائے کہ اس سے تکدر اور وحشت و نفرت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) راستہ و عام گزرگاہوں کو مجلس کا رنگ نہ دینا چاہیے کیونکہ یہ وقار کے خلاف ہے لیکن اگر ضرورت مجبور کرے تو جن اخلاقی باتوں کی پابندی کرنی چاہیے مثلاً نگاہ نیچی رکھیں، آنے جانے والوں کو نہ تکیں، ضرر رساں چیزیں راہ سے ہٹادیں، راستہ بھٹکے ہوؤں کو راستہ دکھائیں اور مدد کے خواستگاروں اور مصیبت کے مارے ہوؤں کی مدد کریں۔

(۷) مجلس میں جو معزز جگہ ہو وہاں بیٹھنے کی از خود کوشش نہ کی جائے۔ کسی

دوسرے کے یہاں جائے تو بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کی خاص جگہ پر نہ بیٹھے اور وہ خود بٹھائے تو خواہ مخواہ انکسار کی آڑ نہ لے۔

(۸) مجلس میں بیٹھ کر کانا پھوسی نہ کریں۔ خصوصاً جب کہ دوسرے یہ سمجھیں کہ آپ انہیں کی نسبت کچھ کہہ رہے ہیں۔

(۹) مجلس کی راز کی باتوں کو برملا بیان نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۰) انسان پر سب سے زیادہ اثر صحبت کا پڑتا ہے۔ اس لیے جن کے اخلاق و عادات اور عقائد و خیالات، قابلِ اعتبار نہ ہوں وہاں ہرگز نہ جائے کہ بری بات کو دل میں جمتے اور خیالات پلٹتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "چند کلمات ہیں کہ جو شخص مجلس سے فارغ ہو کر ان کو تین مرتبہ کہہ لے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹادے گا اور جو شخص مجلسِ خیر و مجلسِ ذکر میں ان کو کہے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس خیر پر مہر کردے گا جس طرح کوئی شخص انگوٹھی سے مہر کرتا ہے وہ یہ ہیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (ابوداؤد)

اور حاکم کی روایت میں ہے کہ جو لوگ دیر تک کسی جگہ بیٹھے اور بغیر ذکر خدا کیے اور بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے وہاں سے متفرق ہو گئے، انہوں نے نقصان کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔

گفتگو اور ملاقات کے آداب

(۱) عزیزوں، قریبوں رشتہ داروں اور ملنے جلنے والوں اور عورتوں کو اپنی سہیلیوں سے ملاقات کے وقت چہرہ سے خوش دلی اور مسرت ظاہر کرنی چاہیے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ تمہارا اپنے بھائی کے سامنے، یہ بھی ایک صدقہ ہے۔

(۲) ملاقات کے وقت سب سے پہلے جو کلمہ منہ سے نکلے وہ محبت اور امن و سلامتی

کا پیغام ہو یعنی سلام- یہ ذکر و عبادت بھی ہے اور دعاو خیر خواہی کا کلمہ بھی۔

(۳) جس کو سلام کیا جائے اس پر اخلاقاً فرض ہے کہ سلام کا جواب دے۔

(۴) آنے والا اگر محبوب و محترم اور دینی عظمت و شخصیت والا ہو تو اسے آتے دیکھ کر جوشِ محبت اور جوشِ عقیدت میں کھڑا ہو جانا بھی کمالِ ادب ہے۔

(۵) اس قسم کے موقعوں پر خوش آمدید کے الفاظ مثلاً مرحبا کہنے کی مثال بھی شریعت میں موجود ہے پھر اس سے انس بھی بڑھتا ہے۔

(۶) ملاقات یا کسی اور کام کے لیے کسی کے گھر میں جانے کے لیے صاحبِ خانہ سے اجازت لینا بھی ضروری ہے اور اس کا اصلی مقصود یہ ہے کہ انسان بعض اوقات ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ اس حالت میں دوسروں سے ملنا پسند نہیں کرتا۔

(۷) خود اپنے گھر کے اندر بھی سلام کر کے اندر جانا چاہیے- اس سے برکت کے علاوہ یہ فائدہ ہوگا کہ اگر گھر میں عورتیں بے تکلفی کی حالت میں ہوں گی یا اور کوئی ایسی ہی بات ہوگی تو گھر والے ہوشیار ہو جائیں۔

(۸) ملاقات کے وقت یا آتے جاتے ایسے فقرے نہ کہیں جن میں کوئی طعن چھپا ہو یا کسی کی تحقیر نکلتی ہو۔

(۹) عورتوں کو جب نامحرم مردوں سے گفتگو کی ضرورت پیش ہی آجائے تو بات میں اور لہجہ میں ایسی نزاکت اور لوچ نہ ہو کہ سننے والے کے جذبات میں اشتعال پیدا ہو اور اس کے دل میں برے خیالات آئیں۔

(۱۰) گفتگو بقدرِ ضرورت بوقتِ ضرورت متانت و سنجیدگی اور نرمی سے کرنی چاہیے- اس سے بڑے فتنوں کا منہ بند ہو جاتا ہے۔

(۱۱) زبان کو توڑ مروڑ کر، چبا چبا کر، خواہ مخواہ بڑھا چڑھا کر باتیں کرنا انسان کے وقار کو بھی ختم کرتا ہے اور بعض اوقات تکلیف دہ بھی بن جاتا ہے۔

(۱۲) اپنی کہے جانا، دوسروں کی نہ سننا، خود بینی بھی ہے اور تھڑدلی بھی۔

(۱۳) دوسرا اگر اس کے سامنے اس کی تعریف کرے تو اسے اللہ کا فضل جانے اور شکر بجالائے تاکہ کبر و نخوت دل میں پیدا نہ ہو اور اگر اس کے خلاف باتیں ہوں یا وہ

بدکلامی سے پیش آئیں یا ناپسندیدہ حرکتیں کریں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردے اور اسی کی مدد چاہے اور پناہ مانگے اور استغفار کرے کہ نامعلوم کس گناہ کی پاداش میں ایسا سامنا آیا۔

(۱۴) فضول باتوں سے پرہیز کرنا وقار کی نشانی ہے اور بے موقع چیخ کر باتیں کرنا حماقت کی دلیل ہے- لہٰذا بات کی جائے تو آہستگی سے اور بہ ضرورت- حدیث شریف میں ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز سے اسے مطلب نہ ہو اسے چھوڑ دے۔

سونے کے آداب

(۱) سونے سے پہلے کھانے پینے کے برتن ڈھانک دینا چاہیے- حدیث شریف میں آیا کہ ڈھانکو نہیں تو یہی کرو کہ اس پر کوئی چیز آڑی کر کے رکھ دو۔

(۲) دروازے بند کر دو اور چراغ بجھا دو کہ کبھی چوہا بتی گھسیٹ کر لے جاتا ہے اور گھر جل جاتا ہے، یونہی آگ بھی بجھا دینا چاہیے۔

(۳) دروازہ بسم اللہ پڑھ کر بند کیا جائے کہ شیطان نہ کھول سکے گا۔

(۴) اب کے سونے کا وقت آیا تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ بستر کو جھاڑ لیا جائے مبادا کوئی موذی چھپا بیٹھا ہو اور نقصان پہنچائے۔

(۵) مستحب یہ ہے کہ باطہارت سوئے، کچھ دیر دہنی کروٹ پر، داہنے ہاتھ کو رخسار کے نیچے رکھ کر قبلہ رو سوئے پھر اس کے بعد بائیں کروٹ پر۔

(۶) سوتے وقت قبر میں سونے کو یاد کرے کہ وہاں تنہا سونا ہوگا- اپنے اعمال کے سوا کوئی ساتھ نہ ہوگا- نہ کوئی مونس و غم خوار۔

(۷) سوتے وقت یادِ خدا میں مشغول ہو- تہلیل (لا الہ الا اللہ) و تسبیح (سبحان اللہ) و تحمید (الحمدللہ) اور آیۃ الکرسی، چاروں قل ایک ایک بار پڑھ کر سوجائے کہ جس حالت پر انسان سوتا ہے اسی پر اٹھتا ہے اور جس حالت پر مرتا ہے قیامت کے

دن اسی پر اٹھے گا۔

(۸) پیٹ کے بل نہ سوئے کہ یہ طریقہ خدا کو پسند نہیں۔

(۹) ایسی چھت پر نہیں سونا چاہیے جس پر منڈیر یا جالی یا کوئی اور رکاوٹ نہ ہو کیونکہ ایسی حالت میں زمین پر گر پڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۱۰) علی الصباح بیدار ہو اور آنکھ کھولتے ہی خدا کو یاد کرے اور یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔

تمام حمد اللہ کے لیے جس نے ہمیں (اس عارضی موت یعنی) نیند کے بعد زندگی دی اور آخر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

(۱۱) دن کے ابتدائی حصہ میں سونا یا مغرب و عشاء کے درمیان سونا مکروہ ہے اور حدیث شریف میں آیا کہ جو شخص عصر کے بعد سوئے اور اس کی عقل جاتی رہے تو وہ اپنے ہی کو ملامت کرے۔ (ابو یعلیٰ)

(۱۲) بیدار ہونے اور دعا وغیرہ سے فارغ ہوتے ہی یہ عزم (پکا ارادہ) کرلے کہ وہ پرہیزگاری اور تقویٰ پر دن گزارے گا، کسی کو ستائے گا نہیں۔

خوشی اور غم کے آداب

(۱) جب کوئی مسرت و خوشی حاصل ہو۔ مثلاً مال و دولت ملے، علم و فضل کی ڈگری حاصل ہونے، کسی کو عہدہ و منصب تک پہنچنے یا کسی شادی بیاہ کرنے یا کسی اہم کام سے فراغت نصیب ہونے پر آدمی مسرور و مطمئن ہو تو سب سے پہلے خداوندِ قدوس کا شکر بجا لانا چاہیے کہ اسی کی توفیق اور اسی کے فضل و کرم سے یہ خوشی نصیب ہوئی اور باطہارت سجدۂ شکر بجالائے یا دوگانہ تحیت ادا کرے تو زہے نصیب۔

(۲) سفر سے واپسی ہونے کے بعد بھی انسان کو وطن میں پہنچنے کی مسرت ہوتی ہے اس موقع پر حسبِ توفیق اعزاء و احباب کی دعوت کی جاسکتی ہے کہ وہ بھی اس مسرت میں شریک ہوں۔

(۳) دور دراز کے سفر بالخصوص سفر حج سے آنے والوں کے استقبال کی تیاریاں کرنا اور جائز طور پر اس کا اہتمام کرنا بھی شرعاً محبوب و مطلوب ہے۔

(۴) شادی بیاہ میں دوستوں اور عزیزوں کی دعوت اور اس دعوت کو قبول کرنا دونوں مسنون ہیں جس سے جو کچھ ہو سکے اور جتنا ہو سکے عزیزوں اور دوستوں کو اس پر کھلائے۔

(۵) اسی طرح دوستوں عزیزوں کو ایسی خوشیوں کے موقعوں پر تحفہ تحائف بھیجنا، آپس میں محبت بڑھاتا ہے تو جس سے جو بن پڑے اس میں دریغ نہ کرے۔

(۶) آدابِ تعزیت حصہ اول میں دیکھیں۔

ہمسائیگی (پڑوسی) کے آداب

اس سلسلہ میں ہم چند احادیث اور ان کی تشریح پیش کرتے ہیں۔

(۱) خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ (یہ تین بار ارشاد فرمایا) عرض کی گئی کون؟" یا رسول اللہ! فرمایا وہ شخص کہ اس کے پڑوسی اس کی آفتوں سے محفوظ نہ ہوں۔ (بخاری)

(۲) وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کی آفتوں سے امن میں نہیں ہے۔ (مسلم)

(۳) پڑوسیوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہتر ہے جو اپنے پڑوسی کا خیر خواہ ہو۔ (ترمذی)

(۴) جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔ (حاکم)

(۵) مومن وہ نہیں جو خود پیٹ بھر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔ یعنی مومن کامل نہیں۔ (طبرانی)

ان احادیث کریمہ سے صاف روشن ہے کہ ہمسایوں کے ساتھ محبت و یگانگت سے پیش آنا، اس کی عزت بڑھانا، اس کی ضرورتوں کا خیال رکھنا اور ہر حال میں اس کا خیر

خواہ رہنا، ایمان و کمالِ ایمان کا ثمرہ اور خدا اور رسول کی محبوبیت کی علامت ہے۔ اسی لیے ایسے کے لیے جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

پڑوسیوں میں محبت کی ترقی اور تعلقات کی استواری کا بہترین ذریعہ باہم ہدیوں، تحفوں کا تبادلہ ہے۔ اس کے لیے معمولی کھانے پینے کی چیزیں بھی کار آمد ہیں۔

ان تحفوں کے بھیجنے یا قبول کرنے کا موقع، عورتوں کو زیادہ پیش آتا ہے۔ اس لیے عورت کو خصوصاً یہ تعلیم دی گئی کہ کوئی پڑوسی عورت دوسری پڑوسی کے لیے کسی ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔

یہ نصیحت دونوں بیویوں کے لیے ہے یعنی تو بھیجنے والی یہ خیال کرے کہ اتنی معمولی چیز کیا بھیجوں اور نہ دوسری کو یہ خیال آئے کہ اتنا حقیر تحفہ کیوں قبول کروں۔ دونوں میں سے کوئی اس تحفہ کو حقیر نہ جانے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں عورت کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ نماز، روزہ و صدقہ کثرت سے کرتی ہے مگر یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو زبان سے تکلیف دیتی ہے۔ فرمایا وہ جہنم میں ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فلاں عورت کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے نماز روزہ و صدقہ میں کمی ہے۔ (یعنی نفلی روزہ، نفل نمازیں اور صدقہ کم کرتی ہے) مگر اپنی زبان سے پڑوسیوں کو ایذا نہیں دیتی۔ فرمایا وہ جنت میں ہے۔ (بیہقی)

عورتیں اس حدیث کو غور سے پڑھ کر ہمیشہ کے لیے ذہن نشین کر لیں بعض احادیث میں پڑوسیوں کے یہ حقوق ارشاد فرمائے گئے ہیں:

(۱) جب وہ مدد مانگے تو اس کی مدد کرو۔
(۲) جب کوئی چیز طلب کرے تو اسے قرض دو۔
(۳) جب وہ محتاج ہو تو اس کی حاجت پوری کرو۔
(۴) جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔
(۵) جب اس کے یہاں کوئی خوشی کی بات ہو تو مبارک باد دو۔

(۶) جب وہ کسی بلا و غم میں ہو تو اس کی تعزیت کو جاؤ۔
(۷) بغیر اجازت اپنی عمارت بلند نہ کرو کہ اس کی ہوا روک دو۔
(۸) جب وہ مر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ۔
(۹) میوے خریدو تو اس کے پاس بھی ہدیہ کرو۔
(۱۰) اپنی ہانڈی سے اسے ایذا نہ دو، کچھ اسے بھی دو۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں، بعض کے تین حق ہیں، بعض کے دو اور بعض کا صرف ایک۔

جو پڑوسی مسلمان ہو اور رشتہ دار بھی اس کے تین حق ہیں، حق ہمسائیگی، حق اسلام اور حق قرابت۔ اور پڑوسی مسلمان کہ رشتہ دار نہیں اس کے دو حق ہیں حق ہمسائیگی اور حق اسلام۔ اور پڑوسی غیر مسلم کا صرف ایک حق ہے حق ہمسائیگی۔ ولہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ کافر پڑوسی کو بھی ناحق نہ ستایا جائے۔ مثلاً وہ ہندو ہے تو مسلمان کو یہ نہ چاہیے کہ گوشت کھا کر اس کی چھت پر یا اس کے گھر کے سامنے اسے ایذاء پہنچانے کے لیے ڈالے۔

متفرق آداب

روزمرہ زندگی کے آداب سے متعلق یہ بات اصولی طور پر پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مسلمان مرد خواہ عورت کی جسمانی کیفیت و حالت میں ایسا کوئی تغیر و تبدل پیدا نہ ہو جو تہذیب و وقار کے منافی ہو، یا اس حالت کو برقرار رکھنا لوگوں میں نفرت و کراہت پیدا کرے اور اسے دیکھ کر لوگوں میں ناگواری کا ردعمل ہو۔ مثلاً:

جماہی لینے میں جبکہ انسان کا منہ کھل جاتا ہے اور اس کے منہ سے ہاہ ہاہ کی ناگوار آواز نکلتی ہے تو چہرے کی قدرتی ہیئت بدل کر مضحکہ خیز شکل پیدا ہو جاتی ہے اور ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اوپر کی جانب زور لگانا اور بھی بدشکل بنا دیتا ہے اور بالخصوص عورتوں کا جسمانی ابھار اسے اور بھی شرمناک بنا دیتا ہے۔ اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے حکم دیا کہ

جماہی آئے تو اسے روکنا مستحب ہے اگر روکے سے نہ رکے تو ہونٹ کو دانتوں سے دبائے اور اس پر بھی نہ رکے تو داہنا یا بایاں ہاتھ منہ پر رکھ دے یا آستین سے منہ چھپا لے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جماہی شیطان کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو جہاں تک ممکن ہو روکے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ شیطان منہ میں گھس جاتا ہے۔ بعض میں ہے شیطان دیکھ کر مسکراتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ جو جماہی میں منہ کھول دیتا ہے شیطان اس کے منہ میں تھوک دیتا ہے اور جو قاہ قاہ کی آواز آتی ہے وہ شیطان کا قہقہہ ہے کہ اس کا منہ بگڑا دیکھ کر ٹھٹا لگاتا ہے اور وہ جو رطوبت نکلتی ہے وہ شیطان کا تھوک ہے۔ جماہی روکنے کی بہتر ترکیب یہ ہے کہ جب معلوم ہو تو دل میں خیال کرے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس سے محفوظ ہیں، فوراً رک جائے گی۔ (ردالمحتار وغیرہ)

(۲) جماہی کے برخلاف، چھینک کا عمل، بدن کے ہلکے پھلکے ہونے، مساماتِ جسم کے کھلنے اور بہت زیادہ نہ کھانے کی علامت اور شفاء کا ذریعہ ہے اسی لیے شریعت نے حکم دیا کہ وہ الحمدللہ کہے اور دوسرے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہیں تاہم بعض اوقات اس حالت میں ناک سے بلغم یا منہ سے لعاب نکل آتا ہے۔ اس لیے چھینکتے وقت منہ کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانک کر سر جھکا لینا اور کوشش کرنا چاہیے کہ اس کی آواز پست ہو اور دوسروں کی ناگواری کا باعث نہ بنے۔

(۳) عام مجمع میں انگڑائی اور ڈکار لینا بڑی معیوب اور غیر پسندیدہ حرکت ہے حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے سامنے ڈکار لی تو آپ نے فرمایا کہ اپنی ڈکار کو روکو۔ کیونکہ جو لوگ دنیا میں بہت پیٹ بھر لیتے ہیں وہ آخرت میں سب سے زیادہ بھوکے رہیں گے۔ (ترمذی)

(۴) قہقہہ مار کر ہنسنا یوں بھی پسندیدہ نہیں اور محفل میں بالخصوص جبکہ اس میں دینی و دنیاوی وجاہت والے شریک ہوں اور زیادہ ناپسندیدہ اور معظمان دینی کے روبرو اس طرح ہنسنا خلافِ ادب اور زیادہ ناپسندیدہ تر۔

(۵) بلا ضرورت کمر پر ہاتھ نہ رکھے۔

(۶) تھوکنے کی ضرورت ہو تو قبلہ رو ہرگز نہ تھوکے۔ نہ دائیں جانب بلکہ بائیں جانب تھوکے۔ اور پان کی پیک تھوکے تو اس کا خیال رکھے کہ پیک کے اجزاء اس پر یا کسی اور پر نہ اڑیں۔

(۷) پاجامہ کبھی کھڑے ہو کر نہ پہنیں اور مرد بیٹھ کر عمامہ نہ باندھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ وہ ایسے مرض میں گرفتار ہو گا جس کا علاج نہیں۔ مولائے کریم اپنی پناہ میں رکھے اور عافیت دے۔

(۸) خواب کی تعبیر ہمیشہ کسی صالح اور عالم دین سے پوچھے اور اپنا خواب ہر ایک سے بیان نہ کرے۔ ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے۔

(۹) دین و دنیا کا کوئی کام کرو اس کے متعلق اہل الرائے سے مشورہ کر لو کہ دین و دنیا میں برکت کا موجب ہے۔

(۱۰) مسلمان مردوں کو کبھی برائی سے یاد نہ کرو کہ وہ گزر چکے اور تمہارا دامن اب تک دنیا کی آلائشوں میں ملوث ہے۔

(۱۱) برائی سرزد ہو جائے تو کوئی نیک کام کر لو کہ یہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی اور نیک کام کر کے اتراؤ مت کہ سب اکارت جائے۔

(۱۲) نئے مہینے کا چاند نظر آئے تو فوراً درود شریف پڑھو، دعا مانگو اور کوشش کرو کہ نظر کسی اچھی صورت یا پیاری چیز پر پڑے

(۱۳) جب کوئی شخص دوسرے کے مکان پر جائے تو پہلے اندر آنے کی اجازت حاصل کرے پھر جب اندر جائے تو پہلے سلام کرے اس کے بعد بات چیت۔

(۱۴) کسی کے دروازے پر جا کر آواز دے اور پوچھیں کہ "کون؟" تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ "میں" جیسا کہ عموماً لوگ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اس جواب کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ناپسند فرمایا بلکہ جواب میں اپنا نام ظاہر کرے کیونکہ "میں" کا لفظ تو ہر شخص اپنے لیے کہہ سکتا ہے۔ یہ جواب ہی کب ہوا۔

(۱۵) صاحبِ خانہ نے اجازت نہ دی یا فرض کرو کہ مکان سے کوئی جواب نہ ملا تو یہ

ناراضگی کی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کسی خاص کام میں مشغول ہو یا اسے اس وقت ملنا اس کی کسی جائز مصلحت کے برخلاف ہو۔

(۱۶) کسی بھی حالت میں اپنے اوپر اور اپنی اولاد و اموال پر بددعا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بددعا ایسی ساعت میں ہو جس میں جو دعا خدا سے کی جائے قبول ہوتی ہے۔
(حدیث شریف)

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ بُرا قیامت کے دن اس کو پاؤ گے جو ذُوالْوَجْهَيْن ہو۔ یعنی دو رخا آدمی کہ ان کے پاس ایک منہ سے آتا ہے اور ان کے پاس دوسرے منہ سے۔ یعنی منافقوں کی طرح کہیں کچھ کہتا ہے اور کہیں کچھ۔ یہ نہیں کہ ایک طرح کی بات سب جگہ کہے۔ (بخاری)

(۱۸) صلہ رحمی یعنی رشتہ والوں سے نیکی اور سلوک کرنا، اس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان کو تحفہ دینا، ہدیہ بھیجنا، کسی کام میں انہیں تمہاری اعانت و امداد درکار ہو تو اس میں کوتاہی نہ کرنا بلکہ اس کام میں مقدور بھر ان کی مدد کرنا۔ انہیں سلام کرنا ان کی ملاقات کو جانا ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا۔ ان سے بات کرنا اور ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا اور خود پردیس میں ہو تو ان کے ساتھ خط و کتابت جاری رکھنا تاکہ بے تعلقی پیدا نہ ہو اور ہو سکے تو وطن آئے اور رشتہ داروں سے تعلقات تازہ کرے۔ اس طرح کرنے سے محبت میں اضافہ ہو گا۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۱۹) باپ کے بعد دادا اور بڑے بھائی کا مرتبہ ہے کہ بڑا بھائی بہ منزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ بڑی بہن اور خالہ ماں کی جگہ پر ہیں۔ بعض علماء نے چچا کو باپ کی مثل بتایا۔
(ردالمحتار)

(۲۰) صلہ رحمی اسی کا نام نہیں کہ وہ سلوک کرے تو تم بھی کرو۔ یہ چیز تو مکافاۃ یعنی ادلا بدلا ہے کہ اس نے تمہارے پاس چیز بھیج دی تم نے اس کے پاس بھیج دی وہ تمہارے یہاں آیا تم اس کے پاس چلے گئے۔ حقیقتاً صلہ رحم یہ ہے کہ وہ کاٹے اور تم جوڑو۔ وہ تم سے جدا ہونا چاہتا ہے اور تم اس کے ساتھ رشتہ کے حقوق کی رعایت کرو۔
(ردالمحتار)

(۲۱) میلے کپڑے کہ انہیں دھو کر دوبارہ استعمال میں لایا جاتا ہے۔ بے مصرف جان کر ادھر ادھر نہ پھینکے جائیں کہ آخر مصرف میں لانا ہے۔ انہیں احتیاط سے ایک جگہ جمع رکھیں تاکہ بوقت ضرورت آسانی سے دستیاب ہو جائیں۔ بعض بزرگانِ دین کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ وہ اس شخص کی شفاعت کریں گے جو میلے کپڑے احتیاط سے رکھے گا۔ واللہ اعلم۔

(۲۲) خودداری، عزت نفس اور شریفانہ رکھ رکھاؤ کا دوسرا نام ہے لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ اوچھاپن یا تنک مزاجی یا غرور و نمائش کی بو تک نہ آئے۔

(۲۳) جب خدا نے مال دیا ہے تو اس کے فضل و کرم اور احسان و نعمت کا اثر اہل خانہ اور تمہارے جسم پر بھی ظاہر ہونا چاہیے۔ اچھا کھاؤ پیو، گھر میں شوہر کے لیے بن سنور کر رہو، پھوہڑپن، بدسلیقگی اور گندگی سے دور بھاگو کہ یہ بدبلا ہے۔

(۲۴) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کون سا عملِ نیک، سب سے زیادہ محبوب تھا؟ فرمایا وہ نیکی جس پر مداومت کی جائے یعنی اسے ہمیشہ جاری رکھا جائے خود حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے بہتر عمل وہ ہے جس کو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو۔ (بخاری)

(۲۵) ایک مسلمان کے لیے اسلام اور ایمان کی نعمت وہ عزت و دولت ہے جس کے مقابلہ میں ساری نعمتیں اور دولتیں ہیچ ہیں۔ لہٰذا کوشش کرو کہ حتی الامکان کوئی کام کوئی حرکت اسلام کے منافی سرزد نہ ہو اور خلاف شرع کوئی قدم نہ اٹھے۔

اسبابِ فقر و تنگ دستی

(ماخوذ از معمولاتِ مشائخ، مطبوعہ دہلی و دولت بے زوال وغیرہ)

کتب متداولہ میں جو اسباب کہ انسان کو مفلس کر دیتے ہیں بکثرت لکھے ہیں۔ چونکہ احصاء اور شمار اس مختصر رسالہ میں دشوار ہے۔ اس لیے لب لباب کے طور پر

اختصار کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔ اسے کتب معتبرہ کا انتخاب سمجھنا چاہیے حق تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس بلائے ناگہانی سے نکالے اور ان کے اقوال و افعال اپنی مرضی کے موافق کر دے اور مجھ کو اور اس رسالہ کے ناظرین اور جملہ مسلمین و مسلمات کو اپنی رحمتِ کاملہ سے نوازے۔ (آمین)

فقیر قادری عرض کرتا ہے کہ ان اسباب میں وہ بھی ہیں جن کا ذکر قرآن وحدیث میں ملتا ہے اور اکثر و بیشتر وہ ہیں جو اکابر ملت و رہنمایانِ شریعت نے اپنے اپنے مشاہدے اور تجربے سے دریافت کیے تو جو ان اسباب سے اپنے آپ کو دور رکھے گا خود ہی فائدہ اٹھائے گا اور جو ان میں ملوث ہو گا وہ خود دیکھ لے گا کہ اس نے کیا کھویا کیونکر کھویا۔

ہاں آدمی یہ کبھی نہ بھولے کہ موثر حقیقی اللہ عزوجل ہے اور ہر نفع و نقصان کی کنجی اسی کے دست قدرت میں ہے۔ وہ چاہے کرے اس سے کوئی باز پُرس کرنے والا نہیں۔ وہ اسباب یہ ہیں:

(۱) جھوٹ بولنا۔
(۲) زنا کرنا۔
(۳) گناہوں میں مشغول رہنا۔
(۴) جھوٹی قسمیں کھانا۔
(۵) جنابت میں کھانا کھانا۔
(۶) برہنہ پیشاب کرنا۔
(۷) شب میں جھاڑو دینا خصوصاً کپڑے سے جھاڑنا۔
(۸) ناخن دانت سے تراشنا۔
(۹) پاجامہ یا دامن یا آنچل سے منہ پونچھنا۔
(۱۰) فقیروں سے روٹی کے ٹکڑے خریدنا۔
(۱۱) کھڑے ہو کر پاجامہ پہننا۔
(۱۲) بیٹھ کر دستار یعنی عمامہ باندھنا۔
(۱۳) خشک بالوں میں کنگھا کرنا یا کھڑے ہو کر بال کاڑھنا۔

(۱۴) شکستہ کنگھا استعمال کرنا۔
(۱۵) ماں باپ کا نام لے کر پکارنا۔
(۱۶) مقراض (قینچی) سے موئے زیر ناف کاٹنا۔
(۱۷) چالیس روز سے زیادہ زیرِ ناف کے بال رکھنا۔
(۱۸) بزرگوں کے آگے چلنا۔
(۱۹) دروازے پر بیٹھنے کی عادت کرنا۔
(۲۰) لہسن پیاز کے پوست جلانا۔
(۲۱) مکڑی کے جالے دور نہ کرنا۔
(۲۲) جوں کو زندہ چھوڑنا۔
(۲۳) نماز میں کاہلی کرنا۔
(۲۴) پھٹے ہوئے کپڑے کو نہ سینا۔
(۲۵) فجر کی نماز پڑھ کر مسجد سے جلد نکل آنا۔
(۲۶) صبح کے وقت سونا۔
(۲۷) اولاد پر باوجود مالداری، تنگی کرنا۔
(۲۸) بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا۔
(۲۹) کھانے کے بعد برتن صاف نہ کرنا۔
(۳۰) اہل و عیال سے لڑتے رہنا۔
(۳۱) میت کے قریب بیٹھ کر کھانا۔
(۳۲) خلال کرتے وقت جو ریشہ نکلے اسے پھر منہ میں رکھ لینا۔
(۳۳) ہر قسم کی لکڑی سے خلال کرنا۔
(۳۴) چراغ منہ کی پھونک سے بجھانا۔
(۳۵) کھانے پینے کے برتن کھلے ہوئے رکھنا۔
(۳۶) بازار میں سب سے پہلے جانا اور بعد میں آنا۔
(۳۷) اوندھے جوتے کو دیکھنا اور اس کو سیدھا نہ کرنا، دولت بے زوال میں لکھا

ہے کہ اگر رات بھر جوتا اوندھا پڑا تو شیطان اس پر آن کر بیٹھتا ہے۔ وہ اس کا تخت ہے۔

(۳۸) بکریوں کے گلے میں گھس کر چلنا، خصوصاً شام کے وقت۔

(۳۹) اولاد کو گالی دینا، یا لعنت کرنا۔

(۴۰) فقیر کو جھڑک دینا۔

(۴۱) بایاں پاؤں پہلے پاجامہ میں ڈالنا اور بائیں ہاتھ کی آستین پہلے پہننا۔

(۴۲) قبرستان میں ہنسنا۔

(۴۳) کوڑا کرکٹ گھر میں جمع رکھنا۔

(۴۴) صبح ہوتے ہی خدا اور رسول کا نام لیے، ذکر کیے بغیر دنیا میں مشغول ہو جانا۔

(۴۵) مغرب اور عشاء کے درمیان سونا۔

(۴۶) گانے بجانے میں دل لگانا۔

(۴۷) بلاوجہ شرعی اپنوں سے تعلقات ختم کر لینا۔

(۴۸) صلہ رحمی نہ کرنا۔

(۴۹) جنابت کی حالت میں ناخن ترشوانا یا سر منڈانا یا موئے زیر ناف وغیرہ صاف کرنا۔

(۵۰) زکوٰۃ یا صدقات واجبہ مثلاً قربانی و کفارہ قسم وغیرہ کے ادا کرنے میں بخل کرنا یا خواہ مخواہ انہیں ٹالتے رہنا۔

(۵۱) بغیر حاجت سوال کرنا۔

(۵۲) امانت میں خیانت کرنا۔

(۵۳) اندھیرے میں کھانا کھانا۔

(۵۴) ماں باپ کو ایذا دینا۔

(۵۵) قرآن پاک کو بے وضو ہاتھ لگانا۔

(۵۶) شب چہار شنبہ (بدھ کی رات) یا شب یک شنبہ (اتوار کی رات) میں بیوی سے صحبت کرنا، اگر اس صحبت میں حمل بھی رہا تو بچہ بے حیا اور بد نصیب پیدا ہوگا اور ہمیشہ مفلس اور حریص رہے گا۔ (مولائے کریم اپنا فضل فرمائے۔ غالباً اسی بنا پر سنیچر اور منگل

کے دن، دلہن بیاہ کر نہیں لاتے۔ بزرگوں اور گھر کی بڑی بوڑھیوں کا یہ عمل یہ فقیر اپنے بچپن سے دیکھتا آ رہا ہے)

(۵۷) قحط کی نیت سے غلہ روکنا کہ اور مہنگا ہو گا جب بیچیں گے۔

(۵۸) قمار بازی یا گانے بجانے کے آلات وغیرہ گھر میں رکھنا، حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں شراب اور دف اور طنبورہ (سارنگی، ستار وغیرہ) ہو اس گھر کے آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوگی اور نہ اس گھر میں رحمت کے فرشتوں کا نزول ہو گا۔

(۵۹) راستہ میں پیشاب کرنا (اور بے ستری ہو تو حرام و گناہ)

(۶۰) ہمیشہ بے ہودگی مسخرہ پن اور ہزلیات (مذاق دل لگی) میں مصروف رہنا۔

(۶۱) ننگے سر کھانا کھانا۔

(۶۲) ننگے سر بیت الخلا میں جانا۔

(۶۳) نکلے ہوئے کھانے میں دیر کرنا (کہ کھانا دستر خوان پر الٹا ان کا انتظار کر رہا ہے)

(۶۴) برہنہ سر بازار میں پھرنا (اور عورتوں کا ننگے سر رہنا اور اجنبیوں کے سامنے اسی حالت میں آنا جانا حرام، حرام، حرام اور سخت گناہ ہے)

(۶۵) سجدۂ تلاوت نہ کرنا، یا وضو ہوتے ہوئے اس میں دیر لگانا۔

(۶۶) تلاوتِ قرآن کے دوران آیتِ سجدہ چھوڑ کر آگے پڑھنا۔

(۶۷) دوسرے شخص کا کنگھا عاریتاً مانگ کر، استعمال کرنا۔ (خصوصاً) صاف کیے بغیر کہ دوسرے کے بال اس کے بالوں میں الجھیں۔

(۶۸) حوض یا تالاب یا بہتے پانی میں پیشاب کرنا۔ (اس سے نسیان بھی پیدا ہوتا ہے دولت بے زوال میں لکھا ہے کہ پانچ چیزوں سے بھول پیدا ہوتی ہے۔ حوض وغیرہ میں پیشاب کرنا، راکھ پر پیشاب کرنا، چوہے کا جھوٹا کھانا، قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا، زندگانی حرام خوری میں گنوانا بلکہ غور کیجئے تو یہ آخری ایک مستقل بلا و عذاب ہے)

(۶۹) نہانے کی جگہ پیشاب کرنا۔

(۷۰) برہنہ ہو کر سونا۔

(۷۱) سوتے وقت پاجامہ یا تہہ بند سر کے نیچے رکھ کر سونا۔ (دولت بے زوال میں

لکھا ہے کہ اس سے خواب خوفناک نظر آتا ہے)

(۷۲) بلا ضرورت بستر کے پاس پانی کا لوٹا، یا سلفچی پیشاب کے لیے رکھنا۔

(۷۳) نماز قضا کر دینا۔

(۷۴) مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔

(۷۵) وضو کرتے وقت دنیا کی باتیں کرنا۔ (اس وقت دعائیں پڑھے یا پھر خاموش رہے)

(۷۶) بلاوجہ شرعی کسی کے تحفہ ہدیہ یا نذرانہ کو رد کر دینا۔

(۷۷) روٹی کو خوار رکھنا (کہ اس کی بے ادبی ہو اور پیروں میں آئے)

(۷۸) وضو کی جگہ پر پیشاب یا پیشاب کی جگہ وضو کرنا۔

(۷۹) دروازے پر بیٹھ کر کچھ کھانا پینا (یہ خلافِ ادب بھی ہے اور قابلِ نفرت بھی)

(۸۰) استاد کی عظمت و توقیر میں کمی کرنا نہ کہ معاذ اللہ اس کی توہین۔

(۸۱) مٹی یا چینی کے شکستہ برتن استعمال میں رکھنا خواہ اس سے پانی پینا۔

(۸۲) شکستہ یا گرہ دار قلم سے لکھنا۔

(۸۳) قلم کا تراشہ ادھر ادھر ڈال دینا کہ پیروں میں آئے۔

(۸۴) مہمان کو حقارت سے دیکھنا اور اس کے آنے سے ناخوش ہونا۔

(۸۵) بیت الخلاء میں باتیں کرنا یا وہاں کسی دینی بات میں غور و تامل کرنا۔

(۸۶) مردوں کو چھوٹا استنجا کرتے وقت عام گزرگاہوں پر ٹہلنا اور باتیں کرنا۔

(۸۷) بغیر بلائے دعوت میں جانا۔

(۸۸) چارپائی پر دسترخوان وغیرہ رکھے بغیر کھانا کھانا۔

(۸۹) چارپائی پر خود سرہانے بیٹھنا اور کھانا پائنتی پر رکھنا۔

(۹۰) دانتوں سے روٹی کترنا۔

(۹۱) دانتوں کو بلاوجہ کپڑے سے ملنا جیسے مسواک کرتے ہیں۔

(۹۲) ظلم کرنا، کسی کو ناحق ایذا دینا اگرچہ جانور کو۔

(۹۳) گناہ کے کاموں میں ضد کرنا اور اپنی بات پر اڑ جانا۔

(۹۴) جس برتن میں کھانا کھایا ہے اسی میں ہاتھ دھونا۔

(۹۵) قرآن شریف گھر میں موجود ہوتے ہوئے نہ پڑھنا۔

(۹۶) ماں باپ، استاد، مرشد کی مرضی کے خلاف کام کرنا۔

(۹۷) دروازے کی دہلیز پر تکیہ لگانا یا سر رکھ کر سونا۔

(۹۸) سبز درخت کاٹ کر اس کی لکڑیاں فروخت کرنا۔

(۹۹) بلا ضرورت جانور ذبح کرنے کا پیشہ اختیار کرنا۔

(۱۰۰) صحیح رشتہ ملنے کے باوجود جوان لڑکیوں کو نہ بیاہنا۔

""معمولاتِ مشائخ" سے یہ ہم نے جو کچھ نقل کیا اس سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی مفید اور کارآمد ہو گا کہ احکام شریعت کے خلاف قدم بڑھانا، اپنے لیے برکتوں کے دروازے بند کرنا اور نحوست و افلاس اور فقر و تنگ دستی کو دعوت دینا ہے۔

اس تقدیر پر اور بہت لوگ ایسے نکل سکتے ہیں کہ دانستہ، مضرتوں میں گرتے اور پھر بلاؤں میں گھر کر خود کا علاج ڈھونڈتے ہیں۔ دعائیں کرتے ہیں اور اس باب میں دعائیں ان کے حق میں قبول نہیں ہوتیں۔ سبب ظاہر ہے کہ یہ کام خود انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیے ہیں۔

مثلاً حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تین شخص اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک وہ جس کے نکاح میں کوئی بد خلق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ جس کا کسی پر کچھ آتا تھا اور اس کے گواہ نہ کرے۔ تیسرا وہ جس نے سفیہ بے عقل کو مال سپرد کر دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سفیہوں کو اپنا مال نہ دو۔ (حاکم)

ایک اور حدیث شریف میں ایسے ہی تین اور ارشاد فرمائے:

ایک وہ کہ ویرانے مکان میں اترے۔ دوسرا وہ مسافر کہ سرِ راہ مقام کرے یعنی سڑک سے بچ کر نہ ٹھہرے۔ (طبرانی) تیسرا وہ جس نے خود اپنا جانور چھوڑ دیا۔ اب خدا سے دعا کرتا ہے کہ اسے روک دے تو یہ چھ ہوئے جن کی نسبت تصریح فرمائی کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

اور ظاہر ہے کہ جب دعا قبول نہ ہوگی، برکت جائے گی، پریشانی آئے گی، اضطرار و
بے قراری میں اضافہ ہوگا اور افلاس و تنگ دستی منہ چڑائے گی اور ان امور میں عدم
قبول کا سبب ظاہر کہ یہ کام خود اپنے ہاتھوں کیے ہیں۔

ویرانے مکان میں اترنے والا اس کی مضرتوں سے آگاہ ہے پھر اگر وہاں چوری ہو
یا کوئی لوٹ لے یا جن ایذا پہنچائیں تو یہ باتیں خود اس کی قبول کی ہوئی ہیں۔ اب کیوں
ان کی رفع کی دعائیں کرتا اور گھبراتا ہے۔

یوں ہی جب راستہ پر قیام کیا تو ہر قسم کے لوگ گزریں گے اب اگر چوری ہو
جائے یا ہاتھی گھوڑے کے پاؤں یا کسی اور سواری کے کچھ نقصان پہنچ جائے یا رات کو
سانپ وغیرہ سے ایذا پہنچے تو اس کا اپنا کیا ہوا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
کہ شب کو سرراہ نہ اترو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جسے چاہے راہ پر پھیلنے کی اجازت
دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی خلاف ورزی نحوست ہی لائے گی۔ اور جانور بلکہ اپنے کسی
بھی مال کو بلا حفاظت بے احتیاطی سے چھوڑ کہ یہ دعا کرنا کہ اللہ اس کی حفاظت کر، ظاہر
حماقت ہے۔ کیا واحدِ قہار کو آزمانا یا معاذ اللہ اسے اپنا محکوم ٹھہرانا ہے۔

اور عورت کی نسبت صحیح حدیث سے ثابت کہ ٹیڑھی پسلی سے بنی ہے اس کی
کجی ہرگز نہ جائے گی۔ سیدھا کرنا چاہو تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا ٹوٹنا یہ ہے کہ طلاق
دے دی جائے پس یا تو آدمی اس کی کجی پر صبر کرے یا طلاق دے دے۔ یہ کہ نہ طلاق
دیتا ہے نہ صبر کرتا ہے بلکہ بددعا دیتا ہے خواہ خود کو یا عورت کو اور روز روز کی کل کل
سے گھبرایا گھبرایا بوکھلایا بوکھلایا پھرتا ہے اب گھر میں نحوست نہ آئے گی تو کیا رحمت و
برکت کی بارش ہوگی۔

اور سفیہ ناتجربہ کار، ناقابلِ اعتماد کو مال دے کر جب گواہ نہ کیے تو خود اپنا مال
ہلاکت میں ڈالا۔ سفیہ کو دینا بربادی کے لیے پیش کرنا ہے پھر دانستہ مضرت میں گر کر
برکت کی دعا مانگنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ:

خویشتن کردہ را علاجے نیست

علمائے کرام و صوفیائے عظام نے اس موقع کی مناسبت سے اور بھی ایسے لوگ

گنائے ہیں جو خود کردہ کا علاج ڈھونڈتے ہیں۔

(۱) مثلاً جو بغیر کسی سخت مجبوری کے رات کو ایسے وقت گھر سے باہر نکلے کہ لوگ سو
گئے ہوں، پاؤں کی پچھل راستوں سے موقوف ہو گئی۔

صحیح حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی کہ اس وقت بلائیں منتشر ہوتی ہیں۔

(۲) یا رات کو دروازہ کھلا چھوڑ دے۔

(۳) یا بغیر اللہ بسم اللہ پڑھے بند کرے کہ شیطان اسے کھول سکتا ہے اور جب بسم
اللہ پڑھ کر داہنا پاؤں مکان میں رکھے تو شیطان کہ ساتھ آیا تھا باہر رہ جاتا ہے اور جب
بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کرے تو اس کے کھولنے پر قدرت نہیں رکھتا۔

(۴) یا کھانے پینے کے برتن بسم اللہ کہہ کر نہ ڈھانکے کہ بلائیں اترتی اور خراب کر
دیتی ہیں پھر وہ طعام و مشروب بیماریاں لاتے ہیں۔

(۵) یا بچے کو مغرب کے وقت باہر نکالے کہ اس وقت شیاطین منتشر ہوتے ہیں۔

(۶) یا کھانے سے فارغ ہو کر بے ہاتھ دھوئے سو رہے کہ شیطان چاٹتا ہے اور معاذ
اللہ برص کا باعث ہوتا ہے۔

(۷) یا غسل خانہ میں پیشاب کرے کہ اس سے وسوسہ پیدا ہوتا ہے۔

(۸) یا چھجے کے قریب سوئے اور چھت پر روک نہ ہو کہ گر پڑنے کا احتمال ہے۔

(۹) یا عورت سے ہم بستری کے وقت بسم اللہ نہ کہے کہ شیطان شریک ہو جاتا ہے
اور اپنا عضو اس کے عضو کے ساتھ داخل کرتا ہے جس کے باعث بچہ انسان و شیطان
دونوں کے نطفے سے بنتا اور پھر برا تخم برا ہی پھل لاتا ہے۔

(۱۰) یا کھانا بغیر بسم اللہ کے کھائے کہ شیطان ساتھ کھاتا اور جو طعام چند مسلمانوں کو
کفایت کرتا ایک ہی کے کھانے میں فنا ہو جاتا ہے۔

(۱۱) یا زمین کے سوراخوں میں پیشاب کرے کہ کبھی سانپ وغیرہ جانوروں کا گھر یا
جن کا مکان ہوتا ہے اور انسان ایذا پاتا ہے۔

(۱۲) یا اپنی خواہ اپنے دوست کی کوئی چیز پسند آئے تو اس پر نظر بد دور کرنے کی دعا
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلَیْہِ وَلَا تَضُرُّہٗ مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ نہ پڑھے کہ نظر حق

ہے۔ مرد کو قبر اور اونٹ کو ریگ میں داخل کر دیتی ہے۔

(۱۳) یا تنہا سفر کرے کہ فساق انس و جن سے مضرت پہنچتی ہے اور ہر کام میں دقت پیش آتی ہے۔

(۱۴) یا ہنگامِ جماع، شرمگاہِ زن کی طرف نگاہ کرے کہ معاذ اللہ اپنے یا بچے یا دل کے اندھے ہونے کا باعث ہے۔

(۱۵) یا اس وقت باتیں کرے کہ بچے کے گونگے ہونے کا احتمال ہے۔

(۱۶) یا کھڑے کھڑے پانی پیا کرے کہ درد جگر کا مورث ہے۔

(۱۷) یا پاخانہ میں بغیر بسم اللہ اور اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡخُبُثِ وَالۡخَبَآئِثِ کہے جائے کہ خبیث (مرد خواہ عورت) جن سے مضرت کا اندیشہ ہے۔

(۱۸) یا لوگوں کے راستوں میں خواہ ان کی نشست و برخواست کی جگہ پاخانہ پیشاب کرے یا کوڑا کرکٹ ڈالے یا اوپر سے پانی وغیرہ پھینکے کہ ان کے ملوث ہونے کا اندیشہ ہو تو آپ ہی گالیاں کھائے گا۔

(۱۹) یا سفر سے پلٹ کر بغیر اطلاع کیے رات کو اپنے گھر میں چلا آئے کہ مکروہ دیکھنے کا احتمال ہے۔

(۲۰) یا فاسقوں، فاجروں، بدوضعوں، بدمذہبوں کے پاس نشست و برخاست کرے ان سے میل جول خلط ملط رکھے، ان سے مشورہ لے، ان پر اعتماد کرے کہ لوگوں کے نزدیک انہیں میں شمار ہوگا اور پھر محبت تو اپنا رنگ لاتی ہی ہے ان کا رنگ چڑھ جائے تو دین و ایمان کے رخصت ہونے یا قلبی بیماریوں کے پیدا ہونے کا خطرہ سامنے موجود اور اگر بالفرض صحبت بد کے اثر سے بچا تو متہم و بدنام ضرور ہو جائے گا اور مثل مشہور ہے بد اچھا بدنام برا۔ پھر عقیدہ کی بدنامی، عمل کی بدنامی سے بدرجہا بدتر۔

یہ اور اس قسم کے صدہا امور و آداب، احادیثِ کریمہ میں ماثور اور علمائے اہلِ سنت کے فتاویٰ کتب میں مذکور ہیں۔

خدا توفیق دے اور جو یہاں ذکر کیے گئے وہی ذہن نشین رہیں تو رحمتِ خداوندی کو توجہ فرماتے اور برکتوں کے نزول میں کیا دیر لگتی ہے۔

اسبابِ غنا و فراخ دستی

(۱) نمازِ اشراق، یعنی طلوعِ آفتاب کے کم از کم بیس منٹ بعد، دو یا چار نفل پڑھنا۔

(۲) چاشت کی نماز کی پابندی کرنا۔ دولت بے زوال میں لکھا ہے کہ دو چیزیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ مفلسی اور چاشت کی نماز یعنی جو کوئی چاشت کی نماز کا پابند ہوگا، کبھی مفلس نہ ہوگا۔

(۳) ایام بیض یعنی ہر مہینے کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ کو روزے رکھنا۔

فتوح الاوراد میں منقول ہے کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو کوئی ایام بیض کے روزے رکھے اس کے رزق میں وسعت ہوگی۔ دنیاوی آفتوں سے محفوظ رہے گا اور دونوں جہاں میں برکتوں سے مالا مال۔

(۴) سورۂ واقعہ کا ہمیشہ بالخصوص بعد مغرب پڑھتے رہنا۔

(۵) مردوں کو اول وقت فجر میں، سنتِ فجر اپنے گھر پڑھ کر، فرض نماز کے لیے مسجد میں جانا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس شخص نے فجر کی سنتیں اپنے گھر میں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا رزق کشادہ کرتا ہے۔ اس کے اعزاء و اقارب کا جھگڑا اس سے کم ہو جاتا ہے اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔

(۶) نمازِ پنجگانہ کے لیے اذان کا جواب دینا اور اس کا احترام بجالانا، کہ لیٹا ہوا بیٹھ جائے اوراد و وظائف بلکہ تلاوت قرآن موقوف کر دے۔ سر پر ٹوپی دوپٹہ وغیرہ ڈال دے۔ ہرگز ہرگز دنیا کی کوئی بات نہ کرے کہ ایمان میں خلل آنے کا اندیشہ ہے۔

(۷) دینی معلومات فراہم کرنے کی کوشش میں لگا رہنا۔

(۸) دوسروں تک علمِ دین پہنچانا اگرچہ قرآن کی ایک آیت یا دین کا ایک مسئلہ کہ دوسروں کو تم سے جو خیر پہنچے وہ تمہارے لیے مبارک ہے۔

(۹) خدا توفیق دے تو نماز تہجد پڑھتے رہنا۔

(۱۰) توبہ و استغفار کرنا، بالخصوص فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ستر بار۔

(۱۱) مردوں کو حکم شرعی کے مطابق چاندی کی انگوٹھی میں عقیق سرخ استعمال کرنا یہ موجبِ برکت بھی ہے اور دردِ جگر کو نافع بھی۔

(۱۲) گھر میں آیۃ الکرسی اور سورۂ اخلاص پڑھتے رہنا۔

(۱۳) صبح کے وقت یا بعد عصر، یا مغرب و عشاء کے مابین نہ سونا۔

(۱۴) ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ پڑھنا۔ یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر۔

(۱۵) قرآنِ مجید اور دینی کتابیں دینی مدرسوں کے لیے وقف کرنا۔

(۱۶) والدین کی خدمت میں مصروف رہنا۔

(۱۷) سورۂ مزمل اور سورۂ نباء کی تلاوت کم از کم ایک بار کر لینا اور سورۂ ملک بعد عشاء پڑھ کر سو رہنا اور شبِ جمعہ میں سورۂ کہف پڑھنا۔

(۱۸) سرکہ گھر میں رکھنا۔

(۱۹) عاشورہ محرم میں مسکینوں کو کھانا کھلانا کہ آج کے روز جو چیز دوسروں کو کھلائی پلائی جاتی ہے سال بھر تک اس میں برکت رہتی ہے اسی لیے مسلمانوں میں حلیم کا عمل جاری ہے۔

(۲۰) درود شریف بکثرت پڑھنا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى كُلِّ مَنْ هُوَ مَحْبُوْبٌ وَّمَرْضِيٌّ لَدَيْهِ۔

دُعائے خیر

رب عزوجل رؤف رحیم کریم حی قیوم عظیم علیم جل مجدہ سے بتوسل حضور سید المحبوبین سید المرسلین نبی الرحمہ شفیع الامہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وابنہ الاکرم الغوث الاعظم واولیاء امتہ وعلماء ملتہ اجمعین۔

بنہایت تضرع و زاری دعا ہے کہ وہ اس رسالہ اور اس فقیر بے مایہ کی تمام تالیفات کو خالصاً لوجہ الکریم فرمائے اور اہلِ اسلام کو عاجلاً و آجلاً اب اور آئندہ ان سے

نفع بخشے۔ (آمین) بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

وصلی اللہ تعالی علی سیدنا و مولنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک۔

العبد

محمد خلیل خاں القادری البرکاتی عفی عنہ

۲۴ رجب المرجب ۱۳۹۸ھ یکم جولائی ۱۹۷۸ء

دار العلوم احسن البرکات، حیدر آباد سندھ (پاکستان)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله رب العلمين والعاقبة للمتقين۔ والصلوة والسلام على سيدنا محمد واله وصحبه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

(۱) مرابحہ اور تولیہ کا بیان

بیع و شراء یعنی خرید و فروخت میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشتری یعنی خریدار میں اتنی ہوشیاری نہیں ہوتی کہ خود اپنی سمجھ بوجھ سے کام لے کر واجبی قیمت پر کوئی چیز خرید سکے۔ لامحالہ اسے دوسرے پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے کہ اس نے جن داموں میں چیز خریدی ہے، اتنے ہی دام دے کر اس سے وہ چیز لے لے (جسے شریعت کی اصطلاح میں تولیہ کہتے ہیں) یا وہ کچھ نفع لے کر اس کو چیز دینا چاہتا ہے اور یہ اس کا اعتبار کر کے خرید لیتا ہے (جسے شرعاً مرابحہ کہتے ہیں) کیونکہ مشتری جانتا ہے کہ بغیر نفع لیے، بائع (فروخت کنندہ یا دکاندار) اس چیز کو فروخت کرے گا نہیں اور اگر اتنا نفع دے کر یہ چیز نہ لوں گا تو بہت ممکن ہے کہ دوسری جگہ مجھے زیادہ دام دینے پڑیں یا اس قیمت سے کم میں چیز نہ ملے یا ملے تو قابلِ اطمینان نہ ہو، لہٰذا وہ اسی کو غنیمت اور اپنے حق میں مناسب جانتا ہے کہ مطلوبہ منافع اسے دے کر وہ چیز خرید لے۔

بیعِ مطلق اور اس نوع کی بیع میں فرق ہے تو صرف اتنا ہی کہ یہاں بائع، اپنی خرید کے دام بتا کر، دام کے دام پر بیچنا چاہتا ہے، جیسا کہ تولیہ میں ہے یا اس پر نفع کی ایک معین مقدار زیادہ کر کے اسے دے دیتا ہے جیسا کہ مرابحہ میں ہے، لہٰذا بیع مطلق کا جواز اس کا جواز ہے۔

ہاں چونکہ فریقِ ثانی یعنی مشتری، اس بائع کی بات پر بھروسہ کر کے یہ چیز خرید رہا ہے لہٰذا شریعتِ مطہرہ نے بائع پر یہ بات لازم کی کہ پورے طور پر سچائی اور امانت داری سے کام لے۔ خیانت ہر جگہ بری ہے اور یہاں اور زیادہ بری۔ لہٰذا اس کے شبہ سے بھی احتراز لازم ہے ورنہ خیانت یا شبہِ خیانت کا بھی اس عقد پر اثر پڑے گا جیسا کہ اس باب کے مسائل سے واضح ہوگا۔

اس باب کے چند مسائل بیان کیے جاتے ہیں۔ انہیں غور سے پڑھیں اور سمجھیں:

(۱) جو چیز جس قیمت پر خریدی جاتی ہے اور جو کچھ مصارف اس کے متعلق بیان کیے جاتے ہیں، ان کو ظاہر کر کے، اس پر نفع کی ایک مقدار بڑھا کر کبھی فروخت کرتے ہیں، اس کو مرابحہ کہتے ہیں اور اگر کچھ نفع نہیں لیا تو اس کو تولیہ کہتے ہیں اور جو چیز علاوہ بیع کے کسی اور طریقہ سے ملک میں آئی، مثلاً اس کو کسی نے ہبہ کی یا میراث میں حاصل ہوئی، یا وصیت کے ذریعہ ملی، اس کی قیمت یعنی بازاری نرخ لگا کر اس قیمت پر مرابحہ و تولیہ کر سکتے ہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۲) مرابحہ یا تولیہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے (۱) کہ جس چیز کے بدلے میں مشتری اول نے (کہ اب اسے بیع کر رہا ہے) خریدی ہو وہ مثلی ہو (کہ وہ چیز بلا تفاوت ہر وقت بازار میں دستیاب ہے) تاکہ مشتری ثانی (جو اسے اب خرید رہا ہے) اسے ثمن اور مقررہ قیمت قرار دے کر خرید سکتا ہو۔ (۲) یا پھر مشتری ثانی اس چیز کا مالک ہو (۳) اور یہ بھی ضروری ہے کہ مرابحہ کی صورت میں جو نفع قرار پایا ہے، وہ معلوم ہو جائے گا۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۳) راس المال جس پر مرابحہ و تولیہ کی بنا ہے (کہ اس پر نفع کی مقدار بڑھائی جائے تو مرابحہ کہلائے اور کچھ نہ بڑھے وہی ثمن رہے تو تولیہ) اس پر دھلائی، رنگائی، کڑھائی

اور باربرداری کے مصارف یا مکان و زمین کی صفائی و مرمت یا ایسے ہی دوسرے جائز امور کے مصارف راس المال پر اضافہ کیے جاسکتے ہیں۔ غرض اس باب میں وہاں کے تاجروں کا عرف و رواج دیکھا جائے گا جس کے متعلق عرف ہے، اسے شامل کریں اور عرف نہ ہو تو شامل نہ کریں۔ (فتح القدیر، درمختار)

(۴) مشتری کو معلوم ہوا کہ بائع نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور خیانت کی ہے تو اسے اختیار ہے کہ پوری قیمت پر لے، یا پھر نہ لے، اسے واپس کردے۔ یہ نہیں کرسکتا کہ جتنا غلط بتایا ہے، اسے کم کرکے ثمن ادا کرے۔ یہ حکم مرابحہ کا ہے اور تولیہ میں بائع کی خیانت ثابت ہو تو جو کچھ خیانت کی ہے، اس سے کم کرکے مشتری ثمن ادا کرے۔ (ہدایہ، درمختار)

(۵) کوئی چیز گراں خریدی تھی اور اتنے دام اس کے ادا کیے تھے کہ عموماً لوگ اتنے میں نہیں خریدتے اور بہت مہنگی کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں تو مرابحہ و تولیہ میں اس کو ظاہر کرنا ضروری ہے۔ ہاں جس وقت خریدی تھی اس وقت نرخ گراں تھا اور اب بازار کا حال بدل گیا۔ مال میں ارزانی آگئی تو اس کو ظاہر کرنا ضروری نہیں۔ (ردالمحتار)

(۶) جو مصارف اضافہ کرنے کے ہیں، انہیں اضافہ کرنے کے بعد بائع یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے کو خریدی ہے کیونکہ یہ جھوٹ ہے بلکہ یہ کہے کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے۔ (ہدایہ وغیرہ)

(۷) جتنے میں خریدی تھی یا جتنے میں پڑی ہے اسی پر بیع ہوئی مگر مشتری کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا رقم ہے، یہ بیع فاسد ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۲) مبیع و ثمن میں تصرف کا بیان

جن چیزوں میں خرید و فروخت، معمول ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہیں ایک منقولہ کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کی جاسکتی ہے۔ دوسری غیر منقولہ کہ جہاں واقع ہے، وہاں سے دوسری جگہ نہیں لے جاسکتے۔ مثلاً مکان، دکان، زمین۔ اور زمانۂ قبل اسلام

میں عام معمول یہ تھا کہ بازار میں غلہ وغیرہ چیزیں خرید کر، بغیر قبضہ کیے وہیں فروخت کردیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی جگہ بیع کرنے سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ جب تک اس پر قبضہ نہ کرلیں اور دوسری جگہ منتقل نہ کرلیں، فروخت نہ کریں، تاکہ بائع و مشتری میں کوئی نزاع پیدا نہ ہو اور ہر ایک اپنی اپنی چیز کا بلامنازعت مالک ہوجائے، پھر یہ حکم صرف غلہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ صحابہ کرام نے صاف صریح الفاظ میں فرمایا کہ یہ حکم صرف غلہ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر چیز کا یہی حکم ہے۔ باستثنائے چند۔

چند مسائل فقہیّہ

(۱) جائیداد غیر منقولہ خریدی ہے تو اسے قبضہ کرنے سے پیشتر بیع کرنا جائز ہے کیونکہ اس کا ہلاک ہونا بہت نادر ہے اور اگر وہ ایسی ہو جس کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو تو جب تک قبضہ نہ کرے، بیع نہیں کرسکتا۔ مثلاً بالاخانہ، یا دریا کے کنارہ کا مکان اور زمین، یا وہ زمین جس پر ریت چڑھ جانے کا اندیشہ ہو۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۲) منقول چیز خریدی تو جب تک قبضہ نہ کرلے اس کی بیع نہیں کرسکتا۔ ہاں ہبہ و صدقہ کرسکتا ہے۔ قرض عاریت دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ (درمختار)

(۳) جس نے کیلی چیز کیل (پیمانہ) کے ساتھ، یا وزنی چیز وزن کے ساتھ، یا عددی چیز گنتی کے ساتھ خریدی، تو جب تک ناپ یا تول یا گنتی نہ کرلے، اس کو بیچنا بھی جائز نہیں اور کھانا بھی جائز نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بائع غلطی سے زیادہ دے گیا ہو تو اس میں بلا اجازت تصرف، کھانا پینا یا فروخت کردینا کیونکر روا ہوگا کہ یہ مِلکِ غیر ہے۔ ہاں اگر ایسی کوئی چیز تخمینہ سے خریدی یعنی مبیع (سودا) سامنے موجود ہے، دیکھ کر اس ساری کو خرید لیا یہ نہیں کہ اتنے سیر، یا اتنے ناپ، یا اتنی تعداد کو خریدا، تو اس میں تصرف کرنے، بیچنے کھانے کے لیے ناپ تول کی ضرورت نہیں کہ یہ تو سارا کا سارا ہے ہی اس مشتری کا۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۴) بیع کے بعد بائع نے مشتری کے سامنے ناپا تولا تو اب مشتری کو ناپنے تولنے کی ضرورت نہیں اور اگر بیع کے بعد اس کی غیر حاضری میں ناپا تولا تھا یا بیع سے قبل اس کے سامنے ناپا تولا تھا تو وہ کافی نہیں۔ بغیر ناپے تولے، اس کو کھانا اور بیچنا جائز نہیں۔ (درمختار)

(۵) ثمن میں قبضہ کرنے سے پہلے تصرف جائز ہے۔ اس کو بیع و ہبہ، اجارہ و صدقہ اور وصیت سب کچھ کر سکتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار) کہ اس میں نزاع کا اندیشہ نہیں۔

(۶) مشتری نے بائع کے لیے ثمن میں کچھ اضافہ کر دیا، یا بائع نے مبیع میں اضافہ کر دیا یا ثمن میں کمی کر دی، یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۷) تھان خریدا، اگر گزوں کے حساب سے مثلاً یہ تھان دس گز کا ہے اور اس کے دام یہ ہیں تو اس میں تصرف، ناپنے سے پہلے جائز ہے۔ ہاں اگر بیع میں گز کے حساب سے قیمت ہو مثلاً ایک روپیہ گز، تو جب تک ناپ نہ لیا جائے، تصرف جائز نہیں اور موزون (وزن سے بکی اور خریدی جانے والی سے) اگر ایسی ہو کہ اس کے ٹکڑے کرنا مضر ہو تو وزن کرنے سے پہلے اس میں تصرف جائز ہے۔ جیسے تانبے پیتل سلور وغیرہ کے برتن۔ (درمختار)

(۸) بیع صَرف اور بیع سلَم میں (جن کا بیان آگے آتا ہے) جس چیز پر عقد واقع ہوا، اس کے علاوہ، دوسری چیز کو لینا جائز نہیں۔ اور نہ اس میں کسی دوسری قسم کا تصرف جائز نہ مُسلَم الیہ راس المال میں تصرف کر سکتا ہے اور نہ رب السلم مسلم فیہ میں کہ وہ روپے کے بدلے اشرفی لے لے اور یہ گیہوں کے بدلے جو لے، یہ ناجائز ہے۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۹) مشتری نے بائع کے لیے ثمن میں اضافہ کیا یا مبیع میں بائع نے زیادتی کی تو اس کمی بیشی کے لازم ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ بائع یا مشتری نے اسی مجلس میں قبول کر لیا ہو۔ بعد میں قبول کیا تو یہ اضافہ و زیادت لازم نہیں۔ (درمختار)

(۱۰) ثمن یا مبیع میں، مشتری و بائع کی طرف سے، کمی بیشی جو کچھ ہے، اس کو اصل عقد میں شمار کریں گے اور اسی پر عقد متصور ہو گا اور دوسرے تصرفات میں اسی کا اعتبار ہو گا۔ (درمختار)

(۳) رِبٰوا یعنی سودی لین دین کا بیان

اسلام کے جو احسانات ساری دنیا پر اور بہت روشن و نمایاں حیثیت سے ہیں، ان میں سے ایک حرمت رِبٰوا یعنی سودی لین دین کی حرمت اور ہر نوع کے سودی کاروبار و معاملات کو حرام قرار دینا بھی ہے۔ رِبٰوا کے مفاسد اور اس کی تباہ کاریاں، ہولناکیاں سب پر روشن ہیں اور اسی لیے حالیہ زمانہ نے، قرضداروں کی سہولت کے لیے بینک قائم کر رکھے ہیں لیکن ان بینکوں کے قیام کا نتیجہ بھی ظاہر ہے کہ سینکڑوں املاک ضرورت مندوں اور غریب لوگوں کے قبضہ سے نکل کر بینک کے پاس چلی گئی ہیں اور خاص خاص لوگوں کے سوا عوام میں افلاس و تنگ دستی ترقی کر گئی ہے اور جو بظاہر خوشحال، شاداں و فرحاں نظر آتے ہیں، وہ بھی اپنے بدانجام اور افکار میں رات دن غلطاں و پیچاں رہتے ہیں اور سکون و اطمینانِ قلب، انہیں کسی کروٹ نصیب نہیں ہوتا۔

قرض کا بلاسود کے ملنا محال ہو گیا ہے اور انہیں مشکلات کی وجہ سے، زمانۂ جاہلیت کے سفیہوں کی طرح، آج کل کے "روشن خیالوں" نے، سود کے جواز کی صورتیں نکالنے میں، بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں، بلکہ یہ ان کے شب و روز کا مشغلہ بن گئی ہیں۔

ایک بڑی دلیل، ان کے اپنے سرمایۂ دلائل میں یہ ہے کہ جب دوسری اجناس کے لین دین اور کاروبار تجارت میں مالی نفع حاصل کرنا درست ہے اور اس میں کسی کے نزدیک کوئی قباحت نہیں تو روپیہ سے روپیہ کمانے میں، آخر کون سی خرابی ہے کہ اسے تو ناجائز و حرام کیا جائے اور دوسری اجناس کی تجارت کو جائز و حلال قرار دیا جائے۔ جب تجارت حرام نہیں تو سود کیوں حرام ہوا؟

حالانکہ تجارت اور سود، دونوں کی ایک سطح، نہ اخلاقی حیثیت سے ہے، نہ معاشی حیثیت سے اور دونوں میں ایک نہایت واضح اور آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن فرق یہ ہے کہ جو انسان کاروبار تجارت میں روپیہ لگاتا ہے، وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے فکروں کی مانند آرام دہ کرسیوں اور صوفوں پر نہیں پڑا رہتا، بلکہ اپنی فنی صلاحیتوں کو بروئے کار

لاتا، ذہنی قابلیتوں کو آزماتا اور جسمانی محنت و مشقت میں اپنا قیمتی وقت صرف کرتا ہے اور اپنا وقت، اپنی صلاحیت، اپنی ذہانت اور اپنی دولت کو کام میں لانے کے باوجود، نفع و نقصان دونوں کے احتمالات اس کے سکون کو مکدر کرتے رہتے ہیں۔ یقینی نفع دور دور تک، اس کے تصورات میں نہیں ہوتا جبکہ اس کے برعکس صرف دولت کی بدولت، کسی کاوش و محنت اور جانفشانی و سرگردانی کے بغیر، سود کی ایک متعین و مقررہ رقم، ہر حال میں بے کھٹکے سود خوار کو ملتی رہتی ہے۔

پھر تجارتی معاملت تو ہر وقت ختم ہو سکتی ہے جبکہ اس کے برخلاف، مدت اور مہلت کے ساتھ ساتھ سود خوار کے مطالبات کی میزان بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اوقات قرضدار کی نوبت، بالکل تباہ حالی اور بربادی کو پہنچ جاتی ہے۔ نہ اس کی عزت و وقعت باقی رہتی ہے۔ نہ اوروں کی نگاہوں میں اس کی ساکھ اور رکھ رکھاؤ، بیچارہ اس مصرع کا مصداق بن جاتا ہے:

"دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو"

اس کے علاوہ، سود کا رواج تجارتوں کو خراب کرتا ہے کہ سود خوار کو بے محنت و کاوش، مال کا حاصل ہو جانا، تجارت کی مشقتوں اور خطرات سے کہیں زیادہ آسان ہے اور تجارتوں سے بے رغبتی و بے التفاتی، انسانی معاشرہ کو ضرر پہنچاتی اور معاشی و اقتصادی بربادی کی طرف لے جاتی ہے۔ نیز سود کے رواج سے باہمی مودت کے سلوک کو نقصان پہنچتا ہے کہ جب آدمی سود کا عادی ہوا تو وہ کسی کو قرضِ حَسَن سے امداد پہنچانا گوارا نہیں کرتا، کسی کے دکھ درد میں کام نہیں آتا۔ بلکہ یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ سود خور کی طبیعت میں، درندوں سے زیادہ بے رحمی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ عموماً اپنے مدیون کی تباہی و بربادی کا خواہش مند رہتا ہے۔

سود کی یہ تباہ کاریاں اور ہولناک بد انجامیاں ایسی نہیں کہ جب تک قرآن کریم نہ سمجھائے یہ دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہوں اور ان کے مفاسد و نقصانات کا اندازہ نہ ہو۔ اسی لیے قرآن کریم نے ان تمام فتنہ سامانیوں سے صرفِ نظر فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ جب اس حاکم و حکیم مطلق نے جو تمام شرائع و احکام کا مالک ہے، ایک معاملت یعنی

تجارت کو جائز اور دوسری معاملت یعنی سود خوری کو حرام ٹھہرا دیا ہے تو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جائز و حلال کے اندر، بے شمار منافع و مصالح اور حرام و ناجائز میں بے شمار مفاسد و نقصانات ہیں اور بالفرض کسی کی سمجھ میں یہ مصالح و مفاسد نہ بھی آئیں، جب بھی حاکم مطلق کا حکم، واجب العمل تو بہرحال ہے۔

الغرض قطعی اور کلی صورت میں، سود خوری کو دنیا کے ضابطوں اور شریعتوں میں حرام صرف اسلام ہی نے قرار دیا۔ سود خوار کے دل میں شقاوت و سنگدلی، حرص مال اور بلا مشقت مال ہاتھ آجانے سے، نفس میں دناءت و کمینہ پن، ہوس، زرپرستی کا پیدا ہو جانا۔ ساہوکاروں کا بخل اور باہمی حسد و رقابت کے باعث ایک دوسرے کی اہانت و توہین اور قرضدار بیچارہ کی بے حرمتی و تذلیل، یہ وہ واقعات و مشاہدات ہیں کہ کسی انسانی دماغ میں ان تمام امور کو جاننے پہچاننے کے باوجود، اس کی قطعی بندش کا کوئی خیال جاگزیں نہ ہوا، انسانیت تڑپتی رہی، ضرورت مند مچلتے رہے۔ یہ فخر قیامت تک صرف اسلام اور رسولِ انام علیہ الصلوۃ والسلام کو حاصل بلکہ ان کے ساتھ مخصوص ہے کہ اس انسانیت کش رسم کو حرام قطعی اور ننگِ انسانیت قرار دیا اور وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا کا نعرہ بلند کیا اور عذابِ آخرت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا کہ "آخرت میں اپنی قبروں سے اٹھنے پر، یہ سود خوار سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے۔ کھڑے ہوں گے بھی تو دیوانوں آسیب زدوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے کہ سود سے ان کا پیٹ بہت بھاری اور بوجھل ہو جائے گا اور وہ اس کے بوجھ سے گر گر پڑے گا۔" اور اس کا ایک ہلکا سا رنگ بھی دنیا میں نظر آتا ہے اور واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سود خوار سے کوئی جن یا بھوت چمٹ گیا ہے۔ (ماخوذ)

سودی لین دین کا وبال

صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا کاغذ لکھنے

والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور یہ فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں "یعنی وبال و گناہ میں کوئی کسی سے کم تر نہیں"۔ امام احمد و ابوداؤد وغیرہما حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ سود کھانے سے کوئی نہیں بچے گا اور اگر سود نہ کھائے گا تو اس کے بخارات پہنچیں گے" (اور کسی نہ کسی طور پر اس میں ملوث ہو کر رہے گا یعنی سود دے گا، یا اس کی گواہی کرے گا۔ یا دستاویز لکھے گا یا سودی روپیہ کسی کو دلوانے کی کوشش کرے گا یا سود خوار کے یہاں دعوت کھائے گا یا اس کا ہدیہ قبول کرے گا)

حدیث شریف سے صاف عیاں ہے کہ سود کا تمسک لکھنا بھی موجبِ لعنت اور سود کھانے کے برابر ہے تو خود اس کا معاہدہ کرنا کس درجہ خبیث و بدتر ہو گا۔ اس کا اندازہ ادنیٰ عقل والا بھی لگا سکتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سود کا ایک درہم، جس کو جان کر، کوئی کھائے وہ چھتیس مرتبہ زنا سے بھی سخت ہے۔" (امام احمد)

اور دوسری حدیث میں ہے کہ سود (کا گناہ) ستر حصہ ہے۔ ان میں سب سے کم درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔ (ابن ماجہ)

اور انہیں احادیث کریمہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ ہر وہ ملازمت جس سے سودی کاروبار سے کسی طرح کا واسطہ پڑے، حرام ہے۔ مثلاً رجسٹروں میں صرف اس کا اندراج یا حساب کتاب کی درستگی، یا سودی تمسکوں کا لکھنا یا ان کی تصدیق کرنا یا ان کی جانچ پڑتال کرنا کہ یہ سب خلافِ شرع ہے اور ان میں ملازمت خلافِ شرع امور کو رواج دینا اور ان میں اعانت ہے۔ اور حرام میں اعانت، ضرور حرام۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ — گناہ و زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔ (ناجائز امور میں کسی کا ساتھ نہ دو)

پھر جس طرح، کسی ظالم نے کسی کا ذریعہ رزق تمام و کمال چھین لیا یا دبالیا کہ اگر وہ

مظلوم اسے نہ لے تو وہ اس کے اہل و عیال سب فاقے مریں، ناقابلِ برداشت مشقتوں میں گریں اور اس کا وہ ذریعہ رزق یا مالِ حلال، کذبِ صریح کے بغیر یا بلا رشوت دیئے نہیں مل سکتا تو اس ظلم اشد سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو بچانے کے لیے غلط بات کہہ دینے یا لقمۂ حرام اس کے منہ میں ڈال دینے کی رخصت و اجازت ہے۔ یونہی اگر سود دینے والا حقیقتاً کسی شرعی مجبوری کے سبب دیتا ہے تو اس پر لازم نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ بحوالہ درمختار) اور اگر بلا مجبوری شرعی سود دیتا ہے مثلاً تجارت بڑھانے یا جائیداد میں اضافہ کرنے یا اونچا محل کوٹھی بنگلہ بنوانے یا اولاد کی شادی میں بہت کچھ لگانے اور اپنی جھوٹی شان و شوکت دکھانے کے واسطے سودی قرض لیتا ہے تو وہ بھی سود کھانے والے کی مثل ہے۔ رہا وہ رشوت و سود لینے والا تو بہرحال ہے ہی سخت مجرم و گناہ گار اور عذابِ آخرت کا سزاوار۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

(۵) چند فقہی مسائل

(۱) ربا یعنی سود حرام قطعی ہے، اس کی حرمت کا منکر (کہ اسے قطعی حرام نہ جانے) کافر ہے۔ اور حرام سمجھ کر جو اس کا مرتکب اور اس لعنت میں گرفتار ہو، وہ فاسق اور مردود الشہادۃ ہے کہ اس کی گواہی رد کر دی جائے گی۔ ربا کے لغوی معنیٰ، ہر زیادتی اور اضافہ کے ہیں اور شرعاً عقد معاوضہ میں (جس میں لے دے کر، لین دین ہوتا ہے) جب دونوں طرف مال ہو اور ایک طرف زیادتی ہو، کہ اس کے مقابل، دوسری طرف کچھ نہ ہو یہ سود ہے۔ یا یوں کہئے کہ اصل قرضہ پر زیادتی، یا بلا معاوضہ مال، مال پر زیادتی کو ربا کہتے ہیں۔ خواہ یہ بڑی ہو یا چھوٹی۔

(۲) جو چیز کیلی یا موزون ہو کہ ماپ تول سے بکتی ہے، جب اس کو اپنی ہی جنس سے بدلہ جائے مثلاً گیہوں کے بدلے میں گیہوں یا جو کے بدلے میں جو کا لین دین ہو اور ایک طرف زیادہ ہے، یہ حرام اور سود ہے۔ اور اگر وہ چیز ماپ یا تول کی نہ ہو، یا ایک جنس کو دوسری جنس سے بدلا ہو تو سود نہیں۔ عمدہ و خراب کا یہاں کوئی فرق نہیں اور جس چیز پر

سود کی حرمت کا دارومدار ہے، وہ قدر و جنس ہے اور قدر سے مراد ہے وزن یا ماپ۔
(درمختار، ردالمحتار)

(۳) جن دو چیزوں کا ایک نام اور ایک کام ہو، وہ ایک جنس سمجھیں اور نام و مقصد میں اختلاف ہو تو دو جنس جانیں مثلاً گیہوں، جو، کپڑے کی قسمیں اور دھاتیں سب اجناس مختلف ہیں اور کھجور کی سب قسمیں ایک جنس ہیں (ردالمحتار) خواہ وہ عراق کی ہوں یا حجاز کی، مدنی ہوں یا طائفی۔

(۴) قدر و جنس دونوں موجود ہوں تو کمی بیشی بھی حرام ہے (اس کو ربا الفضل کہتے ہیں) اور ایک طرف نقد ہو، دوسری طرف ادھار، یہ بھی حرام ہے۔ (اس کو بالنّسیہ) کہتے ہیں) مثلاً گیہوں کو گیہوں کے بدلے میں بیع کریں تو کم و بیش کرکے دست بدست لینا دینا بھی حرام۔ اور ایک اب دیتا ہے دوسرا بعد میں دے گا، یہ بھی حرام۔ اور دونوں میں سے ایک موجود ہو، ایک نہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور ادھار حرام۔ مثلاً گیہوں کو جَو کے بدلے میں بیع کیا تو یہ جائز ہے، مگر ادھار بیچنا حرام اور سود ہے اگرچہ کمی بیشی نہ ہو۔

اور دونوں نہ ہوں تو کمی بیشی بھی جائز اور ادھار بھی جائز۔ مثلاً گیہوں اور جَو کو روپیہ سے خریدیں تو ظاہر ہے کہ پچاس سو روپیہ میں، جتنے چاہو خرید لو۔ کوئی حرج نہیں اور ادھار بھی جائز ہے کہ آج خریدو اور روپیہ دوسرے کی مرضی سے جب چاہو دو، یہ جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ)

(۵) جس چیز کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ماپ یعنی مقررہ پیمانہ سے تفاضل و زیادتی کو حرام فرمایا وہ کیلی ہے (یعنی ماپ کی چیز) اور جس کے متعلق وزن کی تصریح فرمائی، وہ وزنی ہے۔ حضور کے ارشاد کے بعد اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اور اگر عرف و رواج اس کے خلاف ہو تو عرف کا اعتبار نہیں، اور جس کے متعلق حضور کا ارشاد نہیں ہے اس میں عادت و عرف کا اعتبار ہے۔ ماپ یا تول، جو کچھ چلن ہو اس کا لحاظ ہو گا اور حکم شرعی کا اسی پر دارومدار رہے گا۔ (ہدایہ وغیرہا)

(۶) جو چیز وزنی ہو (کہ شرعاً اس کے وزنی ہونے کی تصریح وارد ہے) اسے ماپ کر یعنی کسی پیمانہ سے برابر کرکے، ایک دوسرے کو بدلے میں بیع کیا۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ

ان کا وزن کیا ہے، یہ جائز نہیں کہ کمی بیشی کا احتمال اور قوی اندیشہ ہے، ہاں اگر وزن میں دونوں برابر ہوں اور ماپ میں کم و بیش تو بیع جائز ہے اور جو چیز کیلی ہے، اس کو وزن سے برابر کرکے بیع کیا مگر یہ نہیں معلوم کہ ماپ میں برابر ہے یا نہیں، یہ بھی ناجائز ہے۔

ہندوستان و پاکستان میں گیہوں، جَو کو عموماً وزن سے بیع کرتے ہیں حالانکہ ان کا کیلی ہونا، حضور اقدس کے ارشاد سے ثابت ہے لہٰذا اگر گیہوں کو گیہوں کے بدلے یا جَو کو جَو کے عوض بیع کریں تو ماپ کر ضرور برابر کرلیں۔ وزن کی برابری کا اس میں اعتبار نہ کریں، یونہی گیہوں، جَو، قرض لیں تو ماپ کرلیں اور ماپ کر دیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۷) شریعت میں ماپ کی مقدار، کم سے کم نصف صاع ہے (تقریباً دو کلو) تو اگر کوئی کیلی چیز، نصف صاع سے کم ہو مثلاً ایک دولپ۔ اس میں کمی بیشی جائز ہے۔ یعنی اگر ایک لپ کے عوض دو لپ لیے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۶) بیعِ سَلَم کا بیان

اصطلاحِ شریعت میں، دو شخصوں کا باہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنے کو بیع کہتے ہیں اور بیع کی چار صورتیں ہیں:

(۱) دونوں طرف عین ہو۔ (کہ جس کا لینا دینا قرار پایا، وہی معین ہے۔ اسی میں لین دین ہو گا)

(۲) دونوں طرف ثمن ہو یعنی سونا چاندی یا اس کے زیورات یا ان کے سکے۔

(۳) یا ایک طرف عین ہو اور ایک طرف ثمن۔

(۴) یا دونوں طرف ثمن ہو کہ مبیع بھی سونا چاندی ہے اور ثمن بھی سونا چاندی۔

اگر دونوں طرف عین ہو تو اس بیع کو مقایضہ کہتے ہیں اور دونوں طرف ثمن ہو تو اسے بیع صَرف کہا جاتا ہے اور ایک طرف عین ہو، ایک طرف ثمن، تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر مبیع یعنی وہ چیز جو بیع کی جا رہی ہے اس کا وقتِ عقد ہونا ضروری ہو تو یہ

بیع مطلق ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ثمن کا فوراً دینا ضروری ہے۔ مبیع کی ادائگی، میعاد مقرر پر عمل میں آئے گی۔ اس صورتِ بیع کا نام بیعِ سَلَم ہے۔ لہٰذا بیع سَلَم میں جس چیز کو خریدا جاتا ہے، وہ بائع یعنی فروخت کنندہ کے ذمہ دَین (عرفِ عوام میں قرض) ہے، جبکہ مشتری پر لازم ہے کہ ثمن فی الحال ادا کردے۔

جو روپیہ دیتا ہے اس کو رَبُّ السَّلَم اور مُسْلِمْ۔ دوسرے کو مُسْلَم الیہ۔ مبیع کو مُسْلَم فیہ اور ثمن کو راس المال کہتے ہیں۔ ایجاب و قبول اس کے لیے بھی ضروری ہے۔ یعنی ایک کہے "میں نے تجھ سے سلم کیا۔" دوسرا کہے "میں نے قبول کیا۔" بیع کا لفظ بولنے سے بھی سلم کا انعقاد ہوتا ہے۔ (فتح القدیر، درمختار)

بیع سلم کے لیے چند شرطیں ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱) عقد میں خیارِ شرط (کہ اگر منظور نہ ہوا تو بیع باقی نہ رہے گی) نہ ہو قطعی طور پر بیع کریں۔

(۲) راس المال کی جنس کا بیان کہ روپیہ ہے یا اشرفی یا کوئی اور سکہ رائج الوقت اور اگر وہاں مختلف قسم کے روپے اشرفیاں یا سکے رائج ہوں تو اس کی نوع کو بھی بیان کرنا ہوگا کہ کس قسم کے روپے اشرفیاں وغیرہا ہیں اور کھرے کھوٹے کئی طرح کے سکے ہوں تو یہ بھی بتانا ہوگا کہ کون سے۔

(۳) اگر عقد کا تعلق راس المال کی مقدار سے ہو تو مقدار کا بیان کرنا بھی ضروری ہوگا کہ مثلاً یہ دو سو روپے ہیں، ورنہ اشارہ کرکے معین کردینا کافی ہے مثلاً کپڑے کا یہ تھان، قیمت میں دوں گا۔

(۴) اسی مجلس عقد میں راس المال پر مُسْلَم الیہ کا قبضہ ہو جائے۔

(۵) مسلَم فیہ کی جنس کا بیان کرنا مثلاً گیہوں یا جو۔

(۶) اس کی نوع کا بیان مثلاً فلاں قسم کے گیہوں اور وصف کا بیان کہ اعلیٰ یا اوسط یا ادنیٰ قسم کے گیہوں۔

(۷) مسلَم فیہ کی مقدار کا بیان کردینا کہ اتنی اور ناپ میں پیمانہ یا گز، اور تول میں، سیر کلو وغیرہ باٹ ایسے ہوں جو عام طور پر دستیاب ہیں تاکہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو۔

(۸) مسلَم فیہ دینے کی کوئی میعاد مقرر ہو۔ کم از کم ایک ماہ۔

(۹) مسلَم فیہ وقتِ عقد سے، ختمِ میعاد تک برابر بازار میں دستیاب ہوتا رہے۔

(۱۰) مسلَم فیہ ایسی چیز ہو کہ معین کرنے سے معین ہو جائے۔ روپیہ اشرفی میں سلم جائز نہیں کہ یہ معین نہیں ہوتے۔ اسے یوں سمجھنا چاہیے کہ کوئی چیز مثلاً دس روپے میں خریدی اور روپے بھی اسے اشارہ کرکے بتادیئے کہ ان دس روپوں کی تو انہیں دس روپوں کا دینا ضروری نہیں۔ دوسرے روپیہ یا نوٹ بھی دے سکتا ہے۔ مشتری کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں کہ وہ انہیں روپوں پر اصرار کرے جن کی طرف مشتری نے اشارہ کیا تھا۔

(۱۱) مسلَم فیہ اگر ایسی چیز ہو جس کی مزدوری اور باربرداری دینے پڑے تو وہ جگہ معین کردی جائے جہاں مُسْلَم فیہ ادا کرے گا، خصوصاً شہروں میں یا بڑے قصبوں میں۔
(درمختار، عالمگیری وغیرہ)

(۷) بیعِ سَلَم کا حکم

یہ ہے کہ مُسْلَم الیہ (جو روپیہ لیتا ہے) ثمن کا مالک ہو جائے گا اور رَبُّ السَّلَم (جو روپیہ دیتا ہے) مُسْلَم فیہ کا (یعنی جس میں بیع سلم ہوئی) جب یہ عقد صحیح ہوگیا اور مسلم الیہ نے وقت مقررہ پر مسلم فیہ کو حاضر کردیا، تو رب السّلم کو لینا ہی ہے۔ ہاں اگر شرائط کے خلاف وہ چیز ہے تو مسلم الیہ کو مجبور کیا جائے گا کہ جس چیز پر بیع منعقد ہوئی، وہ حاضر لائے۔ (عالمگیری)

یاد رکھنا چاہیے کہ بیع سلم ہر اس چیز میں ہو سکتی ہے جس کی صفت کا انضباط ہو سکے (اور بیان وصف کے بعد وہ متعین ہو سکے) اور اس کی مقدار بھی معلوم کی جا سکے۔ خواہ وہ چیز کیلی ہو جیسے گیہوں، جو، یا وزنی ہو جیسے لوہا، تانبہ، پیتل وغیرہ یا عددی متقارب ہو کہ گن کر فروخت کی جا سکتی ہے اور اس کے افراد تقریباً یکساں ہوتے ہیں جیسے اخروٹ، انڈے، ناشپاتی۔ (درمختار وغیرہ)

(۸) اِستِصناع کابیان

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کاریگر کو فرمائش دے کر چیز بنوائی جاتی ہے، اس کو استصناع کہتے ہیں (اور زبان عوام میں سائی) اگر اس میں کوئی میعاد مذکور ہو اور وہ ایک ماہ سے کم کی نہ ہو تو وہ سلم ہے لہٰذا ان تمام شرائط کی رعایت یہاں بھی لازم جو بیع سلم میں مذکور ہوئے۔ یہاں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کا چلن اور رواج مسلمانوں میں ہے یا نہیں بلکہ صرف یہ دیکھیں گے کہ اس میں سلم جائز ہے یا نہیں۔

ہاں اگر کوئی مدت ہی مقرر نہ کی جائے یا ایک ماہ سے کم کی مدت تو اب یہ استصناع ہے اور اس کے جواز کے لیے تعامل ضروری ہے۔ یعنی جس کے بنوانے کا رواج ہے، جیسے جوتا ٹوپی وغیرہ۔ اس میں استصناع درست ہے اور جس میں رواج نہ ہو جیسے کپڑا بنوانا، کتاب چھپوانا، اس میں درست نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

اور جو چیز فرمائش پر بنائی گئی، وہ بنوانے والے کے لیے متعین نہیں کہ اسے لینا ہی پڑ جائے بلکہ جب وہ پسند کرلے تو اس کی ہوگی اور فرض کرلو کہ کاریگر نے وہ چیز اس کے دکھانے سے پہلے ہی بیچ ڈالی تو یہ بیع درست ہے۔ ہاں اگر بنوانے والے کو اس نے یہ چیز پیش کردی تو اب کاریگر کو یہ اختیار نہیں کہ اسے نہ دے، کسی دوسرے کو دے دے۔ البتہ بنوانے والے کو اختیار ہے کہ نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے اور باہم یہ عقد قرار پائے اور کاریگر بنانا منظور کرے تو اب کاریگر کو یہ اختیار نہیں کہ نہ بنائے۔ عقد ہو جانے کے بعد بنانا لازم ہے۔ (ہدایہ)

(۹) بیع کے متفرق مسائل

(۱) مٹی کی گائے بیل، ہاتھی، گھوڑا اور ان کے علاوہ دوسرے کھلونے بچوں کے کھیلنے کے لیے خریدنا، ناجائز ہے اور رقم کا تلف کرنا، اور ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں

فرض کرو، تم خرید کرلائے اور کسی نے انہیں توڑ پھوڑ دیا تو اس پر تاوان واجب نہیں۔ ہاں لکڑی یا پلاسٹک یا ربڑ یا کسی دھات کے ہوں کہ بچے ان کے ساتھ کھیل میں مصروف رہ سکتے ہیں اور ادھر ماں بھی خانگی امور بخوبی انجام دے سکتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر نیت یہ ہو کہ بچوں میں ان چیزوں کی توڑ پھوڑ، اور اٹھا اٹھا کر پھینکنے میں بت شکنی کی عادت پڑے اور جب یہ بڑے ہوں تو بت پرستی سے نفرت، ان کے دلوں میں جاگزیں ہو چکی ہو، تو اس نیت حَسَن سے انشاء اللہ یہ فعل بھی حسن ہو جائے گا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ کسی جاندار کا کھلونا الماریوں میں زینت بنا کر نہ رکھا جائے کہ یہ حرام و ناجائز ہے اور رحمتوں کے فرشتوں کے دخول سے مانع۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہما)

(۲) کتا، بلی، ہاتھی، چیتا، باز، شکرا، بہری، ان سب کی بیع جائز ہے اور شکاری جانور معلَّم ہوں (سکھائے ہوئے کہ پے درپے تین مرتبہ شکار کر پکڑیں اور اس میں سے نہ کھائیں) یا غیر معلَّم، دونوں کی بیع صحیح ہے مگر یہ ضرور ہے کہ قابلِ تعلیم ہوں۔ کٹکھنا کتا جو قابلِ تعلیم نہیں ہے، اس کی بیع درست نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۳) بندر کو کھیل اور مذاق کے لیے خریدنا منع ہے اور اس کے ساتھ کھیلنا اور تمسخر کرنا حرام ہے اور عموماً بندروں کو خریدا بھی اسی نیت سے جاتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۴) کتا پالنا جائز ہے۔ جب کہ اس سے مقصود، جانور یا زراعت یا مکان کی حفاظت یا شکار کرنا ہو اور اگر یہ مقاصد نہ ہوں تو پالنا ناجائز ہے اور جس صورت میں پالنا جائز ہے، اس میں بھی مکان کے اندر نہ رکھے۔ البتہ اگر چور یا دشمن کا خوف ہے تو مکان کے اندر بھی رکھ سکتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۵) مچھلی کے سوا، پانی کے تمام جانور مینڈک، کیکڑا وغیرہ اور حشرات الارض، سانپ، چوہا، چھچھوندر، گھونس، چھپکلی، گرگٹ، گوہ، بچھو، چیونٹی کی بیع ناجائز ہے، اگرچہ علاج معالجہ کے لیے ہو کہ جو چیز شرعاً حرام ہے، اس سے دوا دارو کے لیے بھی انتفاع جائز نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۶) گیہوں میں جَو ملا دیئے ہیں۔ اگر جو اوپر دکھائی دیتے ہیں تو بیع میں حرج نہیں اور ان کا آٹا پسوالیا ہے تو بیچنا جائز نہیں۔ جب تک یہ ظاہر نہ کردے کہ اس میں اتنے گیہوں

ہیں اور اتنے جَو۔ (درمختار)

(۷) بکری کا گوشت کہہ کر خریدا اور نکلا بھیڑ کا۔ یا گائے کا کہہ کر لیا اور نکلا بھینس کا یا خصی کا گوشت لیا اور معلوم ہوا کہ خصی کا نہیں۔ ان سب صورتوں میں واپس کر سکتا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۸) جب تک خرید و فروخت کے مسائل معلوم نہ ہوں کہ کون سی بیع جائز ہے اور کون سی ناجائز، اس وقت تک آدمی تجارت نہ کرے۔ (عالمگیری)

(۹) تاجر اپنی تجارت میں اس طرح مشغول نہ ہو کہ فرائض فوت ہو جائیں، بلکہ جب نماز کا وقت آجائے تو تجارت چھوڑ کر نماز کو چلا جائے۔ (عالمگیری)

(۱۰) اچھے صاف گیہوں میں خاک دھول ملا کر بیچنا ناجائز ہے۔ اگرچہ وہاں ملانے کی عادت ہو۔ (عالمگیری) اسی طرح دودھ میں پانی ملا کر بیچنا ناجائز ہے۔ یونہی ہر اس چیز کا بیچنا ناجائز ہے، جس میں دوسری چیز اگرچہ کھائی پی جاتی ہو، ملا کر محض زیادہ نفع کی حرص میں بیچا جائے کہ یہ خریدار کے ساتھ فریب ہے اور اس سے بڑھ کر ناجائز، فریب کاری، دھوکہ دہی اور نفع خوری کی صورت وہ ہے جو آج کل عام طور پر ناخدا ترسوں میں رواج پا چکی ہے کہ حلال و طیب میں، حرام و خبیث مال ملا دینا، مثلاً مرچوں میں سرخ مٹی، دھنیہ میں بھوسہ، آٹے میں الم غلم ملا کر شکم پروری کا سامان کرنا کہ یہ درحقیقت اپنی دنیا کو بھی تباہ کرتا ہے اور آخرت کو بھی اور اگر دنیاوی وبال و نقصان سے بچ بھی جائیں تو عذاب جہنم تیار ہے۔

(۱۱) تاجروں نے اگر چیزوں کا نرخ بہت زیادہ کر دیا ہے تو حکومت وقت عام ضرورت کی چیزوں کا نرخ مقرر کر کے تاجروں کو اس کا پابند بنا سکتی ہے کہ اگر بیچیں تو مقررہ نرخ سے گراں نہ بیچیں۔ (درمختار، ہدایہ)

حرام طور پر مال کسب کیا یا پرایا مال غصب کر لیا اور اس مال سے کوئی اور چیز خریدی تو اس کی چند صورتیں ہیں:

(۱) بائع کو یہ روپیہ پہلے دے دیا پھر اس کے عوض میں چیز دے دی۔

(۲) اسی حرام روپیہ کو معین کر کے اس سے چیز خریدی اور یہی روپیہ دیا۔

(۳) اسی حرام روپیہ سے خریدی مگر دوسرا روپیہ ادا کیا۔

(۴) خریدنے میں اسے متعین نہیں کیا یعنی مطلقاً کہا، ایک روپیہ کی چیز دے دو اور یہ حرام روپیہ دیا۔

(۵) دوسرے روپیہ سے چیز خریدی اور حرام روپیہ دیا۔

پہلی دونوں صورتوں میں مشتری کے لیے وہ بیع حلال نہیں اور کچھ نفع اس سے حاصل کیا یا حاصل کرے گا، وہ بھی حلال نہیں۔ باقی تین صورتوں میں حلال ہے۔ (ردالمحتار)

اور تقویٰ و پرہیزگاری کا تقاضا یہ ہے کہ حرام مال اولاً تو اپنے پاس آنے نہ دے کہ خبیث ہے، سوا خبیث کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور باوجود احتیاط ایسا مال آ ہی گیا ہے تو پوری کوشش اس امر کی کرے کہ جس کا مال ہے اسے، اور وہ نہ ہو تو اس کے ورثہ کو پہنچائے۔ اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو اسے خیرات کر دے مگر اس خیرات پر ثواب کی امید نہ رکھے کہ یہ خود حرام ہے۔ ہاں وہ جو شرع نے حکم دیا کہ حقدار نہ ملے تو ناجائز طور پر حاصل کیا ہوا مال، فقیروں پر تصدق کر دے اور اس حکم کو مان کر، اسی حکم کی تعمیل میں فقیروں پر صدقہ کر دیا تو اس پر ثواب کی امید کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

(۱۰) بَیعِ صَرف کا بیان

اشیاء تین قسم پر ہیں:

(۱) ایک وہ کہ وہ ہمیشہ ثمن ہے یعنی مال کی طے شدہ قیمت۔

(۲) دوسری وہ کہ ہمیشہ مبیع ہو کہ جسے دینا کہا اسی کا دینا واجب ہے۔

(۳) اور تیسری وہ کہ کبھی ثمن ہو کبھی مبیع، کہ اسے مال کا عوض قرار دے کر مال خریدا گیا تو ثمن ہے اور خود اس سودا کیا گیا تو مبیع۔

اور وہ جو ہمیشہ ثمن ہے وہ سونا چاندی یا اس کے مروجہ سکے ہیں ان کے مقابل میں کوئی چیز ہو، ان کو بیچنا کیا جائے یا ان سے بیچنا کیا جائے ہر حال میں یہی ثمن ہیں۔ اسی ثمن

کو ثمن سے بیچنا اصطلاحِ شرع میں بیع صَرف کہلاتا ہے۔

اور ہر چند کہ اب سونے چاندی یا ان کے سکوں کا چلن عام طور پر عام ممالک میں جاتا رہا اور اب ان کی جگہ دوسری معمولی دھاتوں یا کاغذی نوٹوں کا رواج ہے تاہم اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے بلکہ زیورات کی خریداری کے وقت، جبکہ سونا چاندی دے کر زیورات خریدے جائیں، اس کی ضرورت پیش آ ہی جاتی ہے، اس لیے اس بیع صرف سے متعلق چند ضروری مسائل بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ یہ مسائل بھی ذہن نشین رہیں اور ناواقفی کے باعث، کوئی ایسا لین دین عمل میں نہ آئے جو شرعاً حرام و ناجائز ہے۔

(۱) بیع صَرف میں کبھی جنس کا تبادلہ، جنس سے ہوتا ہے جیسے چاندی کا روپیہ دے کر، چاندی یا چاندی کی ریزگاری خریدنا، یا اشرفی دے کر سونا خریدنا اور کبھی غیر جنس سے تبادلہ ہوتا ہے جیسے چاندی یا چاندی کے سکوں سے سونا یا سونے کا کوئی سکّہ مثلاً اشرفی خریدنا۔

پہلی صورت میں کہ چاندی کی چاندی سے، یا سونے کی سونے سے بیع ہوئی یعنی دونوں طرف ایک ہی جنس ہے تو شرط یہ ہے کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اور یہ بھی شرط ہے کہ اسی مجلس میں دست بدست قبضہ ہو، یعنی ہر ایک دوسرے کی چیز اپنے فعل سے قبضہ میں لے آئے اور لین دین مکمل ہو جائے، ورنہ بیع جائز نہ ہوگی۔ (عالمگیری)

(۲) وزن برابر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کانٹے یا ترازو کے وزن پلے میں، یہ دونوں عاقدین کے علم میں برابر ہوں اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا وزن کیا ہے۔ (درمختار)

(۳) اتحاد جنس کی صورت میں (کہ دونوں طرف ایک ہی جنس ہے) کھرے کھوٹے ہونے کا کچھ لحاظ نہ ہوگا۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ جدھر کھرا مال ہے، ادھر کم ہو اور جدھر کھوٹا مال ہے، ادھر زیادہ ہو کہ اس صورت میں بھی کمی بیشی سود ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

(۴) اس کا بھی لحاظ نہ ہوگا کہ ایک میں صنعت و کاریگری ہے اور دوسری طرف چاندی کا ڈھیلا ہے، یا ایک سکہ ہے دوسرا نہیں، اگر ان اختلافات کی وجہ سے کم و بیش کیا تو حرام و سود ہے۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

(۵) اگر دونوں طرف ایک جنس نہ ہو بلکہ مختلف جنسیں ہوں تو کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں مگر تقابض بدلین ضروری ہے یعنی جدا ہونے سے پہلے یہ بات ضروری ہے کہ ہر ایک ادلے بدلے کی چیز پر قبضہ کر لے۔ اگر دوسرے کی چیز اپنے قبضے میں لانے سے پہلے مجلس بدل گئی اور ایک دوسرے سے الگ ہو گیا تو بیع باطل ہو گئی۔ لہٰذا سونے کو چاندی سے، یا چاندی کو سونے سے خریدنے کی صورت میں اس کی بھی ضرورت نہیں کہ دونوں جانب کا وزن معلوم ہو کہ جب برابری شرط نہیں تو وزن بھی ضروری نہ رہا۔ صرف مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

(۶) سونے چاندی کا لین دین سونے چاندی سے نہیں ہوا بلکہ نوٹوں یا مروجہ سکوں سے ہوا (جو سونے چاندی کے نہیں) تو مجلس میں، دونوں جانب سے قبضہ ضروری نہیں۔ صرف ایک کا قبضہ ضروری ہے۔ چونکہ یہ چیزیں ثمن غیر خلقی ہیں جن کو ثمن اصطلاحی کہتے ہیں، یعنی یہ وہ چیزیں ہیں کہ ثمن ہونے کے لیے مخلوق نہیں ہیں، مگر لوگ ان سے ثمن کا کام لیتے ہیں۔ ثمن کی جگہ پر استعمال کرتے ہیں اور عاقدین اگر چاہیں تو ان کی ثمنیت کو باطل کر کے، جیسے دوسری چیزیں غیر ثمن ہیں، ان کو بھی غیر ثمن قرار دے سکتے ہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۷) ایسی چیز جس میں سونے چاندی کے تار یا پتر لگے ہوں، اس کو اسی جنس سے بیع کیا جائے تو ثمن کی جانب، اس سے زیادہ سونا چاندی ہونا چاہیے۔ جتنا اس چیز میں ہے تاکہ دونوں طرف کی چاندی یا سونا، برابر کرنے کے بعد، ثمن کی جانب کچھ بچے، جو اس چیز کے مقابل میں ہو، اگر ایسا نہ ہو تو سود اور حرام ہے اور اگر غیر جنس سے بیع ہو مثلاً اس میں سونا ہے، اور ثمن روپے میں تو فقط تقابض بدلین شرط ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۸) سونے کو سونے سے، یا چاندی کو چاندی سے بیع کیا اور ان میں ایک کم ہے ایک زیادہ، مگر جو کم ہے اس کے ساتھ کوئی ایسی چیز شامل کر لی جس کی کچھ قیمت ہے تو بیع جائز ہے اور اگر اس کی قیمت ہی نہ ہو جیسے مٹی کا ڈھیلا تو بیع جائز ہی نہیں۔ (ہدایہ)

(۹) چاندی سونے میں میل ہو مگر سونا چاندی غالب ہے تو وہ سونا چاندی ہی قرار پائیں گے، لہٰذا ان کی جنس سے بیع ہو تو وزن کے ساتھ برابر کرنا ضروری ہے۔ (عالمگیری)

(۱۰) ایسے روپے جن میں کھوٹ غالب ہے جب تک ان کا چلن ہے، ثمن ہیں۔ متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے۔ مثلاً ہاتھ میں روپیہ ہے اور اس کی طرف اشارہ کرکے دوسرے سے کہا کہ اس روپیہ کی فلاں چیز دے دو تو یہ ضروری نہیں کہ وہی روپیہ دے اس کی جگہ دوسرا بھی دے سکتا ہے۔ (در مختار، رد المحتار)

یہی حکم پیسوں کا ہے اور نوٹ بھی ثمن اصطلاحی ہے کہ تمام لوگ اس سے خرید و فروخت کرتے اور اپنے معاملات میں بے تکلف لیتے دیتے ہیں۔ ان کا حکم بھی کھوٹے روپے اور پیسوں کا ہے کہ ان سے خرید و فروخت بھی کرسکتے ہیں اور معین کرنے سے بھی معین نہیں ہوں گے۔ (بہارِ شریعت)

(۱۱) چاندی کے روپے سے چاندی خریدنا چاہتے ہیں اور چاندی سستی ہو، اگر برابر لیتے ہیں تو نقصان ہوتا ہے، زیادہ لیتے ہیں تو سود ہوتا ہے تو روپے کے چاندی میں پیسے یا نوٹ شامل کردیں، بیع جائز ہوجائے گی کہ زیادتی کے مقابل میں یہ پیسے یا نوٹ ہیں۔

(۱۱) بیع عِینہ، بیع تِلجئہ اور بیع الوفاء

شریعتِ مطہرہ نے جس طرح سود لینا حرام فرمایا، سود دینا بھی حرام فرمایا ہے۔ احادیث کریمہ میں دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ دونوں برابر ہیں۔ لیکن آج کل سود کی اتنی کثرت اور مال بڑھانے کی ایسی ہوس ہے کہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی پرواہ کیے بغیر، ہر ذریعہ آمدنی کو اختیار کرلیا جاتا ہے۔

قرضِ حَسَن کہ محض رضائے الٰہی کے لیے، اپنے ضرورت مند بھائی کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی جائز ضرورت پوری کرسکے، اب کون دیتا ہے اور دینے والے ہیں بھی تو معدودے چند کہ انگلیوں پر شمار کیے جاسکیں۔ دولت موجود ہے اور اتنی کہ کسی ضرورت مند کو قرض دینے کے بعد اپنی ضروریات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مگر نفع کمائے بغیر، کسی کے کام آجانا ان دولت مندوں کو گوارا نہیں۔

ادھر اہلِ حاجت، اپنی حاجت کے سامنے اس کا لحاظ بھی نہیں کرتے کہ سودی

روپیہ لینے میں، دنیاوی وبال کے علاوہ، آخرت میں کیسے وبال عظیم کا باعث ہے اور اس کے کیسے کیسے ہولناک نتائج سامنے آتے اور بربادیاں لاتے ہیں۔

ہاں آدمی واقعی مجبور ہی ہو جائے تو علمائے کرام نے ایسی صورتیں بیان فرمائی ہیں کہ حاجت مند کی حاجت پوری ہو جائے اور مال و دولت والے بھی نفع پاسکیں۔ سود سے بچنے کی انہیں صورتوں میں سے ایک صورت "بیع عینہ" ہے۔

جس کے متعلق امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے اور اس کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کی طرح ہے کیونکہ قرض کی خوبی اور حسن سلوک سے روگردانی کرکے قرض دینے والا، محض دنیاوی منافع پر، بخل مذموم کی پیروی کرکے رکھتا ہے اور یہ ایک بری بات ہے اور ناپسندیدہ۔ اور امام ابویوسف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نیت اچھی ہو (اپنے دنیاوی نفع کے ساتھ کسی حاجت مند مسلمان کی حاجت برآری) تو اس میں حرج نہیں کہ بلکہ یہ بیع کرنے والا مستحق ثواب ہے کیونکہ وہ سود سے بچنا چاہتا ہے اور حرام سے بھاگتا ہے اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ یہ بیع عینہ ہمارے زمانے کی اکثر بیعوں سے بہتر ہے۔

"بیع عینہ" کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے مثلاً ہزار روپیہ قرض مانگے۔ اس نے کہا کہ میں قرض تو نہیں دوں گا، البتہ یہ کرسکتا ہوں کہ فلاں چیز تمہارے ہاتھ گیارہ سو روپیہ میں بیچتا ہوں اگر تم چاہو تو خرید لو اور بازار میں فروخت کرکے ایک ہزار میں کام چلاؤ اور میعاد مقرر پر مجھے قیمت ادا کردینا۔

چنانچہ اسی صورت سے وہ بیع ہوگئی۔ بات صرف اتنی ہوئی کہ بائع نے زیادہ نفع حاصل کرنے اور سود سے بچنے کا یہ حیلہ نکالا کہ ہزار کی چیز مثلاً گیارہ سو میں فروخت کردی۔ حاجت مند کا کام چل گیا اور حرام اور سود کی لعنت میں پڑے بغیر قرض دینے والے نے خاطر خواہ نفع کمالیا۔

مولائے کریم ہماری حاجتوں کا کفیل ہو اور ہمارے اموال میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

بیع تلجئہ یہ ہے کہ دو شخص اور لوگوں کے سامنے بظاہر کسی چیز کو بیچنا اور خریدنا

چاہتے ہیں مگر درحقیقت ان کا ارادہ خرید و فروخت کا نہیں۔ اس کی ضرورت یوں پیش آتی ہے کہ بظاہر فروخت کنندہ جانتا ہے کہ اگر فلاں شخص کو یہ معلوم ہوا کہ یہ چیز میری ہے تو وہ زبردستی اس پر اپنا قبضہ جمائے گا اور یہ اس کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اسی مقصد کے لیے یہ شخص اس چیز پر بیع کا پردہ ڈال رہا ہے تاکہ اس کا قبضہ اس پر برقرار رہے۔ اس بیع میں اسی لیے یہ بات ضروری ہے کہ بائع مشتری سے کہہ دے کہ میں بظاہر تم سے بیع کروں گا، حقیقتاً بیع نہ ہوگی اور اسی لیے ضروری ہے کہ اس امر پر قابلِ اعتماد لوگوں کو گواہ بھی کرلے۔ محض دل میں یہ خیال کر کے بیع کی اور زبان سے اس کو ظاہر نہ کیا تو یہ بیع تلجئہ نہ ہوئی اور نہ اس سے اس کا مقصود حاصل ہوگا۔ (درمختار، ردالمحتار)

تلجئہ کا حکم ہزل کا ہے کہ صورتاً بیع ہے۔ حقیقتاً بیع نہیں۔ آج کل جس کو فرضی بیع کہا جاتا ہے وہ اسی تلجئہ میں داخل ہو سکتی ہے جبکہ اس کے شرائط پائے جائیں۔
(بہارِ شریعت)

تلجئہ کی تین صورتیں ہیں: نفسِ عقد میں تلجئہ ہو جیسا کہ اس کی صورت اوپر مذکور ہوئی یا مقدار ثمن میں تلجئہ ہو کہ آپس میں مثلاً طے ایک ہزار ہوگا، مگر ظاہر دو ہزار کیا گیا جیسا کہ آج کل اکثر شفعہ سے بچانے کے لیے دستاویز میں ثمن بڑھا کر لکھ دیتے ہیں۔ یہ حق تلفی ہے اور حرام۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ حقیقتاً روپے ثمن قرار پائے اور ظاہر میں اشرفیوں کو ثمن قرار دیا۔ (عالمگیری وغیرہ)

بیع الوفاء کی صورت یہ ہے کہ اس طور پر بیع کی جائے کہ بائع جب مشتری کو ثمن واپس کردے گا تو مشتری مبیع کو واپس کردے گا۔ یا یوں کہ مدیون (مقروض) نے دائن (قرض خواہ) کے ہاتھ دَین (قرض) کے عوض میں کوئی چیز بیع کر دی اور یہ طے ہو گیا کہ جب میں دَین ادا کروں گا تو اپنی چیز واپس لے لوں گا۔ یا یوں کہ میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ اتنے میں بیع کر دی۔ اس طور پر کہ جب ثمن لاؤں گا تو تم میرے ہاتھ بیع کر دینا۔ آج کل جو بیع الوفاء لوگوں میں جاری ہے، اس میں مدت بھی ہوتی ہے کہ "اگر اس مدت کے اندر یہ رقم میں نے ادا کردی تو چیز میری ورنہ تمہاری۔"

اور غور سے کام لیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ بیع الوفاء حقیقت

میں رہن ہے۔ لوگوں نے رہن کے منافع کھانے کی یہ ترکیب نکالی ہے کہ بیع کی صورت میں چیز رہن رکھ دیتے ہیں تاکہ مرتہن (جس کے پاس یہ چیز پہنچی) اس کے منافع سے مستفید ہو۔ لیکن شرعاً وہ اس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ شرعی اعتبار سے رہن کے تمام احکام اس میں جاری ہوں گے اور جو کچھ منافع اس پر حاصل ہوں گے، وہ سب واپس کرنے ہوں گے۔ اور جو کچھ منافع اپنے صرف میں لا چکا ہے یا ہلاک کر چکا ہے، سب کا تاوان دینا ہوگا۔ اور اگر مبیعہ ہلاک ہو گئی تو دَین کا روپیہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ بشرطیکہ وہ دَین کی رقم کے برابر ہو۔ اور اگر اس کے پڑوس میں کوئی مکان یا زمین فروخت ہو تو شفعہ بائع کا ہوگا کہ وہی مالک ہے مشتری کا نہیں کہ وہ مرتہن ہے۔ (ردالمحتار)

(۱۲) کفالت کا بیان

بیع کی تکمیل کے بعد کبھی بائع کو یہ خدشہ ہوتا ہے کہ خریدار پر رقم باقی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ دھوکہ دے اور میری رقم ڈوب جائے یا بیع سلم میں مشتری یعنی خریدار کو اس کا اندیشہ رہتا ہے کہ بائع کہیں، رقم نہ دبالے اور میں مبیع کے لیے مارا مارا پھروں یا ایسے ہی دوسرے کسی مطالبہ میں مدعی کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ معلوم نہیں مال وصول ہوگا یا نہیں اور مدعا علیہ کو یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں حراست میں نہ لے لیا جاؤں۔ ان اندیشوں سے ان لوگوں کو بچانے کے لیے شریعتِ مطہرہ نے جو تدبیر تعلیم فرمائی، اس کا نام ہے "کفالت" یعنی ذمہ داری۔

اصطلاحِ شریعت میں کفالت کے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص، اپنے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ مطالبہ میں ضم کردے۔ یعنی مطالبہ ایک شخص کے ذمہ تھا، دوسرے نے یہی مطالبہ اپنے ذمہ لے لیا۔ خواہ یوں کہ خود اس شخص کو وقت مقررہ پر قاضی یا منصف کے روبرو حاضر ہوگا، یا یوں کہ وہ چیز یا اس کی مقررہ قیمت، اگر اس نے ادا نہ کی تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

کفالت کے لیے چند شرائط ہیں، مثلاً:

کفیل (جس نے ذمہ داری لی اس) کا عاقل و بالغ ہونا۔ اس کا مرض الموت میں مبتلا نہ ہونا، جس چیز کی کفالت کی، اس کے ادا کرنے پر قادر ہونا وغیرہا۔

چند فقہی مسائل

(۱) کفالت ایسے الفاظ سے صحیح ہوتی ہیں جن سے کفیل کا ذمہ دار ہونا سمجھا جاتا ہو مثلاً یہ کہ میں اس کا ضامن ہوں یا یہ کہ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ (عالمگیری)

(۲) اس کا رکن ایجاب و قبول ہے یعنی ایک شخص الفاظِ کفالت سے ایجاب کرے اور دوسرا اسے قبول کرلے۔ تنہا کفیل کے کہہ دینے سے کفالت نہیں ہوسکتی۔

(عالمگیری)

(۳) کفالت کا حکم یہ ہے کہ اصیل (جس پر مطالبہ ہے اس) کی طرف سے، اس نے جس چیز کی کفالت کی اور ذمہ داری لی ہے، اس کا مطالبہ اس کے ذمہ لازم ہوگیا۔ وہ جب چاہے اس سے بھی مطالبہ کرسکتا ہے۔ اور اصیل سے بھی۔ اس کو انکار کی گنجائش نہیں۔ ہاں اگر اصیل سے اس نے اپنا حق وصول کرلیا تو اب کفیل بری ہوگیا۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۴) کفیل نے کوئی وقت مقرر کردیا مثلاً میں ایک ماہ تک کفیل ہوں، تو ایک ماہ کے بعد کفیل بری الذمہ ہو جائے گا۔ اب اس سے مطالبہ صحیح نہ ہوگا۔ (ردالمحتار)

(۵) کفالت بالنفس میں کہ وقت مقررہ پر اس شخص کو حاضر کرنے کا میں ضامن ہوں، طالب مطالبہ کرے تو اسی وقت متعین پر حاضر لانا ضرور ہے اور اگر اس نے حاضر کرنے میں کچھ کوتاہی کی تو خود اس کفیل کو قید کرلیا جائے گا۔ ہاں اگر معلوم ہے کہ اس کی جانب سے کوتاہی نہیں ہوئی تو اسے اتنا موقع دیا جائے گا کہ کوشش کرکے اسے لائے۔ اور اگر وہ لاپتہ ہوگیا اور طالب بھی اس بات کو مانتا ہے تو کفیل کو چھوڑ دیا جائے گا۔ (عالمگیری، درمختار)

(۶) عورت کا نان نفقہ، جو زن و شوہر کی باہم رضامندی سے مقرر ہوا ہے، یا قاضی نے اس کو مقرر کردیا ہے اس کی بھی کفالت ہوسکتی ہے یا قاضی کے حکم سے، نفقہ کے لیے عورت نے قرض لیا ہے، عورت اس کا مطالبہ شوہر سے کرے گی، اب شوہر کی طرف سے کسی نے کفالت کی تو یہ کفالت صحیح ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۷) دوسرے کی عورت سے کہا "میں ہمیشہ کے لیے تیرے نفقہ کا ضامن ہوں"، تو جب تک وہ عورت اس کے نکاح میں رہے گی، اس وقت تک یہ کفیل ہے، مرنے کے بعد یا طلاق کے بعد صرف عدت تک کا ضامن ہے، اس کے بعد کفالت ختم۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۸) ایک شخص دوسرے سے قرض مانگ رہا تھا۔ اس نے قرض دینے سے انکار کردیا۔ تیسرے شخص نے اس سے کہا کہ اس کو قرض دے دو، میں ضامن ہوں اور اس نے فوراً قرض دے دیا تو یہ شخص ضامن ہوگیا کہ اس کا قرض دے دیناہی، اس کفالت کو قبول کرلینا ہے۔ (ردالمحتار)

(۹) اصیل پر ہزار روپے تھے، کفیل نے طالب سے پانچ سو روپے میں مصالحت کرلی اور روپے اسے دے دیئے تو وہ مکفول یعنی اصیل سے (جس پر مطالبہ ہے) پانچ سو ہی لے سکتا ہے، ہزار نہیں کہ درحقیقت یہ تخفیف اصیل کے لیے ہوئی ہے۔ (ردالمحتار)

(۱۰) طالب یعنی مدعی کو اختیار ہے کہ وہ کفیل سے مطالبہ کرے یا اصیل سے یا دونوں سے۔ انکار کی گنجائش نہ اسے ہے نہ اُسے۔ (درمختار وغیرہ)

حکومت کی جانب سے جو مطالبات لازم ہوتے ہیں، ان کی کفالت بھی صحیح ہے۔ خواہ وہ مطالبہ جائز ہو یا ناجائز، کیونکہ یہ مطالبہ دَین کے مطالبہ سے بھی سخت ہوتا ہے۔ مالگزاری، انکم ٹیکس، جائیداد ٹیکس اور چنگی وغیرہ، گورنمنٹ کے وہ مطالبات ہیں جن کے ادا کرنے پر آدمی مجبور ہے لہٰذا ان سب کی کفالت صحیح ہے۔ (درمختار)

ایک نفیس فائدہ

مدعی یا مدعا علیہ کو، انہیں لاحق شدہ اندیشوں سے بچانے کے لیے کفالت کرنا محمود و حسن اور ایک پسندیدہ بات ہے لیکن اگر کفیل یہ سمجھتا ہو کہ یہ کارِ خیر میرے لیے وبالِ جان بن جائے گا اور خود مجھے اس پر شرمندگی ہوگی کہ لوگ قابلِ اطمینان نہیں تو اس سے بچنا ہی احتیاط ہے تورات مقدس میں ہے کہ کفالت کی ابتدا ملامت ہے۔ اوسط ندامت ہے اور آخر غرامت ہے۔ یعنی ضامن ہوتے ہی خود اس کا نفس، یا دوسرے لوگ اسے ملامت کریں گے۔ اور جب اس سے مطالبہ ہونے لگے گا تو خود کو شرمندگی لاحق ہوگی اور ان سے وصول نہ ہوا تو گرہ سے دینا پڑے گا۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

(۱۳) حوالہ کا بیان

مدیون یعنی مقروض، جس پر دوسرے کا دَین (قرض) ثابت ہے، کبھی اس کے اس مطالبہ مالی یعنی دَین کے ادا کرنے سے عاجز ہوتا ہے جبکہ دائن (قرض خواہ) تقاضا کرتا ہے کہ میری چیز مجھے دو۔ اس صورت میں، مدیون کسی تیسرے کو درمیان میں لاتا اور اپنا دَین اس کے ذمہ ڈال دیتا ہے اور حقدار بھی اس تیسرے کی ذمہ داری کو قبول کر لیتا ہے۔

اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ مدیون کا دوسرے پر دَین ہے اور خود اس پر دوسرے کا دَین ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ میرا دَین ادا کرو۔ اب یہ مدیون اپنے دائن یعنی جس کا دَین اس پر واجب ہے اس کو اپنے مدیون کے سپرد کر دیتا ہے کہ تم اپنا مطالبہ اس سے وصول کر لو جبکہ دائن کو اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنا دَین، اس دوسرے سے بہ آسانی وصول کر سکے گا۔

غرض کچھ ایسی ہی صورتیں پیش آتی ہیں اور آدمی اس مطالبہ کو جو اس پر ثابت

ہے، اپنے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی ذمہ داری کو منتقل کر دینے کا نام حوالہ ہے۔ کفالہ اور حوالہ میں فرق اتنا ہے کہ کفالہ میں مدعی یا طالب کو اختیار تھا کہ وہ کفیل سے مطالبہ کرے یا اصیل سے، جبکہ حوالہ میں ایسا نہیں بلکہ جب حوالہ صحیح ہو گیا تو مدیون دَین سے بری ہو جاتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

حوالہ صحیح ہونے کے لیے چند شرائط ہیں۔ مثلاً: (۱) مدیون (جسے محیل کہتے ہیں) اور دائن (جسے محتال کہا جاتا ہے) دونوں عاقل بالغ ہوں۔ (۲) محتال یعنی دائن کا اس حوالہ پر راضی ہونا اور اسی مجلس میں قبول کر لینا۔ (۳) جس پر حوالہ کیا گیا اور جسے محتال علیہ کہتے ہیں وہ بھی عاقل بالغ ہو اور اس حوالہ کو قبول بھی کر لے۔ (۴) جس چیز کا حوالہ کیا گیا ہو وہ دَین لازم ہو کہ بہرحال اس کی ادائیگی لازم ہے۔ (۵) دَین معلوم ہو۔ لہٰذا دَین مجہول کا حوالہ صحیح نہیں۔ مثلاً یہ کہہ دیا کہ جو کچھ تمہارا فلاں کے ذمہ مطالبہ ثابت ہو اس کا میں نے اپنے اوپر حوالہ کیا۔ یہ صحیح نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

چند فقہی مسائل

(۱) حوالہ کے رکن ایجاب و قبول ہیں۔ مثلاً مدیون کہے میرے ذمہ جو دَین ہے فلاں شخص پر میں نے اس کا حوالہ کیا اور محتال و محتال علیہ نے کہا ہم نے قبول کیا۔ (عالمگیری)

(۲) جو شخص جائیداد موقوفہ کی آمدنی کا حقدار ہے اس نے قرض لیا اور متولی پر دائن کو حوالہ کر دیا کہ میرے حصہ کی آمدنی سے اس کا دَین ادا کر دیا جائے اور ان دونوں نے قبول کر لیا تو یہ حوالہ صحیح ہے (ردالمحتار) یونہی ملازم پر دَین ہے۔ جس کے یہاں یہ ملازمت کرتا ہے، اس پر حوالہ کر دیا کہ میری تنخواہ سے اس کا دَین ادا کر دیا جائے یہ حوالہ بھی صحیح ہے۔ (بہارِ شریعت)

(۳) محیل یعنی مدیون پر دَین غیر میعادی ہے یعنی فوراً واجب الادا ہے اور اس کا حوالہ کر دیا تو محتال علیہ (جس پر حوالہ کیا گیا اس) پر فوراً ادا کرنا واجب ہے۔ (عالمگیری)

(۴) حوالہ کا روپیہ جب تک محتال علیہ ادا نہ کر دے محیل یعنی مدیون سے وصول

نہیں کر سکتا۔ اور فرض کرلو کہ کسی اجنبی شخص نے محتال علیہ کی طرف سے دَین ادا کر دیا تب بھی محتال علیہ، مدیون سے وصول کر سکتا ہے۔ (خانیہ، عالمگیری)

(۵) جس پر حوالہ کیا گیا تھا اس نے دَین ادا کر دیا تو جس مال کا حوالہ ہوا تھا وہی مال محیل یعنی مدیون سے وصول کرے گا وہ نہیں جو اس نے ادا کیا مثلاً روپیہ کا حوالہ ہوا اور اس نے اشرفیاں ادا کیں یا اس کا عکس ہوا۔ یا روپے کی جگہ کوئی سامان اسے ادا کر دیا، تو وہ چیز دینی ہوگی جس کا حوالہ ہوا۔ یعنی روپے یا اشرفی۔ (عالمگیری)

(۶) محتال علیہ اور محتال یعنی دائن و مدیون میں مصالحت ہوگئی تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر اسی قسم کی چیز پر مصالحت ہوئی جو واجب تھی یعنی جتنی دینی لازم تھی اس سے کم پر مصالحت ہوگئی مثلاً سو روپے کی جگہ اسّی (۸۰) پر مُصالحت ہوئی یعنی بیس (۲۰) اس نے معاف کر دیئے تو جتنے دیئے، اتنے ہی مدیون سے وصول کر سکتا ہے۔

اور اگر خلاف جنس پر مصالحت ہوئی، مثلاً دو ہزار روپے کی جگہ، اشرفی پر صلح ہوئی تو محتال علیہ، مدیون سے ہزار روپیہ وصول کر سکتا ہے۔ اشرفی نہیں۔ (عالمگیری)

(۷) ایک شخص نے دوسرے کی کفالت کی اور یہ شرط ہوگئی کہ اصیل (مدیون) بری ہے۔ یہ حقیقت میں حوالہ ہے اور حوالہ میں یہ شرط قرار پائی کہ اصیل سے بھی وہ مطالبہ کر سکے گا تو یہ کفالت ہے۔ (عالمگیری)

(۱۴) شہادت کا بیان

دینی اور دنیاوی معاملات میں بعض اوقات ایسی صورتیں بھی سامنے آتی ہیں کہ صاحبِ معاملہ، کسی پر کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا حق ہے لیکن تنہا اس کے اقرار یا دعویٰ یا بیان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا، اس لیے نہیں کہ وہ ناقابلِ اعتبار ہے، بلکہ اس لیے کہ اگر محض دعویٰ و بیان کی رو سے کسی کا کسی پر کوئی حق ثابت ہو جایا کرے تو دنیا سے امان اٹھ جائے اور لوگوں کا جینا دوبھر ہو جائے۔ اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اگر لوگوں کو محض دعویٰ کی وجہ سے دے دیا جایا

کرے تو کتنے ہی لوگ خون اور مال کا دعویٰ کر ڈالیں گے ولیکن مدعی (دعویدار) کے ذمہ بیّنہ (گواہ) ہے اور منکر پر قسم۔" (مسلم و بیہقی)

تو ضرور ہوا کہ مدعی اپنے دعویٰ کے ثبوت، یا اپنے کسی حق کو ثابت کرنے کے لیے حاکم اسلام کی مجلس میں ایسے اشخاص کو پیش کرے جو اس کے دعویٰ کی تصدیق کریں۔ لفظ شہادت کے ساتھ کسی کی تصدیق کرنے یا سچی خبر دینے کو شہادت یا گواہی کہتے ہیں۔

پھر چونکہ شہادت بھی شرعاً ایک اعزاز و منصب ہے۔ اس لیے ہر کس و ناکس نہ اس شہادت کا اہل ہے اور نہ ایرا غیرا، گواہی کے لیے موزوں۔ اس کے اہل وہی ہیں جن کی سیرت و کردار پر ہر اسلامی معاشرہ کو اطمینان ہو اور جو اپنے اخلاق و دیانت کے لحاظ سے بالعموم لوگوں کے درمیان قابلِ اعتماد سمجھے جاتے ہوں۔ جن کی بات پر اعتبار کیا جاتا ہو اور جن کی دیانت کم از کم عام طور پر مشتبہ نہ ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا:

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ۔ ایسے گواہ جن کو تم پسند کرو۔

اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان، ایسوں ہی کو گواہ بنانا اور اس کی گواہی کو قبول کرنا پسند کرے گا جو اس کے نزدیک ثقہ، عادل اور قابلِ اعتبار ہوں اور جن کے صالح ہونے پر اسے اعتماد ہو۔ جو عاقل ہوں، بالغ ہوں۔ آزاد ہوں اور دیندار ہوں۔

اسلام نے مسلمان عورتوں کو بھی یہ حق دیا اور عورت کی گواہی کو قابلِ قبول مانا۔ لیکن ساتھ ہی اپنے علمِ کامل اور تحقیق مطلق کی بنا پر، عورت کی گواہی کا مرتبہ، مرد کے مقابلہ پر نصف مانا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ۔

لہٰذا تنہا عورتوں کی گواہی کسی معاملہ میں، اگرچہ وہ چار ہوں، شرعاً معتبر نہیں۔ مگر جن امور پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے جیسے ولادت و بکارت یعنی عورت کا بچہ جننا یا اس کا باکرہ ہونا۔ یونہی نسوانی عیوب، یعنی عورتوں کے وہ عیوب جن پر مردوں کو اطلاع نہیں ہوتی ان میں ایک عورت کی شہادت بھی مقبول ہے، جبکہ وہ آزاد مسلمان ہو اور دو عورتیں ہوں تو اور بہتر۔

آیۂ کریمہ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ۔ الآیۃ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب مدعی

گواہوں کو طلب کرے تو انہیں گواہی چھپانا جائز نہیں، بلکہ مدعی کے طلب کرنے پر گواہی دینا لازم ہے، بلکہ اگر گواہ کو اندیشہ ہو کہ اگر میں نے گواہی نہ دی تو صاحبِ حق کا حق تلف ہو جائے گا۔ یعنی اسے معلوم ہی نہیں ہے کہ فلاں شخص معاملہ کو جانتا ہے تو اسے گواہی کے لیے کیسے طلب کرے گا۔ اس صورت میں بغیر طلب بھی گواہی دینا لازم ہے۔

البتہ حدود میں یعنی حدود کی گواہی میں دو پہلو ہیں، ایک ازالۂ منکر یعنی برائی کا ازالہ اور رفعِ فساد کہ معاشرہ میں فساد برپا نہ ہو۔ اور دوسرا مسلمان کی پردہ پوشی۔ اس لیے حدود کی گواہی میں گواہ کو اظہار اور اخفا کا اختیار ہے کہ پہلی صورت اختیار کرے اور گواہی دے تاکہ مجرم اپنی سزا کو پہنچے۔ یا دوسری صورت اختیار کرے اور گواہی دینے سے اجتناب و پرہیز برتے اور یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ، دنیا و آخرت میں اس کی ستاری کرے گا (اور اس کے جرائم پر پردہ ڈال دے گا)

ہاں جس پر جرم ثابت ہو چکا وہ بے باک و بدلحاظ ہو، حدودِ شرعیہ کی محافظت نہ کرتا ہو اور مسلمان اس کے کرتوتوں سے نالاں ہوں اور اس کی غلط روی سے دوسروں کے اخلاق و عادات اور کردار کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلی صورت اختیار کرے تاکہ لوگ اس کی شرارتوں اور بدکرداریوں سے محفوظ رہیں۔ یونہی چوری میں مال لینے کی شہادت دینا واجب ہے تاکہ جس کا مال چوری گیا ہے اس کا حق تلف نہ ہو۔ اتنی احتیاط کر سکتا ہے کہ چوری کا لفظ نہ کہے۔ اتنا کہنے پر اکتفا کرے کہ اس نے فلاں شخص کا مال لیا، یہ نہ کہے کہ چوری کی۔ اس طرح احیاء حق بھی ہو جاتا ہے اور پردہ پوشی بھی۔
(درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

(۱۵) جھوٹی گواہی کا وبال

حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی۔ جھوٹی گواہی بت پرستی کے برابر کی گئی۔ جھوٹی گواہی، شرک کے برابر کر دی گئی۔" تین بار اسے فرما کر، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ آیت اس کی سند میں پڑھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔

بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔ اللہ کے لیے باطل سے حق کی طرف مائل ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (ترمذی، ابن ماجہ وغیرہما)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ "جھوٹے گواہ کے پاؤں، جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم واجب کر دے گا۔" (ابن ماجہ)

اور بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ فرمایا "جو شخص لوگوں کے ساتھ یہ ظاہر کرتے ہوئے چلا کہ یہ بھی گواہ ہے، حالانکہ یہ گواہ نہیں۔ وہ بھی جھوٹے گواہ کے حکم میں ہے اور جو بغیر جانے ہوئے کسی کے مقدمہ کی پیروی کرے، وہ اللہ کی ناخوشی میں ہے جب تک اس سے جُدا نہ ہو جائے۔" اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ "جو گواہی کے لیے بلایا گیا اور اس نے گواہی چھپائی یعنی ادا کرنے سے گریز کیا، وہ ویسا ہے جیسا جھوٹی گواہی دینے والا۔" (طبرانی)

شہادت کے احکام و مسائل علماء سے دریافت کریں یا پھر "بہارِ شریعت" کا مطالعہ کریں۔

البتہ اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ مندرجہ ذیل افراد کی گواہی شرعاً مقبول و معتبر نہیں۔

(۱) کافر کی گواہی مسلم کے خلاف اور مرتد کی گواہی اصلاً مقبول نہیں۔

(۲) دو شخصوں میں دنیاوی عداوت ہو تو ایک کی گواہی دوسرے کے خلاف۔

(۳) جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہو کہ وہ اس کی عادت سی ہو گئی ہے۔

(۴) بچے کی گواہی اور ایسے لوگوں کی گواہی جو دنیاوی باتوں سے بے خبر رہتے ہیں

(۵) جس پر حد قذف قائم کی گئی ہو۔

(۶) جس کا جھوٹا ہونا مشہور ہے یا جھوٹی گواہی دے چکا ہے۔

(۷) زوج و زوجہ میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں اور خلاف ہو تو مقبول۔

(۸) اولاد کی گواہی ماں باپ، دادا دادی کے حق میں اور ان کی گواہی اولاد کے حق میں۔

(۹) کسی کاریگر کے پاس کام سیکھنے اور اس کی کفالت میں رہنے والوں کی گواہی، استاد کے حق میں۔

(۱۰) گویے، گانے والی یا بطور پیشہ نوحہ کرنے والی عورت۔

(۱۱) جو شخص اٹکل پچو باتیں اڑاتا ہو۔

(۱۲) جو کثرت سے قسم کھاتا یا اپنے بچوں کو یا دوسروں کو گالی دینے کا عادی ہو۔

(۱۳) جس کا پیشہ دلالی ہو کہ کثرت سے جھوٹ بولتا ہے۔

(۱۴) وکالت و مختاری کا پیشہ کرنے والے کہ خود جھوٹ سچ بولتے اور دوسروں کو تلقین کرتے ہیں۔

(۱۵) مرغ بازی، کبوتر بازی اور دوسرے ایسے ہی کھیل کود میں وقت گنوانے والے۔

(۱۶) جو شخص گناہ و حرام کی مجلس میں بیٹھتا ہے۔ اگرچہ وہ خود اس حرام کا مرتکب نہیں۔

(۱۷) سود خوار، جواری، چوسر، پچیسی یا علی الاعلان شطرنج کھیلنے والا۔

(۱۸) بغیر عذر شرعی نماز روزہ قضا کرنے والا یا جماعت ترک کرنے والا جبکہ کوئی عذر شرعی نہ ہو۔

(۱۹) حقیر و ذلیل افعال میں گرفتار و مشغول رہنے والا۔ مثلاً راستہ پر پیشاب کرنا۔ راستہ یا بازاروں میں کوئی چیز لوگوں کے سامنے کھانا۔ صرف پاجامہ یا تہ بند پہن کر، بغیر کرتا پہنے یا بغیر چادر اوڑھے عام گزرگاہ پر چلنا۔ لوگوں کے سامنے پاؤں دراز کر کے بیٹھ

جانا۔ ننگے سر ہو جانا جہاں اس کو خفیف الحرکتی، بے ادبی و بد شرمی تصور کیا جاتا ہو۔ وغیرہا۔

(۲۰) جو شخص بزرگانِ دین، پیشوایانِ اسلام مثلاً صحابہ و تابعین، وائمہ اہلِ بیت، خصوصاً امام حسین شہید کرب و بلا اور ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنہن اجمعین کو برے الفاظ سے علانیہ یاد کرتا ہو، اس کی گواہی بھی مقبول نہیں۔ انہیں بزرگانِ دین سلف صالحین میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ تو روافض کہ صحابہ کرام کی شان میں دشنام بکتے اور خوارج کہ اہلِ بیتِ کرام کی توہین و تنقیص میں پیش پیش رہتے ہیں اور ان میں بھی بالخصوص وہ جو شہزادہ گلگوں قبا، امام شہید جفا کی طرف، دنیا طلبی اور بغاوت کی نسبت کرتے اور یزید پلید کو امیرالمومنین اور چنین و چنان کہتے ہیں اور وہابیہ مقلدین کہ ان کے مذہب کا رکنِ اعظم محبوبانِ خدا کی تذلیل ہے اور وہابیہ غیر مقلدین کہ ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم کی شان میں سب و شتم اور بے ہودہ گوئی کو اپنا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں، ہرگز ہرگز کسی دینی یا دنیاوی معاملہ میں شہادت کے اہل نہیں۔

(درمختار، ردالمحتار، عالمگیری وغیرہا)

(۱۶) وکالت کا بیان

انسان کو اللہ تعالیٰ نے مختلف طبائع، جداگانہ طبیعتیں اور مختلف اوصاف عطا فرمائے ہیں۔ کوئی جسمانی یا ذہنی اعتبار سے دوسروں پر فائق ہے اوروں پر فوقیت رکھتا ہے اور کوئی کمزور، خفیف العقل، نحیف البدن اور دوسروں کے مقابل لاچار و بے بس، کچھ ایسے ناسمجھ اور دنیاوی معاملات سے محض ناواقف کہ دوسرے انہیں فاتر العقل جانیں، احمقوں کی دنیا میں بسنے والے مانیں۔ اور ان کے مقابل کچھ ایسے ذی ہوش، عقل مند اور معاملہ فہم کہ بات کی بات میں، ہر بات کی تہ تک پہنچ جائیں اور دوسروں کے کام بھی آئیں، غرض ہر شخص میں نہ اتنی اہلیت اور قابلیت ہے کہ اپنے تمام معاملات کو خود ہی انجام تک پہنچا سکے اور نہ اتنی معاملہ فہمی کہ دنیاوی امور کہ اس کی ذات سے متعلق ہیں، سب کو بہ حسن و خوبی نمٹا سکے۔ لہٰذا انسانی حاجت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے امور و

معاملات میں دوسروں سے مدد لے اور ان کے ذریعے انہیں اتمام تک پہنچائے۔ بلکہ بہت سے مواقع ایسے ہیں کہ آدمی ہر اعتبار سے دوسروں پر فوقیت و فضیلت رکھنے کے باوجود، دوسروں کے سپرد اپنے امور و معاملات کر دیتا اور ان کو اپنا قائم مقام بنا دیتا ہے۔ خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے کہ روزِ آفرینشِ دنیا سے، قیامِ قیامت تک، تمام جہاں کے لوگوں کو جتنی عقل عطا ہوئی ہے، وہ سب مل کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عقل کے آگے ایسی ہے جیسے تمام ریگستان دنیا کے سامنے، ریت کا ایک دانہ۔ (بیہقی)

بعض امور میں لوگوں کو اپنا وکیل بنایا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل کیا اور بعض صحابہ کو نکاح کا وکیل بنایا اور ان کے تصرف کو اپنا تصرف اور ان کی "ہاں، نہ" کو اپنا فعل قرار دیا۔

وکالت کے یہی معنی ہیں کہ جو تصرف آدمی خود کرتا، اس میں دوسرے کو اپنا قائم مقام کر دینا۔ خواہ یہ کہہ کر کہ میں نے تمہیں فلاں کام کرنے کا وکیل کیا۔ یا میں چاہتا ہوں کہ تم میری یہ چیز فروخت کر دو یا میرے لیے خرید کر لا دو یا یوں کہ میری خوشی ہے کہ تم میرا فلاں کام کر دو۔ یہ سب صورتیں توکیل یعنی دوسرے کو اپنا وکیل، اپنا قائم مقام بنانے کی ہیں۔ اسی لیے توکیل اسی چیز میں ہو سکتی ہے جس کو موکل (وکیل بنانے والا) خود کر سکتا ہو۔

مسائل فقہیہ

(۱) وکیل کا قبول کرنا، صحتِ وکالت کے لیے ضروری نہیں۔ یعنی ایک نے دوسرے کو وکیل بنایا اور وکیل نے کچھ نہیں کہا۔ یہ بھی نہیں کہ میں نے قبول کیا، مگر اس مؤکل کا کام کر دیا تو مؤکل پر لازم ہو گیا۔ ہاں اگر وکیل نے رد کر دیا تو وکالت نہیں ہوئی۔ فرض کرو ایک شخص نے کہا تھا کہ میری فلاں چیز بیچ دو، اس نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد بھی پھر بیع کر دی تو یہ بیع موکل پر لازم نہیں ہوئی۔ اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ اس لیے کہ

یہ اس کا وکیل نہیں۔ فضولی ہے۔ (عالمگیری)

(۲) توکیل کے لیے وکیل کا عاقل ہونا شرط ہے۔ بلوغ اور حریت اس کے لیے شرط نہیں۔ یونہی وکیل بنانے کے لیے وکیل کو علم ہو جانا شرط نہیں، مگر وہ وکیل اس وقت ہو گا یعنی اس کا تصرف اس وقت قابلِ قبول ہو گا جب اسے اپنا وکیل بنایا جانا معلوم ہو جائے۔ لہٰذا اگر کسی چیز کے بیچنے کا وکیل کیا اور وکیل کو ابھی علم نہیں ہوا ہے بطور خود اس وکیل نے وہ خرید و فروخت کر دی تو یہ بیع جائز نہ ہوئی۔ (عالمگیری)

(۳) وکیل سے چیز خریدی ہے۔ موکل ثمن کا مطالبہ کرتا ہے تو مشتری (خریدار) انکار کر سکتا ہے۔ کہہ سکتا ہے کہ میں نے تم سے نہیں خریدی، جس سے خریدی ہے اسی کو دام دوں گا۔ اور اگر مشتری نے موکل کو ثمن ادا کر دی تو دینا صحیح ہے، اگرچہ وکیل نے منع کر دیا ہو۔ (ہدایہ، البحرالرائق)

(۴) وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ جس کام کے لیے وکیل بنایا گیا ہے، دوسرے کو اس کا وکیل کرے۔ ہاں اگر موکل نے اس کو یہ اختیار دے دیا ہو کہ خود کر دے یا دوسرے سے کرا دے، تو وکیل بنا سکتا ہے۔ یا وکیل کے وکیل نے کام کر لیا اور موکل نے اسے جائز کر دیا تو اب درست ہو گیا یا وکیل سے کہہ دیا کہ جو کچھ تو کرے، مجھے منظور ہے۔ وکیل نے دوسرے کو یہ کام سونپ دیا تو یہ توکیل درست ہے۔ اور یہ وکیل ثانی، موکل کا وکیل قرار پائے گا۔ وکیل کا وکیل نہیں۔ یعنی اگر وکیل اول مرجائے یا مجنون ہو جائے یا معزول کر دیا جائے تو اس کا اثر وکیل ثانی پر کچھ نہیں۔ وہ اب بھی وکیل ہے اور اگر وکیل اول نے ثانی کو معزول کر دیا تو وہ معزول ہو جائے گا۔ (عالمگیری)

(۵) وکیل کے قبضہ میں جو چیز ہوتی ہے، وہ بطور امانت ہے۔ یعنی ضائع ہو جانے سے وکیل پر ضمان واجب نہیں۔ (عالمگیری)

(۶) وکیل اگرچہ کسی جگہ بھی اس کام پر مجبور نہیں کیا جا سکتا جس کے لیے اسے وکیل کیا گیا ہے، مگر بعض باتوں میں، وکیل اس کام کے لیے مجبور کیا جائے گا۔ وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ مثلاً اسے وکیل کیا گیا کہ یہ چیز فلاں شخص کو دے آؤ اور موکل غائب ہو گیا۔ وکیل پر لازم ہے کہ وہ چیز اسے پہنچائے۔ مدعی کی طلب پر، مدعیٰ علیہ نے وکیل کیا

اور خود مدعیٰ علیہ غائب ہو گیا تو وکیل پر پیروی کرنا لازم ہے۔ اور جو وکیل اُجرت پر کام کرتے ہوں جیسے دلال آڑھتی وہ بھی کام کرنے پر مجبور ہیں، انکار نہیں کر سکتے۔ (درمختار)

(۷) وکالت کبھی خاص ہوتی ہے کہ ایک مخصوص کام کے لیے وکیل کیا۔ وہ کام ختم تو وکالت بھی ختم اور کبھی عام ہوتی ہے کہ ہر قسم کے کام وکیل کو سپرد کر دیتے اور اسے تصرف کا اختیار دے دیتے ہیں، جسے مختار عام کہتے ہیں۔ اس صورت میں وکیل کو تمام معاوضات یعنی ایسے معاملات جن میں کچھ لیا دیا جاتا ہے، جیسے خریدنا، بیچنا، اجارہ پر دینا، اجارہ پر لینا، ان میں اسے اختیار تام حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر موکل کی بیوی کو طلاق دینا، اس کے غلام کو آزاد کر دینا یا دوسرے تبرعات (کہ محض فی سبیل اللہ، بطور احسان و سلوک وقوع پذیر ہوتے ہیں مثلاً کسی کو اس کی چیز ہبہ کر دینا، اس کی جائیداد کو وقف کر دینا وغیرہ)، اس قسم کے کاموں کا وکیل کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ یونہی اس کے قرضدار سے قرض معاف کر دینا۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۸) وکالت عقودِ لازمہ میں سے نہیں، یعنی نہ موکل پر اس کی پابندی لازم ہے اور نہ وکیل پر۔ جس طرح موکل جب چاہے، وکیل کو برطرف کر سکتا ہے۔ یونہی وکیل جب چاہے، اس سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ البتہ بہرحال دوسرے کو اس کا علم ہو جانا ضروری ہے۔ جب تک علم نہ ہو گا، معزول نہ ہو گا۔ (البحرالرائق)

(۹) وکیل کو معزول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کام کے لیے اس کو وکیل کیا ہے، وہ اب تک نہ ہوا ہو، اور کام پورا ہو گیا تو معزول کرنے کی کیا ضرورت ہے وہ خود ہی معزول ہو گیا کہ وہ کام ہی باقی نہ رہا جس میں وکیل تھا، مثلاً دَین وصول کرنے کے لیے وکیل کیا تھا اور دَین وصول کر لیا یا عورت سے نکاح کرنے کے لیے وکیل کیا تھا اور نکاح ہو گیا۔ (درمختار)

(۱۰) وکالت کو زمانہ یا مکان کے ساتھ مقید کرنا درست ہے۔ یعنی موکل نے کہہ دیا کہ اس چیز کو کل بیچنا یا خریدنا یا فلاں جگہ خریدنا یا بیچنا تو وکیل نہ آج عقدِ بیع کر سکتا ہے، نہ اس جگہ کے علاوہ دوسری جگہ۔ اور اگر وکیل سے یہ کہہ دیا تھا کہ فلاں کی معرفت کے بغیر یہ چیز مت خریدنا، اور وکیل نے اس کی معرفت بغیر خرید لی، تو یہ جائز نہیں۔ اگر

ہلاک ہو جائے تو نقصان وکیل کا ہو گا۔ موکل سے اس کا تعلق نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۷) دعویٰ حلف سے متعلق ضروری مسائل

(۱) ایک شخص نے حاکم اسلام کے روبرو، دوسرے پر کسی حق کا دعویٰ کیا۔ قاضی (حاکم اسلام) نے دعویٰ صحیح قرار دیا۔ تو اب حاکم اسلام اس دعویٰ کے متعلق مدعاعلیہ سے دریافت کرے گا تم کیا کہتے ہو۔ مدعاعلیہ اگر اس کا اقرار کرے تو بات ختم، اور فیصلہ مدعیٰ کے حق میں ہو گا اور اگر وہ انکار کر دے تو اس صورت میں مدعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کو گواہوں سے ثابت کرے۔ اگر ثابت کر دیا فبہا۔ فیصلہ مدعی کے موافق کیا جائے گا۔

اور اگر مدعیٰ گواہ پیش کرنے سے عاجز ہے اور مدعاعلیہ پر حلف دینے کو کہتا ہے تو اب اس پر حلف دیا جائے گا، ورنہ نہیں اور مقدمہ خارج کر دیا جائے گا کیونکہ حلف دینا مدعی کا حق ہے۔ اس کا طلب کرنا ضروری ہے۔ اب اگر مدعی کی طلب پر مدعیٰ علیہ نے قسم کھالی اور بیان دے دیا کہ اس کا مجھ پر کوئی حق نہیں، تو مدعیٰ کا دعویٰ خارج اور اگر مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کرتا ہے تو مدعی کا دعویٰ دلایا جائے گا۔ (درمختار وغیرہ)

(۲) مدعیٰ علیہ یہ کہتا ہے کہ نہ میں اقرار کرتا ہوں، نہ انکار، یا اس نے خاموشی اختیار کی، کچھ بولتا ہی نہیں، تو ان دونوں صورتوں میں قاضی، دونوں باتوں میں سے ایک پر مجبور کرے گا۔ اقرار یا انکار۔ خواہ اس کے لیے اسے قید ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ مگر امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مدعیٰ علیہ کا چپ سادھ لینا، بمنزلہ انکار کے ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (درمختار)

(۳) مدعیٰ علیہ خود قسم نہیں کھاتا بلکہ الٹا مدعیٰ سے کہتا ہے کہ اگر تم قسم کھا جاؤ، تو میں مال کا ضامن ہوں۔ مدعی نے قسم کھالی۔ تب بھی مدعیٰ علیہ مال کا ضامن نہ ہو گا کہ یہ تغییر شرع اور حکمِ شرعی کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا ہے اور فرض کرلو کہ مدعی کی قسم پر اس نے مال دے دیا، تب بھی یہ دینا باطل اور ناقابلِ قبول ہے۔ جو کچھ دیا ہے، اس سے

واپس لے سکتا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۴) مدعی کہتا ہے، میرے گواہ شہر سے غائب ہیں یا بیمار ہیں کہ کچہری تک نہیں آ سکتے تو مدعیٰ علیہ پر حلف دیا جائے گا، مگر قاضی اپنا آدمی بھیج کر تحقیق کر لے کہ واقعی یہاں وہ نہیں ہیں یا بیمار ہیں۔ بغیر اس کے حلف نہ دے۔ (عالمگیری)

(۵) حلف میں نیابت نہیں ہو سکتی کہ ایک کی جگہ دوسرا شخص قسم کھائے، استحلاف (قسم لینے) میں نیابت ہو سکتی ہے، یعنی دوسرا شخص مدعی کے قائم مقام ہو کر حلف طلب کر سکتا ہے مثلاً مدعی کا وکیل۔ (درمختار)

(۶) مدعیٰ علیہ پر حلف آیا۔ اس نے مدعی کو کچھ دے دیا کہ یہ چیز حلف کے بدلے میں لے لو اور مجھ پر حلف نہ دو۔ مدعی نے یہ بات مان کر صلح کر لی تو ایسا کرنا جائز ہے اور صحیح۔ اس کے بعد اب مدعی اس پر حلف نہیں رکھ سکتا۔ (کنز الدقائق)

(۷) قسم اللہ عزوجل کی کھائی جائے۔ غیر خدا کی قسم نہ کھائی جائے نہ کھلائی جائے حتیٰ کہ ہندوؤں اور ایسے ہی دوسرے غیر مسلموں سے بھی یہ کہلوایا جائے کہ خدا کی قسم۔ کسی بھی غیر مسلم سے حلف لینے میں، ایسی چیزوں کا ذکر نہ کیا جائے جن کی یہ لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ مثلاً ہندو سے کہنا کہ گنگا جل ہاتھ میں لے کر کہہ دو اور معاذ اللہ انہیں ان کے معبودانِ باطل کی قسم دینا، اور بھی مذموم بلکہ قابلِ توبہ جرم ہے۔ (ہدایہ وغیرہ)

(۸) اس زمانہ میں حلف لینے کی ایک صورت کا بڑا رواج ہے۔ یعنی جس سے قسم لینی ہوتی ہے، قرآن مجید اس کے ہاتھوں میں دے کر کچھ الفاظ کہلواتے ہیں مثلاً اسی قرآن کی مار پڑے، ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو۔ خدا کا دیدار یا شفاعت مصطفیٰ نصیب نہ ہو یا مدعیٰ علیہ، مدعی سے کہتا ہے کہ میں مسجد میں، یا فلاں بزرگ کے مزار پر، یا فلاں عالم صاحب یا پیر صاحب کے پاس رکھے دیتا ہوں۔ اگر یہ تمہارا حق ہے تو اٹھا لو۔ یہ سب باتیں خلافِ شرع ہیں۔ اس طرح کسی کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا اگر مدعیٰ علیہ اس طور پر قسم کھانے سے انکار کر دے تو وہ دعویٰ اس پر لازم نہیں ہوگا۔ یونہی اگر حقیقت میں مدعی کا حق نہیں ہے اور اس نے مزار یا مسجد سے وہ مال اٹھا لیا تو مدعا علیہ اس سے واپس لے سکتا ہے کہ استحقاق کا یہ شرعی طریقہ نہیں۔ (بہارِ شریعت)

(۹) بعض ایسی ایسی صورتیں ہیں کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کو قسم کھانا پڑتا ہے۔ اس کا اصطلاحی نام تحالف مثلاً دونوں ہی اپنے اپنے حق کا دعویٰ کرتے ہیں اور دونوں گواہ پیش کرنے سے عاجز ہیں اور ایک دوسرے کی ماننے پر بھی تیار نہیں تو دونوں پر حلف دیا جائے گا۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۰) دعویٰ کے جواب میں مدعیٰ علیہ کا ہیر پھیر کی باتیں، دعویٰ کا جواب نہیں۔ اسے ٹھیک جواب دینے پر مجبور کیا جائے گا اور ٹھیک جواب نہ دے تو اسے منکر قرار دیا جائے گا۔ (عالمگیری)

(۱۱) ایک صورت فیصلہ کی یہ ہے کہ دعویٰ قطعی قرائن سے ثابت ہو جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ مثلاً ایک خالی مکان سے، ایک شخص خون آلود چھری لیے ہوئے نکلا جس پر خوف و ہراس طاری ہے۔ لوگ اس مکان میں فوراً داخل ہوئے اور ایک شخص کو پایا جو فوراً ذبح کیا گیا ہے تو ان لوگوں کی شہادت پر وہ قاتل قرار پائے گا اگرچہ انہوں نے قتل کرتے نہیں دیکھا۔ (درمختار)

(۱۲) کسی شخص پر حلف دیا جائے، اس میں دو صورتیں ہیں، حلف خود اسی کے فعل سے متعلق ہے یا دوسرے کے فعل سے تعلق رکھتا ہے۔ پہلی صورت میں بالکل یقینی طور پر کہلوایا جائے کہ خدا کی قسم میں نے اس کام کو نہیں کیا ہے۔ اور حلف دوسرے کے فعل سے متعلق ہو تو قسم اس کے علم پر کھلائی جائے یعنی وہ کہے کہ واللہ میرے علم میں یہ نہیں ہے کہ اس نے ایسا کیا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۳) بائع اور مشتری میں سے ایک کہتا ہے، بیع ہوئی ہے، دوسرا کہتا ہے، نہیں ہوئی۔ تو اس صورت میں تحالف نہیں۔ بلکہ جو بیع کا منکر ہے اسی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے۔ (عالمگیری)

(۱۴) میاں بیوی کے مابین، سامانِ خانہ داری میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک کہتا ہے کہ میرا ہے اور گواہ کسی کے پاس نہیں تو جو چیز مرد کے لیے خاص ہے، اس کے متعلق قسم کا ساتھ مرد کا قول معتبر ہے اور جو چیزیں عورت کے لیے مخصوص ہیں، ان کے متعلق قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہے اور جو چیزیں دونوں کے کام کی ہیں، ان میں بھی مرد کا

قول معتبر ہے اور اگر اس صورت میں دونوں نے گواہ قائم کیے تو عورت کے گواہ معتبر ہیں۔ (در مختار وغیرہ)

(۱۸) قبضہ کی بنا پر فیصلہ

(۱۵) خانہ داری کے سامان کے متعلق، باپ اور بیٹے میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک اپنی ملک کا دعویٰ کرتا ہے تو اگر بیٹا باپ کے یہاں رہتا اور کھاتا پیتا ہے تو سب کچھ باپ کا ہے اور اگر باپ بیٹے کے یہاں رہتا سہتا اور کھاتا پیتا ہے تو سب چیزیں بیٹے کی ہیں۔ (البحرالرائق) کہ پہلی صورت میں باپ کا اور دوسری صورت میں بیٹے کا قبضہ ہے۔

(۱۶) مالک مکان اور کرایہ دار میں سامان کے متعلق اختلاف ہوا۔ اس میں کرایہ دار کی بات معتبر ہے کہ مکان اسی کے قبضہ میں ہے۔ وہی اس میں تصرف کرتا ہے اور جو چیزیں مکان میں ہیں ان پر بھی اس کا قبضہ و تصرف ہے تو ظاہراً یہ اسی کا ہے۔ (بحر وغیرہ)

(۱۷) ایک شخص نے مکان بیع کر دیا مگر قبضہ ابھی اسی بائع کا ہے کہ ایک نیا دعویدار پیدا ہوا اور وہ کہتا ہے کہ یہ مکان میرا ہے۔ اس امر کا فیصلہ کہ مکان کس کا ہے، بائع و مشتری، دونوں کی موجودگی میں ہونا ضروری ہے۔ (عالمگیری)

(۱۸) آٹا چکی میں جب پستا ہے تو کچھ اڑتا اور زمین پر جمع ہوتا رہتا ہے، صحیح یہ ہے کہ جو یہ آٹا اٹھالے، اسی کا ہے۔ (عالمگیری) آج کل عموماً چکی والوں نے قاعدہ مقرر کر رکھا ہے کہ جو آٹا پسوانے آتا ہے، اسے فی من، آدھ سیر یا سیر بھر کم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ چھیج ہے۔ حالانکہ اکثر اس سے بہت کم اڑتا ہے، اور یہ چھیج کافی مقدار میں جمع ہو جاتی ہے جسے چکی والے بیچ دیتے ہیں یا اپنے کام میں لاتے ہیں، یہ ناجائز ہے کہ دوسرے کی ملک پر بلاوجہ قبضہ و تصرف ہے۔ صرف اتنا ہی کم ہونا چاہیے جو اڑ گیا۔ (بہارِ شریعت)

(۱۹) کچرا گھر، جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے اور گوبر، لید، راکھ، دھول وغیرہ بھی وہاں پھینکتے ہیں تو جو یہاں سے اس کو اٹھالے، وہی مالک ہے۔ مالک زمین یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری زمین پر تھی لہٰذا [illegible] ہے۔ (عالمگیری)

(۲۰) لوگوں نے دیکھا کہ مکان میں سے ایک شخص نکلا، جس کی پیٹھ پر گٹھڑی بندھی ہے۔ صاحبِ خانہ کہتا ہے کہ یہ گٹھڑی میری ہے، اور وہ کہتا ہے کہ میری ہے اور میں اس کی خرید و فروخت کرتا ہوں۔ تو اگر معلوم ہے کہ یہ اس چیز کا تاجر ہے جو گٹھڑی میں ہے، مثلاً پھیری کر کے کپڑے بیچتا ہے اور لوگ اس سے واقف ہیں اور گٹھڑی میں بھی کپڑے ہی ہیں تو گٹھڑی اسی کی ہے ورنہ صاحبِ خانہ کی۔ (عالمگیری)

(۲۱)۔ دو مکانوں کے درمیان ایک دیوار مشترک ہے اور وہ گر گئی، ان میں سے ایک صاحبِ عیال ہے۔ اسے پردہ میں رہنے کی ضرورت ہے اور وہ دیوار بنانا چاہتا ہے تاکہ بے پردگی نہ ہو، اور دوسرا انکار کرتا ہے تو اگر دیوار اتنی چوڑی ہے کہ تقسیم ہو سکتی ہے، یعنی ہر ایک کے حصے میں اتنی چوڑی زمین آسکتی ہے جس پر پردہ کی دیوار بن جائے (جسے آج کل پردی کہتے ہیں) تو زمین تقسیم کر دی جائے تاکہ یہ اپنی زمین میں پردہ کی دیوار بنا لے۔ اور اتنی چوڑی نہ ہو تو دوسرا دیوار بنانے پر مجبور کیا جائے گا۔ (خانیہ)

(۲۲) غیر منقولہ میں، قبضہ کا ثبوت گواہوں سے ہوگا یا مالکانہ تصرف سے ہوگا مثلاً جنگل کی زمین میں گڑھا کھودنا، عمارت بنانا، یہ ایک تصرف ہے تو جس کا یہ تصرف ہے ظاہر ہے کہ وہی قابض ہے ورنہ جنگل اور غیر آباد دور دراز کی زمین پر قبضہ، کیا معلوم کہ کس نے پہلے کیا۔ (البحرالرائق)

(۱۹) مضاربت کا بیان

مضاربت، تجارت میں ایک قسم کی شرکت ہے کہ ایک جانب سے مال ہو اور ایک جانب سے کام۔ اور منافع میں دونوں شریک۔ مال دینے والے کو رَبُّ المال، کام کرنے والے کو مضارب اور مالک نے جو کچھ دیا، اسے راس المال کہتے ہیں۔

اور اگر تمام نفع رب المال ہی کے لیے دینا قرار پایا تو یہ مضاربت نہیں بلکہ اسے ابضاع کہتے ہیں اور کل منافع کام کرنے والے کے لیے طے پایا تو یہ قرض ہے۔

اس بیع کے مشروع ہونے میں حکمت یہ ہے کہ انسان مختلف قسم کے ہوتے

ہیں- ان میں مالدار بھی ہیں- غریب و نادار بھی لیکن بعض مالداروں کو کاروبار کا سلیقہ نہیں ہوتا- وہ نہیں جانتے کہ تجارت کے اصول و فروع اور قواعد و ضوابط کیا ہیں- روپیہ سے روپیہ کس طرح کمایا جاتا ہے اور رکھی ہوئی دولت کے بڑھانے کے لیے کون کون سے ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں- دوسری جانب وہ لوگ ہیں جو تہی دست ہیں- مال و دولت نام کی کوئی چیز، ان کے قبضہ و اختیار میں نہیں، مگر عقل و شعور اور معاملہ فہمی میں بڑا تجربہ ہے- کاروبار تجارت کا سلیقہ رکھتے ہیں لیکن روپیہ نہیں تو کریں کیا- شریعتِ مطہرہ نے دونوں کی ضرورتوں کا لحاظ فرما کر، اس امر کی اجازت دی کہ مالدار اور نادار، دونوں اپنی دولت اور خداداد صلاحیت کو مل کر کام میں لائیں اور نفع کمائیں، اور وہ اپنی دولت خرچ کرے- یہ اپنے تجربہ و صلاحیت کو کام میں لائے-

(بحر، بہارِ شریعت وغیرہ)

مضاربت کا حکم یہ ہے کہ جب مضارب یعنی کام کرنے والے کو مال دیا گیا اس وقت وہ امین ہے اور جب اس نے کام شروع کر دیا، اب وہ وکیل ہے- جب کچھ نفع ہوا تو اب شریک ہے اور رب المال یعنی مال دینے والے کے خلاف کیا تو غاصب ہے- جب مضاربت فاسد ہو گئی تو وہ اجیر (اُجرت پر کام کرنے والا) ہے اور اجارہ بھی فاسد-

(درمختار، بحر)

ایجاب و قبول، مضاربت کے رکن ہیں یعنی رب المال کہے میں نے تمہیں یہ روپیہ وغیرہ دیا تم اس سے تجارت کرو اور نفع ہم دونوں کے مابین اتنا اتنا، اور کام کرنے والا کہے میں نے قبول کیا- (البحر وغیرہ)

مسائل فقہیّہ

۱- مضاربت کے لیے چند شرائط ہیں- ان کے بغیر مضاربت صحیح نہیں-
(۱) راس المال از قبیل ثمن ہو مثلاً درہم و دینار یا سکہ رائج الوقت یا سونا چاندی-
(۲) راس المال کی مقدار معلوم ہو کہ اس قدر ہے- (۳) راس المال معین ہو، دَین نہ

ہو- (۴) راس المال پر مضارب کا پورا قبضہ ہو جائے- رب المال کا قبضہ بالکل نہ رہے- (۵) نفع دونوں کے مابین شائع ہو مثلاً نصف نصف یا دو تہائی ایک کا اور ایک تہائی ایک کا- یا تین چوتھائی ایک کا، ایک چوتھائی دوسرے کا- غرض ہر ایک کا حصہ متعین و معلوم ہو جائے- (۶) مضارب کے لیے نفع دینا شرط ہو- اگر راس المال سے کچھ دینا شرط کیا گیا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی- (درمختار وغیرہ)

۲- رب المال نے روپیہ دیا اور مضارب سے کہہ دیا کہ تمہارا جو جی چاہے، نفع میں سے مجھے دے دینا- یہ مضاربت فاسدہ ہے اور جو مال مضارب کے پاس ہے وہ امانت ہے گر کچھ نقصان ہو جائے تاوان اس کے ذمہ نہیں، جس طرح مضاربت صحیحہ میں ضمان نہیں- (عالمگیری)

۳- مضاربت میں جو کچھ خسارہ ہوتا ہے وہ رب المال کا ہوتا ہے-

۴- مضاربت اگر فاسد ہو جاتی ہے تو وہ اب اجارہ کی طرف منقلب ہو جاتی ہے یعنی اب مضارب کو مقررہ منافع نہیں ملے گا بلکہ اُجرت مثل ملے گی کہ اگر کوئی اور یہ کام اُجرت پر کرتا تو جتنی اُجرت وہ پاتا اسے بھی دی جائے گی، نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو-

(درمختار)

۵- مضاربت میں رب المال نے شہر یا وقت یا قسم تجارت کی تعیین کر دی ہو یعنی کہہ دیا ہو کہ اس شہر میں، یا اس زمانہ میں خرید و فروخت کرنا، یا فلاں قسم کی تجارت کرنا، تو مضارب پر اس کی پابندی لازم ہے- یونہی اگر کہہ دیا کہ فلاں دکان سے خریدنا یا فلاں کے ہاتھ بیچنا تو مضارب اس کے خلاف نہیں کر سکتا- (درمختار، ردالمحتار)

۶- دونوں میں سے ایک کے مرجانے سے مضاربت باطل ہو جاتی ہے- (درمختار)

۷- مضارب کو رب المال معزول کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس کو معزولی کا علم ہو جائے اور اگر مالک نے معزول کر دیا مگر مضارب کو خبر نہ ہوئی تو معزول نہیں لہٰذا ایسی حالت میں وہ جو کچھ تصرف کرے گا شرعاً صحیح ہو گا- (درمختار)

۸- نفع کے متعلق جو قرارداد ہو چکی ہے مثلاً نصف نصف یا کم و بیش، اس میں کمی یا زیادتی کرنا جائز ہے- خواہ رب المال مضارب کا حصہ نفع میں بڑھا دے یا مضارب اپنا

حصہ کم کردے۔ غرض اب نفع کی تقسیم اسی جدید قرارداد پر ہوگی۔ (عالمگیری)

۹۔ مضارب، جب تک اپنے شہر میں کام کرتا ہے، کھانا پینا اور دوسرے مصارف کا بار، مال مضاربت پر نہیں ڈالا جائے گا بلکہ ایسے تمام اخراجات کا تعلق مضارب کی ذات سے ہوگا۔ اور اگر پردیس جائے گا تو کھانا پینا کپڑا سواری اور عادتاً جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور جن کا تاجروں میں عرف و رواج ہے، وہ سب مصارف، مال مضاربت میں سے ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہو اور اگر مضاربت فاسد ہو تو پردیس کے مصارف بھی اس کی ذات پر پڑیں گے۔ مال مضاربت پر نہیں۔ (ہدایہ)

۱۰۔ جو کچھ نفع ہوا، پہلے اس سے اخراجات پورے کیے جائیں جو مضارب نے راس المال سے کیے ہیں اور جب راس المال کی مقدار پوری ہوگئی، اس کے بعد جو کچھ بچا تو اس کو وہ دونوں، حسب شرائط باہم تقسیم کرلیں۔ اور نفع کچھ نہیں بچا تو کچھ نہیں۔ مثلاً رب المال نے ہزار روپے دیئے تھے۔ ایک سو روپیہ مضارب نے اپنے اوپر جائز طور پر خرچ کرڈالے جیسا کہ عموماً تاجروں میں معمول ہے۔ اب معلوم ہوا کہ صرف سو (۱۰۰) ہی روپے نفع کے تھے کہ پورے خرچ ہوگئے اور کچھ نہیں بچا۔ ہاں نفع کے سو سے زیادہ ہوتے تو تقسیم ہوجاتے۔ (درمختار)

۱۱۔ مضارب نے جو اخراجات، معمول کے مطابق کیے، اگر نفع کی مقدار، اس سے کم ہے تو مصارف کی بقیہ رقم، راس المال سے پوری کی جائے۔ (عالمگیری)

(۲۰) ودیعت کا بیان

دوسرے شخص کو اپنے مال کی حفاظت پر مقرر کردینے کو ایداع کہتے ہیں اور ودیعت خاص اس مال کو کہتے ہیں جو حفاظت کے لیے دوسرے کو سپرد کی جاتی ہے۔ اسی کو عام طور پر امانت کہا جاتا ہے۔ حالانکہ عاریت اور کرایہ کی چیز بھی امانت ہے۔

عقدِ ودیعت، مشروع و مندوب ہے کہ اس میں اپنے بھائی کی کسی چیز کی حفاظت پر اس کی اعانت ہے اور نیکی و پرہیزگاری پر مدد و اعانت شرعاً مطلوب۔ قرآن کریم کا ارشاد

گرامی ہے:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔"

آپس کے لین دین کے معاملات میں جو اخلاقی جوہر، مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ دیانت داری اور امانت ہے اور مقصود اس سے یہ ہے کہ انسان اپنے معاملات میں راست باز اور اپنے کاروبار میں ایماندار ہو اور جس کا جس کسی پر جتنا آتا ہو، اس کو پوری دیانت سے رتی رتی ادا کرے۔ اسی کو عربی میں امانت کہتے ہیں، ودیعت کہنا چاہیے کہ اسی کی ایک خاص صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ، جو امین بنایا گیا ہے، وہ اپنی امانت ادا کر دے۔

یعنی لے کر مکر نہ جائے۔ یا واپس کرنے میں حیلے حوالے نہ کرے یا اس میں بلا اجازت کوئی چیز تصرف نہ کرے اور جس نے اسے قابلِ اعتماد سمجھ کر اس کی حفاظت میں کوئی چیز دی، اس کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائے۔

احادیث میں وارد کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جس میں امانت نہیں۔ اس میں ایمان نہیں۔" اور ایک حدیث میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر رہے گی۔ جب تک وہ امانت کو مالِ غنیمت اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی۔"

اور ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ "منافق کی علامت یہ رہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے"۔

غرض ودیعت، باہمی اعتماد کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ اور جس کی حفاظت میں دی جائے اس کے اخلاق کی اصلاح کا ایک وسیلۂ جلیلہ۔

جس کی چیز ہے اسے مُودِع کہتے ہیں اور جس کی حفاظت میں دی گئی، اسے مُودَع، ایداع کی دو صورتیں ہیں کبھی صراحتاً کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ چیز تمہاری حفاظت میں دی۔ تمہارے پاس ودیعت رکھی یا ایسے ہی دوسرے الفاظ یا افعال جو اس کے قائم مقام ہوں۔ اور کبھی اس کی ثبوت دلالتاً ہوتا ہے مثلاً کسی کی کوئی چیز گر گئی، دوسرے

نے مالک کی غیر موجودگی میں لے لی، تو یہ چیز اس لینے والے کی حفاظت میں آگئی۔ اگر لینے کے بعد اس نے چھوڑ دی اور وہ چیز ضائع یا تلف ہو گئی تو اس میں اس کی کوتاہی کا دخل ہوا لہٰذا وہ ضامن ہے۔ ہاں مالک کی موجودگی میں لی تو ضمان نہیں کہ مالک خود اس کی حفاظت کرے گا۔

مسائل فقہیّہ

(۱) ودیعت کے لیے ایجاب و قبول ضروری ہیں۔ خواہ یہ دونوں چیزیں صراحتاً ہوں یا دلالتاً۔ مثلاً کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رکھ کر چلا گیا اور زبان سے کچھ نہ کہا۔ اور یہ دوسرا خاموش رہا۔ جیسا کہ لوگ حمام میں غسل کے لیے جاتے ہیں اور کپڑے حمام والے کے پاس رکھ کر اندر غسل وغیرہ کرتے ہیں تو اس کی حفاظت اس حمامی پر واجب ہے۔ وہ یہ نہیں کر سکتا کہ میں نے حفاظت کا ذمہ نہیں لیا تھا۔ (درمختار)

(۲) ودیعت کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ مال اس قابل ہو جو قبضہ میں آسکے اور یہ بھی شرط ہے کہ جس کے پاس امانت رکھی جائے وہ مکلف یعنی عاقل بالغ ہو۔ (درمختار)

(۳) ودیعت کا حکم یہ ہے کہ وہ چیز مُودَع کے پاس امانت ہوتی ہے اور اس کی حفاظت مُودَع پر واجب اور جب مُودِع یعنی اس کا مالک اسے طلب کرے تو اس کو بعینہٖ واپس کر دینا۔

(۴) ودیعت کو قبول کرنا مستحب و کارِ ثواب ہے۔ اور اگر مُودَع کی اپنی سی پوری احتیاط کے باوجود، وہ شے ضائع ہو جائے تو اس کا ضمان واجب نہیں کہ وہ امانت ہے۔ (عامہ کتب)

ضمان واجب نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ودیعت کا قبول کرنا، یہ مُودَع کی جانب سے محض ایک تبرع اور احسان ہے۔ اور اس کی ضرورت ظاہر۔ اب اگر ودیعت کے ضائع ہو جانے پر مُودَع پر ضمان لازم آئے تو لوگ کیوں کسی کی ودیعت قبول کریں گے۔ تو یہ مسلمان پر ایک خواہ مخواہ کی مشقت ہو گی۔

(۵) ودیعت کو نہ دوسرے کے پاس امانت رکھ سکتا ہے، نہ مُودَع اسے عاریت یا اجارہ پر دے سکتا ہے۔ نہ اس کو رہن رکھ سکتا ہے۔ ان میں سے کوئی کام کرے گا۔ تو تاوان دینا ہو گا۔ (عالمگیری)

(۶) مودَع کو اختیار ہے کہ وہ خود حفاظت کرے یا اپنی اہل و عیال کی حفاظت میں دے دے۔ جیسے وہ خود اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں، اس کے ماں باپ، بیوی وغیرہم گھر والے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ یونہی عورت نے خاوند کی حفاظت میں ودیعت چھوڑ دی۔ یہ جائز ہے۔ لہٰذا ان صورتوں میں ودیعت تلف ہو جائے تو مودَع پر کوئی تاوان نہیں۔ (درمختار)

(۷) جو شخص مودَع کی عیال میں ہے، اس کی حفاظت میں ودیعت کو اس وقت چھوڑ سکتا ہے۔ جب یہ امین ہو اور اگر اس کی خیانت معلوم ہو اور ودیعت اس کے پاس چھوڑ دی اور ہلاک ہو گئی تو تاوان دینا ہو گا کہ اب مودَع کی لاپرواہی اور کوتاہی اس کا سبب ہوئی۔ (درمختار وغیرہ)

(۸) جس کی چیز ہے، اس نے طلب کی تو مودَع کو منع کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر اس وقت دینے سے عاجز ہے۔ مثلاً ودیعت یہاں موجود نہیں ہے اور جہاں ہے وہ جگہ دور ہے یا کوئی اور ایسی ہی مجبوری ہے تو ایسی صورت میں فی الحال دینے سے انکار کر سکتا ہے۔ (درمختار)

(۹) ودیعت کو اپنے مال یا دوسرے کے مال میں، بدون اجازتِ مالک، اس طرح ملا دینا کہ امتیاز باقی نہ رہے یا بہت دشواری سے جدا کیے جا سکیں، یہ حرکت موجبِ ضمان ہے، دونوں مال ایک قسم کے ہوں یا مختلف قسم و جنس کے۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۰) دو شخصوں نے مل کر کسی کے پاس ودیعت رکھی ہے۔ اب ان میں سے ایک اپنا حصہ مانگتا ہے۔ تو دوسرے کی غیر موجودگی میں، امین کو دینا جائز نہیں اور اگر اسے دے گا تو اس پر کوئی ضمان نہیں۔ (درمختار، عالمگیری)

(۱۱) مودَع کہتا ہے۔ ودیعت ہلاک ہو گئی اور مالک اس کی تکذیب کرتا اور کہتا ہے کہ اس پر حلف دیا جائے۔ حلف دیا گیا تو اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا۔ اس سے

ثابت ہوا کہ چیز اس کے یہاں موجود ہے لہٰذا اسے قید کیا جائے گا اور اس وقت تک وہ قید میں رہے گا کہ چیز دے دے، یا ثابت کردے کہ چیز نہیں باقی رہی۔(عالمگیری)

(۱۲) شادی میں روپے پیسے نچھاور کرنے کے لیے کسی کو دیئے، تو شخص ان میں سے اپنے لیے کچھ نہیں بچا سکتا اور نہ خود گرے ہوئے کو لوٹ سکتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کر سکتا کہ دوسرے کو لٹانے کے لیے دے دے۔ نکاح کے بعد چھوارے وغیرہ جو لٹانے کے لیے دیئے جاتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے۔(عالمگیری)

(۱۳) مودِع یعنی ودیعت رکھنے والے نے، اگر ایسی شرط لگائی جس کی رعایت ممکن ہے اور وہ مفید بھی ہو تو اس کا اعتبار ہے۔ اور ایسی نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔ مثلاً یہ شرط کہ اسے اپنے ہاتھ میں لیے رہنا۔ کسی جگہ نہ رکھنا۔ اس قسم کی شرطوں پر عمل کرنا مودَع کے لیے ضروری نہیں۔(عالمگیری)

(۱۴) کتاب ودیعت ہے۔ اس میں مودَع کو کوئی غلطی نظر آئی۔ اگر معلوم ہے کہ درست کرنے سے مالک کو ناگواری ہوگی تو درست نہ کرے۔(عالمگیری) اور غلطی پر آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(۲۱) عاریت کا بیان

دوسرے شخص کو، اپنی کسی چیز کی منفعت کا، بغیر عوض مالک کر دینا (کہ وہ دوسرا اس سے نفع اٹھائے اور چیز اسی کی ملک ہے) عاریت کہلاتا ہے۔ جس کی چیز ہے اسے مُعیر (عاریت پر دینے والا) کہتے ہیں۔ جس کو چیز دی گئی اسے مُستعیر (عاریت پر لینے والا) اور جو چیز عاریتاً دی گئی، اسے مستعار کہتے ہیں۔ دوسرے اور ایسے ہی معاملات کی طرح عاریت میں بھی ایجاب و قبول ہونا ضروری ہے خواہ قولاً ہو یا فعلاً یعنی اگر کوئی ایسا فعل کیا جس سے قبول کرلینا معلوم ہوتا ہو تو یہ فعل ہی قبول ہے۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کسی شخص سے کوئی چیز مانگی۔ (یہ ایجاب ہوا) اس نے لاکردے دی مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو یہ چیز کا لاکردے دینا ہی عاریت کا قبول کرنا ہے۔ اور اگر یہ دوسرا خاموش رہا کچھ نہ

بولا تو عاریت نہیں۔

عاریت کا یہ حکم ہے کہ وہ چیز مستعیر کے پاس امانت ہوتی ہے۔ اگر مستعیر نے تعدی نہ کی اور نازیبا طور پر اسے کام میں نہ لایا، پھر بقضائے الٰہی وہ چیز ضائع ہوگئی تو اس پر تاوان لازم نہیں۔ البتہ عاریت صحیح ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ جو چیز عاریتاً لی یا دی جارہی ہے، وہ اس قابل ہو کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے اور یہ بھی ضرور ہے کہ عوض لینے کی اس میں شرط نہ ہو، ورنہ وہ اجارہ ہو جائے گی، اگرچہ عاریت ہی کا لفظ بولا ہو۔ عاریت کے بعض الفاظ یہ ہیں:

یہ چیز میں نے عاریت دی یا میری یہ چیز لو اور کام نکالو وغیرہ وغیرہ۔

مسائلِ متعلقہ

(۱) عاریت ہلاک ہوگئی۔ اگر مستعیر نے تعدی نہیں کی ہے یعنی اس سے اسی طرح کام لیا جو کام لینے کا طریقہ ہے۔ چیز کی حفاظت بھی کی اور اس پر جو کچھ خرچ کرنا مناسب تھا وہ خرچ بھی کیا، تو ہلاک ہونے پر تاوان نہیں۔ اگرچہ عاریت دیتے وقت یہ شرط کرلی ہو کہ ہلاک ہونے پر تاوان دینا ہوگا کہ یہ شرط باطل ہے۔ جس طرح رہن میں ضمان نہ ہونے کی شرط باطل ہے۔(البحرالرائق)

(۲) عاریت کو نہ اُجرت پر دے سکتا ہے اور نہ رہن رکھ سکتا ہے۔ ہاں دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ چیز ایسی ہو کہ استعمال کرنے والوں کے اختلاف سے اس میں نقصان نہ پیدا ہو۔ جیسے مکان کی سکونت۔(درمختار)

(۳) نابالغ بچہ کا مال، اس کا باپ کسی کو عاریت کے طور پر نہیں دے سکتا۔(درمختار)

(۴) عاریت دینے والا جب چاہے، اپنی چیز واپس لے سکتا ہے۔ جب یہ مانگے گا، عاریت باطل ہو جائے گی اور اگر عاریت کی ایک مدت مقرر کر دی تھی، مثلاً ایک ماہ کے لیے یہ چیز دی اور مالک نے مدت پوری ہونے سے قبل مطالبہ کرلیا، تب بھی عاریت باطل ہو گئی۔ اگرچہ مالک کو ایسا کرنا مکروہ و ممنوع ہے کہ وعدہ خلافی ہے۔ مگر واپس لینے

میں اگر مستعیر کا ظاہر نقصان ہو تو چیز اس کے قبضہ سے نکال نہیں سکتا بلکہ یہ چیز اس مدت تک مستعیر کے پاس بطور اجارہ رہے گی اور مالک کو واجبی اُجرت ملے گی۔ اس کی منہ مانگی نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۵) عاریت کی واپسی، مستعیر کے ذمہ ہے جو کچھ واپس کرنے میں صرف ہو گا یہ اپنے پاس سے دے گا۔ ہاں عاریت کی چیز کا خود پہنچانا ضروری نہیں، دوسرے کے ہاتھ بھی مالک کے پاس بھیج سکتا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۶) عاریت کی واپسی کے لیے کوئی وقت مقرر کر دیا تھا، وہ وقت گزر گیا اور چیز نہیں پہنچائی اور وہ ہلاک ہو گئی تو مستعیر کے ذمہ تاوان ہے کہ اس نے وقت پورا ہونے کے بعد کیوں نہیں پہنچائی یہ کہ پہنچانا اس کا ذمہ تھا۔ (بحر)

(۷) عمدہ اور نفیس اشیاء جیسے قیمتی زیورات، بیش قیمت پارچہ جات، موتیوں کے ہار اور ایسی ہی دوسری چیزیں کہ دست بدست جتا کر واپس کر دی جاتی ہیں اگر نوکر کے ہاتھ واپس کیں اور ضائع ہو گئیں تو مُستعیر کو تاوان دینا ہو گا کیونکہ ایسی چیزیں اس طرح واپس نہیں کی جاتی ہیں۔ (درمختار)

(۸) چیز واپس کرنے لایا۔ مالک نے کہا اس جگہ رکھ دو۔ رکھنے میں وہ چیز ٹوٹ گئی (مگر اس نے قصداً نہیں توڑی) تو ضمان واجب نہیں۔

(۹) کتاب عاریتاً لی۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں کتابت کی غلطیاں ہیں۔ اگر معلوم ہو کہ غلطی درست کر دینے سے مالک ناراض نہ ہو گا تو ان غلطیوں کی اصلاح کر دے اور اگر اصلاح نہ کی، اور غلطیاں بدستور باقی رہیں تو اس میں یہ گنہگار نہیں۔ ہاں قرآن کریم کی کتابت کی غلطیاں درست کرنا ضروری ہیں۔ (درمختار)

(۱۰) لڑکی رخصت کی اور جہیز بھی ویسا دیا جیسا ایسے لوگوں میں دیا جاتا ہے، مگر اب یہ کہتا ہے کہ جہیز میں نے عاریت کے طور پر دیا تھا تو اب وہاں کا عرف دیکھا جائے گا۔ اگر وہاں کا عرف اور چلن یہ ہے کہ باپ اپنی بیٹی کو جو کچھ دیتا ہے وہ لڑکی کی ملک ہوتا ہے۔ عاریت کے طور پر نہیں ہوتا تو اس شخص کی بات کہ میں نے عاریتاً دیا تھا، مقبول نہیں۔ بلکہ ایک ہی شہر کے شرفاء میں اگر دستور و عرف تملیک کا ہے۔ کم درجہ کے لوگوں میں

چلن تملیک اور عاریت دونوں کا ہے تو شرفاء کی جانب سے تملیک ہی سمجھی جائے گی۔ جب تک گواہانِ عادل سے اپنا عاریتاً دینا ثابت نہ کریں۔

اور جہاں عرف عاریت ہی کا ہے یا اکثر عاریت کے طور پر دیتے ہیں یا دونوں طرح یکساں چلن ہے تو اب باپ کی بات مقبول ہے اور لڑکی کی ماں، یا نابالغہ کے ولی نے وہی بات کہی جو باپ نے کہی تھی تو ان کا وہی حکم ہے۔ (درمختار)

(۱۱) عاریت دینے والے نے وصیت کی کہ یہ عاریت فلاں کو دے دی جائے یا میں نے فلاں کو دی تو ورثہ اس سے رجوع نہیں کرسکتے۔ (درمختار)

(۱۲) عاریت کا حکم اجارہ کی طرح ہے کہ دونوں میں سے ایک مرجائے تو عاریت فسخ ہو جائے گی۔ (درمختار)

(۲۲) ہبہ کابیان

کسی چیز کا دوسرے کو بلا عوض مالک کر دینا ہبہ ہے۔ یعنی اس میں عوض ہونا نہ شرط ہے نہ ضروری۔ ہبہ و بخشش میں وہاب کے لیے کبھی دنیاوی منافع ہوتا ہے، کبھی نفعِ اخروی۔ نفع دنیاوی یہ کہ ہبہ کر کے کچھ عوض وصول کر لیا۔ یا اس لیے ہبہ کیا کہ باہمی محبت و مودت پھلے پھولے، اس لیے ہبہ کیا کہ لوگوں میں اس کا ذکر ہو گا۔ اس کی برائیوں کی طرف متوجہ نہ ہوں گے (نہ یہ کہ اس سے مقصود ریا و نمائش ہو) اور نفع اخروی کا حال ان احادیث کریمہ سے ظاہر ہے جو اس باب میں وارد ہوئیں۔ پھر اس میں اپنی اولاد و متعلقین کو جود و احساس کی تعلیم بھی ہے اور عملی تلقین بھی۔

امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن پر اپنی اولاد کو، جود و احسان کی تعلیم ویسی ہی واجب ہے جیسے توحید و ایمان کی۔ کیونکہ جود و احسان وہ اعلیٰ اوصافِ ایمان ہیں جن سے دنیا کی محبت دور ہوتی اور آخرت کی طرف رغبت بڑھتی ہے۔ جبکہ محبتِ دنیا ہی ہر گناہ و برائی کی اصل و بنیاد ہے۔

ہبہ کا قبول کرنا سنت اور زیادت انبساط و محبت کی باعث ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا تَھَادُوْا تَحَابُّوْا ایک دوسرے کو ہدیہ کرو۔ اس سے ہر دلعزیز بن جاؤ گے۔ چیز دینے والے کو واہب، جسے دی گئی اسے موہوب اور خود اس چیز کو موہوب اور کبھی ہبہ بھی کہتے ہیں۔

(۲۳) فضائلِ ہبہ میں بعض احادیث کریمہ

(۱) باہم ہدیہ کرو اس سے آپس میں محبت ہوگی۔ (بخاری فی المفرد)

(۲) ہدیہ کرو کہ اس سے حسد دور ہو جاتا ہے۔ (ترمذی)

(۳) جس کے پاس پھول پیش کیا جائے تو واپس نہ کرے کہ اٹھانے میں ہلکا ہے اور بو اچھی (مسلم) ہلکا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا احسان زیادہ نہیں ہے۔

(۴) تین چیزیں واپس نہ کی جائیں۔ تکیہ، دودھ اور تیل (خوشبو آمیز) (ترمذی)

(۵) پڑوس والی عورت، پڑوسن کی کوئی چیز حقیر نہ سمجھے۔ اگرچہ بکری کا کھر ہو۔ (ترمذی) مطلب یہ ہے کہ ہبہ و بخشش کے لیے کسی چیز کا وافر مقدار ہی میں ہونا ضروری نہیں۔ تھوڑی چیز میسر ہے تو وہی ہدیہ کرے۔ یہ خیال نہ کرے کہ ذرا سی چیز کیا کسی کو بھیجوں یا اتنی بے مقدار چیز کیسے ہدیہ کی جائے۔ یا یہ کہ کسی نے معمولی مقدار میں کوئی چیز ہدیہ کی تو آدمی اسے نظرِ حقارت سے نہ دیکھے اور یہ نہ سمجھے کہ کیا ذرا سی چیز بھیجی ہے۔ اس حکم میں خاص عورتوں کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ عموماً جو چیزیں ہدیتاً لی یا دی جاتی ہیں، ان میں عورتوں ہی کا واسطہ ہوتا ہے وہی بھیجتی اور قبول کرتی ہیں اور انہیں میں جا و بے جا نکتہ چینی کی عادت بہت پائی جاتی ہے۔ للہٰذا حکم دیا گیا کہ پڑوس میں کوئی چیز بھیجتے وقت عورت یہ خیال نہ کرے کہ کم ہے، یہ دیکھے کہ اس سے خلوص و محبت میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۶) جس کو کوئی چیز دی گئی، اگر اس کے پاس کچھ ہے تو اس کا بدلہ دے اور بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو اس کی ثنا کرے۔ (ترمذی)

(۷) جس کے ساتھ احسان کیا گیا اور اس نے احسان کرنے والے سے کہہ دیا

جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا تو پوری ثنا کر دی۔ (ترمذی)

(۲۴) مسائل متعلقہ

(۱) ہبہ صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں:

واہب کا عاقل ہونا، بالغ ہونا اور اس چیز کا مالک ہونا۔

اور جو چیز ہبہ کی جائے اس کا موجود ہونا۔ قبضہ میں ہونا۔ اس کا دوسری چیز سے متمیز و جدا ہونا۔ نیز اس کا مُشاع (یعنی بغیر تقسیم) اور مشغول نہ ہونا۔ اس کے ارکان ایجاب و قبول ہیں اور حکم اس کا یہ ہے کہ ہبہ کرنے سے چیز موہوب لہ کی مِلک ہو جاتی ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۲) ہبہ دو قسم پر ہے: ایک تملیک، دوسرا اسقاط۔ مثلاً جس پر مطالبہ تھا مطالبہ اس کو ہبہ کر دینا، اس کو ساقط کر دینا ہے۔

(۳) ہبہ کے بہت سے الفاظ ہیں۔ مثلاً یہ چیز میں نے تجھے ہبہ کی۔ تیرے نام کر دی، تمہیں کھانے پینے، برتنے کو دی۔ میں نے اس چیز کو تمہیں بخش دیا وغیرہ وغیرہ۔ اور ہبہ کا قبول کرنا کبھی الفاظ سے ہوتا ہے اور کبھی فعل سے۔ مثلاً واہب نے کہا کہ میں نے یہ چیز تمہیں ہبہ کر دی۔ اس نے لے لی، ہبہ تمام ہو گیا۔ (البحرالرائق، درمختار وغیرہ)

(۴) ہبہ تمام ہونے کے لیے قبضہ کی بھی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے ہبہ تمام نہیں ہوتا اور قبضہ پر قادر ہونا بھی قبضہ ہی کے حکم میں ہے۔ مثلاً صندوق میں کپڑے ہیں اور کپڑے ہبہ کر کے صندوق اسے دے دیا اور صندوق کھلا ہوا ہے تو قبضہ ہو گیا اور ہبہ تمام کہ وہ قبضہ پر قادر ہے۔ (البحرالرائق)

(۵) ہبہ میں یہ بھی ضروری ہے کہ موہوب شے (یعنی جو چیز ہبہ کی گئی ہی) دوسرے شے سے کہ ہبہ نہ کی گئی ہو، جدا ہو۔ اگر غیر کے ساتھ متصل ہو ہبہ درست نہیں۔ مثلاً درخت میں جو پھل لگے ہیں ان کو ہبہ کرنا درست نہیں اور جو چیز ہبہ کی گئی اگر وہ قابلِ تقسیم ہو تو ضرور ہے کہ اس کی تقسیم ہو گئی ہو۔ بغیر تقسیم کیے ہوئے ہبہ درست نہیں۔

ہاں اگر ہبہ کرنے کے بعد واہب نے اسے تقسیم کر کے قبضہ دے دیا یا موہوب لہ کو حکم دے دیا کہ تقسیم کر کے قبضہ کر لو اور اس نے ایسا کر لیا تو ہبہ جائز اور اس میں موہوب لہٗ کا تصرف نافذ ہو گیا۔ (عالمگیری)

(۶) باپ نے بیٹے کو تصرف کرنے کے لیے اموال دے رکھے ہیں۔ بیٹا کام کرتا ہے اور مال میں اضافہ ہوا۔ اگر یہ ثابت ہو کہ باپ نے اسے وہ اموال ہبہ کر دیئے ہیں، جب تو ظاہر ہے کہ وہ بیٹے کا ہے ورنہ سب کچھ باپ کا ہے۔ باپ کے مرنے کے بعد، اس میں میراث جاری ہو گی۔ (عالمگیری)

(۷) نابالغ کو مٹھائی یا پھل وغیرہ کھانے کی چیزیں ہبہ کی جائیں۔ ان میں سے والدین کھا سکتے ہیں۔ یہ اس وقت ہے کہ قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ خاص اس بچہ کو ہی دینا مقصود نہیں بلکہ والدین کو دینا مقصود ہے مگر ان کی عزت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ چیز حقیر معلوم ہوتی ہے اور انہیں دینے میں کچھ ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے لہٰذا بچے کا نام لے کر دے دیتے ہیں، اور اگر قرینہ سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ خاص اسی بچہ کو دینا مقصود ہے تو والدین نہیں کھا سکتے۔ مثلاً کوئی شخص کچھ کھا پی رہا ہے کہ کوئی بچہ وہاں آ پہنچا۔ ذرا سی چیز اٹھا کر بچہ کو دے دی تو یہاں قرینہ بتا رہا ہے کہ والدین کو دینا مقصود نہیں۔ اور یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو چیز کھانے کی نہ ہو اور نابالغ کو دی جائے تو مقصود اسی نابالغ کو دینا ہے۔ لہٰذا والدین کو بغیر حاجت اس کو استعمال میں لانا درست نہیں۔

(در مختار)

عموماً آنے جانے والے اعزاء و احباب بچوں کو روپیہ دو روپیہ یا پانچ دس دے دیا کرتے ہیں اور ماں اسے اپنا مال جان کر اس میں تصرف کرتی ہے۔ یہ جائز نہیں۔ والدین کو چاہیے کہ اس کو ہبہ کی ہوئی ایسی چیزیں حفاظت سے رکھیں۔

(۸) شادی وغیرہ کی تمام خوشی کی تقریبات میں تحفے تحائف اور نقد رقوم لینے دینے کا رواج عموماً پایا جاتا ہے اور بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ لینا دینا اگرچہ بنام قرض نہیں مگر بطور قرض ہی مانا جاتا ہے کہ دینے والا، ایسے ہی مواقع پر اس رقم کی واپسی کا منتظر رہتا ہے اور لینے والا واپس نہ کرے تو طعن دیا جاتا ہے کہ نیوتہ کھا کر بیٹھ گئے، دینا نصیب نہ

ہوا۔ اگر ایسا ہی ہے تو یہ ایک بری رسم ہے، اسے اختیار نہ کریں۔ اور فقیر بے توقیر کا گمان یہ ہے کہ یہ رسم، اپنے اعزاء و اقارب اور احباب کی دلجوئی اور امداد و اعانت پر مبنی ہے تو جس سے ہو سکے، اس میں حصہ لے اور اپنے بھائی کی دستگیری کرے تاکہ اس کی ضرورت بآسانی پوری ہو جائے۔ اس کی واپسی کا تقاضا، یا واپس نہ ملنے پر طعن نہ کرے۔ نہ اس دینے کو قرض جانے اور نہ کوئی ایسی بات جس سے اس کی تحقیر ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ رسم بھی، احسان و تبرع کی ایک شکل اور اجر و ثواب میں اس کے مثل ہو گی۔ ایسے ہی مواقع پر صادق آتی ہے وہ کہاوت کہ جیسی نیت ویسا پھل۔ بہرحال اگر یہ لین دین قرض ہی کی نیت سے ہو تو اس کی ادائیگی ضرور لازم ہو گی اور جسے یہ نقد رقم وغیرہ دی جا رہی ہے اگر اسے اس کی حاجت نہ ہو تو احسن طریقہ پر اسے واپس کر دے تاکہ بلائے قرض سے بچے۔ فی الفور واپسی میں دنیاوی اندیشے ہیں تو بعد میں لوٹا دے جبکہ دینے والے نے اسے قرض ہی جان کر دیا۔

ہاں اگر دینے والا اسے قرض حسنہ مان کر دے کہ وصول ہو گیا فبہا ورنہ ہم نہ تقاضا کریں گے اور نہ واپس کرنے پر طعن۔ تب بھی یہ احسان و تبرع ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۹) اولاد کو ہبہ کرنے میں لڑکی اور لڑکے، دونوں کو برابر دے۔ یہ نہیں کہ لڑکے کو لڑکی سے دو چند دے دے۔ جس طرح میراث میں ہوتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دو نا ملتا ہے۔ ہبہ میں ایسا نہیں۔ (عالمگیری)

(۱۰) اولاد میں کسی سے محبت زیادہ ہو، کسی سے کم۔ یہ کوئی ملامت کی چیز نہیں۔ کیونکہ یہ فعل غیر اختیاری ہے۔ ملامت کی چیز یہ ہے کہ لین دین اور عطیہ میں بلاوجہ شرعی کمی بیشی کرے اور اس فعل شنیع و مکروہ کا مرتکب ہو۔ ہاں اگر کوئی وجہ شرعی اس کی باعث ہو مثلاً اس کی اولاد میں ایک کو دوسرے پر دینی فضیلت و ترجیح حاصل ہے کہ وہ عالم ہے جو خدمتِ دین میں مصروف ہے یا عبادت مجاہدہ میں اشتغال رکھتا ہے جبکہ دوسرا دنیاوی کاروبار میں مصروف اور دنیا حاصل کرنے میں مشغول رہتا ہے تو اس پہلے کو زیادہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ شرعاً یہ معیوب۔ بلکہ دیکھا جائے تو آخرت

میں بھی اس پر کوئی مواخذہ نہیں کہ آدمی اپنی دولت، اپنی کمائی اور اپنے اموال کا مالک ہے اور حالتِ صحت میں ان میں تصرف کا پورا پورا اختیار رکھتا ہے تو سارا مال اپنے ورثہ میں سے ایک ہی وارث کو ہبہ کردے اور وہ اس پر قابض ہو جائے تو دوسروں کو اس پر کوئی حق اعتراض نہیں۔ اگرچہ دوسروں کو ان کے حق سے محروم کردینے کا گناہ اس پر رہے گا مگر وہ ہبہ تمام ہو گیا۔ (البحرالرائق وغیرہ)

(۱۱) لڑکا اگر فاسق ہے، آوارہ گردی اور بدچلنی کی راہ پر پڑ گیا ہے تو اس کو صرف بقدرِ ضرورت دے۔ زیادہ دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ بدچلنی میں اس کی اعانت کر رہا ہے تو خود بھی گناہ میں پڑے گا۔ اور اگر یہ گمان ہے کہ لڑکا بداطوار، بدچلن ہے، اس کے مرنے کے بعد ان اموال کو بدکاری و گناہ میں اڑا دے گا تو اس کے لیے چھوڑ جانے سے بہتر یہ ہے کہ نیک کاموں میں یہ اموال صرف کر ڈالے۔ اس صورت میں اسے میراث سے محروم کرنے کا اس پر کوئی گناہ نہیں کہ یہ حقیقتاً میراث سے محروم کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے اموال اور اپنی نیک کمائی کو حرام میں خرچ کرنے سے بچانا ہے۔ اور محض عاق کر دینا جیسا کہ آج کل مروج ہے، اس کے مرنے کے بعد موثر نہیں بلکہ وہ اموالِ متروکہ میں اپنا حق پائے گا۔ اس لیے راہ وہی ہے کہ اپنی زندگی میں امورِ خیر میں صرف کر ڈالے یا اپنے دوسرے ورثہ کو ہبہ کر کے، ان کا قبضہ دے دے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۱۲) باپ کو یہ جائز نہیں کہ نابالغ بچے کا مال، دوسرے لوگوں کو ہبہ کردے اگرچہ معاوضہ لے کر ہبہ کرے تو یہ بھی ناجائز ہے۔ اور خود بچہ بھی اپنا مال ہبہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ یعنی اگر اس نے اپنا مال ہبہ کر دیا اور موہوب لہ کو دے دیا، اس نے قبضہ بھی کر لیا، تب بھی اس سے واپس لے لیا جائے گا کہ یہ ہبہ جائز و نافذ ہی نہ ہوا۔ (درمختار وغیرہ) یہی حکم صدقہ کا ہے کہ نابالغ اپنا مال نہ خود صدقہ کر سکتا ہے نہ اس کا باپ۔

یہ بات اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ کچھ لوگ نابالغ سے اس کی چیز لے کر استعمال کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس نے دے دی۔ حالانکہ یہ دینا نہ دینے کے حکم میں ہے۔ بعض لوگ خصوصاً ان بستیوں میں جہاں کنوئیں ہوتے ہیں، دوسروں کے نابالغ بچوں سے تازہ پانی بھروا کر پیتے یا وضو غسل کرتے یا دوسری طرح استعمال میں

لاتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے۔ اس لیے کہ کنوئیں یا سرکاری نل سے پانی لینے کے بعد اس پانی کا وہ بچہ مالک ہو جاتا ہے اور نابالغ دوسرے کو ہبہ نہیں کر سکتا۔ پھر دوسرے کو اس کا استعمال کیونکر جائز ہوگا۔ ہاں اگر وہ نوکر ہے اور نوکری کے اوقات میں اس نے اس سے پانی بھروایا تو اس کا بھرا ہوا پانی اسی شخص کی ملکیت ہوگا جس کا وہ نوکر ہے۔

اور اگر والدین اپنے بچہ کو اس لیے کوئی چیز دیں کہ وہ دوسروں ہبہ کردے یا فقیروں پر صدقہ کردے تاکہ اس میں احسان و تبرع اور نیک سلوک کی عادت پیدا ہو اور مال و دنیا کی محبت کم ہو تو یہ صدقہ و ہبہ جائز ہے کہ یہاں نابالغ کے مال کا ہبہ و صدقہ نہیں بلکہ مال باپ کا ہے اور بچہ دینے کے لیے، اس کا وکیل و قائم مقام ہے۔ جس طرح عموماً دروازوں پر جب سائل سوال کرتے ہیں تو بچوں ہی سے بھیک دلواتے ہیں۔
(بہار شریعت)

(۱۳) بچہ نے کوئی چیز لا کر پیش کی اور یہ کہا کہ میرے والد نے یہ ہدیہ آپ کے پاس بھیجا ہے اور اگر غالب گمان یہ ہے کہ بچہ سچا ہے تو اس چیز کو لینا اور کھانے کی ہو تو کھانا جائز ہے اور اگر یہ گمان ہو کہ اس کے باپ نے نہیں بھیجا، یہ از خود لایا ہے اور نام باپ کا لے رہا ہے تو نہ لے۔ (عالمگیری)

(۱۴) اک شخص پردیس سے آیا اور جس کے یہاں اترا اس کو کچھ تحائف دیئے اور یہ کہا کہ اس کو اپنے گھر والوں میں تقسیم کردو اور خود بھی لے لو۔ اس سے دریافت کرنا چاہیے کہ کون سی چیز کسے دی جائے اور اگر وہ شخص چلا گیا اور حال نہ کھلا کہ کون سی چیز کس کے لیے ہے تو جو چیز عورتوں کے لائق ہو، انہیں دے، جو لڑکیوں کے مناسب ہو، لڑکیوں کو دے۔ جو لڑکوں کے کام کی ہو، وہ لڑکوں کو دے اور جو چیز اس کے مصرف کی ہو وہ خود لے لے اور جو چیز ایسی ہو کہ مرد و عورت، دونوں کے لیے یکساں کارآمد ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ دینے والا مرد کا رشتہ دار ہے تو مرد لے لے۔ عورت کا رشتہ دار ہے تو عورت لے۔ (عالمگیری)

(۵) مریض (یعنی وہ جو مرض الموت میں مبتلا اور دنیا سے رخصت ہونے والا ہے) صرف ثلثِ مال سے ہبہ کر سکتا ہے اور یہ ہبہ بھی اس وقت صحیح ہے کہ موہوب لہ اس

پر فی الفور قبضہ کرلے۔ اس کے قبضہ کرنے سے پہلے اگر مریض مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا۔
(عالمگیری)

(۲۵) ہبہ واپس لینے کا بیان

کسی کو کوئی چیز دے کر واپس لینا بہت بری بات ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کتا قے کرکے پھر چاٹ جاتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو جہاں تک بن پڑے اس سے بچنا ہی چاہیے۔ عام طور پر لوگ بھی اسے اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اسے بہت معیوب جانتے اور اسے "تھوک کر چاٹ لینا" کہتے ہیں۔ مگر ہبہ ایک ایسا تصرف ہے کہ واہب پر لازم نہیں۔ ایک تبرع و احسان ہے جس کی پابندی ہر حال میں اس پر ضروری نہیں۔ لہٰذا کسی بھی ضرورت کی بنیاد پر یا بلا ضرورت ہی سہی (حالانکہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے) واہب کسی کو کچھ دے کر اس سے واپس ہی لینا چاہے تو حاکم اسلام کی وساطت سے واپس لے سکتا ہے۔ قاضی و حاکم اسلام واہب کو اس امر پر مجبور نہ کرے گا کہ وہ واپس نہ لے۔

اور یہ واپس لے لینے کا حکم بھی حدیث شریف سے ثابت ہے کہ فرمایا: ہبہ کرنے والا اپنے ہبہ کا زیادہ حقدار ہے۔ جب تک اس نے اس پر عوض نہ لیا ہو۔ اور اس کی ضرورت پیش بھی عموماً ایسے ہی مواقع پر آتی ہے کہ موہوب لہ کے لیے وہ شے "موہوب" غیر ضروری ہوجائے یا اس کے کام کی نہ رہے۔

بہرحال یہ واپسی بھی ہر جگہ مشروع نہیں۔ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جہاں ہبہ کی ہوئی چیز واپس نہیں لی جاسکتی۔

ہبہ میں رجوع کرنے سے سات چیز مانع ہیں۔ ان سات کو ان الفاظ میں جمع کردیا گیا ہے۔ دمع خزقہ (د م ع خ ز ق ہ)

"د" سے مراد ہے زیادتِ متصلہ۔ تو جس چیز کو ہبہ کیا اس میں کچھ زیادت ہوئی۔ اگر یہ موہب کے ساتھ متصل ہے، واہب رجوع نہیں کرسکتا۔ مثلاً زمین ہبہ کی۔

موہوب لہ نے اس میں مکان بنالیا یا درخت لگائے۔ یہ زیادت متصلہ ہے۔ اب واہب واپس نہیں لے سکتا۔

"م" سے مراد ہے موت احد المتعاقدین یعنی ہبہ کرکے قبضہ دے دیا۔ اس کے بعد واہب یا موہوب لہ دونوں میں سے کوئی بھی مرجائے تو ہبہ واپس نہیں ہوسکتا۔ موہوب لہ مرگیا تو اس کی ملک ورثہ کی طرف منتقل ہوگئی اور واہب مرگیا تو اس کا وارث اس چیز سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اجنبی ہے لہٰذا واپس نہیں لے سکتا۔

"ع" سے مراد، واہب کا عوض لے لینا ہے۔ مثلاً موہوب لہ نے کہا: اپنے ہبہ کا عوض لو۔ یا اس کے بدلے میں یہ چیز لے لو۔ واہب نے لے لیا تو رجوع کرنے کا حق ساقط ہوگیا۔ ہاں اگر عوض ہونا لفظوں سے ظاہر نہیں کیا تو ہر ایک اپنے اپنے ہبہ کو واپس لے سکتا ہے۔ یعنی واہب ہبہ کو اور موہوب لہ عوض کو۔ ہبہ کا عوض، خواہ اتنا ہی ہو یا کم وبیش۔ اسی جنس سے ہو یا دوسری جنس سے۔ سب کا ایک حکم ہے۔

"خ" سے مراد ہے ہبہ کا موہوب لہ کی ملک سے پوری طرح خارج ہوجانا۔ یہ بھی مانع رجوع ہے۔ خواہ یوں کہ موہوب لہ نے اس چیز کو بیچ کردیا۔ یا یوں کہ اسے صدقہ کردیا یا کسی کو بخش دیا۔ غرض اب واہب واپس نہیں لے سکتا۔

"ز" سے مراد زوجیت ہے یعنی ہبہ کے وقت دونوں رشتۂ زوجیت میں منسلک ہوں۔ ان میں زناشوئی کا تعلق موجود ہو۔ یہ بھی مانع رجوع ہے۔

فرض کرلو کہ مرد نے ایک اجنبی عورت کو ہبہ کیا تھا۔ یعنی ہبہ کے وقت اس کے نکاح میں نہ تھی۔ ہبہ کے بعد اس سے نکاح کیا تو اب واپس لے سکتا ہے اور اگر اپنی منکوحہ کو ہبہ کیا تھا اس کے بعد فرقت ہوگئی تو واپس نہیں لے سکتا۔ غرض کہ یہ واپس لینے اور نہ لینے میں وقت ہبہ ہی کا لحاظ ہے۔ خواہ مرد ہبہ کرے یا عورت۔

"ق" سے قرابت کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ قرابت بھی مانع رجوع ہے اور قرابت سے مراد اس مقام پر یہ ہے کہ وہ دونوں آپس میں قرابت دار بھی ہوں اور ایک دوسرے کے لیے محرم بھی۔ اور وہ حرمت بھی نسب کی وجہ سے ہو۔ مثلاً باپ دادا، ماں دادی، اصول جن سے یہ پیدا ہے۔ یا بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی، فروع۔ یونہی بھائی بہن، چچا،

پھوپھی کہ یہ سب ذی رحم محرم ہیں۔ ان سے بھی واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر موہوب لہ، صرف ذی رحم (قرابت دار) ہو مگر محرم نہیں جیسے چچازاد بھائی، یا صرف محرم ہو، ذی رحم نہ ہو جیسے رضاعی بھائی۔ تو ان سے ہبہ کرکے واپس لیا جاسکتا ہے۔

"ہ" سے مراد ہے شئے موہوب کا ہلاک ہو جانا۔ یہ بھی رجوع سے مانع ہے کہ جب وہ چیز ہی نہ رہی تو رجوع کیا کرے گا۔ یونہی موہوب لہ میں تغیر پیدا ہوگیا۔ یعنی اب وہ دوسری چیز ہوگئی، اس کا نام ہی بدل گیا۔ یہ بھی مانعِ رجوع ہے۔ مثلاً گیہوں کا آٹا پسوا لیا، آٹا تھا، اس کی روٹی پکالی، دودھ تھا اس کو دہی بنا لیا یا گھی کرلیا۔ وعلی ھذا القیاس۔ (درمختار ردالمحتار وغیرہ)

(۲۶) کچھ اور ضروری مسائل

(۱) ہبہ میں اگر موہوب لہ کا قبضہ ہی نہیں ہوا ہے تو ابھی ہبہ کی تمامیت ہی نہیں ہوئی ہے۔ اگر واہب نے رجوع کرلیا تو ہبہ بھی ختم ہوگیا اور یہ ہبہ سے رجوع کرنا بھی نہیں۔ رجوع تو یہ ہے کہ ہبہ تمام ہوچکا یعنی واہب نے بخشا۔ موہوب لہ نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد واہب واپس لے۔ (درمختار)

(۲) موہوب لہ نے شے موہوب پر قبضہ کرلیا تو اب رجوع کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ موہوب لہ اپنی رضامندی سے چیز واپس کردے یا حاکم وقت اسے واپسی کا حکم دے اور قبضہ نہ کیا ہو تو اس کی ضرورت نہیں۔ پھر اگر قاضی کے حکم کرنے کے بعد واہب نے وہ چیز طلب کرلی مگر موہوب لہ نے انکار کردیا اور اس کے بعد وہ شے ضائع ہوگئی تو موہوب لہ کو تاوان دینا ہوگا کہ اب اسے روکنے کا حق نہ تھا۔ اور اگر قاضی کے حکم سے قبل یہ بات ہوئی تو اس پر تاوان واجب نہیں کہ اسے روکنے کا حق تھا۔ (درمختار وغیرہ)

(۳) بچوں کے معلمین کو عیدی دی جاتی ہے۔ اگر معلم نے بے جا دباؤ ڈال کر وصول نہ کیا ہو تو اس پر معلم کو تصرف کا حق حاصل ہے۔ (عالمگیری)

(۴) کسی سے کہا کہ جو کچھ تمہارے حقوق میرے ذمہ ہیں معاف کردو۔ اس نے معاف کردیا تو صاحبِ حق کو اپنے جتنے حقوق کا علم ہے وہ تو معاف ہو ہی گئے۔ جن کا علم نہیں تھا، قضاءً وہ بھی معاف ہوگئے۔ اور اگر یوں کہا کہ میں نے تمہیں اس وقت معاف کردیا یا دنیا میں معاف کردیا تو ہر وقت کے لیے معافی ہوگئی۔ بلکہ دنیا و آخرت میں معافی ہوگئی۔ کہیں بھی اس کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ (عالمگیری)

(۵) کسی کی چیز غصب کرلی، پھر مالک سے معافی کرالی تو ضمان سے بری ہوگیا مگر وہ چیز اب بھی مالک ہی کی ہے۔ غاصب کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ (عالمگیری)

(۶) کسی کے پاس برتن میں کھانا بھیجا۔ یہ شخص وہ چیز اسی برتن میں کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر وہ کھانا ایسا ہے کہ دوسرے برتن میں لَوٹنے سے لذت جاتی رہے گی جیسے ہمارے یہاں شیر برنج (کھیر) کہ دوسرے برتن میں لَوٹنے سے اس کا ذائقہ خراب ہوجاتا ہے، تو اسی برتن میں کھا سکتا ہے اور اگر دوسرے برتن میں لَوٹنے سے وہ کھانا بدمزہ نہیں ہوتا مگر ان دونوں میں قلبی انبساط اور ایک دوسرے کی طرف دلی میلان ہے تو بھی اسی برتن میں کھاسکتا ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو تو نہیں کھا سکتا۔ (درمختار)

اور اگر عرف یہ ہو کہ وہ ظرف واپس نہیں لیا جاتا تو یہ ظرف بھی ہدیہ ہے۔ مثلاً میوے یا مٹھائیاں، ٹوکریوں میں بھیجتے ہیں اور یہ ٹوکریاں واپس نہیں لی جاتیں یا مٹی کے پیالوں میں کھیر۔ مٹی کی تشتریوں میں گیارہویں، میلاد شریف اور فاتحہ یا کسی اور تقریب میں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں اور عرف یہی ہے کہ ان تشتریوں اور پیالوں کا دینا بھی مقصود ہوتا ہے، واپس نہیں لیتے تو یہ بھی ہدیہ ہیں اور جن ظروف کے واپس دینے کا رواج ہو اگر ان کو واپس نہیں کیا ہے تو اس کے پاس بطور امانت ہیں۔ ان کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں۔ (عالمگیری)

آج کل دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ، دوسرے کے برتنوں کو، جن میں کوئی چیز آتی ہے، اور اس وقت برتن کسی وجہ سے واپس نہ گئے تو بلادریغ اپنے گھر کے کام میں لاتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ ان کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ (بہار شریعت)

(۷) بہت سے لوگوں کی دعوت کی اور ان کو متعدد دسترخوانوں پر بٹھایا تو ایک دسترخوان والے، دوسرے دسترخوان والوں کو کوئی چیز نہیں دے سکتے۔ مثلاً ایک دسترخوان پر روٹی ختم ہو گئی۔ دوسرے پر موجود ہے تو یہ لوگ اس پر سے روٹی اٹھا کر ان کو نہیں دے سکتے۔ اور ان لوگوں کو یہ بھی اختیار نہیں ہے کہ سائل یا فقیر کو اس میں سے ٹکڑا دے دیں۔ بعض ناواقف ایسا کر بیٹھتے ہیں انہیں ایسا کرنا جائز نہیں۔

(بہارِ شریعت وغیرہ)

ہاں اگر صاحبِ خانہ کو اس میں انبساط ہو اور معلوم ہو کہ صاحبِ خانہ کو ایسا کرنا گراں نہ ہو گا تو کوئی مضائقہ نہیں اور احتیاط اسی میں ہے کہ پرہیز کیا جائے۔

(۲۷) اجارہ کا بیان

کسی چیز کے نفع کا، عوض کے مقابل کسی شخص کو مالک کر دینا اجارہ ہے۔ ہبہ میں بعینہٖ شے کا دوسرے کی ملک میں دینا ہوتا ہے اور یہاں اصل شے کا مالک یہی رہتا ہے۔ اس سے منفعت البتہ دوسرا حاصل کرتا ہے مگر مقررہ عوض کے مقابل۔ مزدوری پر کام کرنا، ٹھیکہ لینا، کرایہ پر لین دین اور ملازمت۔ یہ سب اجارہ ہی کی اقسام ہیں۔ اجارہ میں یہ لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ جس نفع پر عقد اجارہ ہو وہ ایسا ہونا چاہیے کہ اس چیز سے وہ نفع مقصود ہو یعنی وہ نفع مقاصد شرعیہ سے ہو اور اگر چیز سے وہ منفعت مقصود نہ ہو جس کے لیے اجارہ ہوا تو یہ اجارہ فاسد ہے۔ مثلاً کسی سے کپڑے اور ظروف کرایہ پر لیے اور ظاہر ہے کہ یہ کپڑے پہنے جائیں گے یا ظروف استعمال کیے جائیں گے مگر اس کا مقصود یہ نہیں کہ کپڑے پہنے جائیں گے یا ظروف استعمال کیے جائیں گے بلکہ اپنا مکان سجانا مقصود ہے یا مکان کرایہ پر لیا اس لیے نہیں کہ اس میں رہے گا بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو کہنے کو ہو گا کہ یہ مکان فلاں کا ہے۔ ان سب صورتوں میں اجارہ فاسد ہے اور مالک کو اُجرت بھی نہیں ملے گی۔ اگرچہ پھر مستاجر نے ان چیزوں سے وہی کام لیے جن کے لیے اجارہ کیا تھا۔ اس لیے کہ ان چیزوں سے یہ منفعت مقصود نہیں ہوتی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ مالک کو آجر (اُجرت دینے والا) اور مُوجِر و مُواجِر کہتے ہیں اور کرایہ دار کو مستاجر اور اُجرت پر کام کرنے والے کو اجیر کہتے ہیں۔

اجارہ کے لیے چند شرائط ہیں۔ کچھ اس کے انعقاد سے متعلق ہیں، کچھ نفاذ سے۔ کچھ کا تعلق اجارہ کی صحت سے ہے اور کچھ کا لزوم اجارہ سے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) عاقل ہونا۔ تو اگر مجنون یا ناسمجھ بچے نے اجارہ کیا تو وہ منعقد ہی نہ ہو گا۔ البتہ بالغ ہونا اس کے لیے شرط نہیں۔ یعنی نابالغ عاقل نے اپنے نفس کے متعلق اجارہ کیا یا مال کے متعلق کیا اور اس کے ولی نے اس کی اجازت دے دی تو اجارہ منعقد ہے۔ ورنہ ولی کی اجازت پر موقوف ہے، جائز کر دے گا جائز ہو جائے گا۔

(۲) اجارہ کرنے والا مالک یا ولی ہو۔ اجارہ کرنے کا اسے اختیار حاصل ہو۔

(۳) اُجرت و منفعت کا معلوم ہونا۔ یعنی ان دونوں کو ایسے صاف صریح الفاظ میں بیان کر دیا جائے کہ نزاع اور خواہ مخواہ اختلاف کا احتمال نہ رہے۔

(۴) جہاں اجارہ کا تعلق وقت سے ہو وہاں مدت کا بیان کر دینا۔

(۵) جانور کرایہ پر لیا (یا آج کل ٹیکسی وغیرہ) تو اس میں وقت بیان کرنا ہو گا یا جگہ۔ اور کام بھی بیان کرنا ہو گا کہ اس سے کون سا کام لیا جائے گا۔

(۶) وہ کام ایسا ہو کہ اس کا استیفاء (پورا کرنا) قدرت میں ہو۔ اگر حقیقتاً مقدور نہ ہو یا شرعاً غیر مقدور ہو۔ مثلاً گناہ کی باتوں پر اجارہ۔ یہ دونوں اجارے صحیح نہیں۔

(۷) وہ عمل جس کے لیے اجارہ ہو اس شخص پر فرض و واجب نہ ہو۔

(۸) منفعت مقصود ہو۔

(۹) اسی جنس کی منفعت اُجرت نہ ہو۔

(۱۰) اجارہ میں کوئی ایسی شرط نہ ہو جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔

(درمختار، تبیین وغیرہ)

(۲۸) اجارہ سے متعلق فقہی مسائل

(۱) اجارہ کے ارکان ایجاب و قبول ہیں، خواہ لفظِ اجارہ سے ہوں یا دوسرے کسی لفظ سے۔ مثلاً یہ کہا کہ یہ مکان میں نے ایک مہینے کے لیے دس روپیہ کے عوض عاریت پر دیا اور دوسرے نے قبول کر لیا تو یہ اجارہ ہو گیا۔ اگرچہ الفاظ درمیان میں عاریت پر لینے دینے کے آئے۔ اس لیے کہ عاریت بالعوض بھی اجارہ ہے۔ (درمختار)

(۲) اجارہ کا حکم یہ ہے کہ طرفین یعنی موجر و مستاجر، بَدلَین (ادلے بدلے) کے مالک ہو جاتے ہیں مگر یہ ملک ایک دم نہیں ہوتی بلکہ وقتاً فوقتاً ہوتی ہے۔ ہاں اگر اُجرت کا پیشگی لینا شرط ہو (جیسا کہ آج کل مکان و دکان کے کرایہ میں معمول بن گیا ہے) تو عقد کرتے ہی موجر، اُجرت کا مالک ہو جائے گا۔ (درمختار، عالمگیری)

(۳) اجارہ میں اُجرت، محض عقد سے ملک میں داخل نہیں ہوتی۔ یعنی عقد کرتے ہی اُجرت کا مطالبہ درست نہیں یعنی مستاجر پر فوراً اُجرت دینا واجب نہیں۔ اُجرت ملک میں آنے کی چند صورتیں ہیں:

اس نے پہلے ہی سے یعنی عقد کرتے ہی اُجرت دے دی تو دوسرا اس کا مالک ہو گیا۔

پیشگی لینا شرط کر لیا ہو تو اُجرت کا مطالبہ پہلے ہی سے درست ہے یا منفعت کو مستاجر نے حاصل کر لیا۔ مثلاً مکان تھا اس میں مدت مقررہ تک رہ لیا یا کپڑا درزی کو سینے کے لیے دیا تھا اس نے سی دیا۔

وہ چیز مستاجر کو سپرد کر دی کہ اگر وہ منفعت حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ نہ کرے یہ اس کا فعل ہے۔ یا اجیر کام کے لیے تیار ہو کر آ گیا تو بھی اُجرت کا مستحق ہے۔ اگرچہ اس سے کام نہ لیا جائے۔ (درمختار)

(۴) درزی، دھوبی وغیرہم کاریگروں نے جب کام کر لیا اور مالک کو چیز سپرد کر دی تو اُجرت لینے کے مستحق ہو گئے۔ یہی حکم ہر اس کام کرنے والے کا ہے جس کے کام کا

اس شے میں کوئی اثر ہو۔ جیسے رنگریز کہ اس نے کپڑا رنگ کر مالک کو دے دیا تو اُجرت کا مستحق ہو گیا اور اگر ان لوگوں نے اپنا کام تو پورا کر لیا مگر ابھی تک چیز مالک کو سپرد نہیں کی تو اُجرت کے مستحق نہیں ہوئے۔ لہٰذا اگر ان کے یہاں چیز ضائع ہو گئی اُجرت نہیں پائیں گے۔ اگرچہ چیز کا تاوان بھی ان کو دینا پڑے گا اور اگر کام کا کوئی اثر اس چیز میں نہیں ہوتا جیسے حمال کہ چیز کو یہاں سے اٹھا کر وہاں لے گیا۔ یہ اُجرت کے مستحق اس وقت ہوں گے جب انہوں نے اپنا کام کر لیا۔ (درمختار)

(۵) مستاجر (کرایہ دار) نے اُجرت زیادہ کر دی اگر اندرونِ مدت یہ اضافہ ہے تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جائے گا۔ جیسے بیع میں ثمن کا اضافہ۔ اور اگر مدت پوری ہونے کے بعد اضافہ کیا، جب بھی لینا دینا جائز ہے۔ یعنی یہ ایک احسان ہے اور آجر یعنی مالک نے اس شے پر اضافہ کر دیا جو کرایہ پر تھی یہ بھی جائز ہے۔ (درمختار)

(۶) جس سے کام کرانا ہے اگر اس سے یہ شرط کر لی ہے کہ تم کو خود کرنا ہو گا یا کہہ دیا کہ تم اپنے ہاتھ سے کرنا۔ اس صورت میں خود اسی کو کرنا ضروری ہے۔ اپنے شاگرد یا کسی دوسرے شخص سے کام کرانا جائز نہیں اور کرا دیا تو اُجرت واجب نہیں۔ اور اگر یہ شرط نہیں ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کام کرے گا تو دوسرے سے بھی کرا سکتا ہے۔ شاگرد سے، خواہ نوکر سے، خواہ کسی دوسرے سے۔

(۷) مکان جس میں کوئی رہتا ہے وہ دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز ہے۔ جبکہ رہنے والا کرایہ پر نہ ہو اور مالک مکان کے ذمہ، مکان خالی کرا کر، کرایہ دار کو دینا ہے اور کرایہ کی مدت اس وقت سے شمار ہو گی جب سے اس کے قبضہ میں آیا۔ (درمختار)

(۸) جو اجارہ اپنی اصل کے لحاظ سے موافقِ شرع ہے مگر اس میں کوئی وصف ایسا آ گیا جس کی وجہ سے وہ نامشروع (خلاف شرع) ہو گیا تو یہ اجارہ فاسد کہلاتا ہے۔ مثلاً اجارہ میں کوئی ایسی شرط لگا دی جس کو عقد اجارہ مقتضی نہ ہو۔ جیسے مکان کرایہ پر دیا اور شرط یہ لگا دی کہ مکان کا ٹیکس کرایہ دار کے ذمہ ہے تو یہ اجارہ فاسد ہے کہ اس کا تعلق مالک سے ہے۔ مستاجر کے ذمہ شرط کرنا مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔

اور اگر وہ چیز اپنی اصل ہی کے اعتبار سے خلاف شرع ہو تو وہ اجارہ بالکل باطل

ہے۔ مثلاً مردار یا خون کو اُجرت قرار دیا جائے یا بت بنانے کے لیے کسی کو اجیر رکھا (جسے
آج کل آرٹ سے تعبیر کرتے ہیں) تو یہ اجارہ باطل ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۹) اجارۂ باطل میں اگر چیز کو استعمال کیا اور وہ کام کر دیا جس کے لیے اجارہ ہوا، جب بھی اُجرت واجب نہ ہوگی اور اجارہ فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے استعمال کرنے پر اُجرت مثل لازم ہوگی (بحر وغیرہ) اُجرت مثل سے مراد یہ ہے کہ اگر یہ کام جائز طریقہ پر کوئی اور کرتا تو جو اُجرت وہ پاتا اتنی ہی یہاں لازم ہے۔

(۱۰) جو شرطیں بیع کو فاسد کرتی ہیں اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی ہیں کیونکہ اجارہ بھی ایک قسم کی بیع ہے۔ فرق یہ ہے کہ بیع میں چیز بیچی جاتی ہے، یہاں منفعت۔ (البحرالرائق)

(۱۱) گناہوں کے کاموں پر اجارہ ناجائز ہے۔ مثلاً نوحہ کرنے والی کو اُجرت پر رکھا کہ وہ نوحہ کرے گی یا گانے بجانے کے لیے اجیر کیا کہ وہ اتنی دیر تک گائے بجائے گا اور اس کو یہ اُجرت دی جائے گی۔ یونہی لہو ولعب پر اجارہ بھی ناجائز ہے۔ گانا بجانا سیکھنے کے لیے نوکر رکھتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے۔ (درمختار) اور ان صورتوں میں اُجرت لینا بھی حرام ہے اور لے لی ہو تو واپس کر دے اور معلوم نہ رہا کہ کس سے اُجرت لی تھی تو اسے صدقہ کر دے کہ خبیث مال کا یہی حکم ہے۔ (البحرالرائق)

(۱۲) طاعت و عبادت کے کاموں پر اجارہ کرنا جائز نہیں۔ مثلاً تلاوت قرآن پر اجارہ کہ کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ لہٰذا سوم وغیرہ کے موقع پر اُجرت پر قرآن پڑھوانا ناجائز ہے۔ دینے والا بھی گناہگار اور لینے والا بھی گناہگار۔ اسی طرح اکثر لوگ چالیس روز تک، قبر کے پاس یا مکان پر قرآن پڑھوا کر ایصالِ ثواب کراتے ہیں۔ اگر اُجرت پر ہو تو یہ بھی ناجائز ہے۔ بلکہ اس صورت میں ایصالِ ثواب بے معنی بات ہے کہ جب پڑھنے والے نے پیسوں کی خاطر پڑھا۔ ثواب ہی کہاں جس کا ایصال کیا جائے۔ اس کا ثواب یعنی بدلہ پیسہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اعمال جتنے ہیں نیت کے ساتھ ہیں۔ جب اللہ کے لیے عمل نہ ہو ثواب کی امید بے کار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایصالِ ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے مگر اُجرت پر قرآن مجید یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصالِ ثواب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ پڑھنے والے، اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھیں اور اس کا ثواب ان کو بخشیں تو یہ جائز بلکہ کارِ

ثواب اور عملِ خیر ہے۔ (بہار شریعت، ردالمحتار)

(۱۳) مسلمانوں میں معمول ہے کہ ورثاء میت چہلم تک قرآن خوانی کراتے اور میعاد کے اختتام پر، بصورت نقد و پارچہ جات اور اثنائے قرآن خوانی کھانا بھی دے دیا کرتے ہیں۔ دیوبندی و وہابی کہ اموات مسلمین کو ثواب پہنچانے ہی سے جلتے ہیں اور فاتحہ سوم و دہم و بستم اور چہلم کو حرام و بدعت کہتے ہیں۔ وہ عقل سے کورے، آنکھ کے اندھے اور نورِ ایمان بلکہ اصلِ ایمان ہی سے محروم ہیں، مسلمان ان کی نہ سنیں یہ سب باتیں جائز ہیں۔ میت کو قرآن خوانی و طعام خورانی دونوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ تیجے، چالیسویں وغیرہ کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا۔ ہاں قرآن خوانی پر اُجرت لینا دینا دونوں منع ہیں اور جبکہ عادت و رواج کے مطابق پڑھنے والے کو معلوم ہے کہ ملے گا اور پڑھانے والے کو معلوم ہے کہ دینا ہوگا تو یہ بھی اُجرت میں داخل ہے۔ اگرچہ زبان سے یہ سودا نہ ہو مگر اَلْمَعْرُوْفُ کَالْمَشْرُوْطِ قاعدہ کلیہ ہے۔ اس کا طریقہ یہ کیا جائے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دین کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں کام لیں گے اور تنخواہ دیں گے۔ پھر اس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے۔ اب یہ اُجرت بلاشبہ جائز ہے کہ اس کے وقت کے مقابل ہے نہ کہ تلاوتِ قرآن کے۔ اور ایک صورت جواز کی یہ ہے کہ صراحتاً معروف کی نفی کر دیں تو مشروط نہیں رہے گا۔ مثلاً قاری سے صاف کہہ دیا جائے کہ کچھ نہ دیا جائے گا یا وہ کہہ دے کہ میں لوں گا کچھ نہیں۔ اس کے بعد پڑھے پھر جو چاہے دے دیں۔ وہ اُجرت میں داخل نہ ہوگا۔ لِاَنَّ الصَّرِيْحَ يَفُوْقُ الدَّلَالَةَ (صراحت کو دلالت پر فوقیت ہے) (فتاویٰ رضویہ)

(۱۴) اذان کہنے کے لیے، امامت نماز پنجگانہ کے لیے، قرآن وفقہ کی تعلیم کے لیے، اُجرت لینا دینا، ایک دینی ضرورت کے لیے علمائے متاخرین نے جائز رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ دین کے کاموں میں سستی آگئی ہے۔ اگر تعلیم القرآن و الفقہ اور اذان و امامت پر اُجرت نہ دی جائے تو قرآن وفقہ کے پڑھانے والے طلب معیشت میں مشغول ہو کر اس کام کو چھوڑ دیں گے اور لوگ دین کی باتوں سے ناواقف ہوتے چلے جائیں گے، اسی طرح اگر امام و موذن کو اُجرت پر نہ رکھا جائے تو بہت سی مساجد میں اذان و جماعت کا

سلسلہ بند ہو جائے اور اس شعارِ اسلامی کی شان و شوکت میں آنکھوں دیکھی کمی آتی چلی جائے گی۔ یہی حال وعظ پر اجارہ کا ہے کہ اگر اس پر اجارہ کو ناجائز کر دیا جائے تو عوام کو وعظ و تقریر کے ذریعے جو باتیں معلوم ہو جاتی ہیں ان کا انسداد ہو جائے گا۔ پھر بھی جس بندۂ خدا سے ہو سکے کہ ان امور کو محض خالصاً لوجہ اللہ انجام دے اور اجر اخروی کا مستحق بنے تو اس سے بہتر کیا بات ہے۔ پھر اگر لوگ اس کی خدمت کریں بلکہ یہ تصور کرتے ہوئے کہ یہ دین کی خدمت کرتے ہیں، ہم ان کی خدمت کر کے ثواب حاصل کریں تو دینے والا مستحق ثواب ہوگا اور اس کو لینا جائز ہوگا کہ یہ اُجرت نہیں ہے بلکہ امداد و اعانت اور برو تقویٰ پر تعاون ہے۔ (بہار شریعت)

(۲۹) ہاں وعظ گوئی کا پیشہ

جسے آج کل نہ کم علم، بلکہ بہت نرے جاہلوں نے، کچھ الٹی سیدھی اردو کتابیں دیکھ بھال، حافظہ کی قوت، دماغ کی طاقت اور زبان کی طلاقت (یعنی چرب زبانی) کے ذریعے، شکار مردم کا سنہرا جال بنالیا ہے۔ یہ دنیا طلبی کا بدترین ذریعہ ہے۔ عقائد سے غافل، مسائل سے جاہل اور وعظ گوئی کے لیے آندھی۔ ہر جامع، ہر مجمع، ہر مجلس، ہر میلے میں غلط حدیثیں، جھوٹی روایتیں، الٹے مسئلے بیان کرنے کو کھڑے ہو جائیں گے اور طرح طرح کے حیلوں سے جو مل سکا، کمالائیں گے۔

اول تو انہیں وعظ کہنا حرام قطعی۔

ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "جو بے علم قرآن کے معنی میں کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے"۔

دوسرے ان کا وعظ سننا حرام کہ جھوٹی باتوں، غلط روایتوں کو سننا ہوا تو سارے جلسے کا وبال، ایسے واعظ کی گردن پر ہے اور حاضرین تو ہیں ہی اس وبال کا گرفتار۔ تیسرے وعظ و پند کو، مال جمع کرنے اور مخلوق خدا کو اپنی طرف رجوع کرنے کا ذریعہ بنایا،

گمراہیِ مردود اور سنتِ نصاریٰ و یہود ہے اور وہ جو اُجرت لینے کی اجازت ہے، وہ بہ حالتِ حاجت، خاص عالم دین کے لیے ہے۔ جو وعظ و تذکیر کا اہل ہے نہ کہ جاہلوں ناقصوں کے واسطے کہ انہیں وعظ کہنا ہی کب جائز ہے جو اس کی ضرورت کے لیے اس اصلاً نامشروع کی اجازت ہو۔ پھر اس کے لیے بھی صرف بحال حاجت، بقدر حاجت اجازت ہے۔ نہ کہ بلاحاجت یا خزانہ بھرنے کے لیے۔ پھر آگے مدار نیت پر ہے۔ اگر اللہ عزوجل کہ علیم بذات الصدور ہے، اس کی حالت جانتا ہے کہ اصل مقصود، عوام کی تذکیر، وعظ و ہدایت اور حق آگاہی و رہنمائی ہے۔ نہ کہ مال و خزانہ کو بڑھانا اور دنیا کمانا۔ جب تو اس مجبوری کے فتویٰ سے نفع پا سکتا ہے ورنہ دانائے سر و اخفیٰ کے حضور حیلہ نہ چلے گا اور دنیا خر اور دین فروش ہی نام ملے گا کہ دین بیچا اور اس کے بدلے دنیا خریدی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ (احسن الوفا وغیرہ)

(۱۵) میت کو نہلانے یا جنازہ اٹھانے کی اُجرت دینا لینا وہاں جائز ہے، جہاں ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کام کے کرنے والے ہوں۔ اور اگر ان کے سوا کوئی اور نہ ہو تو اُجرت پر یہ کام نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ شخص اس صورت میں اس کام کے لیے متعین ہے۔ (بحر)

(۱۶) کسی کو مرغی دی کہ جو کچھ انڈے دے گی دونوں نصف نصف تقسیم کرلیں گے یہ اجارہ بھی فاسد ہے۔ انڈے اس کے ہیں جس کی مرغی ہے۔ (عالمگیری) بعض لوگ بکری بٹائی پر دیتے ہیں کہ جو کچھ بچے پیدا ہوں گے، دونوں نصف نصف لیں گے۔ یہ اجارہ بھی فاسد ہے۔ بچے اسی کے ہیں جس کی بکری ہے۔ دوسرے کو اس کے کام کی اُجرت مثل ملے گی۔ (بہار شریعت)

(۱۷) عورت نے ایسے شخص کی ملازمت کی جو بال بچوں والا ہے۔ اس میں حرج نہیں۔ جیسا کہ عموماً ہند و پاکستان میں کھانا پکانے اور گھر کے دوسرے کام کاج کے لیے مامائیں نوکر رکھی جاتی ہیں۔ مگر یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مرد کو اس کے ساتھ تنہائی نہ ہو۔ (عالمگیری) خصوصاً جبکہ وہ جاذب نظر ہو۔ بالخصوص جبکہ وہ جوان ہو کہ جہاں دو اجنبی مرد عورت ہوتے ہیں، ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (کمافی الحدیث)

(۱۸) بھائی چچا وغیرہ دوسرے رشتہ داروں کو خدمت کے لیے نوکر رکھنا جائز ہے مگر بعض علماء نے فرمایا کہ بڑے بھائی یا چچا کو جو عمر میں بڑا ہے، ملازم رکھنا جائز نہیں۔ (عالمگیری) اور اگر یہ ملازمت برائے نام ہو اور اس سے ان کے احترام و توقیر میں کوئی فتور نہ آئے تو غیروں کے مقابلے میں ان کا استحقاق زیادہ ہونا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

(۱۹) کسی کو سانپ یا بچھو نے کاٹا ہو تو اس کے جھاڑنے کی اُجرت لینا جائز ہے۔ اگرچہ قرآن مجید ہی کی آیت یا سورت پڑھ کر جھاڑنا ہو کہ یہ تلاوت نہیں بلکہ علاج کے قبیل سے ہے۔ حدیث میں ایک صحابی کا سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا اور اس کا اچھا ہو جانا۔ اور ان کا پہلے ہی سے اُجرت مقرر کر لینا اور اس کے اچھے ہونے کے بعد لینا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس معاملہ کو پیش کرنا اور حضور کا انکار نہ فرمانا بلکہ جائز رکھنا۔ اس کے جواز کی صریح دلیل ہے۔ بہت سے لوگ تعویذ پر اُجرت لیتے ہیں یہ بھی جائز ہے مگر یہ بھی ضرور ہے کہ تعویذ ایسا ہو کہ اس میں شرعی قباحت نہ ہو اور اگر اس تعویذ میں ناجائز الفاظ لکھے ہوں یا شرک و کفر کے الفاظ پر مشتمل ہو تو ایسا تعویذ لکھنا بھی ناجائز ہے اور اس کا لینا اور باندھنا بھی ناجائز ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

(۲۰) مسلمان نے کافر کی خدمت گاری کی نوکری کی کہ پیش خدمت رہے، حدیث میں اس سے منع فرمایا۔ بلکہ مسلمان کو جائز نہیں کہ باختیار خود اپنے نفس کو ذلت میں ڈالے۔ لہٰذا کسی ایسے کام پر کافر سے اجارہ نہ کرے جس میں مسلمان کی ذلت ہو۔

(عالمگیری)

(۲۱) باپ اپنے نابالغ لڑکے کو، ایسے کام کے لیے اُجرت پر دے سکتا ہے جس کے کرنے کی اسے طاقت ہو۔ اور باپ نہ ہو تو اس کا وصی۔ یہ بھی نہ ہو تو اس کا دادا اور دادا بھی نہ ہو تو دادا کا وصی، نابالغ کو اجارہ پر دے سکتا ہے۔ اور اگر ان میں کوئی نہ ہو ذو رحم محرم جس کی پرورش میں وہ بچہ ہے، اسے اجارہ پر دے سکتا ہے۔ (خانیہ)

(۲۲) ذو محرم نے بچہ اجارہ پر دیا اور وہ بچہ اسی کی پرورش میں ہے تو جو کچھ مزدوری ملی ہے اس بچہ پر خرچ نہیں کر سکتا۔ جس طرح بچہ کو کسی نے کچھ ہبہ کیا تو وہ رشتہ دار ہبہ قبول کر سکتا ہے مگر بچہ اسے خرچ نہیں کر سکتا۔ (خانیہ)

ہاں اگر قاضی نے حکم دے دیا ہے کہ جو کچھ یہ بچہ کما کر لائے، حسبِ ضرورت اس پر خرچ کیا جائے تو اس وقت خرچ کرنا جائز ہے۔ (عالمگیری)

(۲۳) کسی محلّہ یا گاؤں یا شہر میں جانے کے لیے تانگہ وغیرہ کرایہ پر لیا تو اس کے ذمہ گھر تک پہنچانا ہے۔ گاؤں یا محلّہ یا شہر میں پہنچا دینے پر ختم نہیں ہو گا۔ (عالمگیری) یہی حکم آٹو رکشہ یا سائیکل رکشہ کا ہے اور اگر موٹر کار یا پوری لاری کرایہ پر لے لی تو اب اس کا کام بھی گھر تک، یا جہاں تک جا سکتی ہو، اسے پہنچا دینا ہے کہ اس صورت میں یہی عرف و معمول ہے ورنہ عموماً بسیں، لاریاں یا مضافات شہر میں چلنے والی سوزوکیاں اور منی ٹیکسیاں اپنے اپنے اسٹاپ پر چلتی ہیں اور اسٹاپ ہی پر رک جاتی ہیں، طے کیے بغیر انہیں کہیں اور لے جانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۴) اجارہ کر لینے کے بعد دوسرا شخص بہت زیادہ اُجرت دینے کو کہتا ہے یا مستاجر سے دوسرا شخص کم اُجرت پر چیز دینے کو کہتا ہے۔ یہ اجارہ فسخ کر لینے کے لیے عُذر نہیں۔ (عالمگیری)

(۲۵) اجارہ میں خیار شرط بھی ہو سکتا ہے اور خیار رویت بھی۔ مثلاً بغیر دیکھے مکان کرایہ پر لیا تو دیکھنے کے بعد اجارہ فسخ کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے۔ (عالمگیری)

(۳۰) اکراہ کا بیان

اکراہ جسے لوگ جبر کرنا بھی کہتے ہیں، اس کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے ساتھ ناحق ایسا فعل کرنا جس کے باعث، وہ شخص ایسا کام کرے، جسے وہ اپنے اختیار سے کرنا نہیں چاہتا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جبر کرنے والا، کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ دوسرا اپنی مرضی کے خلاف کرے مگر اس کا زبان سے کہہ دینا ہی اکراہ ہے۔ مُکرَہ یعنی جسے مجبور کیا گیا وہ جانتا ہے کہ اگرچہ اس نے کوئی دھمکی نہیں دی مگر یہ شخص ظالم و جابر ہے۔ جو کچھ یہ کہتا ہے اگر میں نے نہ کیا تو مجھے مار ڈالے گا یا سخت جسمانی ایذا پہنچائے گا۔ جس کی سزا عمر بھر بھگتنا پڑے گی تو یہ بھی صورتِ اکراہ ہے۔ مثلاً حاکم وقت

ظالم و جابر ہے۔ اس کا زبان سے کہہ دینا ہی اکراہ ہے کہ اگرچہ وہ دھمکی نہ دے مگر اس کی مخالفت اور حکم عدولی میں جان جانے یا اتلافِ عضو کا اندیشہ ہے۔ یونہی ڈاکو، چور، لٹیرے، جن سے اس قسم کا اندیشہ ہو ان کا کہہ دینا ہی اکراہ ہے۔ اگرچہ دھمکی نہ دیں۔ بلکہ بعض ناخدا ترس شوہر بھی ایسے بدمزاج اور بد قماش ہوتے ہیں کہ ان کی مخالفت کرنا، اپنے لیے جان لیوا مصیبتوں کو خرید لینا ہے۔ ایسے شوہروں کا زبان سے کہنا ہی اکراہ ہے اگرچہ وہ دھمکی نہ دے۔ ہاں کسی کے اصرار یا باہمی خانگی لڑائی جھگڑوں کو، اکراہ شرعی کا حکم دینا صحیح نہیں۔ مجبور کرنے والے کو مُکرِہ، اور جسے مجبور کیا گیا اس کو مُکرَہ کہتے ہیں۔ (پہلی جگہ "ر" کو زیر ہے اور دوسری جگہ زبر)

(۳۱) چند مسائل فقہیہ

اکراہ کا حکم اس وقت متحقق ہوتا ہے جب ایسے شخص کی جانب سے ہو کہ وہ جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے اس کے کر ڈالنے پر قادر ہو۔ اور مکرَہ جس کو دھمکی دی گئی ہو۔ اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں گا تو جس کی دھمکی دے رہا ہے اسے کر گزرے گا۔ جس چیز کی دھمکی ہے وہ جان جانا ہے یا عضو کاٹنا یا ایسا غم پیدا کر دینا ہے جس کی وجہ سے وہ کام اپنی خوشی و رضامندی سے نہ سمجھا جائے۔ نیز جس کو دھمکی دی گئی وہ پہلے سے اس کام کو کرنا نہ چاہتا ہو۔ خواہ اپنے حق کی وجہ سے یا حق شرع کی وجہ سے۔ مثلاً شراب پینا، زنا کرنا۔ (درمختار)

(۲) اکراہ کی دو قسمیں ہیں اور ہر صورت کے احکام جداگانہ۔

ایک تام اور اس کو اکراہ مُلجی بھی کہتے ہیں۔ یہ اکراہ انسان کو واقعی بے اختیار بنا دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مکرَہ کو مار ڈالنے یا عضو تلف کرنے یا ضرب شدید کی دھمکی دی جائے اور ضرب شدید بھی وہی ضرب ہے جس سے جان جانے یا عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً مُکرِہ (جبر کرنے والا) کہتا ہے کہ یہ کام کر، ورنہ تجھے مارتے مارتے بیکار کر دوں گا۔ ہڈی پسلی توڑ دوں گا۔

دوسری ناقص۔ اسے اکراہ غیر مُلجی بھی کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جس میں اس سے کم کی دھمکی ہو۔ مثلاً پانچ جوتے ماروں گا یا مکان میں بند کر دوں گا یا ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دوں گا۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۳) اکراہِ شرعی پایا جائے تو مکرَہ ہر حال میں ان افعال کی تعمیل میں مجبور نہیں جس کے کرنے یا نہ کرنے پر اسے دھمکی دی گئی ہے۔ بلکہ بعض صورتوں میں اسے ان افعال کے کرنے کی اجازت و رخصت ہے۔ بعض صورتوں میں فرض کہیں اس فعل پر وہ اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ کہیں حکم شرعی کی خلاف ورزی کے باعث گناہ و مواخذہ اخروی میں گرفتار۔ جیسا کہ دوسرے مکلف بندگان خدا۔ (تبیین الحقائق)

(۴) معاذاللہ شراب یا خون پینے یا مرادیا سور کا گوشت کھانے پر اکراہ کیا گیا۔ اگر وہ اکراہ غیر مُلجی ہے یعنی حبس و ضرب (بند کر دینے یا مارنے) کی دھمکی ہے تو ان چیزوں کا کھانا پینا جائز نہیں ہے۔ کھائے گا یا پیئے گا تو گناہگار ہوگا۔

اور اگر وہ اکراہ مُلجی ہے یعنی قتل یا قطع عضو کی دھمکی ہے تو ان کاموں کا کرنا جائز بلکہ فرض ہے اور اگر فرض کیا ان کاموں کو نہیں کیا اور مار ڈالا گیا تو گناہگار ہوا کہ شرع نے ان صورتوں میں اس کے لیے یہ چیزیں جائز کی تھیں۔ جس طرح بھوک کی شدت اور اضطراب کی حالت میں یہ چیزیں مباح ہیں۔

ہاں اگر اس کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ ایسی حالت میں ان چیزوں کا استعمال شرعاً جائز ہے اور ناواقفی کی وجہ سے استعمال نہ کیا اور قتل کر دیا گیا تو گناہ نہیں۔ (درمختار وغیرہ)

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ مسلمان کی شان ہے۔

(۵) معاذاللہ کفر کرنے پر اکراہ ہوا۔ اگر یہ اکراہ مُلجی ہے کہ قتل یا قطع عضو کی دھمکی دی گئی تو اس شخص کو صرف ظاہر طور پر، اس کفر کے کر لینے کی رخصت ہے اور دل میں وہی یقین ایمانی قائم رکھنا لازم ہے جو قلبِ مومن میں ہوتا ہے اور اس شخص کو چاہیے کہ اپنے قول و فعل میں توریہ کرے۔ یعنی اگرچہ اس فعل یا قول کا ظاہر کفر ہے مگر اس کی نیت ایسی ہو کہ کفر نہ رہے۔ مثلاً اسے مجبور کیا گیا کہ بت کو سجدہ کرے اور اس نے سجدہ کیا تو یہ نیت کرے کہ خدا واحد کو سجدہ کرتا ہوں۔ یا سرکار رسالت مآب صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی کرنے پر مجبور کیا گیا تو کسی دوسرے کی نیت کرے۔ جس کا نام محمد ہو اور دل سے اس فعل کو برا جانے۔ اور اگر اکراہ غیر مُلجی ہو تو کفر کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں اظہار کفر کی رخصت نہیں ہے کہ غیر مُلجی اس کے حق میں اکراہ نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۶) کفر کرنے پر مجبور کیا گیا اور کفر نہ کیا۔ اس وجہ سے قتل کر دیا گیا تو ثواب پائے گا۔ اسی طرح نماز یا روزہ توڑنے یا نماز نہ پڑھنے، روزہ نہ رکھنے پر اکراہ ہوا یا جس چیز کی فرضیت قرآن سے ثابت ہو اس کے چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے اس کے خلاف کیا جو مکرہ کرانا چاہتا تھا اور قتل کر ڈالا تو سب میں ثواب کا مستحق ہے۔

(۷) زنا یا لواطت پر اکراہ ہوا، اکراہ مُلجی ہو یا غیر مُلجی۔ بہرصورت اسے زنا و لواطت کی اجازت نہیں ہے۔ (ردالمحتار) اور اگر اس صورت میں قتل کر دیا گیا تو اسے ثواب ملے گا۔ (عالمگیری)

(۸) روزے دار، مسافر یا مریض ہے جس کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ یہ اگر روزہ توڑنے پر مجبور کیا گیا تو روزہ توڑ دے اور نہ توڑا، یہاں تک کہ قتل کر ڈالا گیا تو گناہگار ہوا۔ (ردالمحتار)

(۹) عورت کو زنا کرانے پر مجبور کیا گیا اور اس نے مرد کو اپنے اوپر قابو دے دیا (جو مزاحمت کر سکتی تھی وہ نہ کی) تو عورت بھی گناہگار ہے اور قابو نہ دیا اور اس کے ساتھ زنا کر لیا گیا تو اب عورت گناہگار نہیں۔ (عالمگیری)

(۱۰) نکاح و طلاق پر اکراہ ہوا یعنی دھمکی دے کر ایجاب و قبول کرا لیا یا طلاق کے الفاظ زبان سے کہلائے تو یہ سب صحیح ہو جائیں گے۔ (درمختار)

اور کسی کے جبر و اکراہ سے عورت کو خط میں طلاق لکھی یا طلاق نامہ لکھ دیا یا طلاق نامہ پر دستخط کر دیئے اور زبان سے الفاظ طلاق نہ کہے تو طلاق نہ پڑے گی اور زبان سے طلاق دے دی تو کیسے ہی جبر و اکراہ سے دی ہو، طلاق ہو جائے گی۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۱) اس پر اکراہ ہوا کہ زوجہ کو تفویض طلاق کر دے۔ یا اس کی طلاق، فلاں شخص کے اختیار میں دے دی تو طلاق ہو جائے گی۔ (عالمگیری)

(۱۲) چوروں نے کسی کو مجبور کیا کہ تمہارا مال کہاں ہے بتاؤ ورنہ ہم قتل کر ڈالیں گے۔ اس نے نہیں بتایا۔ چوروں نے قتل کر دیا تو یہ شخص گناہگار نہ ہوا۔ (عالمگیری)

(۳۲) حَجر کا بیان

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کو پیدا فرمایا۔ انہیں کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہا عطا فرما کر انہیں کام میں لانے کا طریقہ الہام فرمایا۔ پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا اور انسان اشرف المخلوقات کہلایا۔

پھر یہ بھی اس کا کمال کرم ہے کہ اس عقل کو اس کی برتری کا ذریعہ بنایا۔ یہی وہ دولت ہے کہ اس کی بدولت انسان دنیا و آخرت میں سعادت پر سعادت پاتا ہے اور یہی وہ جوہر ہے کہ اس میں فساد و فتور یا اس پر خواہشات کا غلبہ و ظہور، انسان کو مرتبۂ بہائم تک پہنچاتا اور درندہ صفت بنا دیتا ہے۔

اور یہ بھی اس کی مشیت و حکمت ہے کہ اس نے انسان کو مختلف مراتب پر پیدا فرمایا۔ کسی کو سمجھ بوجھ اور دانائی و ہوشیاری عطا فرمائی اور انہیں ہدایت کا امام، ظلمت کا چراغ بنایا اور دین کے اعلام میں پیدا فرمایا۔ اور کسی کی عقل میں فتور و نقصان رکھا کہ وہ اپنے برے بھلے اور نفع نقصان کو کماحقہ نہ پہچان سکے۔ جیسے مجنون اور بچے کہ ان کی فہم و عقل میں جو قصور و نقصان ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اگر ان کے تصرفات کو ہر حال میں نافذ قرار دے دیا جائے تو ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔

ظاہر ہے کہ بسا اوقات یہ اپنی کم فہمی سے ایسے تصرفات کر جاتے ہیں جو خود ان کے لیے سخت نقصان کا باعث اور مضر ہیں۔ لہٰذا اس حکیم مطلق کی رحمت کاملہ نے ان کے تصرفات کو روک دیا کہ انہیں نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ انہیں تصرفات کو جبکہ یہ صرف قول کی حد تک رہیں، روک دینے کو حجر کہتے ہیں۔ یعنی ان کے تصرفات قولیہ کو کالعدم سمجھا جائے گا۔ ان کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور ان کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے۔ جنون قوی

ہو یا ضعیف، دونوں کا حکم ایک ہے۔

البتہ فعل میں حجر نہیں ہوتا۔ یعنی ان کے افعال کو کالعدم نہیں سمجھا جائے گا وہ نافذ ہوں گے اور شرعاً ان کا اعتبار کیا جائے گا۔ للذا نابالغ یا مجنون نے کسی کی کوئی چیز تلف کر دی تو ضمان واجب ہے۔ فی الحال تاوان وصول کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہ جب وہ بالغ ہو، یا مجنون ہوش میں آئے تو اس وقت تاوان وصول کریں۔ یہاں تک کہ اگر نومولود نے، اگرچہ وہ ایک دن کا بچہ ہو، کروٹ لی اور کسی شخص کی شیشہ کی کوئی چیز، اس وجہ سے ٹوٹ گئی تو اس کا بھی تاوان دینا ہوگا۔ یونہی کسی پاگل نے جسے افاقہ نہیں ہوتا، کسی کے کپڑے پھاڑ دیئے تو اس پر بھی ضمان واجب ہوگا۔ (درمختار)

البتہ کچھ افعال ایسے بھی ہیں جو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً مجنون نہ طلاق دے سکتا ہے نہ اقرار کر سکتا ہے۔ اسی طرح نابالغ کہ نہ اس کی طلاق صحیح نہ اقرار معتبر۔
(درمختار وغیرہ)

(۳۴۳) چند مسائل متعلقہ

حجر کے اسباب تین ہیں۔ نابالغی، جنون اور رِقّیت یعنی کسی کا غلام یا کنیز ہونا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد عاقل بالغ کو قاضی مجبور نہیں کر سکتا۔ نہ اس کے تصرفات کو کالعدم یا غیر معتبر و ناقابلِ قبول قرار دے سکتا ہے۔ نہ انہیں نفاذ سے روک سکتا ہے۔ رہے باندی غلام تو ان کی عقل میں اگرچہ فتور نہیں ہے مگر یہ خود اور جو کچھ ان کے پاس ہے سب ملکِ مولیٰ ہیں۔ للذا انہیں پرائی ملکیت میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں۔ (تبیین وغیرہ)

(۲) اگر کسی شخص کے تصرفات کا ضرر و نقصان عوام الناس کو پہنچتا ہو تو حاکم اسلام امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ماتحت اسے ان تصرفات سے روک دے گا۔ مثلاً:

طبیب جاہل کہ فن طب میں مہارت نہیں رکھتا اور علاج کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ لوگوں کو دوائیں دے کر انہیں ہلاکت میں ڈالتا اور ان کی صحت و تندرستی سے کھیلتا ہے۔ آج کل بکثرت ایسا مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ آدمی نے نجی طور پر کسی شخص سے یا

مدرسہ میں داخلہ لے کر طب کی کچھ کتابیں پڑھیں اور سند حاصل کر کے بیٹھ گئے علاج معالجہ کرنے اور اپنا ذاتی مطب چلانے۔ ہر طرح کے مریض پر ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ مرض سمجھ میں آئے نہ آئے، اوٹ پٹانگ نسخے پلانے شروع کر دیتے ہیں اور یہ کہنا اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں کہ مرض میری سمجھ میں نہیں آیا۔ ایسوں کو علاج کرنا کب جائز و درست ہو سکتا ہے۔ علاج کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مدت دراز تک کسی اُستاد کامل کے پاس بیٹھے، ہر قسم کا علاج دیکھے۔ اُستاذ کی موجودگی میں علاج کرے۔ طریق علاج کو اُستاد پر پیش کرتا رہے۔ جب اُستاد کی سمجھ میں آجائے کہ یہ شخص اب علاج میں ماہر ہو گیا ہے تو علاج کی اجازت دے۔ محض تعلیم اور امتحانی سندوں کو علاج معالجہ کے لیے سند کافی و وافی سمجھ بیٹھنا کور عقلی کی سند ہے اور فاحش غلطی۔ جسے یقین نہ آئے وہ خود تجربہ کر لے۔

ایسے جاہل معالجین ہی کی طرح ہیں وہ نام نہاد مولوی جو درس نظامی کی سند لے کر عربی مدارس سے فارغ التحصیل ہو کر، قوم کی رہنمائی و ہدایت کا فریضہ انجام دینے پر تلے رہتے ہیں۔ اولاً تو اس زمانہ میں دنیاوی اسکولوں اور کالجوں کی طرح عربی مدارس میں جو درس و تدریس کی جانب طلبہ کو رغبت ہے، وہ خوب روشن ہے۔ درس نظامی جو ان مدارس میں رائج ہے، کتنے ہیں جو اس کی تکمیل کرتے اور پوری توجہ و محنت سے علم حاصل کرتے ہیں۔ نہ ابتدائی کتابیں دل لگا کر پڑھیں کہ بنیاد مضبوط ہوتی۔ نہ درس نظامی کو مکمل پڑھا کہ استعداد بنتی۔ جو کچھ پڑھا، معمولی طور پر پڑھا۔ سند حاصل کی، چرب زبانی کی مشق بڑھائی اور وعظ گوئی یا امامت و خطابت کا پیشہ اختیار کر لیا اور اسی کو اپنی معراج سمجھ کر لگے دوسروں پر پھبتی کسنے۔ ان کا مذاق اڑانے۔ نہ مسائل فقہیہ پر عبور کہ صحیح رہنمائی کریں، نہ احکام شرعیہ سے واقفیت کہ ناواقفوں کو کچھ بتائیں۔

اور اس پر ہمہ دانی کا وہ زعم باطل کہ ہم چو من دیگرے نیست۔

کوئی مسئلہ دریافت کیجئے تو اپنی کور دماغی سے قیاس آرائیاں کر کے، کچھ نہ کچھ زبان سے کہہ دینا ضرور۔ مسئلہ کی حقیقت سے ناواقفیت کے باوجود، کیا مجال جو یہ کہہ جائیں کہ مجھے معلوم نہیں۔ یا کتاب دیکھ کر بتاؤں گا یا آپ فلاں عالم سے پوچھ لیں کہ

انہیں مسائل پر بڑا عبور ہے۔ یہ کہنا تو خود اپنی پگڑی، اپنے ہاتھوں اچھالنا اور اپنی جھوٹی عزت کو خاک میں ملانا ہے۔ اٹکل پچو جو جی میں آیا اسے کہہ دینا ہی اپنے علم کی معراج جانتے ہیں۔ ایسوں کے متعلق سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ:

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیھدیھم طریق الھالکین

یعنی ۔

آنکس کہ خود گم است کرا رہبری کند

اور انہیں کی مانند ہیں جو مفتی کہ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔ یا وہ نام نہاد مفتی کہ اپنی دنیا بنانے اور دولت سمیٹنے کی خاطر، لوگوں کو ارتداد کی تلقین سے بھی نہیں چوکتے۔ حرام کو حلال، حلال کو حرام کر دینے کو بھی اپنی مہارت اور ذہانت پر محمول کرتے ہیں۔ خود گمراہ ہوتے اوروں کو گمراہی میں ڈالتے ہیں۔ چند روزہ زندگی کی خاطر اپنے ہاتھوں اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں تو ایسوں کو ان کے ایسے تصرفات سے روک دینا، عامۃ الناس کی خیر خواہی ہے اور شرعاً مطلوب و محبوب۔ (تبیین، بہار شریعت وغیرہ)

(۳) نابالغ نے ایسا عقد کیا جس میں نفع و ضرر دونوں ہوتے ہیں جیسے خرید و فروخت کہ نہ ہمیشہ اس میں نفع ہی ہوتا ہے نہ ہمیشہ ضرر۔ اگر وہ خرید و فروخت یعنی خریدنے اور بیچنے کے معنی جانتا ہو کہ خریدنا یہ ہے کہ دوسرے کی چیز ہماری ہو جائے گی اور بیچنا یہ کہ اپنی چیز اپنی نہ رہے گی، پرائی ہو جائے گی تو اس کا عقد ولی کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، جائز کر دے گا، جائز ہو جائے گا۔ رد کر دے گا، باطل ہو جائے گا اور اگر اتنا بھی نہ جانتا ہو کہ بیچنا اور خریدنا کسے کہتے ہیں تو اس کا عقد باطل ہے۔ ولی کے جائز کر دینے سے بھی جائز نہ ہو گا۔ مجنون کا بھی یہی حکم ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۴) نابالغ، جس کا مال، ولی یا وصی کے قبضہ میں تھا وہ بالغ ہوا اور اس کی حالت اچھی اور چال چلن ٹھیک ہیں کہ مال کو موقع سے خرچ کرتا اور بے موقع خرچ کرنے سے رکتا ہو۔ (جسے نیک چلنی اور رشد کہتے ہیں) تو اس کے اموال نہ دیئے جائیں۔ (ہدایہ وغیرہ)

(۵) کسی شخص پر کثرت سے دَین ہو گئے۔ قرض خواہوں کو اندیشہ ہے کہ اگر اس

نے اپنے اموال کو ہبہ کر دیا یا صدقہ کر دیا یا کسی طرح خرچ کر ڈالا تو ہم اپنے قرضے اس سے کیونکر وصول کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے قاضی کے یہاں درخواست کی تو ایسے شخص کو قاضی مجبور کر دے گا۔ اب اس کے تصرفات ہبہ وغیرہ نافذ نہ ہوں گے اور قاضی یعنی حاکم اسلام اس کے اموال کو بیع کر کے دَین ادا کر دے گا۔ (درمختار)

(۶) نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں:

ایک نافع محض یعنی وہ تصرف جس میں نفع ہی نفع ہے، جیسے اسلام قبول کرنا۔ کسی نے کوئی چیز ہبہ کی تو اس کو قبول کرنا۔ اس میں ولی کی اجازت درکار نہیں۔

دوسرے ضارّ محض یعنی وہ تصرف جس میں دنیاوی مضرت و نقصان ہو، اگرچہ آخرت کے اعتبار سے مفید ہے، جیسے صدقہ کرنا، قرض دینا، زوجہ کو طلاق دینا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ولی اجازت دے تب بھی نہیں کر سکتا بلکہ خود بھی بالغ ہونے کے بعد، اپنی نابالغی کے ان تصرفات کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کر سکتا۔ اس کا باپ یا قاضی، ان تصرفات کو کرنا چاہیں تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔

اور تیسرے وہ تصرفات کہ بعض وجوہ سے نافع ہیں۔ بعض وجوہ سے ضارّ یعنی مضرت رساں، نقصان دہ، جیسے بیع، اجارہ، نکاح۔ یہ اذن ولی پر موقوف ہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۷) معتوہ جسے بوہرا کہتے ہیں وہ ہے جو کم سمجھ ہو۔ اس کی باتوں میں اختلاط ہو۔ فاسد التدبیر ہو، اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہوں، مجنون کی طرح نہ لوگوں کو مارتا ہے نہ انہیں گالیاں دیتا ہے۔ تو یہ معتوہ اس بچہ کے حکم میں ہے جس کو تمیز ہے اور جو سمجھ والا ہے، خرید و فروخت لین دین کو سمجھتا بوجھتا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۳۴) بلوغ کا بیان

اس باب میں کہ لڑکا یا لڑکی کب بالغ و بالغہ قرار پائیں گے اس قدر معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ شرعاً بلوغ کا دارومدار، خواہی نخواہی عمر ہی پر نہیں رکھا گیا ہے۔ کہ جب

تک آدمی اس عمر تک نہ پہنچے اسے بالغ قرار نہ دیا جائے اگرچہ جوانی کی تمام علامات و آثار واضح و آشکار ہوں۔ عالم میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ حقیقتاً لڑکوں میں مدار کار انزال و احتلام اور لڑکیوں میں حیض وغیرہ پر ہے، اسی لیے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ لڑکا کم از کم بارہ برس، اور لڑکی نو برس میں بالغہ ہو سکتی ہے۔ ہاں جب یہ امور ظاہر نہ ہوں تو اس وقت عمر پر حوالہ کیا گیا ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر پر ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں۔ اگرچہ آثارِ بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں اور لڑکا بارہ اور لڑکی نو برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے اور اب اس سے متعلق چند مسائل ذہن نشین کرلیجئے۔

(۱) لڑکے کو جب انزال ہو گیا وہ بالغ ہے خواہ وہ انزال سوتے میں ہو جسے احتلام کہتے ہیں۔ یا بیداری کی حالت میں ہو۔ یونہی اگر جماع سے لڑکا، لڑکی کو حاملہ کردے تو وہ یقیناً بالغ ہے کہ انزال کے بغیر حمل قرار پا ہی نہیں سکتا۔ اور انزال نہ ہو تو جب تک اس کی عمر پندرہ سال کامل کی نہ ہو وہ بالغ نہیں جب پورے پندرہ سال کا ہو گیا تو اب بالغ ہے۔ دوسری علامات بلوغ پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۲) لڑکی کا بلوغ، احتلام و انزال سے ہوتا ہے یا حمل سے۔ یا حیض سے۔ ان تینوں میں سے جو بات بھی پائی جائے، لڑکی بالغہ قرار پائے گی اور اگر ان میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو جب تک وہ پندرہ سال کامل کی نہ ہو جائے بالغہ نہیں۔ (درمختار)

(۳) آثارِ مذکورہ کے سوا، بغل یا پنڈلی یا پیڑو پر بالوں کا جمنا یا لڑکے کے داڑھی مونچھ کا ابھرنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار کا پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔ یونہی آواز میں بھاری پن آ جانا، شرعاً قابلِ اعتبار نہیں۔ (ردالمحتار)

(۴) لڑکے کی عمر بارہ سال یا لڑکی کی عمر نو سال کی ہو یا زیادہ۔ مگر پندرہ سال سے کم، کہ یہ ان کے لیے امکان و احتمال بلوغ کی عمر ہے۔ اور ممکن و متحمل ہے کہ وہ بالغ ہوں لہٰذا اگر یہ اپنا بالغ ہونا ظاہر کریں اور اپنے آپ کو بالغ بتائیں تو بے حاجت شہادت، بغیر قسم لیے ان کا قول مان لیا جائے گا۔ جبکہ جسم و قویٰ کی حالت، اس دعویٰ کی تکذیب نہ کرتی ہو اور اپنے بالغ و بالغہ ہونے کی وجہ بھی بیان کردیں۔ مثلاً لڑکی کہے مجھے حیض آیا یا

دونوں میں سے کوئی ایک کہے کہ مجھے خواب میں احتلام ہوا اور اس سے میں نے اپنا بالغ ہونا جانا۔ خالی دعویٰ معنی بلوغ بیان کیے بغیر مقبول نہیں اور اگر بدن و قویٰ کی حالت ظاہرہ ان میں بلوغ کی قابلیت کا پتہ نہ دیتی ہو تو ان کا دعویٰ اصلاً مسموع نہ ہو گا جب تک دلیل شرعی سے ان کا بلوغ ثابت نہ ہو۔ (درمختار، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

(۵) آثارِ بلوغ کے پائے جانے، یا پندرہ سال کامل ان کی عمر گزر جانے پر جب ان کا بالغ ہونا تسلیم کرلیا گیا تو بالغ کے جتنے احکام ہیں، ان پر جاری ہوں گے۔ اور انہیں احکام شرعیہ کا مکلف قرار دے دیا جائے گا۔ اب اس کے بعد ان میں سے کوئی اگر اپنے بالغ ہونے سے انکار بھی کرے تو معتبر نہ ہو گا۔ (درمختار)

(۶) جس لڑکے کی عمر بارہ سال کی ہو اور اس کے ہم عمر بالغ ہوں یعنی ان میں علامات بلوغ متحقق ہو چکے اور انہیں شرعاً بالغ قرار دیا جا چکا ایسے لڑکے نے اپنی عورت سے جماع کیا اور عورت کے بچہ پیدا ہوا تو اس لڑکے کے بلوغ کا حکم دیا جائے گا اور بچہ ثابت النسب ہو گا۔ (عالمگیری)

(۷) شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیں۔ عورت نے عدت گزار کر، دوسرا نکاح مُراہق سے کیا (یعنی ایسے لڑکے سے جو ہنوز نابالغ ہے مگر قریب بلوغ ہے اور اس کی عمر والے جماع کرتے ہیں) اور اس مُراہق نے اس عورت سے وطی کی اور بعد بلوغ طلاق دی تو وہ وطی کہ قبل بلوغ کی تھی۔ حلالہ کے لیے کافی ہے مگر طلاق بعد بلوغ ہی ہونی چاہیے کہ نابالغ کی طلاق واقع ہی نہ ہو گی مگر بہتر یہ ہے کہ بالغ کی وطی ہو کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک انزال شرط ہے اور نابالغ میں انزال کہاں۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۳۵) غَصَب کا بیان

غَصَب کے لغوی معنی ہیں کسی کی کوئی جگہ چیز جبراً و قہراً اپنے قبضہ میں لے لینا خواہ مال ہو یا نہ ہو۔ شریعتِ مطہرہ نے ان معنی میں کچھ تغیر و تبدیلی کی، چنانچہ فقہائے کرام

ُنے فرمایا کہ کسی شخص کے مال متقوم (جسے شریعت نے مال قرار دیا) و محترم (جس سے شرعاً نفع اٹھانا جائز ہے) اور منقول سے جائز قبضہ کو ہٹا کر، ناجائز قبضہ کرنا غصب ہے جبکہ یہ قبضہ خفیتاً نہ ہو۔

لٰہذا جس چیز پر ناجائز قبضہ ہوا مگر کسی جائز قبضہ کو ہٹا کر نہیں ہوا، وہ غصب نہیں مثلاً جو چیز غصب کی تھی اس میں کچھ زائد چیزیں پیدا ہو گئیں۔ جیسے جانور غصب کیا تھا اس سے بچہ پیدا ہوا۔ گائے غصب کی تھی اس کا دودھ دوہا تو ان زوائد کو غصب نہیں کہا جائے گا۔

یا غیر متقوم چیز پر قبضہ کیا یہ بھی غصب نہیں۔ مثلاً مسلمان کے پاس شراب تھی اس سے چھین لی۔ تو یہ غصب نہیں کہ شرعاً شراب مال نہیں مسلمان کے حق میں۔ یونہی وہ مال محترم نہ ہو جیسے حربی کافر کا مال چھین لیا اور اپنی عزت و آبرو پر بھی حرف نہ آیا اور یہ سب کچھ دارالحرب میں ہوا۔ تو یہ بھی غصب نہیں۔ یا غیر منقول پر قبضہ کیا یا جس پر قبضہ کیا وہ شرعاً مال ہی نہیں مثلاً مردار تو یہ بھی غصب نہیں۔

(درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

اس ناجائز قبضہ کرنے والے کو غاصب، اس شے کے مالک کو مغصوب مِنْہُ اور چیز کو مغصوب کہتے ہیں اور کبھی اسے غصب بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ کسی کے ایک ایسے مال پر زبردستی اپنا قبضہ جمالینا، شرعاً کس قدر شرمناک جرم ہے، اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ — آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت اڑاؤ۔

اس آیۂ کریمہ میں اَکل لفظی معنی میں نہیں یعنی صرف کھانا مراد نہیں بلکہ دوسرے کا مال کسی طور پر بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔ اردو محاورہ میں بھی ایسے مواقع پر بولتے ہیں فلاں صاحب فلاں کا روپیہ کھا گئے یا اس کی رقم ہضم کر گئے، اور باطل سے مراد ہر ناجائز طریقہ ہے۔ اور فقہاء نے اکل باطل کو جو تفصیل لکھی ہے۔ اس میں قمار، جوا، غصب، رشوت سب ہی داخل ہے تو ناجائز مال، کسی بھی ذریعہ سے حاصل ہو،

لوٹ کر، یا چھین کر، یا چوری سے یا جوئے سے، یا حرام تماشوں یا حرام کاموں، یا حرام چیزوں کے بدلے، یا رشوت، یا جھوٹی گواہی یا چغل خوری سے، یہ سب ممنوع و حرام ہے۔ خواہ وہ مال، اس کے مالک سے بغیر اس کی خوش دلی کے حاصل کیا جائے یا مالک تو اسے خوشدلی سے دے رہا ہے لیکن خود شریعت نے اس مد اور ذریعہ کو ناجائز و حرام و ممنوع قرار دیا ہے۔ رشوت لے کر، اسے اپنا حق اور اپنے لیے اسے جائز و حلال قرار دینے والے اس آخری شق کو خوب ذہن نشین کرلیں کہ جس ذریعہ آمدنی کو شریعت نے حرام و باطل و ناجائز ٹھہرایا ہے وہ کسی کی خوشدلی سے اپنے پر جائز و حلال نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ احکام صرف مسلمانوں کے مال تک محدود نہیں۔ مسلمان ہو یا کافر، کسی کا بھی مال دغا و فریب ظلم وغیرہ سے لینا جائز نہیں اور کافر حربی کے مال پر بعض صورتوں میں جو تصرف روا رکھا گیا ہے وہ صرف اس لیے کہ وہ تو ہے ہی ہمہ اوقات حالت جنگ میں۔ تو اس کے اموال میں وہ احترام نہیں جو شرعاً اسے محترم بنائے۔

تو زبردستی کسی کے اموال پر قبضہ جمالینا بھی اسی اکل بالباطل میں داخل اور ان تمام وعیدوں میں شامل ہے جو احادیث مبارکہ میں وارد ہوئیں۔ مثلاً:

(۲،۱) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ و سلم فرماتے ہیں جس نے ایک بالشت زمین، ظلم کے طور پر دبالی، قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے اتنا حصہ طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ اور صحیح بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ اسے قیامت کے دن سات زمینوں تک دھنسا دیا جائے گا۔

(۳) طبرانی نے روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص پرایا مال لے گیا۔ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھی ہو کر ملے گا۔

(۴) صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آفتاب میں گہن لگا اور اسی روز حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی تھی۔ حضور نے گہن کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد فرمایا، تمام وہ چیزیں جن کی تمہیں خبر دی جاتی ہے۔ (خصوصاً دوزخ و جنت کے متعلق) سب کو میں نے اپنی

اس نماز میں دیکھا- میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی اور یہ اس وقت کہ تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا کہ کہیں اس کی لپٹ نہ لگ جائے- میں نے اس میں صاحب محجن کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں جہنم میں گھسیٹ رہا ہے- (محجن اس چھڑی کو کہتے ہیں جس کی مونٹھ ٹیڑھی ہوتی ہے، جاہلیت میں ایک شخص عمرو بن لحی نامی تھا جو اس قسم کی چھڑی رکھتا تھا اس کو صاحب محجن کہتے تھے) وہ حاجیوں کی چیزیں چھڑی کی مونٹھ سے کھینچ لیا کرتا تھا- اگر حاجی کو پتہ چل جاتا کہ میری چیز کسی نے کھینچ لی ہے تو کہہ دیتا کہ تمہاری چیز میری چھڑی کی مونٹھ سے لگ گئی اسے پتہ نہ چلتا تو یہ چیز اٹھالیتا اور اپنے قبضہ و تصرف میں لاتا-

اور میں نے جہنم میں بلی والی عورت کو دیکھا جس نے بلی پکڑ کر باندھ رکھی تھی- نہ اسے کھلاتی (کہ اس کا پیٹ بھرے) نہ اسے چھوڑتی کہ (کہیں اور سے) وہ کچھ کھا پی لے- وہ بلی اسی حالت میں بھوک سے مرگئی-

پھر اس کے بعد جنت میرے سامنے پیش کی گئی- یہ اس وقت کہ تم نے مجھے آگے بڑھتے دیکھا- یہاں تک کہ اپنی جگہ پر جاکر کھڑا ہو گیا اور میں نے ہاتھ بڑھایا تھا اور ارادہ کیا تھا کہ جنت کے پھلوں میں سے کچھ لے لوں کہ تم بھی انہیں دیکھ لو پھر میری سمجھ میں آیا کہ ایسا نہ کروں-

(۵) بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- خبردار! تم لوگ ظلم نہ کرنا- سن لو، کسی کا مال بغیر اس کی خوشی کے حلال نہیں-

(۳۶) چند فقہی مسائل

(۱) غصب کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ دوسرے کا مال ہے تو غاصب گناہ گار ہے اور چیز موجود ہو تو مالک کو واپس کردے- موجود نہ ہو تو تاوان دے اور معلوم نہ ہوا کہ پرایا مال ہے تو (بعد علم) اس کا حکم بھی وہی ہے کہ چیز موجود ہے تو واپس کردی جائے اور موجود نہ ہو تو اس کا تاوان دیا جائے- فرق اتنا ہے کہ اس صورت میں گناہ گار نہیں ہوا- (درمختار وغیرہ)

(۲) مغصوب کو واپس کرنے کے لیے غاصب پر یہ لازم نہیں کہ اس طرح واپس کرے کہ مالک کو علم ہو جائے بلکہ اگر اس کی لاعلمی میں چیز واپس کردی تو یہ بری ہو گیا- مثلاً کسی کے صندوق سے کچھ رقم نکال لایا پھر اس میں رکھ آیا اور مالک کو پتہ نہ چلا تو یہ واپسی بھی صحیح ہے- یونہی اگر دوسرے نام سے مالک کو واپس کردی جب بھی بری ہو جائے گا- مثلاً مالک کو ہبہ کردی- یا ودیعت کے نام سے اسے دے آیا بلکہ اگر کھانے کی چیز تھی اور مالک کو کھلادی تو اس صورت میں بری ہو جائے گا- مگر اس چیز کی حالت ہی بدل دی اور مالک کو دے آیا تو بری نہیں- مثلاً کپڑے کو قطع کرکے، اس کو سی کر مالک کو دے دیا یا شکر کا شربت بنا کر پلادیا یا گیہوں کو پسوا کر اس کی روٹی مالک کو کھلادی- (درمختار، ردالمحتار)

(۳) غاصب نے مغصوب میں ایسی تبدیلی کردی کہ وہ دوسری چیز ہو گی یعنی پہلا نام بھی باقی نہ رہا اور اس کے اکثر مقاصد بھی جاتے رہے- یا اسے اپنی یا پرائی چیز میں اس طرح ملادیا کہ تمیز نہ ہو سکے- مثلاً گیہوں کو گیہوں میں ملادیا- یا دشواری سے جدا ہو سکے مثلاً جو میں گیہوں ملادیئے- تو ان صورتوں میں غاصب ضمان دے گا اور پھر اس چیز کا مالک ہو جائے گا- مگر اس چیز سے ابھی نفع حاصل نہیں کر سکتا- جب تک تاوان نہ دے دے- یا مالک اسے معاف نہ کردے یا قاضی اس کے تاوان کا حکم نہ کردے- یعنی مالک کی رضامندی درکار ہے اور وہ ان تین صورتوں سے حاصل ہوتی ہے- (درمختار وغیرہ)

(۴) دوسرے کی زمین سے مٹی اٹھالی اور وہاں مٹی کی کوئی قیمت نہیں ہے اور مٹی لے لینے سے زمین میں کوئی نقصان بھی پیدا نہیں ہوا تو کچھ تاوان نہیں- اور اگر زمین میں نقصان ہو گیا تو نقصان کا ضمان دے اور اگر مٹی کی وہاں قیمت ہے تو تاوان بہرحال ہے- (عالمگیری)

(۵) دوسرے کے مال کو بغیر اجازت خرچ کرنا چند موقعوں پر جائز ہے-

۱- مریض کے مال یعنی نقود (نقد رقم نہ کہ اسبابِ خانہ داری) کو اس کا باپ یا بیٹا، اس کی ضروریات میں بغیر اجازت صرف کر سکتا ہے-

۲- سفر میں کوئی شخص بیمار یا بیہوش ہو گیا تو اس کے ہم سفر یعنی اس کے ساتھ والے

اس کی ضروریات میں اس کا مال صرف کر سکتے ہیں۔

۳۔ مودِع (ودیعت رکھنے والے) کے مال کو، مودَع اس کے والدین پر خرچ کر سکتا ہے جبکہ ایسی جگہ ہو کہ قاضی سے اجازت حاصل نہ کر سکے۔

۴۔ سفر میں کوئی شخص مرگیا تو اس کے سامان کو بیچ کر تجہیز و تکفین میں صرف کر سکتے ہیں اور جو باقی رہ جائے وہ ورثہ کو دے دیں۔

۵۔ مسجد کا کوئی متولی نہیں ہے تو اہلِ محلّہ مسجد کی آمدنی کو لوٹے چٹائی وغیرہ ضروریات مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔

۶۔ میت نے کسی کو وصی نہیں کیا ہے بڑے ورثہ چھوٹوں پر خرچ کر سکتے ہیں اور ان تمام صورتوں میں، ان میں سے کسی پر کوئی ضمان نہیں۔ (ردالمحتار)

(۶) کسی کے مکان میں بغیر اجازت مالک داخل ہونا جائز نہیں مگر ضرورت مثلاً اس کا کپڑا اڑ کر اس مکان میں چلا گیا اور معلوم ہے کہ اگر مالک مکان سے کہہ دے گا تو وہ لے لے گا، اسے نہیں دے گا مگر اچھے لوگ ہوں تو یہ ان سے کہہ دے کہ محض اس غرض سے مکان میں آنا چاہتا ہے اور اگر مالک سے اندیشہ نہیں ہے تو اندر جانے کی ضرورت نہیں۔ مالک سے کہہ دے وہ کپڑا لا کر دے دے گا۔

کوئی اچکا اس کی چیز لے کر کسی کے مکان میں گھس گیا تو یہ اس سے اپنی چیز لینے کے لیے اس کے پیچھے جا سکتا ہے کہ مواضعِ ضرورت مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

(درمختار، ردالمحتار)

(۷) گنجفہ، چوسر، تاش، شطرنج وغیرہ ناجائز کھیل کی چیزیں تلف کر دیں تو اس کا تاوان نہیں۔ ہاں چھوٹے بچوں کے تاشے باجے توڑ ڈالے تو ان میں تاوان ہے۔

(درمختار، عالمگیری)

(۸) ایک مکان میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ ایک نے صاحب خانہ کا آئینہ اٹھا کر دیکھا۔ اس سے دوسرے نے لے لیا اور یکے بعد دیگرے سب دیکھتے رہے اور آئینہ ٹوٹ گیا تو کسی سے تاوان نہیں لیا جائے گا کہ ایسی چیزوں کے استعمال کی عادتاً اجازت ہوا کرتی ہے۔ (عالمگیری)

(۳۷) شفعہ کا بیان

شفعہ کے لغوی معنی ہیں ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا دینا اور شرعاً، غیر منقول جائیداد کو، کسی شخص نے جتنے میں خریدا، اتنے ہی میں، اس جائیداد کے مالک ہونے کا حق، جو دوسرے شخص کو حاصل ہو جاتا ہے اسے شفعہ کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیے کہ شفعہ ایک شرعی حق ہے جس کی بنا پر شفیع، مشتری سے جبراً اسی قیمت پر بحکم حاکم لے سکتا ہے جتنے کو مشتری نے خریدا۔

حق شفعہ اسی وقت قائم ہوتا ہے جبکہ جائیداد غیر منقولہ کا انتقال بذریعہ بیع وقوع میں آئے۔ یہاں اس کی ضرورت نہیں کہ مشتری اس پر راضی ہو، جب ہی شفعہ کیا جائے۔ وہ راضی ہو یا ناراض۔ بہرصورت جو حقدار ہے وہ لے سکتا ہے۔ جس شخص کو یہ حق حاصل ہے اس کو شفیع کہتے ہیں۔ مشتری نے مثلی چیز (جس کی مثل بازار میں پائی جاتی ہے اور اس کی قیمتوں میں کوئی نمایاں فرق نہ ہو، وہ مثلی ہے اور جن کی قیمتوں میں بہت کچھ تفاوت ہوتا ہے یہ سب قیمتی ہیں) کے عوض میں جائیداد خریدی ہے۔ مثلاً روپے اشرفی کے عوض تو اس مشتری کو اس کا مثل دے کر شفیع لے لے گا اور اگر قیمتی چیز ثمن ہے مثلاً گائے بھینس تو اس کی جو کچھ قیمت ہے وہ دے گا اور جائیداد اپنے قبضہ و تصرف میں لائے گا البتہ شفعہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کی ملک جائیداد مبیعہ (فروخت شدہ) سے متصل ہے۔

(۳۸) شفعہ سے متعلق چند بنیادی مسائل

(ا) شفعہ کا وجوب یا حق اس وقت حاصل ہوتا ہے جب حسبِ ذیل شرائط پائے جائیں:

۱۔ جائیداد کا انتقال عقد معاوضہ کے ذریعہ ہو یعنی بیع یا معنی بیع میں ہو۔ ولہٰذا ہبہ،

صدقہ، میراث یا وصیت کی رو سے جائیداد حاصل ہوئی تو اس پر شفعہ نہیں ہو سکتا۔

۲- مبیع عقار یعنی جائیداد غیر منقولہ ہو۔ منقولات میں شفعہ نہیں ہو سکتا۔

۳- بائع کی ملک زائل ہو گئی ہو یعنی بیع بائع کی جانب سے پوری ہو جائے۔

۴- بائع کو مبیع کے واپس لینے کا حق زائل ہو گیا۔

۵- جس جائیداد کے ذریعہ سے، اس جائیداد پر شفعہ کرنے کا حق حاصل ہوا ہے وہ اس وقت شفیع کی ملک میں ہو جبکہ مشتری نے اس جائیداد کو خریدا۔ لہٰذا اگر وہ مکان شفیع کے کرایہ میں ہو یا عاریتاً اس میں رہتا ہے تو شفعہ نہیں کر سکتا۔

شفیع نے اس بیع سے نہ صراحتاً رضامندی ظاہر کی ہو نہ دلالتاً۔

(درمختار، عالمگیری وغیرہ)

(۲) شفعہ کا حکم یہ ہے کہ جب اس کا سبب پایا جائے یعنی جائیداد بیچی گئی تو طلب کرنا جائز ہے اور بعد طلب و اشتہاد یہ موکد ہو جاتا ہے اور قاضی کے فیصلہ یا مشتری کی رضا مندی سے شفیع اس چیز کا مالک ہو جاتا ہے۔ (درمختار)

(۳) شفعہ کے اسباب تین ہیں:

۱- شفعہ کرنے والا خود اس جائیداد میں شریک ہے اور وہ جائیداد ان دونوں میں مشترک ہے۔

۲- شفعہ کرنے والا خلیط ہے یعنی خود نفس مبیع میں تو شریک نہیں مگر حق مبیع میں شرکت ہے۔ مثلاً دو مکانوں کا ایک ہی راستہ ہے۔

۳- شفیع جارِ ملاصق ہو یعنی جس کا مکان ایک جانب یا دو جانب یا تین جانب سے دوسرے مکان کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

(۴) ان تینوں میں سب سے مقدم شریک ہے۔ یعنی سب سے پہلے حق، پہلے قسم کے شفیع کا ہے، پھر خلیط کا۔ اور جارِ ملاصق یعنی تیسرے قسم کے شفیع کا حق سب سے آخر میں ہے۔ لہٰذا شفیع نے کسی وجہ سے اپنا حق چھوڑ دیا تو خلیط کو حقِ شفعہ حاصل ہو گیا اور خلیط نے بھی مشتری سے لینا نہ چاہا یا کوئی خلیط ہی نہیں ہے تو اب یہ حق جارِ ملاصق کو ملے گا۔ (درمختار وغیرہ)

(۵) طلب شفعہ کی تین قسمیں ہیں:

۱- طلبِ مواثبہ، کہ جیسے ہی اس کو اس جائیداد کے فروخت ہونے کا علم ہو فوراً اسی وقت یہ ظاہر کر دے کہ میں طالبِ شفعہ ہوں۔ اگر علم ہونے کے بعد اس نے طلب نہ کی تو شفعہ کا حق جاتا رہے گا اور بہتر یہ ہے کہ اپنے اس طلب کرنے پر لوگوں کو گواہ بھی بنالے تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ اس نے طلب مواثبت نہیں کی ہے۔ (ہدایہ)

۲- طلبِ تقریر، اس کو طلبِ اشتہاد بھی کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بائع یا مشتری یا اس جائیداد مبیعہ کے پاس جاکر، لوگوں کے سامنے یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ جائیداد خریدی ہے اور میں اس کا شفیع ہوں اور اس سے پہلے بھی طلبِ شفعہ کر چکا ہوں اور اب پھر طلب کرتا ہوں تم لوگ اس کے گواہ رہو۔ (ہدایہ) اور اگر مشتری کے پاس کرے تو یہ کہے کہ اس نے فلاں جائیداد خریدی ہے اور میں فلاں جائیداد کے ذریعہ اس کا شفیع ہوں اور بائع کے پاس یوں کہے کہ اس نے فلاں جائیداد فروخت کی ہے اور میں فلاں جائیداد کی وجہ سے سے اس کا شفیع ہوں۔

۳- طلبِ تملیک، طلبِ مواثبت کے بعد طلبِ تقریر کا مرتبہ ہے اور ان دونوں طلبوں کے بعد طلبِ تملیک ہے۔ یعنی اب شفیع قاضی کے پاس جاکر کہے کہ فلاں شخص نے فلاں جائیداد خریدی ہے اور فلاں جائیداد کے ذریعہ سے میں اس کا شفیع ہوں وہ جائیداد مجھے دلائی جائے۔

(۶) طلبِ مواثبت یا طلبِ اشہاد نہ کرنے سے شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔ شفعہ کی تسلیم یعنی اپنے حق شفعہ سے دست برداری سے بھی شفعہ باطل ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہے کہ اس مکان کا شفعہ میں نے تسلیم کر دیا، یا ساقط کر دیا۔ (درمختار وغیرہ)

(۷) جس شخص کے لیے تسلیم کا حق ہے اس کا سکوت بھی شفعہ کو باطل کر دیتا ہے۔ مثلاً نابالغ بچہ کے باپ یا وصی کا خاموش رہنا بھی مبطل ہے۔ (درمختار)

(۳۹) تقسیم کا بیان

جائیداد غیر منقولہ ہو یا اموال منقولہ، جب ان میں دو یا دو سے زیادہ آدمی شریک ہوتے ہیں تو شرکت کی صورت میں، ہر ایک شریک کی ملک، دوسرے کی ملک سے ممتاز نہیں ہوتی اور ان میں سے کوئی بھی شریک اس چیز کے کسی مخصوص حصہ سے نفع پر قادر نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر ایک اپنے حصہ کے ساتھ ساتھ، دوسرے شریک کے حصہ سے بھی نفع اٹھاتا ہے۔ اس شے مشترک میں، ان شریکوں کے حصوں کو ایک دوسرے سے ممتاز اور باہم جدا کر دینے کا نام تقسیم ہے۔ چنانچہ جب تمام شرکاء یا ان میں سے کوئی ایک تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شریک اپنے حصہ کو صرف اپنے کام میں لانا اور دوسرے کو اس انتفاع سے روکنا چاہتا ہے اور چونکہ یہ اس کا حق ہے اس لیے شرکاء میں سے کوئی شخص تقسیم کی درخواست کرے تو قاضی پر لازم ہے کہ اس درخواست کو قبول کرے اور تقسیم عمل میں لائے۔

ہاں قاضی کو اس کی درخواست قبول کرنا، اس وقت ضروری ہے کہ تقسیم سے اس چیز کی منفعت فوت نہ ہو۔ یعنی وہ عرف عام میں جس کام کے لیے ہے وہ کام تقسیم کے بعد بھی اس سے لیا جاسکے اور اگر تقسیم سے منفعت جاتی رہے تو یہ تقسیم قاضی کے ذمہ لازم نہیں۔ جب تمام شرکاء تقسیم پر راضی نہ ہوں۔ مثلاً حمام کو اگر تقسیم کر دیا جائے تو حمام نہ رہے گا۔ اگرچہ اس میں دوسرے کام ہو سکتے ہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۴۰) چند مسائلِ متعلقہ

(۱) کیل و موزوں (ناپ تول سے فروخت کی جانے والی چیزیں) اور دیگر مثلی چیزوں میں (جن کی قیمتوں میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا اور عام بازاروں میں پائی جاتی ہیں ان میں) تقسیم کے بعد ایک شریک اپنا حصہ، دوسرے کی عدم موجودگی میں لے سکتا ہے اور قیمتی

چیزوں میں (جن کی چیزوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے) تقسیم کے بعد ایک شریک دوسرے کی عدم موجودگی میں نہیں لے سکتا۔ (ہدایہ)

(۲) بہتر یہ ہے کہ تقسیم کے لیے کوئی شخص حکومت کی جانب سے مقرر کر دیا جائے جس کو بیت المال سے وظیفہ دیا جائے اور اگر بیت المال سے وظیفہ نہ دیا جائے بلکہ اس کی مناسب اجرت، شرکاء کے ذمہ ڈال دی جائے، یہ بھی جائز ہے۔ البتہ اس صورت میں یہ اجرت تمام شرکاء پر برابر برابر ڈالی جائے گی۔ ان کے حصوں میں کمی بیشی کا لحاظ نہ ہوگا۔ (ہدایہ)

(۳) تقسیم کرنے کے لیے ایسا شخص مقرر کیا جائے جو عادل ہو، امین ہو اور تقسیم کرنا جانتا ہو، بددیانت یا ناتجربہ کار (اناڑی) کو یہ کام سپرد نہ کیا جائے اور ایک ہی شخص اس کام کے لیے معین نہ کیا جائے۔ یعنی لوگوں کو اس پر مجبور نہ کیا جائے کہ اسی سے تقسیم کرائیں کہ اس صورت میں وہ من مانی اجرت لے لیا کرے گا اور واجبی اجرت سے زیادہ لوگوں سے وصول کرے گا۔ (ہدایہ وغیرہ)

(۴) تقسیم میں قرعہ ڈالنا ضروریات میں نہیں۔ بلکہ تطییب قلب (دلی سکون) کے لیے ہے کہ کہیں حصہ داروں کو یہ وہم نہ ہو کہ فلاں حصہ دار کا حصہ، میرے حصہ سے اچھا ہے اور قصداً ایسا کیا ہے اور اگر قاضی نے بغیر قرعہ ڈالے ہوئے خود ہی حصص کو نامزد کر دیا کہ یہ تمہارا ہے اور یہ تمہارا۔ تو اس میں حرج نہیں کہ قاضی کے فیصلہ سے انکار اور اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۵) ایک شخص کی دو روٹیاں ہیں اور ایک کی تین روٹیاں، دونوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا چاہا کہ اتنے میں ایک تیسرا شخص آگیا اسے دونوں نے کھانے میں شریک کر لیا اور تینوں نے برابر کھایا اس نے کھانے کے بعد پانچ روپیہ دیئے اور یہ کہا کہ جتنی جتنی میں نے تمہاری روٹی کھائی اسی حساب سے روپیہ بانٹ لو تو جس کی دو تھیں اسے ایک روپیہ ملے گا اور جس کی تین تھیں اسے چار۔ (عالمگیری)

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ جب تینوں نے برابر برابر کھایا تو گویا روٹی کا ایک تہائی حصہ ہر ایک کے حصہ میں آیا۔ اور دونوں کی پانچ روٹیوں کے پندرہ حصے ہوئے، دو روٹی

والے کے چھ، اور تین روٹی والے کے نو، تو کہنا چاہیے کہ ہر ایک نے پانچ ٹکڑے کھائے۔ جس کے چھ ٹکڑے تھے اس نے پانچ خود کھائے اور ایک ٹکڑا اس تیسرے نے اور جس کے نو ٹکڑے تھے اس نے پانچ خود کھائے اور چار اسے کھلائے۔ لہٰذا ایک روپیہ دو روٹی والے کو باقی چار تین روٹی والے کو مل گئے۔

(۶) تقسیم میں چیزوں کی قیمتیں لگائی گئیں اور تقسیم عمل میں آئی اب معلوم ہوا کہ قیمتوں میں بڑا فرق ہے جس کو غبن فاحش کہتے ہیں یعنی اتنی کمی بیشی جو اندازہ سے کہیں باہر ہے۔ مثلاً جس چیز کی قیمت پانچ سو ہے۔ اس کی قیمت ہزار روپیہ قرار دی گئی، یہ تقسیم توڑ دی جائے گی۔ خواہ قاضی نے اس کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہو یا دونوں کی رضا مندی سے تقسیم ہوئی ہو۔ تقسیم بہر صورت توڑ دی جائے گی۔ (درمختار)

(۷) میت کے ذمہ دَین (قرض) تھا۔ ورثہ نے جائیداد تقسیم کرلی اور دائن (جس کا دَین ہے) وہ مطالبہ کرتا ہے تو تقسیم توڑی جاسکتی ہے۔ ہاں اگر ورثہ اپنے مال سے دَین ادا کردیں یا جس کا دَین ہے وہ معاف کردے تو تقسیم نہ توڑی جائے۔ یونہی اگر میت کا ترکہ، ورثہ نے تقسیم کرلیا اور ان وارثوں میں اس کی بیوی بھی ہے اور اس نے تقسیم کے بعد دَین مہر کا دعویٰ کیا اور گواہوں سے اپنا حق ثابت کردیا تب بھی تقسیم توڑ دی جائے گی۔ (عالمگیری) یا پھر دوسرے ورثہ اس کا حق مہر ادا کردیں جتنا بھی ہو۔

(۸) شرکاء نے اپنی رضامندی سے تقسیم کرلی، اس کے بعد چاہتے ہیں کہ یہ چیزیں شرکت ہی میں رہیں تو تقسیم کو توڑا بھی جاسکتا ہے۔ (درمختار)

(۹) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشترک چیز کو، شرکاء تقسیم نہ کریں اس کو مشترک ہی رکھیں اور ہر ایک شریک نوبت اور باری کے ساتھ اس چیز سے نفع اٹھائے، اسے اصطلاح فقہاء میں مُہایاۃ اور تہایُؤ کہتے ہیں اور یہ شرعاً جائز ہے۔ مگر تقسیم کا مرتبہ مہایاۃ سے بڑھ کر ہے۔ (عنایہ)

(۱۰) مُہایاۃ کی کئی صورتیں ہیں:

۱۔ مکان کے دو حصے ہیں، ایک مکان کے ایک حصہ میں رہے اور دوسرا دوسرے میں۔

۲۔ ایک مہینہ ایک حصے میں ایک رہے اور دوسرے مہینے میں دوسرا۔

۳۔ ایک بالا خانہ پر رہے، دوسرا نیچے کی منزل میں۔

۴۔ یا دو مکان ہیں، ایک میں ایک رہے، دوسرے میں دوسرا۔

۵۔ یا مکان کو کرایہ پر دے دیا۔ ایک ماہ کا کرایہ ایک لے گا، دوسرے مہینہ کا دوسرا یا دو مکانوں میں سے ایک کا کرایہ ایک لے گا، دوسرے کا دوسرا۔

یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۱۱) مُہایاۃ (نوبت بہ نوبت انتفاع) کے طور پر جو چیز اس کے حصے میں آئی، یہ اس چیز کو کرایہ پر بھی دے سکتا ہے، مثلاً مکان ہے تو اس شریک کو اس میں رہنا ہی ضرور نہیں بلکہ کرایہ پر بھی اٹھا سکتا ہے۔ اگرچہ مُہایاۃ کے وقت یہ شرط اس نے ذکر نہ کی ہو کہ میں اس کو کرایہ پر دے سکوں گا۔ (درمختار)

(۱۲) مکان مشترک کو کرایہ پر دیا گیا اور یہ ٹھہرا ہے کہ باری باری دونوں کرایہ وصول کریں گے۔ اب اس کا کرایہ زیادہ ہوگیا تو جس کی باری میں کرایہ کی زیادتی ہوئی ہے، تنہا یہی اس کا مستحق نہیں بلکہ اس زیادتی کے دونوں حقدار ہیں، اور اگر دو مکان تھے، ایک کا کرایہ ایک لیتا تھا دوسرے کا دوسرا اور ایک مکان کے کرایہ میں اضافہ ہوا تو جو اس کا کرایہ لیتا تھا، یہ زیادتی تنہا اسی کی ہے۔ دوسرا اس میں سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔ (درمختار)

(۴۱) مزارعت کا بیان

کسی کو اپنی زمین اس طور پر کاشت کے لیے دینا کہ جو کچھ پیداوار ہوگی وہ دونوں میں مثلاً نصف نصف یا ایک تہائی ایک کی، دو تہائی دوسرے کی، تقسیم ہوجائے گی اس کا نام مزارعت ہے، اسی کو ہندو پاک میں بٹائی پر کھیت دینا کہتے ہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مزارعت ناجائز ہے۔ مگر فتویٰ قول صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما) پر ہے کہ مزارعت جائز ہے۔ البتہ مزارعت کی بعض صورتیں

ایسی ہیں کہ ان میں صاحبین کے نزدیک بھی مزارعت جائز نہیں۔ مثلاً مالک زمین نے یہ شرط کر دی کہ کل پیداوار میں سے ایک من یا دو من میرا۔ باقی کاشتکار کا۔ یا یوں ٹھہرا کہ بیج کی مقدار نکالنے کے بعد باقی کو تقسیم کر لیا جائے گا یا یہ ٹھہرا کہ کھیت کے اس حصہ کی پیداوار فلاں لے گا اور باقی فلاں۔ یا باقی کو دونوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

ان تمام صورتوں میں مزارعت صحیح نہیں۔

مزارعت کے متعلق مختلف قسم کی حدیثیں آئی ہیں۔ بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور بعض سے عدم جواز۔ اسی وجہ سے صحابہ وائمہ میں اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف رہا اور ہو سکتا ہے کہ جن احادیث سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے ان کا مصداق ایسے ہی مواقع ہوں جو ہم نے بیان کیے مثلاً اس ٹکڑے کی پیداوار میری ہے اس کی تمہاری۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک میں پیداوار ہوتی، دوسرے میں نہ ہوتی۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

(۴۲) چند ضروری مسائل

(۱) مزارعت کے جواز کے لیے آٹھ شرطیں ہیں، ان شرطوں کے بغیر مزارعت جائز نہیں۔

۱۔ عاقدین اس کے اہل ہوں یعنی عاقل، بالغ اور نابالغ ہوں تو ان کا ماذون ہونا ضروری ہے۔

۲۔ زمین قابلِ زراعت ہو، شور یا بنجر زمین جس میں زراعت کی قابلیت نہیں ہے مزارعت پر دی گئی تو یہ عقد ناجائز ہے۔

۳۔ وہ زمین جو مزارعت پر دی گئی معلوم ہو۔

۴۔ زمین کا مالک، وہ زمین کاشتکار کو سونپ دے اور اگر یہ ٹھہرا ہے کہ مالک زمین بھی اس میں کام کرے گا تو مزارعت صحیح نہیں۔

۵۔ بیان مدت مثلاً ایک سال یا دو سال کے لیے زمین دی۔

۶۔ یہ بیان کہ بیج مالک زمین دے گا یا کاشتکار کے ذمہ ہو گا۔ اگر بیان نہ ہو تو وہاں کا جو عرف ہو وہ کیا جائے۔ جیسے ہندو پاک میں یہی عرف ہے کہ بیج کاشتکار کے ہوتے ہیں۔

۷۔ یہ بیان کہ کیا بوئے گا اور اگر متعین نہ کرے تو اجازت دے کر تیرا جو جی چاہے اس میں بونا۔

۸۔ ہر ایک کو کیا ملے گا اس کا عقد میں ذکر کرنا ضروری ہے اور جو کچھ پیداوار ہو اس میں دونوں کی شرکت اور جو مقدار ہو، ہر ایک کے لیے اس کا متعین ہو جانا بھی ضروری ہے۔ مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی، لہٰذا اگر ایک کے لیے یہ ٹھہرا کہ ایک من یا دو من پیداوار دے دی جائے گی تو یہ صحیح نہیں۔ (درمختار)

(۲) مندرجہ ذیل شروط سے مزارعت فاسد ہو جاتی ہے۔

۱۔ پیداوار کا ایک مخصوص حصہ، کسی ایک کے لیے ہونا۔

۲۔ مالک زمین کے کام کرنے کی شرط، کہ یہ مزارعت بھی ایک قسم کا اجارہ ہے۔

۳۔ ہل بیل (یا دوسرے آلاتِ زراعت) مالک زمین کے ذمہ شرط کر دینا۔

۴۔ یہ طے کر لینا کہ ایک کو غلہ ملے گا اور دوسرے کو صرف بھوسہ۔

۵۔ یا غلہ بانٹا جائے گا اور بھوسہ وہ لے گا جس کے بیج نہیں۔ مثلاً مالک زمین۔

۶۔ یا اس کے برعکس کہ بھوسا بانٹا جائے گا اور غلہ صرف ایک کو ملے گا اور اگر یہ شرط ہے کہ غلہ بٹے گا اور بھوسا اس کو ملے گا جس کے بیج ہیں۔ جیسا کہ یہاں کا یہی رواج ہے۔ کہ مزارع ہی بیج دیتا ہے اور بھوسا لیتا ہے۔ تو یہ صورت صحیح ہے۔ (درمختار)

(۳) ایک شخص کی زمین اور بیج ہو اور دوسرا شخص اپنے ہل بیل سے جوتے بوئے۔

یا ایک کی فقط زمین، باقی سب کچھ دوسرے کا۔ یعنی بیج بھی اسی کے اور ہل بیل بھی اسی کے اور کام بھی یہی کرے گا۔

یا مزارع صرف کام کرے گا، باقی سب کچھ مالک زمین کا، یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔ (درمختار)

(۴) اگر یہ قرار پایا کہ زمین اور بیل ایک کے اور کام اور بیج، مزارع کے ذمہ، یا یہ کہ بیل اور بیج ایک کے اور زمین اور کام دوسرے کا۔ یا یہ کہ ایک کے ذمہ فقط بیل یا

بیج، باقی سب کچھ دوسرے کا۔ یہ چاروں صورتیں ناجائز و باطل ہیں۔ (درمختار)

(۵) مزارعت جب صحیح ہو تو جو کچھ پیداوار ہو، اس کو اسی طریقہ پر تقسیم کریں جیسا کہ طے ہوا ہے اور اگر کچھ پیداوار نہ ہوئی تو کسی کو کچھ نہ ملے گا اور اگر مزارعت فاسد ہو تو بہر صورت کام کرنے والے کو اجرت ملے گی، پیداوار ہو یا نہ ہو۔ (درمختار)

(۶) باغ یا درخت، کسی کو اس لیے دے دینا کہ اس کی خدمت کرے اور جو کچھ اس سے پیداوار ہوگی اس کا ایک مقررہ حصہ کام کرنے والے کو اور ایک حصہ مالک کو دے دیا جائے گا اس کو مساقاہ کہتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام معاملہ ہے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح خیبر کے بعد وہاں کے باغات یہودیوں کو دے دیئے تھے کہ ان باغات میں کام کریں اور جو کچھ پھل ہوں گے، ان میں سے نصف ان کو دے دیئے جائیں گے۔ جس طرح مزارعت جائز ہے معاملہ بھی جائز ہے اور اس کے جواز کی شرائط ہیں۔ مثلاً عاقدین کا عاقل ہونا، پیداوار میں دونوں کی شرکت اور ہر ایک کے حصے کو معلوم ہونا باغ یا درخت عامل کو سپرد کر دینا اور جو درخت مساقاہ کے طور پر دیئے گئے وہ ایسے ہوں کہ عامل کے کام کرنے سے اس میں زیادتی ہو سکے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۷) بعض شرائط ایسی ہیں جن کی وجہ سے معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ مثلاً یہ طے کر لینا کہ کل پیداوار ایک کو ملے گی۔ یا کسی ایک کو پیداوار میں سے اتنا حصہ دے کر باقی کو دونوں میں تقسیم کر دیا جائے گا یا عامل کے ذمہ، پھل توڑنا وغیرہ، جو کام پھل تیار ہونے کے بعد ہوتے ہیں شرط کر دینا، یا کسی ایسے کام کی شرط کر دینا جس کی منفعت، مدتِ معاملہ پوری ہونے کے بعد باقی رہے۔ مثلاً پیڑوں میں کھاد ڈالنا یا باغ کی زمین کھودنا وغیرہ۔ (عالمگیری)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۴۳) ذبح کا بیان

گلے میں چند رگیں ہیں، ان کے کاٹنے کو ذبح کہتے ہیں اور اس جانور کو جس کی رگیں کاٹی جائیں ذَبیحہ اور ذِبح کرتے ہیں۔ یہاں ذال کو زیر ہے اور پہلی جگہ زبر۔ ذبائح ذبیحہ کی جمع ہے۔

بعض جانور ذبح کیے جا سکتے ہیں بعض نہیں۔ جو شرعاً ذبح نہیں کیے جا سکتے ان میں مچھلی اور ٹڈی، دونوں بغیر ذبح حلال ہیں اور جو ذبح کیے جا سکتے ہیں وہ بغیر ذکاۃ شرعی حلال نہیں۔ ذکاۃِ شرعی کا مطلب یہ ہے کہ جانور کو اس طرح ذبح یا نحر کیا جائے کہ اس کا خون بہہ جائے اور جانور حلال ہو جائے۔

ذکاۃِ شرعی دو قسم پر ہے اختیاری اور اضطراری۔ اور ذکاۃ اختیاری کی دو صورتیں ہیں ذبح اور نحر۔ ذکاۃِ اضطراری یہ ہے کہ بوقت ضرورت و اضطرار، جانور کے بدن میں کسی جگہ نیزہ یا تیر وغیرہ بھونک کر خون نکال دیا جائے۔ اس سے صرف مخصوص صورتوں میں جانور حلال ہو جاتا ہے جو بیان کی جائیں گی۔

اور حلق کے آخری حصہ میں نیزہ وغیرہ بھونک کر رگیں کاٹ دینے کو نحر کہتے ہیں جبکہ ذبح کی جگہ حلق اور لُبَّہ کے مابین ہے۔ لبہ سینے کے بالائی حصہ کو کہتے ہیں۔ اونٹ کو نحر کرنا اور گائے بکری کو ذبح کرنا سنت ہے اور اگر اس کا عکس کیا یعنی اونٹ کو ذبح کیا اور گائے وغیرہ کو نحر کیا یعنی بالاختیار، تو جانور اس صورت میں بھی حلال ہو جائے گا مگر ایسا کرنا

مکروہ ہے کہ سنت کے خلاف ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حلال جانور کا گوشت صرف ذبح کرنے یا نحر سے حلال ہوتا ہے۔ خواہ یہ ذبح اختیاری ہو کہ قصد و اختیار سے عمل میں لائی جائے یا اضطراری، کہ بحالتِ بے اختیاری بوقت ضرورت و اضطرار اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔

ذکاۃِ شرعی کے ان طریقوں کے علاوہ کوئی اور طریقہ اس کے ہلاک کرنے اور اسے حلال کرنے کا صحیح نہیں۔ مقصود ان طریقوں سے حلق کا اتنا حصہ کاٹ دینا ہے جس سے خون اچھی طرح خارج ہو جائے اور گوشت میں کوئی حصہ اس خون کا باقی نہ رہے۔ کہ حلال جانوروں میں بہتا ہوا خون ہی بنیاد ہے ان کے حرام ہونے کی۔

اور اسی سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ گلا گھونٹنے، جھٹکا کرنے یا گرم ابلتے پانی میں اسے ڈال کر یا کسی اور تدبیر سے جانور کی جان لینے سے وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کہ ایسی صورتوں میں دم مسفوح یعنی بہتے ہوئے خون کا بیشتر حصہ، جسم کے اندر ہی رک جاتا اور جگہ جگہ جم کر گوشت کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف، ذبح و نحر کی صورت میں، دماغ کے ساتھ جسم کا تعلق دیر تک قائم و باقی رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے رگ رگ کا خون کھنچ کر باہر آجاتا ہے اور اس طرح پورے جسم کا گوشت، خون سے صاف ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے حکم دیا کہ جب تک ذبح کیا ہوا جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے اس کے نہ ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹیں، نہ کھال اتاریں۔

اور عوام میں جو مشہور ہے کہ اونٹ کو تین جگہ ذبح کیا جاتا ہے اور ایسا کرنا مکروہ کہ بلا فائدہ جانور کو ایذا دینا ہے۔

(۴۴) مسائل فقہیّہ

(۱) جو رگیں ذبح میں کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں:

۱۔ حلقوم۔ یہ وہ رگ ہے جس سے سانس آتی جاتی ہے۔

۲۔ مریٔ۔ جس سے کھانا پانی اترتا ہے۔

۳، ۴۔ ان دونوں کے اغل بغل اور دو رگیں ہیں جن میں خون کی روانی ہے۔ انہیں دونوں کے درمیان حلقوم و مریٔ ہیں، ان کو ودجین کہتے ہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۲) ذبح کی چار رگوں میں سے تین کا کٹ جانا کافی ہے۔ یعنی اس صورت میں بھی جانور حلال ہو جائے گا کہ للاکثر حکم الکل اکثر کے لیے وہی حکم ہے جو کل کے لیے ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۳) ذبح سے جانور حلال ہونے کے لیے یہ چند شرطیں ہیں:

۱۔ ذبح کرنے والا عاقل ہو، مجنون اور محض بے عقل بچہ کا ذبیحہ جائز نہیں کہ جب وہ اپنی کم فہمی کی وجہ سے ذبح کو سمجھتا ہی نہیں تو ذبح کیا کرے گا۔

۲۔ اگر ذبح کے وقت اس نے حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کا نام لیا اور مسلمان کے علم میں یہ بات ہے تو جانور حرام ہے اور اگر مسلمان کے سامنے ذبح نہیں کیا اور معلوم نہیں کہ کیا پڑھ کر ذبح کیا۔ جب بھی جانور حلال ہے مگر کتابی کے ذبیحہ سے بچنا اور دور رہنا ہی بہتر ہے۔

فتاویٰ امریکہ میں امام اہلِ سنت امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے فرمایا "نصاریٰ کے یہاں ذبح نہیں، وہ گلا گھونٹتے ہیں یا سر پر ڈنڈا مارتے ہیں یا گلے میں صرف ایک طرف سے چھری بھونک دیتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے تو ان کا مارا ہوا جانور مطلقاً مردار ہے۔ یہود کے یہاں البتہ ذبح ہے۔ پھر بھی بلا ضرورت ان کے ذبیحوں سے بچنا ہی چاہیے۔ خصوصاً نصاریٰ کہ مسیح کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہ اگر باقاعدہ ذبح بھی کریں تو ایک جماعت علماء کے نزدیک جب بھی ان کا ذبیحہ حرام ہے تو جہاں مجبوری نہ ہو ان کا ذبح کیا ہوا جانور حرام ہی سمجھنا چاہیے اور معاذ اللہ اگر مسلمان کتابی ہوگیا تو اس کا ذبیحہ حرام ہے کہ یہ مرتد ہے اور مشرک سے بدتر۔ اور اگر دہریہ نیچری ہو تو اس کا ذبیحہ بالاجماع مردار و حرام ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہو کہ مجرد نام اصلاً کافی نہیں۔

۳۔ اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ ذبح کرنا۔

۴۔ خود ذبح کرنے والا، اللہ عزوجل کا نام اپنی زبان سے کہے۔ اگر یہ خاموش رہا

دوسروں نے نام لیا اور اسے یاد بھی تھا بھولا نہ تھا تو جانور حرام ہے۔

۵۔ نامِ الٰہی لینے سے ذبح پر نام لینا مقصود ہو اور اگر کسی دوسرے مقصد کے لیے بسم اللہ پڑھی اور لگے ہاتھ ذبح کر دیا کہ اس پر بسم اللہ پڑھنا مقصود نہیں ہے تو جانور حلال نہ ہوا۔ مثلاً ذبح کرتے وقت اسے چھینک آئی اور اس پر الحمد للہ کہہ کر جانور ذبح کر دیا اور ذبح پر نام الٰہی ذکر کرنا مقصود نہ تھا بلکہ چھینک پر مقصود تھا تو جانور حلال نہ ہوا۔

۶۔ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام نہ لے۔

۷۔ جس جانور کو ذبح کیا جائے وہ وقت ذبح زندہ ہو۔ اگرچہ اس کی حیات کا تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہو۔ ذبح کے بعد خون نکلنا یا جانور میں حرکت پیدا ہونا اسی لیے ضروری ہے کہ اس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۴) ذبح ہر اس چیز سے کر سکتے ہیں جو رگیں کاٹ دے اور خون بہا دے۔ یہ ضروری نہیں کہ چاقو یا چھری ہی سے ذبح کریں۔ بلکہ کھپچی اور دھاردار پتھر سے بھی ذبح ہو سکتا ہے۔

(۵) مستحب یہ ہے کہ جانور کو لٹانے سے پہلے چھری تیز کر لیں۔ لٹانے کے بعد چھری تیز کرنا یا کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے کہ جانور کو اس سے اذیت ہوگی۔ اسی لیے جانور کو پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مذبح کو لے جانا مکروہ ہے۔ (درمختار) بلکہ ہر وہ فعل مکروہ ہے جس سے جانور کو بلا فائدہ تکلیف پہنچے۔ مثلاً ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا۔

(۶) سنت یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور کا منہ قبلہ کو کیا جائے۔ ایسا نہ کرنا مکروہ ہے۔ (درمختار)

(۷) ذبح میں عورت کا وہی حکم ہے جو مرد کا ہے۔ یعنی مسلمہ یا کتابیہ عورت کا ذبیحہ حلال ہے اور مشرکہ و مرتدہ کا حرام۔ (عالمگیری)

(۸) ذبح کرنے میں قصداً بسم اللہ نہ کہی تو جانور حرام ہے اور اگر بھول کر ایسا ہوا جیسا کہ بعض اوقات شکار کے ذبح میں جلدی ہوتی ہے اور جلدی میں بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے تو اس صورت میں جانور حلال ہے۔ (ہدایہ)

(۹) ذبح کرتے وقت اسمِ الٰہی کے ساتھ غیر خدا کا نام بھی لیا، اس کی دو صورتیں ہیں: اگر بغیر عطف، غیر خدا کا نام ذکر کیا مثلاً یوں کہا: بسم اللہ محمد رسول اللہ یا کہا بسم اللہ اللھم تقبل من فلان تو ایسا کرنا مکروہ ہے مگر جانور حرام نہ ہوگا۔

اور اگر عطف کے ساتھ دوسرے کا نام لیا مثلاً یوں کہا: بسم اللہ واسم فلان تو اس صورت میں جانور حرام ہے کہ یہ جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا۔ یعنی دوسرے کے نام کو نام الٰہی کے ساتھ شریک کیا گیا حالانکہ اہلال اللہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ تنہا اسی کے نام پر ذبح کیا جائے کسی کو اس میں شریک نہ کیا جائے اور عطف سے شرکت ہو گئی۔

اور ایک تیسری صورت یہ ہے کہ ذبح سے پہلے مثلاً جانور کو لٹانے سے پہلے اس نے کسی کا نام لیا۔ یا ذبح کرنے کے بعد لیا، تو اس میں حرج نہیں۔ جس طرح قربانی اور عقیقہ میں دعائیں پڑھی جاتی ہیں اور قربانی میں ان لوگوں کے نام لیے جاتے ہیں جن کی طرف سے قربانی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام بھی لیے جاتے ہیں۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ سید عالم، عالم اعلم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت مرحومہ کی جانب سے قربانی کی اور ذبح کے بعد فرمایا: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ هٰذَا عَنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ مِّمَّنْ شَهِدَ لَكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ
(درمختار، ردالمحتار)

(۴۵) مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ پر اجمالی بحث

حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ذبیحہ کے حرام و حلال ہونے میں ذبح کرنے والے کی نیت اور بوقت ذبح اسم الٰہی لینے کو بڑا دخل ہے۔ بلکہ شرعاً اسی کا اعتبار، (۱) مثلاً مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال ہے کہ اسم الٰہی لے کر ذبح کیا گیا اگرچہ مالک مشرک تھا۔ (۲) یا زید کا جانور، عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے تو حرام۔ اگرچہ زید برابر کھڑا سو بار بسم اللہ، اللہ اکبر کہتا رہے (۳) یا ذبح کرنے والے کلمہ گو نے، غیر خدا کی عبادت و تعظیم مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہو گیا۔ (۴) یونہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے

لیے ذبح کیا تو حلال۔ اگرچہ اس کے مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی۔ (۵) یا مثلاً مجوسی نے اپنے آتش کدہ، یا مشرک بت پرست نے اپنے بتوں کے لیے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور مسلمان نے تکبیر کہہ کر ذبح کی تو بکری حلال ہے۔ کھائی جائے گی۔ اگرچہ یہ بات مسلمان کے حق میں مکروہ ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی، وقت ذبح کی معتبر ہے۔ اس سے قبل و بعد کا اعتبار نہیں۔ ذبح سے ایک آن پہلے تک خالص اللہ عزوجل کے لیے نیت تھی۔ ذبح کرتے وقت، غیر خدا کے لیے اس کی جان لی، ذبیحہ حرام ہوگیا۔ وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی۔ یونہی اگر ذبح سے پہلے غیر کے لیے ارادہ کیا تھا۔ ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولیٰ تبارک وتعالیٰ کے لیے قربانی کی تو ذبیحہ حلال ہوگیا اور یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی۔ اسی لیے ردالمحتار میں فرمایا کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ الْمَدَارَ عَلَى الْقَصْدِ عِنْدَ ابْتِدَاءِ الذَّبْحِ۔

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل وہ نیت ہے جو فعل سے مقارن و متصل ہو۔ اسی طرح ذبح میں وہی نیت معتبر ہوگی جو ذبح سے مقارن و متصل ہو۔ ذبح سے پہلے کی شہرت، پکار کا کچھ اعتبار نہیں۔ نہ نافع کہ نفع دے، نہ مضر کہ ضرر پہنچائے۔ خصوصاً جبکہ پکارنے والا، ذابح نہ ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل نہیں پھر اضافت اور کسی کی جانب نسبت، معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نخواہی مثلاً مدار کے مرغ، چہل تن کی گائے یا گیارہویں کے بکرے، کے یہ معنی ٹھہرا لیے جائیں کہ وہ مرغ و گاؤ اور بکرا جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی۔ جس کی جان ان کے لیے دی جائے گی، جنازہ کی نماز مسافر کی نماز، امام و مقتدی کی نماز، پیر کا روزہ۔ اونٹوں بکریوں کی زکوٰۃ، کعبہ کا حج وغیرہ بکثرت امور میں جب ان اضافتوں سے نماز، روزہ و حج میں، کفر و شرک و حرمت درکنار، نام کو کراہت نہیں آتی تو فلاں کے مرغ، فلاں کی گائے اور فلاں کی بکری کہنے سے، یہ خدا کے حلال کیے ہوئے جانور، کیوں جیتے جی مردار و حرام اور سور ہو گئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہو سکتے۔ یہ شرعِ مطہر پر سخت جرأت ہے۔

خود حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک سب روزوں

میں پیارے، اللہ تعالیٰ کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے۔ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) (ترمذی وغیرہ) اور علماء فرماتے ہیں، مستحب نمازوں میں صلوٰۃ الوالدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے۔ (کمافی ردالمحتار)

سبحان اللہ داؤد علیہ السلام کی نماز، داؤد علیہ السلام کے روزے اور ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب اور کسی جانور کی نسبت و اضافت میں وہ سخت آفت کہ کہنے والے کفار ہو جائیں اور جانور مردار۔ کیا ذبح، نماز روزے سے بڑھ کر عبادت ہے یا اس میں شرک حرام اور ان میں روا ہے۔ نہیں نہیں بات یہ نہیں بلکہ بات وہ ہے جو علماء فرماتے ہیں کہ نیت غیر کو مطلقاً ہر حال میں موجبِ حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث و عقل کا مخالف ہے۔ یونہی نسبت غیر کو موجبِ حرمت جاننا اور اسے مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون و دیوانگی اور شرع و عقل دونوں سے بے گانگی ہے۔

آخر قصاب کی نیت، ذبح سے دنیاوی منافع حاصل کرنا اور شادی بیاہ وغیرہ پر ذبیحہ سے مقصود، بارات اور مہمانوں کو کھانا دینا ہے۔ نیت غیر تو یہ بھی ہوئی۔ کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے۔ یونہی مہمان کے واسطے، مہمان کی نیت سے ذبح کرنا درست و روا ہے کہ مہمان کا اکرام، عین اکرام خدا ہے تو جب نفع دنیا کی نیت، مخل مقصود نہ ہوئی اور اس نیت سے اس مقصود میں کوئی نقصان، کوئی حرج، کوئی خلل نہ آیا تو فاتحہ و ایصالِ ثواب میں کیا زہر مل گیا اور جب اکرامِ مہمان، عین اکرام خدا ٹھہرا تو اکرامِ اولیاء بدرجۂ اولیٰ ہوا۔

تو جانور میں اگر کسی نے پیش از ذبح یہ پکار دیا کہ فلاں بزرگ کا بکرا۔ فلاں بزرگ کا مرغ اور فلاں بزرگ کی گائے، تو پکارنے والا کیسے کافر و مشرک ہو گیا اور پھر اس کے منہ سے یہ لفظ نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ کیسے ہو گئی کہ فوراً بکری سے کتا اور گائے سے سور یعنی کتے اور سور کی طرح حرام ہو گیا۔ اگرچہ ابھی نہ ذبح کا وقت آیا نہ تکبیر کی نوبت۔ ایسے زبردستی کے احکام شرع مطہر سے بالکل بیگانہ ہیں۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔

اب اگر وہابیہ کی بات مان لی جائے کہ ذبح سے پہلے یا ذبح کے بعد بھی اگر کسی جانور کی اضافت و نسبت غیر اللہ کی طرف کردی جائے یا اس پر غیر خدا کا نام پکار دیا جائے تب بھی وہ ذبیحہ حرام اور وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ میں داخل ہو جائے گا۔ یہ محض غلط و باطل بلکہ شریعتِ مطہرہ پر افتراء ہے اگر ایسا ہو تو سب ہی چیزیں حرام ہو جائیں گی۔ چونکہ کھانے پینے اور استعمال کی سب چیزوں پر لوگوں کے نام لیے دیئے جاتے ہیں اور ان سب کو حرام قرار دینا شریعت پر افتراء اور مسلمان کو زبردستی، حرام کا مرتکب بنانا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس جانور کو ذبح تو صرف خدائے یکتا و واحد کے نام پر کیا گیا مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا وہ حرام نہیں۔ جیسے عبداللہ کی گائے، عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کا جانور یا وہ جانور جن سے اولیاء اللہ کی ارواح کو ثواب پہنچانا مقصود ہو اور ان کو وقت ذبح کے علاوہ دوسرے اوقات میں اولیائے کرام کے ناموں سے نامزد کر دیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے پاک نام پر ہو، اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے تو وہ ایسے ہی حلال و طیب و طاہر ہے جیسے اور دوسرے جانور جو اسم الٰہی لے کر ذبح کیے جائیں۔ اس آیت میں حرام صرف انہیں جانوروں کو فرمایا گیا ہے جن کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ کفار کی عادت تھی کہ وہ جب جانوروں کو ذبح کرتے تو اپنے بتوں کا نام لے کر ان کے گلے پر چھری پھیرتے اور کہتے: بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى۔ ظاہر ہے کہ ان کافروں کا مقصود ذبح سے ان بتوں کی عبادت اور ان کا تقرب ہوتا۔ جبکہ مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت کی نیت سے یا غیر خدا کی تقرب کی خاطر کسی جانور کو ذبح نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی نیت یہی اور صرف یہی ہوتی ہے کہ اسے اللہ کے لیے، اللہ کے نام سے ذبح کر کے اس کا ثواب بندگانِ خاصِ الٰہی کو پہنچایا جائے اور یہی معنی ہیں نیاز و فاتحہ کے۔

تو مسلمان کے اس عمل کو، مشرکین کے اس عمل کے ساتھ نہ ظاہری و صوری مشابہت ہے اور نہ باطنی و معنوی مماثلت۔ بلکہ دونوں کے عمل میں اور نیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لہٰذا اس جانور کو جو کسی ولی اللہ کی روح کو ایصالِ ثواب کے لیے پالا جائے اور باسمِ الٰہی اس کو ذبح کر کے، اس کا گوشت، کچا یا پکانے کے بعد فقراء و عام

مسلمین کو کھلایا جائے۔ ما اھل بہ لغیر اللہ۔ میں داخل کرنا جہالت ہے۔ کیونکہ مسلمان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس نے تقرب الی غیر اللہ کی نیت سے ذبح کیا۔ ہٹ دھرمی اور سخت بدگمانی ہے اور مسلمانوں پر بدگمانی حرام۔ اور حتی الامکان اس کے قول و فعل کو وجہ صحیح پر محمول کرنا واجب۔ تو کسی کی نیت یعنی ارادۂ قلب پر، جب تک کہ خود قائل تصریح نہ کرے، کوئی حکم لگانے کی اصلاً گنجائش نہیں اور حکم بھی کیسا، کفر و شرک کا۔ جس میں اعلیٰ درجہ کی احتیاط فرض۔ یہاں تک کہ ضعیف سا ضعیف احتمال بچاؤ کا نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم۔

اور اگر بالفرض کوئی کور عقل احمق بوقت ذبح غیر خدا کا نام لے کر ذبح کر ہی ڈالے اور اس کا مقصود معاذ اللہ عبادت غیر ہی ہو تو حکم کفر صرف اسی احمق و سفیہ پر ہوگا۔ اس کے سبب عام حکم لگا دینا اور یہ سمجھ لینا کہ باقی لوگوں کی بھی یہی نیت ہے، محض باطل اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء ہے۔ حیرت ہے کہ وہابیہ کی اس کور عقلی کو آج کے بہت سے ریفارمر اور مصلح بھی نہ سمجھ سکے اور وہ بھی کورانہ تقلید کا شکار ہو کر چاہِ ضلالت میں جا پڑے۔

(۱۰) ذبح اختیاری میں شرط یہ ہے کہ ذبح کرنے والا ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھے یہاں مذبوح (ذبح کیے جانے والے جانور) پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے تو جس جانور کو ذبح کرنے کے لیے بسم اللہ پڑھی اسی کو ذبح کر سکتے ہیں۔ دوسرا جانور اس تسمیہ سے حلال نہ ہوگا۔ مثلاً بکری ذبح کرنے کے لیے لٹائی اور اس کو ذبح کرنے کے لیے بسم اللہ پڑھی مگر اس کو ذبح نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ دوسری بکری ذبح کر دی تو یہ حلال نہ ہوئی اور یہ ضروری نہیں کہ جس چھری سے ذبح کرنا چاہتا تھا اسی کو ہاتھ میں لیے بسم اللہ پڑھی تو اسی سے ذبح کرے بلکہ دوسری چھری سے بھی ذبح کر سکتا ہے۔

اور شکار کرنے میں آلہ شکار پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے یعنی اسی آلہ سے شکار کرنا ہوگا۔ دوسرے سے کرے گا تو شکار حلال نہ ہوگا۔ مثلاً تیر شکار پر چھوڑنا چاہتا ہے اس پر بسم اللہ پڑھی مگر اس کو رکھ دیا اور دوسرا تیر چلا دیا تو جانور حلال نہ ہوگا۔ اور اگر جس جانور کو تیر مارنا چاہتا تھا اس کی بجائے دوسرا جانور اس تیر سے مارا تو یہ حلال ہے۔ (ہدایہ)

(۱۱) مستحب یہ ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہے یعنی بسم اللہ اور اللہ اکبر کے درمیان واؤ نہ لائے کہ بعض علماء اس طرح کہنے کو مکروہ بتاتے ہیں۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۲) بسم اللہ کی "ہ" کو ظاہر کرنا چاہیے اور اگر ظاہر نہ کی اور مقصود اللہ کا نام ذکر کرنا ہے (جیساکہ بعض عوام اس کا تلفظ اس طرح کرتے ہیں کہ "ہ" ظاہر نہیں ہوتی) تو جانور حلال ہے اور اگر یہ مقصود نہ ہو اور "ہ" کو چھوڑنا ہی مقصود ہو تو حلال نہیں۔ (ردالمحتار)

(۱۳) پالتو جانور اگر بھاگ جائے اور پکڑنے میں نہ آئے تو اس کے لیے ذبح اضطراری ہے۔ یعنی تیر یا نیزہ وغیرہ سے بہ نیت ذبح بسم اللہ پڑھ کر ماریں اور اس کے لیے گردن میں ہی ذبح کرنا ضروری نہیں بلکہ جس جگہ بھی زخمی کر دیا جائے کافی ہے کہ اب یہ ذبح اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے۔

یونہی اگر جانور کنوئیں میں گر گیا اور اسے نیزہ وغیرہ سے بہ نیت ذبح بسم اللہ کہہ کر ہلاک کر دیا تو وہ ذبح ہو گیا۔

(۱) اسی طرح اگر جانور اس پر حملہ آور ہوا جیساکہ بھینسے اور سانڈ اکثر حملہ کر دیتے ہیں ان کو بھی اسی طرح ذبح کیا جاسکتا ہے اور اگر محض اپنے سے دفع کرنے کے لیے اسے نیزہ مارا، ذبح کرنا مقصود نہ تھا تو جانور حرام ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۱۴) ہرن کو پال لیا اور وہ اتفاق سے بھاگ کر جنگل میں چلا گیا، کسی نے بسم اللہ کہہ کر اسے تیر مارا۔ اگر تیر ذبح کی جگہ لگا وہ حلال ہے ورنہ نہیں کہ یہ موقع ذبح اضطراری کا نہیں، ہاں اگر وحشی ہو گیا۔ (کہ دوسرے وحشی جانوروں کی طرح دور بھاگتا ہے) اور اب بغیر شکار کے ہاتھ نہ آئے گا تو جہاں بھی لگے حلال ہے۔ (خانیہ، درمختار وغیرہ)

(۱۵) گائے یا بکری ذبح کی اور اس کے پیٹ میں سالم بچہ نکلا اگر وہ زندہ ہے ذبح کر دیا جائے حلال ہو جائے گا اور مرا ہوا ہے تو حرام ہے۔ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کے حلال ہونے کے لیے کافی نہیں۔ (درمختار وغیرہ) کہ ایک جانور کا ذبح کرنا دو جانوروں کے ذبح کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

(۴۶) حلال و حرام جانوروں کا بیان

ذکاۃ شرعی سے مقصود دو چیزیں ہیں۔ ماکول اللحم (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان جانوروں) کے قابلِ استعمال حصوں کا حلال ہو جانا اور غیر ماکول اللحم میں گوشت پوست کا پاک ہو جانا تاکہ وہ دوسرے طریقوں پر قابلِ انتفاع ہو سکیں۔

اس کے ساتھ ہی اس مقام پر یہ بات خوب سمجھ لینی چاہیے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں حرام و حلال کی جو قیدیں، شریعت کی طرف سے عائد کی گئی ہیں ان کی اصل بنیاد ان اشیاء کے طبی فوائد یا نقصانات ہی نہیں ہوتے۔ کہ فلاں چیز چونکہ طبعاً مفید ہے اس لیے حلال ہے اور فلاں چیز اطباء کے نزدیک مضر و نقصان رساں ہے لٰہذا حرام۔ شریعتِ مطہرہ نے جانوروں کی حلت و حرمت میں جن چیزوں کو اصل بنیاد بنایا وہ ان کے اخلاقی فوائد و نقصانات ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو کچھ غذا کھائی یا پی جاتی ہے وہ جزو بدن ہو جاتی ہے اور اس کے اچھے برے اثرات، انسانی اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں اور چونکہ بعض جانوروں میں مذموم صفات پائے جاتے ہیں اس لیے شریعتِ مطہرہ غذا کے معاملہ میں جس چیز پر روشنی ڈالتی ہے وہ دراصل اس کا وہ پہلو ہے کہ کس غذا کا، انسان کے اخلاق پر کیا اثر پڑتا ہے اور کون سی غذائیں، طہارتِ نفس کے اعتبار سے کیسی ہیں اور غذا حاصل کرنے کے طریقوں میں سے کون سے طریقے اعتقادی و نظری حیثیت سے صحیح یا غلط ہیں۔

اور چونکہ اس امر کی تحقیق کرنا کہ انسانی اخلاق پر، کون کون سی غذائیں اثر انداز ہوتی ہیں اور کون کون سی غذاؤں کے استعمال سے انسان، اچھی یا بری عادتوں کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے، انسان کے پوری طرح بس میں نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اسے دریافت کرنے کے ذرائع بھی انسان کو میسر نہیں اور اسی بنا پر انسان نے اکثر ان امور کی حقیقت تک پہنچنے میں فحش غلطیاں کی ہیں۔ اس لیے خود شریعتِ مطہرہ نے انسان کی صحیح رہنمائی فرمائی اور اسی لیے بعض جانوروں کو غذا بنانا حرام قرار دیا اور ان کے کھانے سے

ممانعت فرمادی تاکہ وہ ان جانوروں کی ان بری صفتوں سے متصف نہ ہوں۔

تو جن چیزوں کو شریعت نے حرام و ممنوع فرمایا اور ناقابلِ استعمال ٹھہرایا ہے انہیں اس وجہ سے حرام کیا ہے کہ (۱) یا تو اخلاق پر ان کا برا اثر پڑتا ہے۔ (۲) یا وہ طہارت کے خلاف ہیں۔ (۳) یا ان کا تعلق کسی فاسد عقیدے سے ہے اور اس کے برعکس جن چیزوں کو خدا و رسول نے حلال کیا ہے ان کی حلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان برائیوں میں سے کوئی برائی اپنے اندر نہیں رکھتیں۔

قرآنِ کریم اور احادیثِ کریمہ نے حلال و حرام جانوروں کا تفصیلی ذکر تو نہیں فرمایا البتہ چند کلمات ہمیں عنایت فرمائے جن کے ذریعہ سے ہم حلال و حرام جانوروں کو جان پہچان کر ان سے متعلق احکامِ شریعت پر عمل کرسکتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

اُحِلَّتْ لَکُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ۔ — تمہارے لیے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو آگے سنایا جائے گا۔

یعنی جن جانوروں کی حرمت، شریعت میں وارد ہوئی ہے، ان کے سوا تمام چوپائے تمہارے لیے حلال کیے گئے اور جن کی حرمت وارد ہوئی ان کا بیان آگے آیت (۳) میں آرہا ہے۔ چنانچہ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ سے جو استثنا، ذکر فرمادیا گیا تھا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ کے تحت میں اس کا بیان فرمایا گیا اور گیارہ چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا:

(۱) اَلْمَيْتَةُ مردار: یعنی وہ جانور جس کے لیے شریعت میں ذبح کا حکم ہو اور وہ طبعی موت یعنی بلا ذبح شرعی مرجائے۔

(۲) اَلدَّمُ دمِ مسفوح: یعنی بہتا ہوا خون۔

(۳) لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ سور کا گوشت: اور اسی میں سور کے جسم کی چربی وغیرہ دوسرے اجزا بھی شامل ہیں اور سور کے گوشت کی جسمانی مضرتوں سے تو طبی لٹریچر بھرا پڑا ہے اور اخلاقی و روحانی نقصانات کا تو ذکر ہی کیا اور قرآنِ کریم میں صراحت کے ساتھ حرمت اگرچہ خنزیر کے گوشت کی آئی ہے لیکن فقہائے امت کا اجماع ہے کہ سور کا

صرف گوشت ہی نہیں بلکہ اس کی چربی، ہڈی، کھال، بال، ناخن وغیرہ تمام اجزاء نجس و حرام ہیں۔ کسی کو کام میں لانا جائز نہیں اور لحم کی تصریح تو اس لیے ہے کہ گوشت ہی ہر جانور کے جسم کا اہم ترین حصہ ہوتا ہے اور جب گوشت ہی کہہ دیا تو اس کے تحت و تابعیت میں اس کے جسم کے دوسرے اجزا بھی آگئے۔

فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطعِ نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرتِ سلیم اسے گندہ سمجھتی اور نظافت طبع کو اس کی جانب رغبت سے کراہت آتی ہے۔ اور آج کی مسیحی قومیں اگرچہ بڑے ذوق شوق سے یہ گندہ گوشت، تازہ اور خشک دونوں صورتیں میں بلادریغ کھایا کرتی ہیں اور اس کے دوسرے اجزاء سے طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں لیکن اس کی حرمت و نجاست دونوں، صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔ مگر عقل پر پردہ پڑ جائے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔

(۴) مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ: وہ جانور جس کے ذبح میں، غیر خدا کا نام پکارا گیا۔

(۵) اَلْمُنْخَنِقَةُ: وہ جانور جو گلا گھونٹ کر مارا جائے۔

(۶) اَلْمَوْقُوْذَةُ: وہ جانور جو لاٹھی پتھر ڈھیلے گولی چھرے یعنی بغیر دھار دار چیز سے مارا جائے اور اس کی ضرب سے بلا ذبح کیے مرجائے۔

(۷) اَلْمُتَرَدِّيَةُ: وہ جانور جو گر کر مرجائے۔ پہاڑی سے گر کر مرجانا، یا کنویں میں گر کر مرجانا سب اسی کے تحت میں آجاتا ہے۔

(۸) اَلنَّطِيْحَةُ: وہ جانور جسے دوسرے جانور نے سینگ مارا ہو اور وہ اس کے صدمہ سے مرگیا ہو۔

(۹) مَآ اَكَلَ السَّبُعُ: وہ جانور جسے کوئی درندہ کھاتا ہو اور وہ اسی صدمہ سے مرگیا ہو یا اس کے زخم کی تکلیف سے مرگیا ہو۔

اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حلال جانور کا گوشت صرف ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے، کوئی دوسرا طریقہ اس کو ہلاک کرنے کا صحیح نہیں ہے۔

اور اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ کا استثناء صاف بتا رہا ہے کہ جو جانور مذکورہ بالا حوادث میں سے کسی حادثے کا شکار ہو جانے کے باوجود مرا نہ ہو اور اس کا دم نکلنے سے پہلے اسے

باقاعدہ شرعی طریقہ سے ذبح کرلیا جائے تو ایسا جانور حرمت کے حکم سے مستثنیٰ ہے اور اس کا کھانا مسلمان کے لیے حلال۔

(۱۰) مَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ: وہ جانور جو کسی تھان پر، بتوں کے نام پر عبادتاً ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ اہلِ جاہلیت نے کعبہ شریف کے گرد تین سو ساٹھ پتھر نصب کر رکھے تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے لیے ذبح کرتے تھے اور اس ذبح سے ان کی تعظیم اور تقرب کی نیت کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ وہ جانور جن سے اولیائے کرام کی ارواح کو ثواب پہنچانا منظور ہو اور ان کو غیر وقتِ ذبح میں، اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کر دیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو، ان کا ان جانوروں سے کوئی تعلق نہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیے جاتے تھے۔ یہ بھی وہابیہ کی الٹی مت ہے جو آیتیں بتوں اور بت پرستوں کے لیے وارد ہوئیں وہ انہیں اولیائے کرام اور مسلمانوں پر ڈھاتے ہیں اور یہ بڑی گمراہی ہے۔

(۱۱) وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ: اور پانسے ڈال کر بانٹا کرنا۔ یعنی حصہ اور حکم معلوم کرنے کے لیے تیروں سے فال نکالنا جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا۔

(۴۷) دو عظیم فائدے

ایک دستور زمانہ جاہلیت میں یہ تھا کہ وہ تیروں پر، جن کی غالب تعداد تین ہوتی تھی۔ اجازت و ممانعت کے الفاظ لکھ چھوڑتے تھے اور بعض خالی چھوڑ دیتے تھے اور پھر سفر یا تجارت یا جنگ یا نکاح وغیرہ کے مواقع پیش آتے تو انہیں تیروں سے پانسہ ڈالتے اور فال نکالتے تھے اور جو حکم نکل آتا اسی پر عمل کرتے اور اسی کو حکمِ الٰہی جان کر یقینِ واثق سے اس پر عمل پیرا رہتے۔ صحابہ و تابعین کرام اور اکثر مفسرین سے یہی معنی منقول ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

قرآنِ کریم نے صراحتاً اسے بھی گناہ کا کام قرار دیا اور اللہ کے مقرر کیے ہوئے دین و آئین کی خلاف ورزی ٹھہرایا۔ آیۂ کریمہ کے اس حصہ میں خصوصاً جس چیز کو حرام

و گناہ فرمایا گیا ہے یعنی پانسے ڈال کر بانٹا کرنا اور حکم معلوم کرنے کے لیے تیروں سے فال نکالنا اس کی تین بڑی قسمیں دنیا میں پائی جاتی ہیں اور آیت کا حکم ان تینوں پر حاوی ہے۔

(۱) مشرکانہ فال گیری: جس میں کسی استھان پر جا کر کسی دیوی یا دیوتا سے قسمت کا فیصلہ اور غیب کی خبر دریافت کی جائے یا باہمی نزاعات کا تصفیہ کرایا جائے۔

(۲) توہم پرستانہ فال گیری: جس میں زندگی کے معاملات کا فیصلہ، قرآن و حدیث کے مطابق عقل و فکر سے کرنے کی بجائے کسی وہمی و خیالی چیز یا کسی اتفاقی شے کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے یا قسمت کا حال، ایسے ذریعوں سے معلوم کرنے کی کوشش کی جن کا وسیلۂ علم غیب ہونا کسی علمی و شرعی طریقے سے ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ موجودہ دور کے رمل، نجوم، جفر، مختلف قسم کے شگون اور پچھتر اور فال گیری کے بے شمار طریقے جنہیں آج کل ذریعہ معاش اور دوسروں کو احمق بنانے کا وسیلہ بنالیا گیا ہے، وہ سب ہی تو اس صنف میں آجاتے ہیں۔

(۳) جوئے کی قسم کے وہ سارے کھیل اور کام جن میں اشیاء کی تقسیم کا مدار، حقوق و خدمات اور عقلی فیصلوں پر رکھنے کی بجائے محض کسی اتفاقی امر پر رکھ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ لاٹری میں اتفاقاً فلاں شخص کا نام نکل آیا ہے لہٰذا ہزارہا آدمیوں کی جیب سے نکلا ہوا روپیہ اسی ایک شخص کی جیب میں جانا چاہیے یا یہ کہ علمی حیثیت سے تو ایک معمہ کے بہت سے حل صحیح ہیں مگر انعام وہ شخص پائے گا جس کا حل کسی معقول کوشش کی بنا پر نہیں بلکہ محض اتفاق سے اس حل کے مطابق نکل آیا ہو جو صاحبِ معمہ کے صندوقچۂ خاص میں محفوظ ہے اور جسے آج کل کی فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں بلکہ اس تہذیب کا جزء مانا اور جانا اور دلیل عزت و شرافت گردانا جاتا ہے۔

یہ وہ لعنت ہے جس کے مشغلے ساری دنیا میں، سارے روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے اور جاہلی تہذیبیں تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں۔ اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک ان کی روک تھام نہ کر سکی تھیں۔ شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ دستور ہے جس نے آکر ان کی قطعی حرمت کا بانگ دہل اعلان کیا اور جوئے کی جدید ترین شکلوں، بیمہ کمپنی کے جوئے، گھڑ دوڑ کے جوئے، لاٹریوں کے جوئے، سٹے وغیرہ کے جوئے، غرض قمار بازی کی

وہ ساری صورتیں جن میں بے شمار دولتوں کا ضیاع ہوتا ہے اور جن کی گندگیوں کو خوبصورت ناموں کے دبیز قالینوں کے نیچے چھپا دیا گیا ہے، قرآنِ کریم کی اس آیۂ کریمہ کی رو سے قطعاً حرام و ممنوع اور حرام و ناجائز ہیں۔

اسی ضمن میں یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ جو چیزیں شرعاً حرام و ممنوع ہیں اور جن کا استعمال شریعتِ مطہرہ نے حرام و ناجائز قرار دیا ہے وہ کیسے ہی نئے اور خوشنما ناموں کے ساتھ "تہذیب و تمدن" کا جزو بنالی جائیں، شرعاً وہ حرام ہی ہیں۔ حرام ہی رہیں گی، نام کے بدل دینے سے نہ شے کی حقیقت بدلتی ہے اور نہ اس سے حکم شرعی میں تبدیلی آتی ہے۔ مثلاً نشہ آور اشیاء اور نشیلے مشروبات جن کے لیے فرنگی تہذیب نے طرح طرح کے نئے نئے خوشنما اور سمع فریب نام اور لقب رکھ لیے ہیں۔ مثلاً عرق عنبری، ماء الاکسیر، شیرۂ انگور وغیرہ، شرعاً حرام کے حرام ہی رہیں گے اور جب تک ان میں نشہ لانے کے اثرات ہیں، ان کے ایک ایک قطرے کا وہی حکم ہوگا جو نشہ آور اشیاء کے لیے ہے۔ نام کی یہ تبدیلی، اس شے کی حقیقت اور حکمِ شرعی کو نہیں بدل سکتی۔

ہاں ان تینوں اقسام فال کو حرام کر دینے کے بعد قرعہ اندازی کی صرف وہ سادی سیدھی صورت اسلام میں جائز رکھی گئی ہے جس میں دو برابر کے جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا ہو۔ مثلاً ایک چیز پر دو آدمیوں کا حق ہر حیثیت سے بالکل برابر ہے اور فیصلہ کرنے والے کے لیے ان میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے اور خود ان دونوں میں سے کوئی اپنا حق، دوسرے کے لیے چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔ اس صورت میں ان دونوں کی رضامندی سے قرعہ اندازی پر فیصلہ کا مدار رکھا جا سکتا ہے۔

یا مثلاً دو کام شرعاً یکساں درست ہیں اور عقلی حیثیت سے آدمی ان دونوں کے درمیان مذبذب ہو گیا ہے کہ ان میں سے کسے اختیار کرے۔ اس صورت میں ضرورت ہو تو قرعہ اندازی کی جا سکتی ہے شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

یونہی کسی چیز کے اچانک سامنے آجانے یا کسی کے نام یا کسی بزرگ کی شخصیت سے نیک فال لینا۔ یہ بھی شرعاً جائز ہے اور احادیث کریمہ سے ان کا جواز ثابت۔ (ماخوذ)

(۴۸) چند فقہی مسائل

(۱) کِیلے والے جانور جو کِیلے سے شکار کرتے ہیں، جیسے شیر، گیدڑ، لومڑی، بجو، کتا وغیرہ کہ ان سب کے کیلے ہوتے ہیں اور یہ ان سے شکار بھی کرتے ہیں، سب حرام ہیں۔ یوں ہی ہاتھی بھی، اور اونٹ کے کیلا ہوتا ہے، مگر وہ شکار نہیں کرتا لہٰذا وہ اس حکم میں داخل نہیں۔ (درمختار)

(۲) پنجہ والا جانور جو پنجہ سے شکار کرتا ہے، حرام ہے جیسے شکرا، باز، بہری، چیل اور حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے بھی حرام ہیں۔ جیسے چوہا، چھپکلی، گرگٹ، گھونس، سانپ، بچھو، بر، مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، کلی، مینڈک وغیرہ۔ (درمختار وغیرہ)

(۳) گھریلو گدھا اور خچر حرام ہے اور جنگلی گدھا جسے گور خر کہتے ہیں، حلال ہے اور گھوڑے کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ یہ آلۂ جہاد ہے۔ اس کے کھانے میں تقلیل آلۂ جہاد ہوتی ہے لہٰذا نہ کھایا جائے۔ (درمختار وغیرہ)

(۴) پانی کے جانوروں میں صرف مچھلی حلال ہے۔ اور جو مچھلی پانی میں مر کر تیر گئی۔ یعنی جو بغیر مارے، اپنے آپ مر کر پانی کی سطح پر الٹ گئی وہ حرام ہے لہٰذا مچھلی کو مارا، اور وہ مر کر الٹی تیرنے لگی یہ حرام نہیں۔ (درمختار)

(۵) ٹڈی بھی حلال ہے۔ مچھلی اور ٹڈی یہ دونوں بغیر ذبح حلال ہیں جیسا کہ حدیث میں فرمایا کہ دو مردے حلال ہیں مچھلی اور ٹڈی، اور جھینگے کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ مچھلی ہے یا نہیں۔ اسی بنا پر اس کی حلت و حرمت میں بھی اختلاف ہے۔ بظاہر اس کی صورت مچھلی کی سی معلوم نہیں ہوتی بلکہ ایک قسم کا کیڑا معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔

(۶) بعض گائیں بکریاں غلیظ کھانے لگتی ہیں۔ ان کو جلالہ کہتے ہیں۔ ان کے بدن اور گوشت وغیرہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو چند روز تک باندھ کر رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے۔ جب بدبو جاتی رہے، ذبح کر کے کھائیں۔ اسی طرح جو مرغی غلیظ کھانے

کی عادی ہو اسے چند روز بند رکھیں۔ جب اثر جاتا رہے، ذبح کر کے کھائیں اور جو مرغیاں چھوٹی پھرتی ہیں، ان کو بند کرنا ضروری نہیں جبکہ غلیظ کھانے کے عادی نہ ہوں اور ان میں بدبو نہ ہو۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ ان کو بھی بند رکھ کر ذبح کریں۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۷) کچھوا خشکی کا ہو یا پانی کا، حرام ہے اور غراب ابقع یعنی وہ کوا جو مردار کھاتا ہے، حرام ہے اور مہوکا کہ یہ بھی کوے جیسا ایک جانور ہوتا ہے وہ حلال ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۸) بکرا جو خصی نہیں ہوتا وہ اکثر پیشاب پینے کا عادی ہوتا ہے اور اس میں ایسی سخت بدبو پیدا ہو جاتی ہے جس راستہ گزرتا ہے وہ راستہ کچھ دیر کے لیے بدبودار ہو جاتا ہے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو جلالہ کا ہے۔ اگر اس کے گوشت سے بدبو دفع ہو گئی تو حلال ہے۔ ورنہ مکروہ و ممنوع۔ (بہارِ شریعت)

(۹) خرگوش حلال ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خرگوش لایا گیا۔ آپ نے ذبح کیا اور اس کی پیٹھ اور رانیں حضور کی خدمت میں بھیجیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبول فرمائیں۔ یوں ہی مرغی کا گوشت کہ خود حضور نے تناول فرمایا ہے، حلال ہے۔ بلکہ مرغ کا گوشت اور بہتر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کو برا کہنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ نماز کے لیے اذان کہتا ہے یا خبردار کرتا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے اور غالباً اسی بنیاد پر اس کا گوشت خاصانِ خدا میں مقبول و مرغوب ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۱۰) جانور کو ذبح کیا، وہ اٹھ کر بھاگا اور پانی میں گر گیا اونچی جگہ سے لڑھک کر مر گیا تو اس کے کھانے میں حرج نہیں کہ اس کی موت ذبح سے ہوئی۔ پانی میں گرنے یا لڑھکنے کا اعتبار نہیں۔ (عالمگیری)

(۴۹) شکاریات

شکار اس وحشی جانور کو کہتے ہیں جو آدمیوں سے بھاگتا اور انسانی آبادی سے دور

دور رہتا ہو اور بغیر حیلے نہ پکڑا جا سکتا ہو۔ اور کبھی فعل یعنی اس جانور کے پکڑنے کو بھی شکار کہتے ہیں۔ خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا نہ ہو۔ تو حرام و حلال دونوں قسم کے جانور اس میں داخل ہیں۔ جس جانور کا گوشت حلال ہے۔ اس کے شکار سے بڑا مقصود، اس کے گوشت کو کھانا ہے اور جس جانور کا گوشت حلال نہیں یعنی حرام جانور کو بھی، کسی غرضِ صحیح سے شکار کرنا جائز ہے مثلاً اس کی کھال یا بال کو کام میں لانا مقصود ہے۔ یا وہ جانور موذی ہے اس کے ایذا سے بچنا مقصود ہے۔

شکار کرنا ایک فعل مباح ہے۔ نہ کارِ ثواب کہ اس پر ثواب ملے اور نہ موجبِ عذاب کہ غرضِ صحیح و نیتِ صواب سے شکار کرنے والا بھی مبتلائے عذاب ہو۔ ہاں حرم یا حالت احرام میں خشکی کے جانور کا شکار کرنا حرام ہے۔

اسی طرح شکار اگر محض شوقیہ، بغرضِ تفریح ہو جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہٰذا شکار کھیلنا کہتے ہیں بندوق کا ہو یا بنسی کا۔ خشکی کے جانور یا پرندے کا ہو خواہ مچھلی کا۔ روزانہ ہو خواہ گاہ گاہ مطلقاً بالاتفاق حرام ہے کہ اس سے مقصود، وہی کھیل کود اور تفریح اور اپنے وقت و دولت کا ضیاع ہے اور جانوروں کا خواہ مخواہ خون بہانا انہیں ایذا دینا تکلیف پہنچانا اور ان میں سے ہر فعل اپنی جگہ حرام ہے۔

یاد رکھئے کہ حلال شکار وہ ہے جو بغرض کھانے، یا دوا، یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو۔ آج کل کے بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کی کھانے پینے کی چیز لانے کو جانا، اپنی کسرشان سمجھیں، یا نرم و نازک بدن ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر نماز کے لیے، مسجد میں حاضر ہونا، مصیبت جانیں۔ وہ گرم دوپہر، لو میں، گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو دوپہر بلکہ دو دو دن شکار کے لیے، تفریح کی خاطر اپنے شوق کی تکمیل اور اپنی خواہش نفس کی تسکین کے لیے گھربار چھوڑے پڑے رہتے ہیں۔ کیا ان کے متعلق کوئی خفیف العقل بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کھانے کی غرض سے شکار کو جاتے ہیں۔ حاشا و کلا بلکہ وہی لہو و لہب، وہی شوق و تفریح اور وہی وقت و دولت کو تلف کرنا اور اپنی کمائی اور اوقات عزیز کو خاک میں ملانا ہے جو بالاتفاق حرام ہے۔

ایک بڑی پہچان اس کی یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہیے کہ مثلاً مچھلی بازار میں بھی ملے گی، وہاں سے لے لیجئے، ہرگز قبول نہ کریں گے۔ یا کہیے ہم اپنے پاس سے لائے دیتے ہیں کبھی نہ مانیں گے یا باور کرائیے کہ بہت کم داموں میں گھر بیٹھے یہ شکار دستیاب ہو سکتا ہے کبھی یقین نہ لائیں گے اور مان بھی جائیں تو اس پر راضی نہ ہوں گے اور بات اسی پر ختم کریں گے کہ ہم تو خود اپنے ہاتھ سے شکار کریں گے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ ان کا مقصود شکار کرنا نہیں، شکار کھیلنا اور لہو و لہب میں وقت و دولت گنوانا ہے۔

بلکہ ان شکار کھیلنے والوں میں ایسے بھی بندگان خدا ملیں گے کہ شکار کے بعد، خود اس شکار کے کھانے سے چنداں غرض نہیں رکھتے، بانٹ دیتے ہیں۔ بانٹ دینا اور احباب و اعزاء میں اسے تقسیم کر دینا تو ایک جذبۂ لطیف اور قابلِ تعریف فعل ہے مگر اس سے معلوم یہ ہوا کہ ان کا مقصود یقیناً وہی تفریح و حرام ہے۔ اسی لیے درمختار میں فرمایا کہ اَلصَّیْدُ مُبَاحٌ اِلَّا لِلتَّلَہِّیْ کَمَا ھُوَ ظَاھِرٌ۔ اسی طرح بزازیہ، مجمع الفتاویٰ تاتارخانیہ، ردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے۔

یونہی بعض جنگلی خنزیر کا شکار کرتے ہیں یا شیر، چیتا وغیرہ درندوں اور دوسرے موذی جانوروں کا شکار کرتے ہیں اگر مقصود اس شکار سے مثلاً ان کی کھال یا بال کو اپنے کام میں لانا ہے یا وہ موذی ہے اور مقصود اس کے شکار سے عام لوگوں کو خصوصاً ترائی میں رہنے والے دیہاتیوں کو اس کی ایذاء و تکلیف سے بچانا ہے تو علی الراس والعین۔ بسرو چشم، دلِ ماشاد، چشمِ ما روشن، بلکہ اگر مقصود، ان کے شکار سے عوام الناس کو ان کی درندگی سے بچانا اور ان کے ضرر کو دفع کرنا ہے تو کیا عجب کہ اس حسنِ نیت کے باعث، اجر و ثواب سے نوازے جائیں۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ شیر وغیرہ درندوں کا جنگلات میں جا کر شکار کرنا عموماً اسی تفریح کی خاطر ہوتا ہے اور اس میں یہ جذبہ بھی شامل رہتا ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ ہمارا نام بھی "تیس مار خاں" کی طرح "روشن و سربلند" ہو گا تو کیا ایسے شکار کھیلنے کو مباح و جائز کہا جا سکتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت وغیرہ)

(۵۰) ہدایاتِ قرآنیہ

قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۔

اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال ہوا۔ تم فرما دو کہ حلال کی گئیں تمہارے لیے پاک چیزیں۔

(جن کی حرمت قرآن و حدیث اور اجماع و قیاس سے ثابت نہ ہو اور طیب کی تعریف میں ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ پاک اور لذیذ غذا ہے جسے طبع سلیم قبول کر لے)

یہ سوال کرنے والے منکرین یا منحرفین نہ تھے، مومنین و صحابہ ہی تھے جیسا کہ شانِ نزول سے ظاہر ہے کہ سوال کرنے والے حضرت عدی بن حاتم اور زید بن مہلہل تھے جن کا نام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے زید الخیر رکھا تھا۔ ان دونوں صاحبوں نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم لوگ کتے اور باز کے ذریعے سے شکار کرتے ہیں تو یہ ہمارے لیے حلال ہے؟ ان کا اصل سوال یہ تھا کہ شکاری جانوروں مثلاً کتے اور باز کے ذریعہ سے شکار کیے ہوئے جانوروں میں سے کون کون سے جانور حلال ہیں۔ آیا سب ہی حلال جانور اس طریقِ شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں یا کچھ مخصوص جانور حلال رہ جاتے ہیں اور وہ بھی مخصوص شرائط کے تحت؟ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ امت کے کام کی کیسی کیسی چیزیں خدا اور رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کر ڈالیں۔ یہ معلومات پیشتر سے موجود نہ ہوتیں تو آج اور آئندہ کیسی کیسی دقتیں پیش آتیں۔

بہرحال جواب یہ ملا کہ جو حلال جانور ہیں وہ اس طریقِ شکار کے بعد بھی حلال رہتے ہیں۔ البتہ خود شکار کے شرائط آگے آتے ہیں۔

(۵۱) ایک لطیف نکتہ

اس جواب میں کہ پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئیں، ایک لطیف نکتہ پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ حلال چیزوں کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ان کا نام بنام ذکر کرنا، امت کے لیے باعثِ تشویش اور ذہنی پراگندی کا موجب ہے۔ اس لیے قاعدہ کلیہ کے بطور یہ ارشاد فرمادیا کہ ساری پاک چیزیں حلال کردی گئی ہیں اور ہر وہ چیز بلا تکلف پاک و حلال ہے جسے طبع سلیم پسند کرے۔ اور اس کا صاف صریح مفاد یہ ہے کہ کسی چیز کی حرمت پر دلیل شرعی نہ ہونا بھی اس کی حلت (حلال ہونے) کے لیے کافی ہے اور یہی معنی ہیں فقہائے کرام کے اس قول کے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت، شرعِ مطہر سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق، وہی تو ممنوع و مذموم ہے۔ سب باقی چیزیں مباح و جائز رہیں گی، خاص ان کا ذکر جواز، قرآن و حدیث میں مذکور و موجود ہو۔ یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو کہ قرآنِ کریم کا پورا سمجھ لینا اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکال لینا، عوام الناس کو نامقدور ہے حالانکہ سب کچھ قرآن میں ہے، سب کچھ قرآن سے ہے۔

تو جو شخص کسی فعل کو ناجائز و حرام کہے یا اسے مکروہ و بدعت بتائے، اس پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ پر دلیل دے۔ جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا ہی اس کے جواز کی دلیل کافی و وافی ہے۔ وہابیہ کہ زندگی کے ہر شعبہ میں حلال اشیاء اور جائز کاموں کی فہرست مانگتے اور خواہی نخواہی مسلمانوں سے میلاد و قیام، دورد و فاتحہ اور ایسے ہی دوسرے امور پر دلیل طلب کرتے ہیں۔ اگر انہیں عقل ہو تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ احلت لکم الطیبت۔

تو اصل شرعی نظریہ یہ ہے کہ سب کچھ حلال ہے، بجزاس کے جسے حرام و ممنوع قرار دیا جائے نہ یہ کہ "سب کچھ حرام ہے، بجزاس کے جسے حلال ٹھہرایا جائے۔" جیساکہ

وہابیہ کا مذہب ہے۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی اور انشاء اللہ تعالیٰ سنی مسلمانوں کے لیے بہت نافع۔

اب آئیے پھر آیۂ کریمہ کے مضمون کی جانب۔

اور قرآنِ کریم کا ارشادِ گرامی سنئے:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اور جو شکاری جانور تم نے سدھا لیے، انہیں شکار پر دوڑاتے، جو علم تمہیں خدا نے دیا اس میں سے انہیں سکھاتے، تو کھاؤ اس میں سے، جو وہ مار کر تمہارے لیے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔

آیۂ کریمہ میں الجوارح کا لفظ وارد ہے، یہ جمع ہے جَارِحَۃٌ کی۔ اس کے معنی میں "شکاری جانور" جارحہ کا نام ہی اس لیے جارحہ ہے کہ وہ شکار کو زخمی کرتا ہے۔ خواہ وہ درندوں میں سے ہوں مثل کتے اور چیتے کے یا شکاری پرندوں میں سے ہوں جیسا شکرا، شاہین، باز، جب انہیں سدھالیا جائے تو اس کا فعل خود شکاری کا فعل سمجھا جائے گا اور مُکَلِّبِیْنَ جمع ہے مُکَلِّب کی۔ مکلب کے ایک معنی تو ہیں کتے کو تعلیم دینے والا اور دوسرے معنی ہیں شکار پر جھپٹنے والا اور یہاں ان دونوں ہی معنی کی گنجائش ہے۔

اور اسی سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ جانور تمہارے چھوڑے ہوئے جھپٹیں۔ یہ نہیں کہ از خود شکار کو پکڑ کر لائیں اور تمہارے سامنے ڈال دیں کہ یہ حلال نہ ہوں گے۔

اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ۔ وہ جو مار کر تمہارے لیے رہنے دیں۔

یعنی وہ شکار، مسلمان شکاری ہی کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ جانور کے اپنے لیے۔ تو اگر کتا شکار کو خود کھانے لگے، یا باز شکاری کے بلانے سے واپس نہ آئے تو یہی سمجھا جائے گا کہ جانور نے شکار مالک کے لیے نہیں، اپنے لیے پکڑا ہے۔ سدھائے ہوئے جانوروں

کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جس جانور کا شکار کرتا ہے، اسے عام درندوں کی طرح پھاڑ نہیں کھاتا بلکہ اپنے مالک کے لیے پکڑ رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام درندوں کا پھاڑا ہوا جانور حرام ہے اور سدھائے ہوئے جانور کا حلال۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ۔ اور ان پر اللہ کا نام لو۔

یعنی شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت بسم اللہ کہو۔ احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

(۵۲) آیات واحادیث سے جو احکام مستنبط ہوئے، وہ یہ ہیں:

بالفاظ دیگر شکار سے جانور حلال ہونے کے لیے جو شرائط مستفاد ہوئے ہیں، وہ پندرہ ہیں۔ پانچ شکار کرنے والے سے متعلق ہیں:

(۱) شکاری ان میں سے ہو جن کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے۔ یعنی مسلمان یا کتابی۔ نہ کہ دہریہ و نیچری یا مرتد و زندیق اور نہ محض نام کا کتابی اور درحقیقت توحید و رسالت کا منکر۔

(۲) اس نے کتے، چیتے، باز شکرے وغیرہ کو شکار پر چھوڑا ہو اور چھوڑتے وقت بسم اللہ کہی ہو۔

(۳) چھوڑنے میں ایسے شخص کی شرکت نہ ہو جس کا شکار حرام ہو۔

(۴) بسم اللہ قصداً ترک نہ کی ہو۔

(۵) چھوڑنے اور پکڑنے کے درمیان کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا ہو۔

اور پانچ کا تعلق شکار کرنے والے کتے یا درندے یا شکاری پرندے سے ہے:

(۱) وہ جانور سدھایا ہوا ہو اور جیسا کہ بتایا جا چکا ہے فقہاء نے سدھانے کا معیار کتے وغیرہ کے حق میں یہ رکھا ہے کہ وہ شکار کو پکڑ کر خود نہ کھائے اور باز کے حق میں یہ رکھا ہے کہ جب اسے آواز دی جائے تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے۔ باز شکرے

وغیرہ شکاری پرندوں کی تادیب و تعلم اس حد تک ذرا دشوار ہی ہے کہ وہ خود اس شکار کو نہ کھائے بلکہ اسے شکاری کے لیے روکے رکھے۔ اس لیے یہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

(۲) جدھر چھوڑا جائے، ادھر ہی جائے۔

(۳) شکار پکڑنے میں ایسا کتا وغیرہ اس کے ساتھ شریک نہ ہوا ہو جس کا شکار حرام ہے مثلاً ایسا شکاری جانور شریک ہو گیا جس کو چھوڑتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر نہ پڑھا گیا ہو۔

(۴) شکار کو زخمی کر کے یعنی زخم لگا کر مارا ہو۔ اگر زخم لگائے بغیر مار ڈالا تو شکار حلال نہ ہو گا، مثلاً اسے دبوچ کر مار ڈالا۔

(۵) اس میں سے خود کچھ نہ کھائے، مالک کے لیے روکے رکھے۔

اور پانچ تعلق رکھتے ہیں خود شکار سے یعنی:

(۱) شکار حشرات الارض سے نہ ہو۔

(۲) پانی کا جانور ہو تو مچھلی ہی ہو۔

(۳) بازوؤں یا پاؤں سے اپنے آپ کو شکار ہونے سے بچائے۔

(۴) کیلے یا پنجہ والا جانور نہ ہو۔

(۵) شکاری کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی مر جائے۔ یعنی ذبح کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہو اور اگر شکار زندہ ہی ملے تو پھر بسم اللہ پڑھ کر اسے ذبح کر لینا چاہیے، ورنہ شکار حلال نہ ہو گا۔ (درمختار، ردالمحتار وغیرہ)

(۵۳) کچھ اور فقہی مسائل

(۱) شکرا باز وغیرہ شکاری پرند کے معلم (سدھائے ہوئے) ہونے کی پہچان (جیسا کہ بتایا جا چکا) یہ ہے کہ اسے شکار پر چھوڑ کر واپس بلایا جائے تو وہ شکار کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا آئے اور جب وہ معلم ہو گیا تو اس کے بعد اگر اس شکاری پرندہ نے شکار کے گوشت میں سے کچھ نوچ کر کھا لیا تو جانور حلال ہے کہ یہ بات اس کے معلم ہونے کے خلاف

نہیں۔ اسی طرح اگر مالک نے کتے چیتے وغیرہ شکاری چوپایہ کا کیا ہوا شکار محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اس میں سے چھین جھپٹ کر کچھ کھالیا تو جو گوشت باقی بچا وہ حلال ہے کہ یہ بات اس کے معلم ہونے کے خلاف نہیں بلکہ یہ اس کی عادت مالوفہ ہے۔
(زیلعی، ردالمحتار وغیرہ)

(۲) شکرا اپنے مالک کے پاس سے بھاگ گیا اور ایک مدت کے بعد پھر واپس آگیا۔ اب مالک نے اس سے شکار کیا تو بغیر ذبح یہ شکار حلال نہ ہوگا کہ بھاگ جانے سے وہ معلم نہ رہا۔ اب دوبارہ جب تک اس کا معلم ہونا ثابت نہ ہو جائے، اس کا مارا ہوا شکار حلال قرار نہیں پائے گا۔ (زیلعی، بہارِ شریعت)

(۳) مجوسی یا بت پرست یا مرتد (مثلاً قادیانی مرزائی، رافضی تبرائی یا کسی دہریہ و نیچری) نے بسم اللہ پڑھ کر، شکاری جانور کو شکار پر چھوڑا تو مرا ہوا جانور حلال نہیں جس طرح ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ (درمختار، ردالمحتار) شکار کھانے کے شوقین مسلمان اسے ذرا اچھی طرح ذہن نشین کریں تاکہ حرام خوری سے بچ سکیں۔

(۴) مسلمان نے شکار پر کتا چھوڑا، مجوسی یا ہندو نے کتے کو شہ دی، جیسا کہ شکار کرتے وقت کتے کو جوش دلاتے ہیں اور اس کے شہ دینے پر وہ جوش میں آیا اور شکار پر لپکا اور اسے پکڑ لیا تو یہ شکار حلال ہے اور اگر مجوسی نے چھوڑا اور مسلم نے شہ دی اور کتے نے شکار مارا تو حرام ہے۔ یعنی کتا چھوڑنے والے کا اعتبار ہے۔ اس کا اعتبار نہیں کہ کس نے جوش دلایا۔ کس نے شہ دی۔ ان باتوں میں شکرے اور باز کا بھی وہی حکم ہے جو کتے کا ہے۔ (زیلعی)

(۵) شکاری جانور کو، وحشی جانور پر چھوڑنا شکار ہے لہٰذا اگر پلاؤ یا مانوس جانور مثلاً بکری وغیرہ پر کتا چھوڑا جائے اور مار ڈالے تو یہ جانور حلال نہ ہوگا کہ ایسے کے حلال ہونے کے لیے ذبح کرنا ضروری ہے ذکاۃِ اضطراری یہاں کافی نہیں۔ (درمختار)

(۶) یہ بھی ضروری ہے کہ کتے وغیرہ شکاری جانور کو جب شکار پر چھوڑا جائے تو فوراً دوڑ پڑے۔ طویل وقفہ نہ ہونے پائے۔ ورنہ جانور حلال نہ ہوگا۔ طویل وقفہ کا یہ مطلب ہے کہ وہ دوسرے کام میں مشغول نہ ہو مثلاً چھوڑنے کے بعد پیشاب کرنے لگا یا کچھ

کھانے لگا۔ اس صورت میں جانور حلال نہیں۔ ہاں اگر شکار پر دوڑنے کے بعد، کتے کا رک جانا، یا دائیں بائیں مڑ جانا یا چھپ جانا آرام طلبی کے لیے نہ ہو، بلکہ شکار پکڑنے کے لیے یہ حیلہ اور داؤ ہو۔ جیسے کہ چیتا شکار کو گھات سے پکڑتا ہے تو اس میں حرج نہیں۔
(درمختار وغیرہ)

(۷) شکار کی دوسری نوع، تیر وغیرہ سے جانور مارنا ہے۔ اس میں بھی شرط یہ ہے کہ تیر چلاتے وقت بسم اللہ پڑھے اور تیر سے جانور زخمی ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ تیر کی لکڑی جانور کو لگی اور وہ اس کے دباؤ میں مر گیا کہ اس صورت میں وہ جانور حرام ہے۔ (درمختار)

(۸) شکار کے حلال ہونے کے لیے یہ ضرور ہے کہ کتا چھوڑنے یا تیر چلانے کے بعد کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔ بلکہ شکار اور کتے وغیرہ کی تلاش میں رہے۔ اگر نظر سے شکار غائب ہو گیا، پھر دیر کے بعد ملا اس کی دو صورتیں ہیں: اگر جستجو جاری رکھی اور شکار کو مرا ہوا پایا اور کتا بھی شکار کے پاس ہی تھا تو کھایا جا سکتا ہے اور اگر کتا وہاں سے چلا آیا ہے تو نہ کھایا جائے اور اگر شکار کی تلاش میں نہ رہا کسی دوسرے کام میں مشغول ہو گیا پھر شکار کو پایا مگر معلوم نہیں کہ کتے نے زخمی کیا ہے یا کسی دوسری چیز نے، تو نہ کھایا جائے۔ (عالمگیری)

(۹) شکار کے حلال ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی موت دوسرے سبب سے ہونے کا احتمال نہ ہو یعنی کتے یا باز یا تیر وغیرہ جس سے شکار کیا اسی سے مرا ہو اور اگر یہ شبہ ہو کہ کسی دوسرے سبب سے اس کی موت ہوئی تو حلال نہیں مثلاً زخمی ہو کر وہ جانور پانی میں گرا۔ یا اونچی جگہ پہاڑ یا ٹیلے سے لڑھکا اور یہ احتمال ہے کہ وہ پانی کی وجہ سے یا لڑھکنے کی وجہ سے مرا ہے تو نہ کھایا جائے۔ (عالمگیری)

(۱۰) غلیل سے شکار کیا اور جانور مر گیا تو نہ کھایا جائے، اگرچہ جانور مجروح (زخمی) ہو گیا ہو کہ غلیلہ (جسے غلیل میں رکھ کر شکار پر پھینکا گیا) کاٹتا نہیں بلکہ توڑتا ہے، تو یہ موقوذہ ہے۔ جس طرح تیر مارا اور اس کی نوک نہیں لگی بلکہ پٹ ہو کر شکار پر لگا اور مر گیا، جس کی حدیث میں حرمت مذکور ہے۔ (ہدایہ) اور جیسا کہ اوپر گزرا۔

(۱۱) بندوق کا شکار مر جائے، یہ بھی حرام ہے کہ گولی یا چھرہ بھی آلۂ جارحہ (زخمی

کرنے والا دھار دار) نہیں ہے بلکہ اپنی قوت مدافعت کی وجہ سے توڑتا ہے۔ یوں ہی لاٹھی، یا لکڑی سے شکار کو مار ڈالا تو کھایا نہ جائے کہ یہ آلۂ جارحہ نہیں۔ (عالمگیری، ہدایہ)

(۱۴) بعض جگہ روساء اور زمیندار اپنے علاقوں میں دوسروں کو شکار کرنے کی ممانعت کرتے ہیں (جانوروں کے تحفظ اور ان کی نسل کی بقاء کے لیے نہیں) بلکہ محض اپنے شوق کی تکمیل کی خاطر، کہ جب دوسرے نہ کھیلیں گے تو بافراط شکار ان کے ہاتھ آئے گا۔ یوں ہی تالابوں سے مچھلیاں نہیں مارنے دیتے ان کی ممانعت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، جو شکار کرلے اسی کا ہے۔ ان کی مِلک نہیں تو انہیں روکنے کا اختیار بھی نہیں۔
(عالمگیری وغیرہ)

(۵۴) چند ضمنی مسائل

(۱) شکرا اور باز پالنا درست ہے اور ان سے شکار کرانا اور اس کا کھانا بھی درست ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شکار، غذا یا دوا یا کسی نفع کی غرض سے ہو، محض تفریح و لہو لعب نہ ہو، ورنہ حرام ہے اور یہ گنہگار ہوگا۔ اگرچہ ان کا مارا ہوا جانور جب کہ وہ تعلیم پا گئے ہوں اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو حلال ہو جائے گا کہ بہ نیت لہو، اسے شکار پر چھوڑنا، ذبح شرعی کے منافی نہیں۔

(۲) بٹیربازی، مرغ بازی اور اسی طرح ہر جانور کا لڑانا، جیسے لوگ مینڈھے لڑاتے ہیں، لال لڑاتے ہیں، تیتر لڑاتے ہیں یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں، ریچھوں کو لڑاتے ہیں یہ سب مطلقاً حرام ہے کہ بلاوجہ بے زبانوں کو ایذا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۳) کبوتر پالنا جبکہ خالی دل بہلانے کے لیے ہو، اور کسی امر ناجائز کی طرف مودّی (رغبت دلانے والا) نہ ہو، جائز ہے۔ اور اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑائے کہ مسلمانوں کی مستورات پر نگاہ پڑے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکے جو کسی کا شیشہ توڑیں، کسی کی آنکھ پھوڑیں یا پرائے کبوتر پکڑے۔ یا ان کے دام بڑھانے اور اپنا تماشا ہونے کے لیے

دن دن بھر انہیں بھوکا اڑائے۔ جب اترنا چاہیں نہ اترنے دے تو اس طرح پالنا حرام و ناجائز اور گناہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "ایک عورت دوزخ میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھ رکھا تھا۔ نہ آپ کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کے چوہے وغیرہ کھالیتی۔" اور ایک حدیث میں ہے کہ "بلی دوزخ میں اس عورت پر مسلط کی گئی ہے کہ اس کا آگا پیچھا دانتوں سے نوچ رہی ہے۔"

ایک حدیث میں حکم ہے کہ "جو جانور پالو، دن میں ستر بار اسے دانہ پانی کھلاؤ۔" یعنی اسے بھوک پیاس میں رہنے نہ دو، نہ یہ کہ گھنٹوں پہروں بھوکا پیاسا رکھو اور نیچے آنا چاہیے تو آنے دو۔ علماء فرماتے ہیں جانور پر ظلم کافر ذمی پر ظلم سے سخت تر ہے اور کافر ذمی پر ظلم، مسلمان پر ظلم سے اشد ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ظلم ظلمتیں ہوگا قیامت کے دن۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ۔ — سن لو، اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔

(۴) کتا پالنا حرام ہے۔ جس گھر میں کتا ہو، اس میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ روز اس کی نیکیاں گھٹتی ہیں (کہ آئے دن پریشانی اور بے برکتی میں مبتلا رہتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "فرشتے نہیں آتے، اسے گھر میں جس میں کتا یا تصویر ہو۔ (جاندار کی)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم: "جو کتا پالے مگر گلے کا کتا یا شکاری (کہ ان کی ممانعت نہیں) روز اس کی نیکیوں سے دو قیراط کم ہوں (ان قیراطوں کی مقدار اللہ و رسول جانیں جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم) تو صرف دو قسم کے کتے اجازت میں رہے۔ ایک شکاری، جسے کھانے یا دوا وغیرہ منافع صحیحہ کے لیے شکار کی حاجت ہو، اس کے لیے۔ نہ شکار تفریح کہ وہ خود حرام ہے۔ دوسرا وہ کتا جو گلے یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لیے پالا جائے۔ جہاں اس کی ضرورت اور حفاظت کی سچی حاجت ہو ورنہ اگر مکان میں کچھ نہیں کہ چرالیں یا مکان محفوظ جگہ کا کہ چور کا اندیشہ نہیں، غرض جہاں یہ اپنے

دل سے خوب جانتا ہو کہ حفاظت کا بہانہ ہے اصل میں کتے کا شوق ہے جو وہاں جائز نہیں۔ آخر آس پاس کے گھر والے بھی اپنی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر بے کتے حفاظت نہ ہوتی تو وہ بھی پالتے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں حیلے نہ نکالے کہ وہ دلوں کی بات خوب جاننے والا ہے۔

(۵) شکاری درندے (جبکہ وہ تعلیم پاگئے ہوں، ان) کے دانت کا، شکار کے جسم میں پیوستہ ہو جانا، وجہ ممانعت نہیں بن سکتا۔ قرآنِ عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کیے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت، اس کے جسم کو شق کر کے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے۔ شکار کے بدن کو نجس کر دے گا، دو وجہ سے غلط ہے۔ اولاً شکار حالت غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔ ثانیاً اگر لعاب لگا بھی تو۔ آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہوگی، اس سے بھی ہو جائے گی۔

(۶) حلال جانوروں کے سات اجزاء، حرام ہیں: جاری خون، آلۂ تناسل، خصیے یعنی کپورے، شرم گاہ، گلٹی (غدود)، مثانہ پیشاب کی جگہ اور پتہ۔ (ردمختار، ردالمحتار، فتاویٰ رضویہ) اور خلافِ شرع امور میں کسی کا فعل مستند نہیں۔

(۵۵) اُضحِیَّہ یعنی قربانی کا بیان

مخصوص دنوں میں بہ نیت تقربِ الٰہی ذبح کرنا قربانی ہے اور کبھی اس جانور کو بھی اضحیہ اور قربانی کہتے ہیں جو ذبح کیا جاتا ہے۔

قرآنِ کریم ہمیں بتاتا ہے کہ قربانی کا حکم کسی نہ کسی صورت میں تمام شرائع الٰہیہ میں، ہر پچھلی شریعت میں، تمام امتوں کے لیے موجود رہا ہے اور پچھلی ایماندار امتوں میں سے ہر امت کے لیے مقرر فرمادیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بہ طریقِ تقرب قربانی کریں اور تمام قربانیوں پر اللہ عزوجل کا نام لیں کہ اصل چیز اسی کے نام پر قربانی ہے اور اسی

کے نام سے حصولِ تقرب۔ یہ قربانی شریعتِ اسلامیہ کا کوئی نیا اور انوکھا حکم نہیں، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا۔ اور ہر امت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی۔

تو منکرین کا ایک گروہ جو آج کل یہ کہہ رہا ہے کہ قربانی کا حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں۔ قرآنِ کریم سے صریح بغاوت اور قطعاً خلافِ واقعہ ہے۔

اسی طرح ان لوگوں کی غلطی بھی آشکارا ہوگئی جو حج کے موقع پر منیٰ میں قربانی دینے کے تو قائل ہیں لیکن عیدالاضحیٰ کے موقع پر تمام جہاں کے گوشہ گوشہ میں صاحبِ استطاعت مسلمان جو قربانیاں بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے ہیں، اس کو اسراف اور مال کا تلف و ضائع کرنا کہتے ہیں۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال مدینہ طیبہ میں قربانی دی اور نہ صرف اپنی طرف سے، بلکہ اپنی امت کی جانب سے بھی۔

بلکہ تمام صحابہ کرام کو قربانی دینے کا حکم دیا۔ اس کے احکام سے آگاہ کیا۔ قربانی کے جانوروں کی تعیین کی۔ اس کے لوازم و واجبات اور آداب سکھائے اور انہیں احکام و فرامین کی روشنی میں امتِ مسلمہ ہر شہر، ہر قصبہ ہر گاؤں اور ہر آبادی میں، جہاں اس کے متمول اور صاحبانِ نصاب آباد ہیں، اسی پر عمل ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جب تک دنیا ان سے آباد ہے، یہ عمل جاری رہے گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ ان قربانیوں کے ذریعہ سے اجرِ اخروی اور ثوابِ آخرت کے ساتھ ساتھ ضمناً دنیاوی فوائد بھی اس سے حاصل ہوتے رہیں گے اور ان کا اخلاص و تقویٰ بارگاہ الٰہی میں شرفِ قبولیت پاتا رہے گا۔

پھر انسان کا جوہرِ عقل جس نے اسے دوسری مخلوقات پر فوقیت دی اور شرف بخشا، اس کی رہنمائی سے آدمی کم از کم اتنا تو معلوم کر ہی سکتا ہے کہ اونٹ اور گائے بیل وغیرہ اپنی جسامت اور اپنی جسمانی قوت اور قوتِ مدافعت میں، انسان کے مقابل کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر اور قوی تر ہیں۔ تو انسان کا اپنے ضعف کے باوجود ان جانوروں پر، یعنی ان کے ذبح پر قادر ہو جانا، ایک مخصوص نعمتِ الٰہی ہے اور ہر نعمتِ الٰہی پر شکر واجب

ہے تو اس عظیم الشان نعمت کا شکر ادا کرنا بھی ضرور ولازم کہ اللہ توانا وقدیر نے ایسے عظیم الجثہ اور قوی تر جانوروں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا۔

ذرا غور تو کیجئے کہ ایک قوی و توانا، عظیم اور ڈراؤنا، اعلیٰ درجہ کا، اونچی نسل کا اونٹ یا بیل، ذبح کے وقت اپنی جسمانی توانائی و قوت کا عملی مظاہرہ کرنے کے باوجود کس طرح انسانی تدابیر کے ہاتھوں بے بس ہو کر، چھری چلانے والے کی طاقت کے سامنے سرنگوں و مسخر اور مطیع و فرمانبردار بن جاتا ہے کہ نہ اس کی طاقت اس کے کام آتی ہے نہ اس کے بڑے بڑے سینگ اس کی مدافعت کر پاتے ہیں۔ نہ اس کی دہشت ناکی، اس کا ہاتھ روکتی ہے۔

ان انعاماتِ الٰہیہ سے سرفراز فرمائے جانے کا تقاضا یہی ہے کہ نورِ ایمان سے جن مسلمانوں کے سینے روشن و منور ہیں، وہ انہیں جانوروں میں سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانیاں پیش کریں اور یہی منشاء ہے قدرتِ الٰہی کا۔ چنانچہ قربانی کی ہدایت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ — ہم نے یونہی ان (جانوروں) کو تمہارے بس میں دے دیا کہ تم احسان مانو۔

غرض اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر جو تفوق اور اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر جو اقتدار اور تصرف کا اختیار بخشا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ انسان اس سبوح و قدوس کی حاکمیت و مالکیت اور اسی کے اقتدارِ اعلیٰ کا اعتراف کرتا رہے اور اس غلط فہمی کا ہرگز شکار نہ ہو کہ سب کچھ میرا ہے، سب کچھ میرے اختیار و تصرف میں ہے اور میں ہی اس کا خود مختار مالک ہوں، اس بالاتری کے اعتراف کی مختلف شکلیں ہیں، جنہیں شریعتِ مطہرہ نے عبادت و بندگی کا نام دیا ہے۔

مثلاً ذہن اور نفس کے عطیے کا شکریہ اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ آدمی ایمان و اطاعت کی راہ اختیار کرے۔ جسم اور جسمانی طاقت و قوت بھی ایک عطیۂ الٰہی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی نماز اور روزے کی شکل میں اس کا شکریہ ادا کرے۔ مال و دولت جس سے زندگی کا قوام و قیام ہے، اس کے شکر ادا کرنے اور اعتراف نعمت

کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس مال و دولت اور سیم و زر کی زکوٰۃ اسی سے ادا کرے۔ اسی طرح اپنے پیدا کیے ہوئے جانوروں پر اللہ تعالیٰ نے جو تصرف و اختیار بخشا اور انہیں اس کے لیے مسخر کیا، اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ انسان، انہیں میں سے، اس کی بارگاہ میں، اسی کی رضا و تقرب کی خاطر، قربانیاں پیش کرے اور پھر ان سے دینی و دنیاوی فوائد حاصل کرے اور یہ طریقہ جس طرح پہلی ہدایت یافتہ قوموں میں بحکمِ الٰہی قائم و معمول رہا، یوں ہی اس امتِ مرحومہ کے لیے بھی باقی رکھا گیا اور صاف صاف فرمادیا کہ

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ — تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

پھر دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ — اللہ کو نہ ہرگز ان کے گوشت پہنچتے ہیں، نہ ان کے خون، ہاں تمہاری پرہیزگاری اس تک باریاب ہوتی ہے۔

یعنی اگر مسلمان شکرِ نعمت کے جذبے سے سرشار ہو کر خلوصِ نیت سے اور تقربِ الٰہی کی خاطر رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، اس کی بارگاہ میں قربانیاں پیش کریں گے تو اس کا یہ جذبۂ خلوص بارگاہ الٰہی سے ضرور شرفِ باریابی حاصل کرے گا۔

(ماخوذ)

تو کہنا یہ ہے کہ اسلام کا نام لینے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے کے باوجود جو لوگ خود فریبی میں مبتلا ہو کر دوسروں کو فریب میں مبتلا کرنے کے لیے اپنے نزدیک بڑی وزنی بات، یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ "قربانی کے نام پر قربانی کی خاطر ہر سال جتنا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، یہ سب ضائع و برباد جاتا ہے اور یہ کہ اس روپیہ کو قربانی کی بجائے رفاہِ عامہ کی مدات یا قومی ترقی کے کاموں پر صرف ہونا چاہیے۔" یہ محض نمائشی ہمدردی و خیرخواہی ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی علاقہ، کوئی تعلق اور کوئی لگاؤ نہیں۔

قطع نظر دیگر امور کے، ہم مسلمان کہ بحمدہ تعالیٰ اسلام ہمارے دلوں میں راسخ،

اور اس کا ہر حکم، ہم پر نافذ ہے ایک ہی بات جانتے اور ایک ہی بات کہتے ہیں کہ جس چیز کا حکم قرآن شریف میں صراحتاً یا دلالتاً آیا اور جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت پر لازم و واجب ٹھہرایا۔ یعنی جس چیز کا قرآن و سُنّت یا اجماعِ امت یا قیاس سے حکمِ خدا اور رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ثابت ہو، اس کے بارے میں کوئی مسلمان، اگر واقعی وہ مسلمان ہے، یہ خیال نہیں کر سکتا کہ اس حکم کی تعمیل کرنا اور اپنے مال یا وقت یا محنت کو اس پر صرف کرنا، اسے ضائع و برباد کرنا ہے۔

مسلمان یاد رکھیں کہ جو لوگ اس قسم کی واہی تباہی باتیں معاشرہ میں پھیلاتے ہیں وہ ان سب سے زیادہ قیمتی بلکہ انمول دولت یعنی اپنے ایمان کو پامال کرتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

غور فرمایئے کہ عید الاضحیٰ (عید قرباں) اگر محض ایک ہنگامہ آرائی اور جشن منانے کا نام ہوتا تو ان حالات میں جو خصوصاً آج مسلمانانِ عالم کو درپیش ہیں اور وہ ایسے جن سے آج اسلام کے نام لیوا دوچار ہیں، کیا اس کی اجازت دیتے کہ وہ اپنے ان عالمی مصائب و آلام سے آنکھیں بند کر کے ان ہنگامہ آرائیوں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے مجروح سینوں سے نکلتی ہوئی آہوں کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ غم زدہ، مصیبت کے مارے ہوئے، چھوٹے بڑے، جوان بوڑھے، مردوں، عورتوں اور بچوں کے غم و اندوہ کا کوئی مداوا نہ کریں۔

کیا مسلمان کے عوام و خوص، علماء فضلاء اور صلحا کو بے حسی کی گالی دی جا سکتی ہے۔ کیا تمام امتِ مسلمہ کو جیسے یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ کبھی گمراہی و کجروی پر مجتمع نہ ہوگی اس دشنام طرازی سے نوازا جا سکتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف موجودہ محاذ آرائی سے غافل ہو کر اپنے کام و دہن کے ذائقوں میں کھو جائیں۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔

بلکہ اس کے برخلاف ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ذی الحجہ کا مہینہ خصوصاً ایام اضحیہ، قربانی کے دن، یعنی اس ماہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخیں، اپنے جلو میں یہ پیغام لے کر آتی ہیں کہ وہی قومیں دنیا میں کامرانی و کامیابی سے سرشار و ہم کنار رہتی ہیں جن میں جذبۂ قربانی زندہ رہتا ہے۔ اپنی جان کی قربانی کا جذبہ بھی اور راہِ مولیٰ میں اپنے مال کی قربانی کا جذبہ بھی

اور جانوروں کی ان ایام میں یہ قربانی، یہی حوصلہ، یہی ہمت، یہی جذبہ اور یہی ولولہ عطا کرتی ہے۔

(۵۶) ایک آیت، ایک حدیث

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچالیا۔

ابنِ ماجہ نے زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! "یہ قربانیاں کیا ہیں؟" فرمایا کہ "تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔" لوگوں نے عرض کی: "یا رسول اللہ! اس میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے؟" فرمایا "ہر بال کے مقابل ایک نیکی ہے۔" عرض کی "اون کا کیا حکم ہے؟" فرمایا "اون کے ہر بال کے بدلے میں نیکی ہے۔"

قرآنِ کریم کی یہ آیت کریمہ اور حدیث شریف کا یہ ارشاد گرامی کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ دونوں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں جس کی تفصیلات آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں وارد ہیں اور خلاصہ ان کا یہ ہے کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام، شرک و کفر اور بت پرستی کے مقابلہ میں توحیدِ الٰہی کے داعی ہیں اور ان کی شخصیت اس دعوت میں بہت نمایاں اور ممتاز ہے۔ دعوتِ حق اور پیغامِ صداقت کے ادائے فرض کی ابتداء آپ نے اپنے گھر ہی سے کی لیکن جب خود ان کے بڑوں نے رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو آپ نے ان سے جُدائی اختیار کرلی۔ اور جب آپ نے اپنی قوم کو یہ پیغام توحید پہنچایا تو قوم نے بھی آپ کی ایک نہ سنی، پھر ایک موقع پر ان کے دیوتاؤں کی حقیقت ان پر واضح کرنے کی نیت سے ان کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ جب لوگوں نے اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو غم و غصہ سے بے قابو ہو گئے۔ جب نمرود کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے حکم دیا کہ ابراہیم کو ہمارے دربار میں حاضر کیا جائے۔ ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں پہنچے اور آپ نے توحیدِ باری پر

گفتگو فرمائی۔ قوم کو پیغام حق سنایا اور بھرے دربار میں راہِ مستقیم دکھائی۔ مضبوط و محکم اور روشن دلیل و حجت کے ساتھ ان پر حق کو واضح کیا کہ ربوبیت و الوہیت کا حق صرف خدائے واحد ہی کے لیے سزاوار ہے۔ مگر اس کے باوجود کہ نمرود اور اس کے درباری آپ کے دلائل سے لاجواب و مبہوت ہو کر رہ گئے، تاہم ان میں سے کسی نے راہ مستقیم کو اختیار نہ کیا اور قبولِ حق سے منحرف ہی رہے بلکہ سخت انتقام اور خوفناک سزا کے منصوبے بنانے لگے۔

چنانچہ نمرود اور قوم نے ابراہیم علیہ السلام کی سزا کے لیے ایک مخصوص جگہ بنوائی۔ پتھر کی تیس گز لمبی، بیس گز چوڑی، چہار دیواری، پھر اس میں مسلسل کئی روز تک آگ دہکائی گئی حتیٰ کہ اس کے شعلوں سے قرب و جوار کی اشیاء تک جھلسنے لگیں۔ پھر ایک گوپھن میں ابراہیم علیہ السلام کو بٹھا کر دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا گیا۔ اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے خدائے واحد و قہار نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم پر اپنی سوزش کا اثر نہ کرے اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی ان کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے۔ چنانچہ آگ اسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بردو سلام بن گئی اور دشمن ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دہکتی ہوئی آگ کی بھٹی سے سالم و محفوظ دشمنوں کے نرغہ سے نکل گئے۔ اور اس ارادے سے کہ دوسری جگہ جا کر پیغام الٰہی سنائیں اور دعوتِ حق پہنچائیں، آپ بہ حکمِ الٰہی سرزمین شام میں ارضِ مقدسہ کے مقام پر پہنچے۔ اس سفر میں ان کے ہمراہ حضرت سارہ، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی زوجہ تھیں۔ پھر آپ غرب ہی کی جانب بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ مصر تک جا پہنچے۔

مصر پہنچنے پر بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق ملکِ جبار کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں فرعونِ مصر نے بڑے انعام و اکرام اور عزت و توقیر کے ساتھ ان کو مصر سے رخصت کیا اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قدیم رشتہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے اپنی بیٹی ہاجرہ کو بھی ان کی زوجیت میں دے دیا جو اس زمانے کے رسم و رواج کے اعتبار سے پہلی اور بڑی بی بی کی خدمت گزار قرار پائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ابھی تک اولاد سے محروم تھے۔ ایک روز آپ نے بارگاہِ خداوندی میں فرزند کے لیے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا اور حضرت بی بی ہاجرہ کے شکم مبارک سے حضرت اسماعیل علیہ السلام تولد ہوئے اور جب حضرت اسماعیل علیہ السلام سیانے ہو کر باپ کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عالم رویا (خواب) میں دیکھا اور تین شب مسلسل دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا خواب رویائے صادقہ اور وحیِ الٰہی ہوتا ہے، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ حکمِ الٰہی کی جلد سے جلد تعمیل کریں۔ مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا جزو ہونہار بیٹا تھا جس کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا اس لیے شفیق باپ نے اپنے فرزند سعید کو اپنا خواب سنایا اور ان سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ یہ آپ نے اس لیے کہا تھا کہ فرزند کو ذبح سے وحشت نہ ہو اور اطاعتِ امرِ الٰہی کے لیے وہ برغبت تمام تیار ہو جائیں چنانچہ اس فرزند ارجمند نے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا اور عرض کیا کہ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابرین سے پائیں گے۔

اس گفتگو کے بعد، باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لیے جنگل روانہ ہوئے۔ باپ نے بیٹے کی مرضی پا کر مذبوح جانور کی طرح ہاتھ پیر باندھے جیسا کہ ذبح کے وقت جانور کو لٹاتے ہیں، چھری کو اور تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ان کے گلے پر چھری چلائی اور ملک الموت نے دیکھ لیا کہ بوڑھا باپ اپنے ارمانوں سے مانگے ہوئے بیٹے کو محض اپنے مولیٰ کی مرضی پر قربان کر رہا ہے اور بیٹا بھی گلے پر چھری چلوانے کے لیے راضی ہے اور ادھر قدرتِ الٰہی سے چھری سے کچھ کام نہ کیا تو ندا آئی کہ اے ابراہیم! تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اور اطاعت و فرمانبرداری کمال تک پہنچا دی۔ فرزند کو بلا دریغ ذبح کے لیے پیش کر دیا۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔ اب لڑکے کو چھوڑو اور تمہارے پاس جو یہ مینڈھا کھڑا ہے، اسے بیٹے کے بدلے میں ذبح کر دو۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ ابراہیم علیہ السلام نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جھاڑی کے قریب ایک

مینڈھا کھڑا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کر دیا۔ یہی وہ قربانی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطور یادگار کے ملتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذی الحجہ کی ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو تمام دنیائے اسلام میں یہ شعار اسی طرح منایا جاتا ہے:

اور یہی وہ قربانی ہے جس کے لیے ارشاد فرمایا کہ:

سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت ہے۔

(۵۷) چند احادیثِ کریمہ

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) یَوْمُ النَّحْرِ (دسویں ذی الحجہ) میں، ابنِ آدم کا کوئی عمل، خدا کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پیارا نہیں۔ وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگ اور بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے قبل، خدا کے نزدیک مقامِ قبول میں پہنچ جاتا ہے۔ لہٰذا اسے خوش دلی سے کرو۔ (ترمذی وغیرہ)

(۲) جس نے بہ طیبِ خاطر (خوشدلی سے) طالبِ ثواب ہو کر، قربانی کی، وہ آتشِ جہنم سے حجاب (روک) ہو جائے گی۔ (طبرانی)

(۳) جو روپیہ عید کے دن قربانی میں خرچ کیا گیا اس سے زیادہ کوئی روپیہ پیارا نہیں۔ (طبرانی)

(۴) جس میں وسعت ہو اور قربانی نہ کرے، وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ (ابن ماجہ)

(۵) افضل قربانی وہ ہے جو باعتبار قیمت اعلیٰ اور خوب فربہ ہو۔ (امام احمد)

(۶) مجھے یومِ اضحیٰ کا حکم دیا گیا (کہ ہم اس میں قربانی کریں) اس دن کو خدا نے، اس

امت کے لیے عید بنایا۔ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ میرے پاس منیحہ کے سوا کوئی جانور نہ ہو تو کیا اسی کی قربانی کر دوں۔ فرمایا "نہیں۔" (کہ وہ تمہاری ملک نہیں) ہاں تم اپنے بال اور ناخن ترشواؤ اور مونچھیں ترشواؤ اور موئے زیرِ ناف کو مونڈو۔ اسی میں تمہاری قربانی خدا کے نزدیک پوری ہو جائے گی۔ (ابوداؤد، نسائی)

یعنی جس کو قربانی کی توفیق نہ ہو، اسے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب مل جائے گا اور منیحہ اس جانور کو کہتے ہیں جو دوسرے نے اسے اس لیے دیا ہے کہ یہ کچھ دنوں اس کے دودھ وغیرہ سے فائدہ اٹھائے، پھر مالک کو واپس کر دے۔

(۷) امام احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ، جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ذبح کے دن دو مینڈھے سینگ والے، چت کبرے، خصی کیے ہوئے، ذبح کیے۔ اور جب ان کا منہ قبلہ کو کیا تو یہ پڑھا اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ۔ الخ اور بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر اس کو ذبح فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے یہ فرمایا کہ الٰہی یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں اس کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی۔" (یعنی قربانی کی وسعت نہ پائی اور اسی حال میں انتقال کر گیا)

(۵۸) قربانی سے متعلق مسائلِ فقہیّہ کا خلاصہ

(۱) قربانی واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں:

(۱) اسلام یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔

(۲) اقامت یعنی مقیم ہونا لہٰذا مسافر پر واجب نہیں۔

(۳) تونگری یعنی مالکِ نصاب ہونا جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے۔ یعنی نصاب پر سال گزرنا، زکوٰۃ میں ضروری ہے، قربانی و صدقۂ فطر میں نہیں۔ قربانی کے لیے ان ایام میں جو شخص بھی صاحبِ نصاب ہوگا، اس پر قربانی واجب ہوگی اگرچہ ان ایام سے قبل وہ صاحبِ نصاب نہ تھا۔

(۴) حریت یعنی آزاد ہونا۔ جو آزاد نہ ہو، اس پر قربانی واجب نہیں۔
مرد ہونا اس کے لیے شرط نہیں۔ عورتوں پر بھی واجب ہوتی ہے۔ البتہ نابالغ ہو تو نہ خود اس پر واجب ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کے باپ دادا وغیرہ پر واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (درمختار وغیرہ)

تنبیہ ضروری: قربانی ہر مالکِ نصاب مسلم بالغ پر ضروری ہے، مرد ہو خواہ عورت۔ تو وہ جو ایک طریقہ کہیں کہیں مسلمان خاندانوں میں رائج ہے کہ گھر کے افراد میں سے، امسال مثلاً زید کی جانب سے قربانی دی گئی جبکہ سال گزشتہ ہندہ کے نام سے کر چکے ہیں اور سال آئندہ مثلاً زبیدہ کے نام پر کر دی جائے گی یعنی مالکانِ نصاب میں سے کسی ایک کے نام پر قربانی کر کے اسے تمام افراد خانہ کی جانب سے تصور کر لیا جاتا ہے یہ محض ناواقفی و جہالت ہے۔ اس سے گناہ اور حکمِ شرعی کی خلاف ورزی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور جس مالکِ نصاب کی جانب سے قربانی نہیں ہوتی، وہ گناہوں کی دلدل میں دھنسا چلا جاتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ گھر میں موجود ہر بالغ کی جانب سے کہ صاحبِ نصاب ہو، قربانی کی جائے۔ جیساکہ حکمِ شرعی ہے۔

(۲) قربانی واجب ہونے کا سبب وقت ہے۔ جب وہ وقت آیا اور شرائط وجوب پائے گئے، قربانی واجب ہوگئی اور اس کا رکن، ان مخصوص جانوروں میں سے کسی کو بہ نیت قربانی ذبح کرنا ہے جنہیں شریعتِ مطہرہ نے قربانی کے لیے متعین کر دیا ہے لہٰذا قربانی کی نیت سے، کسی نے کسی دوسرے جانور مثلاً مرغ کو ذبح کر دیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ (درمختار)

(۳) جو شخص دو سو درم یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا بیس دینار یعنی ساڑھے سات تولہ سونے کا اور اگر ان دونوں میں سے کوئی بقدرِ نصاب نہ ہو تو دونوں مل کر اس قیمت کو پہنچ جائیں کہ چاندی کا نصاب بن جائے تو جو اس قدر کا مالک ہو یا حاجت کے سوا کسی ایسی چیز (مثلاً روپے پیسے نوٹ یا مال تجارت) کا مالک ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کو (یا جہاں سونا بہت ارزاں ہو وہاں ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کو) پہنچ جائے وہ غنی و صاحبِ نصاب ہے اور اس پر قربانی واجب ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۴) بالغ لڑکے لڑکیوں یا بی بی کی طرف سے آدمی قربانی کرنا چاہے تو ان سے اجازت

حاصل کرے۔ بغیر ان کے کہے اگر کر دی تو ان کی طرف سے واجب ادا نہ ہوا اور نابالغ کی طرف سے اگرچہ واجب نہیں ہے مگر کر دینا بہتر ہے (عالمگیری) اور یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر گھر میں متعدد افراد کے لیے جانور خریدے جائیں تو ہر ایک کے لیے ایک جانور متعین کر دینا چاہیے۔

(۵) قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کے ذمہ جو قربانی واجب ہے، اس کے کر لینے سے وہ بری الذمہ ہوگیا اور اگر اچھی نیت سے کی ہے۔ ریا وغیرہ کی اس میں مداخلت نہیں تو امید ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ آخرت میں ثواب پائے گا۔ (درمختار وغیرہ)

(۶) یہ ضروری نہیں کہ دسویں ہی کو قربانی کر ڈالے۔ اس کے لیے گنجائش ہے کہ پورے وقت یعنی ایام اضحیہ (قربانی کے دنوں) میں جب چاہے، کرے، لہٰذا اگر ابتدائے وقت میں اس کا اہل نہ تھا۔ اس کے حق میں شرائط وجوب نہ پائے جاتے تھے۔ (مثلاً اس وقت صاحبِ نصاب نہ تھا) اور آخر وقت میں اہل ہوگیا یعنی وجوب کے شرائط پائے گئے تو اس پر واجب ہوگئی اور اگر ابتدائے وقت میں قربانی واجب تھی اور اوقات میں گنجائش کے پیش نظر ابھی کی نہیں تھی کہ آخر وقت میں شرائط جاتے رہے (مثلاً نادار ہوگیا) تو واجب نہ رہی۔ (عالمگیری)

(۷) قربانی کے وقت میں قربانی کرنا ہی لازم ہے۔ کوئی چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔ مثلاً بجائے قربانی، اس نے بکری یا اس کی قیمت صدقہ کر دی، یہ ہرگز کافی نہیں کہ یہاں خود ذبح مقصود ہے اور اللہ عزوجل کے لیے مخصوص جانور کی جان دینا تو کوئی چیز اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ ہاں نیابت اس میں ہو سکتی ہے۔ یعنی خود کرنا ضروری نہیں بلکہ دوسرے کو اجازت دے دی۔ اور اس نے کر دی۔ یہ ہو سکتا ہے۔ (عالمگیری)

(۸) جب قربانی کی شرائط مذکورہ پائے جائیں تو بکری یا اس کا ہم جنس جانور، ذبح کرنا، یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ ساتویں حصے سے کم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اونٹ یا گائے کے شرکاء میں اگر کسی کا حصہ ساتویں سے کم ہے تو کسی کی قربانی نہ ہوئی نہ اس کی اور نہ اس کی جس کا حصہ پورا ساتواں یا اس سے زیادہ ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مثلاً گائے کی چار یا پانچ یا چھ آدمی مل کر قربانی کریں اور حصے ان کے کم و بیش ہوں۔ مگر جس کا

حصہ کم ہو، تو ساتویں حصے سے کم نہ ہو (در مختار، ردالمحتار) کسی کا ایک حصہ کسی کے دو اور کسی کے تین۔

(۹) شرکت میں گائے کی قربانی ہوئی تو ضرور ہے کہ گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ ہو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو ساتویں حصے سے کم یا زیادہ ملے اور یہ ناجائز ہے۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ کم و بیش ہو گا تو ہر شریک، اس کو دوسرے کے لیے جائز کر دے گا۔ کہہ دے گا اگر کسی کو زائد پہنچ گیا ہے تو معاف کیا۔ کہ یہاں عدمِ جواز حقِ شرع ہے اور ان کو حقِ شرع معاف کرنے کا حق نہیں۔

(در مختار، ردالمحتار)

عموماً لوگ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے اور حقِ شرعی ضائع کرنے کے جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۱۰) قربانی کا وقت، دسویں ذی الحجہ کے طلوعِ صبحِ صادق سے بارہویں کے غروبِ آفتاب تک ہے یعنی تین دن اور دو راتیں۔ دسویں کے بعد کی دونوں راتیں ایامِ نحر میں داخل ہیں۔ ان میں بھی قربانی ہو سکتی ہے۔ مگر رات میں ذبح کرنا مکروہ ہے (عالمگیری) کہ غلطی کا احتمال ہے۔

(۱۱) پہلا دن یعنی دسویں تاریخ سب سے افضل ہے کہ اس میں مسارعت الی الخیر یعنی تعمیلِ حکمِ خیر بلا تاخیر ہے۔ پھر گیارہویں اور پچھلا دن یعنی بارہویں سب میں کم درجہ ہے اور اگر ان تاریخوں میں شک ہو یعنی تیس کا چاند مانا گیا ہے اور انتیس ہونے کا بھی شبہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ قربانی کو بارہویں تک موخر نہ کرے۔ یعنی بارہویں سے پہلے کر ڈالے کہ دل میں کوئی شبہ یا وسوسہ پیدا ہی نہ ہو کیونکہ بارہویں کو تیرہویں ہونے کا شبہ ہے۔ (عالمگیری)

(۱۲) شہر میں قربانی کی جائے یعنی شہری، شہر میں قربانی کرنا چاہے تو شرط یہ ہے کہ نماز ہو چکے۔ لہٰذا نمازِ عید سے پہلے شہر یا اس کی مضافات میں قربانی نہیں ہو سکتی۔ اور دیہات میں چونکہ نمازِ عید نہیں ہے۔ یہاں طلوعِ فجر کے بعد سے ہی قربانی ہو سکتی ہے اور دیہات میں بہتر یہ ہے کہ بعد طلوعِ آفتاب قربانی کی جائے اور شہر میں بہتر یہ ہے کہ نمازِ

عید اور خطبہ ہو جانے کے بعد قربانی کی جائے اور شہری آدمی اگر چاہے کہ نمازِ عید سے پہلے ہی، صبح ہی صبح قربانی ہوئے تو جانور دیہات میں بھیج دے۔ (در مختار وغیرہ)

(۱۳) قربانی کے جانور تین قسم کے ہیں۔ اونٹ، بکری اور گائے۔ ہر قسم میں اس کی جتنی نوعیتیں ہیں سب داخل ہے۔ نر اور مادہ، خصی اور غیر خصی سب کا ایک حکم ہے یعنی سب کی قربانی ہو سکتی ہے۔ بیل، بھینس، گائے میں شمار ہے اور بھیڑ دنبہ، مینڈھا، بکری میں داخل ہے۔ وحشی جانور جیسے نیل گائے اور ہرن، ان کی قربانی نہیں ہو سکتی۔

(عالمگیری)

(۱۴) قربانی کے جانور کی عمر یہ ہونی چاہیے۔ اونٹ پانچ سال کا۔ گائے دو سال کی۔ بکری ایک سال کی۔ اس سے عمر کم ہو تو قربانی جائز نہیں۔ زیادہ ہو تو جائز بلکہ افضل ہے۔ ہاں دنبہ یا بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ اگر اتنا بڑا ہو کہ دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (در مختار) اور خصی بکرے یا دنبے جو بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں اور بڑی جلدی فربہ و تروتازہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی قربانی کے لیے وہی شرط ہے کہ وہ پورے ایک سال کے ہو جائیں۔ بیچنے والے ایسے جانوروں کی عمر پوری بھی بتا دیا کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تک عمر کا اطمینان نہ ہو جائے، اس کی قربانی نہ کریں۔

(۱۵) قربانی کے جانور کو عیب سے خالی ہونا چاہیے اور تھوڑا سا عیب ہو تو قربانی ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور زیادہ عیب ہو تو ہوگی ہی نہیں اور خصی یعنی جس کے خصیئے نکال لیے گئے ہوں یا مجبوب یعنی جس کے خصیئے اور عضوِ تناسل، سب کاٹ لیے گئے ہوں ان کی قربانی جائز ہے۔ (در مختار) اور اوپر حدیث گزری کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دو خصی مینڈھے ذبح کیے تو خصی ہونا عیب نہیں بلکہ اس سے گوشت میں اور لذت آ جاتی ہے۔ اس کے برعکس، جانور میں زیادہ عیب کا پایا جانا گوشت کی لذت ختم کر دیتا ہے تو ایسے عیب ناک جانور کو، خصی پر قیاس نہ کیا جائے۔

(۱۶) جن جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ جس کے پیدائشی سینگ تھے مگر کوئی ٹوٹ گیا اور مینگ تک ٹوٹا ہے۔

۲۔ جس جانور میں جنون ہے اور اس حد کا ہے کہ وہ جانور چرتا بھی نہیں ہے۔

۳- خارش زدہ جانور جبکہ اتنا لاغر ہو کہ ہڈی میں مغز بھی نہ رہا ہو۔

۴- اندھا یا کانا، جس کا کانا پن ظاہر ہو۔

۵- ایسا ناتواں و لاغر ہو کہ ہڈی میں مغز بھی نہ ہو۔

۶- لنگڑا جو قربان گاہ تک اپنے پاؤں پر نہ جاسکے۔

۷- ایسا بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو۔

۸- ایسا جانور جس کے کان یا دم یا چکی، دو تہائی سے زیادہ کٹے ہوں۔

۹- جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا ایک کان نہ ہو۔

۱۰- جس کی تہائی سے زیادہ نظر جاتی رہے۔

۱۱- جس کے دانت نہ ہوں کہ جگالی کر سکے۔

۱۲- جس کے تھن کٹے ہوں یا خشک ہوں یعنی بکری میں ایک اور گائے بھینس میں دو۔

۱۳- جس کی ناک، یا ہاتھ یا پاؤں کٹے ہوں۔

۱۴- علاج کے ذریعے جس کا دودھ خشک کر دیا گیا ہو۔

۱۵- خنثیٰ جانور یعنی جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں موجود ہوں۔

۱۶- جلالہ جو صرف غلیظ کھاتا ہو (اور اسے پہلے سے مقید نہ کیا گیا ہو)

(۱۷) ایسی گائے بکری یا اس کا ہم جنس جانور جس کی زبان نہ ہو، البتہ بکری وغیرہ جائز ہے۔ اس لیے کہ بکری، دانتوں سے چارہ لیتی ہے اور گائے وغیرہ زبان سے۔

جن جانوروں کی قربانی معمولی عیوب سے قطعِ نظر جائز ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱- جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا کوئی سینگ اوپر سے ٹوٹ گیا کہ مینگ ظاہر نہ ہوئی۔

۲- جس جانور میں معمولی جنون ہے کہ چکر کاٹتا رہتا ہے مگر چارہ چر لیتا ہے۔

۳- ایسا بوڑھا کہ بچہ کے قابل نہ رہا۔

۴- داغا ہوا جانور۔

۵- جس کے دودھ نہ اترتا ہو۔

۶- بھینگا۔

۷- ایسا لنگڑا جو چوتھا پاؤں بھی زمین پر جما کر چل لیتا ہے۔

۸- وہ جانور جس کا کان یا چکی یا دم، ایک تہائی یا اس سے کم کٹی ہو۔

۹- جس کے کان کٹے نہ ہوں چھوٹے ہوں۔

۱۰- وہ بھیڑ یا دنبہ، مینڈھا جس کی اون کاٹ لی گئی ہو۔

۱۱- وہ جانور جس کے کان لمبائی میں شق کر دیئے گئے ہوں۔

۱۲- وہ جانور جس کے کان میں سوراخ ہو---یا

۱۳- وہ بکری جس کے کان کا بالائی حصہ تھوڑا سا کاٹ دیا گیا ہو۔

(۱۸) قربانی کرتے وقت جانور اچھلا کودا، جس کی وجہ سے عیب پیدا ہو گیا۔ یہ عیب مضر نہیں یعنی قربانی ہو جائے گی بلکہ اگر اچھلنے کودنے سے عیب پیدا ہوا اور اسی حال میں جانور چھوٹ کر بھاگ گیا اور فوراً پکڑ کر ذبح کر دیا گیا جب بھی قربانی ہو جائے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۱۹) گائے کے شرکاء میں سے ایک شخص کافر ہے۔ (یا دہریہ یا نیچری قادیانی وغیرہ کہ ضروریاتِ دین میں سے کسی ضروری دینی بات کا منکر ہو) یا ان میں سے کسی ایک کا مقصود قربانی نہیں ہے بلکہ گوشت حاصل کرنا ہے تو کسی کی قربانی نہ ہوئی کہ سب شرکاء کی نیت تقرب نہ پائی گئی۔ (درمختار وغیرہ)

(۲۰) قربانی اور عقیقہ کی بھی شرکت ہو سکتی ہے کہ عقیقہ بھی تقرب کی ایک صورت ہے۔ (درمختار)

(۲۱) بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ فقراء کے لیے ایک حصہ دوست احباب کے لیے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے۔ اور اگر اس کے اہل و عیال بہت ہوں اور صاحبِ وسعت نہیں ہے۔ تو بہتر یہ ہے کہ سارا گوشت اپنے بال بچوں کے لیے رکھ چھوڑے۔ (عالمگیری)

(۲۲) میت کی طرف سے از خود قربانی کی تو اس کے گوشت کا بھی وہی حکم ہے جو

اوپر گزرا۔ چونکہ گوشت اس کی ملک ہے سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہاں اگر میت نے کہہ دیا ہے کہ میری طرف سے قربانی دینا تو اس میں سے نہ کھائے بلکہ کل گوشت صدقہ کر دے۔ (ردالمحتار)

(۲۳) قربانی کا چمڑا، اس کی جھول اور رسی اور اس کے گلے میں جو ہار ڈالا ہے وہ ہار، ان سب چیزوں کو صدقہ کر دے۔ قربانی کے چمڑے کو باقی رکھتے ہوئے اپنے کسی کام میں لا سکتا ہے۔ مثلاً اس کی جانماز بنائے یا کتابوں کی جلدوں میں لگائے۔ (ردالمحتار)

(۲۴) اگر قربانی کے کھال کو روپیہ کے عوض بیچا مگر اس لیے نہیں کہ اس قیمت کو اپنی ذات پر یا بال بچوں پر صرف کرے گا بلکہ اس لیے بیچا کہ اسے صدقہ کر دے گا تو جائز ہے۔ (عالمگیری)

جیسا کہ آج کل اکثر لوگ کھال دینی مدرسوں میں دیا کرتے ہیں اور بعض مرتبہ وہاں کھال بھیجنے میں دقت ہوتی ہے اسے بیچ کر روپیہ بھیج دیتے ہیں یا کئی شخصوں کو دینا ہوتا ہے۔ اسے بیچ کر دام، فقراء پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہ بیع جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

حدیث میں جو اس کے بیچنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مُراد تمول ہے یعنی اپنے لیے بیچنا اور فقراء یا مدرسہ یا مسجد کے لیے بیچنا تمول نہیں بلکہ تقرب ہے یعنی کارِ ثواب۔ ہاں اگر کوئی شخص اس کی جلد اپنے صرف میں لانے کی نیت سے روپوں پیسوں کو بیچے تو بے شک قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی۔ وہ قیمت نہ مسجد میں دے۔ نہ مدرسہ میں بلکہ فقراء پر تصدق کر دے۔ یہی حکم ہر مالِ خبیث، مِلک خبیث کا ہے۔
(فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

(۲۵) قربانی کا چمڑا یا گوشت، یا اس میں سے کوئی چیز قصاب یا ذبح کرنے والے کو اجرت میں نہیں دے سکتا کہ اس کو اجرت میں دینا بھی بیچنے ہی کے معنی میں ہے۔ (ہدایہ) اور اگر قصاب وغیرہ کو اجرت میں نہیں دیا بلکہ جیسے دوسرے مسلمانوں کو دیتا ہے، اس کو بھی دیا اور اجرت اپنے پاس سے دوسری چیز دے گا تو جائز ہے۔ (بہارِ شریعت)

(۲۶) جانور دودھ والا ہے تو اس کے تھن پر ٹھنڈا پانی چھڑکے کہ دودھ خشک ہو

جائے اگر اس سے کام نہ چلے تو جانور کو دوہ کر دودھ صدقہ کر دے، خود اس سے نفع نہ اٹھائے۔ (عالمگیری)

(۲۷) مویشی خانہ کے جانور، ایک مدتِ مقررہ کے بعد نیلام کر دیئے جاتے ہیں اور لوگ اونے پونے انہیں خرید لیا کرتے ہیں۔ ایسے جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ جانور، نیلام کرنے والے کی ملک نہیں تو اسے بیچنے کا بھی اختیار نہیں۔ تو انہیں خریدنا بھی نہ چاہیے کہ ایک ناجائز امر میں خواہ مخواہ اعانت ہے۔ (بہارِ شریعت)

(۲۸) مستحب یہ ہے کہ (۱) قربانی کا جانور خوب فربہ، خوبصورت اور بڑا ہو۔ (۲) ذبح کرنے سے پہلے چھری کو تیز کر لیا جائے۔ (۳) ذبح کے بعد جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ اس کے تمام اعضاء سے روح نہ نکل جائے اس وقت تک ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں۔ (۴) نہ چمڑا اتاریں۔ (۵) بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے اگر اچھی طرح ذبح کرنا جانتا ہو۔ اور اگر اچھی طرح نہ جانتا ہو تو دوسرے کو حکم دے اور ذبح کرے، مگر اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ وقت قربانی حاضر ہو۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۲۹) ذبح کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے کہ باعثِ ثواب ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔

اسے پڑھ کر ذبح کر دے اور اس طرح ذبح کرے کہ چاروں یا کم از کم تین رگیں کٹ جائیں اور اگر یہ دعا نہ پڑھی اور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر دیا جب بھی جائز ہے۔

(۳۰) قربانی اپنی طرف سے ہو تو ذبح کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَحَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

اور اگر دوسرے کی طرف سے ذبح کرتا ہے تو منی کی جگہ مِن کے بعد اس کا نام

لے اور جانور شرکت کا ہو تو سب شریکوں کا نام لیا جائے۔

(۵۹) مجموعۃ المسائل
مالی معاملات سے متعلق

(۱) مسلمان نے کسی ہندو کافر سے قرض لیا۔ ابھی یہ ادا نہ کرنے پایا تھا کہ وہ مرگیا۔ تو ایسی صورت مین وہ مال فقراء کو دے دے۔ نہ اس نیت سے کہ اس صدقہ کا ثواب اس کافر کو پہنچے کہ کافر اصلاً اہلِ ثواب نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ خبیث مرگیا اور موت نے اس کی ملکیت کو زائل کر دیا، تو اب وہ اس مال کا مالک نہ رہا بلکہ حقِ بیت المال ہوا تو فقراء ہی اس کے مستحق ہیں۔ (فتاوٰی رضویہ)

(۲) اگر کوئی مسلمان مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے۔ نہ کسی کے نام کی وصیت کی ہو تو اس کے مال کا مستحق بیت المال ہے اور بیت المال کے ایسے مال کے مستحق مذہبِ جمہور پر فقراء، مساکین، عاجزین ہیں کہ ان کے کھانے پینے دوا دارو و کفن دفن میں صرف کیا جائے۔ (درمختار)

(۳) ایک شخص پر دوسرے کا کچھ آتا ہے لیکن اس قرض خواہ کا پتا نہیں چلتا کہ کہاں ہے تو جہاں تک بن پڑے خود یا کسی دیندار قابلِ اعتماد مسلمان سے اس کی تلاش کرائے اگر مل جائے فبہا، اس کا حق اسے دے دیا جائے اور اگر اس کی طرف سے یاس و ناامیدی ہو جائے تو اس کی طرف سے تصدق کر دے۔ اگر پھر کبھی وہ ملے اور اپنا حق مانگے اور اس تصدق پر راضی نہ ہو تو اسے اپنے پاس سے دے۔ یہی حکم لقطہ کا ہے۔ (درمختار)

(۴) مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ غدر و عہد شکنی یا بدنیتی یا کسی اور ناجائز طریقہ سے کسی غیر مسلم کا مال دبالے اور اگر ایسا کیا تو وہ ضرور گناہ و حق العبد اور قابلِ مواخذہ جرم ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ غیر مسلم ذمی ہو کہ ذمی کا حق، مسلمان کے حق سے سخت تر ہے اور اس کا بدلہ عذابِ آخرت ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ رب العزت جل جلالہ کافر کے دل

میں ڈالے کہ معاف کر دے یا کسی تخفیف کے عوض اس سے معاف کرا دے۔ (فتاوٰی رضویہ) اگرچہ ٹھکانہ کافر کا دوزخ ہی ہے۔

(۵) مثلاً زید مختلف لوگوں سے قرض لے کر اپنی ضروریات میں صرف کرتا رہا۔ پھر اپنی کل جائیداد بحالتِ صحت و تندرستی و بموجودگی ہوش و حواس و ثباتِ عقل اپنی زوجہ کے مہر میں اسی کو بیع کر دی اور زوجہ کے نام رجسٹری کرا دی۔ باقی قرض خواہوں کو کچھ نہ دیا۔ تو اگرچہ زید پر بحال بدنیتی گناہ ہو، مگر قرض خواہوں کو اس جائیداد سے کہ اب ملکِ زوجہ ہے اصلاً مطالبہ کا اختیار نہیں۔ ان کا مطالبہ آخرت پر رہا۔ ہاں اگر اس کے سوا اور جائیداد یا مال زید کا ثابت ہو تو اس میں سے قرض خواہ بقدر حصہ رسد حقدار ہوں گے۔ (فتاوٰی رضویہ)

(۶) کسی سے قرض لے کر اس کی ادائیگی کی فکر نہ کرنا اور خواہ مخواہ ٹال مٹول سے کام لینا اور جھوٹے وعدوں پر ٹالتے رہنا، سخت گناہ اور بروزِ قیامت محرومیوں کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ہاتھ پہنچے ہوئے کا، ادائے دَین سے سرتابی کرنا اس کی آبرو کو حلال کر دیتا ہے۔ (یعنی اسے برا کہنا اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہو جاتا ہے) اور غنی کا دیر لگانا ظلم ہے۔" پھر جھوٹا وعدہ کرنا ظلم بھی ہے اور منافق کی تین نشانیوں میں سے ایک نشانی بھی۔ تو یہ ظالم بھی ہے اور فاسق و فاجر، مرتکب کبائر اور کذاب و مستحق عذاب بھی۔ اگر اسی حالت میں مرگیا اور دَین لوگوں کا اس پر باقی رہا تو اس کی نیکیاں ان کے مطالبہ میں دے دی جائیں گی اور جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی تو ان کے گناہ اس کے پر رکھے جائیں گے اور آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

(۷) ایک شخص نے دوسرے سے کچھ رقم قرض لی اور قرار پایا کہ یہ رقم قسط وار ادا کی جائے گی اور بالفرض اگر کوئی قسط ادا نہ ہو سکے تو قرض خواہ کو باقی ماندہ کل رقم یک مشت لینے کا اختیار ہوگا اور ہوا بھی یہی کہ کوئی ایک قسط بروقت ادا نہ کر سکا تو ایسی صورت میں بلاشبہ کل روپیہ، جس کی ادائیگی باقی ہے، یکمشت واجب الادا ہو گیا۔ قرض خواہ کو اختیار ہے کہ اب وہ اسے مزید مہلت دیئے بغیر، فوراً اپنا روپیہ اس سے طلب کرے۔ (طحطاوی)

اگرچہ بہتر یہی ہے کہ اسے مہلت دے یا معاف کر دے۔ حدیث شریف میں آیا کہ جو شخص تنگ دست کو مہلت دے گا یا اسے معاف کر دے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں رکھے گا۔ (مسلم)

(۸) قرض سچی نیت سے لیا یعنی اس کے ادا کا قصد رکھتا تھا اور قدرت نہ پائی کہ مر گیا تو مسلمان پر اس کے باعث عذاب نہ ہوگا کہ قرض لینا گناہ نہیں اور ادا پر قادر نہ ہونا اس کا فعل نہیں اور اللہ عزوجل بے کسی گناہ کے، عذاب نہیں فرماتا۔ رہا اس کا حق، اسے اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے، راضی فرمادے گا۔ حدیث میں ہے کہ "جو لوگوں کا مال بہ ارادۂ ادا لے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرمادے۔"

(۶۰) ماکولات ومشروبات سے متعلق

(۹) بقدرِ ضرورت، قلیل المقدار افیون کہ اس قدر سے نشہ و سرور، یا عقل و حواس میں تغیر و فتور، اصلاً نہ پیدا ہو، استعمال کرنا جائز ہے اور شوق کی راہ سے، بطور مشغلہ کھانا، جس طرح عام کھانے والے اپنے پیچھے لت لگا لیتے ہیں مطلقاً جائز نہیں اگرچہ نشہ نہ کرے۔ اگرچہ بوجہ اپنی قلتِ مقدار کے، نشہ پیدا کرنے کے قابل ہی نہ ہو۔

کھانے والے کی خاص نیت سے خدا کو خبر ہے۔ بعض لوگ دوا کا نرا بہانہ ہی بہانہ کرتے ہیں۔ انہیں کسی مفتی کا فتویٰ نفع نہ دے گا۔ اس خبیث چیز کی بد خو ہے کہ چند روز میں گھر کر لیتی ہے اور پھر چھڑائے نہیں چھوٹتی اور بتدریج پاؤں پھیلاتی ہے۔ یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں آدمی کو خاصا افیونی بنا دیتی ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اطباء لکھتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے باطن کی جھلیوں میں سوراخ ہو جاتے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسری بلا سے نہیں بھرتے ناچار عادت ڈالنی پڑتی ہے۔

(ردالمحتار وغیرہ)

(۱۰) معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عام شہروں میں عوام و خواص میں رائج ہے، شرعاً مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً کوئی دلیل نہیں تو اسے ناجائز

و ممنوع کہنا، امت مرحومہ کے عوام و خواص کو ناحق فاسق و فاجر بنانا اور شریعت پر بہتان اٹھانا ہے۔ ہاں اس کی بو طبیعت کو ناپسند ہے تو وہ مکروہ طبعی ہے نہ کہ مکروہ شرعی۔ اور اس کی حرمت پر جو حدیثیں بعض ناخواندہ قسم کے لوگ بے باکی سے پیش کرتے ہیں وہ محض ان کی گھڑی ہوئی ہیں اور یہ خود سخت گناہ ہے۔

البتہ وہ حقہ جو کہیں کہیں بعض جاہلوں میں رائج ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں وقت افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس و دماغ میں فتور لاتے اور دیدۂ و دل کی عجیب حالت بناتے ہیں، بے شک ممنوع و ناجائز و گناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ، ماہ مبارک میں اللہ عزوجل ہدایت بخشے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۱۱) جو بہتی چیز نشہ رکھتی ہو، مذہب صحیح میں اس کا قطرہ قطرہ، نہ صرف حرام بلکہ نجس بھی ہے۔ ان میں بد ترین شراب ہے کہ حرام ہے اور پیشاب کی طرح ناپاک۔ اس کا پینا سخت گناہ کبیرہ اور پینے والا فاسق فاجر، ناپاک، بے باک، مردود، ملعون، عذابِ شدید و عقابِ الیم کا مستحق ہے۔ اس کے لیے قرآن و حدیث میں ہے کہ "شرابی اگر بے توبہ مرے تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح حاضر ہوگا جیسے کوئی بُت پوجنے والا۔"

(احمد وابن حبان)

(۱۲) نشہ باز، خواہ شرابی ہو، افیونی یا کسی اور چیز سے نشہ کا عادی۔ اگر وہ بھوکا محتاج ہو تو اسے بھوکے ہونے کی حیثیت سے کھانا پینا دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ثواب ہے کہ بھوکے کتے کا بھی پیٹ بھرنا باعثِ ثواب ہے۔ آدمی تو آدمی، ہاں کھانے کے علاوہ انہیں نقد دام نہ دیے جائیں اور نہ کوئی ایسی چیز جسے وہ فروخت کر سکے۔ جبکہ معلوم ہو کہ وہ انہیں افیون وغیرہ کی خریداری میں صرف کرے گا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ گناہ و زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

(۱۳) انگریزی رقیق و سیال دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں، ان میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب، بلکہ شراب کی نہایت بد تر قسموں سے ہے اور سب شرابوں سے تند و تیز ہے اور ہر بہنے والی شے کہ نشہ لائے، اس کا ایک قطرہ بھی حرام و نجس ہے تو

ان دواؤں کا کھانا حرام، بدن پر لگانا حرام، بدن یا کپڑے یا دونوں کے مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ ایسی شے لگی ہوئی ہو تو نماز نہ ہو گی۔ ہاں خشک دوا جس میں کسی نجاست کا ملا ہوا ہونا معلوم نہ ہو، لگانا جائز ہے۔ اور اگر کسی حرام شے کا اختلاط معلوم نہ ہو تو کھانے کی بھی اجازت ہے اور افضل احتیاط ہے اور عطریات میں بھی اگر ان کی آمیزش کا حال معلوم ہو جائے تو اس کا نہ صرف لگانا، بلکہ سونگھنا بھی ناجائز ہے کہ شراب کے مول لینے والے، اٹھانے والے پر بھی لعنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۱۴) آدمی کا جھوٹا پاک ہے اگرچہ وہ جنب ہو۔ اگرچہ وہ کافر ہو۔ بشرطیکہ ظاہری نجاستوں سے بالکل جدا ہو۔ ایسی حالت میں اس کے جھوٹے کو اگرچہ کتے کے جھوٹے کی طرح ناپاک نہ کہا جائے گا مگر ہر چیز کہ ناپاک ہو، اس کا طیب و بے دغدغہ ہونا ضرور نہیں۔ ناک کی ریزش (رینٹھ) بھی تو ناپاک نہیں۔ پھر کون عاقل اسے لب و زبان سے لگانے کو گوارا کرے گا۔ کافر کے جھوٹے سے بھی مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہونی چاہیے کہ یہ نفرت ان کے ایمان سے ناشی اور ان کے کمالِ ایمان و غیرتِ ایمانی کی دلیل ہے۔ لہٰذا جو شخص کافر کا جھوٹا دانستہ کھائے پیئے، مسلمان اس سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ وہ مطعون ہو جاتا ہے اور اس پر محبتِ کفار کا گمان ہوتا ہے۔ (احکام شریعت)

(۱۵) کافر یا بچے کو شراب پلانا اگرچہ بطور علاج پلائے، اگرچہ کسی مشہور ڈاکٹر نے اس کا پلانا تجویز کیا ہو، حرام و ناجائز اور ممنوع و گناہ ہے اور اس کا گناہ اسی پلانے والے پر ہے۔ (ہدایہ) ہند و پاک کے ان مسلمانوں میں، جن کے روابط و تعلقات غیر مسلموں، شراب خوروں یا نصرانیوں سے ہیں، وہ ان کی دعوتوں میں شراب و کباب بلکہ "شراب و شباب" کا بھی اہتمام کرتے اور اپنے دنیاوی مراسم یا مفادات کے پیش نظر، ازراہ فخرو مباحات اپنے انتظام و انصرام سے ان حرام خوریوں، حرام کوشیوں کے مواقع فراہم کرتے ہیں، وہ سخت گناہگار، مستحقِ عذابِ نار اور سزاوارِ غضبِ پروردگار ہیں۔ احکامِ شرعیہ کی ان بے حرمتیوں اور ان حرام کاریوں کا وبال انہیں پر ہے۔ (والعیاذ باللہ)

(۱۶) بعض عورتیں بچوں کو افیون کھلایا کرتی ہیں اور ان کی غرض اس سے ہوتی ہے کہ بچہ اس کے نشے میں گم صم پڑا رہے گا، پریشان نہیں کرے گا اور خانگی کام میں خلل

نہ پڑے گا۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ بھی ناجائز و حرام ہے۔ کیونکہ بچہ کو اگرچہ تھوڑی مقدار میں دی جاتی ہے مگر وہ اتنی ضرور ہوتی ہے کہ اس کی عقل میں فتور ہو جائے اور وہ بے خبر و سدھ پڑا رہے۔ نہ معلوم عورتیں کیوں اس کیفیت کو گوارا کر لیتی ہیں اور یہاں ان کی ممتا کیوں نہیں تڑپتی۔

(۱۷) چانڈو اور مدک بھی افیون کے استعمال کے طریقے ہیں کہ اس کا دھواں پیا جاتا ہے اور چرس گانجا بھی ایسی چیز ہے کہ اس سے عقل میں فتور آجاتا ہے۔ ان کا پینا بھی ناجائز ہے۔

(۱۸) قہوہ، کافی، چائے کا پینا جائز ہے کہ ان میں نہ نشہ ہے نہ ان سے عقل میں فتور آتا ہے۔ البتہ یہ چیزیں خشکی لاتی اور نیند بھگاتی ہیں۔ اس لیے مشائخ ان کو پیتے ہیں کہ نیند کا غلبہ جاتا رہے اور شب بیداری میں ان سے مدد ملے اور کسل و کاہلی کو بھی یہ چیزیں دفع کرتی ہیں۔ (بہار شریعت)

(۶۱) رہن کے متعلق

(۱۹) بعض اوقات ایسی ضرورتیں پیش آجاتی ہیں جو ناگزیر ہوتی ہیں اور آدمی قرض لے کر اپنی ضرورتِ واقعی میں صرف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض دینے پر کوئی تیار نہیں ہوتا جب تک کہ اسے اس قرض کی پوری ضمانت و تسلی اور اطمینانِ قلبی حاصل نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں قرض لینے والا، اس کے مال، خواہ وہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ اپنے حق کی وصولیابی کے لیے اس پر قبضہ جماتا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے اپنے حق کو کلاً یا جزاً وصول کرنا ممکن ہو، اسی کا نام رہن ہے۔ عقدِ رہن بالاجماع جائز ہے اور قرآنِ کریم و حدیث شریف سے بھی اس کا جواز ثابت ہے۔ رہن میں یہ خوبی ہے کہ دائن اور مدیون دونوں کا اس میں بھلا ہے۔ مدیون کا بھلا یوں ہے کہ واقعی اس کی ضرورت کے لیے اسے قرض مل گیا اور دائن (قرض خواہ) کا بھلا یوں ہے کہ یہ اپنے بھائی کے کام میں آیا۔ دوسرے کا ہاتھ بٹایا اور اس کا اطمینان بھی رہا کہ اس کا

روپیہ مارا نہ جائے گا۔ عقدِ رہن ایجاب و قبول سے منعقد ہوتا ہے مگر لازم نہیں ہوتا جب تک مرتہن (جس کے پاس چیز رہن رکھی گئی) اس شے مرہون پر (جو گروی رکھی جا رہی ہے) قبضہ نہ کرلے۔ اب رہن کا معاملہ جائز ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں عاقل ہوں اور جس چیز کو رہن رکھا جائے وہ قابلِ بیع ہو۔

(۲۰) شے مرہون یعنی جو چیز گروی رکھی گئی اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں۔ مثلاً مکان ہو تو اس میں سکونت کرنا، یا کرایہ پر اٹھا دینا یا کپڑے زیور وغیرہ کو پہن لینا۔

(درمختار)

(۲۱) بعض لوگ قرض لے کر مکان یا کھیت رہن رکھ دیتے ہیں کہ مرتہن، مکان میں رہے اور کھیت کو جوتے اور مکان یا کھیت کی کچھ اجرت مقرر کردیتے ہیں۔ مثلاً مکان کا کرایہ، پانچ روپیہ ماہوار یا کھیت کا پٹہ دس روپے سال اور طے یہ پاتا ہے کہ یہ رقم زر قرض سے مجرا ہوتی رہے گی۔ جب کل رقم ادا ہو جائے گی اس وقت مکان یا کھیتی واپس ہو جائے گا۔ اس صورت میں بظاہر کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ اگرچہ کرایہ یا پٹہ واجبی اجرت سے کم طے پایا گیا ہو گویا یہ صورت اجارہ میں داخل ہے۔ یعنی اتنے زمانے کے لیے مکان یا کھیت اجرت پر دیا اور زرِ اجرت پیشگی لیا۔

(۲۲) شے مرہون سے جس طرح مرتہن نفع نہیں اٹھا سکتا، راہن (گروی رکھنے والا) کے لیے بھی اس سے انتفاع جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ مرتہن اسے اجازت دے دیں۔ یونہی مثلاً زید نے اپنا مکان عمرو کے پاس رہن رکھا اور کوئی شرط اس کی سکونت کی قرار نہ پائی۔ پھر زید نے محض اپنی خوشی سے بطور احسان اسے سکونت کی اجازت دے دی اور وہ اس کی اجازت ہی کی بناء پر اس میں رہنا چاہتا ہے کہ نہ اس پر اصرار کرے گا اور نہ قرض کا دباؤ ڈالے گا، تب بھی اس مکان میں رہنا اور اس سے نفع اٹھانا جائز ہے مگر مرتہن اس میں اپنے کو ہر وقت، اس کی اجازت کا محتاج جانے۔ یہاں تک کہ وہ اس وقت کہہ دے کہ مکان خالی کردو تو فوراً بلا عذر چلا جائے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲۳) ایک شخص نے دوسرے کے پاس مثلاً اپنا باغ گرو رکھا اور کچھ عرصہ بعد مر گیا۔ یہاں تک کہ اس کے اہل و عیال وورثہ میں سے بھی کوئی اس باغ کا واپس لینے والا

باقی نہ رہا تو اگر وہ باغ اس کے روپیہ سے، جو اس مرتہن کو، راہن نے دیا تھا، زیادہ قیمت کا ہو جیسا کہ اکثر رہن رکھی جانے والی چیزیں ایسی ہوتی ہیں تو یہ اس باغ کو فروخت کرکے بقدر اپنے روپے کے اس کی قیمت سے لے سکتا ہے۔ باقی فقرائے مسلمین کا حصہ ہے جبکہ فی الواقع اس باغ کے مالک کا کوئی وارث نہ رہا ہو اور اگر اس باغ کی مالیت اس روپے سے کم یا برابر ہو تو اس سب کو اپنے دَین میں لے سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲۴) راہن یا مرتہن کے مرنے سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ دونوں مرجائیں، جب بھی باطل نہیں ہوگا۔ بلکہ ورثہ یا وصی اس مرے ہوئے کے قائم مقام ہیں۔

(درمختار)

(۲۵) مرتہن کے ذمہ، مرہون کی حفاظت لازم ہے اور یہاں حفاظت کا وہی حکم ہے جس کا بیان ودیعت میں گزر چکا کہ خود حفاظت کرے یا اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں دے دے۔ یہاں عیال سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ رہتے سہتے ہوں۔ جیسے بی بی، بچے اور وہ خدمت گزار نوکر جنہیں ماہانہ یا ششماہی یا سالانہ تنخواہ دی جاتی ہو۔

(درمختار)

(۲۶) مرتہن کے رہن پر جنایت کی یعنی اس کو تلف کردیا یا اس کو نقصان پہنچایا تو اس کا ضمان ہے یعنی اس کو تاوان دینا ہوگا۔ (ہدایہ)

(۲۷) مرہون میں بحالتِ رہن جو کچھ زیادتی ہوئی مثلاً جانور کے بچہ پیدا ہوا، درخت میں پھل آگئے تو یہ سب چیزیں راہن کی ملک ہیں مگر رہن میں داخل نہیں۔ یعنی جب تک دَین ادا نہ کرلے، راہن ان چیزوں کو مرتہن سے نہیں لے سکتا۔ (درمختار)

(۶۲) قصاص و جنایات سے متعلق

جنایات جمع ہے جنایت کی۔ اور یہاں جنایت سے مراد وہ فعل ہے جس سے کسی انسان کی جان یا اعضاء کو نقصان پہنچایا۔ اس کے احکام کا تعلق حکومتِ وقت سے ہے کہ وہی ان کا نفاذ کرتی ہے۔ یہاں فی الحال نہ اسلامی حکومت ہے اور نہ شریعتِ مطہرہ کے

مطابق احکام کا نفاذ- لہٰذا اس سے متعلق مسائل بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں تھی مگر پھر بھی مسلمانوں کا شرعی احکام سے واقف رہنا بے سود نہیں ہے- اس لیے قرآن و حدیث کی اہم سرخیاں ملاحظہ فرمائیں-

مولیٰ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى - (الآیہ)

اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو- آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام- اور عورت کے بدلے عورت- تو جس کے لیے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہوئی تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادا- یہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت- تو اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے- اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقل مندو! کہ کہیں تم بچو-

نیز ارشاد فرماتا ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ - (الآیہ)

اور ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت- اور زخموں میں بدلہ ہے پھر جو دل کی خوشی سے بدلہ کرا دے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے اتارے پر

حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں-

نیز ارشاد گرامی ہے:

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ- (الآیہ)

ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی، بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول، روشن دلیلوں کے ساتھ آئے- پھر بے شک ان میں بہت اس کے بعد زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں-

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا- (الآیہ)

اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب فرمایا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار رکھا ہے-

اور رحمتِ مجسم، جانِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) کسی مسلمان مرد کا جو لا الہ الا اللہ کی گواہی اور میری رسالت کی شہادت دیتا ہے، خون صرف تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں حلال ہے- نفس بدلے نفس کے اور ثیب زانی (شادی شدہ زناکار) اور وہ جو اپنے دین سے نکل کر جماعت اہلِ اسلام کو چھوڑ دے- (مرتد ہو جائے یا باغی) (بخاری و مسلم)

(۲) جس نے کسی معاہد (ذمی) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا اور بے شک جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پہنچتی ہے- (بخاری)

(۳) اگر آسمان و زمین والے ایک مرد مومن کے خون میں شریک ہو جائیں تو سب

کو اللہ تعالیٰ جہنم میں اوندھا کر کے ڈال دے گا۔ (ترمذی، نسائی)

(۴) امید ہے کہ ہر گناہ کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا مگر اس شخص کو نہ بخشے گا جو مشرک ہی مرجائے یا جس نے کسی مردِ مومن کو قصداً ناحق قتل کیا۔ (ابوداؤد)

(۵) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ مبغوض تین شخص ہیں۔ حرم میں الحاد کرنے والا، اسلام میں طریقہ جاہلیت کا طلب گار اور کسی مسلمان شخص کا ناحق خون طلب کرنے والا تاکہ اسے بہائے۔ (بخاری)

(۶) جس نے ناحق جان بوجھ کر قتل کیا وہ اولیائے مقتول کو دے دیا جائے گا۔ پس اگر وہ چاہیں قتل کریں اور چاہیں تو دیت (خون بہا) لیں۔ (ترمذی)

(۷) میں اس کو معاف نہیں کروں گا جس نے دیت لینے کے باوجود قتل کیا۔ (ابوداؤد)

(۸) جس کے جسم میں کوئی زخم لگ جائے پھر وہ اس کا صدقہ کردے (زخمی کرنے والے کو معاف کردے) تو اللہ اس کا ایک درجہ بڑھاتا اور ایک گناہ معاف کردیتا ہے۔ (ترمذی)

(۹) مومن تیز رو (نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والا) اور صالح رہتا ہے۔ جب تک حرام خون نہ کرلے اور جب حرام خون کرلیتا ہے تو اب وہ تھک جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۱۰) قصاص میں قتل تلوار ہی سے ہوگا۔ (شرح معانی الآثار)

اور خنجر یا نیزہ یا کسی دوسرے اسلحہ سے قتل کرنا بھی تلوار ہی کے حکم میں ہے۔ (ہدایہ وغیرہ)

(۲۳) یاد رکھنا چاہیے کہ:

قصاص، انتقام محض کا مترادف و ہم معنی نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے از خود لینا شروع کردے بلکہ قانونِ فوجداری کے ماتحت، سزا کی منظم، مہذب اور منضبط ترین شکل کا نام ہے۔ امت کا ایک قانونی و اجتماعی حق ہے۔ اس کے اجراء و تنفیذ کی ذمہ داری، حکومت یا اہل حل و عقد پر عائد ہوتی ہے تو پہلی ذکر شدہ آیت میں مومنین سے

خطاب، اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔

اور خود قرآنِ کریم نے قانونِ قصاص کی علت و حکمت بھی بیان فرمادی کہ:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ۔ خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے۔

یعنی قانونِ قصاص عین عدل و مساوات کا قانون ہے اور ہیئتِ اجتماعی کے نظم و قیام راستی کا بہترین ضامن و کفیل کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہوجائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر بالائے ستم ڈھاتے رہیں اور جو زیردست ہیں کمزور و ناتواں ہیں۔ وہ ان کے ظلم کی چکی میں زندگی بھر پستے رہیں۔ تو امت کے مختلف طبقوں میں، ایک دوسرے کی طرف سے اطمینان و دلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے اور جب اس قانون پر عمل درآمد ایک عرصہ تک رہے گا اور اس قانون کی روح، امت میں سرایت کرجائے گی تو ساری قوم کا مزاج صالح بن جائے گا اور آئین پسندی، باہم صلح و سازگاری، خدمت و معاونت، فتنہ طرازی اور شرانگیزی سے دوری و نفرت، ان کا جزء زندگی بن جائے گی۔

اور اس کے برعکس اگر قتلِ ناحق کا ارتکاب کرنے والے ان سزاؤں سے معاف رکھے جائیں یا ان کی سرکشی و منہ زوری پر مصلحت کے دبیز نقاب چڑھادیئے جائیں تو ظاہر ہے کہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کے حوصلے اور بڑھیں گے اور قتل و غارت گری کرنے والے اور زیادہ نڈر ہوکر، امن و امان کو تہ و بالا اور فتنہ و شر کا بازار اور زیادہ گرم کردیں گے اور پھر بات بنائے نہ بنے گی۔ لیکن جب قاتل کو اس کے اس بھیانک جرم کی بھرپور سزا دے دی جائے گی تو دوسرے مجرموں کو بھی اپنا عبرت ناک انجام نظر آئے گا اور وہ اپنی ناشائستہ حرکات اور قتلِ ناحق سے باز آجائیں گے اور اس طرح ایک قاتل کے قتل سے بے شمار جانیں محفوظ و مامون رہیں گی۔

الغرض آیات واحادیث بتاتی ہیں کہ:

(۱) جو قتل کرے گا وہی قتل کیا جائے گا۔ قصاص میں مساوات ملحوظ رہے گی اور خون، خون سب کا برابر سمجھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی

شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ جیسا کہ عربِ جاہلیت میں دستور تھا اور آج بھی بعض ترقی یافتہ ممالک میں ایک گورے کا خون، ایک کالے کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ اسلام نے ایسے تمام ظالمانہ دستوروں کو مٹایا اور اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی، امت کے ہر فرد کی یکساں قابلِ احترام ہے اور مرد ہو خواہ عورت، آزاد ہو یا غلام، وہ قتل کرے یا قتل کر دیا جائے، کوئی ہو، جس کا جو قاتل ہوگا وہی سزا پائے گا۔ ہاں جس کو دلیل شرعی اس حکمِ عام سے مستثنیٰ کر دے، وہ مخصوص ہو جائے گا۔ مثلاً حربی کافر، کہ مسلمانوں کا کھلا ہوا دشمن اور اسلام سے باغی ہوتا ہے اور ہمیشہ اسلام و مسلمین کے درپے آزار اور حالت جنگ میں رہتا ہے، اس کو اگر کوئی مسلمان قتل کر دے تو اس کا قصاص نہیں۔

(۲) مقتول کے اولیاء کو اختیار ہے کہ خواہ قاتل کو بلامعاوضہ معاف کر دیں یا مال پر صلح کر لیں اور اگر ولی مقتول صلح پر راضی نہ ہو قصاص ہی چاہے تو قصاص ہی فرض رہے گا۔ ہاں جس قاتل کو، مقتول کے اولیاء سزائے قتل نہ دینا چاہیں، بلکہ اسے کوئی ہلکی سزا دے کر، یا خون بہا کی پوری رقم میں سے کوئی حصہ اسے معاف کر کے اسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائیں تو اب قاتل کو چاہیے کہ جتنی رقم کی قرارداد ہو چکی اسے خوش اسلوبی سے ادا کر دیں۔ ادھر مقتول کا ولی خون بہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت اور آدمیت سے کریں۔

(۳) ولی مقتول کو (اَخِیْہِ) قاتل کا بھائی فرمانے میں دلالت ہے اس امر پر کہ قتل اگرچہ اکبر الکبائر یعنی گناہ کبیرہ ہے مگر اس سے اخوتِ ایمانی منقطع نہیں ہوتی اور قاتل دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ مقتول کا ولی و وارث، قاتل کا دینی بھائی اس وقت بھی رہتا ہے تو اب بھی ایسے نیک سلوک کا مستحق ہے جو مسلمان بھائی کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔

(۴) ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی اور دوسری طرف دیت و عفو کی نرمی۔ یہ حسنِ امتزاج اور اعتدال و توازن کا یہ مکمل قوام اسی قانون کا حصہ ہو سکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں حکمت مطلق سے نکلا ہوا ہو۔

(۵) قصاص میں زیادتی کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ کسی بے گناہ پر جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کر دیا اور پھر معافی کے بعد پورے قصاص کے درپے ہو گئے۔ یا قاتل کو قتل کر دیا یا دستورِ جاہلیت کے مطابق غیر قاتل کو قتل کر دیا۔ ایسے بے دردوں اور ناخدا ترسوں کو صرف خوفِ آخرت اور دردناک عذاب کا تصور ہی بے جا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔

(۶) قتل عمد یہ ہے کہ دھار دار آلہ مثلاً تلوار، چھری، خنجر، تیر، بلم، تبریہ سب آلۂ جارحہ ہیں۔ گولی اور چھری سے قتل کرنا بھی اسی میں داخل ہے بلکہ اگر لکڑی اور بانس کی کھپچی میں دھار نکال کر قتل کیا یا دھار دار پتھر سے، یا لوہے، تانبے، پیتل وغیرہ کی کسی چیز سے قتل کیا تو یہ بھی قتل عمد میں شامل ہے۔ (ہدایہ، درمختار وغیرہ)

(۷) قتل عمد کے سوا قتل ناحق کی چار صورتیں اور بھی ہیں۔

۱۔ **قتل شبہ عمد:** وہ یہ ہے کہ قصداً قتل کرے مگر اسلحہ سے، یا جو چیزیں اسلحہ کے قائم مقام ہیں ان سے قتل نہ کرے بلکہ لاٹھی یا پتھر سے مار ڈالا۔

۲۔ **قتل خطا:** اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے گمان میں غلطی ہوئی۔ مثلاً اس کو شکار سمجھ کر گولی چلائی حالانکہ وہ شکار نہ تھا بلکہ انسان تھا اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے فعل میں غلطی ہوئی۔ مثلاً شکار یا چاند ماری پر گولی چلائی اور لگ گئی آدمی کو کہ ہاتھ بہک گیا اور گولی شکار کی بجائے آدمی کو لگی۔

۳۔ **قائم مقام خطا:** اس کی صورت یہ ہے کہ نہ گمان میں اس سے کوئی غلطی ہو، نہ فعل میں بلکہ کسی قصد و ارادہ کے بغیر اس سے ایسا فعل سرزد ہوا جو دوسرے کی موت کا باعث بنا۔ مثلاً کوئی شخص سوتے میں کسی پر گر پڑا اور یہ مر گیا یا چھت سے کسی انسان پر گرا اور وہ مر گیا۔ اس صورت میں قتل کا گناہ تو اس پر نہیں مگر اس کا گناہ ہے کہ اس کی بے احتیاطی سے دوسرے کی جان گئی۔ یہ احتیاط برتتا تو اس کی جان ضائع نہ ہوتی۔

۴۔ **قتل بالسبب:** اس کی صورت یہ ہے کہ جیسے کسی شخص نے دوسرے کی ملک میں کنواں کھدوایا، یا بڑا سا پتھر رکھ دیا یا راستہ میں لکڑی رکھ دی۔ اب کوئی شخص کنوئیں

میں گر کریا پتھر اور لکڑی سے ٹھوکر کھا کر مر گیا تو اس کی موت کا سبب وہ شخص ہے جس نے کنواں کھودا یا راستہ میں پتھر وغیرہ رکھ دیا تھا۔ (درمختار)

(۸) قتلِ عمد کی سزا دنیا میں فقط قصاص ہے یا اولیائے مقتول کی جانب سے مال لے کر مصالحت۔ شبہ عمد کی صورت میں قاتل گناہگار ہے اور اس پر کفارہ بھی واجب۔ اور ساتھ ہی قاتل کے عَصبہ پر دیت ہے جسے وہ تین سال میں ادا کریں گے۔ قتل خطاء کی صورت میں قاتل پر کفارہ ہے اس کے عصبہ پر دیت۔ یہی احکام قائم مقام خطا کی صورت میں ہیں۔ البتہ قتل بالسبب کی صورت میں قاتل پر کفارہ نہیں بلکہ اس کے عصبہ پر دیت ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۹) قتل کی پہلی چار صورتوں میں قاتل میراث سے محروم رہتا ہے۔ یعنی اگر قاتل نے اپنے مورث کو قتل کر دیا تو اس کا ترکہ اسے نہیں ملے گا۔ (ہدایہ)

(۱۰) ایک شخص کو چند شخصوں نے مل کر قتل کیا، اس کے بدلے میں یہ سب قتل کیے جائیں گے۔ (عالمگیری)

(۱۱) مسلمان نے کسی مرتد یا مرتدہ کو (مثلاً قادیانی کو خواہ مرد یا عورت) قتل کر ڈالا تو اس صورت میں قصاص نہیں۔ قصاص اس صورت میں واجب ہوتا ہے جب کسی ایسے کو قتل کیا جس کے خون کی حفاظت ہمیشہ کے لیے اور مرتد میں یہ بات نہیں۔

(عالمگیری وغیرہ)

(۱۲) قصاص میں شرط یہ ہے کہ قاتل مکلف ہو یعنی عاقل بالغ۔ مجنون یا نابالغ سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اگر مجنون، قتل کے وقت عاقل تھا اور بعد میں مجنون ہو گیا مگر قتل کے لیے ابھی حوالے نہیں کیا گیا ہے تب بھی قصاص ساقط ہو جائے گا اور اگر قصاص کا حکم ہو چکا اور اسے قتل کرنے کے لیے دیا جا چکا ہے، اس کے بعد مجنون ہوا تو قصاص ساقط نہیں ہو گا۔ ان صورتوں میں جہاں قصاص نہیں، بجائے قصاص اس پر دیت لازم ہو گی۔ (درمختار وغیرہ)

(۱۳) دیت اس مال کو کہتے ہیں جو جان ضائع کرنے کے بدلے میں واجب ہوتا ہے۔ قتل عمد کے سوا قتل کی چار صورتوں میں، دیت یعنی خون بہا، عصبات پر واجب ہوتا

ہے۔ البتہ قتل عمد کی ہر اس صورت میں، جس میں کسی شبہ کے باعث قصاص ساقط ہو جائے مجرم کے اپنے مال میں دیت لازم آتی ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۱۴) دیت صرف تین قسم کے مالوں سے ادا کی جاتی ہے۔

اونٹ ایک سو جن کی عمریں مختلف ہوں۔

یا ایک ہزار دینار (ایک دینار، ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ ہو) یا دس ہزار درہم (جبکہ دس درہم شرعی کی مقدار دو تولے ساڑھے سات ماشہ ہے) اور قاتل کو اختیار ہے کہ ان تینوں میں سے جو اسے میسر ہو، ادا کرے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۱۵) اصول نے فروغ کو قتل کیا مثلاً باپ، ماں، دادا، دادی، نانا، نانی نے اپنے بیٹے یا پوتے یا نواسے کو قتل کر دیا تو اس میں قصاص نہیں بلکہ خود اس قاتل سے دیت دلوائی جائے گی بلکہ باپ کے ساتھ اس قتل میں کوئی اجنبی بھی شریک تھا تو اس اجنبی سے بھی قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس سے بھی دیت ہی لی جائے گی۔ (درمختار، ردالمختار)

(۱۶) جس کو زخمی کیا گیا، اس نے مرنے سے پہلے معاف کر دیا، یا اس کے اولیاء نے مرنے سے پہلے معاف کر دیا تو یہ معافی جائز ہے۔ یعنی اب قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(درمختار)

(۱۷) قتل ناحق میں قاتل کے ساتھ تین حق متعلق ہیں۔ ایک حق اللہ، دوسرا حق مقتول اور تیسرا حق ولی مقتول۔ ولی مقتول اپنا حق معاف کر دے، یہ ہو سکتا ہے مگر حق اللہ اور حق مقتول بدستور باقی ہیں، ولی کے معاف کرنے سے وہ معاف نہ ہوئے۔

(ردالمختار)

تنبیہ: آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پیر، کلائی، پنڈلی، ہونٹ، زبان، انگلیاں اور بدن کے دوسرے اعضاء و اطراف کو تلف و ضائع کر دینا، یا انہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانا یا کسی ضرب سے اس کو عیب ناک بنا دینا، یہ افعال بھی شرعاً جُرم ہیں اور ان میں بھی حکمِ قصاص ہے۔ البتہ اعضاء میں قصاص وہیں ہو گا جہاں مماثلت و مساوات کی رعایت کی جا سکے یعنی جتنا اسے نقصان پہنچایا ہے اتنا ہی اس سے اس جرم کی پاداش میں بدلہ لیا جا سکے۔ یہ احتمال نہ ہو کہ اس سے زیادتی ہو جائے گی مثلاً کسی کا ہاتھ جوڑ سے کاٹ دیا۔

جائے۔ البتہ یہ نہ دیکھا جائے گا کہ ایک کا ہاتھ بڑا تھا اور دوسرے کا چھوٹا تھا بلکہ ہاتھ یکساں قرار پائیں گے کہ منفعت دونوں کی یکساں ہے۔ اور اگر کلائی یا پنڈلی درمیان سے کاٹ دی یعنی جوڑ پر سے نہیں کاٹی بلکہ آدھی یا کم و بیش کاٹ دی تو قصاص نہیں کہ یہاں مساوات و مماثلت ممکن نہیں۔ ہاں دیت یعنی مالی معاوضہ لازم آئے گا۔

بہرحال اطراف و اعضاء کی جنایت میں بڑی تفصیل ہے اور بظاہر معمولی سے فرق سے حکم بدل جاتا ہے۔ اس لیے ان صورتوں میں علمائے اہلِ سُنّت ہی کی طرف رجوع کریں اور انہیں سے تفصیلی احکام معلوم کریں۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۶۵) مرض الموت اور وصیت کے متعلق

اللہ تعالیٰ حادثات اور ناگہانی اموات سے اپنی پناہ و حفاظت میں رکھے اور بقائے ہوش و حواس کے ساتھ کلمۂ اسلام، کلمۂ طیبہ پر موت نصیب فرمائے۔ آمین۔ کہنا یہ ہے کہ موت کا کوئی نہ کوئی بہانہ ہوتا ہے اور عموماً آدمی کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے لیکن جب تک سانس ہے آس ہے تو جب تک آدمی کے سانسوں کی آمدورفت جاری ہے۔ اس لیے آدمی کیسا ہی بیمار کیوں نہ ہو جائے کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیماری کون سی ہے جس میں مریض اس دارفانی سے دار آخرت کی طرف کوچ کر جائے گا تو محض موت کا خوف و اندیشہ، کسی بیماری کو مرض الموت نہیں بنا سکتا۔ ہمارے علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ فالج، دق، سل جیسے امراض اگر ایک سال سے تجاوز کر جائیں تو اس مریض کا حکم شرعاً مثل صحیح تندرست کے ٹھہرتا ہے۔ اگرچہ مریض چلنے پھرنے سے معذور و مجبور ہو جائے۔ جب بھی اسے مرض الموت نہ کہا جائے گا ولہٰذا وہ ان ایام مرض میں جو کچھ تصرفات کرے گا مثلاً کسی چیز کی خرید و فروخت کی، یا وارث خواہ غیروارث کو کوئی چیز بخشش بطور دے دی اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہ معاملات، صحیح و تندرست کے تصرفات کی طرح صحیح و نافذ ہیں۔ حالانکہ موت کا خوف و اندیشہ تو یہاں بھی رہتا ہے۔ ہاں ایسے امراض کہ مدتوں رہتے ہیں، ان کے مرض الموت ہونے کے لیے علمائے کرام نے سال بھر کی حد مقرر فرمائی

ہے۔ اگر سال کے اندر اندر کسی ایسے مرض سے مثلاً فالج میں مبتلا ہو کر آدمی مر گیا تو
اب اس مرض کو مرض الموت قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ ہوش و حواس بالکل صحیح ہوں
اس لیے ہوش و حواس کا مختل و خلل پذیر ہو جانا کچھ مرض الموت کے لیے شرط نہیں۔

تو کہنا یہ ہے کہ صرف خوف و اندیشۂ موت سے کوئی بیماری مرض الموت نہیں ہو
جاتی۔ اس لیے کہ فالج و سل و دق کے مریض اس سے کبھی خالی نہیں ہوتے۔ اگرچہ
دس برس گزر جائیں بلکہ یہاں خوف غالب و اندیشہ شدید درکار ہے کہ روز بروز مریض
کا حال بدتر اور مرض ترقی پذیر ہوتا جاتا ہے۔ مرد اس قابل نہیں رہتا کہ باہر کے امور
انجام دے سکے اور عورت خانگی اور خانہ داری کے امور سے معذور ہو جاتی ہے اور
موت کا قوی احتمال رہتا ہے اور یہ مرض ایک سال سے تجاوز بھی نہیں کرتا تو اسے
مرض الموت کہتے ہیں۔

اسے یوں سمجھیں کہ ایک آدمی سال دو سال سے بخار میں مبتلا ہے۔ گھر باہر کے
کچھ نہ کچھ کام انجام بھی دے لیتا ہے یا گھر میں کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے تو یہ مرض الموت
نہیں۔ ہاں اچانک اس پر اس بخار کا شدید حملہ ہوا اور پھر پلنگ سے اٹھنا نصیب نہ ہوا۔
ایک ہفتہ عشرہ میں چٹ پٹ ہو گیا تو یہ ہفتہ عشرہ جو اس حال میں گزرا وہ مرض الموت
ہے۔ اس سے پہلے جو مریض بخار میں مبتلا رہا وہ مرض الموت نہ تھا یا پھر وہ مرض ہی ایسا
ہو کہ موت کا احتمال قوی ہو جیسے ہیضہ طاعون، مرض الموت کی حالت میں مریض کے
بہت سے تصرفات جاری و نافذ نہیں مانے جاتے۔ مثلاً اس حالت میں اس نے تمام مال کی
وصیت کسی کے لیے کر دی تو یہ کل مال میں نافذ نہ ہوگی۔ وعلی ھذا القیاس۔

وصیت کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں اس سے مراد وہ
ہدایتیں ہوتی ہیں جو وصیت کر جانے والے کی موت کے بعد قابلِ عمل در آمد ہوتی ہیں۔
فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ (۱) بعض وصیتوں کی تعمیل
درجہ واجب میں ہے۔ (۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ (۳) بعض صرف مباح
ہوتی ہیں (۴) اور بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جو ممنوع ہوتی ہیں۔ ایسی وصیتیں کالعدم سمجھی
جائیں گی۔ مثلاً کسی فعل حرام کے لیے وصیت کر جانا (۵) اور بعض وصیتیں موقوف

کہلاتی ہیں۔ ان کی تعمیل شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے، جیسا کہ آئندہ آتا ہے۔

(۶۶) چند مسائل متعلقہ

(۱) تہائی مال کی وصیت اگرچہ مستحب ہے مگر جب ورثہ محتاج ہوں اور انہیں اس
کے متروکہ سے ہر ایک کو اتنا نہ پہنچتا ہو جو اسے غنی کر دے تو وصیت نہ کرنا ہی اولیٰ
ہے۔ البتہ ادائے دَین کے بعد وصیت جبکہ مرنے والے کے تمام مالِ متروکہ کے ثلث
یعنی تہائی (۱/۳) سے زیادہ نہ ہو تو واجب النفاذ ہے۔ وارث بھی اسے بند نہیں کر سکتے۔
(فتاویٰ رضویہ)

(۲) زوجہ کے لیے وصیت، دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں۔ البتہ اگر دَین
مہر، واجب الادا ہے تو وہ تقسیم ترکہ سے مقدم ہوگا۔ یعنی پہلے دَین مہر ادا کریں پھر ترکہ
کی تقسیم۔ (درمختار وغیرہ)

(۳) کسی نے وصیت کی کہ میری جائیداد کا اتنا منافع مثلاً مدینہ منورہ کے فقراء کو بھیج
دیا جایا کرے تو جہاں کے فقراء کو ادا کریں گے، وصیت پوری ہو جائے گی۔ کچھ خاص
مدینہ منورہ ہی بھیجنا ضروری نہیں، ہر جگہ کے فقراء کو دینا جائز ہے۔ (درمختار وغیرہ)

(۴) تجہیز و تکفین شرعی یعنی بقدر سنت، مصارف غسل و کفن و دفن (فاتحہ درود کے
مصارف اس میں شامل نہیں) کے بعد اور پھر ادائے قرض کے بعد، جس قدر جائیداد،
منقولہ خواہ غیر منقولہ بچے، اس کے تیسرے حصے میں وصیت جاری و نافذ ہو سکتی ہے اور
اگر متوفی نے تیسرے حصے سے زیادہ کی وصیت کی تھی تو اس زائد پر نافذ ہونا وارثوں کی
اجازت پر موقوف رہتا ہے۔ اگر وہ نفاذ کی اجازت دیں تو نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔
(ہدایہ وغیرہ)

(۵) ایک شخص حلفیہ بیان کرتا ہے کہ میری بیوی نے مرض الموت میں مہر معاف
کر دیا تھا تو اگر شہادتِ شرعیہ سے یہ بات ثابت ہو جائے جب بھی معتبر نہیں۔ اس لیے
کہ یہ ہبہ ہے اور مرض الموت میں ہبہ کرنا، حکم وصیت میں ہے اور شوہر وارث ہے

اور وارث کے لیے وصیت، باقی ورثہ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۶) مریض کہ مرض الموت میں مبتلا ہے۔ صرف ثلث یعنی تہائی مال سے ہبہ کر سکتا ہے اور یہ ہبہ بھی اس وقت درست ہے کہ اس کی زندگی میں موہوب لہ (جسے ہبہ کیا گیا ہو) قبضہ کر لے۔ اس نے قبضہ نہ کیا تھا کہ مریض مر گیا تو ہبہ باطل ہو گیا۔ (عالمگیری)

(۷) کسی شخص نے متعدد وصیتیں کیں جو ثلث مال میں انجام نہیں پا سکتی ہیں اور اس سے زیادہ خرچ کرنے کی وارث اجازت نہیں دیتے تو ان میں جو وصیتیں فرض و واجب سے متعلق ہیں وہ دوسری وصیتوں پر مقدم ہیں۔ اگرچہ اس نے انہیں موخر رکھا ہو۔ اس لیے کہ فرض و واجب، نفل و مستحب پر مقدم ہیں۔ مثلاً وصیت کی کہ میری نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے اور ایک کنواں بنا دیا جائے اور دونوں کام ثلث میں پورے نہیں ہو سکتے تو نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے اور کنواں ملتوی رکھا جائے۔

اور اگر تمام وصیتیں فرضیت و وجوب وغیرہ میں برابر ہوں تو جسے اس نے مقدم رکھا، پہلے اسی کی تکمیل ہوگی۔ مثلاً وصیت کی کہ میری نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے تو اسے مقدم رکھیں جسے اس نے مقدم رکھا۔ مثلاً یہاں نمازیں۔ وعلی ھذا القیاس۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۸) وصیت کی کہ میری جانب سے حج ادا کر دیا جائے تو اگر اس کے وطن سے مکہ معظمہ تک آمد و رفت اور دوسرے ضروری مصارف ثلث مال میں پورے ہو سکتے ہیں تو اس کی جانب سے اس کے وطن ہی سے کسی کو بھیج کر حج ادا کر دیا جائے ورنہ جہاں سے ممکن ہو وہیں سے کسی کو حج کے لیے بھیج دیا جائے۔ (درمختار)

(۹) وصیت کی کہ فلاں صاحب مجھے غسل دیں، یا فلاں بزرگ میری نماز جنازہ پڑھائیں یا مجھے فلاں کپڑے کا کفن دیا جائے یا فلاں مقام پر دفن کیا جاؤں تو ایسی وصیتوں کا پورا کرنا لازم نہیں۔ ہاں کوئی مانعِ شرعی نہ ہو اور ورثہ اس کی خواہش پوری کر دیں تو بہتر ہے۔ (ردالمحتار وغیرہ)

(۱۰) لڑکا فاسق و بدچلن ہے اور یہ گمان ہے کہ اس کے بعد یہ اموال، وہ بدکاری و گناہ میں خرچ کر ڈالے گا تو اس کے لیے چھوڑ جانے سے یہ بہتر ہے کہ نیک کاموں میں

یہ اموال صرف کر ڈالے۔ اس صورت میں اسے میراث سے محروم کرنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں کہ یہ حقیقتاً میراث سے محروم کرنا نہیں بلکہ اپنے اموال و اپنی کمائی کو حرام و ناجائز امور میں خرچ کرنے سے بچانا ہے۔ (عالمگیری)

اور یہیں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نافرمان اولاد کو عاق کر دینے سے، وہ اولاد ترکہ سے محروم نہیں ہوتی اور نہ یہ وصیت کارآمد ہوتی ہے کہ میرے مال سے میرے فلاں وارث کو کچھ نہ دیا جائے کہ موت کے بعد، اب یہ مال اس کا نہیں کہ اس کا زور چلے اور اس کا حکم مانا جائے۔ لہٰذا تدبیر وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

(۶۷) یاد رکھنا چاہیے کہ:

(۱) قرآنِ کریم میں حکمِ وصیت، آیتِ میراث کے نزول سے (جس میں حقداروں کے حصے معین کر کے بتا دیئے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔ اس لیے قدرتاً اب اس پر عمل درآمد، اس آیت متاخر و مابعد ہی کے تحت ہوگا اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں، ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔ لہٰذا جائیداد کی تقسیم اب آیتِ میراث کے بموجب ہوگی۔ اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں یہ وصیت فرض تھی۔ جب میراث کے احکام نازل ہوئے تو وہ حکم وصیت منسوخ کیا گیا اور اس وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا۔ بجز جائیداد و مال متروکہ کے ایک ثلث کے کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے بشرطیکہ وارث محتاج نہ ہوں یا ترکہ ملنے پر محتاج نہ رہیں ورنہ ترکہ وصیت سے افضل ہے۔

(۲) وارثوں میں میراث کی تقسیم اسی وقت ہوگی جب پہلے مورث کا قرض ادا ہو لے اور اگر وہ ایک ثلث جائیداد سے متعلق کچھ وصیت کر گیا ہے تو اس وصیت کا اجرا ہو لے۔ فقہاء نے یہاں دو قاعدے اور بیان کیے ہیں: ایک یہ کہ قرض اور وصیت میں ادائے قرض مقدم ہے گو کہ قرآن عظیم میں لفظ وصیت پہلے مذکور ہے۔ حدیث شریف

میں ہے کہ:

اِنَّ الدَّیْنَ قَبْلَ الْوَصِیَّۃِ۔ یعنی دین، وصیت پر مقدم ہے۔

دوسرے یہ کہ ادائے قرض اور اجرائے وصیت ان دونوں سے بھی پہلے مورث کی تجہیز و تکفین، بطریقِ مسنون کے لیے خرچ نکالنا ضروری ہے۔

(۳) وصیت کرنے والے کو چاہیے کہ وصیت میں معقول و پسندیدہ طریقہ اپنائے۔ دستور شریعت کے موافق عدل کرے، حاجت کا لحاظ رکھے اور ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کرے اور محتاجوں پر مالداروں کو ترجیح نہ دے۔ (قرآن کریم)

(۴) جو شخص وصیت کو سن سنا کر بدل دے، خواہ وصی ہو یا ولی یا شاہد، اور وہ تبدیلی کتابت میں کرے یا شہادت میں۔ اگر وہ وصیت موافق شرع ہے تو بدلنے والا گناہگار ہوگا۔ مثلاً جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے اور وہ گواہ اس میں اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کر دیں جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے تو اس کا سارا وبال انہیں پر ہے۔ (قرآن کریم)

(۵) جسے اندیشہ ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ بے انصافی یا گناہ کیا اور وہ اس بنا پر ازراہِ اخلاص و خیر خواہی، وصیت میں تبدیلی کر دے، جس سے اس بے ضابطگی یا معصیت کی اصلاح ہو جائے اور وارثوں میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو اور وارثوں میں باہم مصالحت ہو جائے تو یہ شخص گناہگار نہیں کیونکہ اس نے حق کی حمایت کے لیے باطل کو بدلا خواہ یہ خود وارث ہو یا وصی یا حاکم اسلام یا امت مسلمہ کا کوئی صائب الرائے، واقف کار، جو جانتا ہے کہ وصیت بے ضابطہ ہے یا خلافِ قاعدۂ شرعی۔

(قرآن کریم)

(۶) مورث کسی وارث کو نقصان نہ پہنچائے نہ عملاً نہ ارادتاً۔ عملاً یہ کہ اپنے وارثوں کو تہائی سے زیادہ وصیت کر دی۔ ایسی وصیت قانونِ شرع کے خلاف ہونے کی بنا پر ناقابلِ نفاذ ہوگی اور ارادتاً یہ کہ وصیت رکھے تو ایک تہائی کے اندر، لیکن نیت و مقصود یہ ہو کہ کسی وارث کا حصہ کٹ جائے۔ ایسی وصیت کا نفاذ قانونی تو ہو جائے گا لیکن وصیت کرنے والا عند اللہ گناہگار ہوگا۔ (قرآن کریم)

(۶۸) فرائض و مسائل میراث کا بیان

فرائض جمع ہے فریضہ کی اور فریضہ کے معنی ہیں ہر وہ حکم شرعی جس کی تعمیل لازم ہو فریضہ کا اطلاق کسی حصہ مقررہ و معینہ پر بھی آتا ہے اور اسی بنیاد پر مسائل میراث کو علم الفرائض کہتے ہیں۔ یعنی وہ اصول و قواعد و ضوابط، جن کی مدد سے مورث کے وارثوں میں سے ہر وارث کا حصہ، اس کے ترکہ سے معلوم و متعین ہو جائے۔ ان ورثہ میں عصبات بھی داخل ہیں اور ذوی الارحام بھی، جبکہ اصحاب فرائض ان میں اصل الاصول ہیں۔

علم الفرائض وہ علم شریف ہے جس کی تعلیم نہایت وضاحت سے خدا و رسول نے فرمائی ہے۔ یعنی قیاس کو ان احکام میں کوئی دخل نہیں۔ اس کے مسائل و احکام کا تمام تر دارومدار قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت پر ہے۔

یہی وہ علم شریف ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں آیا کہ "علمِ فرائض خود سیکھو اور دوسرے لوگوں کو بھی سکھاؤ"۔ (دارمی) ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ "فرائض کو سیکھو کیونکہ وہ تمہارے دین سے ہے"۔ (دارمی) ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ "تم فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ کہ یہ (تمام علوم) دین کا نصف علم ہے"۔ (بیہقی) اور علم فرائض کو نصف علم اس لیے فرمایا کہ آدمی کی دو ہی حالتیں ہیں۔

ایک حیات، دوسری بعد الممات۔ یعنی ایک زندگی سے متعلق ہے اور دوسری کا تعلق اس کی موت سے ہے کہ مرنے کے بعد اس کے ترکہ کا کیا بنے گا۔

علم میراث میں اسی حالت بعد الممات کا ذکر ہوتا ہے جبکہ دیگر علوم میں زندگی سے متعلق دوسرے تمام حالات کا۔ اس اعتبار سے یہ نصف علم ہوا۔ (واللہ ورسولہ اعلم)

اس حدیث شریف کی اور بہت سی توجیہات، علمائے کرام نے ارشاد فرمائی ہیں جن سے ہم قصداً صرف نظر کرتے ہیں کہ مقصود سے غیر متعلق ہیں۔

تو کہنا یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات مبارکہ کا نتیجہ تھا کہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس علم شریف کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور دوسروں تک بھی اس علم شریف کو پہنچایا اور انہیں تاکید کی کہ اس علم کو دوسروں تک پہنچانے میں کسی کوتاہی کو عمل میں نہ لائیں۔

اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جو شخص قرآن سیکھے اسے علم فرائض بھی سیکھ لینا چاہیے"۔

یعنی آدمی جتنا اہتمام اور جس قدر تگ ودو، علم قرآن کی تحصیل میں کرتا ہے اتنی ہی سعی و کوشش، علم فرائض کی تحصیل میں کرے، اور ابو موسیٰ اشعری کہ آپ بھی اس علم شریف میں امتیاز خاص کے حامل تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ "جو شخص قرآن سیکھے اور فرائض نہ سیکھے وہ ایسا ہے جیسے بے چہرہ کا سر"۔ یعنی بے رونق اور جاذبیت سے خالی۔ کہ نہ خود فیض پا سکتا ہے نہ دوسروں کو فیض پہنچا سکتا ہے۔

(۶۹) علمائے احناف ارشاد فرماتے ہیں کہ

میت کے ترکہ یعنی اموال متروکہ سے ترتیب وار چار حقوق معلق ہیں:

(۱) میت کی تجہیز و تکفین یعنی مطابق سنت غسل و کفن و دفن وغیرہ۔

(۲) میت نے اپنے اوپر کوئی دَین چھوڑا ہو تو اس کی ادائیگی۔

(۳) کوئی وصیت کی ہو تو ایک ثلث (۱/۳) میں اجرائے وصیت۔

(۴) ان امور سے فراغت کے بعد اس کے ورثہ میں، بقدر حصہ، میراث کی تقسیم۔

یعنی میت کے ان وارثوں میں مال متروکہ کو تقسیم کر دینا جنہیں قرآن و حدیث اور اجماع امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ نے اس کا وارث ٹھہرایا اور ان کے حصص کو متعین و مقرر فرمایا ہے۔ جیسے ماں، باپ، زوج زوجہ، بیٹا بیٹی اور بھائی بہن کہ ان کے حصص قرآن کریم میں مقرر و معین ہیں۔

یا میت کی سگی بہنوں کی وراثت، اس کی بیٹیوں کے ساتھ کہ سنت سے ثابت ہے

یا دادا کو پوتے کی اور پوتے کو دادا کی وراثت کہ اجماع امت سے اس کا ثبوت ہے۔

ترکۂ میت کے جو ورثہ حقدار ہیں ان کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ پہلے ان لوگوں کا بیان سن لیں جو شرعاً وارث نہیں ہوتے تاکہ بہت سی غلط روایات کا خاتمہ ہو جائے اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ اس لیے یاد رکھیں کہ:

(۱) سوتیلے ماں باپ اور سوتیلی اولاد میں میراث جاری نہیں ہوتی۔ لہٰذا شوہر کے انتقال کے بعد اس کی زوجہ کی اولاد، جو اس کے پہلے شوہر سے ہو، اپنے سوتیلے باپ کے اموال میں حقدار نہیں۔ یونہی یہ باپ بھی اس سوتیلی اولاد کے مال کا مستحق نہیں۔ ہاں کوئی اور وجہ ان میں سے کسی کو اس کا وارث بنا دے تو اور بات ہے۔ مثلاً زید، عمرو کا سوتیلا بیٹا بھی ہے اور بھتیجا بھی اور ذوی الفروض میں عمرو کا کوئی وارث زندہ نہیں تو زید عصبہ بن کر اس کے مال کا مستحق ہو جائے گا۔

(۲) شوہر کے ماں باپ، بھائی بہن وغیرہم، زوجہ کے حق میں محض اجنبی ہیں تو جس طرح زوجہ کی وراثت میں اس کے سسر، دیور، دیورانی، جیٹھ، جیٹھانی، نند، نندوئی کا کوئی حصہ نہیں۔ یونہی ان کی وراثت کا کوئی حق نہیں۔ نہ زوجہ کے رشتہ دار، اپنے داماد کی میراث پائیں گے اور نہ داماد کو ان لوگوں کا ترکہ ملے گا۔

یونہی بہنوئی انتقال کر جائے تو سالے سالیوں کو بہنوئی کے مال سے کچھ ملے گا اور نہ بہنوئی کو ان کے مال سے کچھ دلایا جائے گا۔

(۳) وہ دو مرد کہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ان کی بیبیوں کی وراثت میں بھی ان کا حق ہو جائے۔ مثلاً بیٹا بھائی وارث ہے مگر اس کی زوجہ وارث نہیں اور نہ ان میں سے کوئی اس کی زوجہ کا وارث ہے۔

(۴) جو عورت اور مرد باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کے شوہر اور اس مرد میں بھی وراثت کے احکام جاری ہوں۔ مثلاً پوتی کے ساتھ علاقۂ میراث ہے، اس کے شوہر کے ساتھ نہیں۔

(۵) جو شخص وارث نہ ہو تو محض اس کی خدمت و پرورش، اسے وارث نہیں بنا سکتی

مثلاً وہ بچہ جسے پالا پرورش کیا وہ اس پرورش کرنے والے کا یا یہ اس کا وارث نہیں ہو سکتا۔

(۶) زنا کی وجہ سے کوئی علاقہ میراث کا قائم نہیں ہوتا، تو جو اولاد زنا سے پیدا ہوئی وہ اپنے ناجائز باپ کی وارث نہیں۔

(۷۰) بعض آیاتِ قرآنیہ کی اجمالی تفصیل

(۱) یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے (ورثہ کے متعلق) تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (یعنی اگر میت نے بیٹے اور بیٹیاں دونوں چھوڑے ہوں تو دختر کا حصہ، پسر سے آدھا ہے)

ترکہ کی تقسیم اجتماعی و معاشرتی زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے ہے اور اس کی عادلانہ تقسیم پر معاشرہ کی فلاح و بہبود کا بہت کچھ دارومدار ہے۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے نہ اسے مورث کے ارادہ و اختیار پر چھوڑا ہے اور نہ اسے مورث کے ارادہ و اختیار پر موقوف رکھا ہے اور نہ اسے سیاہ و سپید کا مختار کل بنایا ہے بلکہ حصوں کی ہر تقسیم اور ترکہ کا ہر استحقاق، شریعتِ الٰہیہ کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ روشن خیال جب چاہیں اٹھیں اور اس قانون میں قطع و برید کر کے رکھ دیں۔ آیۂ کریمہ میں صراحتاً یہ بات بیان فرمائی جا رہی ہے اور تصریح سے یاد دلایا جا رہا ہے کہ یہ احکام کسی بندے کے تجویز کیے ہوئے نہیں ہیں، حکیم مطلق اور عالم الغیب، حاکم برحق کے ارشاد کیے ہوئے ہیں۔

اور اسی آیۂ کریمہ میں ایک عام اصل قانون بیان کر دیا کہ ہر لڑکے کو (لڑکی کی موجودگی میں) دہرا، اور ہر لڑکی کو اکہرا ملے گا۔ خواہ لڑکا اور لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی کئی۔

دنیا میں بہت سی ایسی قومیں ہیں جن میں لڑکی کا سرے سے کوئی حصہ نہیں اور زمانہ جاہلیت یعنی زمانہ قبل اسلام میں بھی ترکہ کے حقدار صرف مرد اور مردوں میں بھی

بالغ و قابلِ حرب مرد تھے۔ ایسے قانون کا ظالمانہ اور خلافِ فطرت ہونا بالکل ظاہر ہے لیکن اب اس کے رد عمل کے طور پر بعض حلقوں سے جو یہ صدا اٹھی ہے کہ مرد و عورت کا حصہ مساوی ہونا چاہیے۔ یہ دوسری بے اعتدالی اور کورانہ پس روی ہے۔

عورت کی فطری ساخت، جسمانی ترکیب اور ایسے ہی دوسرے امور اور خانگی فرائض نے عورت کو اس قابل ہی نہیں رکھا ہے کہ تربیتِ نسل اور پرورشِ بچگان کے ساتھ ساتھ، اس پر فکرِ معاش اور روزی کمانے کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جائیں۔ قدرتِ الٰہیہ اور صحیح سچی شریعتِ مطہرہ نے اس کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے۔ گھر اور خاندان کا خرچ برداشت کرنا اس کے سر رکھا ہے کہ کمائے اور انہیں کھلائے پلائے، اس لیے ظلم نہیں بلکہ عین عدل اور سراسر انصاف ہے کہ ترکہ میں اسے حصہ بھی بڑا ملے۔ پھر ہر شادی شدہ عورت کو حصول میراث کے موقع پر دوہرے حصے حاصل ہوتے رہتے ہیں، ایک ادھر میکہ میں ماں باپ کے ترکہ میں سے حصہ، دوسرا ادھر سسرال میں شوہر کے ترکہ میں سے حصہ۔ نہ اسے کوئی چھین سکتا ہے نہ اس سے کوئی ناحق کر سکتا ہے جبکہ بعض حالات میں بھائی کی جائیداد میں بھی یہ مستحق وراثت ہے۔

اس طرح عورت ظاہری اعتبار سے بھی گھاٹے میں نہیں رہتی، پھر بھی صنفِ نازک کے یہ "غم گسار" اسی غم میں دہرے ہوئے جاتے ہیں کہ ہائے عورت کو مرد کے مساوی کیوں ترکہ نہ ملا۔

(۲) اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَکُمْ نَفْعًا۔

تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا۔

احکامِ میراث کا بیان ابھی جاری ہے، اس دوران جتایا جا رہا ہے کہ متوفی کے ترکہ کی تقسیم، مورث کی رائے و اجتہاد یا صواب دید پر نہیں چھوڑی گئی ہے کہ وہ جسے اور جتنا مناسب جانے اسے دے بھاگے۔ بلکہ حکیم و خبیر حاکم مطلق نے خود ہی سب قاعدے ضابطے، اموالِ متروکہ کی تقسیم سے متعلق مقرر فرما کر، صراحتاً بالوضاحت بیان فرما دیے ہیں۔ آیت سے حسنِ معاملات کے ساتھ ساتھ حسنِ معاشرہ کی بھی تعلیم نکل

آئی۔ انسان کو چاہیے کہ شفقت و رحمت اور حسن سلوک اپنے سارے بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ رکھے۔ اسے کیا خبر کہ کون، نفع دنیاوی و اخروی میں اس کے زیادہ کام آسکے گا اور دنیاو آخرت میں اسے کون زیادہ نفع پہنچاسکے گا۔

یہ جواب ہے ان سب نادانوں کا جو میراث کے اس خدائی قانون کو نہیں سمجھتے اور معاذاللہ اپنی اندھی اوندھی ناقص عقل سے اس کسر کو پورا کرنا چاہتے ہیں جو ان کے نزدیک اللہ کے بنائے ہوئے قانون میں رہ گئی ہے۔ عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔

یاد رکھئے کہ اٰبَآؤُکُمْ کے تحت میں صرف باپ ہی نہیں بلکہ دادا، پردادا اوپر کے سارے اصول آگئے۔ اسی طرح اَبْنَآؤُکُمْ کے تحت میں نہ صرف صلبی، بلکہ اولاد اور اولاد کے نیچے سارے فروع آگئے اور ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کا بہتر مظاہرہ ہونا چاہیے۔

(۳) وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ — یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے۔

وصیت و ترکہ کے احکام کے ختم کے قریب پھر یاد دلایا کہ یہ سارا قانونِ میراث شریعتِ اسلامیہ کے اور دوسرے احکام کی طرح حاکمِ مطلق اور حکیم برحق کا نازل کیا ہوا ہے۔ کسی انسانی عقل و دماغ کا سوچا ہوا کسی کونسل کمیٹی، مجلس کا وضع کیا ہوا نہیں جو آج پاس ہو کل ترمیم ہو جائے۔

ساتھ ہی ساتھ علم و حلمِ خداوندی کا ذکر فرما کر یہ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل کی بنا پر خوب واقف ہے کہ کون اس قانون پر عامل ہے اور کون اس سے منحرف۔ تو جو اس قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کریں گے وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہ سکیں گے۔ اگرچہ حلم کامل کے اقتضائے سے، بہت دفعہ وہ مجرموں کی فوراً گرفت نہ فرمائے۔

(۴) لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۔

مردوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے۔ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت، حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا۔

آیتِ کریمہ نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ حق میراث مردوں، عورتوں دونوں کو یکساں پہنچتا ہے۔ میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں ہے بلکہ عورتیں بھی اس کی حقدار ہیں۔ اس میں رد آگیا ان لوگوں کا جنہوں نے عورت کو حق وراثت سے محض اس لیے محروم رکھا ہے کہ وہ عورت ہے۔ ہندوؤں کی طرح زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ آیہ کریمہ نے اس رسم کو باطل کر دیا۔

آیہ کریمہ نے صراحتاً یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میراث میں بہرحال تقسیم جاری ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ورثہ آپس میں کچھ لے دے کر مصالحت کرلیں۔ حق مالِ قلیل میں بھی سب کا یکساں ہے اور ہر ایک اپنے مقرر حصہ کا مستحق ہے۔

اور یہ بات بھی آیت کریمہ سے معلوم ہو رہی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال و املاک میں جاری ہو گا۔ خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی یا کسی اور قسم کے مال میں شمار ہوتے ہوں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ میراث کا حق صرف اسی مال میں ہے، جو میت کا مملوک ہو اور یہ حق صرف اسی وقت ہے کہ مرنے والا اسے چھوڑ مرا ہو۔ کسی اور کا حق اس سے متعلق نہ ہو۔

اسی سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار حصہ نہ پائے گا۔ (ماخوذ) واللہ تعالی اعلم۔

(۷۱) ورثہ اور ان کے مقررہ حصے

برصغیر پاک و ہند خصوصاً اور دوسرے ممالک میں عموماً تین قسم کے وارث پائے جاتے ہیں:

(۱) ذوی الفروض: میت کے وہ وارث جن کے سہام یعنی حصے اور مقدار شرعاً متعین و مقرر ہیں۔

(۲) عصبات: یعنی وہ لوگ جو قرابت نسبیّہ کی وجہ سے مستحق میراث ہوتے ہیں یا یوں کہیں کہ میت سے نسبی علاقہ رکھنے والے وہ لوگ، جن کے میت کے ساتھ رشتہ و تعلق میں، عورت کا واسطہ نہ آئے اور شریعت میں ان کا کچھ حصہ مقرر نہ ہو۔ اگر تنہا ہوں تو کل مال کے مستحق ہوں اور اگر اصحاب فرائض کے ساتھ ہوں تو اصحاب فرائض کی پورے حصّے نکال لینے کے بعد، جو کچھ باقی بچے وہ ان کو مل جائے، ورنہ محروم رہیں۔ غرض ان کا کوئی حصہ مقرر نہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اصحاب فرائض سے بھی ہو اور عصبات سے بھی اور وہ دونوں جہتوں سے میراث پائے۔ جیسے باپ کہ ذوی الفروض میں بھی ہے اور عصبات میں بھی۔

(۳) ذوی الارحام: یہ وہ قرابت دار ہیں جن کا نہ کوئی حصّہ مقرر ہے اور نہ وہ قرابت نسبیہ کی بنا پر عصبات میں داخل ہیں۔ خواہ یہ عورت ہو یا کسی عورت کے واسطے سے میت سے علاقہ رکھتا ہو۔

یاد رکھیں کہ سہام صرف چھ ہیں:
نصف ۲ / ۱، ربع ۴ / ۱، ثمن ۸ / ۱، اور دو ثلث ۳ / ۲، ایک ثلث ۳ / ۱، سدس ۶ / ۱۔

(۷۲) ذوی الفروض کا بیان

وہ وارث جن کے سہام، شرعاً متعین ہیں اور ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ بارہ اشخاص ہیں۔ چار مرد یعنی باپ، دادا، اخیافی بھائی اور شوہر۔ اور آٹھ عورتیں یعنی زوجہ، والدہ، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن اور جدہ صحیحہ۔ ذوی الفروض کے سہام کی تفصیل تو فرائض کی کتابوں میں ملے گی۔ ہم یہاں مختصراً ان کے حصص کا بیان کرتے ہیں۔

(۷۳) باپ کی میراث

یاد رکھنا چاہیے کہ باپ کا حق چھٹے حصے متروکہ سے کبھی کم نہیں ہوتا۔ ہاں کبھی تہائی اور کبھی اس سے زیادہ مل جاتا ہے بلکہ میت کا اگر کوئی وارث باپ کے سوا موجود نہ ہو تو سارا مال اسی کے حصہ میں آتا ہے۔ غرض اس کے تین حالات ہیں:

(۱) صرف ایک سدس (۶ / ۱) یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ جبکہ میت نے کوئی بیٹا یا بیٹے کی مذکر اولاد یا پوتے کی مذکر اولاد چھوڑی ہو۔

(۲) چھٹا حصہ مل جاتا ہے اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ بھی اسے مل جاتا ہے جبکہ میت نے نرینہ اولاد نہ چھوڑی یعنی کسی درجہ میں بھی، بلکہ بیٹی یا پوتی یا پڑپوتی چھوڑ کر مرا ہو ایسی حالت میں وہ ذوی الفروض میں بھی ہے اور عصبات میں بھی۔ لہٰذا اپنا مقرر حصہ ۶ / ۱ بھی پائے گا اور باقی ماندہ مال بھی۔

(۳) ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ مال باقی بچے وہ سب باپ کو مل جائے گا۔ اگر مرنے والے نے نہ کوئی بیٹی چھوڑی، نہ بیٹا، نہ پوتا، نہ پڑپوتا، اس صورت میں باپ کا کوئی حصہ مقرر نہیں۔ یہ صرف عصبہ ہی عصبہ ہے اور تمام مال کا مستحق۔

(۷۴) دادا کی میراث

یاد رکھیں کہ میت کے باپ کی موجودگی میں دادا کا کوئی حصہ، اپنے پوتے کے مال متروکہ میں نہیں۔ وہ بالکل محروم رہتا ہے کیونکہ باپ، اپنے بیٹے سے بمقابلہ دادا زیادہ قریب ہے اور جب باپ موجود نہ ہو تو دادا زیادہ قریب ہے اور باپ موجود نہ ہو تو دادا کے بعینہٖ وہی احوال ہیں جو باپ کے ہیں۔ کبھی وہ باپ کا قائم مقام ہو کر صرف چھٹا حصہ پائے گا۔ کبھی وہ ذوی الفروض اور عصبہ دونوں صورتوں میں سامنے آئے گا اور اپنا حق وصول کرے گا اور کبھی صرف عصبہ بن کر مال پر قبضہ کرے گا۔

(۷۵) اخیافی بھائی کی میراث

بھائی بہن تین طرح کے ہوتے ہیں۔ عینی یعنی حقیقی کہ ماں باپ دونوں میں شریک ہیں اور سگے کہلاتے ہیں۔ علاتی کہ باپ شریک ہیں اور مائیں جدا اور اخیافی کہ صرف ماں میں شریک ہیں، باپ دونوں کے جُدا۔ اور ان دونوں کو عرفِ عوام میں سوتیلے کہا جاتا ہے۔ حقیقی اور علاتی بھائیوں کا شمار عصبات میں ہے۔ البتہ اخیافی بھائی اور بہن ذوی الفروض میں داخل ہیں۔ عصبات میں اس کا شمار نہیں۔ کیونکہ عصبہ نسبی وہی ہے جو باپ کی طرف سے میت سے علاقہ رکھتا ہو۔

اخیافی بھائی کے بھی تین احوال ہیں:

(۱) صرف سدس (۱/۶) مال کا مستحق ہے۔ اگر صرف ایک بھائی ہو۔

(۲) میت کے ترکہ کا ایک ثلث (۱/۳) ملے گا اگر ایک سے زیادہ ہوں۔ خواہ صرف بھائی ہوں یا ان کے ساتھ بہن بھی ہو۔ اس ثلث مال کو یہ لوگ آپس میں برابر تقسیم کرلیں گے اور یہ خصوصیت صرف اخیافی بھائی کی ہے کہ مرد عورت کا حصہ برابر ہے ورنہ دوسرے مقامات پر وہی قانون نافذ ہے۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کہ لڑکے کا دہرا، لڑکی کا اکہرا۔

(۳) محروم رہیں گے یہ بھائی بہن جبکہ میت کا بیٹا پوتا پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی موجود ہوں یا میت کا باپ دادا، پڑدادا زندہ ہو۔ ان میں سے کسی کی موجودگی میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔

(۷۶) شوہر کی میراث

میت اگر شادی شدہ عورت ہو اور اس کا شوہر بھی زندہ موجود ہو جس کے نکاح میں یہ بوقتِ مرگ تھی تو اپنی زوجہ کی میراث میں شوہر کی دو حالتیں ہیں:

(۱) شوہر نصف مال کا مستحق ہے اگر اس کی زوجہ نے کوئی اولاد، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، پڑپوتا، پڑپوتی نہ چھوڑی ہو۔

(۲) شوہر کو صرف مال متروکہ کا ایک ربع (۱/۴) ملے گا جبکہ اس نے اپنی اولاد یا اپنی نرینہ اولاد کی اولاد پوتا پوتی وغیرہ چھوڑے۔

اور یہ ضروری نہیں کہ مرنے والی کی اولاد اسی شوہر سے ہو، اگر اس عورت کی پہلے شوہر سے اولاد موجود ہے یا دونوں کی اولاد موجود ہے تو شوہر کا حصہ نصف سے کم ہو کر وہی ربع ہو جائے گا۔ یہ بات خوب ذہن نشین رکھیں اور دھوکہ نہ کھائیں۔ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ مغالطہ میں ڈال دیتے ہیں۔

ذوی الفروض میں یہ چار مرد تھے جن کا مختصراً بیان ہوا۔ اب آیئے عورتوں میں ذوی الفروض کے احوال کی جانب، اور ہم بتا چکے ہیں کہ یہ آٹھ ہیں۔

(۷۷) زوجہ کی میراث

جس طرح شوہر کبھی میراث سے محروم نہیں ہوتا یونہی زوجہ بھی محروم نہیں رہ سکتی۔ البتہ سہام میں کمی بیشی کا یہاں ضرور فرق ہے اور اس کی بھی دو حالتیں ہیں:

(۱) کل ترکہ کا ایک ربع (ایک چوتھائی ۱/۴) ملے گا اگر شوہر نے اپنی اولاد بیٹا بیٹی یا اپنی اولاد نرینہ کی اولاد مثلاً پوتا پوتی وغیرہ نہ چھوڑے ہوں۔

(۲) کل مال متروکہ کا ثمن یعنی آٹھواں حصہ زوجہ کو ملے گا۔ اگر شوہر نے اولاد مذکورہ بالا چھوڑی ہو۔ یعنی اپنا بیٹا بیٹی یا پسری اولاد کا بیٹا بیٹی وغیرہ اور نواسہ نواسی وغیرہ کی موجودگی میں اس کا حصہ کم نہیں ہوتا۔

(۷۸) فائدہ جلیلہ

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ۔ بے شک اللہ عزوجل بے حیائی کا حکم نہیں فرماتا۔

ایک عورت کا بیک وقت دو مردوں کے نکاح میں ہونا اور ایک عورت پر دو مردوں کا اجتماع صریح بے حیائی ہے جسے انسان تو انسان، جانوروں میں بھی جو سب سے خبیث تر ہے یعنی خنزیر وہی روا رکھتا ہے اور حرمتِ زنا کی حکمت نسب کا محفوظ رکھنا ہے ورنہ پتہ نہ چلے گا کہ بچہ کس کا ہے۔ اگر ایک عورت سے دو مردوں کا نکاح جائز ہو تو وہی قباحت کہ زنا میں تھی یہاں بھی عائد ہو اور معلوم نہ ہو سکے کہ بچہ کس کا ہے۔

اس لیے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ شادی شدہ مسلمان عورت، دو شوہروں کو چھوڑ مرے۔ جب مرے گی، ایک ہی کے نکاح میں مرے گی تو وہی ایک اس کی میراث میں اپنا مقررہ حصہ پائے گا۔ البتہ مرد کو چونکہ بیک وقت تین تین چار چار عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ شوہر کے انتقال کے وقت اس کی ایک سے زیادہ بی بیاں موجود ہوں۔ ایسی حالت میں زوجہ کا جو حصہ مقرر ہے، یعنی چوتھائی اور اولاد کی موجودگی میں آٹھواں، وہ سب اس میں برابر کی شریک ہیں۔ اس حصہ کو باہم یکساں طور پر تقسیم کر لیں۔ اور عدت طلاق میں بھی چونکہ عورت کو اپنے شوہر سے ایک قسم کا علاقہ رہتا ہے، اس لیے جو عورت طلاق رجعی یا بائن کی عدت گزار رہی تھی کہ شوہر کا انتقال ہو گیا تو وہ اسی شوہر کی زوجہ سمجھی جائے گی اور میراث میں اپنا حصہ پائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۷۹) والدہ کی میراث

والدہ کو سدس یعنی چھٹے حصے سے کبھی کم نہیں ملتا اور نہ کسی دوسرے وارث کی وجہ سے کبھی محروم ہوتی ہے۔ وراثت میں اس کے بھی تین احوال ہیں۔

(۱) ماں کا ایک سدس (۶ / ۱) ہے۔ اگر میت کی اولاد یعنی بیٹا بیٹی، یا بیٹے کی اولاد یعنی پوتا پوتی یا پوتے کی اولاد یعنی پڑپوتا پڑپوتی وغیرہ موجود ہوں۔ یا میت کے دو بھائی بہن

موجود ہوں۔ خواہ یہ بھائی بہن حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی یا مخلوط کہ کوئی حقیقی ہے اور کوئی علاتی یا اخیافی، تو بھی ماں کا چھٹا حصہ ہے۔

(۲) شوہر یا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد جو مال باقی بچے اس میں سے ایک ثلث (۱/۳) ماں کا حق ہے۔ اگر مرد کا انتقال ہوا اور اس کی زوجہ اور باپ دونوں موجود ہیں عورت کا انتقال ہوا اور اس کا شوہر اور باپ دونوں موجود ہوں۔

(۳) کل مال متروکہ کا ایک ثلث (۳ / ۱) ماں کا حق ہے جبکہ:

(۱) میت کا پوتا پوتی، بیٹا بیٹی پڑپوتا پڑپوتی کوئی موجود نہ ہو۔

(۲) میت کے دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن کسی قسم کے کے موجود نہ ہوں۔

(۳) میت کا شوہر اور باپ دونوں ہی موجود نہ ہوں۔ اگر میت زوجہ ہے۔ اور میت کی زوجہ اور باپ دونوں اکٹھے موجود نہ ہوں اگر میت شوہر ہے۔ یعنی والدہ کو کل ترکہ میں سے ایک ثلث مال ملنے کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں۔

(۸۰) بیٹی کی میراث

بیٹی بھی کبھی محروم نہیں ہوتی۔ اس کی میراث کے بھی تین احوال ہیں:

(۱) میت کے ترکہ سے اس کو نصف حصہ ملتا ہے۔ اگر صرف ایک بیٹی ہو۔

(۲) مال متروکہ میں سے دو ثلث (۳ / ۲) دیا جائے گا۔ اگر بیٹیاں دو ہوں یا دو سے زیادہ۔ دو ثلث مال ان میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

(۳) کوئی حصہ بیٹی کا مقرر نہیں بلکہ جس قدر بیٹے کو ملے گا اس کا نصف بیٹی کو ملے گا۔ جبکہ بیٹی کے ساتھ میت کا بیٹا بھی موجود ہو۔ خواہ یہ یا وہ ایک ہوں یا دو، چار۔ خواہ میت (جبکہ عورت ہو تو اس) کے یہ بیٹے بیٹیاں اول شوہر سے ہوں یا دوسرے تیسرے سے، یا دونوں تینوں سے۔ اور میت جبکہ مرد ہو تو یہ اولاد ایک بیوی سے ہو یا دو سے یا زائد سے، قانون یہی ملحوظ رہے گا کہ مرد کو دوہرا اور عورت کو اکہرا دیا جائے گا۔

(۸۱) پوتی کی میراث

اور پوتی سے یہاں مراد ہے بیٹے یا پوتے یا پڑپوتے کی بیٹی۔ صرف بیٹے کی دختر مراد نہیں۔ لہٰذا اگر بیٹے کی بیٹی موجود نہیں تو پوتے کی بیٹی اور پوتے کی بیٹی بھی زندہ نہ ہو تو پڑپوتے کی بیٹی یا بیٹیاں، اپنے دادا پڑدادا کی میراث کی مستحق ہیں اور میراث پانے میں ان کے تین احوال تو وہی ہیں جو صلبی بیٹیوں کے بیان میں مذکور ہوئیں۔ ان تین کے علاوہ تین حالتیں اور ہیں۔ یعنی پوتی کی میراث کی چھ حالتیں ہیں۔

(۱) اگر میت کے بیٹا بیٹی زندہ موجود نہ ہو اور صرف ایک پوتی ہو تو اسے ترکہ میں سے نصف ملے گا۔

(۲) اور اسی حالت میں اگر دو یا دو سے زیادہ پوتیاں ہوں تو ان کو کل مال سے دو ثلث (۳ / ۲) دیا جائے گا۔

(۳) اگر میت کے بیٹا بیٹی موجود نہ ہوں اور ایک یا کئی پوتیاں ہوں اور ان کے ساتھ کوئی پوتا بھی ہو تو ذوی الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا اسے یہ پوتا پوتی باہم تقسیم کر لیں۔ اسی قانون کے ماتحت کہ لڑکے کو دوہرا، اور لڑکی کو اکہرا۔ پوتی پڑپوتی کی یہ تین حالتیں بعینہ وہی ہیں جو بیٹی کی تھیں۔ یعنی پوتیاں بیٹیوں کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ باقی تین حالتیں صرف پوتیوں سے مختص ہیں۔ یعنی:

(۴) اگر میت کے بیٹا، پوتا پڑپوتا موجود نہ ہو بلکہ صرف ایک بیٹی موجود ہو تو پوتیوں کو صرف سدس یعنی چھٹا حصہ (۶ / ۱) ملے گا۔ ایک ہو یا چند۔

(۵) اگر میت کے بیٹا، پوتا پڑپوتا نہ ہو بلکہ دو بیٹیاں ہوں اور پوتی پڑپوتی بھی موجود ہو تو پوتی پڑپوتی بالکل محروم رہے گی۔ اس لیے کہ قرآن کریم نے دوسرے ورثہ کے ہوتے بیٹیوں کا زیادہ سے زیادہ حصہ دو ثلث مقرر کیا ہے اور یہ حصہ بیٹیاں وصول کر لیں گی تو اب ان کے لیے کچھ باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا یہ محروم رہیں گی۔ جبکہ بیٹی ایک ہو تو اسے نصف ترکہ دے کر سدس پوتی پڑپوتی کو دے دیں گے تاکہ دو ثلث حصہ پورا ہو

جائے۔

(۶) اگر میت کا بیٹا موجود ہے تو پوتیاں پڑپوتیاں سب محروم رہیں گی۔ خواہ یہ ان پوتیوں کا باپ ہو یا میت کا دوسرا بیٹا۔ بہرحال پوتی پڑپوتی ساقط یعنی محروم وارثت رہیں گی۔ برخلاف میت کی بیٹی کے، کہ وہ ذوی الفروض میں ہے اور اس کا مقررہ حصہ کوئی نہیں چھین سکتا۔

(۸۲) حقیقی بہن کی میراث

حقیقی یعنی سگی بہن کی میراث میں پانچ حالتیں ہیں:

(۱) اگر میت کے کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی نہ ہو اور ایک ہمشیرہ ہو تو اس کو میت کے کل ترکہ میں سے نصف ملے گا۔

(۲) اگر میت کے کوئی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، پڑپوتا پڑپوتی نہ ہو اور دو یا دو سے زیادہ ہمشیرہ چھوڑی ہوں تو ان سب کو ترکہ میں سے دو ثلث (۳ / ۲) ملے گا۔ اس کو باہم تقسیم کر لیں۔

(۳) اگر میت کے حقیقی بھائی (خواہ ایک یا زیادہ) موجود ہوں تو حقیقی بہن ان کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں میت کے ساتھ برابری کا علاقہ رکھتے ہیں۔ اس لیے ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے، اسے یہ بہن بھائی باہم تقسیم کر لیں اور قاعدہ یہاں بھی جاری ہے کہ مرد کو دہرا، عورت کو اکہرا۔

(۴) اگر میت کے بیٹی پوتی پڑپوتی موجود ہو (خواہ ایک یا زیادہ) تو اس صورت میں وہ عصبہ قرار پائے گی اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا اس کی ملکیت میں آئے گا، بشرطیکہ میت نے اپنا بیٹا پوتا، پڑپوتا وغیرہ چھوڑا تو اس صورت میں حقیقی بہن کا وراثت میں کوئی حق نہیں۔ وہ محروم رہے گی۔

(۸۳) علاتی بہن کی میراث

علاتی بہن (یعنی باپ میں شریک) میراث میں وہی احوال رکھتی ہے جو حقیقی ہمشیرہ کے ہیں۔ صرف معمولی فرق ہے جیسا کہ آئندہ سطور میں غور کر لینے سے معلوم ہو گا۔

(۱) اگر میت کے کوئی بیٹی، پوتی پڑپوتی نہ ہو اور ایک علاتی ہمشیرہ ہو تو اس کو میت کے ترکہ سے نصف ملے گا۔

(۲) اگر میت کے کوئی بیٹی، پوتی پڑپوتی موجود نہ ہو اور دو یا زیادہ علاتی ہمشیرہ ہوں تو ان سب کو ترکہ سے دو ثلث یعنی دو تہائی ملے گا۔ اس کو باہم تقسیم کر لیں۔

(۳) اگر میت نے بیٹی، پوتی پڑپوتی چھوڑی (خواہ ایک یا زیادہ) تو اس صورت میں یہ بہن عصبہ قرار پائے گی اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ مال متروکہ میت سے باقی رہے گا، وہ اس ہمشیرہ کو مل جائے گا۔

ہمشیرہ علاتی کے یہ تین احوال اس وقت ہیں کہ حقیقی ہمشیرہ موجود نہ ہو کہ اب وہ میت کی حقیقی ہمشیرہ کے قائم مقام ہے ورنہ:

(۴) اگر میت کی بیٹی، پوتی پڑپوتی موجود نہ ہو بلکہ حقیقی ہمشیرہ موجود ہے تو علاتی بہن کو صرف ایک سدس (۱/۶) ملتا ہے تاکہ دو ثلث کی تکمیل ہو جائے۔ اگر ایک ہو گی تو تنہا اس سدس کی مالک ہو گی۔ دو یا زیادہ ہوں گی تو سب اس میں شریک ہوں گی۔ علاتی بہن کی یہ چار حالتیں اس وقت ہیں کہ علاتی بہن کے ساتھ کوئی علاتی بھائی موجود نہ ہو۔ ورنہ:

(۵) میت کی علاتی بہنوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی موجود ہوں (ایک خواہ زیادہ) تو یہ اپنے علاتی بھائی کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جائیں گی اور ذوی الفروض کے حصہ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے گا، اسے یہ بہن بھائی باہم تقسیم کر لیں گے۔ مرد کو دوہرا، عورت کو اکہرا۔

لیکن یہاں یہ شرط ہے کہ اس علاتی بہن کا بھائی بھی اسی کے مانند ہو یعنی میت

کے ساتھ باپ میں شریک اور اگر میت کا حقیقی بھائی ہو گا تو علاتی بہنیں بالکل محروم رہ جائیں گی اور اخیافی بھائی کی موجودگی میں، علاتی بھائی نہ خود عصبہ ہو گا نہ کسی کو اپنے ساتھ عصبہ بنائے گا۔ بلکہ میت کی اولاد کے سامنے تو بالکل محروم رہ جائے گا کہ یہ عصبات میں ہے اور عصبات ذوی الفروض کے سامنے محروم رہتے ہیں۔

(۶) میت کے حقیقی بھائی بہن کی موجودگی میں، یا صرف حقیقی دو یا دو سے زیادہ ہمشیرہ موجود ہوں اس صورت میں، یا ایک حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ میت کی بیٹی پوتی وغیرہ کی موجودگی میں علاتی بہنیں محروم رہتی ہیں۔

(۷) اگر میت کے بیٹا، پوتا پڑپوتا، یا باپ دادا، پڑدادا وغیرہ موجود ہوں تو علاتی بہن بالکل محروم رہتی ہے، بلکہ حقیقی بہن بھائی وغیرہ بھی۔

(۸۴) اخیافی بہن کی میراث

وہ بھائی بہن جو صرف ماں میں شریک ہوں اور باپ دونوں کے جدا ہوں، وہ آپس میں اخیافی کہلاتے ہیں اور یہ دونوں ذوی الفروض میں شمار ہوتے ہیں۔

اخیافی بھائی کی میراث کا حال گزر چکا ہے۔ اب سنئے اخیافی بہن کا حال۔

اخیافی بہن کی میراث کی تین حالتیں ہیں:

(۱) اگر صرف ایک اخیافی بہن ہو، بھائی کوئی نہ ہو تو اسے ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا۔

(۲) اگر اس قسم کی دو بہنیں ہوں یا ایک بہن ایک بھائی یا اس سے زیادہ تو ان سب کو میت کے مال متروکہ سے ایک ثلث (۱/۳) ملے گا اور اس ایک ثلث (تہائی) میں سب اخیافی بھائی بہن باہم شریک رہیں گے اور سب کو مساوی حصہ سے تقسیم کر لیں گے۔ اخیافی بھائی بہنوں میں مرد اور عورت کے حصہ میں کم و بیش کا لحاظ نہیں ہوتا، بلکہ سب کو برابر حصہ ملتا ہے۔

(۳) اگر میت کے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی وغیرہ میں سے ایک بھی موجود ہو تو اخیافی بہن کو کچھ نہیں ملتا، بالکل محروم رہتی ہے۔ یونہی باپ دادا وغیرہ کی موجودگی میں بھی اس کا

کوئی حصہ نہیں، وراثت سے ساقط ہے، یعنی محروم وراثت۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیں کہ اخیافی بہن بھائیوں کے احوال یکساں ہیں جیسا کہ اخیافی بھائی کے احوال میں گزرا، وہی حال یہاں سمجھ لیں۔

(۸۵) جَدَّہ یعنی دادی، نانی کی میراث

یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں جدہ کا اطلاق دادی اور نانی دونوں پر آتا ہے۔ عربی میں دادی کو بھی جدہ کہتے ہیں اور نانی کو بھی۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ میں ان دونوں کی میراث کے احوال بھی یکساں ہیں اور دونوں کا حصہ بھی ایک ہی ہے یعنی سدس (1/6) پھر دادی سے مراد یہاں صرف باپ کی ماں نہیں بلکہ دادا کی ماں اور دادی کی ماں یعنی باپ کی نانی وغیرہ کو بھی شرعاً دادی اور جدہ کہا اور مانا جاتا ہے۔ اور جدات خواہ پدری ہوں یعنی باپ کی جانب سے، یا مادری ہوں یعنی ماں کی جانب سے۔ یہ سب ذوی الفروض میں داخل ہیں۔ البتہ جدات کی میراث میں دو شرطیں ہیں:

(۱) وہ جداتِ ثابتات ہوں یعنی جدات صحیحہ اور جدہ صحیحہ وہ دادی نانی ہے جس سے علاقہ جد فاسد (نانا) کے ذریعہ سے نہ ہو۔ اسی لیے باپ کی ماں یعنی دادی پردادی وغیرہ اور ماں کی ماں یعنی نانی پرنانی وغیرہ سب جدات صحیحہ میں داخل ہیں اور علمائے کرام نے فرمایا کہ جدات صحیحہ تین قسم پر ہیں:

۱۔ جو صرف عورت کے ذریعہ سے علاقہ رکھیں جیسے ماں کی ماں، یا ماں کی ماں کی ماں یا پرنانی کی ماں۔ جو صرف ماؤں کی سلسلہ والیاں ہیں۔

۲۔ جو صرف مردوں کے ذریعہ سے علاقہ رکھیں۔ جیسے باپ کی ماں، دادا کی ماں، پردادا کی ماں کہ یہ صرف مردوں کے ذریعہ علاقہ رکھتی ہیں۔

۳۔ جو عورتوں کے ذریعے صرف مردوں کی طرف منسوب ہوتی ہیں جیسے باپ کی ماں کی ماں یا دادا کی ماں کی ماں یا پردادا کی ماں کی ماں۔

جو عورتیں ان ذریعوں سے علاقہ رکھتی ہیں وہ سب جدات صحیحہ ہیں اور ذوی

الفروض میں داخل۔ سب کا حصہ متعین و مقرر ہے۔ اور جو عورتیں تیسری قسم کے برخلاف ہیں، یعنی جن کے ساتھ رشتہ میں مرد کا واسطہ اور علاقہ آجاتا ہے مثلاً ماں کے باپ کی ماں، یا ماں کے دادا کی ماں تو یہ جداتِ صحیحہ نہیں بلکہ جداتِ فاسدہ کہلاتی ہیں اور ان کو میراث میں حصہ ذوی الارحام میں ہونے کی وجہ سے ملتا ہے۔ یعنی جداتِ فاسدہ کو جو کچھ ملتا ہے وہ میت کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ملتا ہے۔ نہ یہ ذوی الفروض میں داخل ہیں نہ عصبات میں شامل۔

(۲) اور دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جدات صحیحہ درجہ میں متساوی اور برابر ہوں۔ لہذا قریب درجہ والی کے سامنے بعید درجہ والی محروم الارث رہتی ہے۔ الغرض جداتِ صحیحہ کی میراث کی دو حالتیں ہیں:

۱۔ میت کے ترکہ کا صرف چھٹا حصہ ملتا ہے۔ خواہ ایک دادی ہو یا دو تین۔ خواہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی جانب سے۔ جب ایک ہی درجہ کی ہوں گی تو اس چھٹے حصہ میں شریک رہیں گی اور یہ حصہ ان میں باہم برابر برابر تقسیم کردیا جائے گا۔

۲۔ اگر میت کی ماں یا میت کا باپ زندہ موجود ہو تو تمام نانیاں دادیاں محروم رہتی ہیں اور اگر میت کا دادا موجود ہو تو محروم رہتی ہیں لیکن باپ کی ماں اور باپ کی نانی اور باپ کی ماں کی نانی اور باپ کی نانی کی نانی یہ چاروں بھی دادیاں ہیں مگر دادا کے سامنے محروم نہیں رہتیں۔ جبکہ ان چاروں کے سوا باقی تمام دادیاں ساقط الارث یعنی میراث سے محروم رہتی ہیں۔

جدات کے متعلق اس اجمالی بیان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی وراثت میں کتنی الجھن اور دردسری ہے۔ پھر بھی مختصراً ہم نے ان کا حال لکھ دیا ہے کہ کچھ نہ کچھ جان لینا بالکل نہ جاننے سے کہیں بہتر و مفید ہے۔ اور یہ کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں کہ جب چند قسم کے وارث موجود ہوں تو ان میں وراثت تقسیم کرنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ آپ اس علم کے واقف کار ماہرین اور علمائے دین متین کی جانب متوجہ ہوں۔ یہی قرآن کریم کا حکم ہے اور یہی احادیث شریفہ کا فرمان۔

مولائے کریم ہمیں، آپ کو اور تمام سنی مسلمانوں کو اب اور ہمیشہ اپنی پناہ، اپنی

امان اور اپنی حفاظت میں رکھے اور کتاب و سُنّت و مذہب اہلِ سُنّت و جماعت پر اس دنیا سے اٹھائے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

امید کہ ناظرین، اس فقیر بے توقیر کو بھی اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

(۸۶) ایک نفیس فائدہ

ہمارا ایمان ہے کہ رسولِ اکرم، سید عالم، عالم اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو رب العزت نے تمام اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر قرآنِ عظیم اتارا۔ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ ہر چیز کا روشن بیان۔ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ ہر شے کی کامل شرح۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔ ہم نے کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ تو تمام احکامِ جزئیہ اور ازل سے ابد تک کے تمام حوادثات و واقعات سب کچھ بالاستیعاب اس میں موجود و مذکور ہیں۔

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مروی کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "قرآن کتاب اللہ ہے۔ اس میں خبر ہے ہر اس چیز کی جو تم سے پہلے ہے اور ہر اس شے کی جو تمہارے بعد ہے اور حکم ہے ہر اس امر کا جو تمہارے درمیان ہے۔" (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں "اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں قرآن عظیم میں اسے پالوں۔" (الاتقان)

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر (۷۰) اونٹ بھروادوں۔"

ایک اونٹ کئی من بوجھ اٹھاتا ہے اور ہر من کے ہزار اجزا؟ حساب سے تقریباً پچیس لاکھ جز آتے ہیں۔ یہ فقط سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ پھر باقی کلام عظیم کی کیا گنتی۔

پھر یہ علم، علمِ علی ہے۔ اس کے بعد علمِ عمر، اس کے بعد علمِ صدیق کی باری ہے۔ صحابہ کرام کا فیصلہ ہے کہ عمر، علم کے نو حصے لے گئے اور یہ کہ ہم سب میں زیادہ علم ابوبکر

کو تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پھر علمِ نبی تو علمِ نبی ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

غرض قرآن عظیم و فرقان کریم میں سب کچھ ہے جسے جتنا علم، اتنی ہی اسے فہم اور جس قدر جس کو فہم، اسی قدر اس کو علم۔ خود قرآن کریم کی سچی شہادت ہے:

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔ — کہاوتیں ارشاد تو سب کے لیے ہوئی ہیں، پر ان کی سمجھ انہیں کو ہے جو علم والے ہیں۔

تو کیسا صاف ارشاد ہے کہ قرآن میں سب کچھ ہے مگر اس کی سمجھ انہیں کو ہے جو علم والے ہیں۔ علمِ دین سے ان کے سینے منور و دماغ روشن اور عقلیں پُرنور ہیں۔ اسی لیے فرماتا ہے:

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ — علم والوں سے پوچھو اگر تم نہ جانتے ہو۔

اور پھر یہی نہیں کہ علم والے آپ سے آپ، کتاب اللہ کے سمجھ لینے پر قادر ہوں، نہیں بلکہ اس کے متصل ہی فرمادیا۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ۔ — اے نبی ہم نے یہ قرآن تیری طرف اس لیے اتارا کہ تو لوگوں سے شرح بیان فرمادے اس چیز کی جو ان کی طرف اتاری گئی۔ (یعنی جتنی باتیں ان سے متعلق ہیں)

اللہ اللہ قرآن عظیم کے لطائف و نکات، منتہی و ختم نہ ہوں گے۔ ان دو آیتوں کے اتصال سے رب العالمین نے ترتیب وار سلسلہ فہمِ کلام الٰہی کا، منتظم فرمادیا کہ اے جاہلو! تم کلام علماء کی طرف رجوع کرو اور اے عالمو! تم ہمارے رسول کا کلام دیکھو تو ہمارا کلام سمجھ میں آئے۔ غرض ہم پر تقلید ائمہ واجب فرمائی اور ائمہ دین پر تقلیدِ رسول لازم ٹھہرائی اور رسول کو تقلیدِ قرآن کا حکم دیا:

قال تعالى فَإِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ۔ — جب ہم قرآن پڑھیں، اس وقت غور سے سنو کہ لفظوں کو اسی طرح محفوظ کرلو،

پھر اس کے معانی کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، جن کی زبان میں قرآن اترا، بارہا بغیر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سمجھائے قرآن کے مطالب و مفاہیم کو نہ سمجھے تو عجمی بے بصیرتوں کی کیا مجال کہ بغیر ائمہ دین کے سمجھائے قرآن سمجھ سکیں۔

ہمیں یقین رکھنا چاہیے اس حقیقت پر جو امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے اپنی کتاب مستطاب "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں جابجا بیان فرمائی کہ

"اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی شریعت سے قرآن عظیم کے مجمل احکام و فرامین کی تفصیل نہ فرماتے تو قرآن یوں ہی مجمل اور پردۂ خفا میں رہتا اور اگر ائمہ مجتہدین حدیث کے مجمل و مختصر فرامین و ارشادات کی تفصیل و توضیح نہ فرماتے تو حدیث یوں ہی مجمل رہتی۔ اور اسی طرح اگر ہمارے اس زمانے تک کہ اگر کلام ائمہ کی، علمائے مابعد شرح نہ فرماتے تو ہم اسے سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتے۔"

تو ناواقفوں کا علماء کی جانب علماء کا ائمہ کی جانب، اور ائمہ کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب متوجہ ہونے کا یہ سلسلۂ ہدایت، رب العزت کا قائم فرمایا ہوا ہے۔ جو اسے توڑنا چاہے، وہ ہدایت نہیں چاہتا بلکہ صریح گمراہی کی جانب بڑھ رہا ہے بلکہ ضلالت کی راہ چل رہا ہے۔

تو خوب کان کھول کر سن لو اور لوح دل پر نقش کر رکھو کہ جسے کہتا سنو "ہم عالموں کی بات نہیں مانتے، ہم اماموں کا قول نہیں جانتے۔ ہمیں تو صرف حدیث میں دکھاؤ۔ ہمیں تو صرف قرآن درکار ہے۔ ہمیں قرآن ہی سے سمجھاؤ تو سمجھ لو کہ یہ بددین، دینِ خدا کا بدخواہ ہے۔ اسی طرح جو یہ کہے کہ ہم خود قرآن سے حکم معلوم کرلیں گے۔ ہم خود کتب احادیث سے حکم شرعی نکال لیں گے، عالموں کی کیا حاجت اور فقہاء کی کیا ضرورت تو یقین مانو کہ وہ ابھی گمراہ نہیں تو گمراہی کے جراثیم اس میں ضرور موجود ہیں۔ ابھی پوری طرح دین کا باغی نہیں، تو دین سے بغاوت کے جرثومے ضرور اس کے دماغ میں کلبلا رہے ہیں۔

تو تم ایسوں کی بات ہرگز نہ سنو۔ اس پر ہرگز کان نہ دھرو۔ بلکہ نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ انہیں اپنے پاس آنے جانے بیٹھنے دو کہ وہ گمراہ کردیں گے اور فتنہ میں ڈال دیں گے۔

الغرض کہنا یہ ہے کہ دینی معلومات حاصل کرنے اور جو باتیں معلوم نہ ہوں یا فقہی کتابیں دیکھ کر پڑھ کر سمجھ میں نہ آئیں، انہیں معلوم کرنے اور سمجھنے اور ذہن نشین کرنے کے لیے علمائے دین کی طرح رجوع لاؤ اور علمائے دین صرف اور صرف وہی ہیں، جو مذہب اہل سنت وجماعت پر قائم، ائمہ دین کے مقلد اور محبوبان خدا کا اتباع کرتے اور حتی الامکان اس جادۂ مستقیم سے اپنا قدم باہر نہیں نکالتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قبولِ حق کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۸۷) عصباتِ نسبی کا بیان

گزشتہ اوراق میں یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ عصبات نسبی میت سے علاقہ رکھنے والے وہ لوگ ہیں جن کے رشتہ میں عورت کا واسطہ نہ آئے یا اس رشتہ کا ذریعہ عورت نہ بنے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لیں کہ شریعت مطہرہ میں نسب کا اعتبار، مرد کی طرف سے ہے۔ لہٰذا عصبات نسبی وہی لوگ ہیں کہ ان میں اور میت میں بلاواسطہ عورت علاقہ پایا جائے اور وہ خود بھی مرد ہوں۔ لہٰذا چچا، چچا کا بیٹا، عصبات میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ باپ کا بھائی ہے یا باپ کے بھائی کا بیٹا۔ درمیان میں کسی عورت کا دخل و واسطہ نہیں اور نواسا، بھانجا، عصبہ نہ ہوں گے کیونکہ نواسہ، بیٹی کا بیٹا ہے اور بھانجا بہن کا بیٹا۔ تو درمیان میں بیٹی یا بہن کا ذریعہ آگیا اور چچازاد بہن یا پھوپھی کہ باپ کی بہن ہے۔ عصبہ نہ ہوں گے کہ اگرچہ عورت کا درمیان میں کوئی دخل نہیں مگر یہ خود مرد نہیں اور یہاں عصبہ کے لیے مرد ہونا شرط ہے۔

اور یہ بات بھی وہیں سے آپ کو معلوم ہو چکی کہ عصبات پر ذوی الفروض مقدم ہیں یعنی جب تک ذوی الفروض کو ان کے پورے پورے حصے نہ دے دیے جائیں، ان

عصبات کو کچھ نہیں مل سکتا۔ یا پھر ذوی الفروض میں کوئی زندہ موجود نہ ہو، تب ان عصبہ کو میراث میں حق پہنچتا ہے۔

عصباتِ نسبی کی تین قسمیں ہیں: عصبہ بنفسہٖ، عصبہ بغیرہٖ اور عصبہ مع غیرہٖ۔

عصبہ بغیرہٖ: وہ عورت ہے جس کا سہام نصف یا دو ثلث ہو اور وہ کسی عصبہ مرد کے ذریعے جو اس کے درجہ کا ہو عصبہ بن جائے جیسے بیٹیاں، بیٹوں کے ساتھ، بہنیں بھائیوں کے ساتھ اور پوتیاں پوتوں کے واسطے سے عصبہ بن جاتی ہیں۔

عصبہ مع غیرہٖ: وہ عورت ہے جو کسی دوسری عورت کے ذریعے عصبہ بن جائے جیسے میت کی ایک بیٹی کے ساتھ اس کی حقیقی یا علاتی بہنیں عصبہ بن جاتی ہیں، مگر میت کی بیٹی ذوی الفروض ہی رہتی ہے۔

عصبہ بغیرہٖ اور عصبہ مع غیرہٖ میں فرق یہ ہے کہ عصبہ بغیرہٖ میں جو غیر ہوتا ہے وہ بذاتہٖ خود بھی عصبہ ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ عصوبت اس کے ساتھ والی عورت میں پہنچتی ہے اور عصبہ مع غیرہٖ میں وہ غیر بذاتہٖ عصبہ نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں مل کر عصبہ بن جاتے ہیں مگر اصل میں وہ اصحابِ فرائض میں سے ہیں جیسا کہ اوپر والی مثال سے ظاہر ہے کہ میت کی حقیقی یا علاتی بہنیں، قواعدِ شرعیہ کی رُو سے اصحابِ فرائض سے ہیں اور بیٹی بھی انہیں اصحابِ فرائض میں داخل ہے لیکن جب بیٹی اور بہن مل گئیں تو دونوں عصبہ مع غیرہٖ بن گئیں۔

اور عصبہ بنفسہٖ وہ مرد ہے جو کسی عورت کے علاقہ کے بغیر میت سے قرابت رکھتا ہو۔ بالفاظ دیگر وہ مرد جس کے میت کے ساتھ قرابت و رشتہ میں عورت داخل نہ ہو۔

مرد کی قید کا لحاظ رکھیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ عورت کبھی عصبہ بنفسہٖ نہیں بن سکتی بلکہ وہ عصبہ بغیرہٖ ہو گی یا عصبہ مع غیرہٖ۔

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت عصبہ کامل یہی عصبہ بنفسہٖ ہیں اور ان میں استحقاق میراث کی بنیادی شرط اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ موجود ہے یعنی عصبات میں وہ عصبہ مقدم رہے گا جو میت سے رشتہ میں قریب تر ہے۔ پھر وہ عصبہ جو اس اول کی غیر

موجودگی میں باقی عصبات کے مقابل زیادہ قریب ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔

عصبہ بنفسہٖ کی چار قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ علی الترتیب چار درجے ہیں:

(۱) میت کا جزو یعنی اس کی نرینہ اولاد جیسے بیٹا، پوتا، پڑپوتا وغیرہم کہ جب تک ان میں سے کوئی بھی موجود ہو گا، درجہ دوم کے عصبات کو کچھ نہیں مل سکتا۔

(۲) میت کی اصل جن کی یہ اولاد میں ہے، جیسے باپ، دادا، پڑدادا وغیرہ کہ جب تک ان میں سے کوئی زندہ موجود ہے، تیسرے درجہ والے عصبات ساقط الارث رہیں گے۔

(۳) باپ کا جزء یعنی اس کی نسل، جیسے بھائی، بھتیجا، بھتیجے کا بیٹا یعنی بھائی کا بیٹا پوتا، کہ ان لوگوں کی موجودگی میں درجہ چہارم کے عصبات بالکل محروم رہتے ہیں۔

(۴) دادا کا جزء یعنی دادا کی نرینہ اولاد در اولاد۔ جیسے چچا کے چچا کا بیٹا، چچا کا پوتا پڑپوتا۔ عصبات کا یہ سب سے آخری درجہ ہے۔ اگر پہلے کے تین درجات میں سے کسی درجہ میں کوئی عصبہ موجود ہوا تو ان کو کچھ نہ ملے گا۔

(۵) اور یہاں بھی یہ قاعدہ ملحوظ رکھیں کہ ایک ہی درجہ کے ورثہ میں مقدم وہی وارث رہے گا جو میت سے مقابلتاً زیادہ قریب ہو گا لہٰذا بیٹا موجود ہے تو پوتا وارث نہ ہو گا اور پوتے کی موجودگی میں پڑپوتے محروم رہیں گے حالانکہ سب ایک ہی درجہ کے وارث ہیں۔

وعلیٰ ہذا القیاس باپ کی موجودگی میں دادا پڑدادا محروم رہ جائیں گے اور میت کا حقیقی بھائی موجود ہو گا تو علاتی بھائی محروم رکھے جائیں گے چونکہ حقیقی بھائی کا رشتہ قوی ہے اور اسے میت سے دہری قرابت ہے۔ پدری بھی، مادری بھی۔

ہاں اخیافی بھائی چونکہ ذوی الفروض میں داخل ہے، اس لیے یہاں اس کا کوئی دخل نہیں اور یاد رکھنا چاہیے کہ جن عورتوں کا کوئی حصہ مقررہ نہیں اور ان کے بھائی عصبہ ہوں تو اس حالت میں صرف بھائی وارث ہوں گے۔ عورتوں کو کچھ نہ ملے گا، مثلاً چچا اور پھوپھی دونوں موجود ہوں تو چچا مستحق وراثت ہے۔ پھوپھی کا میت کے مال میں کوئی حق نہیں۔

عصبات کے حالات میں بڑی تفصیل ہے، اس لیے ہم ان مختصر معلومات پر اکتفا

کرتے ہیں اور ذوی الارحام کی جانب آتے ہیں۔

(۸۸) ذوی الارحام کی میراث

ذوی الارحام ہر اس قرابت کو کہتے ہیں جو نہ ذوی الفروض میں داخل ہو نہ عصبات میں شامل، اسی لیے وہ دونوں، ان قرابت داروں پر میراث میں مقدم ہیں، جس طرح ذوی الفروض کی موجودگی میں عصبہ اس وقت وارث ہوتے ہیں جب ان کے سہام انہیں دے دیئے جائیں۔ اس طرح عصبہ کی موجودگی میں عصبہ ہی وارث ہوتے ہیں۔ ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔ ہاں جب نہ وہ موجود ہوں نہ یہ۔ تو اب ذوی الاحارم وارث ہوتے ہیں اور یہ قاعدہ عصبات کی طرح یہاں بھی جاری ہے کہ جو میت سے زیادہ قریب ہوتا ہے وہ باقیوں پر مقدم رہتا ہے۔ البتہ یہاں اتنی بات اور ہے کہ جو ذوی الارحام ایسے شخص کی اولاد میں ہوں کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس وقت ضرور وارث ہوتا تو ایسے ذوی الارحام اس شخص کی اولاد پر مقدم رہیں گے جو اگر خود بھی زندہ ہوتا تو اس کو میراث نہ ملتی مثلاً ایک شخص نے اپنی پوتی کی بیٹی اور ایک نواسی کے بیٹا بیٹی چھوڑے تو اس شخص کا ترکہ پوتی کی بیٹی کو ملے گا۔ نواسی کے بیٹا بیٹی محروم رہیں گے۔ اس لیے کہ اس کے انتقال کے وقت اگر پوتی بھی زندہ ہوتی اور نواسی بھی تو پوتی میراث پاتی، نواسی محروم رہتی۔ اسی لحاظ سے پوتی کی اولاد کے سامنے نواسی کی اولاد محروم رہتی ہے۔

عصبات کی طرح ذوی الارحام کے بھی چار درجے ہیں:

(۱) خود میت کی وہ اولاد جو ذوی الفروض اور عصبات میں داخل نہیں، جیسے نواسا، نواسی وغیرہ۔

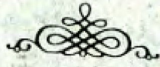
(۲) میت کے اصول جو نہ ذوی الفروض ہیں نہ عصبات، جیسے نانا وغیرہ۔

(۳) میت کے ماں باپ کی اولاد کہ ذوی الفروض یا عصبات میں داخل نہیں جیسے بھانجا بھانجی، بھتیجی وغیرہ۔

(۴) دادا، دادی، نانا نانی کی اولاد بشرط مذکور بالا جیسے خالہ، ماموں وغیرہ۔

ذوی الارحام کے بارے میں ان چند سطور کے مطالعہ ہی سے یہ بات بخوبی آپ پر روشن ہو جائے گی کہ یہ بحث بڑی دشوار اور مشکل بحث ہے۔ عوام تو عوام اس فقیر بے نوا جیسے بہت سے افراد اس وادی میں حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں کہ جائیں تو کدھر جائیں، خود نہیں سمجھ سکتے تو کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا؟

لہٰذا چارۂ کار وہی ہے کہ ماہرین علم فرائض کی جانب رجوع کیا جائے اور اسی لیے ہم دوسرے مباحث سے صرفِ نظر کرتے اور جو کچھ لکھ دیا گیا اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۸۹) حقوق و فرائض سے متعلق اسلامی تعلیمات

اس باب میں مندرجہ ذیل چند باتیں ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و سلم ارشاد فرماتے ہیں: دفتر تین ہیں (یعنی قیامت میں نامہ اعمال کی تین فردیں ہوں گی) (۱) ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ بخشے گا۔ (۲) اور ایک دفتر کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں۔ (۳) اور ایک دفتر میں سے اللہ کچھ نہ چھوڑے گا۔ وہ دفتر جس میں اصلاً معافی کی جگہ نہیں (جس فرد کے گناہ معاف نہ ہوں گے) وہ تو کفر ہے کہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا۔ اور وہ دفتر جس میں اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں، وہ بندے کا گناہ ہے۔ خالص اپنے اور اپنے رب کے معاملہ میں (یعنی وہ ظلم جو انسان نے خود اپنے اوپر کیا ہے اور جس کا معاملہ خود اس بندے اور اس کے خدا کے درمیان ہے) کہ کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف کر دے اور درگزر فرمائے۔ اور وہ دفتر جس میں اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا، وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے کہ اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے۔ (امام احمد و حاکم)

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات انسانی میں جو تجاوز و ظلم ہو گا اور انسان کے باہمی حقوق اور اخلاقی فرائض میں جو کوتاہی ہو گی، ان کی معافی ان بندوں کے ہاتھ میں رکھی ہے جن کے حق میں یہ ظلم و تعدی پائی گئی اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں سے اس رحم و کرم کی توقع نہیں ہو سکتی جو اس ارحم الراحمین کی ذات کریم اور اس کے فضل و کرم

سے وابستہ ہے۔

پھر وہاں روپے، اشرفیاں، درہم و دینار تو ہیں نہیں کہ معاوضۂ حق میں دے دی جائیں اور یہ تاوان ادا کر کے اپنی جان، سخت جاں کاہ عذاب سے چھڑا لی جائے، صرف اعمال ہوں گے اور طریقۂ ادا یہ ہو گا کہ اس کی نیکیاں صاحبِ حق کو دے دی جائیں گی۔ اگر اس کا حق ادا ہو گیا تو غنیمت ہے کہ جان بچی اور لاکھوں پائے۔ ورنہ اس کے گناہ اس پر رکھے جائیں گے یہاں تک کہ ترازوئے عدل میں وزن پورا ہو جائے۔

(۲) حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم نے فرمایا "جانتے ہو مفلس کون ہے؟" صحابہ نے عرض کیا "ہمارے یہاں تو مفلس وہ ہے جس کے پاس زر و مال نہ ہو۔" فرمایا "میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز روزے زکوٰۃ لے کر آئے اور یوں آئے کہ اسے گالی دی، اسے زنا کی تہمت لگائی، اس کا مال کھایا، اس کا خون گرایا اور اسے مارا، تو اس کی نیکیاں اسے دی گئیں۔ پھر اگر نیکیاں ختم ہو چکیں اور حق باقی ہیں تو اس کے گناہ لے کر اس پر ڈالے گئے، پھر جہنم میں پھینک دیا گیا۔" (مسلم وغیرہ)

تو حقوق العباد میں ملکِ دیان عز جلالہ نے اپنی دار العدل کا ضابطہ یہی رکھا ہے کہ جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے معاف نہ ہو گا۔ اگرچہ مولیٰ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے جان و مال و حقوق سب کا مالک ہے، اگر وہ بے ہماری مرضی کے، ہمارے حقوق جسے چاہے معاف فرما دے تو بھی عین حق و عدل ہے کہ ہم بھی اسی کے اور ہمارے حق بھی اسی کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ہمارے خون، ہمارے مال، ہماری عزت وغیرہ کو معصوم و محترم نہ کرتا تو ہمیں کوئی کیسا ہی آزار پہنچاتا۔ نام کو بھی ہمارے حق میں گرفتار نہ ہوتا۔ یوں ہی اب اس حرمت و عصمت کے بعد جسے چاہے، ہمارے حقوق چھوڑ دے۔ ہمیں کیا مجال عذر ہے۔ اگر اس کریم رحیم جلّ و علا کی رحمت کہ ہمارے حقوق کا اختیار ہمارے ہاتھ رکھا ہے۔ بے ہمارے بخشے معاف ہو جانے کی شکل نہ رکھی کہ کوئی ستم رسیدہ نہ کہے کہ اے مالک میرے میں اپنی داد کو نہ پہنچا۔

(۳) ہر وہ بندۂ خدا جس نے کسی کے دین آبرو و جان جسم مال یا صرف قلب کو نقصان و آزار پہنچایا۔ اس کے لیے یہاں معاف کرا لینا آسان ہے۔ قیامت کے دن اس

کی امید مشکل کہ وہاں ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار، نیکیوں کا طلب گار اور برائیوں سے بیزار ہو گا۔

پرائی نیکیاں اپنے ہاتھ آتی اور اپنی برائیاں اس کے سر جاتی کیسے بری معلوم ہوتی ہیں۔ یہاں تک حدیث میں آیا: ماں باپ کا، اپنے بیٹے پر کچھ دَین آتا ہو گا۔ روزِ قیامت اسے لپٹائیں گے کہ ہمارا دَین دے۔ وہ کہے گا، میں تمہارا بچہ ہوں۔ یعنی شاید رحم کریں اور وہ تمنا کریں گے کہ کاش اور زیادہ ہوتا۔

جب ماں باپ کا یہ حال تو اوروں سے امید خام خیال۔ یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "روز قیامت تمہیں اہل حقوق کو، ان کے حق ادا کرنے ہوں گے یہاں تک کہ منڈی بکری کا بدلہ، سینگ والی بکری سے لیا جائے گا کہ اسے سینگ مارے۔" اور ایک روایت میں فرمایا "یہاں تک کہ چیونٹی سے چیونٹی کا عوض لیا جائے گا۔" (امام احمد)

غرض حقوق العباد بے ان کی معافی کے معاف نہ ہوں گے۔ ہاں وہ رب کریم و رحیم مالک و مولیٰ جل جلالہ و تبارک و تعالیٰ جس پر رحم فرمانا چاہے گا تو یوں کرے گا کہ حق والے کو، بے بہا قصور جنت یعنی محلات، معاوضہ میں عطا فرما کر اس پر راضی کر دے گا کہ اپنا حق معاف فرما دے اور یوں ایک کرشمۂ کرم میں دونوں کا بھلا ہو جائے گا۔ نہ اس کی حسنات (نیکیاں) اسے دی گئیں، نہ اس کی سیئات (بُرائیاں) اس کے سر رکھی گئیں، نہ اس کا حق ضائع ہونے پایا بلکہ حق سے ہزاروں درجے بہتر وافضل پایا۔ رحمتِ حق کی بندہ نوازی کہ ظالم ناجی اور مظلوم راضی۔ فلله الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه۔

ایک حدیث میں ہے حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے فرمایا:

"بے شک اللہ عزوجل روز قیامت، سب اگلے پچھلے کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا، پھر زیر عرش سے منادی ندا کرے گا۔ "اے توحید والو! مولیٰ تعالیٰ نے اپنے حقوق معاف فرمائے۔" (اتنا سنتے ہی) لوگ کھڑے ہو کر آپس کے مظلوموں (اور باہمی حقوق کی کوتاہیوں) میں ایک دوسرے سے لپٹیں گے۔ (کہ اپنا حق وصول کریں) منادی

پکارے گا "اے توحید والو! ایک دوسرے کو معاف کر دو اور ثواب دینا میرا ذمہ ہے۔"

اسی کو حدیث شریف میں فرمایا کہ "مولیٰ عزوجل قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا۔"

دعا ہے کہ یہ دولت کبریٰ و نعمت عظمیٰ، وہ اکرم الاکرمین جلت عظمتہ اپنے محض کرم و فضل سے اس ذلیل روسیاہ، سراپا گناہ کو اور اس کے متعلقین و متوسلین کو بھی عطا فرمائے۔

کہ مستحق کرامت گناہگار انند

اور اس مختصر سی تمہید کے بعد، قرآن و حدیث کی روشنی میں، اب ملاحظہ فرمائیں۔

(۹۰) والدین کے حقوق

والدین کے وفات پا جانے کے بعد، ان کے حقوق کیا ہیں، اسے ہم اسی کتاب کے حصہ دوم میں بیان کر آئے ہیں۔ انہیں پھر دیکھ لیں تاکہ ماں باپ کے حقوق کا اور واضح طور پر اندازہ ہو جائے۔ یہاں ہم ان حقوق کا ذکر کرتے ہیں، جو ان کی زندگی میں اولاد پر واجب و لازم ہیں۔

قرآن کریم میں رب کریم جل جلالہ نے، والدین کے حقوق کا ذکر اپنے حق کے ساتھ فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

تو صاف ظاہر ہے کہ ماں باپ کا درجہ، خدائے تعالیٰ کے بعد تمام انسانی رشتوں میں سب سے بڑا ہے۔ اسی لیے خدا کی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت اور جابجا وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (ماں باپ کے ساتھ بھلائی) کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، اور ماں باپ میں بھی ماں کا حق، باپ سے زیادہ رکھا گیا ہے۔ عورت کی فطری کمزوری، بیچارگی، حمل و وضعِ حمل اور تربیتِ اولاد پرورشِ بچگان کی تکلیفوں کو ہنسی خوشی برداشت کرنا،

ماں کی بڑائی اور باپ کے حق سے اس کے حقوق مقدم ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ۔

اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی کہ (اس کا فرمانبردار رہے اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرے) اس کی ماں نے اسے پیٹ میں رکھا۔ کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے۔

یعنی حالتِ حمل میں ماں کا ضعف، دم بدم ترقی پر ہوتا ہے۔ جتنا حمل بڑھتا جاتا ہے، بار زیادہ ہوتا اور ضعف ترقی کرتا ہے۔ عورت کو حاملہ ہونے کے بعد ضعف اور تعب اور مشقتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ حمل خود ضعیف کرنے والا ہے اور دردِ زہ اس پر ضعف بالائے ضعف ہے اور وضع حمل اس پر اور مزید مشقت ہے۔ پھر دودھ پلانا ان سب پر مستزاد۔

یہ آیت اس امر کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے کہ اگرچہ اولاد پر ماں باپ، دونوں ہی کی اطاعت و خدمت گزاری لازم ہے لیکن ماں کی خدمت کی اہمیت اس بنا پر کہیں زیادہ ہے کہ وہ اولاد کے لیے تکلیفیں اٹھاتی اور مشقتیں جھیلتی ہے اور حمل و وضع حمل کے دوران شدتوں پر شدتیں برداشت کرتی ہے۔

اس بات کی مزید تاکید اس ارشاد نبوی سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں آکر دریافت کیا کہ یارسول اللہ! سب سے زیادہ میرے حسنِ سلوک کا مستحق کون ہے؟ فرمایا "تیری ماں۔" پوچھا پھر کون؟ فرمایا "تیری ماں۔" اس نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا "تیری ماں۔" تین دفعہ آپ نے یہی جواب دیا۔ چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا "تیرا باپ۔" (بخاری)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ٹھیک ٹھیک اس آیۂ کریمہ کی ترجمانی ہے کیونکہ اس میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) اس کی ماں نے اسے مشقت اٹھا کر پیٹ میں رکھا۔

(۲) شدتیں اور دردِ زہ کی تکلیفیں جھیل کر اسے جنا۔

(۳) اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں ۳۰ مہینے اذیت میں گزارے۔

الغرض ماں کی ہستی وہ ہستی ہے جس نے اپنی اولاد کو اپنا خون پلا پلا کر بڑھایا اور نو مہینے اس کی مشکل سہہ کر اور سختی اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا۔ پھر اس کے جننے کی ناقابلِ برداشت سختی کو ہنسی خوشی برداشت کیا۔ پھر اس نے نومولود کو اپنی چھاتیوں سے لگا کر، اپنا خون پانی کر کے اسے پلایا اور اس کی پرورش اور غور و پرداخت میں اپنی ہر ہر راحت و آسائش کو قربان، اپنے ہر آرام اور سکھ کو ترک، اور اپنی ہر خوشی و مرضی کو نثار کر دیا۔ ایسی حالت میں کیا ماں سے بڑھ کر، انسان اپنے وجود میں مخلوقات میں کسی اور کا محتاج ہو سکتا ہے۔ اس لیے شریعتِ محمدی نے اپنی تعلیم میں جو بلند سے بلند مرتبہ ماں کو بخشا ہے، وہ ضرور اس کی مستحق و سزاوار ہے۔

(۹۱) باری تعالیٰ کا ایک اور فرمان

معراج مبارک کے احکام دوازدہ گانہ میں اس واحد بے ہمتا کی یکتائی و توحید کے بعد، والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم اور ان کی اطاعت و خدمت گزاری اور تکریم و تعظیم کی اہمیت کا اندازہ اور یہ کہ شریعت اسلامیہ میں خدمت والدین کا درجہ کتنا اہم و بلند ہے۔ قرآن شریف کا یہ ارشاد گرامی تلاوت فرمائیے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے "ہوں" نہ کہنا۔ اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور

الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا۔ — ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا، نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر، جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔

توحید و خدا پرستی کی تعلیم سے متصلاً ہی والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، نیکی اور خدمت گزاری کی تاکید سے آپ ہی اس کی اہمیت ظاہر ہے پھر بھی مزید اہتمام و تاکید کے لیے اس نے بتایا اور اولاد کو سمجھایا کہ

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ۔ — اگر تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔

خوب یاد رکھنا چاہیے کہ تہذیب فرنگ کی طرح، شریعتِ اسلامیہ کا فتویٰ نہیں کہ لڑکا جب عاقل و بالغ اور صاحب اختیار ہو جائے وہ بیوی کے ساتھ اپنا الگ گھر بار کر لے اور بوڑھے ماں باپ سے تعلق، اگر رکھے بھی تو محض دور کا اور ضابطہ کا، بلکہ صاف واشگاف الفاظ میں حکم دیا جا رہا ہے، ان کی ہر طرح خدمت گزاری اور دلجوئی کا خاص کر اس حالت میں کہ والدین بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں، ضعف کا غلبہ ہو چکا ہے، طاقت طاق ہو چکی ہے، توانائی اور جسمانی قوت رخصت ہو چکی ہے، عقل میں فتور سا آ چلا ہے، مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو چکا ہے، ہوش و حواس برجا نہیں رہے ہیں اور والدین قدم قدم پر اولاد کی خدمت و دستگیری کے محتاج بن گئے ہیں اور بڑھاپے کی لپیٹ میں آ کر، والدین معذور ہو کر دوسروں کی راہ تکنے لگے ہیں اور عالم یہ ہے کہ ان کی خدمت، طبیعت پر گراں گزرنے لگتی ہے، مگر شرعِ مطہرہ حکم دیتی ہے کہ خبردار ان کی دلجوئی اور خدمت گزاری میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے۔ اور بیش از بیش ان کی خبرگیری کی جائے اور ہمہ اوقات ان کی ضرورت کا لحاظ رکھ کر، ان کی خدمت بجا لائی جائے۔ اسلام کی نظر میں وہی اولاد سعادت مند اولاد ہے جو خصوصاً ان کی ضعیفی میں ان کی بیش از بیش خدمت و دلجوئی میں مصروف رہے۔

غور تو فرمائیں کہ اسی دنیا میں اسی سطح زمین پر ایسی ایسی مہذب و شائستہ قومیں بھی گزری ہیں جن کے یہاں دستور یہ تھا کہ جب والدین بوڑھے ہو کر قوم کے لیے عضو

معطل و بیکار، بلکہ قوم پر ایک قسم کا بار ہو جاتے تو سعادت مند صاحبزادے انہیں لے جا کر کسی سنسان پہاڑی پر چھوڑ آتے تھے کہ وہیں پڑے پڑے مرجائیں یا کسی جنگلی جانور کی غذا بن جائیں۔

یہ صرف اسلام ہے جس نے بوڑھے والدین کی خدمت گزاری کا اتنا اہتمام تام فرمایا کہ ان کے آبگینوں کو ٹھیس نہ لگنے دی۔ ایک حدیث شریف میں یہ مضمون آیا ہے کہ بڑا بد بخت و بد قسمت ہے وہ شخص جو اپنے والدین کا بڑھاپا پائے، پھر انہیں خوش کر کے، ان کی نیک دعاؤں سے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنا لے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ — تو ان سے "ہوں" بھی نہ کہنا۔

حکم قرآنی سے مراد صرف لفظ اف کے تلفظ سے روکنا نہیں بلکہ مقصود کلام یہ ہے کہ والدین کو قولاً یا فعلاً، بڑی یا چھوٹی، کسی قسم کی اذیت پہنچانا جائز نہیں، یعنی نہ کوئی ایسی حرکت کی جائے اور نہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالا جائے، جس سے یہ سمجھا جائے کہ ان کی طرف سے طبیعت پر کچھ گرانی ہے۔ ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ جب ماں باپ کے سامنے "ہوں" کرنے کی بھی ممانعت ہو گئی تو ظاہر ہے کہ جو چیزیں اس سے بڑھ کر ان کے مقابلہ میں گستاخانہ یا ان کے حق میں تکلیف دہ ہیں، ان کی ممانعت تو کہیں زائد ہو گی۔

وَلَا تَنْهَرْهُمَا۔ — اور انہیں نہ جھڑکنا۔

وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ — اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔

یعنی جب ان سے کسی معاملہ میں گفتگو کرنے کا موقع آئے تو حسن ادب کے ساتھ ان سے خطاب کیا جائے کہ کسی طور پر بے ادبی کا شائبہ بھی نہ آنے پائے بلکہ اس طرح کلام کرے جیسے غلام و خادم اپنے آقا و مخدوم سے کرتا ہے۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا سے اگر والدین کے ساتھ عمل میں لطف و نرمی کا حکم نکلا تو فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا سے قول میں ان کے ساتھ ادب و تمیزداری کی تاکید نکلی اور قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا سے مخاطبت و گفتگو میں ان کے ادب و عظمت کے لحاظ رکھنے کا حکم نکل آیا۔ یہ ہے اسلام میں ماں باپ کی عظمت کا تصور۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ۔ اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا۔

قولِ کریم کے بعد اولاد کو حکم دیا کہ والدین کے ساتھ نرمی و تواضع، خاکساری و انکساری سے پیش آؤ اور ان کے تھکے وقت میں شفقت و محبت کا برتاؤ کرو کہ ان سے گفتگو ہی نہ کی جائے مگر فروتنی، خاکساری اور تواضع و انکسار کے ساتھ اور اگر کوئی بات ان سے اپنے مزاج کے خلاف سرزد ہو جائے تو اسے بہرحال برداشت کی عادت ڈالی جائے اور خواہ کتنی ہی خدمت گزاری ان کی کی جائے، پھر بھی ان سے یہی کہے کہ میں خدمت کا حق ادا نہ کر سکا۔ میری تقصیر اور کوتاہی کو معاف فرمادیں۔

یہ حسنِ سلوک و قولِ حسن، ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے اور ان کی نیک دعاؤں کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ ہے اور والدین کی نیک دعائیں اولاد کے حق میں نعمت غیر مترقبہ ہیں:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا۔ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر۔

مدعا یہ ہے کہ دنیا میں والدین کے ساتھ بہتر سلوک اور خدمت میں کتنا ہی مبالغہ کیا جائے لیکن والدین کے احسان کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اس لیے بندہ کو چاہیے کہ بارگاہ الٰہی میں ان پر فضل و کرم فرمانے کی دعا کرے اور عرض کرے کہ یارب میری خدمتیں، ان کے عظیم احسانات کی جزا نہیں ہو سکتیں، تو ان پر رحم فرما اور رحمت کر۔

والدین کے حق میں دعائے رحمت کرتے رہنے سے خود اپنے دل میں بھی ان کے متعلق محبت و کشش کے جذبات بیدار ہو جائیں گے، یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے۔ جب جس کا جی چاہے اس کا تجربہ کر کے دیکھ لے۔

اور پھر یہ دعا کرنا کہ اے پروردگار! ان پر رحمت فرما گویا یہ دعا کرنا ہے کہ "اے پروردگار! انہیں دنیا و آخرت کی، ہر قسم کی بھلائی سے بہرہ ور فرما۔" اس لیے کہ لفظ رحمۃ عربی میں جامعیت ہی ایسی رکھتا ہے کہ دین و دنیا کی تمام حسنات کو شامل ہے:

كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا۔ جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

یہاں کس حکمت کے ساتھ جوان تندرست و تومند اولاد کو خود اس کے بچپن کی بے کسی و بے بسی یاد دلا دی گئی۔ قدرتاً یہاں پہنچ کر، ہر انسان کو یہ خیال آئے گا کہ ایک دن مجھے بھی، اسی طرح ضعیف اور معذور ہو کر خود اپنی اولاد کا محتاج و دست نگر ہونا ہے اور یہی خیال، والدین کی خدمت گزاری پر اور زیادہ آمادہ کرے گا۔

اور یہیں سے ضمناً یہ بات بھی نکل آئی کہ معاشرتِ اسلامی میں بچوں کی تربیت و پرورش والدین ہی کا حق ہے اور ہر صالح تمدن میں یہی ہوتا بھی ہے۔ پرورشِ بچگان کا یہ حق والدین سے لے کر حکومت یا کسی ادارے کو سونپ دینا، فطرتِ انسانی اور قدرتِ ربانی سے جنگ ہے اور اس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے اور وہ ہے والدین اور اولاد میں اجنبیت۔ ہر ایک کا دوسرے سے غیر متعلق اور محض اجنبی ہونا اور یہ ذریعہ ہے گمراہی و قساوتِ قلبی کا۔ جس کا دروازہ کھلتا ہے تو فتنہ و فساد نئے رنگ و روپ میں سر ابھارتے ہیں۔

آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا جائز اور اسے فائدہ پہنچانے والی ہے۔ مُردوں کے ایصالِ ثواب میں بھی، ان کے لیے دعائے رحمت و مغفرت ہوتی ہے۔ لہٰذا ایصالِ ثواب کے لیے یہ آیت اصل ہے۔

(۹۲) احادیثِ کریمہ اور حقوقِ والدین

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

(۱) میں جنّت میں گیا۔ اس میں قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ میں نے پوچھا "یہ کون پڑھتا ہے۔" فرشتوں نے کہا "حارثہ بن نعمان ہیں۔" حضور نے فرمایا "یہی حال ہے احسان کا، یہی حال ہے احسان کا، حارثہ اپنی ماں کے ساتھ بہت بھلائی کرتے تھے۔" (بیہقی)

(۲) پروردگار کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور پروردگار کی ناخوشی باپ کی ناراضی میں ہے۔ (ترمذی)

(۳) جس نے اس حال میں صبح کی کہ اپنے والدین کا فرمانبردار ہے، اس کے لیے صبح

ہی کو جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک ہی ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے اور جس نے اس حال میں صبح کی کہ والدین کے متعلق، خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ (ان کے حقوق ادا نہیں کرتا) اس کے لیے صبح ہی کو جہنم کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی "اگرچہ ماں باپ اس پر ظلم کریں۔" فرمایا "اگرچہ ظلم کریں، اگرچہ ظلم کریں، اگرچہ ظلم کریں۔" (بیہقی)

(۴) جب اولاد اپنے والدین کی طرف نظرِ رحمت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے، ہر نظر کے بدلے حج مبرور (جنایت و کوتاہی سے دُور) کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ لوگوں نے کہا "اگرچہ دن میں سو مرتبہ نظر کرے؟" فرمایا "ہاں اللہ بڑا ہے اور اطیب ہے۔" یعنی اسے سب کچھ قدرت ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کو اس کے دینے سے عاجز کیا جائے۔
(بیہقی)

(۵) کسی کے ماں باپ دونوں، یا ایک کا انتقال ہو گیا اور یہ ان کی (زندگی میں) نافرمانی کرتا تھا۔ اب ان کے لیے ہمیشہ استغفار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو نیکو کار لکھ دیتا ہے۔ (بیہقی)

(۶) ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے، حضور سے مشورہ لینے حاضر ہوا ہوں۔ ارشاد فرمایا: "تیری ماں ہے۔" عرض کی، "ہاں۔" فرمایا: "اس کی خدمت لازم کرلے کہ جنّت اس کے قدموں کے پاس ہے۔" (احمد و نسائی)

(۷) زیادہ احسان کرنے والا (اپنے باپ کے ساتھ) وہ ہے جو اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ، باپ کے نہ ہونے کی صورت میں احسان کرے۔ یعنی جب باپ مر گیا یا کہیں چلا گیا ہو۔ (مسلم)

(۸) یہ بات کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ لوگوں نے عرض کی "یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟" فرمایا "ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ یہ دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے، وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔" (مسلم و بخاری)

اللہ اللہ صحابہ کرام جنھوں نے عرب کا زمانۂ جاہلیت دیکھا تھا، ان کی سمجھ میں یہ نہ آیا کہ اپنے ماں باپ کو کوئی کیونکر گالی دے گا۔ یعنی یہ بات ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ حضور نے بتایا کہ اس سے مراد دوسرے سے گالی دلوانا ہے اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ بعض لوگ خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتے ہیں اور کچھ لحاظ نہیں کرتے، ذرا نہیں شرماتے۔

(۹۳) عقوق (نافرمانی) والدین کا وبال

(۱) ابن ماجہ نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنّت و دوزخ ہیں۔ یعنی ان کو راضی رکھنے سے جنّت ملے گی اور ناراض رکھنے سے دوزخ کے مستحق ہوں گے۔

(۲) نسائی و دارمی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منان یعنی احسان جتانے والا اور والدین کی نافرمانی کرنے والا شراب خوری کی مداومت کرنے (ہمیشہ پینے) والا جنّت میں نہ جائے گا۔

(۳) حاکم نے مستدرک میں کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب لوگ منبر کے پاس حاضر ہو جاؤ ہم سب حاضر ہوئے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر کے پہلے درجہ پر چڑھے ارشاد فرمایا آمین۔ جب دوسرے پر چڑھے کہا آمین۔ جب تیسرے پر چڑھے ارشاد فرمایا آمین۔ جب حضور منبر سے اترے، ہم نے عرض کی حضور سے آج ایسی بات سنی کہ کبھی ایسی نہ سنا کرتے تھے۔ فرمایا کہ "جبرئیل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اسے رحمت الٰہی سے دوری ہو جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی۔" اس پر میں نے آمین کہی۔ جب میں دوسرے درجے پر چڑھا تو انہوں نے کہا "اس شخص کے لیے رحمت سے دوری ہو جس کے سامنے حضور کا ذکر ہو اور وہ حضور پر درود نہ پڑھے۔" اس پر میں

نے کہا آمین جب میں تیسرے درجے پر چڑھا انہوں نے کہا "اس کے لیے دوری ہو جس کے ماں باپ دونوں یا ایک کو بڑھاپا آیا اور انہوں نے اسے جنّت میں داخل نہ کیا۔" میں نے کہا آمین۔

(۴) بیہقی نے شعب الایمان میں ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے گناہ ہیں، ان میں سے جس کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، سوا والدین کی نافرمانی کے کہ اس کی سزا زندگی میں موت سے پہلے دی جاتی ہے۔

(۵) ایک حدیث شریف میں ہے کہ والدین کا فرمانبردار جہنمی نہ ہو گا اور ان کا نافرمان کچھ بھی عمل کرے گرفتار عذاب ہو گا۔

(۶) ایک اور حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والدین کی نافرمانی سے بچو، اس لیے کہ جنّت کی خوشبو، ہزار برس کی راہ تک آتی ہے اور نافرمان وہ خوشبو نہ پائے گا۔ نہ قاطع رحم (رشتہ و قرابت کو کاٹنے والا) نہ بوڑھا زناکار۔ اور نہ تکبر سے اپنی ازار (شلوار خواہ پاجامہ یا تہہ بند) ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔

(۷) طبرانی و حاکم نے روایت کی کہ خداوند تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں سے لعنت کی اس پر جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے۔

(۸) مروی ہے کہ ماں باپ کا نافرمان، جب دفن کیا جاتا ہے تو (جوش غضب میں) قبر اسے ایسا دباتی ہے کہ اس کی پسلیاں، ادھر سے ادھر ہو جاتی ہیں۔

(۹) کعب احبار سے روایت ہے کہ والدین کی نافرمانی کرنے والے کو ہلاک کرنے میں مہلت نہیں دیتا، تاکہ اس پر عذاب میں جلدی ہو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والے کی عمر بڑھا دیتا ہے تاکہ اور بھی سلوک کرے۔

(۱۰) وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اپنے والدین کی تعظیم و توقیر کرو جس نے والدین کی عزت بڑھائی۔ ہم اس کی عمر بڑھائیں گے اور اس کو ایسی اولاد دیں گے جو اس کے ساتھ نیک سلوک کرے اور جو والدین کی نافرمانی کرتا ہے۔ ہم اس کی عمر گھٹا

دیں گے اور اس کو ایسی اولاد دیں گے کہ اس کو ستائے اور اس کی نافرمانی کرے۔

مروی ہے کہ شب معراج میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک جماعت پر ہوا تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ لوگ آگ کی شاخوں میں باندھ کر لٹکا دیئے گئے ہیں۔ دریافت فرمایا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اپنے والدین کو سخت سست کہا کرتے تھے۔

ان روایات کو دیکھیں اور ماں باپ کے حقوق کو پہچانیں، ان کی خدمت و تعظیم کو دارین میں سعادت کے ذریعہ جانیں اور ان کے اطاعت گزار بن کر رہیں۔

(۹۴) سچی روایتیں

(۱) صحیح بخاری شریف وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے ہیں اگلے زمانے کے تین شخص کہیں جا رہے تھے، سونے کے وقت ایک غار کے پاس پہنچے اور اس میں تینوں داخل ہو گئے۔ پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے گری جس نے غار کو بند کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اب اس سے نجات کی صورت نہیں۔ بجز اس کے کہ تم نے جو نیک کام کیا ہو اس کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرو۔ ایک نے کہا اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے، جب میں جنگل سے بکریاں چرا کر لاتا تو دودھ دوہ کر سب سے پہلے انہیں پلاتا۔ ان سے پہلے نہ اپنے بال بچوں کو پلاتا، نہ لونڈی و غلام کو دیتا۔ ایک دن جنگل میں دور چلا گیا۔ رات میں جانوروں کو لے کر ایسے وقت میں آیا کہ والدین سو گئے تھے میں دودھ لے کر ان کے پاس پہنچا تو سوئے ہوئے تھے، بچے بھوک سے چلا رہے تھے مگر میں نے والدین سے پہلے بچوں کو پلانا پسند نہ کیا اور یہ بھی پسند نہ کیا کہ انہیں سوتے سے جگا دوں اور دودھ کا پیالہ ہاتھ پر رکھے ہوئے ان کے جاگنے کے انتظار میں رہا یہاں تک کہ صبح نمودار ہو گئی۔ اب وہ جاگے اور دودھ پیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لیے کیا ہے تو اس چٹان کو کچھ ہٹا دے۔ اس کا کہنا تھا کہ چٹان کچھ سرک گئی

مگر اتنی نہیں ہٹی کہ یہ لوگ غار سے نکل سکیں۔

دوسرے نے کہا اے اللہ! میرے چچا کی لڑکی تھی جس کو میں بہت محبوب رکھتا تھا میں نے اس کے ساتھ برے کام کا ارادہ کیا، اس نے انکار کر دیا پھر وہ قحط کی مصیبت میں مبتلا ہوئی، میرے پاس کچھ مانگنے کو آئی۔ میں نے اسے ایک سو بیس اشرفیاں دیں کہ میرے ساتھ خلوت کرے، وہ راضی ہو گئی۔ جب مجھے اس پر قابو ملا تو وہ بولی کہ "میں ناجائز طور پر اس مہر کا توڑنا تیرے لیے حلال نہیں کرتی۔" میں اس کام کو گناہ سمجھ کر ہٹ گیا اور اشرفیاں جو دے چکا تھا وہ بھی چھوڑ دیں۔ الٰہی یہ کام تیری رضاجوئی کے لیے میں نے کیا ہے تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ اتنا کہتے ہی چٹان کچھ اور سرک گئی مگر اتنی نہیں ہٹی کہ یہ اس سے باہر آسکیں۔

تیسرے نے کہا اے اللہ! میں نے چند شخصوں کو مزدوری پر رکھا تھا۔ ان سب کو مزدوریاں دیں، ایک شخص مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کی مزدوری کو میں نے بڑھایا یعنی اس سے تجارت وغیرہ کوئی ایسا کام کیا جس سے اس میں اضافہ ہوا۔ اور اس کو میں نے بڑھا کر بہت کچھ کر لیا۔ وہ ایک زمانے کے بعد آیا اور کہنے لگا۔ اے خدا کے بندے میری مزدوری مجھے دے دے میں نے کہا یہ جو کچھ اونٹ، گائے، بیل، بکریاں، غلام تو دیکھ رہا ہے، یہ سب تیری ہی مزدوری کا ہے۔ سب لے لے۔ وہ بولا اے بندۂ خدا مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا مذاق نہیں کرتا ہوں۔ یہ سب تیرا ہی ہے لے جا۔ وہ سب کچھ لے کر چلا گیا۔ الٰہی اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اسے ہٹا دے۔ وہ پتھر ہٹ گیا اور یہ تینوں اس غار سے نکل کر چلے گئے۔

(۲) ایک نوجوان کا نام علقمہ تھا جسے نمازیں پڑھنے، روزے رکھنے اور صدقہ و خیرات دینے کا بڑا شوق تھا، کبھی اس میں کوتاہی نہ کرتا۔ اتفاقاً وہ بیمار پڑا اور اس کی بیماری طول پکڑ گئی۔ اس نے اپنی بی بی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بھیجا۔ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض یا رسول اللہ! میرا شوہر علقمہ حالت نزع میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو صحابہ کو بھیجا کہ جا کر کلمہ کی تلقین کریں، اسے تلقین کی گئی لیکن کوشش رائیگاں گئی اور کلمہ طیبہ اس کی زبان سے

ادا نہ ہوا۔ صحابہ نے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ لوگوں نے کہا اس کی بوڑھی ماں زندہ ہے۔

آپ نے اس کے پاس اطلاع بھیجی کہ اگر تو آسکتی ہے تو خیر، ورنہ میں خود تیرے پاس آؤں گا۔ اس نے کہا میری جان آپ پر قربان۔ میں خود چلوں گی اور عصا ٹیکتی ہوئی حاضر خدمت ہوئی اور سلام کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے علقمہ کی ماں! سچ سچ بیان کرنا۔ ورنہ میرے پاس وحی آتی ہے (حقیقت معلوم ہو جائے گی) تیرے فرزند علقمہ کا کیا حال رہا ہے؟ اس نے جواب دیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ نمازیں بہت پڑھتا تھا، روزے بھی بہت رکھتا تھا اور خیر خیرات بھی بہت کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا تو اس سے خوش تھی۔ اس نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ اس کی طرف سے آزردہ و رنجیدہ رہی۔ آپ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ اپنی بی بی کی بات سنتا اور مانتا تھا اور میری نافرمانی کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا "تیری یہی ناراضگی اس کے منہ سے کلمۂ شہادت نہیں نکلنے دیتی۔"

ازاں بعد آپ نے فرمایا کہ بلال جاؤ اور لکڑیاں جمع کرو۔ عورت نے کہا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ کس لیے؟ آپ نے فرمایا کہ میں علقمہ کو آگ میں جلاؤں گا۔ وہ بولی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں اسے برداشت نہ کر سکوں گی۔ ارشاد فرمایا اے علقمہ کی ماں! خدا کا عذاب تو اور بھی زیادہ سخت اور بہت عرصہ تک رہنے والا ہے اگر تو اس کی بخشائش چاہتی ہے تو اس سے راضی ہو جا۔ (اور اس کی تقصیر معاف کر دے) قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ جب تک تو اس سے راضی نہ ہو گی (اور اسے معاف نہ کرے گی) نہ اس کی نمازیں اس کو فائدہ پہنچائیں گی نہ روزے مفید ہوں گے اور نہ اس کا صدقہ و خیرات۔

(ماں آخر ماں ہوتی ہے) وہ چلا اٹھی کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں خدائے تعالیٰ اور اس کے فرشتوں، نیز تمام مسلمانوں کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں اپنے لڑکے علقمہ سے راضی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بھیجا کہ معلوم کرو وہ کلمہ پڑھتا ہے یا نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ وہ کلمۂ شہادت پڑھ رہا ہے۔ آکر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! علقمہ کی ماں کی رنجش نے اسے کلمہ خوانی سے باز رکھا تھا۔ وہ راضی ہوگئی تو علقمہ کو کلمہ پڑھنا نصیب ہوا۔ علقمہ کا اسی روز انتقال ہوگیا، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تجہیز و تکفین میں شرکت فرمائی۔

حکایات و روایات تو اس بارے میں بہت کچھ مروی ہیں لیکن دلِ انصاف منزل کے لیے یہی دو روایتیں کافی ہیں اور ناخدا ترس کے لیے دفتر بھی ناکافی۔

(۹۵) خلاصۂ کلام

اس باب میں یہ ہے کہ قرآن کریم احادیث شریفہ نے والدین کی خدمت گزاری و اطاعت شعاری کو جو اہمیت دی ہے اس کی روشنی میں ہر مسلمان پر یہ بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے والدین کا، عمر کے ہر حصے میں عموماً اور ان کی ضعیفی و کبر سنی میں خصوصاً مطیع و فرمانبردار اور اطاعت گزار رہے۔ ان کی خدمت کو موجبِ نجات جانے، سرِ مو ان کے حقوق سے انحراف نہ کرے، کبھی ان کی ضرورتوں سے بے نیازی نہ برتے۔ بلکہ خود اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو بھی ان کے اکرام و احترام کا پابند بنائے۔ خصوصاً بڑھاپے میں اسی طرح ان کی خدمت بجالائے اور دوسروں کو سکھائے جس طرح اس کے بچپن میں وہ اس کی پرورش اور ناز برداری کرتے رہے، اور ان کے دکھ کو اپنا دکھ جانے۔

اس کے برخلاف بڑی بدنصیبی اور بدبختی ہے مسلمان کی۔ کہ وہ اپنے ماں باپ کے مقابل آئے اور ان کی مشقتوں اور اذیت پسندیوں کو یہ کہہ کر خاک میں ملادے کہ وہ ان کا فرض تھا جسے وہ بجالائے، ہم پر احسان کیا؟

عزیزو! مانا کہ ان کا فرض تھا جسے انہوں نے ادا کیا لیکن جس شریعت نے والدین پر، اولاد کی پرورش و تربیت فرض کی۔ اسی نے اولاد پر ان کی اطاعت گزاری اور دلجوئی ٹھہرائی۔ تو تم اپنے فرض سے کیوں جی چراتے ہو۔ یہ تو وہی مثل ہوئی، میٹھا میٹھا ہپ

ہپ، کڑوا کڑوا........ شرم بادت از خدا و از رسول۔

ہم یہاں وہ بات پھر دہرائے دیتے ہیں جو ابتدائی حصوں میں بیان کر چکے ہیں کہ:

بالجملہ والدین کا حق وہ نہیں

کہ انسان اس سے کبھی عہدہ برآ و سبکدوش ہوسکے، ماں باپ، اولاد کی حیات و وجود کے سبب ہیں تو جو کچھ نعمتیں دینی و دنیوی پائے گا سب انہیں کے طفیل میں ہوئیں کہ ہر نعمت و کمال وجود پر موقوف اور وجود کے سبب وہ ہوئے۔ تو صرف ماں باپ ہونا ہی ایسے عظیم حق کا موجب ہے جس سے آدمی بری الذمہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ نہ کہ اس کے ساتھ اس کی پرورش میں ان کی کوششیں اس کے آرام کے لیے ان کی تکلیفیں۔ خصوصاً پیٹ میں رکھنے، پیدا ہونے، اور دودھ پلانے میں ماں کی اذیتیں۔ ان کا شکر کہاں تک ادا ہوسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے اللہ و رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے اور ان کی ربوبیت و رحمت کے مظہر ہیں۔ والہٰذا قرآن عظیم میں اللہ جل جلالہ نے اپنے حق کے ساتھ ان کا حق فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی۔ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ایک راہ میں ایسے گرم پتھروں پر، کہ اگر گوشت کا ٹکڑا، ان پر ڈالا جاتا، کباب ہو جاتا، چھ میل تک اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کر کے لے گیا ہوں۔ کیا اب میں اس کے حق سے بری الذمہ ہو گیا؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے پیدا ہونے میں جس قدر دردوں کے جھٹکے، اس نے اٹھائے ہیں، شاید یہ ان میں ایک جھٹکے کا بدلہ ہوسکے۔ (طبرانی)

اللہ عزوجل عقوق سے بچائے اور ادائے حقوق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

(۹۶) ایک ضروری تنبیہہ

والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم تو قرآن کریم و احادیث کریمہ میں بار بار اور عام بہ تاکید تمام آیا ہے اور اطاعت والدین اپنی جگہ نہایت اہم ضروری شے ہے۔ بلکہ اسلام کی مجلسی اور معاشرتی زندگی کی تو بنیاد ہی اتحادِ زوجین کی طرح اطاعتِ والدین پر رکھی گئی ہے۔ لیکن اگر کسی کے ماں باپ مشرک ہوں اور عقیدۂ توحید پر زد پڑتی ہو تو کیا اب بھی، اس خاص مد میں ان کی اطاعت کی جائے۔

قرآن کریم اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ:

فَلَا تُطِعْهُمَا۔ ان کا کہنا نہ مان۔

صاف ظاہر ہے کہ اب وہ فریضۂ اطاعت ساقط ہو جائے گا اور اس باب میں ان کی اطاعت، اطاعت نہیں بلکہ عین معصیت بن جائے گی۔ کیونکہ اس میں خالق کی صریح نافرمانی ہے اور خالق کی نافرمانی کرنے میں کسی کی اطاعت روا نہیں۔

البتہ یہ حکم اس حال میں بھی قائم ہے کہ:

صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوفًا۔ دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دو۔

یعنی دنیاوی معاملات و حاجات، خورد و نوش میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک، حسنِ اخلاق اور احسان و تحمل کے ساتھ پیش آنا چاہیے۔ والدین کفر و شرک میں ملوث ہوں۔ تب بھی انہیں عضوِ معطل بنا کر چھوڑ دینا اور ان کی خدمت گزاری سے دست کش ہو جانا، شریعتِ مطہرہ کو ہرگز پسند نہیں۔ والدین کی اطاعت گزاری بہر صورت واجب ہے۔ بجز اس کے کہ ان کی اطاعت گزاری، اللہ تبارک و تعالیٰ کی معصیت کو مستلزم ہو جائے۔

اس آیت کے بارے میں صحیح مسلم شریف و جامع ترمذی وغیرہ کی روایت ہے کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب

حضرت سعد بن ابی وقاص ۱۸-۱۹ سال کی عمر میں ایمان لے آئے اور اسلام قبول کر لیا اور ان کی مشرک والدہ کو معلوم ہوا کہ بیٹا مسلمان ہو گیا ہے تو وہ بہت ناخوش ہوئیں اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو اسلام کو ترک نہ کرے گا اور محمد کا انکار نہ کرے گا، میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیئوں گی اور نہ سائے میں بیٹھوں گی۔

ماں کا حق ادا کرنا تو اللہ و تبارک و تعالیٰ کا حکم ہے۔ حضرت سعد اس پر پریشان ہو گئے کہ اگر ماں کی بات نہ مانی تو یہ بھی اللہ کی نافرمانی ہوگی۔ چنانچہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ایسی باتوں میں والدین کی اطاعت نہیں۔

اور شانِ نزول نے یہ بات بھی صاف کر دی کہ خدا کی نافرمانی پر آمادہ کرنے کے لیے والدین اگر پورا زور بھی لگا دیں، بھوک ہڑتال کر دیں، کھانا پینا بھی چھوڑ دیں۔ آسائش کو بھی اپنے اوپر قسم کھا کر حرام کر لیں، تب بھی خدا و رسول کے احکام کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ ایک طرف ماں باپ کی فرماں برداری ہے تو دوسری جانب خدا و رسول کی نافرمانی۔ اور ظاہر ہے کہ خدا و رسول کی نافرمانی سے بچنا، فرض اہم اور تمام مخلوق کی فرماں برداری پر مقدم ہے۔ ہاں ان کی دنیاوی خدمت اور حسنِ سلوک میں کوتاہی نہ برتیں۔ انہیں ایذا نہ دیں اور دنیاوی امور میں حسنِ اخلاق اور صبر و تحمل سے پیش آئیں۔

(۹۷) ایک اور پندِ سودمند

دنیائے دوں میں، دنیا کی رنگین فضاؤں میں گم گشتہ راہ، ایسے "سعادت مند" بیٹے بھی موجود ہیں جو ماں باپ کی معذوریوں اور ناتوانیوں کے باوجود اپنے والدین کی کسی کوتاہی کی آڑ میں، دل و جان سے ان کی خدمت پر آمادہ نہیں ہوتے اور آمادہ ہو بھی جاتے ہیں تو مرے دل، ہارے جی سے کہ دوسروں کی طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنیں اور اپنے یا بیگانے، ان پر انگشت نمائی نہ کریں۔ قرآن کریم اس سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے:

اِلَیَّ مَرۡجِعُکُمۡ فَاُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۔ — میری ہی طرف تمہارا پھرنا ہے، تو میں بتا دوں گا تمہیں جو تم کرتے تھے۔

یعنی ماں باپ اور اولاد دونوں ہی کو آخر کار پلٹ کر جانا اسی عالم الغیب والشہادۃ کی جانب ہے جس کے احاطۂ علم و خبر سے، دلوں کی چھپی بھی پوشیدہ نہیں، وہی تمہارے کردار کے مطابق تمہیں جزا دے گا۔ اس لیے اتفاقی طور پر کبھی کوئی بات اگر اولاد سے، والدین کے رتبہ کے منافی صادر ہو جائے تو معاً نادم ہو کر اس کی تلافی کرو اور والدین کو راضی کر کے، حق تعالیٰ کی طرف توبہ و استغفار کے ساتھ رجوع لاؤ۔ وہ رحیم و کریم والدین کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے گا اور تمہاری تقصیروں سے بھی درگزر فرمائے گا۔

آیت کریمہ سے ضمناً یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ محض نمائشی رکھ رکھاؤ اور والدین کے ساتھ دکھاوے کا برتاؤ، ناقابلِ معافی جُرم ہے اور اس کے لیے کیسے ہی اسبابِ اخفاء پیدا کر لیے جائیں، یہ جُرم اس کے علم سے باہر نہیں رہ سکتا، یہ قابلِ گرفت جُرم ہے۔ لہٰذا اسی دنیا میں اس کی تلافی کر لو ورنہ بارگاہِ الٰہی میں جواب دہی کے لیے تیار رہو۔

(۹۸) حقوقِ اولاد

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَاَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا۔ — اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ صرف یہ نہیں کہتی کہ اولاد پر ماں باپ کے حقوق ہیں اور اولاد پر فرض ہے کہ ان کی اطاعت و خدمت گزاری اور حسنِ سلوک کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں اور ان کے حقوق کو، خدا و رسول کے حقوق کے ساتھ ساتھ ادا کریں۔ بلکہ اسلام کہتا ہے کہ والدین کے حقوق اپنی جگہ اولاد کے بھی حقوق ہیں والدین پر، جن کا لحاظ رکھنا والدین پر لازم اور ان کا شرعی و ملی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باپ کے ذمہ بھی اولاد کے حقوق ہیں

جس طرح اولاد کے ذمہ، باپ کے حقوق ہیں۔ (ابن النجار)

اور ایک حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عطیہ میں اپنی اولاد کے درمیان عدل (برابری) کرو جس طرح تم خود یہ چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ احسان و مہربانی میں عدل کریں۔ (طبرانی)

اور ابن النجار کی ہی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ تم اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو، یہاں تک کہ بوسہ لینے میں۔

یہ گویا ایک معیار ہے اولاد کی تربیت کا اور ایک شمہ ہے حقوقِ اولاد کا۔ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیۂ کریمہ میں اہلِ ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھی آتشِ جہنم سے بچائیں اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس سے بچانے کی تدابیر اختیار کریں۔

اور وہ تدابیر یہی ہیں کہ وہ خدا اور رسول جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری و اطاعت اختیار کریں۔ شریعت محمدیہ کے احکام کے مطابق، معبود برحق کی عبادتیں بجالائیں اور گناہ و نافرمانی سے باز رہیں اور ساتھ ہی گھر والوں کو نیکی کی ہدایت کریں، بدی سے انہیں دور رکھیں اور انہیں علم و ادب سکھائیں۔

تو احکام الٰہی کی تعمیل خود کرنا اور گھر والوں میں بقدرِ ایمان، ان احکام کی تبلیغ کرنا اور ان کی تعمیل کرانا کہ کہیں وہ راہِ ہدایت سے بھٹک نہ جائیں، کہیں وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو کر گمراہ نہ ہو جائیں، یہی دوزخ سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بچانا ہے۔

یہ آیت صاف صاف بتا رہی ہے کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف اس کی ذات تک محدود نہیں کہ اس سے تو خود غرضی کی پرورش ہوتی ہے بلکہ اس کا ایک معاشرتی، ملی اور اخلاقی فرض اور عظیم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ نظامِ فطرت نے جس خاندان کی سربراہی کا بار اس پر ڈالا ہے اس کو بھی اپنی استطاعت بھر ایسی تعلیم و تربیت دے اور ایسے نہج پر اس کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرے کہ وہ بھی خدا کے پسندیدہ بندے بنیں۔

اور اگر وہ جمہور مسلمین سے کٹ کر، کسی ایسی راہ پر چل پڑے ہیں جو آخر کار

جہنم میں لے جاتا اور عذابِ دوزخ میں جھونک دیتا ہے تو خاندان کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو ساحلِ نجات سے لگانے اور گمراہی و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکنے سے بچانے کی ہر وہ سعی و کوشش کرے جو اس کی اطاعت و قدرت میں ہے۔

کتبِ تفاسیر میں مذکور ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ، اپنی جانوں کو دوزخ سے بچانے کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن ایک انسان اپنی اہل و عیال کو دوزخ سے کس طرح بچائے؟ ارشاد فرمایا یوں کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں روکا ہے تم اپنی اہل و عیال کو ان سے روکو اور جن احکام کی بجا آوری کا تمہیں حکم دیا ہے تم انہیں بھی ان احکام کا پابند بناؤ۔

تو ایک مسلمان کو صرف یہی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ اس کے اہل و عیال دنیا میں خوشحال رہیں، آرام و آسائش سے گزر بسر کریں اور اپنا مستقبل بہتر سے بہتر بنانے کی تگ و دو میں مصروف رہیں بلکہ اس سے بڑھ کر، اسے اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ وہ آخرت میں جہنم کا ایندھن نہ بنیں اور ہیشگی کے عذاب میں گرفتار نہ ہوں۔

اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ اھل کے تحت میں انسان کے سارے متعلقین و متوسلین آتے ہیں۔ بیوی، بچے، ملازم، رعایا، شاگرد، مرید وغیرہ جن کی جسمانی و روحانی، ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو، اپنی بیوی اور اپنے خدام کو اپنے تلامذہ و مریدین و متوسلین کو عذابِ جہنم سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کرے اور ان سب تک بقدرِ وسعت و امکان احکام الٰہی پہنچائے۔ ان سب کو احکام شریعت کا واقف کار بنائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک راعی (صاحبِ رعیت) ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے معاملہ میں جوابدہ ہے۔ حاکم راعی ہے، وہ اپنی رعیت کے معاملے میں جواب دہ ہے، مرد اپنے گھر والوں کا راعی ہے۔ وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے، وہ ان کے

بارے میں جوابدہ ہے۔ (بخاری)

اور خاص اولاد کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی شخص اپنی اولاد کو ادب دے وہ اس کے لیے ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔" (ترمذی)

ایک بار ارشاد فرمایا کہ باپ کا کوئی عطیہ ادبِ حسن سے بہتر نہیں۔ (ترمذی و بیہقی)

اور ایک روایت میں ہے کہ باپ کا اپنی اولاد کو اس سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں کہ اسے اچھے آداب سکھائے۔ (ترمذی) اور ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ باپ کے ذمہ بھی اولاد کے حقوق ہیں، جس طرح اولاد کے ذمہ باپ کے حقوق ہیں۔

دیکھا جاتا ہے کہ بعض گھرانوں میں لڑکی کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا جاتا جو لڑکے کو دیا جاتا ہے مگر اسلام اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ وہ فرماتا ہے دونوں کے حقوق یکساں ہیں، ایک کو دوسرے پر خواہ مخواہ ترجیح نہ دی جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ درگور نہ کرے۔ (جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا) اور اس کی توہین نہ کرے اور اولاد ذکور یعنی بیٹوں کو اس پر ترجیح نہ دے، اللہ تعالیٰ اسے جنّت میں داخل فرمائے گا۔ (ابوداؤد)

دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن ہی سے ہونا چاہیے کہ اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تادمِ واپسیں وہ یاد رہتا ہے اور جس کام کی عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ اس کی فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ بچپن ہی سے عقائدِ اسلام و سنّت بچوں کو سکھائے جائیں کہ لوحِ سادہ، فطرتِ اسلامی و قبولِ حق پر مخلوق ہے، اس وقت کا بتایا، سکھایا، پڑھایا ہوا پتھر کی لکیر ہوگا۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب دس برس کے ہو جائیں (اور نماز نہ پڑھیں) تو انہیں مارو اور نماز پڑھواؤ۔ اور اسی عمر میں ان کی خوابگاہ (باپ بھائی وغیرہ) سے جُدا کردو۔

جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو احکامِ خداوندی کی تعمیل اور اطاعتِ الٰہی کی

طرف راغب نہیں کرتے اور ان کی طرف سے غفلت برتتے ہیں، ان کی اولاد عموماً راہ حق سے بھٹک جایا کرتی ہے۔ بُری صحبتوں میں پڑ کر، بُرے ہم نشینوں کے ساتھ لگ کر، ان کے اخلاق اور سرمایۂ عمر کی بربادی کے باوجود بڑوں کی ان کی نگرانی اور صحیح رہنمائی سے رُوگردانی، ان پر بھی ظلم ہے اور اپنے اوپر بھی ظلم ہے اور نتیجہ اس کا ظاہر ہے کہ وہی ہوگا کہ جس کا لوگ عموماً رونا روتے ہیں۔

اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والی لڑکیاں، عموماً جس کج روی کا شکار ہیں وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ والدین کی بے حسی نے آج ان کی اکثریت کو جس راہ پر ڈالا ہے وہ ظاہر ہے جنّت کو لے جانے والی نہیں، جہنم تک پہنچانے والی راہ ہے۔

ہم اسی کتاب کے ابتدائی حصّے میں کچھ حقوق بیان کر آئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ہم کچھ اور حقوق کا ذکر بھی کر دیں تاکہ یہ باب مختصراً مکمل ہو جائے۔

(۹۹) حقوق الاولاد کی مختصر فہرست

(۱) سب سے پہلا حق، وجودِ اولاد سے بھی پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنا نکاح کسی رذیل کم قوم سے نہ کرے کہ بُری رگ، ضرور رنگ لاتی ہے۔

(۲) دیندار لوگوں میں شادی کرے کہ بچہ پر نانا، ماموں کی عادات و افعال کا بھی اثر پڑتا ہے۔

(۳) زنگیوں، حبشیوں میں قرابت نہ کرے کہ ماں کا سیاہ رنگ، بچہ کو بدنما نہ کر دے۔

(۴) جماع کی ابتداء بسم اللہ سے کرے۔ (یکجائی و برہنگی سے قبل بسم اللہ پڑھ لے) ورنہ بچہ میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔ (اور اولاد بد قماش بداطوار پیدا ہوتی ہے)

(۵) اس وقت شرمگاہ زن پر نظر نہ کرے کہ بچے کے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے۔ (اور کمرۂ خلوت میں روشنی رکھنی ہی مقصود ہو تو مدھم کر دے یا اس کا رُخ بدل دے)

(۶) زیادہ باتیں نہ کرے کہ بچہ کے گونگے یا توتلے ہونے کا خطرہ ہے۔

(۷) مرد و زن کپڑا اوڑھ لیں، جانوروں کی طرح برہنہ نہ ہوں کہ بچہ کے بے حیا ہونے کا خدشہ ہے۔

(۸) جب پیدا ہو فوراً سیدھے کان میں چار مرتبہ اذان اور بائیں کان میں تین مرتبہ تکبیر کہی جائے کہ بچہ خلل شیطان و ام الصبیان سے بچے۔

(۹) چھوہارہ وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے مُنہ میں ڈالے کہ حلاوتِ اخلاق یعنی خوش اخلاقی و شیریں زبانی کی فالِ حسن ہو اور اس کام میں نیکوکاروں سے مدد لے۔

(۱۰) ساتویں اور نہ ہو سکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن (یعنی سات دن کا لحاظ رکھ کر) عقیقہ کرے۔ دختر کے لیے ایک، پسر کے لیے دو کہ اس میں بچہ کا گویا رہن سے چھڑانا ہے۔ (اور بچہ کی سلامتی، اس کی بہتر نشوونما اور اس میں اچھے اخلاق ہونا عقیقہ کے ساتھ وابستہ ہیں)

(۱۱) ایک ران دائی کو دے کہ بچہ کی طرف سے شکرانہ ہے۔

(۱۲) سر کے بال اتروائے کہ اس سے اذیت دُور ہو۔

(۱۳) بالوں کے برابر، چاندی تول کر خیرات کرے۔ (اور تخمیناً دے تو بالوں کے وزن سے کم نہ ہو)

(۱۴) سر پر زعفران لگائے۔

(۱۵) نام رکھے، یہاں تک کہ کچے بچے کا بھی جو کم دنوں کا گر جائے۔ ورنہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہوگا۔

(۱۶) بُرا نام نہ رکھے کہ نامِ بد، فالِ بد ہے۔

(۱۷) عبداللہ، عبدالرحمٰن، احمد، حامد وغیرہ عبادت و حمد کے مشتق نام، یا انبیاء اولیاء یا اپنے بزرگوں میں جو نیک لوگ گزرے ہیں، ان کے نام پر نام رکھے کہ موجبِ برکت ہے۔ خصوصاً نام پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس مبارک نام کی بے پایاں برکت، بچہ کی دنیا و آخرت میں کام آتی اور اس کی عزت و عظمت بڑھاتی ہے۔ حسنِ نیت شرط ہے۔

(۱۸) جب محمد نام رکھے تو اس کی تعظیم و تکریم کرے۔

(۱۹) مجلس میں اس کے لیے جگہ چھوڑے۔

(۲۰) مارنے برا کہنے میں احتیاط رکھے، کوئی بے جابات منہ سے ان کے خلاف نہ نکالے۔

(۲۱) بچہ جو مانگے بروجہ مناسب دے، اس کی خواہش کو نہ ٹھکرائے کہ دل چھوٹا کرے گا۔

(۲۲) پیار میں چھوٹے لقب پر، بے قدر نام نہ رکھے کہ پڑا ہوا نام مشکل سے چھوٹتا ہے۔

(۲۳) ماں خواہ نیک دایہ، نمازی صالحہ، شریف القوم سے دو سال تک دودھ پلوائے۔

(۲۴) رذیل یا بداطوار، بدافعال عورت کے دودھ سے بچائے کہ دودھ طبیعت کو بدل دیتا ہے۔

(۲۵) بچہ کا نفقہ، اس کی حاجت کے سب سامان مہیا کرنا خود واجب ہے جن میں حضانت بھی داخل ہے یعنی حقِ تربیت اولاد۔

(۲۶) اپنے حوائج و ضروریات اور واجباتِ شریعت کے ادا کرنے سے جو کچھ بچے اس میں عزیزوں، قریبوں، محتاجوں، غریبوں، سب سے پہلے حق عیال و اطفال کا ہے۔ جو ان سے بچے وہ اوروں کو پہنچے۔ یہ نہ ہو کہ یہ کشادہ دست اور وہ بے بال و پر۔

(۲۷) بچہ کو پاک کمائی سے پاک روزی دے کہ ناپاک مال، ناپاک ہی عادتیں لاتا ہے۔

(۲۸) اولاد کے ساتھ تنہا خوری نہ برتے کہ ان سے نظر بچا بچا کر اڑائے۔ بلکہ اپنی خواہش کو ان کی خواہش کا تابع رکھے جس اچھی چیز کو ان کا جی چاہے، انہیں دے کر ان کے طفیل میں آپ بھی کھائے، زیادہ نہ ہو تو انہیں کو کھلائے نہ کہ انہیں ترسائے اور خود مزے اڑائے۔

(۲۹) خدا کی ان امانتوں کے ساتھ، مہرولطف کا برتاؤ رکھے۔ انہیں پیار کرے، بدن سے لپٹائے، کندھے پر چڑھائے، ان سے ہنسنے، کھیلنے، بہلنے کی باتیں کرے تاکہ ان کے

مزاج میں شگفتگی و محبت اور دوسروں سے الفت و مودت آئے اور فراخ قلبی سے جینا سیکھیں۔

(۳۰) ان کی دلجوئی، دلداری، رعایت، محافظت، ہر وقت حتی کہ نماز و خطبہ میں بھی ملحوظ رکھے۔ (جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامین کریمین کے ساتھ اسے روا رکھا)

(۳۱) نیا میوہ، نیا پھل پہلے انہیں کو دے کہ وہ بھی تازے پھل ہیں، نئے کو نیا مناسب ہے۔

(۳۲) کبھی کبھی حسبِ مقدور انہیں شیرینی وغیرہ کھانے کو اور پہننے، برتنے، کھیلنے کو اچھی چیزیں کہ شرعاً جائز ہوں دیتا رہے۔

(۳۳) بہلانے کے لیے جھوٹا وعدہ ہرگز نہ کرے۔ (کہ یہ جھوٹ خود اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا) بلکہ بچہ سے بھی وہی وعدہ جائز ہے جس کے پورا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔

(۳۴) اپنے چند بچے ہوں تو جو چیز دے، سب کو برابر یکساں دے۔ (لڑکے ہوں خواہ لڑکیاں) ایک دوسرے پر، بے فضیلتِ دینی، ترجیح نہ دے (کہ عدل کے خلاف ہے اور ناانصافی کا سلوک)

(۳۵) سفر سے آئے تو ان کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لائے۔ (خالی ہاتھ گھر میں نہ آئے۔)

(۳۶) بیمار ہوں تو علاج کرے۔ (اس سے زنہار غفلت نہ برتے کہ جسمِ نازک پر بار پڑے)

(۳۷) حتی الامکان سخت و موذی علاج سے بچائے۔ (کہ وہ نازک جسم نازک کلیاں ہیں، ذرا سے دباؤ سے مرجھا جائیں گے)

(۳۸) جب (وہ سن تمیز کو پہنچیں اور) شعور و تمیز آئے تو انہیں (اسلامی) آداب سکھائے، کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حیا لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ، استاد اور دختر کو شوہر کی بھی اطاعت کے طرق و آداب بتائے (کہ نیک بنیں، نیکی و

اسلامی تہذیب کی طرف راغب رہیں)

(۳۹) اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے۔ (ڈانٹ ڈپٹ پر قناعت کرے) کوڑا تچی اس کے پیشِ نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے اور مارے تو ہرگز مُنہ پر نہ مارے۔ (کہ یہ صورت پسندیدۂ رب عزوجل ہے)

(۴۰) زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت پر نشاط باقی رہے۔

(۴۱) (لڑکیوں کو خصوصاً) ہرگز ہرگز کتب عشقیہ و غزلیات فسقیہ (اور آج کل کے ڈائجسٹ کہ جھوٹے من گھڑت، عشق و محبّت کے اذکار اور بے تکے افسانوں کے انبار سے بھرے ہوتے ہیں) نہ دیکھنے دے۔ کہ نرم لکڑی جدھر جھکایئے، جھک جاتی ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لڑکیوں کو سورۂ یوسف شریف کا ترجمہ نہ پڑھایا جائے کہ اس میں مکر زنان (عورتوں کی چالبازی) کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر بچوں کو خرافاتِ شاعرانہ (اور فسقیاتِ شاطرانہ) میں ڈالنا، کب بجا ہو سکتا ہے۔

(۴۲) جب دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے۔ (اور سات برس کی عمر میں نماز سکھائے)

(۴۳) اس (دس سالہ) عمر سے اپنے، خواہ کسی کے ساتھ نہ سلائے جُدا بچھونے، جُدا پلنگ پر اپنے پاس رکھے۔

(۴۴) جب جوان ہو شادی کر دے اور شادی میں وہی رعایتِ قوم و دین و سیرت و صورت ملحوظ رکھے۔ (مال و دولت پر نہ ریجھے کہ لااعتبار ہے)

(۴۵) اب جو ایسا کام کہنا ہو، جس میں نافرمانیوں کا احتمال ہو (کہ شاید نہ سنے، شاید تعمیل نہ کرے) اسے امرو حکم کے صیغے سے نہ کہے (آمرانہ حکم نہ دے) بلکہ برفق و نرمی، بطور مشورہ کہے۔ کہ وہ بلائے عقوق (وبال نافرمانی) میں نہ پڑے۔

(۴۶) اسے میراث سے محروم نہ کرے جیسے بعض لوگ اپنے کسی وارث کو (ترکہ نہ پہنچنے کی غرض سے، کل جائیداد دوسرے وارث یا کسی غیر کے نام لکھ دیتے ہیں۔ (وہ وارث تو دنیا میں محروم رہتا ہے مگر یہ بلاوجہ شرعی وبالِ آخرت میں گرفتار ہوتے ہیں)

(۴۷) اپنے بعد مرگ بھی ان کی فکر رکھے۔ یعنی کم از کم دو تہائی ترکہ چھوڑ جائے۔

ثلث (ایک تہائی) سے زیادہ خراب نہ کرے۔

یہ حقوق پسر و دختر سب کے ہیں۔ بلکہ دو حق اخیر میں، سب وارث شریک ہیں اور خاص پسر کے حقوق سے ہے کہ اسے:

(۴۸) لکھنا، پڑھنا، پیرنا، سپہ گری سکھائے۔

(۴۹) سورۂ مائدہ کی اسے تعلیم دے۔ (کہ مسلمانوں کی مذہبی تمدنی اور سیاسی زندگی کے احکام و ہدایات اور جملہ معاملات میں فرمان الٰہی کی فرمانبرداری کی ترغیبات وغیرہ پر مشتمل ہے)

(۵۰) اعلان کے ساتھ اس کا ختنہ کرے۔ (مگر فضول خرچی اور خرافات سے بچے)

(۱۰۰) اور خاص دختر کے حقوق سے ہے کہ

(۵۱) اس کے پیدا ہونے پر ناخوشی نہ کرے بلکہ نعمتِ الٰہیہ جانے۔ (وہ خالق کل جس نے اسے لڑکی دی، خوب جانتا ہے کہ لڑکی اس کے حق میں بہتر ہے یا لڑکا)

(۵۲) سینا پرونا کاتنا کھانا پکانا سکھائے۔ (کہ سلیقہ مند بنیں)

(۵۳) سورۂ نور کی تعلیم دے (کہ عصمت و عفت اور پاکدامنی کے احکام پر مشتمل ہے)

(۵۴) لکھنا ہرگز نہ سکھائے کہ احتمال فتنہ ہے (اور اس نصیحت پر عمل پیرانہ ہونے سے جو فتنے آج پیدا ہو رہے ہیں وہ سب پر روشن ہیں۔ اللہ محفوظ رکھے)

(۵۵) نو برس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے۔ نہ بھائی وغیرہ کے پاس سونے دے۔

(۵۶) اس عمر سے خاص نگہداشت شروع کرے۔ شادی برات (عقیقہ ختنہ وغیرہ خوشی کی تقریبات میں) جہاں گانا ناچ ہو۔ (جس کا رواج اب بہ تبدیلی ہیئت عام ہو تا جا رہا ہے) ہرگز نہ جانے دے۔ اگرچہ خاص اپنے بھائی کے یہاں ہو۔ کہ گانا سخت سنگین جادو ہے اور ان نازک شیشوں کو تھوڑی ٹھیس بہت ہے۔

(۵۷) بالا خانوں پر نہ رہنے دے۔ (اور خود بالا خانوں پر رہائش ہو جیسا کہ اب عموماً

شہروں میں فلیٹ کی بودوباش، تو اس کی نگاہوں پر پہرہ بٹھائے تاکہ وہ تاک جھانک سے باز رہیں اور بدنامی کا ذریعہ نہ بنیں)

(۵۸) بلکہ بے گانوں میں جانے کی مطلقاً بندش کرے گھر کو ان پر زنداں کردے۔

(۵۹) گھر میں لباس و زیور سے آراستہ کرے (بنا سنوار کر رکھے) کہ پیام رغبت کے ساتھ آئیں۔

(۶۰) جب کفو ملے نکاح میں دیر نہ کرے۔ (اور اپنی ناک اونچی رکھنے کی فکر میں، اس کی نیک خواہشوں کا گلا نہ گھونٹے اور یاد رکھے کہ بُرا وقت کہہ کر نہیں آتا)

(۶۱) حتی الامکان بارہ برس کی عمر میں بیاہ دے۔ (یعنی جبکہ وہ مجامعت کی متحمل ہو ورنہ جب اس قابل ہو جائے)

(۶۲) زنہار زنہار (ہرگز ہرگز) کسی فاسق فاجر (مرتکبِ کبائر) کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتا اور بے باکانہ زندگی گزارتا ہے اس کے (خصوصاً بدمذہب کے) نکاح میں نہ دے (کہ دین و دنیا دونوں میں وبال لاتا اور آخرت بگاڑتا ہے) یہ حکم اس وقت ہے کہ بدمذہب کے عقیدے حد کفر تک نہ پہنچے ہوں اور اگر وہ ضروریاتِ دین میں سے کسی بات کے منکر ہوں جیسے عام قادیانی، احمدی، مرزائی یا رافضی، تبرائی یا گستاخ و دریدہ دہن وہابی، دیوبندی یا دہریئے، زندیق کہ تعلیماتِ اسلام کا مذاق اڑاتے اور جنّت و دوزخ، عذاب ثواب، اور ملائکہ و شیاطین کی تاویلیں اپنی اوندھی اندھی عقلوں سے گھڑتے اور جمہور اہلِ اسلام کے خلاف راہ چلتے ہیں۔ ایسوں کے ساتھ، اپنی بہن بیٹی وغیرہ کو بیاہنا حرام قطعی اور زنائے خالص ہے۔ جو اپنی بیٹی بہن ایسوں کے نکاح میں جان بوجھ کر دے وہ دیوث اور زنا کا دلال ہے۔ خبردار خبردار ایسی جرأت ہرگز نہ کرنا ورنہ دین و ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔

ان حقوق کے علاوہ، اولاد کے کچھ اور بھی حقوق ہیں جنہیں ہم حصہ اوّل میں ذکر کرچکے ہیں، ناظرین کی سہولت کے لیے ہم کچھ دوبارہ ذکر کیے دیتے ہیں۔

(۶۳) زبان کھلتے ہی اللہ اللہ، پھر لا الہ الا اللہ، پھر پورا کلمہ سکھائے۔

(۶۴) جب تمیز آئے قرآن مجید پڑھائے۔ (کہ الفاظ قرآن کا صحیح تلفظ خود ایک

عبادت ہے)

(۶۵) استاد نیک صالح متقی (خدا ترس پرہیزگار) صحیح العقیدہ (سنی) سن رسیدہ (کہ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکا ہے اس) کے سپرد کرے۔ (یہ لڑکے کے لیے ہے)

(۶۶) دختر کو نیک پارسا (پاک دامن) عورت سے پڑھوائے۔

(۶۷) بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔

(۶۸) عقائدِ اسلام و سُنّت سکھائے کہ لوح سادہ، فطرتِ اسلامی اور قبولِ حق پر مخلوق ہے۔ اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔ (اور کوئی اسے بہکا نہ سکے گا)

(۶۹) حضور اقدس رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم (توقیر و تکریم) ان کے دل میں ڈالے کہ اصلِ ایمان و عینِ ایمان ہے۔ (اور اسی پر نجات و دین کا مدار ہے)

(۷۰) حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل و اصحاب (اہلِ بیت کرام) جن میں ازواجِ مطہرات بھی شامل ہیں اور صحابہ عظام، اولیاء و علماء (اہلسنّت و جماعت) کی محبت و عظمت تعلیم کرے۔ (کہ اصل سُنّت و زیورِ ایمان بلکہ باعثِ بقائے ایمان ہے)

(۷۱) سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔ (اس کی اہمیت اس کے ذہن نشین کرے کہ خود اپنے شوق سے پڑھنے لگے)

(۷۲) علمِ دین خصوصاً وضو، غسل، نماز و روزہ کے مسائل، توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدر و لسان وغیرہ خوبیوں کے فضائل، حرص و طمع، حبِ دنیا، حبِ جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ بُرائیوں کے رذائل پڑھائے۔

(۷۳) موقع پر چشم نمائی تنبیہہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کو کوسنا ان کے لیے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔

بددعا دو طور پر ہوتی ہے: ایک یہ کہ اس کا دل حقیقتاً اس کا نقصان نہیں چاہتا یہاں تک کہ اگر واقع ہو تو خود سخت صدمہ میں گرفتار ہو۔ جیسے ماں باپ غصہ میں اپنی اولاد کو کوس لیتے ہیں مگر دل سے ان کا بُرا نہیں چاہتے اور اگر ایسا ہو تو اس پر ان سے زیادہ بے چین ہونے والا کوئی نہ ہوگا۔ ممانعت اس سے بھی فرمائی گئی ہے کہ قبول ہو گئی

تو یہ خود بھی مشقت میں پڑے گا۔ دوسری صورت بددعا کی یہ ہے کہ اس کا دل حقیقتاً اس سے بیزار اور اس کے ضرر کا خواستگار ہے اور یہ بات ماں باپ کو معاذ اللہ اسی وقت ہوگی، جب اولاد اپنی بدبختی سے عقوق و نافرمانی میں حد سے گزر جائے کہ ان کا دل واقعی اس کی طرف سے سیاہ ہو جائے اور اصل نام کو محبّت نہ رہے بلکہ عداوت آجائے۔ ماں باپ کی ایسی ہی بددعا کے لیے حدیثوں سے ثابت کہ اولاد پر ماں باپ کی بددعا رد نہیں ہوتی۔ (مشعلۃ الارشاد وغیرہا)

(۱۰۱) حقوقِ قرابت وصلۂ رحمی

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے اور بار بار تاکید ارشاد فرماتا ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ۔ رشتہ داروں کو ان کا حق دے۔

"یعنی اس کے ساتھ صلۂ رحمی کر اور محبّت اور میل جول اور ان کی خبر گیری اور موقع پر ان کی مدد و نصرت اور حسنِ معاشرت و اعانت کو اپنا اخلاقی فریضہ بنا۔"

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر اہلِ قرابت، محارم سے ہوں اور محتاجِ اعانت ہو جائیں تو ان کے ساتھ مالی سلوک کرنا اور ان کا واجبی خرچ اٹھانا۔ یہ بھی ان کے حقوق میں داخل ہے اور صاحبِ استطاعت رشتہ دار پر لازم ہے۔

اور حق کے لفظ نے یہ بتا دیا کہ اہلِ قرابت کی اعانت واجب ہے۔ ان کا حق ہے کہ وہ مالداروں کو ادھر متوجہ کریں۔ ان سے اعانت کے خواستگار ہوں اور مالداروں پر لازم ہے کہ ان پر احسان رکھ کر نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر ان کی خدمت کریں۔

خدمت والدین کا حکم ابھی ابھی اوپر گزر چکا ہے۔ اس کے مابعد یہ ہدایت فرمانا کہ "رشتہ داروں کے حقوق پورے کرو۔" مسلمان کو یہ بتانا ہے کہ حقوقِ خدمت، صرف والدین تک محدود نہیں، بلکہ والدین کے بعد ہی دوسرے قرابت داروں اور پھر درجہ بدرجہ ہر تعلق و رابطہ رکھنے والوں کے حقوق ہیں۔

قرآن مجید اور حدیثِ حمید میں اسی کا نام صلۂ رحمی ہے۔

صلۂ رحمی کا منشاء و مقصود یہ ہے کہ آدمی صرف اپنی ہی ضروریات کے خول میں محدود نہ رہ جائے اور اپنی کمائی، اپنی دولت کو صرف اپنے ہی لیے مخصوص نہ رکھے بلکہ اپنی ضروریات، اعتدال کے ساتھ پوری کرنے کے بعد اپنے رشتہ داروں، بلکہ اپنے ہمسایوں بلکہ اور دوسرے لوگوں کے حقوق بھی ادا کرے، اگرچہ وہ اس کے لیے محض اجنبی ہوں۔

اور یہ اس لیے کہ خاندان کی تنظیم اور اجتماعی زندگی میں، ہمدردی، حق شناسی اور حق رسانی کی روح، ہر مسلمان کی زندگی و زندگانی کا جزو لاینفک بن جائے اور ہر صاحبِ استطاعت مسلمان خود کو دوسرے کا معاون و مددگار سمجھتا رہے اور معاشرہ میں دوسرے کے حق کا تصور اتنا وسیع ہو کہ ہر شخص، حسبِ مقدرت، دوسرے مسلمانوں بلکہ اجنبیوں کے حقوق یہ سمجھ کر ادا کرے کہ وہ ان کا حق ادا کر رہا ہے۔ نہ یہ کہ ان پر کوئی احسان لاد رہا ہے۔

یہ ہے قرابت اور رشتہ داری و انسانیت کی اہمیت اسلام میں کہ اس پر امت کے اجتماعی نظام کا سنگ بنیاد، قرابت یا رحم کو قرار دیا ہے۔

اس کی اہمیت کا اندازہ ان احادیث سے بھی ہوتا ہے جو اس باب میں وارد ہیں مثلاً:

(۱) رحم (رشتہ) رحمٰن سے مشتق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو مجھے ملائے گا۔ میں اسے ملاؤں گا۔ جو مجھے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا (بخاری) یعنی رحم مادر اور اس رحمٰن و رحیم کے رحم (فضل و کرم) کے درمیان حرفوں کا یہ اشتراک، محبّت کے معنوی اشتراک کا تقاضا کرتا ہے اور اس سے وہ اہمیت ظاہر ہوتی ہے جو اسلام کی نظروں میں اہلِ قرابت کی ہے۔

(۲) رشتہ عرشِ الٰہی سے لپٹ کر یہ کہتا ہے، جو مجھے ملائے گا، اللہ اس کو ملائے گا اور جو مجھے کاٹے گا، اللہ اسے کاٹے گا۔ (بخاری و مسلم)

(۳) جو یہ پسند کرے کہ اس کے رزق میں وسعت ہو اور اس کے اثر (یعنی عمر) میں تاخیر کی جائے (یعنی اس کی عمر بڑھائی جائے اور اسے بابرکت بنایا جائے) تو اپنے رشتہ

داروں کے ساتھ سلوک کرے۔ (بخاری و مسلم)

(۴) اپنے نسب کو اتنا سیکھو جس سے صلۂ رحم کر سکو۔ کیونکہ صلۂ رحمی اپنے لوگوں میں محبّت کا سبب ہے۔ اس سے مال میں زیادتی اور عمر میں تاخیر (و برکت) ہوگی۔ (ترمذی)

(۵) جس کو یہ پسند ہو کہ عمر میں درازی ہو، رزق میں وسعت ہو اور بُری موت دفع ہو، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور رشتہ داروں سے سلوک کرے۔ (حاکم)

(۶) جس قوم میں قاطع رحم (رشتہ کاٹنے والا) ہوتا ہے، اس پر رحمتِ الٰہی نہیں اترتی۔ (بیہقی)

(۷) صلۂ رحمی اس کا نام نہیں کہ بدلہ دیا جائے یعنی اس نے اس کے ساتھ احسان کیا، اس نے اس کے ساتھ کر دیا بلکہ صلۂ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ ادھر سے کاٹا جاتا ہے اور یہ جوڑتا ہے۔ (بخاری)

(۸) دنیا و آخرت کے بہترین اخلاق یہ ہیں کہ تم اس کو ملاؤ جو تمہیں جُدا کرے اور جو تم پر ظلم کرے، اسے معاف کر دو۔ اور جو یہ چاہے کہ عمر میں درازی ہو، اور رزق میں فراخی آئے تو وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ (نیک سلوک) کرے۔ (حاکم)

(۹) رشتہ کاٹنے والا جنّت میں نہیں جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

(۱۰) اپنے نسب کو پہچانو تاکہ صلۂ رحم کرو۔ کیونکہ اگر رشتہ کو کاٹا جائے تو اگرچہ وہ قریب ہو، وہ قریب نہیں۔ اور اگر جوڑا جائے تو وہ دُور نہیں، اگرچہ دُور ہو۔ (حاکم)

(۱۰۲) حقوقِ انسانی و تعلقاتِ باہمی

اس عنوان کے تحت ہم قرابت داروں کے علاوہ دوسرے اہلِ حقوق یعنی یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، ہم مجلسوں، سفر کے ساتھیوں، مسافروں اور مہمانوں کے حقوق کا ذکر کر رہے ہیں۔ رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو

وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔

اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے۔ بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا، بڑائی مارنے والا۔

آیہ کریمہ نے ہمیں حکم دیا کہ

(۱) ہم اللہ کی بندگی و عبادت کریں۔ اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں۔ (نہ ذات میں نہ صفات میں، نہ اس کی ربوبیت میں، نہ اس کی عبادت میں، نہ کسی جاندار کو، نہ بے جان کو)

(۲) ہمیں حکم دیا کہ ماں باپ سے بھلائی کریں (ان کی خدمت میں اس قدر رہیں کہ ان پر خرچ کرنے میں کمی نہ کریں اور ادب و تعظیم کے ساتھ ان کی دلجوئی و دلداری میں مصروف رہیں)

(۳) ہمیں حکم دیا کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

(۴) اور یہ یتیموں محتاجوں، پاس دور کے ہمسایوں سے، بھلائی کے ساتھ پیش آئیں۔

(۵) نیز یہ کہ کروٹ کے ساتھیوں، بلکہ راہ گیروں، مسافروں اور مہمانوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کریں، بلکہ اپنی باندی غلاموں سے بھی بھلائی کا سلوک کریں۔

کروٹ کے ساتھیوں میں بی بی بھی داخل ہے اور وہ بھی جو اس کی صحبت میں رہے یا رفیقِ سفر بنے۔ یا ساتھ پڑھے۔ یا مجلس و مسجد میں برابر بیٹھے۔ یعنی ہم نشین و ہم صحبت دوست بھی اور ایسا شخص بھی جس سے کہیں، کسی وقت آدمی کا ساتھ ہو جائے۔ غرض اس ہم مجلسی یا ہم نشینی و صحبت گزینی میں، وقت کی کوئی قید نہیں۔ رفاقت و مصاحبت، خواہ سالہا سال کی ہو، خواہ چند گھنٹوں بلکہ چند ساعتوں کی، بہرحال اپنا حق قائم

کر جاتی ہے۔ اس کی تعریف کے ذیل میں، ہم سبق، ہم مدرسہ، ہم سفر، کھیل کود کے ساتھی، ریل بس اور ہوائی جہازوں بلکہ معمولی سواریوں کے ساتھی، شریکِ تجارت اور صنعت و حرفت میں ان کے ساتھی اور ہم پیشہ، سبھی آجاتے ہیں۔

یونہی راہ گیروں سے مراد صرف مسافر ہی نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ مسافر، مہمان ہی بن کر آئے تو اس کی خاطر و مدارت کی جائے بلکہ خاطر تواضع، مہمانداری، بقدرِ وسعت و ہمت ہر آیند و روند، ہر آنے جانے والے کی ضروری ہے۔ اور ہر صاحبِ ایمان پر اس کا یہ حق عائد کرتی ہے کہ حتی الامکان اس کے ساتھ نیک سلوک، اچھا برتاؤ کیا جائے۔

آیت کریمہ پھر پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ حسنِ سلوک اور نیک برتاؤ کی یہ تاکید و تعلیم، اور یہ ترغیب و تلقین، والدین سے لے کر قرابت داروں تک، ہمسایوں سے لے کر راہ گیروں تک، فقیروں محتاجوں سے لے کر بے سہارا یتیموں تک اور ہم نشینوں سے لے کر باندی غلاموں تک، معاشرہ کے ہر ہر طبقہ کے ساتھ؛ دنیا کی کسی بھی اور مہذب قوم میں پائی جاتی ہے، اور کیا دنیا کا کوئی بھی معاشرہ اس کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔

اَلْیَتَامٰی یتیم کی جمع ہے اور یتیم سے مراد وہ لڑکا لڑکی ہے جس کے سر سے ماں باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو۔ البتہ احکام شریعت میں یتیمی باپ کی طرف سے معتبر مانی گئی ہے۔

اندازہ تو لگائیے کہ قدرتِ اسلامی، کیسی کیسی تاکید و تلقین سے، دوسروں کو اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ ان بے سہاروں کا سہارا بن کر، ان کی ضروریات کا خیال کریں۔ ان کے سر پر شفقت پدری کا سایہ نہیں، مسلمان ان پر اپنی رحمت و شفقت اور حسن سلوک کا سایہ کریں تاکہ وہ کسی کے دست نگر بن کر، آوارہ گردی کا شکار نہ ہو جائیں اور اگر عام مسلمانوں کی غفلت سے ایسا ہوا تو اسلامی معاشرہ کا یہ داغ، ان کے دامنوں کو بھی داغدار کرے گا اور اس پر مستزاد، مواخذۂ آخرت۔ عقبیٰ کی گرفت۔

یونہی وہ محتاج و معذور، جنہیں حالات نے اپاہج و بے یار و مددگار بنا دیا ہے۔ وہ بھی مستحق ہیں عام مسلمانوں کے حسنِ سلوک، نیکی، اور بھلائی کے۔ اور ان کی واقعی ضرورتوں سے رُوگردانی بھی، اسلامی معاشرہ کے لیے ایک بڑی بدنامی کی موجب ہے۔

مسلمان اگر آج ان احکام پر عمل پیرا ہوں تو معاشرہ میں چار چاند لگ جائیں۔ باہمی فرائض و تعلقات جن کا ادا کرنا ہر مسلمان کے لیے، یوں کہنا چاہیے کہ واجب و لازم قرار دیا گیا ہے اور جن پر تکمیلِ ایمان کی بنیاد رکھی گئی ہے، ان کی جانب قرآن کریم یوں رہنمائی فرماتا ہے کہ:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ — نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ — اور گناہ و زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ جس کا حکم دیا گیا اس کا بجالانا بِر (نیکی) ہے اور جس سے منع فرمایا گیا اس کو ترک کر دینا تقویٰ ہے۔ پھر جس کا حکم دیا گیا اس کو نہ کرنا اثم (گناہ) ہے اور جس سے منع کیا گیا اس کو کرنا عدوان (زیادتی) کہلاتا ہے۔

باہمی فرائض و حقوق و تعلقات کے بارے میں کیسے زریں اصول کی تعلیم مل رہی ہے کہ نیکی میں سب شریک رہو کہ جو کام سلامت روی و خدا ترسی کے ہیں، ان میں سب سے تعاون کرو۔ بدی و فسق میں کسی کا ساتھ نہ دو کہ گناہ و زیادتی کے جو کام ہیں، ان میں کسی سے تعاون نہ کرو، کسی کا ساتھ نہ دو۔ یہ نہیں کہ اپنی قوم سب پر مقدم اور اپنی پارٹی بہرحال اپنی پارٹی۔

بلکہ غور فرمائیے تو آیت کریمہ سے ان جماعتوں اور جمعیتوں میں شرکت کا حکم و وجوب نکل آیا، جن کا مقصد اشاعتِ دین و نصرتِ مذہب اہلسنّت و جماعت ہے اور ممانعت و حرمت، ان اجتماعی اداروں میں شرکت کی نکل آئی جن سے بے دینی یا بدعملی کی تائید ہوتی ہو جیسے آج کل وہابیہ کی تبلیغی جماعت کہ عمل نیک کی طرف بلاتی مگر در پردہ وہ بددین بناتی ہے۔

(۱۰۳) چہل احادیثِ مبارکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا:

(۱) خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں۔ عرض کی گئی "کون یارسول اللہ!" فرمایا: وہ شخص کہ اس کے پڑوسی، اس کی آفتوں سے محفوظ نہ ہوں، یعنی جو اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتا ہے۔ (بخاری، مسلم)

(۲) وہ جنّت میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کی آفتوں (اذیتوں اور دل آزاریوں) سے امن (حفاظت) میں نہیں ہے۔ (مسلم شریف)

(۳) جبریل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے متعلق برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث بنادیں گے۔ (بخاری و مسلم)

(۴) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساتھیوں میں بہتر وہ ساتھی ہے جو اپنے ساتھی کا خیر خواہ ہو اور پڑوسیوں میں اللہ کے نزدیک وہ بہتر ہے جو اپنے پڑوسی کا خیر خواہ ہو۔ (ترمذی وغیرہ)

(۵) مومن وہ نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔ (بیہقی)

(۶) ایک شخص نے عرض کی، یارسول اللہ! فلانی عورت کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ نماز و روزہ و صدقہ کثرت سے کرتی ہے مگر یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ فرمایا: وہ جہنم میں ہے۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! فلانی عورت کی نسبت ذکر کیا جاتا ہے کہ اس کے روزہ و نماز و صدقہ میں کمی ہے (یعنی نفلی عبادتیں کم ہی کرتی ہے مثلاً) وہ پنیر کے ٹکڑے صدقہ کرتی ہے اور اپنی زبان سے پڑوسیوں کو ایذا نہیں دیتی۔" فرمایا "وہ جنّت میں ہے۔" (امام احمد)

(۷) مردِ مسلم کے لیے دنیا میں یہ بات سعادت میں ہے کہ اس کا پڑوسی صالح ہو، مکان کشادہ ہو اور سواری اچھی ہو۔ (حاکم)

(۸) قیامت کے دن سب سے پہلے جو دو شخص (حقوق کے بارے میں) اپنا جھگڑا

پیش کریں گے وہ دونوں پڑوسی ہوں گے۔ (امام احمد)

(۹) پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں: بعض کے تین حق ہیں، بعض کے دو، اور بعض کا صرف ایک حق ہے۔ جو پڑوسی مسلمان ہو اور رشتہ والا ہو۔ اس کے تین حق ہیں: حقِ جوار (ہمسائیگی)، حقِ اسلام اور حقِ قرابت۔ اور پڑوسی مسلمان (کہ رشتہ دار نہ ہو) اس کے دو حق ہیں: حقِ جوار اور حقِ اسلام اور پڑوسی کافر (ہو تو اس) کا صرف ایک حقِ جوار ہے۔ صحابہ نے عرض کی "یارسول اللہ! ان کو اپنی قربانیوں میں سے دیں؟" فرمایا کہ "مشرکین کو قربانیوں میں سے کچھ نہ دو۔" (بیہقی)

(۱۰) تمہیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ (اس کا حق) یہ ہے کہ

۱۔ جب وہ تم سے مدد مانگے، مدد کرو۔
۲۔ جب قرض مانگے، قرض دو۔
۳۔ جب محتاج ہو، اس کی حاجت برلاؤ۔ (اس کی حاجت پوری کرو)
۴۔ جب بیمار ہو، اس کی عیادت کرو۔ (مزاج پرسی کو جاؤ)
۵۔ جب اسے خیر پہنچے، مبارک باد دو۔
۶۔ جب اس پر کوئی مصیبت آپڑے تو تعزیت کرو۔ (اور اسے تسلّی دو)
۷۔ جب مرجائے تو جنازے کے ساتھ جاؤ۔
۸۔ بغیر اجازت اپنی عمارت بلند نہ کرو کہ اس کی ہوا روک دو۔
۹۔ اپنی ہانڈی سے اسے ایذا نہ دو مگر اس میں سے کچھ اسے بھی دو۔
۱۰۔ میوے خریدو تو اس کے پاس بھی ہدیہ کرو۔
۱۱۔ ہدیہ نہ کرنا ہو تو چھپا کر مکان میں لاؤ۔

تمہارے بچے اسے لے کر باہر نہ نکلیں کہ پڑوسی کے بچوں کو رنج ہوگا۔

پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے، پڑوسی کا کیا حق ہے؟ قسم اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، پورے طور پر پڑوسی کا حق ادا کرنے والے تھوڑے ہیں (اور یہ) وہی ہیں جن پر اللہ کی مہربانی ہے۔ پھر برابر پڑوسی کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وصیت فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ صحابہ نے گمان کیا کہ پڑوسی کو وارث

بنادیں گے۔ (بیہقی)

(۱۱) اے عائشہ پڑوسی کا بچہ آجائے تو اس کے ہاتھ پر کچھ رکھ دو کہ اس سے باہم محبت بڑھے گی۔ (دیلمی)

(۱۲) جو شخص یتیم کی کفالت کرے، وہ یتیم اسی گھرانے کا ہو یا غیر کا، میں اور وہ دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ کیا۔ (بخاری شریف)

(۱۳) جو شخص یتیم کے سر پر، محض اللہ کے لیے (شفقت و محبت سے) ہاتھ پھیرے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ گزرے گا، ہر بال کے مقابل میں اس کے لیے نیکیاں ہیں۔
(امام احمد)

(۱۴) ایک شخص نے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ (امام احمد)

قساوتِ قلبی اور سنگ دلی کے علاج کی، اس سے بہتر اور آسان تدبیر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (بخاری، مسلم)

(۱۶) رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، تم پر وہ رحم فرمائے گا۔ جس کی حکومت آسمان میں ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۱۷) وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی توقیر نہ کرے۔ اچھی بات کا حکم نہ دے اور بری بات سے منع نہ کرے۔ (ترمذی)

(۱۸) جوان، اگر بوڑھے کا اکرام اس کی عمر کی وجہ سے کرے گا تو اس کی (اس) عمر کے وقت، اللہ تعالیٰ ایسے کو مقرر کردے گا جو اس کا اکرام کرے۔ (ترمذی)

(۱۹) یہ بات اللہ تعالیٰ کی تعظیم میں سے ہے کہ بوڑھے مسلمان کا اکرام کیا جائے اور اس حاملِ قرآن (حافظ و عالمِ دین) کا اکرام کیا جائے جو نہ غالی ہو نہ جافی (جفاکار) (یعنی جو غلو کرتے ہیں، حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، پڑھنے میں الفاظ کی صحت کا لحاظ نہیں رکھتے یا

معنی غلط بیان کرتے ہیں یا ریا کے طور پر تلاوت کرتے ہیں، ان کے دل اس سے متاثر نہیں ہوتے اور اسے دنیا طلبی کا ذریعہ بناتے ہیں اور جفا یہ ہے کہ اس سے اعراض کرے، نہ قرآن کی تلاوت کرے نہ اس کے احکام پر عمل کرے) اور بادشاہ عادل کا اکرام کرنا۔ (ابوداؤد)

(۲۰) جس نے میری امت میں کسی کی حاجت پوری کردی جس سے مقصود اس کو خوش کرنا ہے، اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ (بیہقی)

(۲۱) اپنے بھائی کی مدد کر، ظالم ہو خواہ مظلوم۔ کسی نے عرض کی "یارسول اللہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کروں گا۔ ظالم ہو تو کیونکر مدد کروں؟" فرمایا: "اس کو ظلم کرنے سے روک دے، یہی مدد کرنا ہے۔" (بخاری و مسلم)

(۲۲) مومن، الفت کی جگہ ہے (کہ یہ دوسروں سے الفت کرے، دوسرے اس سے) اور اس شخص میں کوئی خوبی نہیں جو نہ الفت کرے، نہ اس سے الفت کی جائے۔ (امام احمد) یعنی اگر اس میں اور بھی خوبیاں ہوں تو اس کے مقابل وہ ہیچ ہیں۔

(۲۳) جو کسی مظلوم کی فریاد رسی کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے تہتر (۷۳) مغفرتیں لکھے گا۔ ان میں سے ایک سے اس کے تمام کاموں کی درستی ہو جائے گی اور بہتر (۷۲) سے قیامت کے دن اس کے درجے بلند ہوں گے۔ (بیہقی)

(۲۴) قسم ہے اس کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، بندہ مومن نہیں ہوتا، جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ پسند نہ کرے، جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

(۲۵) دین خیرخواہی کا نام ہے۔ اس کو تین مرتبہ فرمایا: ہم نے عرض کی، کس کی خیرخواہی؟ فرمایا: اللہ و رسول اور اس کی کتاب کی (کہ ان کی اطاعت و پیروی کرے) اور ائمۂ مسلمین اور عام مسلمانوں کی (کہ ان کا ہمہ اوقات بھلا چاہے) (مسلم شریف)

(۲۶) لوگوں کو ان کے مرتبے میں اتارو (یعنی ہر شخص کے ساتھ اس طرح پیش آؤ، جو اس کے مرتبے کے مناسب ہو۔ مگر یوں کہ کسی اور کی تحقیر و تذلیل نہ ہو) (ابوداؤد)

(۲۷) تم میں اچھا وہ شخص ہے جس سے بھلائی کی امید ہو اور جس کی شرارت سے

امن ہو اور تم میں بُرا وہ شخص ہے جس سے بھلائی کی امید نہ ہو اور جس کی شرارت سے امن نہ ہو۔ (ترمذی)

(۲۸) تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا وہ ہے جو اُس کی عیال کے ساتھ احسان کرے۔ (بیہقی)

(۲۹) جہاں کہیں رہو، خدا سے ڈرتے رہو اور برائی ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرو۔ یہ نیکی اسے مٹادے گی اور لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔ (ترمذی)

(۳۰) نرمی کو لازم کر لو اور سختی و فحش (بدکلامی) سے بچو کہ جس چیز میں نرمی ہوتی ہے اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے جُدا کر لی جاتی ہے، اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔ (مسلم)

(۳۱) جس کو نرمی سے حصہ ملا، اسے دنیا و آخرت کی خیر کا حصہ ملا اور جو شخص نرمی سے محروم ہوا وہ دنیا و آخرت کی خیر سے محروم ہوا۔ (شرح السنہ)

(۳۲) بڑوں کے ساتھ بیٹھو۔ علماء سے باتیں پوچھو، اور دانش وروں سے میل جول رکھو۔ (کہ نُورِ معرفت پیدا ہو)

(۳۳) عفو و درگزر سے آدمی کی عزت گھٹتی نہیں اور بڑھ جاتی ہے۔ (ترمذی)

(۳۴) خاکساری اختیار کرو۔ تم میں سے کوئی کسی پر ظلم نہ کرے اور نہ کوئی کسی کے مقابل فخر کرے۔ (ابوداؤد)

(۳۵) مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے نہ بدزبانی اور فحش کلامی کرتا ہے۔ (بخاری)

(۳۶) اچھے طور و طریق، نیک انداز اور میانہ روی، نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ (ابوداؤد)

(۳۷) مومن کے لیے یہ حلال نہیں کہ مومن کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ اگر تین دن گزر گئے تو ملاقات کرے اور سلام کرے۔ اگر دوسرے نے جواب دے دیا تو اجر میں دونوں شریک ہو گئے اور اگر جواب نہیں دیا تو گناہ اس کے ذمہ ہے۔ یہ شخص ترکِ تعلق کے گناہ سے نکل گیا۔ (ابوداؤد)

(۳۸) سب سے بُرا، قیامت کے دن وہ بندہ ہے جس نے دوسرے کی دنیا کے بدلے میں اپنی آخرت برباد کر دی۔ (ابن ماجہ)

(۳۹) بعض لوگوں کو غصہ جلد آ جاتا ہے اور جلد جاتا رہتا ہے۔ یہ ایک کے بدلے دوسرا ہے (کہ ایک کوتاہی ہے دوسری خوبی) اور بعض کو دیر میں آتا ہے اور دیر میں جاتا ہے۔ یہاں بھی ایک کے بدلے میں دوسرا ہے۔ (یعنی ایک اچھی بات ہے اور ایک بُری، ادلا بدلا ہو گیا) اور تم میں بہتر وہ ہیں کہ دیر میں انہیں غصہ آئے اور جلد چلا جائے اور بدتر وہ ہیں جنہیں جلد غصہ آ جائے اور دیر میں جائے۔ غصہ سے بچو کہ وہ آدمی کے دل پر ایک انگارہ ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اس سے گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ جو شخص غصہ محسوس کرے، وہ لیٹ جائے اور زمین سے چپٹ جائے۔

(۴۰) تین چیزیں نجات دینے والی ہیں اور تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں: (۱) پوشیدہ اور ظاہر میں اللہ سے تقویٰ، (۲) خوشی اور ناخوشی میں حق بات کہنا اور (۳) مال داری و احتیاج کی حالت میں درمیانی چال چلنا۔ ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں: (۱) خواہشِ نفسانی کی پیروی کرنا۔ (۲) بخل کی اطاعت اور (۳) اپنے نفس کے ساتھ گھمنڈ۔ یہ سب میں سخت تر ہے۔ (بیہقی)

(۱۰۴) متفرقات

(۱) رشتہ میں چونکہ مختلف درجات ہیں، اس لیے صلۂ رحم کے درجات میں بھی تفاوت ہے، چنانچہ والدین کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے۔ ان کے بعد ذو محرم رحم کا۔ اس کے بعد بقیہ اہلِ قرابت کا علیٰ قدر مراتب۔ (ردالمحتار)

(۲) صلۂ رحم کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان کو ہدیہ تحفہ دینا۔ کسی کام میں انہیں اعانت درکار ہو تو اس کام میں ان کی مدد کرنا۔ انہیں سلام کرنا۔ ان کی ملاقات کو جانا۔ ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا۔ ان سے بات چیت کرنا۔ کسی بات میں مشورہ درکار ہو تو صحیح مشورہ

دینا۔ ان کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا۔ (دُرر وغیرہ)

(۳) اگر یہ شخص پردیس میں ہے تو قرابت داروں سے خط و کتابت جاری رکھے تاکہ بے تعلقی پیدا نہ ہونے پائے اور ہو سکے تو وطن آئے اور رشتہ داروں سے تعلقات تازہ کرے۔ اس سے باہمی محبت و مودت میں اضافہ ہو گا۔ (ردالمحتار)

(۴) یہ پردیس میں ہے اور والدین بلاتے ہیں تو آنا ہی ہو گا۔ خط لکھنا کافی نہیں۔ یونہی والدین کو اس کی خدمت کی حاجت ہو تو آئے اور ان کی خدمت کرے۔ (ردالمحتار)

(۵) آدمی نفل نماز پڑھ رہا ہے اور ماں باپ کو اس کا نماز میں مصروف ہونا معلوم نہیں اور ان میں سے کسی نے اسے آواز دی تو حکم ہے کہ نفل نماز توڑ دے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر جواب دے اگرچہ معمولی طور سے بلائیں۔ (درمختار) اور اگر فرض نماز میں ہو اور ان کا پکارنا کسی بڑی مصیبت کے لیے ہو، مثلاً کوئی ڈوب رہا ہے یا آگ سے جل جائے گا تو فرض نماز توڑ کر انہیں جواب دے جبکہ یہ اس کے بچانے پر قادر ہو۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۶) باپ کے بعد دادا اور بڑے بھائی کا مرتبہ ہے کہ بڑا بھائی بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ بڑی بہن اور خالہ ماں کی جگہ ہیں اور حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ چچا، باپ کی مثل ہے۔ (ردالمحتار) تو چچا کا بھی احترام لازم جانے۔

(۷) صلۂ رحمی اس کا نام نہیں کہ وہ سلوک کرے تو تم بھی کرو۔ اس نے تمہارے لیے تحفہ بھیجا۔ تم نے اس کے لیے بھیج دیا۔ وہ تمہارے یہاں آیا، تم اس کے یہاں سے ہو آئے کہ یہ چیز تو درحقیقت، مکافاۃ یعنی ادلا بدلا ہے۔ حقیقتاً صلۂ رحمی یہ ہے کہ وہ کاٹے اور تم جوڑو۔ وہ تم سے بے اعتنائی برتتا اور جُدا ہونا چاہتا ہے اور تم اس سے برغبت پیش آؤ اور اس کے ساتھ قرابت و رشتہ کے حقوق کی مراعات کرو۔ (ردالمحتار)

(۸) چھت پر چڑھنے میں دوسروں کے گھروں میں نگاہ پہنچتی ہے تو وہ لوگ چھت پر چڑھنے سے منع کر سکتے ہیں۔ جب تک وہ دیوار نہ بنوا لے یا کوئی ایسی چیز نہ لگائے جس سے بے پردگی نہ ہو۔ اور اگر دوسروں کے گھروں میں نظر نہیں پڑتی مگر وہ لوگ جب اپنی چھت پر چڑھتے ہیں تو سامنا ہوتا ہے تو وہ اپنی چھت پر اس کو چڑھنے سے منع نہیں کر سکتے

بلکہ ان لوگوں کی مستورات کو چاہیے کہ خود چھتوں پر نہ چڑھیں تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ (درمختار)

(۹) کسی کو گناہ کرتے دیکھے تو نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اسے منع کرے اور اسے اچھی طرح سمجھائے اور اگر اس طریقہ سے کام نہ چلے اور وہ اپنی بے جا حرکات سے باز نہ آئے تو اب سختی سے پیش آئے، اس کو سخت سست الفاظ کہہ دے، مگر حد سے تجاوز نہ کرے۔ نہ اسے گالی دے اور نہ فحش الفاظ زبان سے نکالے کہ بات بڑھے گی اور حاصل کچھ نہ ہو گا۔ اور اس سے بھی کام چلتا نظر نہ آئے تو اپنی قوت و اثر سے کام لے کر زبردستی اس کو روک دے۔ بشرطیکہ فتنہ و فساد کے پھیلنے اور آپس میں دشمنی ناچاقی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ (عالمگیری وغیرہ) مقصد یہ ہے کہ جو بری بات دیکھے، اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ، اپنی قوت و سطوت سے بدل دے (اور یہ ذمہ داری امراء و حکام کی ہے) اور اگر ہاتھ سے بدلنے پر قادر نہ ہو تو زبان سے بدل دے یعنی زبان سے اس کا برا ہونا ظاہر کر دے۔ (اور یہ منصب علماء کا ہے) اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا جانے۔ اور حدیث شریف میں فرمایا، یہ ایمان کا سب سے کمزور مرتبہ ہے (اور یہ عوام الناس کا ذمہ ہے) اور یہاں عوام الناس سے وہی لوگ مراد ہیں کہ ان میں نہ ہاتھ سے روکنے کی جرات ہے، نہ زبان سے منع کرنے کی ہمت۔ قوم کے چودھری اور زمیندار اور بااثر افراد یہاں عوام الناس میں داخل نہیں۔ یہ لوگ اپنے اثر و اختیار سے برائی کو روک سکتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ برائی کو پھلنے پھولنے اور بڑھنے سے روکیں۔ ایسوں کے لیے صرف دل سے برا جاننا کافی نہیں۔ (بہار شریعت)

(۱۰) اپنے بچہ کو قرآن و علمِ دین پڑھنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور یتیم بچہ کو اس بات پر مار سکتا ہے جس پر اپنے بچے کو مارتا ہے۔ (ردالمحتار)

کیونکہ اگر یتیم بچہ کو مطلق العنان چھوڑ دیا جائے تو علم و ادب سے بالکل کورا ہو جائے گا اور عموماً بچے، بغیر تنبیہہ کے قابو میں نہیں آتے اور جب تک انہیں خوف نہ ہو، کہنا نہیں مانتے، مگر مارنے کا مقصد صحیح ہونا ضرور ہے۔ یونہی اساتذہ بھی بچوں کو نہ پڑھنے یا شرارتیں کرنے پر سزا دے سکتے ہیں مگر وہ کلیہ انہیں بھی پیش نظر رکھنا چاہیے

کہ اپنا بچہ ہو تو اس حرکت پر اسے بھی اتنی ہی سزا دے ورنہ یہ مارنا تربیت و تادیب کے لیے نہیں، محض غصہ اتارنا ہوا۔ اور یہ خود قابل گرفت بات ہے۔ ایسے ہی مواقع کے لیے قرآن فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔ — اللہ خوب جانتا ہے کہ کون مفسد (آمادۂ فساد) ہے اور کون مصلح (یعنی طالبِ اصلاح وخیر خواہ)

(۱۱) عالم اگر اپنا عالم دین ہونا لوگوں پر ظاہر کرے (اور ہو بھی واقعتاً عالمِ دین اور کم از کم اتنا قابل کہ دینی کتابوں سے مسائل معلوم کر سکتا ہے) تو اس میں مضائقہ نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ تفاخر کے طور پر اظہار نہ ہو کہ تفاخر حرام ہے بلکہ محض تحدیثِ نعمتِ الٰہی کے لیے یہ اظہار ہو اور مقصد یہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو گا تو اس سے استفادہ کریں گے۔ کوئی دین کی بات پوچھے گا اور کوئی اس سے علمِ دین پڑھے گا اور وہ نام نہاد ملا کہ اردو کی دو چار کتابیں پڑھ کر بزعمِ خویش عالمِ دین بن بیٹھتے ہیں۔ وہ خود بھی گمراہ ہیں، دوسروں کو بھی وادیٔ ضلالت میں بھٹکا کر چھوڑ دیں گے وہ اس حکم کا مصداق نہیں۔

(۱۲) معلم اگر ثواب آخرت کا خواہاں ہے تو پانچ باتیں اس پر لازم ہیں:

۱۔ تعلیم پر اجرت لینا شرط نہ کرے۔ اگر کوئی خود کچھ دے دے تو لے لے، ورنہ نہیں۔ (ہاں اس کے بغیر اگر ضروریات پوری نہ ہو سکیں تو آپ ہی اس پر مجبور ہو گا)

۲۔ باوضو رہے کہ برکت پائے اور نُورِ علم سے اس کا سینہ اور زیادہ روشن ہو۔

۳۔ خیر خواہانہ تعلیم دے، محبت و شفقت اور توجہ سے پڑھائے۔ (کہ استاد کی توجہ اور محبت و شفقت مقناطیسی اثر رکھتی ہے اور طلبہ پروانہ وار اس پر فدا ہوتے ہیں)

۴۔ طلبہ میں باہم کوئی اختلاف رُونما ہو جائے تو عدل و انصاف سے کام لے۔ یہ نہ ہو کہ مالداروں کے بچوں کی طرف زیادہ توجہ دے اور غریب بچوں کی طرف کم۔

۵۔ بچوں کو زیادہ نہ مارے کہ مارنے میں حد سے تجاوز کرے گا تو قیامت کے روز جواب دینا ہو گا (اور بد زبانی اور گالی گلوچ، تو یوں بھی شریفوں کا شیوہ نہیں۔ نہ کہ ایک استاد اور وہ بھی علمِ دین پڑھانے والا، اس میں ملوث ہو) (عالمگیری وغیرہ)

(۱۳) طالب علم کو چاہیے کہ استاد کا ادب اور اس کے حقوق کی حفاظت کرے۔ مال و متاعِ دنیا سے استاد کی خدمت بجالائے۔ استاد سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی طرف مطلقاً توجہ نہ دے۔ نہ استاد کی غلط روی کی پیروی کرے۔ استاد کا حق، ماں باپ اور دوسرے لوگوں سے زیادہ جانے کہ وہ مربی جسم ہیں اور استاد مربیِ رُوح و جان۔ ہمیشہ استاد سے تواضع برتے، خاکسارانہ پیش آئے اور جب استاد کے مکان پر جائے تو بڑی نرمی سے دستک دے۔ یعنی بڑی آہستگی سے کنڈی وغیرہ بجائے۔ دروازے پر دستک نہ دے بلکہ اس کے برآمد ہونے کا انتظار کرے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۱۴) عالم و متعلم کو چاہیے کہ علم، کتبِ علم اور اہلِ علم کی توقیر و تکریم کریں۔ عام لوگوں سے میل جول کم رکھیں۔ فضول باتوں میں نہ پڑیں۔ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ برابر جاری رکھیں۔ دینی مسائل میں مذاکرہ کرتے رہیں۔ مطالعہ و کتب بینی کے شوق میں کمی نہ آنے دیں۔ لڑائی جھگڑے اور لاحاصل بحث و مباحثہ سے ملوث نہ ہوں۔ اگر اتفاقاً کسی سے جھگڑا ہو ہی جائے تو انصاف و بُردباری سے کام لیں۔ جاہلوں کی مانند، بد کلامی و فحش گوئی پر نہ اتر آئیں۔ آخر جاہل میں اور ان میں فرق بھی تو ضروری ہے۔ (عالمگیری وغیرہ)

(۱۵) عبادت کوئی بھی ہو، اس میں اخلاص نہایت ضروری چیز ہے۔ یعنی محض رضائے الٰہی کے لیے کوئی عملِ خیر کرنا چاہیے، ریا و نمائش یعنی دکھاوے کے طور پر عمل کرنا بالاجماع حرام ہے بلکہ حدیث میں ریا و نمود کو شرکِ اصغر فرمایا گیا ہے۔ اخلاص ہی وہ چیز ہے کہ اس پر ثواب آخرت مترتب ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی لاعلمی کے باعث عمل صحیح نہ ہو مگر جب اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہو تو اس پر ثوابِ آخرت پائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس فعل کو اس کے ارکان و شرائط وغیرہ کی رعایت سے ادا کیا جائے مگر اس پر ثواب نہ ملے۔ مثلاً نماز پڑھی، تمام ارکان ادا کیے، شرائط بھی پائے گئے مگر پڑھی ریا کے ساتھ تو ثواب کہاں اگرچہ نماز کی صحت کا حکم دیا جائے۔ مگر چونکہ اخلاص نہیں، ثواب نہیں۔ یا مثلاً اُجرت لے کر، کسی میت کے لیے بغرضِ ایصالِ ثواب قرآن مجید کی تلاوت کی، تو یہ بھی ریا کی مانند ہے کہ تلاوت سے مقصود پیسے ہیں۔ پیسے نہ ملتے تو یہ پڑھتا بھی نہیں (جیسا کہ پیشہ وروں سے دیکھنے میں آتا ہے) تو اس پڑھنے میں کوئی

ثواب نہیں۔ پھر میت کے لیے ایصالِ ثواب کا نام لینا غلط ہے کہ جب ثواب ہی نہ ملا تو پہنچائے گا کیا؟ اسی قسم کی اور بہت سی صورتیں ہیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ مختصر بیان دین دار متبع شریعت کے لیے کافی و وافی ہے۔ وہ خود اپنے دل میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ عملِ خیر پر اُجرت کہاں اُجرت ہے اور کہاں نہیں۔ کہاں ثواب ہے، کہاں نہیں۔ کس عمل میں اخلاص او رضائے الٰہی کا حصول ہے، کس میں نہیں۔
(ردالمحتار وغیرہ)

(۱۶) اہلِ محلّہ نے امام مسجد کے لیے کچھ چندہ جمع کر کے دے دیا یا اسے کھانے پینے کے لیے سامان مہیا کر دیا تو یہ ان لوگوں کے نزدیک بھی جائز ہے جو اجرت پر امامت کو ناجائز فرماتے ہیں کہ یہ اُجرت نہیں بلکہ احسان ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کرنا ہی چاہیے۔ (درمختار)

(۱۷) لوگوں کے ساتھ مدارات سے پیش آنا، نرم آواز، کشادہ روی، خندہ دہنی سے گفتگو کرنا، ملاقات کے وقت تواضع اختیار کرنا، یہ باتیں شرعاً محبوب و مطلوب ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ مداہنت نہ پیدا ہو۔ یعنی مخاطب اگر بدمذہب، بدعقیدہ، لادین ہو تو اس سے اس انداز میں گفتگو نہ کرے کہ وہ یہ سمجھے کہ یہ میرے مذہب کو اچھا سمجھنے لگا ہے۔ (عالمگیری) اور جو شخص مقتدا اور مذہبی پیشوا ہو، وہ اہلِ باطل سے تعلق ہی نہ رکھے کیونکہ اس کا یہ فعل اگرچہ کسی ضرورتِ شرعی کے ماتحت ہو، عوام الناس کے لیے باعثِ فتنہ بنے گا۔ بوقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت کا لحاظ بھی ایسے مواقع پر عوام الناس سے بڑھ کر اسے درکار ہے۔

(۱۸) کسی کو کچھ دینا ہو تو ناقص چیز صدقے میں نہ دے کہ اللہ عزوجل غنی ہے۔ صدقہ پہلے اسی غنیٔ مطلق جل جلالہ کے دستِ قدرت میں پہنچتا، اس کے بعد فقیر کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ اب آدمی دیکھے کہ غنی کی سرکار میں کیا پیشکش کرتا ہے۔ یونہی صدقہ لینے والے پر لازم ہے کہ ناقص پر ناراض نہ ہو اور اس کی مذمت و شکایت نہ کرے کہ آخر اللہ کی نعمت ہے اور اس کا احسان و سلوک اور نعمت کا معاوضہ شکر ہے نہ کہ شکایت۔ اس کا کوئی قرض تو نہ آتا تھا کہ شکایت کرتا ہے۔ (احسن الوعاء)

(۱۹) اگر لینے والے کو معلوم ہو کہ جو کچھ دیتا ہے، عین حرام ہے تو ہر طرح لینا حرام ہے۔ خواہ بدلے میں۔ خواہ صدقے میں، خواہ اجرت میں، خواہ قرض میں، خواہ کسی طرح کہ خبیث سے، سوا خبیث کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور اگر معلوم نہ ہو کہ یہ کیسا مال ہے تو لینا جائز۔ اس کنکائیں کی ضرورت نہیں کہ اس کا ذریعۂ آمدنی حلال ہے یا حرام۔
(فتاویٰ رضویہ)

(۲۰) رنج و مصیبت سے گھبرا کر، اپنے مرنے کی دعا نہ کرنا چاہیے کہ مسلمان کی زندگی اس کے حق میں غنیمت ہے۔ اے عزیز وہاں کے لیے کیا جمع کیا کہ یہاں سے بھاگتا ہے۔ ہاں اگر وصلِ الٰہی کے شوق کا غلبہ ہو اور بندگانِ صالحین سے ملاقات کا اشتیاق غالب ہو، یا دین میں فتنہ دیکھے اور دینی مضرت کا خوف ہو تو اپنے مرنے کی دعا جائز ہے۔
(عالمگیری وغیرہ)

(۲۱) جانوروں سے کام لینے میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے اور اتنا کام نہ لیا جائے کہ وہ مصیبت میں پڑ جائے۔ جتنا بوجھ اٹھا سکتا ہے، اتنا ہی اس پر لادا جائے۔ یا جتنی دور جا سکے، وہیں تک لے جایا جائے یا جتنی دیر تک کام کرنے کا متحمل ہو، اتنا ہی لیا جائے۔ بعض یکہ (تانگہ) والے اتنی زیادہ سواریاں بٹھا لیتے ہیں کہ گھوڑا مصیبت میں پڑ جاتا ہے۔ یہ ناجائز ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ بلاوجہ جانور کو نہ مارے اور سر اور چہرہ پر تو کسی حالت میں نہ مارے کہ یہ بالاجماع ناجائز ہے۔ یونہی اس پر لعنت نہ کرے کہ اس سے فیض پاتا ہے۔ جانور پر ظلم کرنا، ذمی کافر پر ظلم کرنے سے زیادہ برا ہے۔ اور ذمی کافر پر ظلم کرنا، مسلمان پر ظلم کرنے سے بھی برا، کیونکہ جانور کا کوئی معین و مددگار، اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں۔ اس غریب کو اس کے ظلم سے کون بچائے۔ (درمختار، ردالمحتار)

(۲۲) کھانے کے بعد کاغذ سے ہاتھ منہ صاف کرنا نہ چاہیے کہ نصاریٰ کا طریقہ ہے اور اپنے عمامہ یا دامن یا آنچل سے بھی ہاتھ پونچھنا منع ہے۔ ہاں پانی سے ہاتھ دھو لے کہ چکنائی وغیرہ زائل ہوگئی تو اب دامن وغیرہ سے قطرے سُت کرنے میں کوئی ممانعت نہیں۔ ردالمحتار میں فرمایا کہ دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا بھول پیدا کرتا ہے۔

(۲۳) ہلتا ہوا دانت، چاندی کے تار سے باندھنا، یا اکھڑا ہوا دانت کسی مسالہ مثلاً برادۂ آہن و مقناطیس وغیرہ سے جمالینا جائز ہے۔ اگرچہ پانی اس کے نیچے، وضو غسل میں نہ پہنچے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۲۴) بکثرت حدیثیں اس بارے میں مروی ہیں کہ بلاوجہ شرعی وہ بات نہ کی جائے جو سننے سے بری معلوم ہو۔ عذر کی حاجت پڑے اور مسلمانوں کو نفرت دلائے، یا جس سے اس کی غیبت کا دروازہ کھلے۔ یہ احادیث زندگی کے بہت سے شعبوں میں صحیح رہنمائی کرتی ہیں۔

(۲۵) احادیثِ کریمہ سے ثابت ہے کہ رات ہو یا دن، عورت جوان ہو یا بوڑھی، جمعہ ہو یا عید، یا جماعتِ پنجگانہ یا مجلسِ وعظ، ان میں کسی عورت کو کبھی جانے کی اجازت نہیں۔ ہاں فتنہ و فساد کا ظن غالب ہو یا کسی دینی ضروری مصلحت کی تحصیل یا کسی واقعی ضرورت کی تکمیل کے لیے گھر سے نکلنا ہی پڑ جائے تو پورے پردہ سے نکل سکتی ہے۔

(۲۶) اگر کوئی مسلمان بھوک پیاس سے مرتا ہو، اس کی اعانت مسلمانوں پر فرض ہے ایسی حالت میں اگر وہ دوسروں کے پاس کھانا پانی پائے، اس پر مانگنا فرض ہے۔
(فتاویٰ رضویہ)

(۲۷) دوسروں کی عیب جوئی میں لگے رہنا سخت حرام ہے اور ایسی حالت میں ان کی بُرائیوں کا بلا ضرورتِ واقعی عام چرچا کرنا، انہیں اور شوخ چشم اور بدلحاظ بنا دیتا ہے۔

(۲۸) حدیث میں ہے ”گناہ کرنا ایک ہے اور وبال اس کا اوروں پر بھی پڑتا ہے کہ جو اس پر راضی ہو (کہ نہ اسے باز رکھے نہ بُرا جانے) وہ بھی شریکِ گناہ ہے۔“

(۲۹) کسی پر بہتان باندھنا، ناجائز طور پر آبرو لینا، دغا فریب، یہ سب باتیں گناہ ہیں۔ خواہ اپنوں سے ہوں یا بیگانوں سے۔ مردوں سے ہوں یا عورتوں سے، مردوں سے سرزد ہوں یا عورتوں سے، سب گناہ ہیں اور جوان کا مرتکب ہو، سخت سزا کا سزاوار ہے۔

(۳۰) سزا صرف وہی ہے جو مطابقِ شرع ہو، خلافِ شرع کسی کے لیے کوئی سزا تجویز کرنا، یہ خود جرم ہے۔ پنچایت اور برادری میں کسی کا جرم ثابت ہونے کے بعد بطور سزا حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے۔ یہ درست ہے لیکن مالی جرمانہ اس پر ڈالنا، یا اسے

برادری کے کھانا کھلانے پر مجبور کرنا، یہ جائز نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۳۱) برادری اور پنچایت والی قوموں میں جو مطابقِ شرع سزائیں رائج ہیں، انہیں توڑنا اور قصداً اس کی خلاف ورزی کرنا، یا دوسروں کو اس کے خلاف اُکسانا، مصلحت شرعیہ کے خلاف ہے۔ اور اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی سزائیں، جو یہاں مسلمانوں کے اختیار میں رہ گئی ہیں، وہ بھی اگر اٹھ جائیں اور پنچایتی قوموں کے لوگ بھی، اوروں کی طرح ہر گناہ میں آزاد ہو جائیں تو یہ ان مجرموں کی حمایت ہوگی اور خود اپنی جگہ ایک جُرم۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۳۲) بدمذہب، بدعقیدہ کہ اہلسنّت و جماعت سے کٹ کر، اپنی الگ راہ چلتے ہیں، وہ تمام انسانوں، سارے جانوروں بلکہ کتے سے بدتر ہیں۔ کتا فاسق نہیں اور یہ اصل دین ومذہب میں فاسق ہے۔ کتے پر عذاب نہیں اور یہ عذابِ شدید کا مستحق ہے۔
(دار قطنی وغیرہ)

(۳۳) فاسقِ معلن کہ علی الاعلان گناہ صغیرہ پر اصرار اور کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہیں، جب تک توبہ نہ کریں، ان سے ابتداء بسلام مکروہ ہے۔ یونہی وہ بوڑھے کہ ہر وقت مذاق و دل لگی میں، یا وہ کہ لغو و بے ہودہ حرکتوں میں مصروف رہتے ہیں یا گالی گلوچ ان کا شیوہ ہے یا وہ کہ اجنبی عورتوں کو گھورتے تاکتے جھانکتے ہیں۔ یونہی کبوتر باز، پتنگ باز جب تک ان کی توبہ معروف نہ ہو، وہ ابتداء بسلام کے مستحق و سزاوار نہیں۔
(فتاویٰ رضویہ)

(۳۴) اہلِ ہنود کا میلہ دیکھنے کے لیے جانا مطلقاً ناجائز ہے۔ اور اگر یہ میلہ، ان کا مذہبی میلہ ہو، جس میں وہ علانیہ کفر و شرک کریں گے، کفری آوازوں سے چلائیں گے تو ظاہر ہے کہ یہ صورت اور بھی سخت گناہ کی موجب ہوگی کہ کفریات پر کان لگانا، کفر و شرک کو تماشا بنانا اور بلاوجہ شرعی ایسے مقامات کی رونق بڑھانا ہے۔ اور یہ سب سخت گناہِ کبیرہ ہیں بشرطیکہ دل میں ان سے نفرت رہے اور اگر معاذ اللہ، ان میں سے کسی بات کو پسند کرے، یا ہلکا جانے تو آپ ہی کافر ہو اور اسلام سے خارج۔ حدیث شریف میں فرمایا جو کسی قوم کا جتھا بڑھائے، وہ انہیں میں سے ہے اور جو کسی قوم کا کوئی کام پسند

کرے، وہ اس کام کے کرنے والوں کا شریک ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

(۳۵) کچھ سنیاسی قسم کے فقیر، ننگے سر، ننگے پاؤں، ایک ہاتھ میں لٹیا لیے، رنگا ہوا کپڑا باندھے اوڑھے، پیری مریدی کا ڈھونگ رچائے پھرتے ہیں اور اپنے آپ کو آدھا ہندو، آدھا مسلمان کہتے ہیں۔ اسی لیے ان کے چیلوں میں ہندو بھی ہوتے ہیں، مسلمان بھی۔ مسلمان بھائی یاد رکھیں اور خصوصاً عورتیں، کہ وہ ایسوں کی چکنی چپڑی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتی ہیں کہ ایسے لوگ اپنے اقرار سے آدھے ہندو ہیں۔ اور اسلام و کفر کا اقراری ہے تو یقیناً عنداللہ بھی کافر ہے۔ ایسوں کو اللہ والا جاننا، خدا والے فقیروں میں ماننا، یا ان کے ہاتھوں پر بیعت ہو جانا، اپنے ایمان کو برباد کرنا ہے۔ خبردار خبردار ان کے جھانسے میں نہ آئیں۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھ کر اپنا دامن بچائیں۔

(۳۶) نزولِ باراں یعنی مینہ برسنے کے لیے اذان کہنا، جیسا کہ مسلمانوں میں اس کا رواج ہے، درست ہے کہ شرع مطہر سے ممانعت نہیں۔ پھر اذان ذکر الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی اور ذکر الٰہی، باعث ہے نزولِ رحمتِ الٰہی کا۔ اسی بنیاد پر علمائے کرام نے قبر پر اذان کہنا جائز و مستحب قرار دیا ہے۔ (ایذان الاجر)

(۳۷) تعزیئے دیکھنے کے لیے جمگھٹ لگانا درکنار، حکم ہے کہ تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض و رُوگردانی کریں۔ اس کی جانب دیکھنا بھی نہ چاہیے۔ (عرفانِ شریعت)

(۳۸) مٹی کا تیل مسجد میں جلانا بدبُو کی وجہ سے حرام ہے۔ اگر ایسی ترکیب کریں کہ اس کی بدبُو زائل ہو جائے تو جائز ہے، مگر اس کا خیال رکھیں کہ کوئی دوسری شے جو مٹی کے تیل میں ملائیں وہ ناپاک نہ ہو۔ ورنہ یہ اس تیل کو بھی ناپاک کر دے گی اور ناپاک تیل کا مسجد میں جلانا جائز نہیں ہے۔ (درمختار وغیرہ) کافور، بدبُو کو دُور کر دیتا ہے۔

(۳۹) سونے کی انگوٹھی مرد کو مطلقاً حرام ہے۔ یونہی چاندی کا چھلا۔ یونہی چاندی کی دو یا زیادہ انگوٹھیاں۔ یونہی ایک انگوٹھی جس میں کئی نگ ہوں۔ یونہی ایک انگوٹھی جس میں ساڑھے چار ماشہ چاندی ہو، اس کا استعمال مرد کو جائز نہیں۔ صرف ایک انگوٹھی، ایک نگ کی، اگرچہ وہ کتنا ہی قیمتی ہو ساڑھے چار ماشہ سے کم چاندی کی، مرد کو جائز ہے۔
(فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

(۴۰) فقیر، ہندو ہو خواہ کوئی کافر، وہ اللہ تعالیٰ کے غضب و لعنت تک پہنچتے ہیں۔ جو یہ گمان کرے کہ کافر بغیر اسلام لائے اللہ تک پہنچ سکتا ہے، وہ خود کافر ہے۔
(افاداتِ رضویہ)

(۱۰۵) بیعت وارادت

مسلمان مردوں اور عورتوں کا صدیوں سے معمول ہے کہ وہ بزرگانِ دین سے تبرک کے لیے کسی نہ کسی بزرگ کے سلسلہ میں، کسی پیر کے ہاتھوں پر بیعت ہو جاتے ہیں اور نیت اچھی ہو یعنی دنیاوی اغراضِ فاسدہ کے لیے نہ ہو تو یہ بیعت بیکار نہیں، مفید اور بہت مفید اور دنیا و آخرت میں بڑی کار آمد ہے۔ محبوبانِ خدا کے غلامانِ خاص کے ساتھ ایک سلک میں منسلک ہو جانا اور ان کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا، ان سے اس کا سلسلہ متصل ہو جانا فی نفسہ بڑی سعادت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کا رب عزوجل فرماتا ہے:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ۔ یعنی وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

پھر ہر صاحبِ ایمان جانتا ہے کہ محبوبانِ خدا، آیت و نشانِ رحمت ہیں۔ وہ اپنا نام لینے والوں کو بھی اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے، اللہ اسے قبول فرمائے گا۔ اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ کی توفیق دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے اور بے شک میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ یہاں تک کہ امام اجل عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی، اپنی کتاب مستطاب "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء و صوفیائے کرام اپنے پیروں اور

مقلدوں کی شفاعت کرتے ہیں اور جب ان کے پیرو کی روح نکلتی ہے، جب منکر نکیر اس سے سوال کو آتے ہیں، جب اس کا حشر ہوتا ہے، جب نامۂ اعمال کھلتے ہیں، جب حساب لیا جاتا ہے، جب اعمال تلتے ہیں، جب وہ پل صراط پر چلتا ہے۔ غرض دنیا و برزخ و قیامت، ہر جگہ کی سختیوں میں ان پر نگاہ رکھتے اور ہر حال میں ان کی نگہبانی فرماتے ہیں اور کسی جگہ اس سے غافل نہیں ہوتے۔

تو بحمدہٖ تعالیٰ اولیاء و صوفیائے کرام کے فیوض اس دنیا کے علاوہ، عالمِ برزخ میں بھی جاری رہتے ہیں اور اپنے غلاموں کے ساتھ برزخ و قیامت میں بھی ان کی وہی شان امداد و یاری، نگہبانی و غمگساری کرتی اور یاوری و دستگیری فرماتی ہے۔ اور یہاں سے انتقال فرماجانے کے بعد بھی ان کے بے شمار تصرفات و برکات باقی رہتے ہیں اور تاقیامِ قیامت ان کی کرامتیں جاری رہتی ہیں۔

اولیائے الٰہی اور محبوبانِ بارگاہ حمدی کے ساتھ اسی عقیدت و محبّت اور قلبی شوق و اشتیاقِ باطنی کے باعث عام طور پر مسلمانوں میں دو باتیں، اس باب میں مشہور ہیں۔

ایک یہ کہ بے پیر افلاح نہ پائے گا۔

دوسرے یہ کہ بے پیرے کا پیر شیطان ہے۔

بہرحال کسی بزرگ کے ہاتھوں پر بیعت ہو کر، بزرگانِ دین کے سلسلہ میں داخل ہوجانا اور ان کے غلاموں کے زمرے میں کسی مرید کا نام لکھ جانا، حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں بڑی سعادتوں کا موجب ہے اور بڑا فضلِ الٰہی۔ اسی لیے یہ بیعتِ تبرک بھی کوئی ایسی گری پڑی، بے قدری اور بے وقعت چیز نہیں کہ آدمی جہاں پائے اسے حاصل کرے اور جس پیر کے ہاتھوں پر چاہے بیعت ہو جائے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے شیخِ اتصال کی یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے اور اس کے لیے چار شرطیں ہیں:

(۱) شیخ (یعنی جس کے ہاتھ میں بندہ ہاتھ دے اس کا سلسلہ، باتصالِ صحیح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔ بیچ میں کہیں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ اتصال ناممکن۔ جس کا سلسلہ خود کٹا ہوا ہے، وہ دوسروں کو کیا جوڑے گا۔ اور یہاں چند

امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا قبل بیعت بہت ضروری ہے:

۱۔ بعض لوگ بلا بیعت، محض وراثت کے زعم میں (کہ ہم ان کے وارث ہیں) اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں اور شروع کردیتے ہیں بیعت لینا۔

۲۔ یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی۔ بلا اذن بیعت، مرید کرنا شروع کردیتے ہیں۔

۳۔ یا خلافت بھی ملی تھی مگر یہ سلسلہ ہی قطع کردیا گیا، اس میں فیض نہ رکھا گیا ہو، لوگ براہِ ہوس، اس میں اذنِ خلافت دیتے چلے آتے ہیں۔

۴۔ یا سلسلہ فی نفسہٖ صحیح تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بعض شرائطِ بیعت کے نہ پائے جانے کے باعث قابلِ بیعت نہ تھا۔ اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے۔ ان صورتوں میں، اس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا۔ اور آدمی کسی ایسے کے ہاتھوں بیعت پر اڑ ہی جائے تو بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جُدا ہے اور لاحاصل۔

(۲) شیخ سنی متصلب صحیح العقیدہ ہو کہ بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا۔ نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔ آج کل بہت کھلے ہوئے بد دینوں بلکہ بے دینوں، حتیٰ کہ وہابیہ نے، کہ سرے سے منکر و دشمنِ اولیاء ہیں، ہوس برآری اور دنیا طلبی بلکہ گمراہ گری کے لیے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار خبردار احتیاط احتیاط۔

اے بسا ابلیس، آدم روئے ہست

پس بہ ہر دستے نہ باید داد، دست

(۳) عالم ہو اور علمِ فقہ میں اتنی دسترس رکھتا ہو کہ اپنی ضروریات کے مسائل، کسی کی مدد کے بغیر، فقہ کی کتابوں سے نکال سکے اور عالم ہونے کے لیے یہ بات البتہ لازم ہے کہ عقائد اہلسنّت سے پورا واقف، کفر و اسلام، ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بدمذہب نہیں کل ہو جائے گا۔

صدہا کلمات و حرکات ہیں، جن سے کفر لازم آتا ہے اور جاہل و ناواقف، براہِ

جہالت و ناواقفیت، ان میں پڑ جاتے ہیں۔ اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان سے قول یا فعل کفر صادر ہوا ہے کہ وہ کفر و اسلام میں فرق پر مطلع ہی نہیں اور بے اطلاع توبہ ناممکن۔ تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے۔

اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل کہ سلامت روی اس کی طبیعت میں داخل ہے، وہ ڈر بھی جائے گا توبہ استغفار بھی کر لے گا۔ عذابِ آخرت سے ڈر بھی جائے گا، مگر وہ جو سجادہ مشیخت پر ہادی و مرشد بنے بیٹھے اور سجادہ نشین کہلاتے ہیں، ان کی وہ عظمت و برتری کہ خود ان کے قلوب میں ہے، کب قبول کرنے دے گی اور اگر ایسے ہی حق پرست ہوئے اور حق کو جانا مانا تو کتنا؟ اتنا کہ آپ توبہ کر لیں گے۔ مگر وہ جو قولِ کفر یا فعلِ کفر سے بیعت فسخ ہوگئی، اس کا کیا علاج کریں گے؟ اب کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں اور شجرہ اس جدید شیخ کے نام سے دیں اگرچہ وہ شیخ اول ہی کا خلیفہ ہو، تو یہ ان کا نفس کیونکر گوارا کرے گا؟ اور اس پر تو وہ کیا راضی ہوں گے کہ آج سے سلسلہ بند کر دیں۔ مرید کرنا چھوڑ دیں۔ لاجرم وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا، جاری رکھیں گے اور وہی راہِ ہوس اختیار کریں گے۔ لہٰذا لازم کہ وہ عقائدِ حقہ اہلسنّت کا خوب عارف ہو۔

(۴) فاسقِ معلن نہ ہو اور فاسقِ معلن وہ ہے کہ علانیہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب، یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے۔ مثلاً نماز و جماعت پنجگانہ کا تارک ہے اور ترک جماعت کی کوئی وجہ معقول و شرعی بھی نہیں رکھتا۔ یا داڑھی مونڈاتا یا حد شرعی سے کم رکھتا اور کترواتا ہے۔ یا سر پر عورتوں کے سے بال رکھتا ہے یا ایسی حرکتیں کرتا ہے جو مروت اور ایمانی غیرت کے منافی ہیں۔ غرض وہ علی الاعلان فسق کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔ ورنہ اس کی بیعت روا نہ ہوگی کہ پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسقِ معلن کی اہانت ضروری تو دونوں کا اجتماع ممکن نہ ہوگا۔ تعظیم نہ کرے تو اسے پیر بنانا کیسا اور تعظیم کرے تو جُرمِ شرعی میں گرفتار، لہٰذا فاسق کے ہاتھ میں ہاتھ ہی نہ دے۔

مولائے کریم دنیا و آخرت میں عافیت اور اسلام و سنیت پر استقامت بخشے۔

(۱۰۶) اور فاسقِ مُعلِن سے بدتر ہیں

(۱) وہ ابلیسی مسخرے کہ علماء دین پر ہنستے اور ان کے بتائے ہوئے احکام و فتاوٰی کو لغو سمجھتے ہیں۔ انہیں میں ہیں وہ جھوٹے مدعیانِ فقر، وہ بہروپیے جو کہتے ہیں کہ عالموں فقیروں کی سدا سے ہوتی چلی آئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خبیثوں کو یہ لفظ کہتے سنے گئے کہ عالم کون ہے؟ سب پنڈت ہیں، عالم تو وہ ہو جو انبیائے بنی اسرائیل کے معجزے دکھائے یا اور ایسی ہی خرافات بکیں اور اسے فقیری کی رمز کہیں۔ اور اپنے کفریات پر، فقیری کے رمز کا پردہ ڈالیں۔

(۲) وہ دہریے ملحد، فقیر و ولی بننے والے جو کہتے ہیں کہ شریعت راستہ ہے ہم تو پہنچ گئے ہیں، راستے سے ہمیں کیا کام۔ ان خبیثوں کے رد میں اتنی ہی بات کافی، جو عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ نے "الیواقیت والجواہر" میں تحریر فرمائی کہ حضور سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شریعت کے احکام تو وصول کا وسیلہ تھے اور ہم واصل ہوگئے۔ (تو ہمیں ان احکام سے کیا سروکار) فرمایا وہ سچ کہتے ہیں۔ واصل تو ضرور ہوئے (پہنچے تو ضرور) مگر جہنم تک، چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں۔

(۳) وہ جاہل اجہل یا ضال اضل (وگمراہ و گمراہ تر) کہ بے پڑھے، یا چند کتابیں پڑھ کر ائمہ سے بے نیاز ہو بیٹھے۔ جیسا قرآن و حدیث وابوحنیفہ و شافعی و دیگر ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سمجھتے تھے، ان کے زعم میں یہ بھی سمجھتے ہیں بلکہ ان سے بھی بہتر۔ کہ انہوں نے (معاذ اللہ) قرآن و حدیث کے خلاف حکم دیئے اور یہ ان کی غلطیاں نکال رہے ہیں یہ گمراہ بد دین غیر مقلدین ہوئے۔

(۴) وہ مدعیانِ اتباعِ سُنّت کہ وہابیت کی اصل و اضل علت یعنی تقویت الایمان پر سر منڈا بیٹھے۔ اس کے مقابل، قرآن و حدیث پسِ پشت پھینک دیئے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک اس ناپاک کتاب کے طور پر معاذ اللہ، مشرک اور شرک کا حکم دے بنے

والے ٹھہریں اور یہ وہابیت کے متوالے، اللہ و رسول کو پیٹھ دے کر، اسی کے مسائل پر ایمان لائیں، اس کا پڑھنا موجبِ نجات اور گھر میں رکھنا فرضِ عین ٹھہرائیں اور قرآن سے یوں اس کا رتبہ بڑھائیں۔

(۵) دیوبندیت کے مارے ہوئے وہ دعویدارانِ علم کہ انہوں نے گنگوہی و نانوتوی و تھانوی وغیرہم اپنے احبار و رہبان کے کفریات کو، اسلام بنانے کے لیے، اللہ و رسول کو ان کی سخت سخت گالیاں، بڑی بڑی گستاخیاں قبول کیں۔

(۶) جملہ مرتدین اور معاندین کہ اسلام و مسلمین سے رسی تڑوا بھاگے جیسے قادیانی، مرزائی، احمدی، نیچری، چکڑالوی، رافضی، خارجی، ناصبی کہ ضروریاتِ دین کا تمسخر اڑاتے، شعائرِ اسلام کا مذاق اڑاتے، احادیث کو ردی کا انبار ٹھہراتے، صحابہ کرام اور اہلسنّت عظام پر کیچڑ اچھالتے اور یزید کے گن گاتے ہیں۔ یہ سب اسلامی برادری سے خارج، اسلام و اسلامیان سے باغی اور حق و اہل حق سے طاغی ہیں۔ ان سب کا پیر سب کا مقتداء، سب کا منتہا یقیناً شیطان رجیم ہے اور یہ سب اس کے پیروکار و مرید۔ اگرچہ بظاہر کسی سلسلہ میں بیعت کا نام لیں اور خود قطب و ولی بنیں۔

مسلمانوں پر فرض، فرض، فرض ہے کہ ان سے دُور رہیں، ان سے نفرت کریں اور ہرگز ہرگز ان کے رنگ و روپ اور دعویٰ فضل و کمال پر نہ جائیں اور واللہ الہادی۔

یقین جانیں کہ جو بدعتی ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہو، باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہے اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے۔ پیشانی اس کی سجدے میں ایک ورق ہو جائے۔ بدن اس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے۔ عمر میں ہزار حج کرے، لاکھ پہاڑ سونے کے راہِ خدا میں دے، لا واللہ ہرگز ہرگز کچھ قبول نہیں۔ جب تک تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق نہ کرے تو ایسوں سے جوڑنا درکنار، توڑنا فرض ہے کہ ایمان محفوظ رہے۔ واللہ الہادی۔ (فتاویٰ افریقہ وغیرہ)

(۱۰۷) میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(امام اہلسنّت امام احمد رضا خان قدس سرہ کی ایک نفیس تقریر کا خلاصہ بالاضافہ)

حضور نِعۡمَةُ اللّٰهِ ہیں، قرآن عظیم نے ان کا نام نِعۡمَةَ اللّٰهِ رکھا۔ (اللہ کی نعمت عظمٰی) اَلَّذِیۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا (جن لوگوں نے اللہ کی نعمت، ناشکری سے بدل دی) کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نِعۡمَةُ اللّٰهِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ولہٰذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ امتثال امرالٰہی (تعمیلِ حکمِ خداوندی) ہے۔ قال تعالیٰ:

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ۔ اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری، سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے یہی تشریف آوری ہے جس کے طفیل دنیا، قبر، حشر، برزخ، آخرت، غرض ہر وقت، ہر جگہ، ہر آن، نعمتِ ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے اور ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اپنے رب کے حکم سے، اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا، مجلسِ میلاد میں ہوتا ہے۔ مجلسِ میلاد آخر وہی شے ہے جس کا حکم رب العزت دے رہا ہے۔

مجلس مبارک کی حقیقت، مجمع المسلمین کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری و فضائلِ جلیلہ و کمالاتِ جمیلہ کا ذکر سنانا ہے۔ (یہی اس کی حقیقت ہے) بند یا رقعہ بانٹنا، یا طعام و شیرینی کی تقسیم، اس کا جزءِ حقیقت نہیں (کہ اس کے بغیر میلاد کا وجود ہی معدوم ہو) نہ ان میں کچھ جرم، اوّل دعوت الی الخیر (خیر کی طرف بلانا) ہے اور دعوت الی الخیر بے شک خیر ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَا اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ

اِلَی اللّٰہِ۔ کی طرف بلائے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان لہ الاجر مثل اجور من تبعہ ولا ینقص ذلک من اجورھم شیئا۔

جو لوگوں کو کسی ہدایت کی طرف بلائے، جتنے اس کا بلانا قبول کریں، ان سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور اطعامِ طعام (کھلانے پلانے کا اہتمام و انتظام) یا تقسیمِ شیرینی، برِ وصلہ و احسان و صدقہ ہے اور یہ سب شرعاً محمود۔ (کہ قرآن و حدیث میں جابجا اس کی ترکیب و تاکید آئی) ان مجالس کے لیے ایک تم ہی نہیں۔ ملائکہ بھی تداعی کرتے ہیں جہاں مجلس ذکر شریف ہوتے دیکھی، ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمہارا مطلوب ہے۔ پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں۔ تم دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہو۔ ادھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے۔ وہ بھی ایسی عام (بلا روک ٹوک) کہ نامستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ (اور اس میں برغبتِ تمام شرکت کرنے والے مصداق بن جاتے ہیں اس حدیث کا)

ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم۔

ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

یہ مجلس آج سے نہیں۔ آدم علیہ السلام نے خود کی اور کرتے رہے۔ اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی۔ کوئی دن ایسا نہ تھا کہ آدم علیہ السلام، ذکر حضور نہ کرتے ہوں۔ اوّل روز سے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ، میرے حبیب و محبوب کا ذکر کیا کرو، صلی اللہ علیہ وسلم۔

جس کے لیے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روح الٰہی آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے پتلے میں داخل ہوتی ہے، آنکھ کھلتی ہے، نگاہ ساقِ عرش پر ٹھہرتی ہے، لکھا دیکھتے ہیں: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) عرض کی: الٰہی یہ کون ہے جس کا نام پاک تُو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ لکھا ہے؟ ارشاد ہوا: اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے۔ وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔

لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُکَ وَلَا اَرْضًا وَّلَا سَمَآءً۔

اسی کے طفیل میں تجھے پیدا کیا اگر وہ نہ ہوتا، نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان بناتا۔

تو کنیت اپنی ابو محمد کر، صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

آنکھ کھلتے ہی نام پاک بتایا گیا پھر ہر وقت ملائکہ کی زبان سے ذکر اقدس سنایا گیا۔ وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا۔ ہمیشہ ذکر و چرچا کرتے رہے۔ جب زمانہ وصال شریف کا قریب آیا، شیث علیہ الصلوۃ والسلام سے ارشاد فرمایا "اے فرزند میرے بعد تُو خلیفہ ہوگا۔ عمادِ تقویٰ (ستونِ پرہیزگاری) عروۃ وثقیٰ (دستہ استوار و محکم) کو نہ چھوڑنا۔ العروۃ الوثقی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عروۃ وثقیٰ محمد ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب اللہ کو یاد کرے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ ہر گھڑی ان کی یاد میں مشغول ہیں۔"

اسی طور پر چرچا ان کا ہوتا رہا۔ پہلی انجمن روز میثاق جمائی گئی، اس میں حضور کا ذکر تشریف آوری ہوا۔ اور قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں فرمایا کہ:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ o فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

جب عہد لیا اللہ نے نبیوں سے، کہ بے شک میں تمہیں کتاب و حکمت عطا فرماؤں، پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول، تصدیق فرمائیں ان باتوں کی جو تمہارے ساتھ ہیں تو تم ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔ (اور قبل اس کے کہ انبیاء کچھ عرض کرنے پائیں) فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ عرض کی ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں پھر جو

کوئی اس اقرار کے بعد پھر جائے تو وہی
لوگ بے حکم ہیں۔

مجلس میثاق میں رب العزۃ نے تشریف آوری حضور کا بیان فرمایا اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے سنا اور انقیاد (وگرویدگی) واطاعت (وخدمت گزاری) حضور کا قول دیا۔ ان کی نبوت ہی مشروط تھی، حضور کے مطیع وامتی بننے پر۔ (اللہ اللہ! امتیوں پر فرض کرتے ہیں رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور رسولوں پر فرض کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے گرویدگی فرماؤ۔ غرض صاف صاف جتا رہے ہیں کہ مقصود اصلی ایک وہی ہیں باقی تم سب تابع و طفیلی۔

مقصود ذاتِ اوست دگر جملگی طفیل

تو سب سے پہلے حضور کا ذکر تشریف آوری کرنے والا اللہ ہے کہ فرمایا:

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ — پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائیں۔

اور ذکر پاک کی سب میں پہلی (مجلس) یہی مجلس انبیاء ہے۔ علیہم الصلوۃ والسلام۔ جس میں پڑھنے والا اللہ اور سننے والا انبیاء اللہ۔ (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

غرض اسی طرح ہر زمانے میں، حضور کا ذکر ولادت و تشریف آوری ہوتا رہا۔ ہر قرن میں انبیاء و مرسلین، آدم علیہ السلام سے لے کر ابراہیم و موسیٰ و داؤد و سلیمان و زکریا علیہم السلام تک، تمام نبی و رسول، اپنے اپنے زمانے میں مجلسِ حضور ترتیب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سب میں پچھلا، ذکر شریف سنانے والا، کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا، جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا، نشانی سارے جہان کے لیے، یعنی سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لایا فرماتا ہوا:

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ — میں بشارت دیتا ہوں ان رسول کی، جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم)

یہ ہے مجلسِ میلاد۔ جب زمانہ ولادت شریف کا قریب آیا، تمام ملک و ملکوت میں محفلِ میلاد تھی۔ عرش پر محفلِ میلاد، فرش پر محفلِ میلاد، ملائکہ میں مجلسِ میلاد ہو رہی تھی، خوشیاں مناتے حاضر آئے ہیں، سر جھکائے کھڑے ہیں، جبرئیل و میکائیل حاضر ہیں، علیہم الصلوۃ والسلام۔ اس دولہا کا انتظار ہو رہا ہے جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی۔ سبع سموات میں عرش و فرش پر دھوم ہے۔

ذرا انصاف کرو، تھوڑی سی مجازی قدرت والا، اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدت سے انتظار ہو۔ اب وقت آیا ہے تو کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا۔ وہ عظیم مقتدر، جو چھ ہزار برس پیشتر، بلکہ لاکھوں برس سے، ولادت محبوب کے پیش خیمے تیار فرما رہا ہے۔ اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین، ظہور فرمانے والے ہیں، یہ قادر علی کل شیء (جو ہر شے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے) کیا کچھ خوشی کے سامان مہیانہ فرمائے گا۔

شیاطین کو اس وقت جلن تھی اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے ہیں کہ ان کے ہاتھوں ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے اس نے بچا لیا۔ ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم۔

ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے، دو کو بچا سکتا ہے، کوئی قوی ہوگا زیادہ سے زیادہ دس بیس کو بچالے گا۔ اور یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے، اور بچانے والا وہی ایک۔

اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمُّوْا اِلَيَّ۔ — میں تمہارا بند کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں، ارے میری طرف آؤ۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم)

یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں۔ قسم اس کی جس نے انہیں رحمۃ للعالمین بنایا، آج وہ ایک ایک مسلمان کا بند کمر پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الحمد للہ کیسا حامی پایا۔ اربوں سے بھی اربوں مراتب، گرنے والوں کو ان کا ایک اشارہ کفایت کر رہا ہے تو ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریت کو جتنا غم ہو

تھوڑا ہے۔ پہاڑوں میں ابلیس اور تمام مَرَدَہ (مردودِ بارگاہِ الٰہ) سرکش قید کر دیئے گئے تھے۔ اسی کے پیرو اب بھی غم کرتے ہیں، خوشی کے نام سے مرتے ہیں۔

ملائکہ سبع سموات (ساتوں آسمانوں کے فرشتے) دھوم مچا رہے تھے۔ عرش ذوق و شوق میں ہلتا تھا، ایک علم مشرق اور دوسرا مغرب، اور تیسرا بامِ کعبہ پر نصب کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کا دارالسلطنت کعبہ ہے اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک۔ تمام جہان انہیں کی سلطنت، انہیں کی قلمرو میں داخل ہے (اور جب) اس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آ پہنچی کہ اوّل روز سے اس کی محفل میلاد، اس کے خیر مقدم کی مبارکباد ہو رہی ہے، قادر علی کل شیء نے اس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے۔

گھر گھر مسرت و شادمانی کی رسوم، ہر طرف تہنیت و مبارکباد کی دھوم، نسیمِ بہار چلی، شاخ شاخ سے گلے ملی، گل فرطِ مسرت سے پھولے نہ سمائے، کلیوں کی چٹک سے صلوات اللہ تعالی وسلامہ علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آئیں۔ سحابِ رحمت اللھم صل علی ھذا النبی الکریم کہتا گھر آیا۔ بوندیاں شوقِ دیدار میں درود پڑھتی اتریں۔ بجلیوں نے سورۂ نُور وردِ زبان کی اور جب وہ مبارک ساعت بالکل قریب آئی جبرئیل امین ایک پیالہ شربت جنّت کا سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے لیے حاضر ہوئے۔ اس کے نوش فرمانے سے وہ دہشت زائل ہو گئی جو ایک آواز سننے سے پیدا ہوئی تھی، پھر ایک مرغ سپید کی شکل بن کر، اپنا پر، سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن مبارک سے مل کر عرض کرنے لگے۔

اِظْهَرْ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْنَ اِظْهَرْ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ
اِظْهَرْ يَا اَكْرَمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ

"جلوہ فرمائیے اے تمام رسولوں کے سردار! جلوہ فرمائیے اے تمام انبیاء کے خاتم، جلوہ فرمائیے اے سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ کریم۔"

یا اور الفاظ ان کے ہم معنی، مطلب یہ کہ دونوں جہان کے دولہا! برات سج چکی اب جلوہ افروزی سرکار کا وقت ہے۔

فَظَهَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَالْبَدْرِ الْمُنِيْرِ۔
پس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہوئے جیسے چودھویں رات کا چاند۔ (انتہی)

اے انجمن والو ہوشیار، باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب، دست بستہ کھڑے صلوٰۃ و سلام عرض کرو۔ تمہارے حامی، تمہارے والی، تمہارے یاور، تمہارے سرور، تمہارے آقا، تمہارے مولا، تمہارے سردار، تمہارے غم خوار، محبوب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری آ چکی اور وہ جانِ مسیح، جان بخشِ عالم تشریف لا چکے۔

تعظیم کو اٹھے ہیں ملک، تم بھی کھڑے ہو
پیدا ہوئے سلطانِ عرب، شاہِ عجم آج

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الصلوۃ والسلام علیک یا نبی اللہ الصلوۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ الصلوۃ والسلام علیک یا خیر خلق اللہ الصلوۃ والسلام علیک وعلی آلک و صحبک و اولیاء امتک وعلماء ملتک دائما ابدا سرمدا امین والحمد للہ رب العلمین۔

شمس و قمر، سلام کو حاضر ہیں السلام
جن و بشر سلام کو حاضر ہیں السلام
سب بحر و بر، سلام کو حاضر ہیں السلام
سنگ و شجر، سلام کو حاضر ہیں السلام
سب خشک و تر، سلام کو حاضر ہیں السلام
سب کروفر، سلام کو حاضر ہیں السلام
شوریدہ سر سلام کو حاضر ہیں السلام
خستہ جگر سلام کو حاضر ہیں السلام

(۱۰۸) مجرب ترین چند اعمال

(جملہ حاجاتِ دینی و دُنیوی کے لیے باذنِ تعالیٰ مفید)

(۱) طریقہ ختمِ قادریہ

اوّل درودِ قادریہ: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ۔ ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار۔

اور اگر یہ نہ پڑھ سکے تو یہ صیغہ پڑھے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ پھر کلمۂ تمجید: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار۔

پھر سورۂ اخلاص شریف ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار۔

پھر سورۂ الم نشرح ایک ہزار گیارہ (۱۰۱۱) بار۔

اور اس سورت کے شروع کرنے کے وقت سورہ یٰسین شریف تین بار، ایک یا دو یا تین آدمی پڑھیں۔

پھر سورۂ الم نشرح کے بعد سورہ فاتحہ ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار۔

پھر وہی درود شریف ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار۔

اور سورۂ اخلاص شریف ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار۔

اور پھر یا حضرت شیخ عبدالقادر اَعْطِنِیْ شَیْئًا لِّلّٰہِ ایک سو گیارہ (۱۱۱) بار پڑھ کر ختم کرے۔ بعد ختم اگر ممکن ہو تو تھوڑی شیرینی پر، ورنہ ویسے ہی حضور غوث پاک کی روح پر فتوح کا فاتحہ پڑھے اور اپنی حاجت حضرت رب العزت سے طلب کرے۔

(۲) طریقہ ختمِ خواجگان

اوّل ایک شخص دوگانہ (دو رکعت نماز نفل) ادا کرے جس کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ شریف) تین بار پڑھے۔ بعد دوگانہ ہاتھ اٹھا کر سات مرتبہ یہ دعا پڑھے:

یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ وَیَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ وَیَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ وَیَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ وَیَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ تَوَکَّلْتُ عَلَیْکَ یَارَبِّ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْٓ اِلَیْکَ یَارَبِّ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اس کے بعد سورہ فاتحہ (الحمد شریف) مع تسمیہ (بسم اللہ) سات بار، درود شریف سو بار۔

اَلَمْ نَشْرَحْ مع تسمیہ ایک ہزار ایک سو (۱۱۰۰) بار۔

پھر سورۂ فاتحہ سات بار۔

پھر درود شریف سو بار پڑھ کر ختم کرے۔

اس ختم (یونہی ختم قادریہ وغیرہ کسی ختم) کے پڑھنے کے درمیان، کوئی بات نہ کرے۔ بلکہ جو اس میں شریک نہیں وہ بھی بہ ضرورت بات کریں تو اس کا لحاظ رکھیں کہ ان کی آواز، ان کے کام میں خلل انداز نہ ہو اور کسی طرح اس کی توجہ نہ بٹے۔ یہ ختم سات آدمی جمع ہو کر پڑھتے ہیں لیکن زائد اور کم میں بھی مضائقہ نہیں۔

بعد ختم مٹھائی پر فاتحہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی و خواجہ ابوالحسن خرقانی و خواجہ یوسف ہمدانی و خواجہ عبدالخالق غجدوانی و خواجہ ابو منصور ماتریدی و خواجہ احمد یسوی و خواجہ بہاء الدین نقشبند کا پڑھے۔

اوّل سات روز شیرینی ضروری ہے، بعد کو نہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

(۳) کشائش رزق کے لیے

نماز مغرب یا عشاء کے بعد، سربرہنہ (ننگے سر) ایسی جگہ قبلہ رو، مودب بیٹھ کر جہاں اس پر کسی کا سایہ نہ پڑے۔ (یعنی گوشہ تنہائی میں، جہاں توجہ نہ بٹے) اول آخر گیارہ بار درود شریف (اور بہتر درود قادریہ ہے) اور اس کے بعد یا مسبب الاسباب پانچ سو بار پڑھے۔

پھر دل کو حتی الامکان خیالات غیر سے، پاک کر کے، عظمت و جلالِ الٰہی کے تصور میں ڈوب کر، بکمالِ ادب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے۔

سورۂ مزمل شریف کا ہمیشہ ورد رکھنا بھی وسعتِ رزق کے لیے بڑا موثر عمل ہے۔

(۴) جملہ مہمات کے لیے

یہ دعا جمعرات کے روز صبح کے وقت پڑھے۔ پڑھتے ہوئے دس روز نہ گزریں گے کہ باذنہٖ تعالیٰ اس کی حاجت، بظاہر کیسی ہی دشوار ہو، بر آئے گی۔ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کی حاجت روا نہ ہو تو قیامت کے روز، اس کا ہاتھ، میرا دامن۔ اخلاص شرط ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْقَادِرُ الْقَاهِرُ الْقَوِيُّ الْكَافِيُّ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(۵) شفائے امراض کے لیے

مریض خواہ کسی حالت میں ہو، مذکورۂ ذیل کلمات اس کی زبان سے کہلائیں۔ اگر وہ صحیح طور پر ادا کر سکا تو انشاء اللہ تعالیٰ شفاء کی امید ہے۔ ورنہ موت مقدر ہے اور موت ہی اس کی شفاء۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ اَللّٰهُ دَائِمٌ قَدِيْمٌ اَزَلِيٌّ يُزِيْلُ الْعِلَلَ وَهُوَ دَائِمٌ قَدِيْمٌ فِيْ اَزَلِيَّتِهٖ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزَال۔

مریض صحت یابی کے لیے یہ دعا روزانہ چند بار ورد کرے کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور صحت کی امید واثق ہے۔

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الرَّحْمٰنِ الْمَلِكِ الدَّيَّانِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ مُسَكِّنُ الْعُرُوْقِ الضَّارِبَةِ وَمُنِيْمُ الْعُيُوْنِ السَّاهِرَةِ۔

یہ دعا مشک و زعفران سے کسی صاف ستھرے برتن میں لکھ کر مریض کو پلائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ صحت یاب ہو گا۔

اِلٰهِیْ قَلْبِیْ مَحْجُوْبٌ وَّ عَقْلِیْ مَغْلُوْبٌ وَّنَفْسِیْ مَعْيُوْبٌ وَّلِسَانِیْ مُقِرٌّ بِالذُّنُوْبِ فَكَيْفَ حِيْلَتِیْ يَا سَتَّارَ الْعُيُوْبِ وَيَا غَفَّارَ الذُّنُوْبِ يَآ اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

بدن کے کسی حصہ میں درد ہو اس سے نجات پانے کے لیے درود شریف پڑھ کر پانچ یا سات بار یہ دعا پڑھ کر اس جگہ دم کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الشَّافِیْ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِيْمِ وَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَسْكُنْ بِاِذْنِ رَبِّیْ وَرَبِّكَ الْعَزِيْزِ۔

ہر وقت بیٹھتے اٹھتے لیٹتے چلتے، ہر حال میں، خواہ وضو ہو یا نہ ہو، بہر حال آیۂ کریمہ اَللّٰهُ الصَّمَدُ جس قدر پڑھی جا سکے پڑھے۔

(۶) حصولِ زیارتِ اقدس کے لیے

طاق بار، جتنا بطیبِ قلب پڑھا جا سکے اور نبھ سکے، درود شریف کے اس صیغہ سے بڑھ کر کوئی صیغہ نہیں۔ مگر خالص تعظیم شانِ اقدس کے لیے پڑھے۔ اس نیت کو بھی دخل نہ دے کہ مجھے زیارت اقدس نصیب ہو۔ آگے ان کا کرم بے حد و بے انتہا ہے۔ منہ مدینہ طیبہ کی طرف ہو اور دل حزیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم کی طرف۔ دست بستہ پڑھے اور یہ تصور باندھے کہ روضۂ انور کے سامنے حاضر ہوں اور یقین جانے کہ حضور پرنور رحمتِ عالم، عالمِ اعلم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وسلم اسے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے دل کے خطروں پر واقف ہیں اور ان کی نگاہ بیکس پناہ اس کی طرف ہے۔ وہ صیغہ درود شریف یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا اَمَرْتَنَا اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْہِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُہٗ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ

(۷) حفاظتِ الٰہی میں رہنے کے لیے

آیۃ الکرسی شریف سوتے وقت ایک بار پڑھے۔ جب تک سوئے حفاظتِ الٰہی میں رہے اس کے گھر اور آس پاس کے گھروں میں چوری سے پناہ ہو۔ آسیب و جن کا خلل نہ ہو۔

یونہی دونوں کفِ دست پھیلا کر، چاروں قل ایک ایک بار پڑھ کر، ان پر دم کر

کے، سر اور چہرہ اور سینے، اور آگے پیچھے جہاں تک ہاتھ پہنچے، سارے بدن پر پھیرے۔ پھر دوبارہ سہ بارہ اسی طرح کرے۔ ہر بلا سے محفوظ رہے۔

نیز تسبیحِ فاطمہ یعنی سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ کر سو جائے۔ صبح نشاط پر اٹھے اور بے شمار فوائد حاصل کرے۔ ایک فائدہ اس میں یہ ہے کہ عورتیں ہر زمانہ میں پابندی سے پڑھ سکتی ہیں۔

فرضِ نمازِ مغرب سے فراغت کے بعد اسی جگہ بیٹھے ہوئے تین بار، اور دوسری نمازوں سے فارغ ہو کر سات بار سورہ تبت یدا پڑھ کر دونوں ہاتھوں کے ناخنوں پر پھونکے اور زمین پر مارے۔ انشاء اللہ شرِ دشمنان سے محفوظ رہے۔

اس حرز کو سفید کاغذ پر لکھ کر، مستعمل مگر پاک سفید کپڑے میں لپیٹ کر سیدھے بازو پر باندھے۔ ہر بلاء و آسیب سے حفاظت میں رہے۔ زمانہ وبا میں خصوصاً بچوں کے لیے بہت مفید ہے۔

۷۸۶ ھ ھ ھ ھ ھ ※ و و و و و و و ھ وصم

اس میں ھ اور و، ص اور م کے منہ کھلے رکھیں اور ص کو م سے کاٹ کر لکھیں۔

(۱۰۹) ضروری ہدایات

(۱) مذہب اہلسنّت وجماعت پر قائم رہیں کہ یہی فرقہ ناجیہ ہے اور یہ نجات پانے والا گروہ اب چار مذاہب پر مجتمع ہے: حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ اس زمانہ میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی جہنمی ہے۔ لہٰذا سنیوں کے جتنے مخالف مثلاً قادیانی، نیچری، رافضی، مودودی، دیوبندی، وہابی، ندوی، اہلِ قرآن اور اہل حدیث وغیرہ ہیں، سب سے جُدا ہیں۔ سب کو اپنا اور دین کا دشمن جانیں، ان کی بات نہ سنیں، ان کے پاس نہ بیٹھیں، ان کی کوئی تحریر نہ دیکھیں کہ شیطان کو معاذ اللہ، دل میں وسوسہ ڈالتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ آدمی کو جہاں مال یا آبرو کا اندیشہ ہو، ہرگز نہ جائے گا۔ دین و ایمان سب سے زیادہ عزیز چیز ہے، ان کی محافظت میں حد سے زیادہ کوشش فرض ہے۔ مال اور دنیا کی عزت دنیا کی

زندگی ہی تک ہے۔ دین و ایمان سے ہمیشگی کے گھر میں کام پڑتا ہے، ان کی فکر سب سے زیادہ لازم ہے۔

(۲) نماز پنجگانہ کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ مردوں کو مسجد و جماعت کا التزام بھی واجب ہے۔ بے نماز مسلمان، گویا تصویر کا آدمی ہے کہ ظاہری صورت انسان کی مگر انسان کا کام کچھ نہیں۔ بے نمازی وہی نہیں ہے جو کبھی نہ پڑھے۔ بلکہ جو ایک وقت کی بھی قصداً کھوئے بے نمازی ہے۔ کسی کی نوکری، ملازمت، خواہ تجارت وغیرہ کسی حاجت کے سبب، نماز قضا کردینی، سخت ناشکری، پرلے سرے کی ناوانی ہے۔ کوئی آقا یہاں تک کہ کافر کا بھی اگر نوکر کوئی ہو، اپنے ملازم کو نماز سے باز نہیں رکھ سکتا اور اگر منع کرے تو ایسی نوکری ہی حرام قطعی ہے اور کوئی وسیلہ رزق، نماز کھو کر برکت نہیں لا سکتا۔ رزق تو اس کے ہاتھ میں ہے جس نے نماز فرض کی اور اس کے ترک پر سخت غضب فرماتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالی۔

(۳) کتنی نمازیں قضا ہوگئی ہیں، سب کا ایسا حساب لگائیں کہ تخمینے میں باقی نہ رہ جائیں، زیادہ ہو جائیں تو حرج نہیں اور وہ سب بقدر طاقت، رفتہ رفتہ نہایت جلد ادا کریں۔ کاہلی نہ کریں کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔ اور جب تک فرض ذمہ پر باقی ہوتا ہے کوئی نفل قبول نہیں کیا جاتا۔ قضا نمازیں جب متعدد ہوں۔ مثلاً سو بار کی فجر قضا ہے تو ہر بار یوں نیت کریں کہ سب میں پہلی وہ فجر جو مجھ سے قضا ہوئی، ہر دفعہ یوں ہی کہیں کہ سب میں پہلی وہ فجر جو مجھ سے قضا ہوئی۔ یعنی جب ایک ادا ہوئی تو باقیوں میں جو سب سے پہلی ہے۔ اسی طرح ظہر، عصر وغیرہ۔ ہر نماز میں نیت کریں۔ قضا میں صرف فرض اور وتر، یعنی ہر دن اور رات کی بیس رکعتیں ادا کی جاتی ہیں۔ (آسانی کے لیے اسی کتاب میں قضا نماز کا بیان دیکھ لیں)

(۴) جتنے روزے بھی قضا ہوئے ہوں، دوسرا رمضان آنے سے پہلے قضا کر لیے جائیں کہ حدیث شریف میں ہے جب تک پچھلے رمضان کے روزوں کی قضا نہ کر لی جائے اگلے قبول نہیں ہوتے۔

(۵) جو صاحبِ مال ہیں زکوٰۃ بھی دیں، جتنے برسوں کی نہ دی ہو فوراً حساب کر کے ادا

کردیں۔ ہر مال کی زکوٰۃ قمری سال تمام ہونے سے پہلے دے دیا کریں۔ سال تمام ہونے کے بعد دیر لگانا گناہ ہے۔ لہٰذا شروع سال سے رفتہ رفتہ دیتے رہیں۔ سال تمام پر حساب کریں اگر پوری ہوگئی بہتر ورنہ جتنی باقی ہو فوراً دے دیں اور کچھ زیادہ نکل گیا ہے تو اختیار ہے وہ سال آئندہ میں مجرا کرلیں اللہ عزوجل کسی کا نیک کام ضائع نہیں کرتا۔

(۶) صاحبِ استطاعت پر حج بھی فرض اعظم ہے۔ اللہ عزوجل نے اس کی فرضیت بیان کر کے فرمایا:

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ — اور جو کفر کرے تو اللہ سارے جہان سے بے پرواہ ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تارکِ حج کو فرمایا کہ "چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔" والعیاذ باللہ تعالی۔

(۷) کذب، فحش، چغلی، غیبت، زنا، لواطت، ظلم، خیانت، ریا، تکبر، داڑھی منڈانا، یا کتروانا، فاسقوں کی وضع اختیار کرنا، یہ بری خصلتیں اور تباہ کر دینے والی عادتیں ہیں، ان سے اور ہر بری خصلت سے بچیں۔ جو ان ساتوں باتوں کا عامل رہے گا، اللہ و رسول کے وعدے سے اس کے لیے جنت ہے۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

(۱۱۰) یاراں بکوشید

کیے جاؤ کوشش مرے دوستو!

خدا کی طلب میں سعی کرتے رہو۔ جتنی ہو سکے، مجاہدے کرو اور یقینِ کامیابی و کامرانی رکھو۔ تمہارا رب مہربان ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ — جو ہماری طلب میں کوشش کرتے ہیں، ضرور ہم انہیں اپنی راہیں دکھاتے، مقصود

سے واصل فرماتے ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ تمہارے لیے، فتح ہر باب خیر، بالخیر فرمائے۔ اس کی راہ میں قدم رکھتے ہی اللہ کریم کے ذمہ کرم پر تمہارے لیے اجر ہوگا۔ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ۔ حضور پُرنور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں:

مَنْ طَلَبَ شَیْئًا وَّجَدَّ وَجَدَ۔ جو کسی شے کا طالب ہوگا اور کوشش کرے گا، پالے گا۔

حدیث ہی کا ارشاد ہے:

مَنْ طَلَبَ اللّٰهَ وَجَدَهٗ۔ جسے اللہ کی طلب ہوگی وہ ضرور اس کو پالے گا۔

ہاں ہاں بڑھو چلو، برابر بڑھتے چلو، بڑھے چلو۔ محبّت و اخلاص شرط ہے۔ پیر کی محبّت رسول کی محبّت ہے، رسول کی محبّت خدا کی محبت ہے۔ جتنی محبّت زیادہ ہوگی اور جتنی عقیدت پختہ، اتنا ہی فائدہ زیادہ سے زیادہ ہوگا۔ اگرچہ پیر بجائے خود کیسے از مردم ہو، باکمال نہ ہو، مگر پیر صحیح ہو کہ شرائط پیری کا جامع ہو، سلسلہ متصل ہوگا تو سرکارِ فیض سے ضرور فیض ملے گا۔ اے فرزند توحید! ہر امر میں توحید کو نگاہ رکھ۔

خدا یکے و محمد یکے و پیر یکے

تیرا قبلہ توجہ ایک ہونا، ایک ہی رہنا لازم، پریشان نظر، پریشان خاطر، دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا، نہ بن، محو رضائے حق ہو جا، دین و دنیا کا ہر کام، اخلاص کے ساتھ، اسی کے لیے کر۔ شریعت کی پیروی کر، جادۂ شریعت سے ایک دم کو قدم باہر نہ دھر، کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا، لیٹنا سونا، جانا آنا، کہنا سننا، لینا دینا، کمانا صَرف کرنا، ہر امر اسی کے لیے کر، اسی کی رضا ہو مدِ نظر۔

ریا سے بچتے رہنے کی کوشش کرنا، ہر کام اخلاص سے، خدا کی رضا کے لیے باتباعِ شریعت کرنا، یہ بڑی سعادت عظیم مجاہدہ و ریاضت ہے۔ ہمارے بعض مشائخ کا ارشاد ہے "لوگ ریاضتوں کی ہوس کرتے ہیں، کوئی ریاضت و مجاہدہ، ارکان و آدابِ نماز کی رعایت کرنے کے برابر نہیں ہے۔ خصوصاً ہر پانچ وقت مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا۔"

اَللّٰهُمَّ یَا رَبِّ بِجَاهِ نَبِیِّكَ الْمُصْطَفٰی طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنْ كُلِّ وَصْفٍ یُّبَاعِدُنَا عَنْ مُشَاهَدَتِكَ وَمَحَبَّتِكَ وَاَمِتْنَا عَلَی الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَكَلِمَةِ الشَّهَادَةِ مِنْ غَیْرِ تَغْیِیْرٍ وَّتَبْدِیْلٍ وَّالشَّوْقِ اِلٰی لِقَآئِكَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَشَرِّفْ وَكَرِّمْ۔

(۱۱۱) خاتمۃ الکتاب

۷۸۶ مولائے کریم رؤف و رحیم جلّ وعلا و سبحانہ وتعالیٰ کے فضل عمیم اور اس کی توفیق خیر رفیق کے سایۂ عاطفت میں، اپنے مرشدانِ گرامی و اساتذۂ نامی کے التفات خاص و توجہات کی برکات سے، اس فقیر بے توقیر نے "سنی بہشتی زیور" کی دوسری جلد کی تالیف و ترتیب سے آج مورخہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۸۳ء بروز پنج شنبہ فراغت پائی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَبَدًا دَآئِمًا وَهُوَ الْهَادِیْ وَوَلِیُّهٗ لَایَادِیْ۔

اُمید ہے کہ حضور پُرنور سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ اصحبہ اجمعین کی بارگاہ بے کس پناہ و عرش اشتباہ میں، یہ حقیر خدمتِ دین کا، نذرانہ شرفِ دل پائے اور حق و تبارک و تعالیٰ عوام المسلمین کو اس سے اور فقیر عصیاں شعار کی دوسری تالیفات سے دنیا و عقبیٰ میں نفع پہنچائے اور فقیر کی جملہ تصانیف وتراجم کو، اس کی مغفرت و نجات کا ذریعہ و وسیلہ بنائے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اس بندۂ گناہگار کے حق میں عفو وعافیت دارین کی دعا فرمائیں کہ سفرِ آخرت درپیش ہے اور بارِ عصیاں، ناتواں پر بیش از بیش۔

کیا عجب کہ عفو و غفور، رحیم و کریم آپ کی نیک دعاؤں کے طفیل میری یاہیوں اور عصیاں شعاریوں پر قلم عفو پھیر کر ارشاد فرمائے کہ اے بندۂ ذلیل و رسوا

ہم نے تجھے اپنے دامانِ کرم میں لے کر، تجھے اپنے فضل وکرم سے بخشا کہ تو ہمارے محبوب اکرم کے لاڈلے بیٹے غوث اعظم کے غلامانِ خاص کے پیش خدمتوں میں شامل اور ان کے خدمت گزاروں کے زمرے میں داخل ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔


فرید بک سٹال ۳۸۔اُردو بازار لاہور